

حجۃ اللہ البالغہ

اُردو



مؤلف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مستخرج

مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ رحمانیہ



آیات اللہ الکاملۃ

اردو ترجمہ

حجۃ اللہ البالغہ

مؤلفہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مستزجم

مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر عزیز فی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب — — — — — حجة اللہ البالغہ

مؤلفہ — — — — — حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مستزحم — — — — — مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ

مطبع — — — — — علی اعجاز پرنٹرز

ناشر — — — — — مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر

(ادارہ)

گزار ہوں گے۔

حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةِ

فہرست مضامین

باب نمبر	مضامین	صفحہ	باب نمبر	مضامین	صفحہ
	دیباچہ	9	18	تدابیر نافعہ کے حصول کی کیفیت	76
	مختصر حالات مصنف کتاب علیہ الرحمۃ	12	19	تدابیر اولیٰ کے بیان میں	79
	قرآن وحدیث کی اشاعت	13	20	آداب معیشت کے بیان میں	80
باب	مقدمہ	23	21	تدابیر منزل کے بیان میں	81
1	خدا کی صفت ابداع خلق تدبیر کے بیان میں	33	22	معاملات کے فن میں	84
2	عالم مثال کے ذکر میں	35	23	سیاست مدنی کے بیان میں	86
3	ملاء اعلیٰ کے ذکر میں	38	24	بادشاہوں کی سیرت میں	88
4	سنت اللہ کے بیان میں	42	25	اپنے اعوان و انصار کی سیاست کے بیان میں	90
5	روح کی حقیقت کے بیان میں	44	26	منافع چہارم کے بیان میں	92
6	سرالتکلیف (مکلف ہونے کا بیان)	46	27	اصول منافع پر سب لوگوں کے اتفاق کا بیان	93
7	تکلیف کا تقدیر سے لگانا	48	28	ان رسوں کا بیان جو لوگوں میں مشہور ہوتی ہیں	95
8	تکلیف کا جزا و سزا کے لیے باعث ہونا	54	29	سعادت کی حقیقت کے بیان میں	96
9	اختلاف پیدائش کا بیان	57	30	سعادت انسانی کے حصول میں اختلاف کا بیان	98
10	ان ارادوں کے اسباب جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں	59	31	حصول سعادت میں کیفیت کا اختلاف	100
11	اعمال کا نفس کے ساتھ تعلق	60	32	وہ اصول و قواعد جو دوسرے طویقوں کے لیے مدار اور مرجع ہیں	101
12	اعمال کا ملکات نفسانی سے تعلق	62	33	چار اوصاف حاصل کرنے کے طریقے	104
13	جزا و سزا کے اسباب	64	34	ان حجابات کی تفصیل جو فطری امور کے ظاہر ہونے سے سامنے ہوا کرتے ہیں	106
14	دنیا میں اعمال کی سزا	65	35	ان طریقوں کا بیان جس سے یہ حجابات دور ہو سکتے ہیں	107
15	موت کی حقیقت میں	68	36	مقدمہ	109
16	لوگوں کے حالات کا عالم برزخ میں مختلف ہونا	70		نیکی اور گناہ کی بھینقت میں	109
17	واقعات حشر کے اسرار و رموز	73			

167	ارکان اور آداب وغیرہ معین کیے جایا کرتے ہیں	110	توحید کے بیان میں	37
171	اوقات کے اسرار میں	112	حقیقتِ شرک کے بیان میں	38
174	اعداد اور مقداروں کے بیان میں	114	شرک کی اقسام میں	39
178	قضا اور رخصت کے اسرار میں	116	اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے کے بیان میں	40
180	تدابیر کے قائم کرنے اور رسموں کی اصلاح میں	120	قدر پر ایمان لانے کے بیان میں	41
185	ان احکام کے بیان میں جو بعض بعض سے پیدا ہوتے ہیں	123	حقوق العباد اور اللہ کا بندوں پر انعام اور جزا	42
189	مبہم کے انضباط اور مشکل کی تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنے وغیرہ کے بیان میں	126	شعائر اللہ کی تعظیم کے بیان میں	43
192	مذہبی آسانوں کا بیان	128	وضو اور غسل کے اسرار میں	44
195	ترغیب اور ترہیب کے اسرار میں	131	نماز کے اسرار میں	45
199	کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے امت محمدیہ کے طبقات اور درجات	133	زکوٰۃ کے اسرار میں	46
203	اس بیان میں کہ ایسے مذہب کی ضرورت ہوا کرتی ہے جو اور مذہب کا ناخن ہو	134	روزہ کے اسرار میں	47
206	مذہب کو اس طرح پختہ کرنا کہ اس میں تحریف اور رد و بدل نہ ہو سکے	135	حج کے اسرار میں	48
210	ہمارے مذہب اور یہودیت و نصرانیت کے مختلف ہو جانے کے اسباب میں	137	نیکی کے اقسام کے اسرار میں	49
212	اسبابِ نسخ میں	138	گناہوں کے درجوں میں	50
215	اس بیان میں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کیا حال تھا؟	140	گناہوں کی خرابیوں کے بیان میں	51
221	علوم نبوی ﷺ کے اقسام میں	142	ان گناہوں کا بیان جو نفس کی حالت سے متعلق ہیں	52
223	مصلحتوں اور شریعتوں میں کیا فرق ہے؟	144	ان گناہوں کا بیان جن کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے	53
224	امت محمدیہ نے شریعت کو آنحضرت ﷺ سے کیسے اخذ کیا	147	اس کے بیان میں کہ مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے قائم کرنے والوں کی ضرورت ہے۔	54
		149	نبوت کی حقیقت اور اس کے خواص کے بیان میں	55
		153	مذہب کی اصل ایک ہے	56
			اس بیان میں کہ خاص خاص نزولِ شرائع کے اسباب کیا ہیں	57
		156	شریعت کے طریقوں پر مواخذہ کرنے کے اسباب	58
		162	حکمتوں اور علتوں کے اسرار کے بیان میں	59
		164	ان مصلحتوں کے بیان میں جن سے فرائض اور	60

302	خصال فطرت اور ان کے متعلق اور باتوں کا بیان	226	کتب حدیث کے طبقوں کے بیان میں	78
305	پانیوں کے احکام کا بیان	230	کلام سے مقصود کیسے سمجھ میں آیا کرتا ہے	79
307	نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں	232	قرآن و حدیث سے احکام شریعہ کو کیسے سمجھا کرتے ہیں	80
309	ان احادیث کا ذکر جو نماز کے باب میں وارد ہوئی ہیں	234	مختلف حدیثوں میں فیصلے کے بیان میں	81
310	نماز کی فضیلت کا بیان		ان اسباب کے بیان میں کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے	82
311	نماز کے اوقات کا بیان	238	فروع میں کیسے اختلاف کیا	
316	اذان کا بیان	244	فقہاء کے مذہب مختلف ہونے کے کیا اسباب تھے	83
318	مساجد کا بیان	249	اہل حدیث اور اصحاب الزائے کے بیان میں	84
322	نمازی کے کپڑوں کا بیان	257	چوتھی صدی سے پہلے اور پیچھے لوگوں کے حال کا بیان	85
324	قبلہ کا بیان	259	فصل	
325	سترہ کا بیان	270	قسم دوم	
326	ان امور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں	270	آنحضرت ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں	
332	نماز کے اذکار اور اس کی ہیئت مستحبہ کا بیان		بالتفصیل ان کے اسرار کے بیان میں۔ ان احادیث	
	سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت اور ان چیزوں کا بیان جن	270	کا ذکر جو ایمان کے باب میں وارد ہوئی ہیں	
339	کا کرنا نماز میں ناجائز ہے	282	اتباع کتاب و سنت	
342	نوافل کا بیان	288	طہارت کا بیان	
351	اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان	290	وضو کی فضیلت کے بیان میں	
353	معذور لوگوں کی نماز کا بیان	291	وضو کرنے کی ترکیب	
356	جماعت کا بیان	293	موجبات وضو کے بیان میں	
361	جمعہ کا بیان	295	موزوں پر مسح کا بیان	
365	عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا بیان	296	غسل کرنے کا بیان	
367	جنازوں کا بیان	297	موجبات غسل کا بیان	
379	ان احادیث کا بیان جو زکوٰۃ کے باب میں آئی ہیں		بے وضو اور جب کو کس چیز کا کرنا جائز ہے اور کس	
381	سختی کی فضیلت اور بخل کی برائی کا بیان	298	چیز سے اس کو ممانعت ہے	
385	زکوٰۃ کی مقدار کا بیان	299	تیمم کا بیان	
388	زکوٰۃ کے مصارف کا بیان	301	پانچانہ میں جانے کے آداب کا بیان	

523	آدابِ مباشرت کا بیان	391	ان امور کا بیان جو زکوٰۃ کے متعلق ہیں
525	زوجیت کے حقوق کا بیان		ان احادیث کا بیان جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں
529	طلاق کا بیان	394	
532	خلع و طہار، لعان اور ایلاء کا بیان	396	روزہ کی فضیلت کا بیان
534	عدت کا بیان	399	روزے کے احکام کا بیان
536	اولاد اور غلام و لونڈی کی پرورش کے بیان میں	403	ان امور کا بیان جو روزے کے متعلق ہیں
538	عقیقہ کے بیان میں	406	ان احادیث کا بیان جو حج کے باب میں وارد ہوئی ہیں
544	یہ باب سیاست شہروں کے اندر ہے	409	مناسک کا بیان
545	خلافت کا بیان	415	حجۃ الوداع کا ذکر
548	مظالم کا بیان	420	وہ امور جو حج سے متعلق ہیں
557	حدود کا بیان	423	ان احادیث کا بیان جو احسان کے متعلق وارد ہیں
569	قضاء کا بیان	428	اذکار اور اس کے تعلقات کا بیان
574	جہاد کا بیان	446	بقیہ مباحث احسان کا بیان
587	معیشت کا بیان	458	مقامات اور احوال کا بیان
588	کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان	458	مقدمہ اولیٰ
595	کھانے کے آداب کا بیان	462	مقدمہ ثانیہ
600	مسكرات کا بیان	481	طلب رزق کے ابواب کا بیان
602	لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان	485	بیع کی ممنوعہ اقسام
611	خواب کا بیان	493	بیع کے احکام کا بیان
613	آدابِ صحبت کا بیان	500	فرائض کا بیان
621	اس بحث کے متعلق نذر و قسموں کے احکام میں	507	تذہیر منزل کے ابواب کا بیان
623	مختلف ابواب	507	نکاح کے متعلق گفتگو اور اس کے تعلقات کا بیان
624	رسالت مآب محمد ﷺ کی سیرت کا بیان	511	ستر کا بیان
633	الفتن فتنوں کے بیان میں	514	نکاح کا بیان
639	النقاب	519	ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

دیباچہ

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾
 ((الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ
 أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ
 أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ: قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ
 آمَنُوا هُدًى وَشَفَاءً وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْوٌ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَئِكَ يُنَادَوْنَ
 مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ)).

”اے پیغمبر ﷺ کہہ دے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے تو یہ قرآن ہدایت شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں
 رکھتے اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ اُن کے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ بڑی دُور سے پکارے جاتے ہیں۔ اللہ جل
 جلالہ اس آیت شریفہ میں قرآن مجید کو ایمان والوں کے واسطے ہدایت اور شفا فرماتے ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے
 اُن کے کانوں کے واسطے اس کو بوجھ اور ان کی آنکھوں کے واسطے اس کو نابینائی قرار دیا ہے۔“

یہ ایک نہایت واضح بات ہے کہ ہر ایک انسان کی مدت زندگی ایک ایسے سفر کی مدت ہے جس کی حد اُس کی موت اور پہلی
 منزل قبر ہے اور اس سفر کے اختیار کرنے والوں کے واسطے راستے میں طرح طرح کا سامان کھانے پینے پہننے پھرنے سونے اٹھنے
 بیٹھنے کے واسطے مہیا کیا گیا ہے۔ اس مہیا شدہ سامان میں سے صرف اس قدر حصہ جو ہر ایک مسافر کو اپنی ذات میں دیا گیا ہے اور
 سورج۔ چاند۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ زمین اور ان کی تاثیرات اور تغیرات و تبدلات کو تدبیر و تفکر والی نظر کے سوا ایک معمولی نظر کا آدمی
 بھی کسی قدر غور کے ساتھ دیکھے گا تو اس کو قبول کرنا پڑے گا کہ ان چیزوں کا مہیا کرنے والا کوئی بڑا ہی اعلیٰ طاقت والا وسیع علم والا اور
 غیر محدود قدرت والا ہے اُس کے ساتھ مدبر اور حکیم بھی بڑا اور غالب اور زبردست بھی بڑا ہے اور یہ بھی اُس کو ضرور ماننا پڑے گا کہ
 ایسا عظیم الشان سامان بیکار اور بے فائدہ نہیں۔ بلکہ یہ انتظام کسی شے کے واسطے کیا گیا ہے اور وہ شے بڑی ہی عظمت والی ہے اور نیز
 اس شے سے جس کے واسطے اتنا کچھ کیا گیا ہے اتنا کچھ کرنے والے نے کوئی کام اور خدمت بھی بڑی بھاری لینی ہے۔

اس سفر میں پڑنے والے مسافروں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کی نظر کی غایت اُس کا اپنا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ ہے اور
 اس مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر وہ اس تمام عظیم الشان سامان کے وجود کا موجد اسی سامان ہی کو سمجھتے ہیں اور کسی کو اس کا مستقل متصرف
 اور حاکم نہیں مانتے اسی وجہ سے اس سامان کی اشیاء کے جو خواص اور ان کی پیدائش کے جو طریق ان کے مشاہدے میں آئے ہیں۔
 ان میں سے کسی قسم کے تغیر و تبدل یا خلاف کو تقسیم نہیں کرتے۔ بعض ایسے ہیں جو اس قدر تو مانتے ہیں کہ اس سامان کا پیدا کرنے والا
 کوئی ہے لیکن پیدا کرنے کے بعد اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ موجود اور مشاہد اشیاء کو جو خواص اور طبیعتیں

اُس نے عطا کر دی ہیں اُن کو وہ نہیں بدلتا اور ساتھ ہی اس کو ﴿عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ بھی مانتے ہیں۔ اور نیز اُن کے نزدیک ان کی اور اس سامان کی پیدائش کی غرض اور غایت یہیں تک ہے کہ سفر کا سارا وقت اور ساری قوتیں اسی سامان کے حاصل کرنے اور عیش و عشرت کرنے کے واسطے کیونکہ سفر کے ختم ہونے کے بعد پھر کچھ بھی نہیں آیت مندرجہ عنوان میں خداوند انہی دو فریقوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس سفر میں پڑ کر اللہ جل جلالہ کی ہستی کا اُس کی تمام صفتوں کے ساتھ یقین اور اقرار کرتے ہیں وہ یعنی قرآن ان کے واسطے ہدایت یعنی ایک نہایت ہمدرد اور شفیق رہبر ہے جو ان کی تدبیر اور فکر کے نتیجے کی تصدیق اور آگے بڑھنے کے واسطے دستگیری کرتا ہے اور اثناء سفر میں تقاضائے بشری کی غفلتوں اور نسیانوں کے باعث جو کبھی کبھی تھوڑے بہت چھوٹے بڑے اوہام باطلہ و خیالات فاسدہ کے امراض عارض ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے واسطے شفا ہے ایسے خوش اقبال مسافروں کی مثال اس حکیم حاذق کی سی ہے جو بدنی امراض اور ان کی زائل کرنے والی ادویات اور مفرحات قلب اور مقویات دماغ اور اعصاب و دیگر اعضائے جسم سے بخوبی واقف ہو یا اس باخبر اور تجربہ کار سپاہی کی سی جو اپنے دشمنوں کے مکائد سے بخوبی واقف اور ان کے دفعیہ کا کافی سامان موجود رکھتا ہو۔ قرآن مجید ان مبارک مسافروں کو ایک ایسے بے نظیر سامان کے ذخیرے کا مالک اور وارث بناتا ہے جو مدت سفر کے اندر بیماری کی حالت میں عاجل الشفا و امصیبت کے وقت میں زبردست حامی۔ تنہائی کی وحشت میں شفیق مونس غرض ہر ایک پیش آنے والی حالت کے واسطے حکمی صائب تدبیر بتانے والا اور اطمینان دینے والا ہے۔ یہ عاشق صفت معشوق اپنے طالبوں کی دلربائی اور دلبری کے واسطے اپنے اندر ایسی ایسی ادائیں ایسی رعنائیاں اور ایسی ایسی دلفریب زینیں اور زیبائشیں رکھتا ہے کہ دنیا کے دوسرے معشوقوں میں ان کا عشر عشر بھی نہیں پایا جاتا۔ جن لوگوں پر اس کے دیدار کا حقیقی پرتو ایک دفعہ بھی پڑ جاتا ہے۔ اس کے واسطے وہ کچھ ایسے دلچسپی کے سامان تیار کرتا ہے جن سے دوسری دلچسپیوں کا خیال ان کے دلوں سے معدوم ہو جاتا ہے اور دلوں میں عجیب قسم کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جرأت اور قوت ایسی کہ نہ خونخوار درندوں سے خوف ہوتا ہے اور نہ سفاک اور جلا د آدمیوں سے استغنا اور بے پرواہی ایسی کہ ڈھیروں سونا چاندی اگر سامنے لایا جائے تو اس کی طرف نظر بھی نہیں جاتی۔ راہ سفر میں جس قدر زینت اور آرائش کے سامان ہیں وہ ان کو منغض اور مکدر کرنے والے ان کی آنکھیں اور ان کے دماغ اس ہمیشہ بہار والے باغ کے قسم قسم کی نظر فریب اور خوشبودار پھولوں کی رنگ آمیزی اور خوشبو سے معطر اُن کے کان اس محبوب کی لطف اور شفقت آمیز آوازوں کے ایسے دلدادہ ہیں کہ دوسرے کسی آواز کے سننے کی ان کو حاجت اور خواہش ہی نہیں۔

دوسرا گروہ جس کے ادراک اور فہم کا منبع اُس کا مشاہدہ ہے اور اسی واسطے وہ اس عزیز اور قدیر احکم الحاکمین کی ہستی کو بالکل یا اس کی صفات کاملہ کے ساتھ نہیں مانتا۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے واسطے وہ یعنی قرآن مجید اس کے کانوں کا بوجھ اور اس کی آنکھوں کے واسطے نابینائی ہے یعنی جب اس کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جائیں تو جیسے کسی دلکش آواز یا خوشخبری کی بات کا اثر کانوں کے راستے دل تک پہنچتا ہے اور دل اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ان آیات کی دلفریبیاں اور دلربائیاں اُن کے دلوں تک نہیں پہنچتیں۔ بلکہ ان آیات کے پڑھنے کی آواز ان کے کانوں کے واسطے ایک بوجھ ہو جاتی ہے جو دوسری آوازوں کی طرح جہاں اسے پہنچنا چاہیے نہیں پہنچتی۔ اسی طرح جب قرآن شریف اپنے دلوں کو مسخر اور پابند کر لے والی دواؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ تو وہ

ان کو نہیں دکھائی دیتیں، یعنی ان کی نظروں میں اس سفری سامان کا حسن اور خوبی اس درجے تک بھاگئی ہے کہ قرآن شریف کی خوبیاں اس کی باتیں ادا نہیں اور ملک دل پر قابض ہو جانے والی سب دھجج ان کو نظر نہیں آتی ان کی مثال قرآن کی خوبیوں کو دیکھنے کی نسبت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی دُور سے بلاتا ہو۔ اور وہ یا تو اس تک آواز ہی نہیں پہنچتی یا آواز تو پہنچتی ہے لیکن آواز دینے والا جو کچھ اس کو کہنا چاہتا ہے اس کو بالکل نہیں سنتا، اسی واسطے ایسے مسافر قرآن شریف کی بڑی بڑی اور خاص خاص خوبیوں کے دیکھنے اور سننے سے جو اس کے سوا موجود اور مشاہد اشیاء میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں محروم رہتے ہیں۔ اور وہ اثر جو ان خوبیوں کے ساتھ لازم اور وابستہ ہے اس سے اُن کے دل متاثر نہیں ہوتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس عزیز قدرِ عظیم الشان عالی جاہ شہنشاہ کی اس قدر عظمت۔ عزت۔ ہیبت اور جلال کا حقیقی جلوہ اور مکمل پر تو ان کے دلوں پر نہیں پڑتا۔ اور جب دل اس عجیب قسم کی راحت اور ٹھنڈک والی روشنی سے بے نصیب ہوئے تو زبان ہاتھ اور دیگر اعضاء پر جو دل کے ہر وقت کمر بستہ ملازم ہیں کیا اثر کی اُمید ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان کو ان کی زندگی میں ایسا موقعہ کبھی نہیں ملتا کہ قرآن کی ان خاص خوبیوں کو معرضِ نطق میں لاوے اور نہ ہی اُس قلم کو جو اس کے بے نصیب ہاتھوں میں ہے کبھی خیال گزرا ہے کہ ایک آدھ گھنٹہ کتاب یا کتاب کا ایک آدھ صفحہ یا صفحے کی ایک آدھ سطر یا سطر میں ایک آدھ لفظ اس بارے میں لکھ دے بلکہ برخلاف اس کے وہ ہلاکت میں پڑنے والے ہاتھوں کا توڑ دینے لائق قلم اور کاٹی جانے والی زبان بجائے اس کے کہ ان سے ایسے دل کے علم اور فہم کا تصور سرزد ہو قرآن شریف کی ان خاص خوبیوں کے مٹانے پر مستعد رہتی ہے اور مٹانے کے سامان بعینہ اس باطل خیال والے شخص جیسے جو آفتاب کی روشنی اپنے منہ کی پھونکوں سے زائل کرنے کا ارادہ اور کوشش کرے یہ سب سے زیادہ اپنی ذات کے لئے بخیل اپنی ہی نامرادی پر بس نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسرے مسافر بھی اس روشنی سے ان کی طرح بے نصیب اور محروم ہوں۔ اور سفر کے اختتام پر انہی کے ہم بستر اور ہم خانہ ہوں۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ تَفْنِيْضِ الشَّيْطَانِ وَ نَعُوْذُ بِكَ بِشَسِّ الْقَرِيْنِ۔ اس اپنی ذات پر ظلم کرنے والی جماعت کے مقابل وہ دوسرے کریم النفس اپنے اور اپنے بنی نوع کی دلی خیر خواہ اور شفقت اور رحمت مجسم جماعت ہے کہ جب سے اس نے اس آبِ حیات اور آبِ زلال کا ذائقہ اٹھایا ہے۔ اسی وقت سے اپنی ہر ایک طاقت کے ذریعہ اس کوشش میں سرگرم ہے اپنے دوسرے ہمسفروں کو بھی اس کی چاشنی چکھائے ان کے مبارک اور کریم ہاتھوں کے مبارک قلموں نے اس دلا رام کی خاص اور عام خوبیوں کا لکھنا اور اُن کی متبرک زبانوں نے انہی کا وظیفہ ہر دم جاری رکھنا اپنے اس سفر کا اعلیٰ مقصود سمجھ رکھا ہے۔ ان کی سب سے عزیز خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس محبوب کی وہ خاص خوبیاں لوگوں کے دلوں میں بٹھائیں تاکہ وہ اس سے مل کر ایسے بڑے سامان اور اپنے اس سفر کے دستور العمل اور اس کی غایت سے بخوبی واقف ہو جائیں ایسے مسافروں کا وجود نہ صرف ان کے ہمعصر بلکہ ان کے بعد آنے والے مسافروں کی جماعت کے واسطے بھی خداوند تعالیٰ کی خاص رحمت اور راحت کا باعث ہوتا ہے۔ اس متبرک جماعت میں سے ایک بزرگ مخدومنا مکرنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم ہیں۔ جن کو اُن کے طریق کی ہم عصر اور بعد میں آنے والے مسافروں کی جماعت نے حکیم امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ہزاروں جانوں سے بھی بڑھ کر خطاب دیا۔ اور اس خطاب کی وجہ انسان کی روحانی بیماریوں اور اُن کے مناسب علاج کی مکمل تشریحات کا تیار کرنا ہے۔ آپ کا سفر کا زمانہ اس محبوب کی خوبیوں کے لکھنے اور بیان کرنے میں ختم ہوا

ہے۔ چنانچہ آپ کی منجملہ بہت سی تصنیفات کے ایک کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے جس میں اس ہدایت اور شفا یعنی قرآن مجید کے احکام کے اسرار اور مصالح کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب آپ نے عربی میں لکھی ہے اور عربی زبان کے جاننے والے خصوصاً اس زمانے میں بہت ہی کم لوگ رہ گئے ہیں۔ لیکن زمانے کے استدلال پسند ہونے کی وجہ سے ایسی کتاب کی اشاعت نہایت ضروریات سے تھی اس واسطے میں نے اس کا اردو ترجمہ کرا کر محنت اور کوشش سے تو کلاً علی اللہ چھاپ دیا ہے اور اس چشمہ ہدایت کو جو بہت سے لوگوں کی نظروں سے حجاب میں تھا عام کر دیا ہے۔ ایسے صاحبوں سے جن کو مذہب اسلام کے ساتھ دلچسپی ہے۔ قوی امید ہے کہ وہ اس کتاب کے فوائد سے محروم نہیں رہیں گے: **وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ عَلَيْهِ التَّوَكُّلُ وَالتَّكْلَانُ هُوَ الْمَوْلٰی وَالنَّصِيرُ نَعْمَ الْمَوْلٰی وَ نَعْمَ النَّصِيرُ۔**

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام و نسب و ولادت :

ان کا نام ولی اللہ اور ان کے والد کا نام شیخ ابوالفیض عبدالرحیم تھا جو دہلی کے مشاہیر مشائخ سے گزرے ہیں ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی سے جا ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امام موسیٰ کاظم رضا سے اس صورت میں شاہ ولی اللہ صاحب عربی نسل اور خاندان فاروقی کے ایک معزز رکن ہوئے۔

یہ معلوم نہیں کہ ان کے آباؤ اجداد کس زمانہ میں عربستان سے نکل کر پہلے ملک عجم اور پھر دہلی میں وارد ہوئے مگر ان کی جھیسویں پشت میں ایک شخص کا نام ہمایوں ہونے سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ عرصہ دراز سے عربستان چھوڑ چکے تھے سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین الشہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قواذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہا بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین الکفستی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن الواثق ملک بن عمر الحاکم مالک بن عادل ملک بن قارون بن خیر حسین بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن خطاب۔ اُن کی ولادت شوال کی چوتھی تاریخ یوم چار شنبہ ۱۱۱۳ ہجری ایک ہزار چودہ سو ہجری کو دہلی میں ہوئی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرحوم کی بشارت سے جو ان کے والد کو خواب میں ہوئی تھی ان کا نام قطب الدین رکھا گیا مگر عجب اتفاق ہے کہ اس نام کو شہرت نہیں ہوئی عام و خاص کی زبان پر شاہ ولی اللہ مشہور ہو گیا۔

تحصیل علم اور سلسلہ تدریس :

ان کی عمر ابھی پانچ برس کی تھی کہ والد بزرگوار نے بسم اللہ شروع کرادی ساتویں سال قرآن مجید ختم ہوا۔ اور پھر کتب فارسی پڑھانے کے بعد عربی پر متوجہ کیا۔ چنانچہ دسویں سال شرح ملائک پہنچ گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں اس قدر ترقی کی کہ پندرہویں سال تفسیر بیضاوی کا درس ان کو ملنے لگا۔ غرض فقہ۔ حدیث۔ تفسیر معانی بیان اصول۔ عقائد۔ تصوف۔ منطق۔ کلام۔ فلسفہ کی درسی

کتابیں اور طب۔ ہیئت۔ حساب کے چند مختصر رسالے اپنے والد سے بخوبی پڑھے۔ اور سترہویں سال اُن کے انتقال کے بعد کتب منقول اور معقول کے پڑھانے میں مصروف ہوئے اور بارہ برس تک اس کام کو بخوبی سرانجام کیا۔ ان کے تحصیل علوم کی سند اپنے والد کے ذریعہ زائد بن اسلم ہروی کے طریق پر محقق دوانی تک پہنچتی ہے۔ کتب حدیث کو انہوں نے دو مرتبہ پڑھا پہلی مرتبہ ہندوستان میں مولانا محمد افضل معروف بجاجی سیالکوٹی سے اور پھر ۱۱۴۳ھ ہجری میں مدینہ شریف پہنچ کر ابوطاہر مدنی سے جو اپنے وقت کا بڑا مشہور محدث تھا۔ تجدید اجازت کی۔ اللہ تعالیٰ نے طبع سلیم اور ذہن رسا اس درجہ کا عطا کیا تھا کہ ابوطاہر مدنی ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے کہ ولی اللہ لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور میں معنی کی سند اس سے حاصل کرتا ہوں۔ ایک برس سے کچھ زائد عرصہ حرمین میں رہ کر اور حج کعبہ اللہ سے مشرف ہو کر شروع ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان کو واپس ہوئے اور چودہویں رجب کو بخیر و عافیت وطن مالوف میں پہنچے۔

بیعت :

شیخ عبدالرحیم صاحب ان کے والد بزرگوار جیسے علوم ظاہری سے باخبر تھے ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے علوم باطنی کا شرف ان کو عطا کر رکھا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی عمر جب ۱۴ برس کو پہنچ گئی۔ اور علوم دینیہ سے بخوبی واقف ہو گئے تو والد نے پندرہویں سال ان کو یہ شرف عطا کرنا چاہا چنانچہ انہوں نے والد سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ خصوصاً نقشبندیہ میں اپنا بیش قیمت وقت صرف کرنا شروع کیا۔ والد کے پاک انفاس اور اپنے تقویٰ و طہارت سے اس کمال میں اس قدر ترقی کی کہ ان کی زندگی میں دو تین برس کے اندر عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کر لئے اور والد نے سترہویں سال بیعت و ارشاد کی اجازت ان کو دے دی۔ پھر ۱۱۴۳ھ ہجری میں جب حجاز کو گئے اور ایک سال تک حرمین شریفین کی مجاورت اور ابوطاہر مدنی کی روایت حدیث سے مشرف ہوئے تو ان کے خرقہ سے جو تمام فرقہ ہائے صوفیہ کا حادی تھا آرائش حاصل کی۔

قرآن اور حدیث کی اشاعت

ہندوستان میں اس وقت تک فقہ تصوف اور معقولات کا بہت رواج تھا اور قرآن و حدیث کا چرچا کم۔ گیارہویں صدی ہجری میں صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک ایسے بزرگ گزرے تھے جنہوں نے حدیث کی اشاعت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ کی اور ان کی کتابیں بھی ایسی مقبول ہوئیں کہ اب تک نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ مگر ان کے بعد اس سلسلہ میں کچھ ترقی نہ ہوئی۔ عام و خاص پیر پرستی اور مادہ تقلید میں مقید اور صد ہا قسم کے توہمات میں گرفتار تھے کہ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج کے واسطے شاہ ولی اللہ کو آمادہ کیا انہوں نے قرآن اور حدیث کی اشاعت میں خوب کوشش کی۔ قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا اب تک تفاسیر پر منحصر تھا۔ اور علماء اس کو اپنا حصہ سمجھ بیٹھے تھے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور لفظوں کی رعایت سے ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کو کلام الہی کا سمجھنا آسان ہو گیا۔ باوجودیکہ اس ترجمہ کی عمر ڈیڑھ سو برس

سے زائد ہو گئی تھی اور اشاعت علوم و فنون خصوصاً ترجمہ کا دریا ترقی کی لہریں مار رہا ہے۔ مگر اس ترجمہ پر کبھی کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی یہ ترجمہ قرآن مجید کی بین السطور میں تحریر ہو کر مرآت و کرات ہندوستان کے متعدد مطابع میں چھپ چکا ہے اور اس کماری سے لے کر کوہِ ہمالیہ تک مقبول خلافت ہے۔ علوم خمسہ قرآنیہ تاویل مقطعات اور رموزِ قصصِ انبیاء ہیں۔ فوز الکبیر شرقاً و غرباً فتح الجبیر اور تاویل الاحادیث ایسے عمدہ اور مختصر رسالے لکھے کہ بڑی بڑی تفاسیر کے مطالعہ سے شائقین کو مستغنی کر دیا۔ مسائلِ فقیہہ مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی تحقیقات مذہب صحابہ و تابعین اور اقوالِ جماعہ فقہاء محدثین سے کرا کر فقہ حدیث کی بنیاد از سر نو قائم کی اور اسرار حدیث و مصالح احکام کو ایسی عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ ان کے پیشر کے مصنفین کو یہ بات کمتر حاصل ہوئی ہے۔ کتاب حجة اللہ البالغہ ان کے اس کمال پر شاہد ہیں۔ رسالہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقليد میں اس امر کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ تامہ کی موجودگی میں اقوالِ فقہاء متکشفین اور استبدادِ مقلدین کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح عقائد تصوف اور سلوک میں محققانہ تقریریں کی ہیں اور خیالاتِ عالیہ کو طلباء کی سہولت اور مسائل کی تبیین میں عباراتِ مختصرہ اور اشاراتِ لطیفہ کے ذریعہ اس طرح ادا کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں دوسرے مصنف کو کم میسر ہوا۔ ان بے نظیر تصنیفات کے باعث نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے: ”اگر وجود در صدر اول و زمانہ ماضی بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمرده ميشود۔“ ہندوستان میں شرک و بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ہر توجیح میں ان کے پوتے مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ اس تعریف کے مستحق ہیں لیکن جن لوگوں نے دونوں بزرگوں کی تصانیف کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے تمام اصول اپنے دادا کی تحریرات سے ماخوذ ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مناسب حال نرم گفتاری سے کام لیتے تھے۔ اور یہ مثل شمشیر برہنہ کے میدان میں نکل کر اپنی چمک دکھاتے تھے۔

حجة اللہ البالغہ ہزاری

یہ کتاب توفیقِ حدیث پر مشتمل ہے کہ اس میں فقہ حدیث اخلاق تصوف اور فلسفہ پانچوں مضمون کا مذاق پایا جاتا ہے۔ پہلا باکمال جس نے اسرارِ علوم دین کے بیان کرنے میں اپنے جوہرِ قابلیت دکھائے اور مضامین خمسہ کو بنایا وہ امام غزالی ہیں اور احیاء العلوم ان کی عظیم الشان یادگار جو سات سو برس سے لوگوں کے افکار کا باعث ہو رہی ہے۔ دوسرے بزرگوار جنہوں نے مدت دراز کے بعد اپنے زمانہ کے مناسب حال اس فن کی تہذیب کی وہ شاہ ولی اللہ ہیں۔ اور حجة اللہ البالغہ ان کی بے نظیر کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے جس سے فقیہہ مسئلہ فقہی کا اور محدث مطابقت حدیث کو اور فلسفی اس کی دلیل اور برہان کو نکالتا ہے اور اس غور اور خوض میں ساتھ کے ساتھ اخلاق اور تصوف کا ذائقہ بھی اس کو حاصل ہوتا رہتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ احیاء العلوم کے مقابلہ میں مختصر ہے مگر تنقید انادیث میں اس سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے اس کی نسبت اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔ ”اس کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث بسیار در آں کردہ و علم اسرار آں بیان نموده۔ تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق الی واقع شدہ و مثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجرت ہیچ یکے از علمائے عرب و عجم تصدیق موجود نیامدہ و بمثلہ تصانیف مؤلفش مرئی بودہ است و فی الواقع بیش از اں است کہ و مخلص تو اں نوشت۔“

تفصیل تصانیف

شاہ ولی اللہ صاحب نے اکثر فنون میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو سب کی سب مفید اور منفعت بخش ہیں اور بعض ان میں سے عظیم النظر غیر مسبوق ہیں۔ کتب مشہورہ کی تصنیف قسم دار ہے۔

① **متعلق قرآن مجید** ☆ فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن۔ فوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ فتح الجبیر تفسیر الماثور۔ تاویل الاحادیث۔
② **متعلق حدیث** ☆ مصنفی شرح (فارسی) موطا۔ مسوئی شرح (عربی) موطا۔

③ **متعلق فقہ الحدیث** ☆ حجة اللہ البالغہ۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید۔

④ **متعلق خلافت صحابہ** ☆ ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفاء۔ قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین۔

⑤ **متعلق تصوف و سلوک** ☆ فیوض الحرمین۔ انسان العین۔ قول الجلیل بمعانی الطاف القدس۔ لمعات۔

سطعات۔ انفاس العارفین۔ خیر کثیر۔ شفا القلوب۔ بدور البازغہ۔ زہراوین۔ رسائل تنبیہات انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ وزائیں۔

⑥ **متفرقات** ☆ عقیدۃ الحسنہ۔ المقدمة السنیہ فی انتعا الفرقة السنیہ۔ سرور المحزون۔ رسالہ دانشمندی۔ ارشاد الی مہمات

الاسناد۔ المقالة الوضیۃ فی نصیحة الوصیۃ۔ ازالۃ الخفا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کو حدیث تفسیر اور تاریخ پر کس قدر

عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا۔ یہ کتاب بلحاظ جامعیت روایات کے عجیب و غریب ہے اور مصنفی میں حدیث کی تحقیقات اس

عمدگی سے کی ہے کہ درجہ اجتهاد اس سے نمایاں ہوتا ہے۔

وفات و اولاد :

شاہ ولی اللہ صاحب ۷۷۱ ہجری میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کو پہنچ چکی تھی۔ ان کی قبر پرانی دہلی میں

شاہجہان آباد کی جنوبی جانب میں ہے۔ تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے۔ ع او بود امام اعظم دین ان کے بعد ان کے چار بیٹے

مشہور گزرے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین شاہ عبدالغنی یہ چاروں بزرگوار اپنے زمانہ میں علم اور عمل و فہم و قوت

تقریر و فصاحت تحریر و تقویٰ و دیانت و امانت و مراتب ولایت میں فرید دہراور وحید عصر تھے ان میں شاہ عبدالعزیز بالخصوص زیادہ

نامور مانے گئے ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت جس قدر محدث ہیں ان سب کا سلسلہ روایت حدیث شاہ عبدالعزیز کے ذریعہ شاہ ولی

اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔

تشریح الاصطلاحات

ناظرین باتمکین کو واضح ہو کہ جب پہلی بار یہ کتاب چھپی اور میں نے اُس کا مطالعہ کیا تو بعض اصطلاحات علمی ایسی پائیں کہ جن کو سوائے خاص کے عام سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میں نے اپنے نسخہ پر جا بجا ان کی مختصری تشریح کر دی۔ میرے دوست مکرم مولوی کرم بخش صاحب جنہوں نے میرے کہے سے اس کتاب کا ترجمہ کرایا تھا اس تشریح کو بہت پسند کیا اور طبع ثانی کے وقت مجھ سے اُس کے داخل کتاب کرنے کی اجازت چاہی۔ میں نے فائدہ خاص و عام کے لیے خوشی سے اجازت دے دی۔ التماس ہے کہ جو صاحب اس کو پڑھ کر فائدہ اٹھائیں وہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ کیونکہ امیدوار بود آدمی بخیر کساں۔ احمد بابا مخدومی ۱۳/۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء۔

① **تلازم** ☆ اگر ایک امر دوسرے امر سے ایسے طور پر تعلق رکھتا ہو کہ پہلے کے وجود پر دوسرے کا وجود ضرورۃً مترتب ہو۔ یا یوں کہو کہ دوسرا پہلے سے غیر ممکن ہو تو دوسرے کو ملزوم کہا کرتے ہیں۔ ملزوم اپنے لازم کے لیے علت ہوتا ہے اور لازم معلول۔

② **ملکات نفسانی** ☆ نفس انسانی پر جو کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں اول تو وہ جن کا اثر فوری ہوتا ہے یعنی جو سریع الزوال ہوتی ہیں۔ ایسی کیفیات کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں اور جو کیفیات پائدار ہو کر نفس انسانی میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ ملکہ کہلاتی ہیں اس لئے ملکات نفسانی سے وہ کیفیات مراد ہیں جو نفس انسانی میں ہمیشہ کے لئے ثابت اور مستقل ہو جاتی ہیں اس کو کبھی یوں بھی بیان کر دیا کرتے ہیں کہ ملکہ نفس انسانی کی اس حالت کلیہ کا نام ہے جو کسی فعل کے بلا تکلیف سرزد ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی بڑا نچی ہو تو اس کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ اس کو ملکہ سخاوت حاصل ہے علیٰ ہذا اور تمام کیفیات نفسانیہ کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کر سکتے ہیں۔

③ **عدم مطلق** ☆ یہ مینافزس یعنی علم مابعد الطبیعات کی اصطلاح ہے۔ پہلے وجود کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔ عدم کی حقیقت سمجھنا کچھ مشکل نہیں وحدت وجود والوں کے ہاں تو عدم کسی حقیقت کا نام ہی نہیں بلکہ اُن کے ہاں حقیقت اصلہ صرف وجود ہی ہے۔ اب عدم مطلق کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جب کسی شے کی تمام جہات وجودیہ منفی ہوں تو وہ معدوم مطلق ہے لیکن اس پر بھی اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ شے کے مفہوم میں پہلے اس کا وجود ضمنًا تسلیم کیا جاتا ہے۔

④ **مجهول مطلق** ☆ ایسے امر کو بولتے ہیں جس کی نسبت ہمیں تمام ممکنہ جہات سے علم حاصل نہ ہو۔ یعنی اس کی ذات یا وصف یا کسی اور جہت سے جو کسی چیز کے علم کا ذریعہ ہو سکے ہمیں اس کا علم نہ ہو یا یوں کہو کہ جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ مثلاً کوئی خاص گاؤں جو ملک چین میں ہو اور جس کو میں اب سے پہلے نہیں جانتا اس کے جاننے کے وقت وہ میرے لیے مجهول مطلق ہے پھر جب اس کو جانوں گا تو پہلے اس کی حقیقت وجود کا مجھے علم حاصل ہوگا پھر اس کے دوسرے متعلقہ امور کا اب جس جس امر کے لحاظ سے مجھے اس کا علم حاصل ہوگا اس امر کے لحاظ سے وہ گاؤں میرے لئے امر معلوم کی حیثیت حاصل کرے گا لیکن کوئی چیز معلوم مطلق نہیں ہو سکتی

کیونکہ اشیاء اور حقائق کے تمام لوازم و خصائص پر ہم حاوی نہیں ہو سکتے۔ پس جب تک کوئی چیز ذات۔ وجود وصف وغیرہ تمام اعتبارات کے رُودے میرے علم سے خارج ہے تو وہ مجہول مطلق ہے پس جب جس جہت سے مجھے اس کا علم حاصل ہوگا تب اسی جہت سے وہ میرے ذہن میں معلومیت کا درجہ حاصل کرے گی۔

⑤ **امر بسیط** ☆ عربی فلسفے والے بسیط کے چار معنی لیا کرتے ہیں اس جگہ امر بسیط کے معنی لکھے جاتے ہیں بسیط اصطلاح میں ایسے امر کو بولتے ہیں جو اجزا نہ رکھتا ہو اور اس لئے وہ قابل تقسیم بھی نہ ہو۔ بسیط خارجی اور بسیط ذہنی علیحدہ علیحدہ دو امر ہیں مادی کائنات صرف عناصر رابعہ بخیاں اہل یونان بساط کہلاتے ہیں اور بسیط ذہنی ایسی کیفیات نفسانیہ سے مراد ہے جن کی تقسیم کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا مثلاً ذائد فائدہ خیال مرکب ہے۔ لیکن صرف زید۔ یا صرف قائم یعنی بغیر ان دونوں کے باہمی ربط دینے کے خیال بسیط ہیں۔

کبھی کبھی بسیط کو مادی چیز کے متضاد معنوں میں لیا کرتے ہیں۔ مثلاً روح۔ خدا۔ بسیط ہیں کیونکہ ظلمت مادہ سے پاک ہیں۔

بسیط کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ چیز تعریف منطقی قبول نہیں کرتی یعنی جس طرح ہم انسان کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ حیوان ناطق کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ انسان ایک مفہوم مرکب کا نام ہے کیونکہ اس کے دو جزو ہیں حیوان اور ناطق مگر فرض کرو کہ ایسی چیز بھی ہے جس کی ہم منطقی تعریف (یعنی جنس و فضل جو ذاتیات ہوتے ہیں) تجویز نہیں کر سکتے تو وہ بسیط ہے۔ مثلاً خدا یا بعض کے نزدیک حقیقت وجود یا نقطہ وحدت وغیرہ ایسے مفہوم ہیں جو ناقابل تعریف ہیں۔

⑥ **مفہوم نظری** ☆ ہمارا علم دو قسم پر منقسم ہے بدیہی اور نظری اگر ہمیں کسی چیز کا علم حاصل کرنے میں قوت فکر یہ کو عمل میں لانا نہ پڑے اور منطقی طور پر ترتیب مقدمات سے نتیجہ نکالنا نہ پڑے بلکہ دفعۃً نفس انسانی اس کو اخذ کر لے تو ایسا علم بدیہی کہلاتا ہے مثلاً علم اس امر کا کہ آگ جلایا کرتے ہیں یا ایک اور دو ہوتے ہیں یا دو متضاد جمع نہیں ہو سکتے۔

بعض کا خیال ہے کہ کوئی چیز دنیا میں بدیہی نہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ کوئی چیز نظری نہیں لیکن حق یہ ہے کہ کسی چیز کا بدیہی یا نظری ہونا امر اضافی ہے ممکن ہے کہ جو امر میری نسبت بدیہی ہو وہ کسی دوسرے کے لیے نظری ہو۔ اور نیز بالعکس۔ پس نظری وہ چیز ہوگی جس کا علم بغیر عمل ادراک ہم حاصل کرتے ہیں۔ مفہوم کسی ذہنی صورت کا نام ہے۔

⑦ **اسمائے توفیقی** ☆ خدا کے ان ناموں سے مراد ہے جو قرآن میں مذکور نہیں ہوئے مثلاً ستار۔ غفار۔ سمیع۔ بصیر۔ رحمن۔ رحیم وغیرہ اسماء آئے ہیں اس لئے ان کا استعمال و اطلاق ہمارے لئے کوئی محدور شرعی عائد نہیں کرتا۔ بعض ایسے اسماء ہیں جو قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئے مثلاً مرید۔ گواراؤ۔ یزید (اُس نے ارادہ کیا۔ وہ ارادہ کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔ مگر بصیغہ اسم فاعل وارد نہیں ہوا۔ تو یہ نام توفیقی ہے۔ علماء کو ایسے ناموں کے اطلاق اور استعمال میں باہم اختلاف ہے یعنی آیا ایسے ناموں کا اطلاق ذات باری کے لئے جائز ہے یا ناجائز۔ توقیف کا لفظ وقوف سے مشتق ہے گویا ایسے اسماء کا اطلاق شارع علیہ السلام سے مروی ہونے پر موقوف رکھا جاتا ہے۔

⑧ **استحاله** ☆ اس کے لغوی معنی ہیں پھر جانا۔ پلٹ جانا علم طبیعیات کی اصطلاح میں کون و فساد سے مراد لی جاتی ہے یعنی ایک عنصر کا پہلی صورت چھوڑ کر دوسری صورت میں آنا جیسے پانی کا بخار کی صورت میں تبدیل ہو جانا یا بالعکس۔

⑨ **صورت نوعیہ** ☆ اس اصطلاح سے مراد ایسا جوہر ہے کہ جب وہ جسم کو لاحق ہوتا ہے تو اس کو دوسرے انواع سے ممتاز کر دیتا ہے۔ مثلاً انسان کی صورت نوعیہ سے وہ جوہر مراد ہے جو دیگر اقسام اجسام سے اس کو تمیز دیتا ہے۔ حکماء اسی جوہر کو مبدء آثار و افعال مختلفہ قرار دیتے ہیں۔ یعنی کسی جسم کی صورت نوعیہ۔ علت ہے۔ اس چیز کے خاص مختصہ آثار و افعال کی گویا صورت نوعیہ اجسام کو اسی طرح علیحدہ علیحدہ کرتی ہے جس طرح فصل جنس سے مل کر ایک نوع علیحدہ قائم کرتی ہے۔ حیوان سے اگر ناطق ملا دیں تو انسان بن جائے گا۔ اگر ناطق یا صاہل ملا دیں تو حمار یا فرس۔

اسی طرح خارجی طور پر مادہ کو جو بجائے جنس کے ہے جب صورت نوعیہ لاحق ہوتی ہے تو کسی جسم کا مادہ دیگر اجسام کے مادہ سے بالکل متمیز ہو جاتا ہے جیسا کہ انسان کی صورت نوعیہ انسان کو دیگر حیوانات کی صورت سے تمیز دیتی ہے۔

⑩ **صورت ترکیبی** ☆ جب مختلف اجزاء مل کر ایک خاص ہیئت مرکبہ پیدا کرتے ہیں تو وہ صورت ترکیبی کہلاتی ہے مثلاً کسی میز کی لکڑی کے علیحدہ علیحدہ اجزاء جب بحالت انفصال پڑے ہوتے ہیں تو میز کی صورت ترکیبی سے جو بصورت ترکیب اجزاء مترتب ہوگی ہم بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اگر ان کو ملا دیا جائے تو ان کی ترکیب سے میز کی جو صورت یا ہیئت پیدا ہوگی وہ اس میز کی صورت ترکیبی کہلائے گی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُ اللَّهِ الْكَامِلَةِ

— تَرْجُمَہ —

حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةِ

اللہ کے واسطے تمام خوبیاں ہیں جس نے تمام لوگوں کو مذہب اسلام اور اسلام کی ہدایت پر پیدا کیا اور ان کی پیدائش اُس خالص کشادہ اور سلیس روشن مذہب پر کی ہے اور جب لوگوں پر جہالت چھا گئی اور نہایت پست درجہ کے نشیب میں اُس نے اُن کو گرا دیا اور بدبختی نے ان کو گھیر لیا تو خدا نے اُن پر رحم کیا اور اُن کے حال پر مہربانی کی کہ انبیاء کو اُن کی طرف مبعوث کیا تاکہ اُن کے ذریعے سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور تنگی سے کشادہ میدان کی طرف باہر نکال لائے۔ (خدا نے) اپنی فرمانبرداری کو اُن کی فرمانبرداری پر موقوف کیا۔ اس بزرگی اور مرتبہ کا کیا ٹھکانہ ہے۔ بعد انبیاء کے اُن کی پیروی کرنے والوں میں (خدا نے) جن کو چاہا۔ اس کی توفیق دی کہ انبیاء کے علموں کو کوشش سے حاصل کریں۔ اور ان کی شریعتوں کے اسرار معلوم کریں اس لئے وہ انعام خداوندی سے اسرار انبیاء کے جامع اور ان کے انوار نبوت سے کامیاب ہو گئے ایسے لوگوں میں سے خدا نے ایک ایک کو ہزار عابدوں پر فضیلت دی ہے اور عالم ملکوت میں اُن کا نام عظماء (بڑے مرتبہ والے) رکھا گیا ہے۔ اُن کی ایسی حالت ہے کہ تمام مخلوق الہی حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اُن کے لئے دعا کرتی ہیں۔ بار خدا یا تو اُن پر اور اُن کے وارثوں پر جب تک آسمان اور زمین قائم ہے رحمت نازل کرتا رہے۔ اور اُن کو سلامت رکھے۔ اور اُن سب میں سے سیدنا محمد ﷺ کو (جن کو کشادہ اور روشن نشانیوں سے مدد دی گئی ہے) افضل ترین رحمت اور بزرگ ترین تحفہ اور پسندیدہ ترین قبولیت کے ساتھ خاص کر اور آپ کی اولاد و اصحاب پر اپنی خوشنودی کا مینہ برسا۔ اور اُن کو عمدہ جزا عطا کرے۔

اس کے بعد بندہ خدائے کریم کی رحمت کا محتاج احمد مشہور ولی اللہ ابن عبد الرحیم (عاملہما اللہ تعالیٰ بفضله العظیم وجعل مآلہما النعیم المقیم) کہتا ہے کہ تمام یقینی علوم سے زیادہ عمدہ اور بمنزلہ نبخ کے اور مذہبی فنون کی بنیاد علم حدیث ہے جس میں اُن اقوال اور افعال اور بیانات کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ افضل المرسلین ﷺ سے نکلے ہیں۔ اس لیے وہ اقوال وغیرہ تاریکی میں چراغ اور ہدایت کے نشانات اور گویا چودھویں رات کے تابناک چاند ہیں۔ جس نے اُن کی پیروی کی اور اُن کو محفوظ کر لیا وہ راہِ راست پر ہے اُس کو بڑے درجہ کی خوبی عطا کی گئی ہے اور جس نے اُن کو نہیں مانا وہ راہِ راست سے بہک گیا اور پستی میں گرا اور اپنے لئے بجز نقصان کے اور کچھ زیادہ نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے (رزائل سے منع کیا اور خوبیوں کا) حکم دیا ہے (درکات سے) ڈرایا ہے۔ اور (درجات کی) بشارت دی ہے۔ (بات بات کی) مثالیں بیان کی ہیں اور لوگوں کو نصیحتیں کی ہیں۔ وہ نصیحتیں شمار میں قرآن کے برابر ہیں بلکہ زیادہ۔

علم حدیث کے مختلف طبقے ہیں اس لئے باہم اہل حدیث کے درجے مختلف ہیں اور اس علم میں بعض حصے بمنزلہ پوست کے ہیں جن کے اندر مغز بھرا ہوا ہے اور بعض بمنزلہ سیپیوں کے ہیں جن کے اندر موتی ہیں۔

اور اکثر ابواب کے متعلق علمائے رحمہم اللہ کی ایسی تصانیف ہیں کہ جن سے وحشی مضامین کا شکار کیا جاتا ہے اور سخت سے سخت مطالب بھی اُن کے ذریعہ سے رام ہو سکتے ہیں۔ اور فنون حدیث میں سے سب سے زیادہ ظاہری وہ فن ہے جس سے احادیث کی صحت۔ ضعف۔ شہرت اور غرابت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ محدثین میں سے نقادانِ فن اور علمائے مقدمین سے حفاظ حدیث نے اس فن کا بڑا اہتمام کیا ہے اس کے بعد اس فن کا درجہ ہے کہ جس میں غریب احادیث کے معانی اور مشکل احادیث کا پورا انضباط ہو۔ اس کا اہتمام فنون ادبیہ کے اماموں اور علمائے عربیہ کے پختہ مغز لوگوں نے کیا ہے پھر اُس فن کا درجہ ہے کہ جس میں احادیث کے شرعی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ اور فرعی احکام اُن سے نکالے جاتے ہیں۔ اور احکام منصوص کی عبارت یا اشارہ اور رمز پر اور احکام کا قیاس کیا جاتا ہے۔ منسوخ اور محکم احکام سمجھے جائیں۔ اور ضعیف اور قوی کا علم حاصل کیا جائے۔ عام علماء کے نزدیک یہی فن بمنزلہ مغز اور موتی کے ہے۔ فقہاء محققین نے اس فن کی طرف نہایت توجہ کی ہے۔

لیکن میری دانست میں تمام علوم حدیث میں سے زیادہ دقیق فن جس کی جز نہایت عمیق ہے اور اُس کا منار نہایت بلند ہے اور میری نظر میں جو تمام علوم شرعیہ سے زیادہ بلند مرتبہ اور عالی قدر ہے وہ اسرارِ دین کا علم ہے۔ جس میں تمام احکام دین کی حکمت اور لم اور ایک ایک عمل کے راز اور نکات بیان کئے ہیں۔ باللہ وہ تمام علموں میں سے سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ جس سے بن پڑے اپنے نفس و قوتوں کو اُس میں صرف کیا کرے۔ اور مفروضہ طاعتوں کے بعد معاد کے لیے اُس کو ذخیرہ کرے اس لئے کہ شریعت کے احکام میں اُسی کے ذریعہ سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور اس فن کے عالم کو اخبارِ شریعت سے وہی تعلق ہوا کرتا ہے جو عروض کے عالم کو اشعار کے دیوانوں سے اور منطقی کو حکماء کے دلائل سے اور نحوی کو فصحاء عرب کے کلام سے اور اصول فقہ کے عالم کو فقہاء کی تعریفوں سے ہوتا ہے۔

اسی علم کے ذریعہ سے ایسی حیرانی سے حفاظت رہتی ہے جو کسی شخص کو رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے میں پیش آتی ہے (کہ خشک وتر میں وہ امتیاز نہیں کر سکتا) یا پانی کی زد میں غوطہ لگانے والے کو اور وہ اس سے امن میں رہتا ہے کہ اُس اونٹنی کی طرح پاؤں مارے جس کو اپنے سامنے کی کوئی چیز نظر نہ آتی ہو یا کسی ٹامینا اونٹنی پر سوار ہو۔

ایسے شخص کی حالت اُس آدمی کی سی نہیں ہو سکتی۔ جس نے کسی طبیب کو کھانے کے لیے سب بتاتے ہوئے سنا ہو اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے اندر این (حفظ کا) اس پر قیاس کر لیا ہو۔

اس علم کی وجہ سے آدمی اپنے پروردگار کی جانب سے ایک صاف دلیل پر اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے کہ جس کو کسی معتبر آدمی نے یہ بتا دیا ہو کہ زہر مار ڈالا کرتا ہے اور اس نے اس کے فرمانے کی تصدیق کی ہو اور پھر قرآن سے معلوم کیا ہو کہ واقعی زہر کی حرارت اور خشکی پر لے درجہ کی ہوتی ہے اور یہ دونوں کیفیتیں انسانی مزاج کے بالکل مخالف ہیں۔ تو جس بات پر اُس نے پہلے یقین کر لیا تھا۔ اب اس پر ایک درجہ یقین کا اور زیادہ ہو گیا۔

اگرچہ احادیث نبویؐ نے اسرارِ دین کے اصول و فروع کو ثابت کر دیا ہے اور آثارِ صحابہ و تابعین نے اس کی اجمال و تفصیل کو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ اور اُن مصلحتوں کے دریافت کرنے میں جو شریعت کے ہر باب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں مجتہدین کا غور نظر بھی انتہاء کو پہنچ گیا ہے اور اُن کی پیروی کرنے والوں نے بھی بڑے بڑے نکتے ظاہر کیے ہیں اور اُن کے گرد و ہوں میں دقیق نظر علماء نے بڑے عمدہ مضامین پیدا کئے ہیں۔

اس لئے یہ علم اس حالت سے نکل گیا ہے کہ اس میں کلامِ اجماع امت کے خلاف سمجھا جائے یا کسی حیرت یا ابہام میں پڑنے کا باعث ہو۔ لیکن تاہم ایسے لوگ کم گزرے ہیں کہ جنہوں نے اس میں کوئی تصنیف کی ہو۔ اس کی بنیادوں کے استحکام میں غور کیا ہو اور اُس کے اصول و فروع کو مرتب کیا ہو یا کوئی چیز سیری کے قابل بلکہ اس قدر بھی کہ خواہش کی گرسنگی کو دفع کر سکے بیان کی ہو۔ اس فن کے راز اُسی شخص پر ظاہر ہو سکتے ہیں جس کو تمام علوم شریعت میں پورا ملکہ ہو وہ تمام فنون دین میں یگانہ ہو اس علم کا چشمہ اُسی شخص کے لیے صاف ہوتا ہے جس کا دل خدا نے علم لدنی سے کھول دیا ہو اور اسرارِ وہبی سے لبریز کر دیا ہو اور اُس کے ساتھ ہی نہایت روشن ضمیر بھی ہو اور اُس کی طبیعت میں انتقال بھی ہو۔ اور تحریر و تقریر میں فرزانہ ہو ہر بات کی تصویر کھینچنے اور اس کو خوشنما پیرایہ میں ظاہر کرنے میں فوقیت رکھتا ہو۔ اس سے خوب واقف ہو کہ اصول کو کیسے باہم ملاتے ہیں اور فروع کو اُن پر کس طرح قائم کرتے ہیں اور یہ جانتا ہو کہ قاعدوں سے پہلے کیسے تمہید لایا کرتے ہیں اور قاعدوں کے لیے عقلی اور نقلی دلائل کیسے بیان کرتے ہیں۔

خدا کا مجھ پر یہ بڑا انعام ہے کہ اسرارِ دین کے علم سے اُس نے مجھے بہرہ مند کیا اور ایک حصہ اس علم کا بھی عطا کیا۔ اس پر میں کچھ ناز نہیں کرتا ہوں بلکہ اپنے قصور کا معترف ہوں اور اپنے نفس کے تزکیہ کا کچھ دعویٰ نہیں کرتا وہ برائی کا ہمیشہ حکم کرتا رہتا ہے۔ ایک روز میں بعد عصر کے متوجہ اہل اللہ بیٹھا ہوا تھا۔ دفعۃً آنحضرت ﷺ کی روح نے ظہور فرمایا اور اُس نے مجھ کو اُدھر کی جانب سے ایسا ڈھانپ لیا کہ گویا کسی نے مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دیا ہو۔ اُس حالت میں مجھ پر القا کیا گیا کہ یہ کسی امر دینی کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اُس وقت میں نے اپنے سینہ میں ایک نور پایا جس میں وقتاً فوقتاً ہمیشہ اور کشادگی بڑھتی رہی۔ پھر چند روز کے بعد الہام ہوا کہ اس صاف اور روشن امر کے لئے میرا آمادہ ہونا تقدیر الہی میں قرار پا چکا ہے۔ اور مجھ کو یہی معلوم ہوا کہ اپنے پروردگار کے انوار سے تمام زمین منور ہوگئی۔ غروب کے وقت روشنی نے اپنا عکس زمین پر ڈالا ہے اور شریعتِ مصطفویٰ اس زمانہ میں بدیں وجہ کے دلائل کے وسیع و مکمل لباس میں ظہور فرما ہونے کو ہے سراپا نور ہوگئی۔ اور اس کے بعد میں ایک زمانہ میں مکہ معظمہ میں وارد تھا۔ وہیں میں نے جناب امام حسن و حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ ان دونوں نے مجھ کو ایک قلم عطا فرما کر کہا کہ یہ قلم ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ کا ہے اور میں اکثر اس فکر میں رہتا رہا کہ کوئی کتاب ایسی مدون کروں کہ جو مبتدی کے لیے بینائی کا باعث اور منتہی کے لیے قابل تذکرہ ہو اور شہری اور بدوی سب اُس سے فیض حاصل کر سکیں اور جمعوں میں اس کے تذکرے رہیں۔

لیکن مجھ کو اس قصد میں یہ بات دامنگیر ہوتی تھی کہ میں اپنے قریب کسی ایسے انصاف پسند معتبر عالم نہیں پاتا تھا کہ مشتبہ مسئلوں میں اُس کی طرف رجوع کیا کرنا اور نیز علومِ نقلی میں جو کہ برگزیدہ عہدوں میں مدون ہوئے ہیں میری دستگاہ کافی نہ تھی اور اس نے مجھ کو اور بھی بزدل کر دیا تھا کہ میں نے ایسا زمانہ پایا کہ جس میں جہالت۔ تعصب۔ خواہشوں کی پیروی اور اپنی ناقص رایوں

پر ناز کرنا شائع تھا۔ اور ہم عصر ہونا باہمی نفرت کی جڑ ہوا کرتا ہے اور جو تصنیف کیا کرتا ہے ملامت کا ہدف بنا کرتا ہے میں اس شش و پنج میں تھا کبھی ایک قدم آگے بڑھتا تھا اور پھر پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ اور ایک بار چکر لگا کر پھر مجبوراً واپس آتا تھا۔

اسی اثناء میں میرے بزرگ بھائی اور گرامی دوست مولانا محمد عاشق (خدا اُن کو حوادث سے محفوظ رکھے) نے اس علم کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب طرح سمجھا۔ اُن کو الہام ہوا کہ جب تک اس علم کے دقائق اور برتر نکتوں کی کافی تلاش نہ کی جائے گی پوری طرح پر سعادت حاصل نہ ہوگی۔ انہوں نے خوب طرح اندازہ کر لیا تھا کہ جب تک شکوک اور شبہات کی تکالیف نہ برداشت کی جائیں اور اختلاف اور مخالفتوں کی سختی نہ جھیلی جائے گی۔ اس علم تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ اُس میں پورا خوض وہی شخص کر سکتا ہے جو سب سے پہلے اس دروازہ کو کھولے اور اس کے پکارتے ہی وحشی اور مشکل مضامین حاضر ہو جائیں اس کے لیے وہ حتی الامکان شہر شہر پھرے اور جس شخص کو عمدہ اور نیک پایا اُس سے تفتیش کیا اور ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ناقص و کامل کی جستجو کی لیکن کسی کو نہ پایا کہ کوئی کارآمد بات کہتا یا کوئی روشن بیان ظاہر کرتا۔ یہ دیکھ کر وہ مجھ سے مصر ہوئے۔ اور چٹ گئے اور میرا دامن پکڑ لیا۔ جتنی میں معذوری ظاہر کرتا تھا وہ مجھ کو یہ حدیث یاد دلاتے تھے کہ جو کوئی شخص علم کو سیکھ کر چھپائے گا قیامت کے روز آگ کی لگام اُس کے دہن میں چڑھائی جائے گی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھ کو بالکل خاموش کر دیا۔ سب راستے تنگ ہو گئے اور پھر کوئی عذر نہ چل سکا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک نہایت اہم کام ہے اور پچھلے الہام کی ایک صورت تقدیر الہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا ہے اور ہر سمت سے اُس نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ لہذا میں نے خدا کی طرف متوجہ ہو کر استخارہ کیا اور ہمہ تن مشغول ہو کر ہر امر میں اُس کی مدد کا خواہاں ہوا اور اپنی قوت سے بالکل جدا ہو گیا اور ایسا مجبور ہو گیا کہ جیسے بے اختیاری حرکتوں میں غسال کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے۔ تب میں نے ان کی درخواست کو شروع کیا اور نہایت عاجزانہ طور پر خدا سے دعا کی کہ تمام اہل و لعب کی باتوں سے میرا دل پھیر دے اور ٹھیک ٹھیک ہر چیز کی حقیقت مجھ کو بتا دے اور جو دوسو سو میرے دل میں فکر پیدا کرے اس کے زور کرنے میں میرا معاون ہو میرے دل کو توانا اور زبان کو گویا کر دے اور جس مبحث میں نہیں داخل ہوں اس میں لغزشوں سے مجھ کو محفوظ رکھے اور ہر حالت میں راست بیانی کی توفیق دے میں نے اُن کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ بیان کے موقع میں نہیں ایک محض خاموش آدمی ہوں اور گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں میں کج اعضاء ہوں میرا سرمایہ بالکل ناقص ہے اور ارق کی تلاش میں نہ مجھ سے غور کیا جاتا ہے اس لیے کہ میرا دل ایک ایسے امر میں مصروف ہے کہ جس پر زیادتی ممکن نہیں اور نہ میں منقولات کے حفظ کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کر سکتا ہوں کہ ہر آنے اور جانے والے کے سامنے اس کو بیان کرتا رہوں اور میں اپنی جان سے صرف تنہا ہوں اپنی ہی گرد کو جمع کرنے والا ہوں۔ اپنے وقت کا بندہ اور اپنے بخت کا تلمیذ ہوں اور اپنے ہی خیال بندی کا مقید ہوں اور اپنے ہی ناقص متاع کو غنیمت سمجھنے والا ہوں۔ جو اس کو پسند کر کے اسی پر بس کرنا چاہے وہ بس کرے نہیں تو وہ مختار ہے جو چاہے سو کرے۔ اور چونکہ آیت ﴿وَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ میں تکلیف شرائع اور جزاء اعمال کے راز اور اکام منزل من اللہ کے اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ کتاب بھی انہیں کی ایک بالیدہ شاخ ہے۔ اور اسی کے کنارہ سے چودھویں رات کے چاند نکلے ہیں اس لیے اس کا نام حجۃ اللہ البالغہ رکھا گیا۔ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

مُقَدِّمَةٌ

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی اور اعمال اور اُن کی جزا میں جو منجانب اللہ مقرر ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اور احکام شریعت سے تکلیف کرنا بعینہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی آقا اپنے ملازم کی فرمانبرداری کی آزمائش کرنے کو کسی پتھر کے اٹھانے یا کسی درخت کے چھونے کا حکم دے جس میں بجز آزمائش کے اور کوئی فائدہ نہیں پس اگر اس کی اطاعت کرے جزا پائے اور سرکشی کرے تو سزا دی جائے۔

یہ گمان بالکل فاسد ہے۔ حدیث اور اُن زمانوں کے اجماع جن کی خوبی اور برکت پر خود شرع نے شہادت دی ہے اس خیال کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو شخص امور ذیل کو نہ سمجھ سکے اس کی واقفیت اُس سوزن کی نمی سے کیا زیادہ ہو سکتی ہے۔ جس کو دریا میں غوطہ دیا ہو۔ کہ اعمال کا اثر نیتوں پر اور اُن نفسانی حالتوں پر موقوف ہے جن سے اعمال سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلَكِنْ يُنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ اللہ سے نہیں نزدیک کرتے ہیں۔ قربانیوں کے گوشت اور نہ خون لیکن تمہاری پرہیزگاری اُس سے نزدیک کر دیتی ہے۔ اور نماز خدا کی یاد اور اُس کے حضور میں عاجزی کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ میری یاد کرنے کو نماز پڑھ اور نماز سے یہ بھی مقصود ہے کہ اُس کی طفیل سے آخرت میں دیدار الہی نصیب ہو جائے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ((سترون ربکم کما ترون هذا القمر لا تضامون فی رویۃ فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلوة قبل طلوع الشمس و صلوة قبل غروبها فافعلوا)) ”بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو دیکھتے ہو اُس کے دیدار میں کچھ شک و شبہ تم کو نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے اس کا اہتمام ہو سکے کہ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز سے باز نہ رکھے تو ایسا ہی کرو۔

اور زکوٰۃ کا حکم شریعت میں اس لیے دیا گیا ہے کہ اُس سے بخل کی کمینہ عادت جاتی رہے اور حاجت مندوں کی کار بر آری ہوتی رہے جیسا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَخْشِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَا لَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

”وہ لوگ جو اُن نعمتوں میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دی ہیں یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے حق میں اچھا ہے بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں جس کا انہوں نے بخل کیا اُن کے گلے کا طوق ہوں گی۔“

اور جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے:

((فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تَوْخِذُ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ فَتَرَدُّدٌ عَلَى فُقَرَاءِهِمْ))

”آنحضرت ﷺ نے اُن کو بتایا کہ اللہ نے اُن لوگوں پر صدقہ دینا فرض کیا ہے مالداروں سے لیا جائے اور غریبوں کو دیا جائے۔“

اور روزہ نفس کے مطیع کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اس لیے کہ تم پر ہیز گار ہو

جاؤ۔ اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے: فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وَجَاءٌ كَرُوزُهُ نَفْسٍ كِيْ خَوَاشِشٍ كَوْرُوكٍ دِيْتَاہ۔

اور حج اس لیے کہ اُس سے اللہ کی نشانیوں کی عظمت ظاہر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ

لِلنَّاسِ لِلَّذِيْ بِبَكَّةَ..... الْاَيَةُ﴾ ”بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے“

اور فرمایا: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ ”صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“

اور قصاص کشت و خون کو باز رکھنے کے لیے قرار دیا گیا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوَةٌ

يَاۤاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ”اے عظمند و تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔“

حدود اور کفارے اس لئے قرار دیئے گئے ہیں کہ گناہوں پر زجر تو توبخ ہوتی رہے: كَقَوْلِهِ ﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ اَمْرِہ﴾

تاکہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔

جہاد میں مصلحت یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور فتنہ و فساد کا استیصال ہو جائے فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّہٗ لِلّٰہ﴾ اور کافروں سے لڑتے رہو تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو اور اللہ کے ہی تمام مذہب ہو جائیں۔

اور باہمی معاملات اور نکاح کے اصول میں یہ خوبی ہے کہ لوگوں میں باہم عدل و انصاف قائم رہے علاوہ ازیں امور

بھی ہیں جن کی تشریح احادیث سے ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے بعض بعض علماء بھی ان کو بیان کرتے رہے ہیں جو شخص ان امور سے

ناواقف ہو اس کو بجائے اس کے کہ اپنے قول کو شمار میں لائے یہ بہتر ہے کہ اپنے حال زار پر افسوس کرے پھر آنحضرت ﷺ نے بعض

بعض موقعوں پر اوقات معین کرنے کے اسرار بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ظہر کی چار رکعتوں کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے کہ اس

وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کوئی نیک عمل میرا بھی آسمان کی طرف بلند ہو۔ روزہ عاشورہ کی

نسبت آپؐ نے فرمایا کہ یہ روزہ اس لئے شروع ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاتھ سے اسی دن نجات پائی تھی۔ اور

ہمارے واسطے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے طریقے کی پیروی ہو مشروع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور بعض بعض احکام کے اسرار

بیان کئے ہیں۔

جاگنے والے کے لئے فرمایا کہ کچھ اس کو خبر نہیں رہتی کہ کہاں اس کا ہاتھ جا پڑا ہو اور بنی صاف کرنے کے لئے فرمایا کہ

شیطان اُس کی ناک کے نتھنے پر سوتا ہے اور خواب کی نسبت فرمایا کہ سونے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ رمی جمار کے لئے

فرمایا کہ یہ اللہ کی یاد بڑھانے کو ہے اور فرمایا کہ اندر آنے کے لیے اجازت لینا اس لئے ہے کہ ہمیں نظر نہ پڑ جائے۔ بلی کی نسبت

ارشاد فرمایا کہ وہ تمہارے مکانوں میں اکثر پھرتی پھرتی رہتی ہے اس لئے اس میں کچھ نجاست نہیں ہے اور بار بار فرمایا کہ یہ کام کسی

خرابی کے دور کرنے کے لئے ہے۔ شیر خوارگی کے زمانہ میں عورتوں سے اختلاط کرنے کے متعلق فرمایا کہ اس سے بچے کو ضرر پہنچتا ہے۔ بعض امور کے متعلق فرمایا کہ اس سے کافروں کے فعل کی مخالفت مقصود ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ آفتاب صبح کو شیطان کے دو سینکوں کے بیچ میں سے طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ کہیں تحریف سے روکنا مصلحت قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھتا تھا کہا کہ اگلے لوگ ایسے ہی ایسے کاموں سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تیری رائے درست ہے۔ اور کبھی کسی حرج کی وجہ سے بھی بعض مسائل مشروع ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اول کلکم ثوبان)) کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو ہی کپڑے ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ﴾ اللہ جانتا تھا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کیا کرتے ہو اس لیے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہارا قصور معاف کر دیا۔ بعض موقعوں میں آنحضرت ﷺ نے رغبت اور خوف دلانے کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض مشتبہ موقعوں پر صحابہؓ نے آپ سے رجوع کیا ہے اور ان کے شبہ رفع کرنے کو اس امر کے متعلق اپنی اصلی بات بتادی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مکان پر یا بازار میں نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ۲۵ درجہ زیادہ ہے اس لئے کہ جب کوئی تم میں سے وضو کرتا ہے اور بخوبی اُس کے آداب بجالاتا ہے اور پھر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اُس کے دل میں صرف نماز ہی کا خیال ہوا کرتا ہے اور فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی ایک قسم کا ثواب ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم میں سے جب کوئی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرتا ہے اُس میں بھی ثواب پاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر وہ حرام میں اُس کو بے جا استعمال کرتا تو اُس پر بارگناہ ہوتا یا نہیں۔ ایسا ہی جب اُس نے حلال میں استعمال کیا اُس کو ثواب ملے گا۔

اور فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم تلووار سے لڑیں وہ دونوں دوزخی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ قاتل تو خیر مقتول کیوں دوزخی ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مقتول بھی تو اپنے مقابل کے قتل کا از بس خواہاں تھا اس کے علاوہ اور بے شمار مواقع ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل مسنون ہونے کی وجہ بیان کی۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے درختوں کے پھل ظاہر ہونے سے پہلے بہار فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب بیان کیا اور عبد اللہ ابن عمرؓ نے اس کی وجہ بیان کی کہ بیت اللہ کے چار رکنوں میں صرف دو ہی کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے۔

ان کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد ائمہ مجتہدین ہمیشہ مصلحتوں کو احکام کے مطلق بیان کرتے رہے مصلحتوں کے اغراض بخوبی سمجھتے رہے۔ منصوص احکام کے ایسے ایسے مناسبات بیان کرتے رہے جن کو کسی منفعت کے حاصل ہونے یا کسی مضرت کے دفع کرنے سے کچھ نہ کچھ تعلق تھا ان کی کتابوں اور مذہب میں یہ سب امور تفصیل مذکور ہیں۔ ان طبقتوں کے بعد امام غزالی اور علامہ خطابی اور امام عزالدین ابن عبد السلام وغیرہ (شکر اللہ مساعیہم) نے لطیف لطیف نکتوں اور بلند ترین تحقیقات کو ظاہر کر دیا۔

ہاں جیسے کہ مذہب اسلام نے اس مصلحت اندیشی کو ضروری قرار دیا ہے اور اُس پر گویا اجماع ہو گیا ہے ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے کہ ان مصلحتوں سے قطع نظر کر کے خود کسی چیز کا واجب کسی چیز کا حرام قرار دینا ہے فرمانبردار کے ثواب پانے اور نافرمانی کرنے والے کے عذاب کا ذاتی سبب ہے اور محض بے اصل ہے جو خیال کیا جاتا ہے کہ اعمال کا حسن و قبح یعنی کام کرنے والے کا مستحق ثواب

یا عذاب ہونا محض عقلی ہے۔ شریعت اپنی جانب سے نہ کسی چیز کو واجب کرتی ہے نہ حرام۔ اُس کا کام یہ ہے کہ اعمال کی خاصیتوں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے جیسے کہ کوئی طبیب دواؤں کی خاصیتیں بیمار یوں کی اقسام بیان کر دیتا ہے۔ یہ گمان فاسد ہے حدیث علانیہ طور پر اس کی تردید کرتی ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے آنحضرت ﷺ تو رمضان میں تراویح کی نسبت فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ فرض نہ ہو جائیں اور فرمایا وہ بڑا گنہگار مسلمان ہے جو ایسی ایسی چیزیں دریافت کرے جو ابھی تک حرام نہ تھیں۔ لیکن اُس کے سوال کرنے ہی سے حرام کر دیا گئیں۔ اُن کے علاوہ اور کئی حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ بھلا اگر ایسا ہی ہوتا تو اُس مقیم کو جو سختی سے بسر کرتا ہے روزہ کا افطار کرنا درست ہوا کرتا ہے جیسا کہ مسافر کو سختی کی وجہ سے افطار درست ہے۔ وہی تنگی و سختی جس پر رخصتوں کا مدار ہے یہاں بھی (مقیم کی حالت میں) موجود ہے اور ایسا ہی خوشحال مسافر کو افطار کرنا درست نہ ہوتا۔ تمام حد و شرعی کا یہی حال ہے۔

ایسے ہی علم حدیث نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جب کوئی حکم شرع بروایت صحیح ثابت ہو جائے تو اُس کی تعمیل کو مصلحت کے معلوم ہونے پر موقوف نہ رکھے۔ اکثر عقلیں عموماً مصلحتوں کو اپنے بل پر معلوم نہیں کر سکتیں۔ اور نیز ہم کو اپنی عقلوں پر اتنا اعتماد نہیں ہے جتنا کہ آنحضرت ﷺ پر ہے اسی لیے اُن لوگوں پر اس علم کا اظہار نہیں کیا گیا جو اس کے اہل نہیں تھے۔ اس علم کی بھی وہ شرائط ہیں جو کتاب الہی کی تفسیر کی ہیں۔ بغیر سند حدیث کے محض اپنی رائے سے اُس میں خوض کرنا حرام ہے۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ احکام شرعی کے مقرر کرنے کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ کسی آقا کے غلام بیمار ہوں اور یہ آقا ان کی دوا پلانے کو ایک خاص آدمی متعین کر دے اس صورت میں اگر یہ غلام علاج کرانے میں اُس طبیب کی فرمانبرداری کریں گے تو گویا اپنے آقا کی فرمانبرداری کریں گے ان کا آقا خوش ہوگا اور بھلائی سے اُن کے ساتھ پیش آئے گا۔ اور اُن کو بھی بیماری سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر انہوں نے اُس طبیب کا کہنا نہ مانا تو گویا اپنے آقا ہی سے سرتابی کی۔ اُس کے غصہ میں مبتلا ہوئے اور نہایت سخت سزا ان کو ملی اور مرض نے اُن کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اُس حدیث میں جو فرشتوں کی طرف سے روایت کی ہے اشارہ فرمایا کہ اس کا حال ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص نے ایک گھر تعمیر کر کے اس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیج دیا کہ لوگوں کو بلا لائے۔ اب جس نے بلانے والے کی بات مان لی۔ اُس نے گھر میں داخل ہو کر کھانا کھایا اور جس نے اُس کے کہنے کی پرواہ نہ کی وہ نہ گھر میں داخل ہوا۔ نہ اُس نے کھانا کھایا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ میرا اور اُن احکام کا حال جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے ایسا ہے جیسا کہ کسی آدمی نے کسی قوم کے پاس جا کر کہا کہ لوگو! میں نے اپنی آنکھ سے لشکر دیکھا ہے تم کو برملا آہ کہتا ہوں کہ اپنے بچنے کی فکر کرو۔ اپنے آپ کو بچاؤ جنہوں نے اُس کا کہنا مان لیا اور شروع رات سے سفر کا سامان کر کے چل دیئے وہ محفوظ رہے اور جس فریق نے اُس کو سچا نہ جانا وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا یہاں تک کہ صبح کے وقت لشکر نے اُن کو آ لیا اور بیخ و بن سے برباد کر دیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کی طرف سے فرمایا کہ وہ تمہارے اعمال میں جو تم پر اترتے ہیں۔

ہماری اس تقریر سے کہ حالت احکام کی بین بین ہے یعنی اعمال کو اور چیزوں کے واسطے اور حرام مقرر کرنے کو دونوں کو ثواب اور عذاب کے تقق ہونے میں دخل ہے اُن مختلف دلیلوں میں بھی اتفاق ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو اُن کے اعمال پر عذاب

دیا جائے گا یا نہیں۔

اور بعض لوگ یہ تو کسی قدر جانتے ہیں کہ احکام کے لیے مصلحتیں علت ہیں اور اعمال پر جزا اُن نفسانی حالتوں کی ہی وجہ سے مرتب ہوتی ہے کہ جن سے نفس عمدہ ہو جاتا ہے یا بگڑ جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بدن میں ایک بوٹی ہے اس کی درستی سے سارا بدن درست رہتا ہے اور اُس کے بگڑنے سے سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سنو کہ وہ دل ہے، لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس فن کا مدون کرنا اُس کے اصول و فروع کا مرتب کرنا عقلاً تو اس واسطے منع ہے کہ اُس کے مسائل نہایت مشکل ہیں اور شرعاً اس لیے ناممکن ہے کہ سلف نے اُس کو جمع نہیں کیا حالانکہ اُن کا زمانہ آنحضرت ﷺ سے قریب تھا۔ اور اُن کے علوم بہت وسیع تھے تو گویا اُس کے ترک پر سب کا اتفاق سا ہو گیا ہے یا یوں کہہ اٹھتے ہیں کہ اس علم کے مرتب کرنے میں کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہے کیونکہ شریعت پر عمل کرنا کچھ احکام کی مصلحتوں سے واقف ہونے پر موقوف نہیں یہ سب گمان فاسد ہیں اس لئے اس قول کے کہ (اس کے مسائل مشکل ہیں) اگر یہ معنی ہیں کہ اس صورت میں اس علم کا جمع کرنا بالکل ہی ناممکن ہے تو مسائل کے مشکل ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی دیکھو تو حید و صفات کے مسائل کیسے کیسے مشکل ہیں اُن کا پورا پورا دریافت کرنا کیسا دشوار ہے تاہم اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اُن کو آسان کر دیتا ہے ہر ایک علم کا یہی حال ہے ظاہر نظر میں معلوم ہوا کرتا ہے کہ اُس میں بحث کرنا دشوار ہوگا اور اس کا پورا پورا دریافت کرنا تقریباً ناممکن ہوگا لیکن جب اُس کے تعلقات میں کوشش کی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اُس کے مقدمات اور مبادی سمجھے جاتے ہیں تو اُس میں قدرت بڑھتی جاتی ہے اور اُس کی بنیادیں مستحکم ہوتی جاتی ہیں اور اس کی فروع و تعلقات کا نکالنا آسان ہوتا جاتا ہے۔

اور اگر یہ معنی ہیں کہ اُس میں کسی قدر دشواری ہے اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن دشواری ہی سے تو بعض عالموں کی فضیلت بعض پر ظاہر ہوا کرتی ہے جب تک کہ مشقتیں اور شدا ید نہ جھیلے جائیں تمنا میں پوری نہیں ہوتیں۔ علوم میں نکات جہمی حاصل ہوتے ہیں کہ عقلی تکالیف برداشت کی جائیں اور ہر بات کے سمجھنے میں نہایت خوض اور غور کیا جائے۔

اور یہ کہنا کہ سلف نے اس کو مدون نہیں کیا ہے ہم کو سلف کے مدون کرنے کی کیا پرواہ ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اُس کے اصول کو قائم کر دیا ہے اور اُس کے فروع کو مرتب فرما دیا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ جیسے فقہا و صحابہؓ نے اُس میں گفتگو میں کی ہیں اور اُس کی وجوہ کو روشن بیانی سے ظاہر کر دیا ہے اور اُن کے بعد علمائے دین اور ہر وہ طریقہ یقیناً اُن ضروری امور کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ذخیرہ کیا تھا ظاہر کرتے رہے ہیں جب اُن کو کسی ایسے شخص سے مناظرہ کی ضرورت آ پڑتی تھی تو شک اور شبہ سے فتنہ پر دازی کرنا چاہتا تھا تو وہ مستعدانہ بحث کی شمشیر کو میان سے نکال لیتے تھے اپنے ارادوں کو مہم کر کے جرأت اور دلیری سے بدعتیوں کے لشکر کو ہزیمت دیتے تھے۔

میں نے خوب سمجھ لیا کہ ایک ایسی کتاب کا مدون کرنا جس میں اس فن کے اصول کو قواعد کا ایک معقول حصہ ہو نہایت کارآمد اور پر منفعت ہوگا۔

مقدمین کو اس فن کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے اُن کے عقیدے بالکل صاف

تھے۔ آپؐ کے زمانہ سے وہ قریب تھے۔ اُن میں اختلافات کم تھے۔ اُن کے دل مطمئن تھے اُن امور کی تفتیش کی اُن کو کچھ ضرورت نہ تھی جو آنحضرتؐ سے ثابت ہو چکے تھے منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا اُن کو کچھ خیال نہ تھا ثقات سے اکثر مسئلوں کا دریافت کر لینا ممکن تھا۔

علیٰ ہذا القیاس اسی وجہ سے کہ اُن کا زمانہ قرآنِ اول کے متصل تھا رجال حدیث اُن کے پیش نظر تھے اپنے کانوں سے وہ ان کا کلام سنتے تھے۔ ہر ایک بات کو علمائے ثقات سے دریافت کر سکتے تھے۔ اختلافات مذہبی اُن میں کم تھے فنون حدیث کی کچھ ضرورت اُن کو نہیں تھی۔ غریب حدیثوں کے شرح اسماء رجال کے تحقیقات اُن کی عدالت کے درجے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ ایسے ہی مشکل احادیث کی تفسیر حدیث کے اصول مختلف حدیثوں کا بیان۔ احادیث کے راز۔ ضعیف کو صحیح سے تمیز دینا موضوع کو معتبر سے جدا کرنا یہ سب غیر ضروری تھا۔

فنون بالا میں سے ہر فن کی تدوین اُن کے اصول و فروع کی ترتیب مدت دراز کے بعد ہوئی جب اُس کی ضرورت کا وقت آیا پھر ایک زمانہ کے بعد فقہاء میں اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کی کیا کیا علتیں ہیں اور اُن علتوں کے متعلق ایسی بحثیں چھڑیں کہ اُن سے وہ مصلحتیں کیسے حاصل ہو سکتی ہیں جو شرح میں معتبر ہیں اب اکثر مذہبی مسائل میں اکثر اپنی رائے کو دخل دیا جانے لگا اور اعتقادی اور عملی مسئلوں میں شکوک اور شبہات پیدا ہونے لگے اور ایسا وقت آ پہنچا کہ نقلی نصوص پر عقلی دلائل کا قائم کرنا اور منقول کو معقول سے مطابق کرنا دین کی کامل مدد کا باعث ہوا اور مسلمانوں کی پراگندگی دور کرنے میں ایسی ایسی کوششوں سے عمدہ آثار ثابت ہوئے۔ یہ عبادت سب عبادتوں سے افضل اور تمام بندگیوں کی اصل اصول قرار پائے۔

یہ کہنا کہ اس فن یعنی اسرارِ دین کی تدوین بے فائدہ ہے۔ بالکل بے اصل ہے بلکہ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔

اولاً: اس کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ایک بہت بڑے معجزہ کا اظہار ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے سامنے قرآنِ عظیم کو پیش کیا جس نے تمام بقاءِ زمانہ کو تھکا مارا کسی ایک سے بھی بن نہ پڑا کہ وہی ایک سورت بنا سکتا۔ لیکن جب زمانہ قرنِ اول کا گزر گیا اور اُس کی معجز نما وجہیں لوگوں پر مخفی ہو گئیں تو علماء امت نے اپنی ہمت سے ان وجوہ کو ظاہر و باہر کر دیا تاکہ جو لوگ اُن کے ہم مرتبہ نہ ہوں وہ قرآن کے اعجاز کو بخوبی سمجھ سکیں۔ ایسے ہی اللہ کی جانب سے آپؐ نے ایسی شریعت کو عام نظروں کے سامنے پیش کیا جو تمام شرائع سے زیادہ مکمل ہے اُس میں ایسی ایسی مصلحتیں ملحوظ ہیں جن کا اندازہ طاقتِ بشری نہیں کر سکتی۔ آپؐ کے زمانہ کے لوگوں نے احکامِ الہیہ کی عظمت کو خوب معلوم کر لیا تھا اپنی زبانوں سے انہوں نے اس کا اظہار کیا ہے اور اپنے خطبوں اور تقریروں میں اس کو صاف صاف بیان کیا ہے لیکن ان کا زمانہ گزر جانے کے بعد یہ ضرورت پیش آئی کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو اس قسم کے اعجاز کی وجوہ کو لوگوں پر ظاہر کر دے اُن اسباب کی تشریح کر دے جن سے عیاں ہو جائے کہ شریعت محمدیہ تمام شرائع سے زیادہ کامل ہے آنحضرت ﷺ جیسے شخص سے اس پایہ کی چیز کا ظاہر ہونا ایک پُر عظمت معجزہ ہے۔

ثانیاً: ایمان لانے کے بعد اس علم سے دلی اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔

ثالثاً: جب دلائل باہم ایک دوسرے کے موید ہوتے ہیں اور کوئی شے جب مختلف طریقوں سے ثابت کی جاتی ہے تو اس سے سینہ میں ایک قسم کی راحت پیدا ہو کر اضطراب دور ہو جاتا ہے۔

رابعاً: خالصاً اللہ کی عبادت کرنے والا جب اللہ کی عبادت میں کوشش کرتا ہے اور اس پر وہ عبادتوں کے مشروع ہونے کی وجہ سے واقف ہوتا ہے اور عبادت کے ارواح اور انوار کی دل سے محافظت کرتا ہے تو تھوڑی عبادت بھی اس کو بہت نفع دیتی ہے اور وہ اندھا دھند کسی کام کو نہیں کرتا اس لیے امام غزالیؒ نے سلوک کی کتابوں میں عبادت کے اسرار کا بجا بیان کیے ہیں۔

خامساً: فقہاء نے اکثر فقہ کے فروعی مسئلوں میں اسی بنا پر کہ احکام کی علتیں کون سی مناسب اور کون سی نامناسب ہیں بڑا اختلاف کیا ہے اور پوری تحقیق بدون اس کے کہ مصلحتوں کے متعلق ایک مستقل گفتگو کی جائے ناممکن رہتی ہے۔

سادساً: بدعتی لوگ اکثر اس قسم کے شیعہ اسلامی مسئلوں میں ظاہر کیا کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہیں اور جو چیز عقل کے خلاف ہو اس کو رد کر دینا چاہیے یا کسی تاویل سے درست کر دینا چاہیے چنانچہ وہ عذاب قبر میں کہا کرتے ہیں کہ یہ کیفیتیں بدعتیں اور عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ ایسے ہی حساب اعمال۔ پل صراط۔ میزان کے متعلق تقریر کرتے ہیں اور ان میں ذوراز کا رتا و یلیس گھڑا کرتے ہیں۔ اور فرقہ اسمعیلیہ نے یہ کہہ کر بڑا فتنہ برپا کیا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ رمضان کے پہلے دن کا روزہ تو واجب ہو اور شوال کے پہلے دن کا روزہ حرام ہو اور ایسی ہی گفتگوئیں اور بھی ہوتی ہیں۔ ایک فرقہ یہ خیال کر کے کہ رغبت اور خوف دلانے کی چیزیں صرف طبیعتوں کے ابھارنے کے لیے ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی پائیدار اصل نہیں۔ ترغیب اور ترہیب کے مضامین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایسے ایسے مفسدوں کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہر ہر امر کی مصلحتیں بیان کی جائیں ان کے قاعدے خوب پختہ کیے جائیں۔ یہود۔ نصاریٰ۔ دہریوں کے مقابلہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ فقہاء میں ایک فرقہ اس کا قائل ہے کہ جو حدیث قیاس کے بالکل مخالف ہو وہ نہیں ماننی چاہیے۔ اس سے اکثر صحیح حدیثوں میں بڑی خرابی پڑ گئی مثلاً حدیث مسرۃ اور قلتین اس لیے اہلحدیث کو ضرور ہوا کہ ان کے التزام حجت کے لیے بتائیں کہ یہ سب حدیثیں شرعی مسئلوں کے بالکل موافق ہیں اور علاوہ مذکورہ بالا فائدوں کے اور بے شمار فائدے ہیں۔ اور جب مجھ پر بیان کا جوش غالب ہو گا اور قاعدوں کی تمہید بیان کرنے میں مجھ کو نہایت غور کرنا پڑے گا تو بمختصائے کلام میری قلم سے وہ باتیں نکل جائیں گی کہ مناظر متکلمین سے کم لوگ اس کے قائل ہوئے ہوں گے۔ مثلاً اس کا قائل ہونا کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے موقعوں پر شکل و صورت میں تجلی فرمائے گا اور ایک ایسے عالم کو ثابت کرنا جس کی ترکیب غرضی نہیں ہے اس میں اعمال اور مخفی چیزیں ایسے ایسے قالبوں میں جو صفت میں ان اعمال وغیرہ کے مناسب ہوتے ہیں مجسم ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور قبل اس کے کہ زمین پر حوادث پیدا ہوں وہ پہلے ہی سے اس بیچ گون عالم میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اور اس بات کا قائل ہونا کہ اعمال کو نفس کی حالتوں سے ایک خاص تعلق ہے اور دنیا اور آخرت میں جزا پانے کا حقیقتاً وہی باعث ہوتے ہیں اور قضاء و قدر کا قائل ہونا جن کا اثر لازمی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔

اور یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ میں نے ایسے ایسے اقوال پر جرأت جہمی کی ہے کہ آیتوں اور حدیثوں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے آثار کو ان کے موید پایا ہے اہل سنت میں خاص درجہ کے لوگ جو علم لدنی کی وجہ سے سب سے ممتاز ہوئے ہیں ان مسئلوں کے قائل ہو

چکے تھے انہوں نے اپنے اصول اُن اقوال کے موافق قائم کیے تھے۔

اہل سنت حقیقتاً علم کلام کے کسی خاص فرقہ کا نام نہیں ہے بلکہ اہل قبلہ نے ضروریات دین کے ماننے کے بعد جن جن مسئلوں میں اختلاف کیا ہے اور باہمی اختلاف سے ان کے فرقے جدا بن گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ قرآن کی آیتوں یا صحیح حدیثوں میں اُن کا بیان ہوا ہے۔ سلف یعنی صحابہؓ و تابعین اُن کو مانتے رہے ایک زمانہ کے بعد جب اپنی رائے کا پسند کرنا ہر صاحب رائے کا شیوہ ہو گیا اور مسلمانوں کے باہم فرقے بننے لگے تو ایسے وقت میں ایک فرقہ نے تو انہیں امور کو اختیار کیا جو صاف صاف قرآن اور حدیث سے ثابت تھے سلف کے عقیدوں پر وہ مضبوطی سے جم گئے اس کی کچھ پروا نہ کی کہ عقلی قاعدوں کے مخالف ہوں یا موافق اگر فن معقول کی کوئی بات بیان بھی کی تو مخالفین کے الزام دینے کو یا دلی اطمینان بڑھانے کو رایوں سے کوئی فائدہ حاصل کرنا اُن کو مقصود نہیں تھا اُن کا نام اہل سنت ہے اور ایک فرقہ نے اپنا یہ شیوہ اختیار کیا کہ جہاں جہاں اپنے زعم میں اسلام کی کوئی بات انہیں عقلی اصول کے خلاف معلوم ہوئی تو اُس کی تاویل کر کے ظاہری معنی سے پھیر دیا اور ہر مسئلہ میں علم معقول کے قاعدوں کے موافق کلام لیا۔ جیسے سوال قبر۔ وزن اعمال۔ اللہ کا دیدار۔ اولیاء کی کرامتیں۔ یہ سب امور کا قرآن و حدیث سے برملا ثابت ہیں۔ سلف نے اُن پر اتفاق کیا ہے لیکن بعض لوگوں کی نظر میں یہاں معقول کا قافیہ تنگ ہے۔ اسی واسطے ایسے ایسے امور کا یا تو وہ صاف صاف انکار کر دیتے ہیں یا پھیر پھار کے معنی کچھ کے کچھ لیا کرتے ہیں اور ایک فریق قائل ہے کہ ہمارا ان امور پر ایمان ہے اگرچہ اُن کی اصلی حقیقت ہم کو معلوم نہ ہو اُن پر معقول کی کافی شہادت ہمارے خیال کے موافق نہ ہو۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہمارا سب امور پر ایمان ہے اور اللہ کی جانب سے صاف صاف دلائل اس کی حقانیت کے ہمارے پاس موجود ہیں اور ہماری رائے میں عقلی شہادتوں سے ان کا کافی ثبوت ہوتا ہے۔ اور امور دینی میں سے ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں اُن کا ذکر نہیں ہے اور احادیث میں اُن کی شہرت نہیں ہوئی صحابہؓ نے بھی ان کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا۔ اس لیے اس حصہ پر ایک پردہ سا پڑا رہا لیکن آئندہ دور کے علماء میں اُس کا چرچا ہو اور وہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو گئے علماء نے اس حصہ کو دو طرح پر خوض کیا۔ یا تو اُن مسئلوں کو محض نقلی دلائل سے ثابت کیا جیسا کہ انبیاء کا فرشتوں سے افضل ہونا اور حضرت عائشہؓ کی حضرت فاطمہؓ پر فضیلت یا علماء نے ان امور کو جزاء دین قرار نہیں دیا بلکہ امور دینی کا سمجھنا اُن پر موقوف سمجھا۔

چنانچہ امور عامہ کے مسئلے جو ہر عرض کے مباحث اس لیے عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولی باطل اور جزا۔ تہری ثابت کر دیا جائے اور یہ امر کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو بلا واسطہ دوسرے کے پیدا کیا ہے۔ جب ہی پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے کہ اس شہر قول کی تردید ہو جائے کہ ایک چیز سے ہمیشہ ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے اور جب تک کہ اسباب اور اُن کے مسببات میں لزوم عقلی باطل نہ ہو جائے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ معاد جسمانی کا مسئلہ جب ہی طے ہو سکتا کہ ایک معدوم چیز کا دوبارہ لوٹ آنا ممکن ہو عقلی بقا القیاس۔

اُن باقی امور کو سمجھنا چاہیے جو بالتفصیل کتابوں میں مندرج ہیں۔

اور ایک تیسری نحو اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصلی امر پر تو اتفاق ہو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل

اور تفسیر کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہو چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا میں سمیع۔ بصیر کی دو صفتیں ہیں۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ اُس کے سمیع۔ بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں ایک فرقہ قائل ہے کہ اُن دونوں کا حاصل یہ ہے کہ خدا اُن چیزوں کو اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لائق ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ دونوں بالکل علیحدہ صفتیں ہیں۔

علیٰ ہذا اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ حی ہے علیم ہے۔ ارادہ کرنے والا ہر چیز پر قادر ہے کلام کرتا ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفتوں سے یہی معنی جو ان سے مفہوم ہوتے ہیں مراد نہیں ہیں بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں اور اسی لحاظ سے صفات مذکور اور صفت رحمت۔ غضب۔ جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث نے اُن میں کچھ فرق ثابت کیا ہے۔

اور بعض قائل ہیں کہ نہیں بلکہ اللہ کی ذات واجب ہی میں یہ سب امور موجود اور قدیم ہیں اور علیٰ ہذا۔ سب متفق ہیں کہ خدا میں استواء وجہ ہونے کی ضحک کی صفت ثابت ہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد ہیں جو اُن کے مناسب ہوں۔ مثلاً عرش پر ٹھہرنے سے اُس پر غالب آنا مراد ہے وجہ سے ذات مراد ہے۔ اور ایک فریق نے ان امور کو بحال خود چھوڑ دیا ہے اور صاف کہہ دیا کہ ان لفظوں کی مراد کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔

میری دانست میں اس حصہ کے لحاظ سے جس میں کوئی حکم شرعی صاف اور منصوص نہ ہو بلحاظ سنی ہونے کے کسی فریق کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔

اس لیے کہ اگر خالص سنیت پر نظر کی جائے تو اس کا مقتضا یہی ہے کہ سلف کی طرح سے کسی مذہبی مسئلہ میں چون و چرا نہ کی جائے اور جب ایسے ایسے امور میں زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت آ پڑے تو ان امور میں ان کا پیرو بننا کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جو کچھ انہوں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا ہو وہ سراپا راست ہو اور اُسی کا پلہ گراں ہو یا اپنی دانست میں انہوں نے کسی بات کو کسی امر پر موقوف خیال کیا ہو تو کیا ضرور ہے کہ یہ توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو۔ یا جس امر کو انہوں نے قابل الرد خیال کیا ہو وہ حقیقت میں رد کے قابل ہی ہو یہ کیا ضرور ہے کہ انہوں نے ایک امر دشوار سمجھ کر خوض نہ کیا ہو تو وہ حقیقت میں ایسا ہی دشوار ہو کچھ اُن کے بیان اور تفسیر کو اُس کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ کہ اوروں کی تفاسیر سے حقانیت کے لحاظ سے گراں مرتبہ ہوں اور اس لیے کہ سنی ہونے کا مدار پہلے حصہ پر ہے نہ دوسرے پر تم دیکھو گے کہ دوسرے حصہ کے اکثر مسائل میں جا بجا علمائے سنت نے باہم اختلاف کیا ہے اشاعرہ اور ماترید یہ کو دیکھ لو اُن کے علاوہ ہر زمانہ کے حاذق علماء کبھی اُن دقائق کے اظہار میں توقف نہیں کرتے جو حدیث کے مخالف نہ ہوں اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ متقدمین میں سے کوئی اُس کا قائل ہوا ہے یا نہیں جہاں میں علما کے فرقے اور مذہب مختلف پاتا ہوں تو میں ایک صاف اور روشن راستہ اختیار کر لیتا ہوں۔ کناروں کی طرف نہیں مڑتا معتدل طریقہ پسند کر کے چٹنگی سے اس پر تفریعات کرتا ہوں۔

یہ معلوم رکھنا چاہیے کہ ہر فن کا ایک خاصہ ہوا کرتا ہے اور ہر مقام کا مقتضا جدا ہوتا ہے جس کو حدیث کی غرابت سے بحث ہے اس کو حدیث کی صحت اور ضعف سے کچھ غرض رکھنا نہ چاہیے۔ ایسے ہی حافظ حدیث کو فقہی فروعات میں کلام کرنا اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر ترجیح دینا زیبا نہیں ہوتا ایسے ہی ان مذکورہ بالا مباحث میں پڑنا اُس شخص کا منصب نہیں جو اسرارِ دین کے مباحث میں

مصرف ہے اُس کی غایت ہمت اور مطلع نظر صرف اُس راز کا ظاہر کرنا ہے جس کا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے کلام میں قصد فرمایا ہے خواہ وہ حکم قائم رہا ہو خواہ منسوخ ہو گیا ہو یا اُس کی معارض کوئی دوسری دلیل آگئی ہو اور اس معارضہ نے فقیہ کی نظر میں اُس حکم کو مرجوع کر دیا ہو۔ ہاں یہ امر لا بدی ہے کہ ہر فن کے خوض کرنے والے کو وہی بات اختیار کرنی چاہیے جو اُس فن کے لحاظ سے زیادہ اچھی اور موزوں ہو۔ حدیثیں شہروں میں مدون ہو کر اقوال فقہاء سے موید ہونے کے بعد اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ پیروی کے قابل کون کون سی ہیں اور حدیثوں سے متمیز ہو گئی ہیں۔ جن میں یہ اوصاف نہیں ہیں اور ایسے ہی وہ حدیثیں جو کثرت اور قوت روایت کی وجہ سے اولیٰ درجہ کی حدیثوں سے خالص قرار پا چکی ہیں تاہم اگر اسی قسم کا کوئی امر تبعاً مذکور ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ مسائل اجتہاد میں بحث کرنا اس کی طرف میلان کرنا جو حق سے قریب ہو اہل علم سے کوئی نئی بات نہیں ہے اور ائمہ کی کسر شان میں کوئی طعن باعث نہیں ہے۔

اور سن لو کہ میں ایسی گفتگو سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماع امت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہے یا کسی ایسے مسئلے کے خلاف ہو جس کو جمہور مجتہدین نے اختیار کیا ہو یا مسلمانوں کی جماعت کثیر نے اُس کو مقبول کر لیا ہو اگر مجھ سے کہیں اس قسم کی کوئی بات سرزد ہوئی ہو تو اُس کو بالکل خطا سمجھنا چاہیے جو شخص مجھ کو خواب غفلت سے بیدار کرے اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو ہم کو ایسے لوگوں کی ہر بات سے اتفاق کرنا کچھ ضروری نہیں ہے جو معتد میں کے کلام سے مسئلے مستبط کرتے رہتے ہیں اور جھگڑے اور مناظرے کرنا ان کا منصب ہوتا ہے ہم بھی آدمی ہیں وہ بھی آدمی تھے کبھی وہ کامیاب ہوتے ہیں کبھی ہم۔

میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے ہیں پہلے حصہ میں وہ کلی قاعدے ہیں جن پر شرائع کی مصلحتوں اور اغراض کا مدار ہے اس قسم کے اکثر مسئلے ایسے ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ کے عہد کے موجودہ مذہبوں میں مسلم ہو چکے تھے یا ہم اُن اہل مذہب میں اُن امور کے متعلق کچھ ایسا اختلاف نہ تھا آنحضرت ﷺ نے تنبیہا ان کا ذکر فرمایا ہے جیسے کہ فروع باتوں کے بتانے کے وقت اُن اصول کو بتا دیا کرتے ہیں جن پر کہ وہ فروع مبنی ہوتی ہیں اس طرح پر کہ فروع کو اصول کی طرف پھیر دینے پر وہ قادر ہو گئے وہ پہلے ہی اُن کے نظائر دیکھ کر جو ملت اسماعیلی کے پیرو عرب اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں میں پائے جاتے تھے مشتاق ہو گئے تھے مجھ کو معلوم ہوا کہ اگر تمام شرائع کو تفصیلاً دیکھا جائے تو اُن کی انتہا دو قاعدوں پر ہوتی ہے اولاً نیکی اور گناہ کے مباحث۔ دوسرے سیاست مذہبی کے مباحث۔ لیکن نیکی اور گناہ کی پوری حقیقت بدون اس کے ناتمام رہتی ہے کہ اُس سے قبل جزائے اعمال پر کافی بحث نہ کی جائے نفع اٹھانے کے وسائل کا پورا بیان نہ ہو نوع انسانی کے کمالات اور سعادت کے درجے نہ بیان کئے جائیں لیکن یہ مباحث بھی اور اور مسئلوں پر مبنی پائے گئے جو اس علم میں صرف تسلیم کر لئے گئے ہیں اُن کی کچھ حقیقت یہاں نہیں بیان کی گئی۔ عام شہرت کی وجہ سے اُن کی یہاں تصدیق کر لی گئی ہے یا اس لئے مان لیا ہے کہ اُن کی تعلیم دینے والے کے ساتھ حسن عقیدت تھی یا اُن دلائل پر اعتماد کیا گیا ہے جو ان امور کے اثبات کے لئے ایک دوسرے بلند مرتبہ علم میں لائے جا میں۔

اور نفس کے مباحث چونکہ عام فرقوں کی کتابوں میں ملے ہو چکے اس لئے میں نے نفس کی حقیقت اُس کی بقا اور بدنی مفارقت

کے بعد آرام و رنج پانے کے متعلق زیادہ گفتگو نہیں کی البتہ ایسے بعض بعض مسائل کا ذکر ان موقعوں پر کر دیا ہے کہ کتابیں اُس کے بیان میں خاموش تھیں۔ کہیں کہیں ترتیب اور تفریع کر دی گئی ہے جس کو اللہ کی توفیق سے میں نے ایجاد کیا ہے۔ مسلم مسائل میں سے صرف وہی بیان کر دیئے ہیں کہ ادائل میں سے کوئی اُن کے درپے نہ ہوا تھا۔ نقلی دلائل بیان کرنے کا بھی میں نے کچھ اہتمام نہیں کیا اس لیے میں اس حصے میں صرف وہی مسائل بیان کروں گا جن کی بغیر دریافت کیت کے یہاں صرف تصدیق کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد دنیا اور آخرت میں اعمال کے جزا پانے پر بحث کی جائے گی پھر منفعتوں کے وہ وہ مسائل بیان کئے جائیں گے جو عام لوگوں میں پیدائشی اور فطری ہیں اور اپنی اپنی رائے کے موافق عرب اور عجم میں کوئی اُن کو فروگذاشت نہیں کرتا۔ اس کے بعد انسان کی نوعی سعادت اور بدبختی کا بیان ہے اور اُس کا یہی ذکر ہے کہ آخرت میں ان دونوں کے نتائج کیونکر ظہور پذیر ہوں گے پھر نیکی اور گناہ کے اصول ذکر کیے جائیں گے جن پر تمام اہل مذاہب کا نسلاً بعد نسل اتفاق ہوتا رہا ہے۔ پھر اس کا بیان ہے کہ جب کسی قوم پر مذہبی حکمرانی کی جاتی ہے تو حدود اور شرائع کا تقرر کیونکر ہوتا ہے۔ پھر اس کا تذکرہ ہے کہ کلام نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے احکام شرعی کیونکر مستنبط کئے جاتے ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن اسرار کی تفصیل ہے جو ابواب ذیل سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ① ابواب ایمان۔ ② ابواب طہارت۔ ③ ابواب نماز۔ ④ ابواب زکوٰۃ۔ ⑤ ابواب روزہ۔ ⑥ ابواب حج۔ ⑦ ابواب احسان۔ ⑧ ابواب معاملات۔ ⑨ ابواب تربیت منزل۔ ⑩ ابواب سیاست مدن۔ ⑪ ابواب معیشت۔ ⑫ چند ابواب مختلف۔ اب مقاصد شروع کرنے کا وقت آ پہنچا الحمد للہ اَوَّلًا وَاٰخِرًا۔

قسم اوّل ☆ اُن قواعد کلیہ کے بیان میں جن سے وہ شرعی مصلحتیں نکلتی ہیں جن کا شریعت کے احکام میں لحاظ کیا گیا ہے اس میں سات مباحث ستر بابوں میں ہیں۔

تکلیف اور جزا و سزا دینے کے بیان میں۔

بحث اوّل

باب ا

خدا کی صفت ابداع۔ خلق۔ تدبیر کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ ایجادِ عالم کے لحاظ سے اللہ کی بہ ترتیب تین صفتیں ہیں اولاً ابداع: ابداع کہتے ہیں عدم محض سے کسی چیز کو پیدا کرنا اس طرح بغیر کسی مادہ کے کوئی چیز پر وہ عدم سے وجود میں آتی ہے رسول اللہ ﷺ سے اس امر کے آغاز سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کہ پہلے صرف خدا ہی تھا اُس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی۔

دوسری صفت خلق کی ہے خلق کہتے ہیں کسی مادہ سے کسی چیز کو پیدا کرنا جیسے کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور جن

کو خالص بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔ عقل اور نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے عالم کی نوعیں اور جنسیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی ہیں اور ہر ایک نوع اور جنس کی خاصیتیں جدا جدا کر دی ہیں مثلاً نوع انسان کی خاصیت بولنا۔ جلد کا کھلا ہوا ہونا۔ قد کا سیدھا ہونا گفتگو کا سمجھ لینا ہے۔ گھوڑے کی نوع کی خاصیت ہے ہنہانا۔ اس کی جلد کا بالوں سے ڈھکا ہونا۔ قد کا کج ہونا گفتگو نہ سمجھنا۔ زہر کی خاصیت ہے زہر کھانے والے آدمی کو ہلاک کرنا۔ سوٹھ کی خاصیت گرم خشک ہے۔ کافور کی خاصیت سرد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام معدنی۔ نباتی حیوانی نوعوں کی یہی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ جو خاصیت جس چیز میں پیدا کر دی ہے وہ اُس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

ان خاصیتوں کے درجوں میں جو خاصیتیں کہ خاص افراد کی ہیں وہ سب سے خاص ہیں خاصیتوں میں جو کسی قدر عموم اور احتمال تھا وہ اُن کی وجہ سے معین ہو جاتا ہے ایسے ہی نوعوں کے درجہ میں جو خاصیتیں ہوتی ہیں اُن سے جنس کی خاصیتوں میں ایک خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ خاصیتیں ترتیب وار بعض عام بعض خاص مثلاً جسم۔ نامی۔ حیوان۔ انسان خاص شخص میں باہم مخلوط معلوم ہوتی ہیں لیکن عقل اُن کا فرق معلوم کر کے ہر ایک خاصیت کو اس کی طرف منسوب کر دیتی ہے جس کی وہ خاصیت ہے آنحضرت ﷺ نے اکثر چیزوں کے خواص بیان فرمائے ہیں اور اُن کے اثر و کو اُن چیزوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

فرمایا کہ تلبینہ (ایک قسم کا حریرہ ہوتا ہے جو آنے کا بنایا جاتا ہے کبھی کبھی اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں دودھ کے ہمرنگ ہوتا ہے) مریض کے شکم کو آرام دیتا ہے۔ کلونجی کو فرمایا کہ وہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

اونٹوں کے پیشاب اور دودھ کی نسبت فرمایا کہ وہ ان کو آرام دیتا ہے جن کو کھانا ہضم نہ ہوتا ہو۔ اور اُن کے معدہ میں غذا رکتی ہو۔ شرم کو فرمایا کہ وہ گرمی پیدا کرتا ہے۔

تیسری صفت اللہ تعالیٰ کی عالم موالید کی تدبیر کرنا ہے اس تدبیر کا مال یہ ہے کہ تمام موالید میں جو چیزیں حادث ہوتی ہیں وہ سب ایک ایسے انتظام کے موافق ہوں جو اس کے علم و حکمت میں پسندیدہ ہے۔ سب سے وہ مصلحت حاصل ہو جو فیض الہی کا مقتضا ہے۔ جیسے کہ ابر سے مینہ نازل کرتا ہے اُس سے لوگوں اور حیوانات کے لیے زمین میں سے ہر قسم کے درخت بوٹیاں پیدا کرتا ہے تاکہ مدت معلوم تک ان کی زندگی کا باعث ہوں۔ اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں پھینکے گئے تو خدا نے اُن کے زندہ رکھنے کے لیے آگ کو خنک اور باعث سلامتی کر دیا اور حضرت ایوب کے بدن میں بیماری کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا چشمہ پیدا کر دیا جس سے اُن کی بیماری کو آرام ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی وہ تمام عرب اور عجم سے ناخوش ہوا اس لیے آنحضرت ﷺ کو وحی بھیجی کہ اُن کو ذرائع اور جہاد کریں تاکہ جس کو چاہے تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو قوتیں موالید میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اُن سے کبھی جدا نہیں ہوتیں وہ جب آپس میں ایک دوسرے سے مزاحمت کرتی ہیں تو حکمت الہی کا یہ تقاضا ہے کہ اُن سے مختلف اثر پیدا ہو جائیں بعض جو ہر ہوں بعض عرض اور جو اعراض ہوں وہ افعال ہوں یا ارادے ذی عقل سے ہوں یا غیر ذی عقل سے۔

اب ان امور میں اس لحاظ سے تو کوئی شر نہیں ہے کہ جو اُس کے سبب کا تقاضا تھا وہ صادر نہ ہوا یا وہ چیز صادر ہوئی جو اس کے مقتضائے سبب کے خلاف تھی اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود کو اُس کے سبب کے لحاظ سے دیکھیں کہ جو اُس کے پیدا ہونے کا

باعث ہوتا ہے اُس میں خوبی ہوا کرتی ہے۔ جیسے کہ کانٹے کی صفت کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ لوہے کا جو ہر اس کا باعث ہے اگرچہ وہ اس لحاظ سے برا ہے کہ اُس سے بنیاد انسانی فوت ہو جاتی ہے اُن آثار میں شر کی بات یہی ہے کہ اُن سے ایک ایسی چیز پیدا ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ ایک دوسرے میں مصلحت زیادہ ہے۔ اثروں کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے جس کے عمدہ اثر ہوں جب اس قسم کے شر کے آثار مہیا ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت عام کا جو اپنے بندوں پر ہے اور اُس کی قدرت شاملہ اور محیط علم کا یہ اقتضا ہوتا ہے کہ ان قوتوں میں اور قوت والی چیزوں میں مختلف طور پر تصرف کرے قبض سے یا بسط سے حالہ اور الہام سے تاکہ اُن سے امر مطلوب حاصل ہو جائے۔ قبض کی مثال یہ ہے کہ دجال مسلمان بندہ کے قتل کا دوسری مرتبہ ارادہ کرے گا لیکن باوجودیکہ قتل کے اسباب درست ہوں گے اس کے اوزار مہیا ہوں گے لیکن اللہ اس کو قدرت نہ دے گا۔

بسط کی مثال یہ ہے کہ حضرت ایوب نے زمین کو رگڑا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے چشمہ جاری کر دیا۔ حالانکہ عادتاً ایسا نہیں ہوا کرتا کہ پاؤں رگڑنے سے پانی پھوٹ جایا کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بعض مخلصین کو جہاد میں ایسی طاقت عطا کرتا ہے کہ عقلاً اس قسم کے بدنوں سے بلکہ اُس کے دو چند سے چند سے بھی اس قسم کی طاقت خیال میں نہیں آسکتی اور حالہ جیسے حضرت ابراہیم کی آگ کو پاکیزہ ہوا کر دیا۔ اور الہام کی صورت یہ ہے جیسے کشتی کو پھاڑ دینا اور دیوار کو درست کر دینا اور غلام کو قتل کرنا کتابوں اور شریعتوں کا نازل کرنا۔ اور الہام کبھی تو اسی شخص کو ہوتا ہے جس کے لیے اُس کی ضرورت ہو اور کبھی اُسی کی وجہ سے دوسرے کو بھی ہو جاتا ہے۔ قرآن عظیم نے تدبیر کے انواع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

باب ۲

عالم مثال کے ذکر میں

جاننا چاہیے کہ اکثر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا عالم موجود ہے جس کی ترکیب عناصر سے نہیں ہے اُس میں ہر ایک جسمانی چیز کی مناسب صفت اور حالت میں وہ چیزیں جو معنوی ہیں صورت پکڑتی ہیں اور قبل اس کے کہ چیزیں زمین پر ظاہر ہوں پہلے اُس عالم میں موجود ہو جایا کرتی ہیں اور موجود ہونے کے بعد ہوئیں انہیں معانی کے اندازہ کی ہوتی ہیں اور اکثر ایسی چیزیں جن کا کہ عام نظر میں کسی قسم کا جسم نہیں ہوا کرتا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ میں منتقل ہوتی ہیں نازل ہوتی ہیں لیکن عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب رحم کو پیدا کیا اور وہ درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اُس شخص کا مقام ہے جو قطع تعلق سے تیری پناہ میں آئے اور فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران قیامت کے روز دو ابروں کی صورت میں یا صف بستہ پرندوں کی جماعتوں میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کے لیے جہتیں کریں گی اور آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام اعمال حاضر ہوں گے پہلے نماز حاضر ہوگی پھر صدقہ اُس کے بعد روزہ۔ الحدیث۔ اور فرمایا کہ بھلا کام اور برا کام دونوں مخلوق ہو کر

قیامت کے روز لوگوں کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ نیکی تو نیک لوگوں کو مژدہ دے گی اور برائی کہے گی ہٹو ہٹو۔ لیکن وہ اس کو چمٹ ہی جائیں گے اور فرمایا کہ خدا قیامت کے روز دنوں کو اپنی اپنی صورت میں پیدا کرے گا جمعہ کی صورت شگفتہ تاب ناک ہوگی اور فرمایا کہ دنیا قیامت کے روز ایک بڑھیا کی صورت میں ظاہر کی جائے گی۔ جس کے بال کڑبڑے ہوں گے اس کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی منہ اس کا پھیلا ہوا ہوگا اور فرمایا کہ کیا تم وہ چیزیں دیکھتے ہو جن کو میں دیکھتا ہوں میں تمہارے مکانوں کی پشتوں پر فتنوں کی بوچھاڑ دیکھتا ہوں شب معراج کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو اندر کی جانب کو دو ظاہر۔ میں نے کہا اے جبریلؑ یہ دونوں کیا ہیں جبریلؑ نے کہا دو اندر کی تو جنت میں ہیں اور یہ دونوں ظاہر نیل اور فرات ہیں۔

نماز کسوف کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جنت و دوزخ نے میرے سامنے صورت پکڑی دوسرے لفظ میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ میں جنت و دوزخ کی صورت میں نے دیکھی اور اس میں ہے کہ آپؐ نے جنت کا خوشہ توڑنے کو اپنا ہاتھ پھیلا یا اور دوزخ کی آگ سے آپؐ پیچھے کو ہٹے۔ اور اس کی گرمی سے پھونک ماری اور دوزخ میں آپؐ نے حاجیوں کے مال چرانے والے کو دیکھا اور دوزخ میں آپؐ نے اس عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئی اور آپؐ نے جنت میں ایک عورت زانیہ کو دیکھا جس نے کتے کو پانی پلایا تھا۔

یہ امر تو معلوم ہے کہ جنت و دوزخ کا بدن جو عام خیال میں ہے اتنی مسافت قلیل میں نہیں آ سکتا ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ جنت ناگوار یوں سے بھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشوں سے۔ پھر حضرت جبریلؑ کو حکم فرمایا کہ جنت و دوزخ کا معائنہ کریں اور فرمایا کہ بلا نازل ہوتی تو دعا اس کو دفع کرتی ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کر کے فرمایا کہ سامنے ہو وہ سامنے ہوئی اور فرمایا کہ پیٹھ پھیر اس نے پیٹھ پھیر لی اور فرمایا کہ پروردگار عالم کی طرف سے یہ دو کتابیں ہیں۔ الحدیث۔ اور فرمایا کہ موت ایک مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی اور جنت و دوزخ کے مابین اس کو ذبح کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ مریمؑ کے سامنے ایک درست آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریلؑ آنحضرت ﷺ کے سامنے ظاہر ہوا کرتے تھے آپؐ اُن کو دیکھتے اُن سے گفتگو کرتے لیکن اور لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قبر ستر در ستر گز پھیل کر ایسی چمٹ جاتی ہے کہ قبر والے کی پسلیاں الگ ہو جاتی ہیں اور فرشتے قبر والے کے پاس آ کر اس سے سوال کرتے ہیں اور قبر والے کے اعمال اس کے سامنے صورت پکڑ کر آتے ہیں اور قریب المرگ کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں پر حریر یا روئی کا کپڑا ہوتا ہے اور فرشتے قبر والے کو ہتھوڑے سے مارتے ہیں اور وہ ایبا چنٹتا ہے کہ اُس کو وہ چیزیں سنتی ہیں جو مشرق اور مغرب کے بیچ میں ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا کا فر پر اس کی قبر میں تین کی قسم کے سانپ مقرر کرتا ہے وہ ان کو قیامت کے قائم ہونے تک نوچتے ہیں کانتے ہیں اور فرمایا کہ جب مردہ قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے آفتاب ذوقی حالت میں ہوتا ہے۔ وہ بیٹھ کر اپنی آنکھیں ملنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔ اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرفات میں کھڑے ہونے والے کے سامنے اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں میں تجلی فرماتا ہے اور یہ کہ آنحضرتؐ اللہ کے حضور میں جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر ہوتا تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آدمی سے دُوبدو

کلام کرتا ہے اور اس کے علاوہ اور بے شمار مثالیں ہیں۔

① جو لوگ اس قسم کی حدیثوں میں غور کرتے ہیں ان کی تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہوا کرتی ہے یا وہ ان حدیثوں سے ظاہری معنی کا اقرار کرتے ہیں تو لامحالہ وہ ایک ایسے عالم کے ثابت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا اور اسی کو اہل حدیث کا قاعدہ مقتضی ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر تنبیہ کی ہے میں بھی اس کا قائل ہوں۔ اور یہی میرا مذہب ہے۔

② یا اس کے قائل ہوتے ہیں کہ اگرچہ جس سے خارج میں یہ واقعات موجود نہ ہوں لیکن دیکھنے والے کی نظر کے سامنے وہ متمثل ہوتے ہیں۔ اسی قسم کی تقریر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اُس قول میں کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک ظاہر دھواں ظاہر کرتا ہے۔

کہ اُن کے زمانہ میں قحط پڑا تھا جب اُن میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تھا تو اُس کو گرنگی کی وجہ سے دھوئیں کی صورت معلوم ہوتی تھی۔ اور امام ابن ماجہوں سے نقل کیا جاتا ہے کہ قیامت میں خدا کے منتقل ہونے یا دیکھنے کے متعلق جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں اُن کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنی مخلوق کی بینائیوں کو بالکل بدل دے گا تب وہ خدا کو تجلی کرتے ہوئے دیکھیں گے اور خدا اُن سے گفتگو کرے گا۔ لیکن حقیقتاً اللہ کی عظمت میں کوئی تغیر نہ آئے گا نہ وہ منتقل ہوگا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

③ یادہ یہ کہیں گے کہ ان اقوال سے کچھ اور معنی مراد ہیں اُن کے سمجھنے کے لیے یہ امور مثال کے طور پر لائے گئے ہیں لیکن جو شخص ان حدیثوں کی نسبت تیسرے ہی معنی اختیار کرتا ہے وہ میرے نزدیک اہل حق میں سے نہیں ہے امام غزالیؒ نے عذاب قبر میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی اخبار کے ظاہری معنی درست ہیں اور ان میں مخفی راز ہیں۔ لیکن اگر باب بصیرت کے نزدیک وہ کھلی ہوئی باتیں ہیں جب تک کہ اُن کی حقیقتیں پوری منکشف نہ ہو جائیں ان کے ظاہری معنی سے انکار کرنا مناسب نہیں ادنیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے کہ اُن کو مانے اور یقین کرے۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ ہم مدت تک کافر کو قبر میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں اُس کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن ایسے ایسے امور میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھتے پس جو امر مشاہدہ کے خلاف ہو اس پر کیسے یقین کیا جائے اس لئے جاننا چاہیے کہ ایسے امور کی تصدیق کرنے کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت تو یہ ہے اور یہی ظاہر اور درست ہے اور زیادہ محفوظ ہے کہ یہ سب امور موجود ہیں مردہ کو وہ کاٹتے ہیں لیکن تجھ کو اس لیے نظر نہیں آتے کہ تیری آنکھ ان ملکوتی امور کے مطالعہ کے قابل نہیں ہے جو امور کہ عالم آخرت کے متعلق ہیں وہ سب عالم ملکوت سے ہیں کیا تو صحابہ کرامؓ کے حالات کو نہیں دیکھتا اُن کو حضرت جبریلؑ کے آنے کا کیسا یقین تھا اور انہوں نے کبھی ان کو آنکھ سے نہیں دیکھا حالانکہ اُن کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ ان کو دیکھتے ہیں۔ اگر تیرا اُس پر ایمان نہیں ہے تو پہلے فرشتوں اور وحی پر ایمان لانے کو درست کرنا تجھ کو بہت ضرور ہے اور اگر تجھ کو اس کا یقین ہے اور تجویز کر سکتا ہے کہ آنحضرتؐ ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن کو ان کی امت نہ دیکھ سکے تو مردہ کی حالت میں اُس کو کیوں تجویز نہیں کرتا اور جیسے کہ فرشتہ کو آدمیوں اور حیوانات سے کچھ مشابہت نہیں ہے ایسے ہی سانپ اور بچھو بھی جو کہ قبر میں کاٹتے ہیں ہمارے دنیا کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی اور ہی جنس ہے اور ایک دوسری قسم کی حس کرنے والی قوت سے وہ معلوم ہوتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ تم کو سونے والے کی حالت خیال کرنی چاہیے وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اُس کو سانپ کاٹ رہے ہیں وہ اس سے تکلیف اٹھا رہا ہے حتیٰ کہ تم کبھی کبھی دیکھو گے کہ وہ چلا اٹھتا ہے اُس کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے اپنی جگہ سے کبھی اُچھل پڑتا ہے ان سب امور کو وہ اپنے دل سے معلوم کرتا ہے وہ اس سے بیدار آدمی کی طرح اذیت اٹھاتا ہے وہ آنکھ سے ان امور کو دیکھتا ہوتا ہے اور تم اُس کو ظاہر میں بالکل چپ چاپ پاتے ہو اس کے آس پاس نہ سانپ ہوتے ہیں نہ بچھو حالانکہ اُس کے حق میں بچھو موجود ہوتے ہیں اور اس کو تکلیف ہوا کرتی ہے لیکن تمہارے میں موجود نہیں ہوتے جب کاٹنے کا اثر تکلیف ہے تو برابر ہے کہ سانپ خیالی ہو یا نظر کے سامنے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ تم یہ جانتے ہو کہ خود سانپ تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ اُس کی زہر کی تکلیف سے تمہاری یہ حالت ہو جاتی ہے اور خود زہر بھی کوئی تکلیف کی چیز نہیں ہے بلکہ تم کو اس اثر کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے جو زہر سے تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو اگر بغیر زہر کے بھی ایسا ہی اثر پیدا ہو جائے تو یقیناً اُس کی تکلیف بہت زیادہ ہوگی اور اُس کا اندازہ صرف اسی طرح ہو سکے گا کہ اس کو ایسے سبب کی طرف منسوب کریں جس سے عادتاً ایسے اثر پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً اگر کسی شخص میں بغیر مباشرت صورتہ جماع کے جماع کی لذت پیدا ہو جائے تو اس کو اسی طرح بتائیں گے کہ اُس لذت کو مباشرت کی طرف منسوب کریں تاکہ اس نسبت کرنے سے تعریف یا نسبت ہو جائے اور سبب کا ثمرہ بدوں اس کے کہ صورت سبب کی موجود ہو حاصل ہو جائے اور کوئی سبب ہو وہ خود مطلوب نہیں ہوا کرتا بلکہ اپنے ثمرہ کی وجہ سے مطلوب ہوا کرتا ہے یہ تمام مہلک صفتیں موت کے وقت نفس میں ایذا رساں اور تکلیف دہ ہو جایا کرتی ہیں۔ اُن کی تکالیف سانپوں کے کاٹنے کی سی تکالیف ہوتی ہیں حالانکہ سانپ حقیقتاً نہیں ہوا کرتے۔

باب ۳

ملاءِ اعلیٰ کے ذکر میں

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ عرش اور ان چیزوں کو جو اُس کے آس پاس میں اٹھائے ہوئے ہیں اللہ کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے ہیں اُس پر یقین رکھتے ہیں مسلمانوں کے لیے مغفرت چاہتے ہیں کہ اے پروردگار تیری رحمت تیرا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے پس اُن لوگوں کی مغفرت کر جنہوں نے گناہوں سے توبہ کی۔ اور تیری کی اور دوزخ کے عذاب سے اُن کو نجات دے اور اے پروردگار اُن کو اور اُن کے باپ دادوں بیویوں اولاد میں سے اُن کو جو نیک ہوں جنتوں میں داخل کر جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے بے شک تو غالب حکمت والا ہے اور اُن کو برائیوں سے محفوظ رکھ اُس روز جس کو تو نے برائیوں سے محفوظ رکھا۔ بے شک اُس پر تو نے بڑا رحم کیا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی حکم کو پورا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے اللہ کے قول کی فرمانبرداری کے سب سے اپنے پر مارتے ہیں اور اللہ کا قول ایسا ہوتا ہے جیسے کہ چلتے پتھر پر صفوان (ایسی آواز جس کا بجنا کانوں کو اولاً محسوس ہوتا ہے اور اس کو قرار نہیں ہوتا یہاں تک کہ بعد کو وہ سمجھ میں آ جاتی ہے) جب اُن کے دلوں پر سے خوف دُور ہو جاتا ہے تو باہم وہ کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ جواب دیتے ہیں حق بات کہی ہے وہ بڑا اور برتر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے جب کسی حکم کو پورا کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے تسبیح کرتے ہیں ان کے بعد جو فرشتے آسمان پر ان کے قریب ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں شدہ شدہ وہ تسبیح کی خبر اُن فرشتوں تک پہنچتی ہے جو درے آسمان پر ہیں اُس کے بعد جو فرشتے حاملین عرش کے قریب ہوتے ہیں حاملین سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ اس مقولہ کی ان کو خبر دیتے ہیں۔ علیٰ ہذا ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس اخیر آسمان کے رہنے والوں کو خبر پہنچ جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب کو اٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدار تھی نماز پڑھتے پڑھتے مجھ کو خواب آگئی جب خواب خوب گراں ہوگئی تو میں نے ایک نہایت عمدہ صورت میں اپنے پروردگار کو پایا اُس نے فرمایا اے محمد! میں نے کہا لبیک میرے پروردگار! فرمایا کہ ملاءِ اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ایسے ہی تین بار فرمایا اس کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے بیچ میں رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے دو پستانوں کے بیچ میں پایا۔ اس وقت سب چیزیں مجھ پر ظاہر ہو گئیں اور میں نے اس کا جواب بھی معلوم کر لیا، اُس نے فرمایا اے محمد! میں نے عرض کیا لبیک میرے پروردگار! فرمایا کہ ملاءِ اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کفارات پر فرمایا کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا پیادہ پا نماز کی جماعتوں کے شوق میں چلنا نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھا رہنا۔ ناگوار حالتوں میں وضو کو پورا کرنا۔ پھر فرمایا اور کس چیز میں؟ میں نے عرض کیا درجات میں۔ فرمایا درجات کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھانا کھانا نرم کلامی شب کی نماز کو اُس وقت میں کہ سب لوگ سو رہے ہوں ادا کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُس کو دوست رکھ۔ جبریلؑ بھی اس کو دوست رکھنے لگتے ہیں اور آسمان پر ندا کرتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو اس لیے آسمان والے سب اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین پر بھی وہ مقبول ہو جاتا ہے اور ایسے ہی جب کسی بندہ کو وہ برا جانتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھ حضرت جبریلؑ بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر ندا کرتے ہیں کہ فلاں شخص سے خدا بغض کرتا ہے تم بھی اُس سے بغض رکھو سب اُس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور زمین پر اس سے بغض پھیل جاتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی اس جگہ رہتا ہے جہاں نماز پڑھی تھی فرشتے تم پر اُس وقت تک برابر درود بھیجتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں بار ائہا اس پر رحمت کر اس کی مغفرت کر اس کی توبہ قبول کر مالہم یوذفیہ مالہم یحدث فیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی روز ایسا نہیں ہے جس میں بندے صبح کرتے ہیں مگر یہ کہ ہمیشہ دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اُن میں سے ایک یہ کہتا ہے بار خدایا فیاض کو عوض جلد عطا کر اور مسک آدمی کا اجر کھودے۔

جاننا چاہیے کہ شرع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے بزرگ فرشتے بھی ہیں جو بارگاہِ خداوندی میں مقرب ہیں جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور اُس کو مہذب کر لیتا ہے لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا رہتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اس کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ جس کے اثر سے ان لوگوں پر برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

ایسے ہی جو اللہ کی نافرمانی کر کے فساد ڈالنے میں کوشش کرتا رہتا ہے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اس لعنت کے اثر سے اس مفسد کے دل میں ندامت اور افسوس پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی لعنت کے اثر سے ملائہِ سافل کے دلوں پر اس کا الہام ہوتا ہے کہ اس بدکار سے تعلق نہ رکھیں اور دنیا میں یا بعد مرنے کے اُس کو برائی پہنچائیں اور فرشتوں کے لیے بہت سی خدمتیں مفوض ہیں اُن کی یہ بھی خدمت ہے کہ اللہ اور بندوں کے بیچ میں اچھی ہوتے ہیں لوگوں کے دلوں میں نیک الہام ڈالتے رہتے ہیں یعنی کسی نہ کسی وجہ سے نیک خطرات لوگوں کے دلوں میں اُن سے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جس طرح اللہ کو منظور ہوتا ہے اور جہاں منظور ہوتا ہے اللہ اُن کو جمع کرتا ہے اس اعتبار سے اُن کو رفیقِ اعلیٰ اور مجلسِ اعلیٰ اور ملائہِ اعلیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور آدمیوں سے بھی بعض جن کی روحیں بہت بزرگ ہیں فرشتوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور انہی میں مل جاتی ہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مطمئنِ روح تو اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ اور میرے بندوں میں داخل ہو میری جنت میں آ جا۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے جعفر ابن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ فرشتہ کی صورت میں معدود پروں کے فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اور وہیں ملائہِ اعلیٰ میں احکامِ الہی کا نزول بھی ہوتا ہے اور جس امر کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: "کہ اُس میں سب مضبوط کام جدا کیے جاتے ہیں"۔ وہ وہیں قرار پاتا ہے۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے تمام شرائع کا تقرر بھی وہیں ہوتا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ ملائہِ اعلیٰ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم ایسی ہے کہ اللہ نے یہ جان کر کہ نیکی کا انتظام ان پر موقوف ہے ایسے نورانی اجسام پیدا کیے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آگ کی مانند ہیں پھر ان جسموں میں بزرگِ روحیں پھونک دیں ایک قسم ایسی ہے کہ کبھی کبھی عناصر سے لطیف بخارات صعود کرتے ہیں۔ اور اُن سے ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے کہ اُن پر ایسے باند نفوس کا فیضان کیا جائے جن میں بھی میل و چمک لے ترک کرنے کا بڑا ملکہ ہوتا ہے اور ایک قسم نفوسِ انسان میں سے ہوتی ہے جن کو ملائہِ اعلیٰ سے قرب ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ نجات دہ اعمال کو عمل میں لاتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں ہی شامل ہو جاتے ہیں۔ اپنے بدنوں کی چادریں اتار کر انہیں میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اور جملہ ان کے شمار کیے جاتے ہیں اور ملائہِ اعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہایت خوض و محویت سے وہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہتے ہیں کسی چیز کا میاں ان کو اس توجہ سے نہیں روک سکتا ہے اور یہی معنی ہیں اس قول خداوندی کے کہ وہ اپنے پروردگار کی حمد سے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔

ان کے دلوں میں اپنے پروردگار کی طرف سے یہ ڈالا جاتا ہے کہ فلاں عمدہ انتظار پسندیدہ ہے اور اس کے مخالف ناپسندیدہ ہے اس کی وجہ سے جو الہی کا ظہور ہوتا ہے اور یہی مراد ہے اس خدا کے قول سے کہ وہ ایمان والوں کے لیے مغفرت کے خواستگار رہتے ہیں اور ملائعہ اعلیٰ میں جو نہایت مرتبہ والے ہیں ان کے انوار کبھی یکجا جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے میں اس روح کی صورت میں داخل ہو جاتے ہیں جس کا کہ آنحضرت ﷺ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس کی منہ اور زبانیں بکثرت ہوتی ہیں اُس وقت وہ سب مل ملا کر گویا ایک شے ہو جاتے ہیں اور اُسی کا نام خطیرۃ القدس ہے۔ اور بارہا خطیرۃ القدس میں اس پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ معاش اور معاد کے صدموں سے لوگوں کو نجات دینے کا کوئی ذریعہ اس طرح قائم کرنا چاہیے کہ مخلوق الہی میں اس شخص کو جو اُس زمانہ میں نہایت ذکی النفس ہو مضبوط کرنا چاہیے اس کے حکم کو لوگوں میں جاری کرنا چاہیے اس اتفاق کا یہ اثر ہوتا ہے کہ منور لوگوں کے دل میں اس کا الہام کیا جاتا ہے کہ اس شخص کے اتباع پر کمر بستہ ہوں اور ایسے گروہ بنیں جو لوگوں کی رہبری اور نفع رسانی کے لیے باہر نکلیں۔

اسی اتفاق کے اثر سے ایسے ایسے علوم لوگوں کے دلوں میں منقش ہوتے ہیں جن میں اقوام کی درستی اور سراسر اُن کی ہدایت ہوتی ہے۔ یہ الہام کبھی بذریعہ وحی ہوتا ہے کبھی خواب میں کبھی ہاتھ غیب کے ذریعہ سے اُس کی ذکی النفس کے سامنے وہ خطیرۃ القدس والے فرشتے کبھی کبھی سامنے ظاہر ہو کر گفتگو بھی کرتے ہیں۔ اتفاق اس شخص کے احباب کی امداد کا باعث ہوتا ہے۔ ہر ایک ناکامی سے اُن کو قریب کر دیتا ہے اور اللہ کے راستہ سے روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے۔ ہر قسم کے رنج و تکلیف میں وہ گرفتار کیے جاتے ہیں۔ یہی نبوت کے لیے اصل الاصول ہے۔

جب دائمی طور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے تو تائید روح القدس اس کو کہتے ہیں یہ تائید ایسی ایسی برکتوں کا ثمرہ ہوتی ہے کہ عادتاً ایسی برکتیں ظہور میں نہیں آتیں۔ اسی کا نام معجزات ہے۔ اور ان ملائعہ اعلیٰ سے کم درجہ کے نفوس اور بھی ہوتے ہیں جن کے فیضان سے لطیف بخارات میں ایک ایسا معتدل مزاج پیدا ہو جاتا ہے کہ جو سعادت میں ملائعہ اعلیٰ تک نہیں پہنچتا ہے تاہم ان میں سے اتنی کمالیت ہوتی ہے کہ وہ فراغ کی حالت میں اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اوپر سے ان پر کیا مترشح ہوتا ہے بچب ہی کہ قابل کی استعداد اور فاعل کی تاثیر کے اندازہ کے موافق کوئی بوچھاڑ ان پر پڑتی ہے وہ اُن فوقانی امور کی طرف ایسی ہی آمادگی ظاہر کرتے ہیں جیسے کہ پرند اور چار پائے طبعی اسباب کی تحریک سے آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اس حالت میں اپنے تمام نفسانی امور سے علیحدہ اور فوقانی الہام میں ثابت اور قائم رہتے ہیں۔ لوگوں اور بہائم کے دلوں پر ان کا اثر ہوتا ہے ان کے ارادے اور نفسانی باتیں انہیں امور کی طرف پھر جاتے ہیں جو مقصود کے مناسب ہوں۔ بعض بعض اشیاء میں ان کا یہ اثر ہوتا ہے ان کی طبعی حرکات کو چند در چند کر دیتے ہیں یا اُن میں تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ کوئی پتھر لڑکایا جائے تو اس وقت اُس پر فرشتہ اپنا اثر ڈالتا ہے اور زمین پر مافوق العادۃ وہ لڑھکتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صیاد نہر میں دام پھینکتا ہے اور فرشتوں کی فوجیں ایک مچھلی کے دل میں الہام کرتی ہیں کہ دھیا کے اندر گھس جا اور دوسرے سے بھاگ جانے کا ایک کوری پکڑ لینے ایک کوری چھوڑ دینے کا۔ مچھلی کچھ نہیں جانتی کہ میں یہ کیا کرتی ہوں لیکن صرف الہام کی تابع رہتی ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو فریق لڑتے ہوتے ہیں اس وقت فرشتے آ کر ایک فریق کے دل میں گفتگو سے حسب مقام خیالات سے شجاعت کی خوبی پیدا کر دیتے ہیں غلبہ کے ذریعوں کا الہام کرتے ہیں۔ تیر اندازی وغیرہ میں اُن کی مدد کرتے ہیں اور

مخالفین میں ان امور کے خلاف کو پسندیدہ بنا دیتے ہیں۔ یہ تمہیں اس لیے ہوتی ہے کہ جس امر کا ہونا مقدر ہے وہ طے ہو جائے۔
 کبھی اُن کے دل پر اس کا ترشح ہوتا ہے کہ کسی نفس کو آرام پہنچایا جائے کسی کو تکلیف دی جائے اس میں وہ نہایت سرگرمی کرتے ہیں اور ہر ایک طریقہ سے اس کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان ملاءِ اعلیٰ کے مقابلہ میں اور قسم کے وجود ہیں جن میں ہلکا پن بے چینی ہوتی ہے ایسی فکریں ان سے سرزد ہوتی ہیں جو نیکی کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔ وہ تاریک بخارات کے سڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شاطین ہیں جن کی کوششیں ہمیشہ فرشتوں کی کوششوں کے خلاف ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۴

اللہ کے اس طریقہ کے بیان میں جس کا اس قول الہی میں بیان ہوا ہے
 ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ ”اللہ کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہ پائے گا“

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض افعال اُن قوتوں کے ہونے پر کسی نہ کسی طریقہ سے مرتب ہوتے ہیں۔ جو کہ اس عالم میں ودیعت رکھی گئی ہیں۔ نقل اور عقل دونوں سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مشیتِ خاک سے جس کو تمام زمین سے لیا تھا پیدا کیا۔ اس لئے آدمی اسی اندازہ زمین کی وجہ سے بعض سرخ رنگ بعض سفید رنگ بعض سیاہ رنگ اور ان رنگوں کے درمیان اور بعض نرم طبع بعض سستدل بعض ناپاک سیرت بعض پاکیزہ نفس پیدا ہوتے ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن سلام نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ بچہ کو باپ یا ماں سے مشابہ ہونے کا کیا سبب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مرد کا پانی جب عورت کے پانی سے پہلے سبقت کرتا ہے تو وہ مرد کے شبیہ ہو جاتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے پہلے پہنچ جاتا ہے تو وہ عورت کے شبیہ ہو جاتا ہے۔

میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ اس میں شبہ کرے کہ مر جانے کو تلوار مارنے یا زہر کھالینے کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں اور رحم میں بچہ کی پیدائش منی کرنے کے بعد ہوا کرتی ہے دانوں اور درختوں کی پیدائش تخم ریزی درخت لگانے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ اسی استطاعت اور قدرت کی وجہ سے آدمی کٹف بنایا گیا ہے مامور کیا گیا ہے اور برائیوں سے بچایا گیا ہے اپنے اعمال پر جزا سزا دیا جاتا ہے۔

یہ قوتیں جن پر خدا کے افعال جاری ہوتے ہیں مختلف قسم کی ہیں بعض ان میں سے عناصر کی خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں اور بعض ان میں سے وہ اہکام ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہر ایک صورت نوعیہ کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے بعض ان میں سے عالم مثال اور اس وجود کے حالات ہیں جن کا تقرر زمین میں آنے سے پہلے ہو چکا ہے اور بعض ان میں سے ملاءِ اعلیٰ کی دعائیں یا بدعائیں ہیں۔ جن

کو وہ ان لوگوں کے لیے نہایت کوشش و اہتمام سے مانگتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے نفس کو مہذب بنایا ہے اور اپنی قوتوں کی اصلاح میں بڑی کوشش کی ہے اور ان کے مخالفین پر ہوا کرتی ہیں۔

اور منجملہ ان کے احکام شریعت ہیں جو لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں بعض امور واجب کیے گئے ہیں اور بعض حرام یہ احکام بھی بجا آوری کرنے کے لیے موجب ثواب ہیں اور نافرمانی کرنے والے کے لیے باعث عذاب اور ان میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کسی شے کو مقرر کرتا ہے تو عادت الہی کے موافق یہ شے دوسری چیز کو لازم ہوا کرتی ہے تو اس شے کا اثر اس دوسری شے تک پہنچتا ہے اس لیے کہ اس انتظام لزوم کا درہم برہم کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی بندہ کے لیے کسی جگہ مرنا مقدر کرتا ہے تو وہاں پہنچنے کی اس کے لیے کوئی نہ کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ اخبار سے معلوم ہوئے ہیں اور عقل کی ضرورت نے ان کو ضروری قرار دیا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ جب ایسے اسباب مختلف طور پر جمع ہوں جن پر کہ عادت حکم الہی مرتب ہوا کرتا ہے اور ان اسباب کے آثار بتا مہاجم نہ ہوں تو اس وقت مقتضائے حکمت یہ ہے کہ ایسے امر کا لحاظ کریں جو خیر محض سے زیادہ ملتا ہوا ہو۔ اسی کا نام اس قول رسالت میں میزان رکھا گیا ہے کہ خدا کے ہاتھ میں میزان ہے وہ کبھی اس کا پلہ اٹھا دیتا ہے کبھی جھکا دیتا ہے اور اللہ کے قول میں شان کے لفظ سے بھی مراد ہے کہ اللہ ہر روز ایک خاص شان میں ہوتا ہے۔ اور ترجیح کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں کبھی اسباب کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے کہ سب سببوں میں کون سا سبب زیادہ قوی ہے کبھی ان اثرات کے لحاظ سے ہوتی ہیں جو ان اسباب پر مرتب ہوا کرتی ہیں کہ ان سبب میں زیادہ نفع کے قابل کون ہے؟ اور کبھی باب تدبیر پر باب خلق کے مقدم ہونے سے ہوتی ہے اور ایسے ہی ایسے وجوہ اور ہوا کرتے ہیں۔

بہر حال اگرچہ ہمارا علم یہ معلوم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم سب اسباب کو احاطہ کر سکیں اور جب اسباب میں تعارض ہو تو یہ معلوم کر سکیں کہ ان میں سے زیادہ قابل استحقاق کون سا ہے لیکن تاہم یہ ہم کو قطعاً معلوم ہوا ہے کہ جو چیز موجود ہوتی ہے وہ موجود ہونے ہی کے لائق ہوتی ہے جو شخص ہمارے مذکورہ بالا تقریر کو پختگی سے سمجھ لے گا۔ وہ اکثر اشکالات کے الجھن سے نکل جائے گا۔

باقی رہیں وہ تاثیریں جو ستاروں کی ہمتوں کے متعلق ہیں ان میں سے بعض تو ضروری ہیں جیسے گرمی و سردی کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا دن کا گھٹنا بڑھنا آفتاب کی حرکتوں کے اختلاف سے اور جیسے چاند کی حالتوں کی تبدیلی سے دریا میں جذر و مد کا ہونا۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب ثریا طلوع کرے گا آفات برپا ہو جائیں گی یعنی بلحاظ عادت کے لیکن فقیری تو نگری خشک سالی سرسبزی اور تمام انسانی حادثوں کا ستاروں کے حرکات سے پیدا ہونے کا ثبوت شرع سے کچھ نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے ان امور میں خوض کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور فرمایا کہ جس نے نجوم کا کوئی حصہ سیکھا تو گویا اُس نے جادو کا حصہ سیکھا اور اُس عرب کے قول سے کہ ہم پر فلاں ستارہ سے بارش ہوئی آپ نے بہت تشدد فرمایا ہے میں کہتا ہوں کہ شریعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ خدا نے ایسی تاثیریں اور خاصیتیں پیدا نہیں کی ہیں۔ جن سے اس عالم میں ہوا وغیرہ کے ذریعہ سے جو لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے حوادث پیدا ہوں۔

تم کو خوب معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کہانت سے منع فرمایا ہے جس میں جنوں کی جانب سے خبر دی جاتی ہے اور فرمایا

ہے کہ جو کاہن کے پاس جا کر اس کو سچا جانے اس سے میں علیحدہ ہوں آپ سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو خبر دی کہ فرشتے جو ہوا میں اتر کر ان امور کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا آسمان پر فیصلہ ہو چکتا ہے تو شیاطین اس میں سے کچھ چوری کر لیتے ہیں اور کاہنوں کو بتا دیتے ہیں وہ اس میں اور سو جھوٹی باتیں ملا دیا کرتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے اے ایمان والو! کافروں کی طرح سے مت ہو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں۔ جب وہ سفر کرتے ہیں اور لڑتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو کاہے کو مرتے یا قتل کیے جاتے۔ اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا عمل کسی کو جنت میں داخل نہ کرے گا اور آپ نے فرمایا کہ تو رفیق ہے اور خدا طیب ہے بہر حال منع فرمانا بہت سی مصلحتوں پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵

روح کی حقیقت کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾

”تجھ سے روح کا حال پوچھتے ہیں (یہودی) تو کہہ روح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم کو صرف تھوڑا علم دیا گیا ہے۔“

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اعمش نے وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا پڑھا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنہوں نے روح کا حال دریافت کیا تھا۔ اس آیت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ امت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی حکم بیان نہ کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے بلکہ شرع میں اکثر اس وجہ سے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے عام لوگ اس سے برتاؤ کے قابل نہیں ہوا کرتے اگرچہ بعض بعض اس کو سمجھ سکتے ہوں۔

جاننا چاہیے کہ روح سے متعلق اولاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ جب حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے۔

اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کرنے کی حرکت کرنے کی اس میں وہ سب قوتیں ہوتی ہیں جو غذا کے متعلق ہیں۔ طب کے احکام کو اس بھاپ سے بڑا تعلق ہے۔

تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاپ کے رقیق ہونے کا اور غلیظ ہونے کا صاف اور مکدر ہونے کا بدنی قوتوں پر اور ان افعال پر حیوان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے اگر اس عضو پر یا اس بھاپ کے پیدا ہونے پر جس کو عضو ہی سے تعلق ہے کوئی

آفت پہنچتی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے اس کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی ہے اور اس کے تحلیل ہو جانے سے موت ہو جاتی ہے۔

بادی النظر میں روح اسی کا نام ہے لیکن غور رس نظر میں یہ روح کا ادنیٰ طبقہ ہے بدن میں اس کی ایسی مثال ہے جیسی گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ۔

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ 'روح' روح حقیقی کا مرکب ہے۔ اور روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔ اس لیے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے بدنی اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے کسی حالت میں وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے پھر وہ بڑا ہو جاتا ہے کبھی اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا ہوتا ہے کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اس کے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اس کے وجود میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہی رہتا ہے جو پہلے تھا۔

اور اگر ان اوصاف کے تبدیل اور عدم تبدیل میں مناقشہ کیا جائے تو ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اس وقت میں بھی لڑکا وہی رہے گا جو کہ پہلے تھا یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان اوصاف کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں کرتے اور لڑکے کا بعینہ باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اس لیے لڑکے کی ذات ان اوصاف کے خلاف ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری نہیں ہو سکتی اور نہ بدن اور وہ چیز جس سے ہو سکتی ہیں جو کہ اس کے شخص ہونے کی باعث ہیں اور ظاہر نظر میں دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے وہ ایک نورانی نقطہ ہے ان تمام مشغیرات سے جن میں سے بعض جو ہر ہیں بعض عرض اس کا ڈھنگ نرالا ہے وہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسی ہے جیسی بڑے ہونے کی حالت میں۔ جیسے کہ وہ سرنگی کی حالت میں ہے ایسے ہی سپیدی کی حالت میں ہے۔ ایسے ہی وہ تمام اضداد کی حالت یکساں ہے اس کو ابتداء روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے اس لیے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اس روح سماوی کا اس پر نزول ہوتا ہے۔

جن امور میں کہ تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سفید کر دیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ اور ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہو گیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے جس وقت کہ بدن میں روح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے جب مضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہو جاتی ہے تو یہ حکمت الہی کا مقتضا ہے کہ روح ہوائی اس قدر باقی رہ جائے کہ روح الہی کا اس سے تعلق رہ سکے جیسے کہ تم شیشہ سے ہوا کہ چوس لیتے ہو تو حتی الامکان اس میں خلخل پیدا ہو جاتا ہے پھر تم اس کے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ اخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے یہ صرف اس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سر نو زندگی ہوتی ہے اور روح الہی کے فیضان سے ان امور میں جو مشترک کے ذریعہ سے

ہم میں باقی رہ گئے تھے ایک طاقت جدید پیدا ہوتی ہے اور عالم مثال یعنی اس قوت کے ذریعہ سے جو کہ مجرد اور محسوس کے مابین ہے اور افلاک میں پھیلی ہوئی ہے، کی امداد سے وہ روح ہوائی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح پر عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہو جاتے ہیں پھر جب صورتوں میں روح ڈالی جائے گی ویسا ہی فیضان پھر ہوگا جیسے کہ ابتداء عالم میں ہوا تھا اور روحیں بدنوں میں ڈالی گئی تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قائم کی گئی تھی تو اس وقت روح الہی کے فیضان سے روح ایک جسمانی لباس یا ایسا لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا پھر پہن لے گی۔ اور جو کچھ صادق مصدوق علیہ افضل الصلوات وایمن التحیات نے خبریں بیان کی ہیں سب کا حصول ہوگا اور جو کہ روح ہوائی لیک متوسط شے روح الہی اور بدن آدمی کے بیچ میں ہے اس واسطے ضرور ہے کہ اس کا رخ اس طرف بھی ہو اور اس طرف بھی اور جو اس کا رخ عالم قدس کی جانب مائل ہے اس کا نام ملکی حالت ہے اور جو زمین کی جانب ہے اس کا نام بہیمیت ہے مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق انہی مقدمات پر اکتفا کیا جائے تاکہ اس علم میں اس کی تسلیم کے بعد تفریعات کی جائیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اس کے چہرہ سے پردہ اٹھایا جائے۔ واللہ اعلم

باب ۶

سہر التکلیف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَيُّنَ أَنْ يُحْمَلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا يُعَذِّبُ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اس کی برداشت کرنے سے انکار کیا اور اس سے خوف زدہ ہو گئے اور آدمی نے اس امانت کو برداشت کر لیا بے شک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تاکہ خدا منافقوں اور منافق عورتوں کو اور مشرکوں کو اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول کرے خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

غزالی اور بیضاوی نے تنبیہ کی ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونے کی ذمہ داری ہے اس طرح پر کہ اطاعت اور نافرمانی ادا کام سے ثواب یا عذاب کا استحقاق ہو سکے اور آسمانوں اور زمین پر ان کے پیش کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی استعدادوں کا اندازہ کیا گیا کہ ایسے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا مادہ ان میں ہے یا نہیں ہے اور ان کے انکار کرنے سے یہ غرض ہے کہ ان کی طبیعت میں اس کام کی لیاقت اور استعداد نہ تھی اور یہ جو فرمایا کہ آدمی نے اس امانت کو برداشت کر لیا اس سے مراد ہے کہ اس میں ان امور کے انجام کی ذاتی صلاحیت تھی۔ میں کہتا ہوں اس معنی کے لحاظ سے ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ کو یا حکم سابق کی علت ہے

اس لیے کہ ظالم اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں انصاف و عدل کرنے کی قابلیت ہو لیکن پھر بھی انصاف نہ کرے اور جہول اس کو کہتے ہیں کہ باوجود قابلیت کے ناواقف ہو اور علاوہ آدمی کے بعض چیزیں عالم اور عادل ہیں کہ ظلم اور جہل کا ان تک گزر نہیں ہے جیسے کہ فرشتے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ نہ وہ عالم اور عادت ہیں اور نہ ان میں علم اور عدل کا مادہ ہے جیسے چہار پائے۔ مکلف ہونے کے قابل وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا کمال بالقوة ہونہ بالفعل۔

اور لیغذب میں لام بمعنی عاقبت ہے یعنی اسی امانت کے متحمل ہونے کا انجام عذاب کرنا اور آرام دینا ہے اور حقیقۃ الامر کا پورا انکشاف فرشتوں کی حالت اور ان کے تجرد کے خیال کرنے سے ہوتا ہے ان کی حالت میں نہ وہ کیفیت مزاحمت کرتی ہے جو قوت بسمیہ کی تفریط سے پیدا ہوتی ہے جیسے گر سگی، پیاس، خوف، رنج اور نہ وہ جو اس قوت کے افراط سے پیدا ہوتی ہے جیسے مجامعت کی حرص، غصہ، تکبر، نہ ان کو تغذیہ، تنمیه کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیشہ وہ اس انتظار میں محو رہتے ہیں۔ کہ عالم بالا سے ان پر کیا وارد ہوتا ہے جب ہی کہ ان پر عالم بالا سے کوئی حکم مترشح ہوتا ہے خواہ وہ کسی انتظام مطلوب کا قائم کرنا ہو یا کسی چیز سے خوشنودی یا کسی سے ناگواری تو ان کے قوی اس سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ ہمہ تن وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں جو اس کا مقتضا ہوتا ہے اس کے لیے وہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ان امور کے اہتمام میں اپنے نفسانی ارادوں سے بے خود ہوتے ہیں اور عالم بالا کی مراد پر ثابت رہتے ہیں۔

اس کے بعد بہائم کی حالت کو خیال کرو کہ وہ رزائل ہیئتوں سے بلوٹ رہتے ہیں اپنی طبعی خواہشوں پر شیفتہ ہوتے ہیں انہی میں محو رہتے ہیں جب ان میں کوئی آمادگی ہوگی وہ ایسی ہی کوئی بسمی آمادگی ہوگی جس کا مال کوئی بدنی نفع ہوگا یا طبیعت کے موافق کسی چیز کا دفع کرنا۔

ان دونوں کے بعد معلوم کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی روشن حکمت کی وجہ سے آدمی میں دو قوتیں عطا کی ہیں ایک ملکی روح طبعی پر جو تمام بدن میں منتشر ہے جب روح انسانی کا فیضان ہوتا ہے تو یہ قوت پیدا ہوتی ہے روح طبعی اس فیضان کو قبول کر کے مغلوب ہو جاتی ہے۔ دوسری قوت بسمی ہے جو کہ نفس حیوانی میں پیدا ہوتی ہے جو تمام حیوانوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔ جو قوتیں کہ روح طبعی میں قائم ہیں وہ اس روح حیوانی میں منتش ہوتی ہیں روح طبعی خود مستقل طاقت رکھتی ہے اور روح انسانی اس کے احکام کو قبول کر لیتی ہے۔

اس کے بعد یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ دونوں قوتوں میں باہم مزاحمت ہے اور ہر ایک کی کشش مختلف ہے ملکی طاقت بلندی کی طرف کشش کرتی ہے اور بسمی پستی کی طرف۔ جب بسمی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی اثر پر زور ہو جاتے ہیں تو ملکی کے جذبات خفگی ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی اس کے خلاف میں ہوتا ہے اور پروردگار جل شانہ کو انتظام عالم کے ساتھ توجہ خاص ہے ہر چیز کی استعداد ذاتی اور کسی جس قسم کی درخواست کرتی ہے اسی کا خداوند کریم افاضہ فرماتا ہے جب کوئی بسمی جذبات کو کسب کرتا ہے تو ویسے ہی اس کی مدد پہنچتی ہے اور جو امور اس کے مناسب ہوتے ہیں وہ ہی اسی کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور اگر ملکی جذبات کو کسب کرتا ہے تب بھی اسی قسم کی امداد اس کو پہنچتی ہے اور اسی کے موافق امور اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿فَأَمَّا مَنْ آتَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾

”جو کوئی کچھ دے گا اور پرہیزگار بنے گا اور نیکی کی تصدیق کرے گا تو ہم سہولت کو اس کے لیے آسان کر دیں گے اور جو کوئی بخیلی کرے گا اور بے پرواہ ہو جائے گا اور نیکی کی تکذیب کرے گا ہم دشواری کو اس کے لیے آسان کر دیں گے۔“

اور فرمایا: ﴿كَأَلَا نُمَدُّ هَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ مَخْلُوفًا﴾ اور سب کو ہم مدد دیتے ہیں اور تیرے رب کی بخشش رد کی نہیں گئی ہے۔ ہر ایک قوت کے لیے جدا جدا تکلیف اور لذت ہے۔ لذت اپنی مناسب کیفیت کو ادراک کرتا ہے اور تکلیف اپنی حالت کے ناموافق کیفیت کا ادراک کرتا ہے آدمی کی حالت کو اس شخص کی حالت سے عجب مشابہت ہے جس نے کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو وہ اس وقت میں آگ کی سوزش کا کچھ اثر اپنے اندر نہیں پاتا ہے یہاں تک کہ جب خدر کا اثر کم ہو جاتا ہے اور مقتضائے طبیعت کی طرف وہ رجوع کرتا ہے تب کس شدت کی تکلیف اسے معلوم ہوتی ہے یا اس کو گلاب کی حالت کے مشابہ سمجھنا چاہیے اطباء نے بیان کیا ہے کہ گلاب میں تین قوتیں ہیں۔ ❶ قوت زمینی جو رگڑنے یا لپک کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ ❷ مائی قوت جو کہ نچوڑنے یا پینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ ❸ ہوائی قوت جو کہ سونگھنے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آدمی کو مکلف کرنا اس کی نوع کا مقتضا ہے یقیناً آدمی اپنی زبان استعداد سے اپنے پروردگار سے خواستگار رہتا ہے کہ ان امور کو جو ملکیت کے مناسب ہوں اس پر واجب کر دے اور ان پر اس کو ثابت قدم رکھے اور بھکی امور میں منہمک ہونے کو اس پر حرام کر دے اور اس پر ان کے ارتکاب سے دارو گیر کرے۔ واللہ اعلم

باب ۷

تکلیف کا تقدیر سے نکلنا

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں ایسی نشانیاں ہیں کہ ان میں غور کرنے والا یہ معلوم کر سکتا ہے کہ اللہ نے جو اپنے بندوں کو شریعتوں کا مکلف کیا ہے تو اس کی اللہ کے پاس زبردست دلیل ہے درختوں اور ان کے پتوں اور شوفوں اور پھولوں کو دیکھو اور جو کیفیتیں ان میں نظر آتی ہیں یا پچھل کر معلوم ہوتی ہیں وہی ہذا ان میں غور کرو کہ اللہ نے ہر ایک قسم کے لیے پتے ایک خاص شکل کے اور شکوفے خاص رنگ کے اور خاص خاص مزہ کے پھل پیدا کیے ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں قسم کا ایک فرد ہے اور یہ سب امور صورت نوعیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں اسی کے ساتھ لپٹے بچتے ہیں جیسا صورت نوعیہ کا ظہور ہوتا ہے ویسا ہی ان کا ظہور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ یہ مادہ خرما کا ہونا چاہیے اس تفصیلی فرمان کے ساتھ لپٹا ہوا ہے کہ اس کا پھل ایسا ہو اور اس کا شکوفہ ایسا ہو۔ اور ہر ایک قسم کی خاصیتوں میں سے بعض تو ظاہر ہوتی ہیں ہر ایک عقلمند اس کو سمجھ سکتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کو وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو زیرک اور فطین ہو۔

جیسے کہ یا قوت لی تاثیر ہے کہ وہ یا قوت رکھنے والے کے دل میں مادہ فرحت اور شجاعت پیدا کرتا ہے۔ اور نیز بعض خاصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو کسی قسم کے ہر فرد میں ہوتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ استعداد مادہ کے موافق صرف بعض افراد میں پائی جاتی

ہیں اور اسی قسم کے اور افراد میں نہیں ہوتیں مثلاً ہلیلہ کہ جو شخص اس کو اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اس کے لیے دست آور ہے۔
اب تم کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ہے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیوں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ سوال بے معنی ہے لوازم ذاتی کے ثابت ہونے کے لیے دلیل کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔

اس کے بعد حیوانات کی ہر ایک قسم کو دیکھو ہر ایک کی شکل و صورت جدا جدا ہے جیسے کہ تم درختوں کی صورتیں جدا جدا پاتے ہو اور حیوانات میں ان اختلافات کے ساتھ مختارانہ حرکتیں اور ذاتی الہامات اور طبعی تدابیر بھی ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک قسم دوسری سے بالکل ممتاز ہے۔ مثلاً چار پائے گھاس کو چرتے ہیں جگال کرتے ہیں اور گھوڑے گدھے خچر گھاس تو چرتے ہیں مگر جگال نہیں کرتے۔ درندے گوشت خور ہیں پرند ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں اور حیوانات میں ہر قسم کی آواز جدا جدا ہے ہر ایک کے لیے مجامعت کا طریقہ علیحدہ ہے اپنے بچوں کے پالنے کا طریقہ جو ایک کا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہے جس کا بیان طول طویل ہے۔ ہر ایک قسم کے لیے اسی قسم کا الہام کیا گیا ہے جو اس کی طبیعت اور مزاج کے مناسب تھا اور جن سے اس نوع کی تکمیل اور درستی ممکن تھی اور یہ الہامات سب کے سب ان کے پروردگار کی جانب سے ان کی صورت نوعیہ کے روزن سے مترشح ہوتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ شگوفوں کے خطوط اور پھلوں کے مزے جو صورت نوعیہ کے اثر سے متعلق ہوتے ہیں۔

اور نوعی احکام بعض ہر فرد بشر میں موجود ہوتے ہیں اور بعض مادہ کی قابلیت اور اسباب کے اتفاق سے صرف بعض افراد ہی میں ہوتے ہیں اگرچہ اصلی استعداد سب میں ہوا کرتی ہے۔ مثلاً شہد کی مکھیوں میں یعسوب اور جیسے طوطا کہ تعلیم اور مشاقی کے بعد لوگوں کی آوازوں کو بخوبی نقل کر لیتا ہے۔

ان امور کے بعد انسان کی نوع میں غور کرو جو امور کہ درختوں میں پاؤ گے انسان میں بھی پاؤ گے اور ان کے علاوہ حیوانی اقسام میں جو اوصاف ہیں وہ بھی اس میں ہیں مثلاً کھانا، خمیازہ، ذکر، فضلات کا دفع کرنا، آغاز پیدائش میں دودھ پستان سے چوسنا اور ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے مثلاً گفتگو کرتا دوسرے کی گفتگو سمجھنا بدیہی مقدمات کی ترتیب سے یا تجربہ، استقرار، فراست سے کتب علوم کو پیدا کرنا ان امور کا اہتمام کرنا جن کو وہ اگرچہ اپنی حس اور وہم سے نہیں معلوم کرتا ہے لیکن نظر عقل ان کو پسندیدہ سمجھتا ہے۔ جیسے نفس کو مہذب کرنا ولایتوں کو اپنے زیر حکم کرنا اور یہ امور چونکہ اس میں نوعی اور پیدائشی ہیں اس لیے سب فرقے حتیٰ کہ پہاڑوں کی بلندیوں کے باشندے بھی ان میں مشترک ہیں۔ اس کا راز وہی ہے جو اس کی صورت نوعیہ کا منشا ہے اور یہ راز بھی ہے کہ مزاج انسانی کا مقتضا یہی ہے کہ اس کی عقل دل پر غالب ہو اور دل نفس پر غالب ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر اور تربیت اور مہر کو دیکھنا چاہیے کہ جس کی مراعات ہر ایک قسم میں رکھی گئی ہے نباتات جن میں حس و حرکت کی قوت نہ تھی اس لیے اس کے لیے رگوں کو پیدا کیا وہ اس مادہ کو چوستی رہتی ہے کہ جو پانی اور ہوا اور لطیف اجزائے ارضی سے جمع ہوتا ہے اور جمع کر کے اس کو تمام شاخوں میں اسی مناسب تقسیم سے پھیلا دیتی ہیں جس کا فیضان صورت نوعیہ کی جانب سے ہوتا ہے اور حیوان میں حس ہوتی ہے اپنے قصد سے وہ چلتا پھرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایسی رگیں زمین سے مادہ

کے چوسنے والی پیدا نہیں کی ہیں۔ بلکہ اس کو الہام کیا کہ اپنے اپنے مواقع سے غلوں کو گھاس پانی کو تلاش کرے اور جتنی منفعتیں اس کو مطلوب تھیں ان سب کا اس کو الہام کیا۔

اور جو قسمیں زمین سے پیدا نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خاص تدابیر رکھی ہیں کہ ان میں تناسل کی قوتیں جمع کی ہیں اور ان کے مادہ میں ایک خاص رطوبت پیدا کی ہے کہ جو بچہ کی تربیت میں خرچ کی جاتی ہے وہ خالص دودھ بن جاتی ہے اور بچہ کو الہام کیا کہ وہ پستان چوس کر دودھ کو نگل جائے۔ اور مرغی میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے جس سے انڈے پیدا ہوتے ہیں اور بعد انڈے دینے کے اس کے مزاج میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے جس سے اس میں ایک خاص قسم کی دیوانگی سی پیدا ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بنی نوع سے میل جول ترک کر دیتی ہے اور کسی چیز کی حفاظت کرنے کو خود بخود پسند کرتی ہے تاکہ اس سے اپنے شکم کو دبائے رکھے۔ اور کبوتروں کی طبیعت میں اس نے یہ پیدا کیا ہے کہ نر اور مادہ باہم مانوس رہیں اور مادہ کے شکم کو اول ہی خالی کیا تاکہ انڈوں کی حفاظت بخوبی اس سے ہو سکے پھر اس میں زائد رطوبت اس لیے پیدا کی کہ وہ بذریعہ تے کے باہر آ سکے اور اس کی طبیعت میں بچہ پر شفقت اور رحم کرنے کا مادہ پیدا کیا۔ اس لیے اس رطوبت زائد میں مہربانی کے جوش سے تے کی صورت میں نکلنے کا ذریعہ کیا اور اس ذریعہ سے دانہ اور پانی بچہ کو پہنچتا ہے اور باہم ملاپ کے سبب سے نر بھی مادہ کی تقلید کرتا ہے اور بچہ کا مرطوب مزاج پیدا کیا اس رطوبت سے اس کے پر بن جاتے ہیں جن سے وہ اڑنے لگتا ہے۔

اور انسان میں چونکہ حس کرنے اور حرکت کرنے کی قوت پیدا کی ہے اور پیدائشی الہامات کا اس کو قابل بنایا ہے اور بالطبع اس میں علوم کا مادہ رکھا ہے اس کو عقل عطا کی ہے اور اختیاری صوم کے پیدا کرنے کی قابلیت دی ہے اس لیے اس کو کھیتی کرنے درخت لگانے تجارت کرنے اور دیگر معاملات کا الہام کیا ہے۔

ان میں سے بعض لوگوں کو پیدائشی سردار بنایا ہے اور بعض کی طبیعت میں یا اتفاقی اسباب سے غلامی کی خصلت پیدا کی ہے بعض کو ان میں سے بادشاہ بنایا ہے بعض کو رعیت بعض میں ماہ حکمت کا رکھا ہے کہ حکمت الہیہ کے مطابق گفتگو کرے بعض کو علوم طبعی میں خوش کرنے کی قوت دی ہے۔ بعض کو علوم ریاضی اور حکمت عملی کے مسائل حل کرنے کی اور ایسے ہی بعض کو غبی پیدا کیا ہے کہ وہ بغیر تقلید دوسرے کے علوم بالا کو نہیں سمجھ سکتا ہے اور اس لیے تم لوگوں کے گروہوں کو باریہ نشینوں اور شہریوں کے دیکھو گے کہ ان پر یہ امور وارد ہوتے رہتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ انسان کا حال حیوانات کا سا نہیں ہے بلکہ انسان کا ادراک حیوانات کے ادراک سے نہایت گراں بہا ہے منجملہ اس کے علوم سے جس پر کہ بجز ان لوگوں کے جن کا مادہ نوع کے کام کو قبول نہیں کرتا سب کا اتفاق ہے اپنے پیدا کرنے والے اور تربیت کرنے والے کو تلاش کرنا اور مدبر عالم کو ثابت کرنا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کو رزق دیا ہے وہ اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی بہت اور علم کے موافق گریہ و زاری کرتا ہے جیسے کہ وہ اور اس کے انبا کے جنس بزبان حال اس کے حضور میں خشوع و خضوع کرتے ہیں اور اس قول خداوندی کے یہی معنی ہیں کہ:

﴿الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهَ يَسْجُدُونَ لَهُ مِنَ فِي السَّمَوَاتِ وَمِنَ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ﴿٥١﴾

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے وہ چیزیں جو آسمانوں میں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور

ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے ہیں اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا۔“

کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ درخت کی شاخوں پتوں شگوفوں کا ہر جز نفس بنانے کے سامنے جو درخت کی مدبر ہے ہمیشہ اور ہر آن اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے عاجزانہ درخواست کرتا رہتا ہے اگر اس کے ہر ایک حصہ میں عقل ہوتی تو وہ نفس نباتی کا بے نظر شکر یہ ادا کرتے اور اگر اس کو فہم ہوتا تو بھی درخواست خالی اس کے علم اور ارادہ میں بھی منقش ہو جاتی۔

اور انسان کی خاصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نوع انسان میں بعض ایسے لوگ بھی ہوں جن کو علوم عقلی کے چشمہ کی طرف خالص توجہ ہو وہ وحی کے ذریعہ سے یا فراست یا خواب کے ذریعہ سے ان علوم کو حاصل کریں اور باقی لوگ جو اس پایہ کے نہ ہوں اس شخص کو راہنمائی اور برکت کے آثار مشاہدہ کر کے اتباع کریں اور اس کے اوامر و مناہی کی پیروی کریں اور افراد انسانی میں کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو بذریعہ خواب کے جس کو وہ دیکھتا ہے اور اپنی رائے سے یا کسی ہاتف کے سننے سے یا بصیرت کی فطانت سے کچھ نہ کچھ غیب کی طرف توجہ نہ ہو۔ لیکن سب لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض ان میں باکمال ہوتے ہیں اور بعض ناقص اور ناقص کو کامل کی حاجت ہوا کرتی ہے اس کی صفات کا اندازہ بہائم کی صفات سے بالکل جدا ہوتا ہے اس میں فروتنی، پاکیزگی، انصاف، سادہ کے اوصاف ہوتے ہیں۔ عالم جبروت و ملکوت کی روشنیاں اس سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اس کی دعا مقبول ہوتی ہے تمام کرامات حالات اور مقامات کا اس سے ظہور ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ امور جن کی وجہ سے آدمیوں کو اور حیوانات سے امتیاز حاصل ہوتا ہے بکثرت ہیں لیکن ان کا مدار دو خصلتوں پر ہے: قوت

① قوت عقلی ☆ کا بڑھنا اس کے دو شعبے ہیں ایک وہ شعبہ ہے کہ اس میں انتظام بشری کے متعلق مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں ان کے دقائق مستبط کیے جاتے ہیں اور ایک شعبہ میں علوم غیبی کے حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے جس کا فیضان وہی طریقہ سے ہوتا ہے۔

② قوت عملی ☆ کی فوقیت ہے۔ اس کے بھی دو شعبے ہیں۔ اول یہ کہ اعمال کو اپنے قصد اور اختیار سے کرنا حیوانات کے افعال اختیاری ہوا کرتے ہیں ان کے افعال ان کی اصل طبیعتوں میں راسخ نہیں ہوا کرتے ان افعال کی روح سے ان کے نفوس رنگین نہیں ہوتے ان کو لگاؤ صرف ان قوتوں سے ہوتا ہے جو روح ہوائی میں قائم ہیں اس لگاؤ سے وہ بآسانی اپنے اپنے کام کرتے ہیں اور انسان جو جو فعل کرتا ہے تو بعد فراغ کے وہ افعال تو نابود ہو جاتے ہیں لیکن ان کی رو میں جدا ہو کر نفس میں بیٹھ جاتی ہیں اس لیے ان کے بعد نفس میں ایک نور یا تار کی باقی رہ جاتی ہے اور افعال پر مؤاخذہ کرنے کے لیے جو شارع کا قول شرط ہے وہ اسی طرح پر ہے کہ ان کو قصد کرے۔ جیسے کہ زہر کی مضرت اور تریاق سے مشفع ہونے کے لیے طبیب کا قول اس طرح شرط ہے کہ ان دونوں کو آدمی اپنے حلق سے فرو کرے اور شکم میں داخل کرے۔

اور ہمارے اس قول کی کہ نفس انسانی میں اعمال کی روح راسخ ہو جاتی ہے یہ دلیل ہے کہ تمام آدمیوں کی جماعتیں ریاضتوں

اور عبادتوں پر متفق ہیں اپنے وجدان سے انہوں نے اس کے انوار معلوم کر لیے ہیں اور گناہوں اور منہیات سے سب احتراز کرتے ہیں اور اپنے وجدان سے ان کی سنگدلی انہوں نے معلوم کر لی ہے۔

اور ایک درجہ ایسا ہے جس میں بلند بلند حالات اور مقامات پیش آتے ہیں جیسے محبت الہی اللہ پر توکل وغیرہ اور اس قسم کے اوصاف حیوانات میں بالکل مفقود ہیں۔

اور جاننا چاہیے کہ مزاج انسانی میں ٹھیک اعتدال جس کو صورت نوعیہ عطا کرتی ہے بغیر چند علوم کے کامل نہیں ہو سکتا جس کو کہ ازکی الناس ہی معلوم کرتا ہے اور لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں۔

اور بغیر شریعت کے جس میں علوم الہی اور منفعت کی تدابیر شامل ہوں اور وہ قواعد جن میں افعال اختیاری کی بحث اور پانچ قسموں واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی تقسیم اور تفصیل ہو اور وہ مقدمات جن میں مرتبہ احسان کے درجات بیان کیے جائیں اس لیے حکمت و رحمت الہی میں ضروری ہوا کہ اپنے غیب مقدس میں قوت عقلی کے رزق کو مہیا کرے اور سب سے ازکی الناس کو اس عالم قدس سے علوم اخذ کرنے کے لیے خالص اور جدا کر دے جیسے کہ تم شہد کے چہتے میں یعسوب کو دیکھتے ہو کہ وہ تمام مکھیوں کی بذاتہ خود تدبیر کرتا ہے۔ اگر اس طرح پر علوم کو حاصل کرنا بواسطہ یا بلا واسطہ نہ ہوتا تو جو کمال نوع انسانی کے لیے قرار دیا گیا ہے وہ ہرگز مکمل نہ ہوتا کوئی شخص جب حیوانات میں سے کسی نوع کو دیکھتا ہے کہ بغیر گھاس کے اس کی زندگی بسر نہیں ہوتی تو سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چراگاہیں تیار کر دی ہوں گی۔ جس میں بکثرت گھاس ہوگی ایسے ہی اللہ کی صنعت میں غور کرنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ نوع انسان کے درجہ میں ایسے علوم بھی ہیں جن سے عقل انسانی اپنے نقصان اور خلل کو دور کر سکتی ہے اور اس سے عقل کا کمال نہایت کو پہنچتا ہے ان علوم میں سے ایک حصہ توحید و صفات کا علم ہے اس علم میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تشریح ایسی صاف صاف ہو کہ بالطبع عقل انسانی اس کو حاصل کر سکے اس میں ایسی دقت ہرگز نہ ہو کہ اس کو شاذ و نادر ہی کوئی حاصل کر سکے۔ اس علم کی تشریح اس قول میں ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے وہ صفتیں ثابت کیں جن کو ہر شخص جانتا ہے یعنی زندہ رہنا، سننا، دیکھنا، قدرت، ارادہ، کلام، غصہ، رحمت، مالک، ہونا، غنا اور اس کے ساتھ ہی یہ ثابت کیا کہ ایسے کمثلہ شی (ان صفتوں میں اس کا ہوتا نہیں ہے) اس کی زندگی ہماری سی زندگی نہیں ہے اس کی بینائی ہماری بینائی نہیں ہے اس کی قدرت کو ہماری قدرت سے کوئی نسبت نہیں ہے اس کا ارادہ ہمارے ارادے سے الگ ہے اس کی کلام کرنے کی شان ہمارے کلام کی سی نہیں ہے۔ و علیٰ ہذا

پھر اللہ تعالیٰ نے بے مثل ہونے کی تفسیر ایسے امور سے کی جو ہماری جنس میں بالکل مستبعد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ مینہ کے قطرہوں کی تعداد کو بیابانوں کی ریک کی تعداد کو درختوں کے پتوں کی تعداد کو حیوانات کے سانس کی تعداد کو جانتا ہے شب و روز میں حیوانی کے چلنے کو دیکھتا ہے ان وسوسوں کو سن لیتا ہے جو مقتل دروازوں کے اندر لٹافوں کے نیچے پیدا ہوتے ہیں۔

اور ایک حصہ عبادات کا علم ہے اور انہیں علوم میں سے منافع کا علم ہے اور ان میں سے منہ صحت کا علم یعنی جب ادنیٰ نفوس میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے حق کی مخالفت ہوتی ہے تو اس وقت ان کے دفع کرنے کا کیا طریقہ ہوتا چاہیے اور ان میں سے اللہ کی نعمتوں اور اس کی مختلف نعمتوں کو یاد دلانا ہے اور عالم برزخ اور قیامت کے واقعات کا بیان کرنا ہے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ

نے نوع انسان کی استعداد کو جو تمام انسانوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی ہے اور اس کی قوت ملکیت کو اور ان مذاہب اور علوم کو جن سے استعداد اور قابلیت کے موافق اس کی اصلاح ہوتی ہے دیکھا اور سب علوم غیب الغیب میں محدود طور پر اور محفوظانہ متمثل ہو گئی اسی تمثیل کو اشاعرہ کلام نفسی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت علم ارادہ قدرت سے جدا ہے۔

اور جب تمام فرشتوں کی پیدائش کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے معلوم کیا کہ افراد انسانی کی مصلحت جہی کامل ہوگی کہ بزرگ نفوس پیدا کیے جائیں کہ ان سے نوع انسانی کو ایسا ہی تعلق ہے جیسے کہ ہمارے عقلی قوی کو نفوس سے تعلق ہوتا ہے اس وجہ سے افراد انسانی پر اس نے محض عنایت فرمائی اور کلمہ کن سے ان کو ایجاد کیا ان کے دلوں میں ان علوم کا جو غیب الغیب میں محدود اور محفوظ ہو چکے تھے پر تو ڈالا اور وہ علوم روحانی صورت میں ان کے لیے متصور ہو گئے انہیں نفوس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے: ﴿الَّذِينَ يَخْمَلُونَ عَرْشَ رَبِّكَ وَمِنْ حَوْلَهُ﴾ جو کہ تیرے رب کا عرش اٹھاتے ہیں اور وہ کہ عرش کے آس پاس ہیں۔

اور جب ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس میں دولتوں اور مذاہب کی تبدیلی مقرر تھی تو اس نے قرار دیا کہ وہ علوم روحانی وجود میں ظاہر ہوں اس لیے اس عہد کے موافق ان کی تشریح اور تفصیل کی گئی اسی کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے قول میں: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے ہم ہی ڈرانے والے تھے اس شب میں سب مضبوط کام جدا جدا کیے جاتے ہیں۔

پھر حکمت اللہ نے ایک ذی شخص کے موجود ہونے کا انتظار کیا جو وحی الہی کے قابل ہو اس کی بلندی مرتبہ اور برتری شان کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ جب وہ موجود ہو گیا تو اس کو اپنے لیے خاص کر لیا۔ اور اپنے مقصود کے پورا ہونے کا اس کو ذریعہ بنایا اپنی کتاب اس پر نازل کی اور اپنے بندوں پر اس کی اطاعت واجب کر دی یہی اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: وَاضْطَنْعْتُكَ لِنَفْسِي میں نے تجھ کو اپنے لیے بنایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان علوم کو غیب الغیب میں جس طرح پر معین فرمایا تو نوع انسانی پر محض اس کی عنایت و کرم تھا نوعی استعداد نے ہی حق تعالیٰ سے ملا، اسلی کے نفوس کے فیضان کی خود درخواست کی تھی اور نوعی حالات نے ہی ان قرون میں خاص شریعت کے طلب کا اصرار کیا تھا۔

اگر کہا جائے کہ انسان پر نماز پڑھنا کہاں سے واجب ہو اور رسول ﷺ کی اطاعت کس طرح واجب ہوئی زنا اور چوری کہاں سے حرام ہوئے تو کہا جائے گا کہ یہ اور وہ اسی طرح کہا گیا کہ جیسے بہائم پر گھاس کا کھانا واجب کیا گیا گوشت کا کھانا حرام کیا گیا درندوں پر گوشت کھانا ضروری قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ گھاس نہ کھائیں۔ شہد کی مکھیوں کو حکم دیا گیا کہ یعسوب کا اتباع کریں۔ اتنا فرق ہے کہ حیوانات میں یہ حکم جلی ہیں اور انسان کسب سے غور سے وحی یا تقلید سے ان کو حاصل کرتا ہے۔



تکلیف کا جزا سزا کے لیے باعث ہونا

جاننا چاہیے کہ الناس مجزیون باعمالہم ان خیر فخیروان شر فشر لوگوں کو اعمال کی جزا ملے گی اگر اعمال اچھے ہیں ان کی جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال بد ہیں تو ایسے ہی ان کی جزا بھی بد ہوگی۔ اس جزا و سزا پانے کی چار صورتیں ہیں:

① اولاً یہ صورت نوعیہ کا مقتضا ہے جیسے کہ چار پایہ جب گھاس کو چرتا ہے اور درندہ جب گوشت کھاتا رہتا ہے تو ان کا مزاج سلیم رہتا ہے اور جب ہی چار پایہ نے بجائے گھاس کے گوشت کا استعمال کیا اور درندہ بجائے گوشت کے چارہ کا استعمال کرتا ہے تو ان کا اصل مزاج بگڑ جاتا ہے یہی حال آدمی کا بھی ہے کہ جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ جن کی روح بارگاہ حق تعالیٰ میں فروختی اور نیاز مندی ہوتی ہے ان میں پاکیزگی فیاضی عدالت ہوتی ہے تب اس کا ملکی مزاج درست رہتا ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جن کی روح ان امور بالا کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے جب وہ بدن کی گرانی سے سبکسار ہوتا ہے اس وقت نفرت و انس کا اثر اپنے اندر ایسے ہی پاتا ہے جیسے کہ ہم جلنے کی تکلیف معلوم کرتے ہیں۔

② دوسری صورت جزا و سزا کی ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کہ ہمارے اندر دماغی قوتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم چنگاری اور برف کا احساس کر لیتے ہیں جب کہ ان پر ہمارا قدم پڑتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے محض لطف و عنایت سے صورت انسانی کے لیے جو سکوت میں مصور ہے فرشتوں کو خادم بنایا ہے اس لیے کہ جیسے بغیر قوتی اور اکیہ کے ہماری درستی نہیں ہو سکتی ایسے ہی انسان کی درستی بغیر فرشتوں کے نہیں ہو سکتی اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جب آدمی کوئی کام نجات کے قابل کرتا ہے تو فرشتوں سے بہتہ اور سرور کی شعائیں خارج ہوتی ہیں اور اگر کوئی مہلک کام کرتا ہے تو نفرت اور بغض کی شعائیں ان سے خارج ہوتی ہیں اور پھر وہی شعائیں اس شخص کے نفس میں حلول کرتی ہیں اور بہتہ و نفرت کا مادہ اس میں پیدا کر دیتی ہے اور کبھی یہی مادہ بہتہ و نفرت کا بعض فرشتوں یا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے اس وقت الہامی ذریعہ سے اس شخص سے محبت رکھ کر احسان پہنچاتے ہیں یا اس سے متنفر ہو کر رنج میں ڈالتے ہیں۔

اس دوائے ہی خیال کرنا چاہیے کہ جب کسی کا قدم چنگاری پر پڑتا ہے تو اس کے قوائے ادراکیہ کو تکلیف سوزش کی معلوم ہوتی ہے پھر اس تکلیف کی شعائیں دل پر اثر کر کے اس کو غم آلودہ کر دیتی ہیں اور طبیعت پر مؤثر ہو کر اس کو گداختہ کر دیتی ہیں ان فرشتوں کا ہمارے اندر اثر پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہمارے ادراکات کا بدنوں میں اثر پہنچانا جیسے کہ ہم میں سے کسی شخص کو رنج یا ذلت کا خوف ہوتا ہے تو پٹلیاں کا پٹنے لگتی ہیں رنگ زرد ہو جاتا ہے بدن ضعیف ہو جاتا ہے اکثر اشتہا جاتی رہتی ہے پیشاب سرخ ہو جاتا ہے اور اکثر خوف کی شدت سے پیشاب یا براز خطا بھی ہو جاتا ہے یہ سب امور اس لیے پیش آتے ہیں کہ قوائے ادراکیہ طبیعت میں اثر کرتی ہیں بذریعہ حق کے ان کا فرمان طبیعت کو پہنچایا جاتا ہے ایسے ہی ان فرشتوں کے جو آدمیوں پر موکل ہیں آدمیوں پر اور غلی فرشتوں پر

جبلی الہامات مترشح ہوتے ہیں اور آدمیوں کے افراد ان فرشتوں کے ایسے ہی تابع رہتے ہیں جیسے طبعی قوتیں قوائے ادراکیہ کے تابع رہتی ہیں اور جیسے کہ وہ شعاعیں سفل کی طرف گرتی ہیں ایسے ہی خطیرۃ القدس کی طرف صعود کر کے اس میں ایک حالت پیدا کر دیتی ہیں کہ جس کو رحمت و رضا غضب و لعن سے تعبیر کرتے ہیں یہ اثر ایسے ہی منتقل ہوتا ہے کہ جیسے آگ قرب کی وجہ سے پانی کو گرم کر دیتی ہے۔ اور قیاس کے مقدمات نتیجہ کو مہیا کر دیتے ہیں اور دعا پر قبولیت مرتب ہوتی ہے اسی وجہ سے عالم جبروت میں ایک نئی حالت پیدا ہوتی رہتی ہے اور ابھی غصہ کی حالت ہوتی ہے اس کے بعد ہی توبہ کی شان ہو جاتی ہے اور رحمت کے بعد ناخوشی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

آنحضرت ﷺ نے اکثر احادیث میں فرمایا ہے کہ فرشتے آدمیوں کے اعمال کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا اور نیز فرمایا کہ دن کے اعمال شب کے اعمال سے پہلے آسمان پر جاتے ہیں اس میں آنحضرت نے اس کی طرف تنبیہ فرمائی ہے کہ فرشتے آدمیوں اور اس نور الہی میں جو کہ خطیرۃ القدس میں قائم ہے ایک طرح پر واسطہ ہیں۔

③ اور تیسری صورت جزا و سزا کی شریعت کا مقتضا ہوتا ہے جو لوگوں کے لیے قرار دی گئی ہے جس وقت ستاروں کی کوئی نظر ہوتی ہے تو ایک روحانیت کا حصول ہوتا ہے جس میں ستاروں کی قوتیں ملی ہوئی ہیں اور فلک کے کسی حصے میں وہ مصور ہوتی ہے اور اس روحانیت کو جب چاند جو احکام فلکی کو منتقل کرنے والا ہے زمین کی طرف منتقل کرتا ہے تو اہل زمین کے ارادے اس روحانیت کے موافق پھر جاتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آئے گا جس کو شرع میں لیلہ مبارک کہتے ہیں اور اس میں سب مستحکم امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو عالم ملکوت میں ایک روحانیت کا ظہور ہوتا ہے جس میں نوع انسان کے احکامات شامل ہوتے ہیں اور بمقتضائے وقت وہاں سے سب لوگوں میں سے نہایت ذکی شخص پر الہامات برستے ہیں اور اسی کے واسطے سے لوگوں کے نفوس پر جو ذکاوت میں اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اسی قسم کے علوم کا القا ہوتا ہے۔ پھر سب لوگوں پر ان الہامات کے تسلیم اور پسندیدگی کا الہام ہوتا ہے کہ ان کے فرمانبردار پر احسان کریں اور نافرمانی کرنے والے کو تکلیف پہنچائیں اور پھر ان کا اثر ملاء اعلیٰ اور خطیرۃ القدس کی جانب صعود کرتا ہے اور وہاں خوشنودی اور ناخوشی اس سے پیدا ہوتی ہے۔

④ اور چوتھی صورت جزا و سزا کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے یہ غرض تھی کہ لوگوں پر مہربانی کرے اور نیکی سے ان کو قریب کرے اس واسطے لوگوں پر آپ کی اطاعت کو اس نے واجب کیا اس لیے وحی کے علوم آپ کے سامنے مشخص اور مصور ہو گئے وہ آپ کی ہمت اور دعا سے مزوج ہو گئے خدا کا حکم ہوا کہ آپ کی امداد کی جائے تاکہ آپ کے مقاصد میں استحکام پیدا ہو۔

اب جو سزا و جزا کہ بمقتضائے صورت نوعیہ اور ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے وہ تو فطرت الہی کا اثر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا ہے: ﴿وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ اور تو اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہ پائے گا۔

اور دین اسی فطرت کا نام ہے جس میں زمانوں کے بدلنے سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور تمام انبیاء کا اس پر اتفاق ہے جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ اور آنحضرتؐ نے ارشاد کیا: ((الانبياء بنوعلات ابوہم واحدوا مہاتہم شتی)) انبیاء علانی بھائی ہیں ان کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں۔ اور اس پر مواخذہ ہمیشہ ہوتا ہے انبیاء کے بعثت سے پہلے بھی ہوتا ہے اور بعد کو بھی اس میں دونوں برابر ہیں اور جو جزا و سزا بمقتضائے شریعت ہوتی ہے اس میں زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی ہو جایا کرتی ہے اور پیغمبروں کی بعثت اسی لیے ہوا کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے اسی قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

((انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رايت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجا النجا فاطاعة طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا علی مهلمهم فنجوا وكذبت طائفة منهم فاصبحوا مکانہم فصبحهم الجیش فاهلکهم واحتاہم فکذالت مثل من اطاعنی فاتبع ماجئت بہ مثل من عصانی وكذب ماجئت بہ من الحق))

”تحقیق میری اور میری رسالت کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کسی قوم کے پاس آ کر کہا کہ میں نے اپنی آنکھ سے لشکر کو دیکھا ہے اور میں صاف صاف تم کو اس سے ڈراتا ہوں خبردار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو بچاؤ اس قوم میں سے بعض لوگوں نے اس کا کہا مان لیا اور تڑکے ہی سے وہ سامان سفر کر کے چل دیئے اور وہ بچ گئے اور بعض نے اس کے کہنے کو نہ مانا اور اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہے صبح کو لشکر نے ان کو آ لیا۔ اور بچ و بن سے ان کا استیصال کر دیا ایسے ہی ان لوگوں کا حال ہے انہوں نے میری اطاعت کر کے ان احکام کا اتباع کیا جن کو میں لایا ہوں اور ان لوگوں کا جنہوں نے نافرمانی کی ان حق باتوں کی تکذیب کی جن کو میں لایا ہوں۔“

اور جزا و سزا کا جو چوتھا طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت ہو لوگوں کے شبہ دور ہو جائیں اور تبلیغ رسالت ٹھیک ٹھیک ہو جائے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيُخَيَّرَ مَنْ خَيَّرَ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہی ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے ہی زندہ رہے۔



اس کے بیان میں کہ لوگ پیدائش میں مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اخلاق ان کے اعمال ان کے کمال کے درجے اور مرتبے مختلف ہوتے ہیں

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ:

((اِذَا سَمِعْتُمْ جِبِلَّ زَالٍ عَنْ مَكَانِهِ فَصَدَّقُوهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغْيِرُ عَنْ خَلْقِهِ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهِ فَانْهَ يَصِيْرُ عَلٰى مَا جِبِلَّ عَلَيْهِ))

”اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس کا یقین کر لینا اور اگر کسی شخص کو سنو کہ اس کی جبلی عادت بدل گئی ہے تو اس کا یقین نہ کرنا وہ پھر پیدائشی عادت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔“

اور آپؐ نے فرمایا:

((اِلَّا اِنْ بَنِيْ اٰدَمَ خَلَقُوْا عَلٰى طَبَقَاتٍ شَتٰى فَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ مُؤْمِنًا فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطَوْلِهِ))

”لوگ مختلف درجوں کے پیدا کیے گئے ہیں بعض مسلمان پیدا کیے گئے ہیں۔“ آخر حدیث تک

غصہ اور قرض کے تقاضے میں ان کے درجوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا: النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ جِئْسِي سَوْنِي چاندی کی کانیں ہیں ایسے ہی آدمیوں کی کانیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُّ يَفْعَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ﴾ یعنی اسی طریقے پر ہر شخص عمل کرتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور اگر تم کو اس کا معلوم کرنا منظور ہے کہ اس بات میں مجھ پر اللہ نے کیا منکشف کیا ہے اور ان احادیث کے معنی مجھ کو کیا بتائے ہیں۔

تو سمجھو کہ ملکی قوت اللہ نے لوگوں میں دو طرح پیدا کی ہے۔ ۱۔ اس طرح پر کہ ملاء اعلیٰ کی حالت سے اس کو مناسبت ہوتی ہے جن کی شان یہ ہے کہ اللہ کے اسماء اور صفت کے علوم سے وہ رنگین رہتے ہیں عالم جبروت کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں محیط طور پر انتظامی امور کو حاصل کرتے رہتے ہیں اور ان امور کو وجود میں لانے کے لیے ہمت کو جمع کرتے ہیں۔

اور دوسری اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس کو ملاء اسفل کے فرشتوں سے مناسبت ہوتی ہے جن کا یہ کام ہے کہ جس خواہش کا اوپر کی جانب سے حال معلوم ہوا فوراً اس کے لیے آمادہ ہو گئے نہ اس کا احاطہ کیا نہ وہاں ہمت جمع ہوتی ہے نہ ان کو اس سے پوری واقفیت ہوتی ہے وہ سراپا نور ہوتے ہیں بھیمی آلود گیوں سے بالکل پاک۔

اور علیٰ ہذا قوت بھیمی بھی ان میں دو ہی طرح سے پیدا ہوتی ہے بعض حالتوں میں بہیمیت کے نہایت شدت سے ان میں جمع ہوتے ہیں جیسے کہ مست اونٹ جو نہایت قوی ہو پیدائش ہی سے اس کو بہت سی غذائی ہو اور مناسب تدبیر سے اس کی تربیت ہوئی ہو اس لیے بڑا تناور اور مضبوط ہو گیا ہو۔ بلند آواز ہو سخت گیر ہو اس کے قصد میں کسی قسم کی روک نہ ہو اس میں بڑی اینٹھ ہو غصہ اور کینہ

اس میں شدت شہوانی قوت زیادہ ہو ہر بات میں دوسرے پر غلبہ چاہتا ہو تو انا دل ہو۔

اور بعض میں بہیمیت کے اثر نہایت ضعیف ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی حیوان خفی ناقص الخلقیت جس کا نشوونما خشک سالی میں ہوتا مناسب تدبیروں سے اس کی تربیت ہو اس کا جسم کمزور ہو آواز رکیک نرم ہو بزدل کم ہمت ہو دوسروں کے مقابلے میں غلبہ اور فتح مندی کی اس کو پرواہ نہ ہو اور ان دونوں قوتوں کی ایک خاص جبلی حالت ہے جو کہ ان میں سے ایک خاص قوت کو خنبر ادا دیتی ہے اور اس کے بعد کسی اور اختیاری امور سے اس کو قوت اور مدد پہنچتی رہتی ہے۔

اور جب یہ دونوں قوتیں کسی میں جمع ہوتی ہیں تو اس کے جمع ہونے کے بھی دو طریقے ہیں کبھی تو باہمی مزاحمت کے بعد ان دونوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اس طرح پر کہ ہر ایک قوت اپنی خواہشوں کی طلب میں سرگرم ہوتی ہے اپنی اپنی انتہائی اغراض میں کامیاب ہونے کے منتظر رہتی ہے اپنی اپنی ذاتی مسلک اور طریقوں کے حاصل کرنے کا قصد کرتے رہتے ہیں اس لیے ان میں باہم جذب اور کشش رہا کرتی ہے۔ اس کا غلبہ ہو تو دوسری میں پڑ مردگی آگئی اور علی ہذا۔

اور کبھی باہم دونوں میں مصالحت ہو جاتی ہے اس طرح ملکی قوت اپنے خالص احکام کی طالب نہیں ہوتی بلکہ ان احکام پر بس کرتی ہے جو قریب قریب ہیں جیسے دانائی، نفس کی فیاضی، طبیعت کی پارسائی، اپنے نفع ذاتی پر عام منفعت کو پسند کرنا موجودہ خواہشوں پر اکتفاء نہ کرنا بلکہ آئندہ نتیجہ کا انتظار کرنا اپنے تعلق کی تمام چیزوں میں صفائی اور ستھرے پن کو محبوب سمجھنا اور ایسے ہی قوت نسبی بھی اپنی خالص رغبتوں کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ جو امور ایک رائے کلی سے بالکل دور نہیں ہوئے۔ اور اس سے زیادہ مخالف نہیں ہوتے ان کو اپنا شیوہ کر لیتی ہے ان دونوں قوتوں میں باہم میل جول ہو کر ایک ایسا مزاج حاصل ہو جاتا ہے جس میں باہمی مخالفت کے اثر نہیں ہوتے۔

ملکیت اور بہیمیت اور ان کے باہمی میل کے دو دو کنارے ہیں اور ایک درجہ تو وسط کا ہے اور کچھ کنارے کے قریب ہیں اور بعض تو وسط کے قریب ہیں اس طرح پر بے نہایت درجہ ان میں ہو گئے ہیں لیکن اصلی اقسام جن کے احکام جدا جدا ہیں اور ان کے قسموں کے معلوم ہونے سے اور اقسام کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے آٹھ ہیں اس طرح پر کہ جب ان دونوں قوتوں میں باہمی کشش سے میل ہو جاتا ہے تو ان کی چار صورتیں ہوتی ہیں ملکیہ بلند قوی بہیمیہ کی حالت قوی یا ضعیف ایسے ہی ملکیہ ضعیف اور اس کے ساتھ ملکیت قوی یا ضعیف۔

اور ایسے ہی چار قسمیں اس صورت میں ہیں کہ ان دونوں قوتوں میں باہمی میل و مصالحت ہو جائے۔ ہر ایک قسم کا قسم جدا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی خدا نے جس کو ان کے کام معلوم کرنے کی توفیق دی ہے اس کو اکثر پریشانیوں سے آرام مل جاتا ہے۔



ان ارادوں کے اسباب میں جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں

معلوم کرو کہ آدمی جن ارادوں کو اپنے دل میں پاتا ہے اور انہیں ارادوں کے موافق اس کو کام کرنے کی آمادگی ہوتی ہے ضرورت ہے کہ ان ارادوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوں گے۔ خدا کا طریقہ جیسے کہ اور ناپیداشدہ اشیاء میں ہے ویسا ہی یہاں بھی ہوگا غور اور تجربہ سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ منجملہ ان اسباب کے سب سے بڑا سبب آدمی کی ذاتی پیدائش ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے (کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام)

انہیں اسباب میں سے آدمی کا پیدائشی مزاج ہے جو خورد و نوش وغیرہ کی محیط تدابیر سے متغیر رہتا ہے۔ مثلاً اگر سنہ کھانے کو طلب کرتا ہے اور تشنہ پانی کو اور خواہش نفسانی والا عورتوں کی جانب مائل ہوتا ہے اکثر لوگ مقوی باہ غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں تو ان کو عورتوں کی طرف میلان ہو جاتا ہے ان کے دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے گزرتے ہیں جن کو عورتوں سے تعلق ہوتا ہے ایسی حالت سے اکثر کاموں کا جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ سخت غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں ان سے وہ سنگدل ہو جاتے ہیں قتل کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے موقعوں پر غصہ ظاہر کرتے ہیں جہاں اوروں کو غصہ نہیں آتا۔ اور جب یہی لوگ روزہ نماز سے ریاضت نفس کرتے ہیں یا بڑے بوڑھے ہو جاتے ہیں یا کوئی سخت بیماری ان کو لاحق ہو جاتی ہے تو اکثر پہلی حالتیں بدل جاتی ہیں دل نرم ہو جاتے ہیں نفوس پاکیزہ ہو جاتے ہیں اس لیے تم بوڑھوں اور جوانوں کی حالت میں بڑا فرق دیکھتے ہو آنحضرت ﷺ نے روزہ کی حالت میں بوڑھے آدمیوں کو بوسہ کی اجازت دی ہے اور جوان کو اس کی اجازت نہیں دی۔

اور انہیں اسباب میں سے عادات اور مالوف چیزیں ہیں اس لیے کہ جس شخص کو جب کسی چیز سے تعلق ہو جاتا ہے اور اسی کی مناسب صورتیں اور شکلیں اس کے دل میں جم جاتی ہیں تو اکثر خواہشوں اور ارادوں کی جانب اس کا میلان ہو جاتا ہے۔

اور انہیں اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نفس ناطقہ قوت بہیمیہ کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور مقام طلاء اعلیٰ سے جیسا کہ اس کے لیے آسان ہو وہ ایک نورانی بینت کو اخذ کر لیتا ہے۔ کبھی یہ ہیئت انس و طمانیت کی قسم سے ہوتی ہے اور کبھی اس سے کسی کام کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔

اور انہیں اسباب میں سے یہ ہے کہ بعض دنی نفوس شیطین سے متاثر ہو جاتے ہیں ان کا بعض رنگ ان نفوس پر چڑھ جاتا ہے اور اکثر ارادے اور کام ایسی حالت اور ہیئت سے ہوتے ہیں۔ معلوم کرو کہ خوابوں کا حال بھی ارادوں ہی کا سا ہوتا ہے مگر یہ فرق ہے کہ تجرید نفس کی حالت میں ارادوں کی صورتیں نفس کے سامنے متمثل ہوا کرتی ہیں۔

محمد ابن سیرین نے فرمایا ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: ① نفس کی بات ② شیطین کا ڈرانا ③ اللہ کی جانب سے

مژدہ۔ واللہ اعلم

اعمال کی نفس کے ساتھ چسپیدگی اور اعمال کی یادداشت نفس میں

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ لِّزَمْنِهِ لَاقِيُّهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ۚ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾

”ہر شخص کے عمل کو ہم نے اس کی گردن میں چپکا دیا ہے۔ قیامت کے روز ہم اس کے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب کو پیش کریں گے۔ جس سے وہ ملے گا اور کہیں گے اپنی کتاب کو پڑھا آج تیرا نفس ہی تیرا حساب کرنے کو کافی ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے پروردگارِ تبارک و تعالیٰ کی نقل سے فرمایا ہے کہ بے شک یہ تمہارے اعمال ہیں ان کو میں تم پر شمار کرتا ہوں ان اعمال کو تمہارے لیے پورا کرتا ہوں جو شخص بھلائی پائے وہ خدا کا شکر کرے اور جو اس کے علاوہ کچھ اور پائے وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچا کر دیتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔ معلوم کرو کہ آدمی جن اعمال کا اہتمام سے قصد کرتا ہے اور جو اخلاق کہ اس میں جمے ہوئے ہیں وہ سب نفسِ ناطقہ کی جڑ سے نکلتے ہیں پھر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نفس کے دامن کو چمٹ کر اس کو گھیر لیتے ہیں۔

نفس سے نکلنے کی یہ وجہ ہے کہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قوتِ ملکی اور بے بسی اور ان دونوں کے جمع ہونے کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے اور مزاجِ طبعی کا غالب ہو جانا اور فرشتوں اور شیاطین سے رنگین ہونا اور ایسے اور اسباب کا غلبہ اسی انداز سے ہوتا ہے جو پیدائشِ انسانی کا عطیہ ہوتا ہے اور پیدائش سے اس کو مناسبت ہوتی ہے۔ اسی واسطے ان سب کا اصل نفس ہے بواسطہ یا بلا واسطہ۔ دیکھو محنت کی پیدائش ابتداءً ایک ریک مزاج پر ہوتی ہے پہچاننے والا اس مزاج سے معلوم کر لیتا ہے کہ اگر وہ اسی ریک مزاج پر جوان ہو گیا تو عورتوں کی سی عادات اختیار کر لے گا۔ انہیں کے ہم لباس ہوگا اور انہیں کے رسم و رواج کا شوقین ہوگا۔ ایسے ہی طبعیب معلوم کر لیتا ہے کہ کوئی لڑکا اگر اپنے اسی مزاج پر جوان ہوتا کیا اور کوئی ناگہان عارضہ پیش نہ آیا تو توانا اور تیز ہوگا یا ناتواں اور کند ہوگا۔

اور اخلاق کا نفس کی طرف مائل ہونا اس طرح پر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو برابر کرتا رہتا ہے اور اس کو بکثرت کرتا ہے تو اس کا مادی ہو جاتا ہے پھر وہ باآسانی اس کو کر سکتا ہے۔ اور چند غور و فکر یا ارادہ کی محنت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ نفس اس کام سے متاثر ہو جاتا ہے اس کا رنگ قبول کر لیتا ہے اور ان ایک جنس اعمال میں سے ہر ایک عمل کو اس تاثیر میں داخل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ تاثیر باریک اور مخفی امکان ہو۔ آنحضرت ﷺ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ چٹائی کی طرح مرتبہ بہ مرتبہ فتنے دلوں کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ جس آل میں وہ فتنے بیٹھ جاتے ہیں اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور بوال ان سے بیزار ہوتا ہے اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ فتنے دو دلوں پر منتقل ہوتے ہیں ایک سفید صاف پتھر کی

طرح جب تک کہ آسمان اور زمین میں کوئی فتنہ اس دل کو مضرب نہیں ہوتا اور دوسرا دل سیاہ ہوتا ہے غبار آلود جیسے کہ کج کوزہ نہ کسی نیک کام کو پہچانتا ہے نہ برے کام کو وہاں صرف اس خواہش کو پہچانتا ہے جو اس میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اعمال کا نفس کے دامن کو پکڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ نفس اول مرتبہ ہولانیت کی حالت میں پیدا کیا جاتا ہے اور ان سب رنگوں سے خالی ہوتا ہے جو اس پر چڑھتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد روز بروز ہمیشہ وہ قوت سے فعلیہ کی طرف خارج ہوتا رہتا ہے اور جو حالت بعد کو حاصل ہوتی ہے وہ پہلی حالت کے لیے معد ہوتی ہے اور ان سب معدات کا ایک مرتب سلسلہ ہو جاتا ہے پچھلی کو پہلی پر تقدم نہیں ہوتا اور نفس کی ہیئت میں وہ سب حالتیں مجموعی طور پر جمع ہوتی ہیں اور نفس میں بالفعل ہر ایک معدہ کا حکم موجود رہتا ہے اگرچہ خارجی امور کی مشغولی کی وجہ سے نفس پر ان کا تفصیلی وجوہ مخفی ہو جائے البتہ اگر وہ شے ہی فنا ہو جائے جس میں وہ قوت موجود تھی جس سے اعمال کی آمادگی ہوتی تھی جیسے بوڑھا مریض تو وہ حالتیں بیشک مفقود ہو جاتی ہیں۔ یا آسمانی جانب سے کوئی ہیئت بجوم کرے جو ان حالتوں کے انتظام کو بالکل بدل دے جیسے بوڑھے اور مریض میں بدل دیا تھا تب بھی نفس میں سے حالتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ ”نیکیاں بے شک برائیوں کو دور کر دیتی ہیں“۔ اور فرمایا: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ ”بے شک اگر تو نے شرک کیا تو تیرے کام نابود ہو جائیں گے“۔

اور نفس کا اعمال کو یاد رکھنا اس کے راز کو میں نے اپنے ذوق سے اس طرح پایا ہے کہ عالم مثال میں ہر ایک آدمی کے لیے نظام فوقانی کے بخشش و عطا سے ایک خاص صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ میثاق کے قصہ میں جس کا ظہور ہوا وہ اسی کا شعبہ تھا۔ جب یہ شخص موجود ہوتا ہے تو وہی صورت اس پر منطبق ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔

یہ شخص جب کوئی کام کرتا ہے تو بے اختیار ایٹم ذرات بشی اس صورت کو اس عمل سے ہوتی ہے اس وجہ سے عالم معاد میں ظاہر ہوتا ہے کہ نفس کے اعمال آسمانی جانب سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اعمال ناموں کے پڑھنے کے سے معنی ہیں اور وہیں یہ بھی اکثر ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال نفسانی اعضاء کو چمپے ہوئے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے گویا ہونے کے یہی معنی ہیں۔

اور یہ امر بھی ہے کہ ہر ایک عمل کی صورت سے اس عمل کے ثمرہ کا اظہار ہوتا ہے جو دنیا اور آخرت میں مقرر ہے اور فرشتے کبھی اس عمل کی کوئی صورت قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اکتبوا العمل کما هو کہ اس عمل کو جیسا کا تیسرا لکھ لو۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عالم کی ابتداء آفرینش سے اخیر تک جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے وہ سب ایک مخلوق الہی میں تحریر کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو لوح سے تعبیر کرتے ہیں کبھی کتاب سے اور کبھی مبین سے جیسا کہ قرآن میں اس کے نام آئے ہیں پس جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے یا ہوتا چلا جاتا ہے وہ اس میں نوشتہ اور منقوش ہے لیکن اس کے نقوش اس آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

اور یہ گمان نہ کرنا کہ یہ لوح لکڑی یا لوہے یا ہڈی کی ہے اور وہ کتاب کاغذ یا پتے کی قسم سے ہے بلکہ تم کو قطعاً یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی لوح مخلوق کی لوح کے مشابہ نہیں ہے اور اللہ کی کتاب مخلوق کی کتاب کے بمشکل نہیں ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات بھی تو مخلوق کی ذات اور صفات سے مشابہت نہیں رکھتی۔

اگر تم اس کی کوئی مثال چاہتے ہو جس سے یہ بخوبی سمجھ میں آ جائے تو معلوم کر لو کہ لوح محفوظ میں امور کا جتنا ایسا ہے جیسا کہ حافظ قرآن کے دماغ اور دل میں قرآن کے حروف اور کلمات منقش ہوتے ہیں وہ اس کے دل و دماغ میں سب ایسے مندرج ہوتے ہیں گویا کہ وہ پڑھتے وقت ان کو دیکھتا ہے اور اگر اس کے دماغ کی تلاشی لو گے تو اس خط کا ایک حرف بھی اس کے دماغ میں نہ پاؤ گے۔ اسی انداز پر تم کو یہی سمجھنا مناسب ہے کہ تمام مقدرات الہی اس لوح میں منقش ہوتے ہیں امنی اور نفس اکثر اپنے اعمال نیک اور بد کو یاد کرتا ہے ان کے جزاء و سزا کا متوقع رہتا ہے۔ اس سے اس کے عمل کے نفس سے جننے اور قرار پانے کے منجملہ اور وجوہ کے ایک اور وجہ ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

باب ۱۲

اعمال کا ملکات نفسانی سے تعلق

معلوم کرو کہ اعمال کے ذریعہ سے نفسانی ملکات کا ظہور اور بیان ہوتا ہے یہ اعمال ان کے لیے بمنزلہ وام کے ہیں۔ عرف طبعی میں اعمال ان کے ساتھ متحد ہوا کرتے ہیں۔ یعنی قدرتی سبب کی وجہ سے جس کو صورت نوعیہ عطا کرتی ہے عام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ان ملکات کو اعمال سے تعبیر کیا کرتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ خواہش اور ارادہ سے جب کسی کام کی آمادگی پیدا ہوتی ہے اور نفس اس کا کہا مان لیتا ہے تو اس ارادے میں انبساط اور فرحت ہوتی ہے اور اگر نفس نے اس کا کہا نہ مانا تو اس میں انقباض اور افسردگی پیدا ہوتی ہے اب جب وہ عمل سرزد ہو جاتا ہے تو اس عمل کا چشمہ قوت ملکی یا بیہمی مضبوط اور مستنزل اور اس کا مقابل کمزور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نفس آرزو اور خواہش کرتا رہتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے تم کسی خالق کو نہ دیکھو گے کہ جس کے لیے خاص خاص اعمال اور صورتیں نہ ہوں کہ جن سے اس خلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے انہیں سے اس خلق کو تعبیر کرتے ہیں انہیں اعمال کی صورت سے اس خلق کا اظہار ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی کی شجاعت کا بیان کرے اور اس سے اس کی شجاعت کو دریافت کریں تو یہ اس کی سخت سخت جنگا کشیوں کو ہی بیان کرے گا اور اگر سناوت بیان کرے گا تو ان درہموں اور دیناروں کی کیفیت بیان کرے گا۔ جس کو کہ وہ فیاضی سے خراج کرتا ہے اگر کوئی شخص ارادہ کرے کہ شجاعت اور سناوت کی صورتیں اس کے سامنے پیش ہوں تو ان اعمال کی صورتوں کی ہی اس کو حاجت پڑے گی۔ ہاں اگر اس نے خدا کی فطرت کو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے بدل دیا ہو گا وہ ایسا نہ رہے گا اگر کسی شخص میں کوئی خلق موجود نہ ہو اور وہ چاہے کہ وہ خلق مجھ میں پیدا ہو جائے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس خلق کے موقعوں کا تلاشی ہو اور ان اعمال کی محنت برداشت کرے جن کا اس خلق سے تعلق ہو اور اس خلق کے توانا اور پروردگاروں کے واقعات کو یاد رکھے۔

اس کے بعد یہ ہے کہ اعمال منضبط امور ہوا کرتے ہیں جن کے لیے اوقات معین ہوا کرتے ہیں وہ سامنے نظر آتے ہیں نقل

کیے جاتے ہیں اور وہ ان کا اثر ہوتا ہے وہ قدرت اور اختیار میں داخل ہوتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے کرنے نہ کرنے پر دار و گیر کی جائے۔

اعمال اور ملکات کے حفظان میں نفوس سب برابر نہیں ہوا کرتے بعض نفوس تو بڑے دانا ہوتے ہیں کہ بہ نسبت اعمال کے ملکات زیادہ تر ان کے سامنے متمثل رہتے ہیں ان کا اصلی کمال صرف اخلاق ہوتے ہیں انہیں اخلاق کی وجہ سے اعمال کی صورتیں بھی اس لیے ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ کہ یہ اعمال ان ملکات کے لیے قالب اور ہیکل ہوا کرتی ہیں اس لیے وہ اعمال کی بھی محافظت کرتے ہیں لیکن یہ محافظت اخلاقی محافظت کی نسبت کم ہوتی ہے یہ محافظت اسی درجہ ہوتی ہے جیسے کہ خواب میں مقصود معانی کا متمثل ہونا مثلاً مونہوں اور شرمگاہوں پر مہر لگانا۔

اور بعض نفوس ضعیف ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ نفسانی ملکات ان میں مستحکم طور پر نہیں ہوتے اس لیے وہ اعمال کو ہی اپنا عین کمال سمجھتے ہیں ان کے اعمال میں مضحمل طور پر ملکات کی صورتیں نمایاں ہوتی ہیں اس لیے وہ اعمال سے ملکات کو جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اکثر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں کو تعین اوقات کی سخت حاجت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نوا میں اور شرائع الہی نے اعمال کا نہایت اہتمام کیا ہے۔

بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کا تقرر ملاء اعلیٰ میں ہو چکتا ہے۔ اور ان نفسانی ملکات سے قطع نظر کر کے کہ جن سے وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں خود ان اعمال کی خوبی اور برائی ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس لیے کسی عمدہ عمل کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ گویا ملاء اعلیٰ کی جانب سے ادا کرنے والے نے الہام قبول کر لیا کہ اپنے آپ کو ان سے قریب کرے ان کے مشابہ ہو جائے ان کے انوار کو حاصل کرے اور برے کام کرنے سے ان کے مخالف اثر ہوتے ہیں۔

اعمال کا ملاء اعلیٰ میں اس طرح پر تقرر کئی طرح سے ہوتا ہے

کبھی اس طرح کہ ان کو اپنے پروردگار کی جانب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی انتظام جب ہی منتظم ہو گا کہ خاص خاص اعمال ادا کیے جائیں اور بعض بعض اعمال سے باز رہیں اس لیے وہ اعمال ان کے سامنے متصور ہوتے ہیں اور پھر وہیں سے شریعتوں میں ان کا نزول ہوتا ہے۔

اور کبھی اس طرح پر ہوتا ہے کہ بزرگ نفوس جنہوں نے اعمال کی مشق کی ہوتی ہے اور ان کو ہمیشہ استعمال کیا جاتا ہے جب وہ ملاء اعلیٰ کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی خوبی اور برائی ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسی حالت میں مدتیں گزر جاتی ہیں تو اعمال ملاء اعلیٰ کے سامنے قرار پکڑ جاتی ہیں۔ تو اب اعمال ایسا ہی اثر کرتے ہیں جیسا کہ غریبوں اور منتروں کا اثر ہوتا ہے جن کی بھینیں اور صفات سلف سے نقل ہوتے چلے آتے ہیں۔ واللہ اعلم



جزا و سزا کے اسباب

معلوم کرو کہ جزا و سزا کے اسباب اگرچہ بہت ہیں لیکن ان کا مال دو قاعدوں کی طرف ہے۔ اول یہ کہ نفس اپنی قوت ملکی کی وجہ سے کسی عمل اور خلق کو جن کا وہ اکتساب کرتا ہے یہ معلوم کرتا ہے کہ یہ قوت ملکی کے مناسب اور موافق نہیں ہے اس لیے اس میں ندامت اور حسرت و افسوس پیدا ہوتا ہے اور اکثر اسی کی وجہ سے خواب یا بیداری میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں تکلیف اہانت اور تہدید ہوا کرتی ہے اور اکثر نفوس میں اس الہام کی استعداد ہوتی ہے کہ فلاں عمل اور خلق مخالف ہے اور ملائکہ کے ذریعہ سے اس مخالفت کا ظہور ہو جاتا ہے نفس میں جیسے کہ اور علوم کی استعداد ہوتی ہے ایسے ہی اس قسم کی بھی استعداد ہوتی ہے۔ اسی قاعدہ کی طرف اشارہ اس اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے: ﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَخَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ہاں جو لوگ برے کام کریں ان کی خطا ان کو گھیر لے تو یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور دوسرا سبب خطیرہ القدس کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ہے اس لیے کہ ملائہ اعلیٰ میں اکثر صورتیں اور اعمال و اخلاق پسندیدہ اور باعث خوشنودی اور اکثر ناپسند اور باعث ناخوشی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اپنے پروردگار سے اہتمام بلغ سے درخواست کرتے ہیں کہ پسندیدہ اخلاق والوں کو آرام پہنچے اور بد اعمال نکبت میں مبتلا ہوں ان کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان فرشتوں کے ارادے لوگوں کا احاطہ کر لیتے ہیں اور علوم کی طرح خوشنودی یا لعنت کی صورت ان پر مترشح ہوتی ہے اس لیے ایسے ایسے واقعات مشکل ہوتے ہیں جن میں تکلیف یا مہربانی و انعام پایا جاتا ہے اور ملائہ اعلیٰ کا مختلف صورتوں میں ظہور ہوتا ہے کبھی مہد دانہ صورت میں اور کبھی سرور و محبت پیش کرتے ہوئے ملائکہ کی ناخوشی سے کبھی نفس پر برا اثر پڑتا ہے اور نفس میں غشی یا مرض جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

بلکہ خاص حق الامر یہ ہے کہ جب سے خداوند عالم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تب ہی سے ان لوگوں کے ساتھ ایک خاص توجہ ہے وہی توجہ اس کے باعث ہے کہ لوگوں کو بے مہار اور مبہمل نہ چھوڑے ان کے اعمال پر ان سے مواخذہ کرے لیکن اس کے ادراک کرنے میں چونکہ وقت تھی اس لیے ہم نے ملائکہ کی دعا کو اس کا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم اور اسی قاعدہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

﴿مَحَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾

”جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی ہی حالت میں مر گئے ان پر اللہ اور تمام فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی

لعنت میں رہیں گے ان سے عذاب کم نہ کیا جائے گا اور نہ وہ رستگار ہوں گے۔“

اور یہ وہاں قاعدے باہم مل بھی جایا کرتے ہیں اور ان کے ملنے سے استعداد نفس اور اعمال کے لحاظ سے اکثر عجیب عجیب صورتیں

پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن پہلے قاعدے کو زیادہ قوت ان اعمال اور اخلاق میں ہوتی ہے جو اصلاح یا فساد نفس کے باعث ہیں اور اس وجہ کو وہ نفس زیادہ قبول کرتے ہیں۔ جو نہایت ذکی اور قوی ہوں اور دوسرے کو قوت ان اعمال و اخلاق میں ہوتی ہے جو مصالح عامہ کے مخالف ہوں اور اس انتظامی حالت کے منافی ہوں جن کا حال یہ ہے کہ لوگوں کے انتظامات درست ہو جائیں اس وجہ کو وہ نفس قبول کرتے ہیں جو کہ خود کمزور اور قبیح ہوتے ہیں۔

ان اسباب میں سے ہر ایک کے لیے خاص خاص مواقع ہوتے ہیں جو اس سبب کے اثر سے ایک خاص وقت تک روکتے ہیں پہلے سبب سے قوت ملکی کا ضعف اور قوت بھیمی کا غلبہ مانع ہوتا ہے۔ بہمیت بڑھتے بڑھتے نفس گویا بالکل بھیمی ہو جاتا ہے قوت ملکی تکلیف سے اس کو کوئی رنجش نہیں ہوتی لیکن جب بھیمی چادر سے نفس سبکدوش ہوتا ہے (مرنے کے بعد) اور بہمیت سے اس کو مدد نہیں پہنچتی اور قوت ملکی کی بجلیاں اس پر چمکتی ہیں تب اس کو رنج و آرام رفتہ رفتہ محسوس ہوتا ہے اور دوسرے سبب سے یہ مانع ہوتا ہے کہ اس سبب کے حکم کے مخالف اسباب متفن ہو جائیں یہاں تک کہ جب مقدر موت کا وقت آتا ہے تو اس وقت جزا و سزا کی روانگی تیزی سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ہر ایک قوم کا ایک وقت معین ہے۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کی دیر نہیں ہوتی اور نہ وہ اس سے اپنے آپ کو آگے کر سکتے ہیں۔

دوسرا بحث

زندگی اور بعد موت کے جزاء و سزا کی کیفیت میں

باب ۱۳

دنیا میں اعمال کی سزا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴾

”جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے اور وہ اکثر قصوروں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ﴾

”بے شک اگر وہ ٹھیک رکھتے تو ریت اور انجیل اور ان احکام کو جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر نازل ہوئے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے اور اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کے حق میں جب انہوں نے صدقہ کو منع کیا تھا جو فرمایا ہے وہ معلوم ہے۔“

اور آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد الہی کی تفسیر میں کہ: ﴿إِنْ تُبْذُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ جو

تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو اللہ اس کا حساب تم سے لے گا۔ اور اس ارشاد میں کہ ﴿مَنْ يَغْمَلْ سُوءً يُجْزَ بِهِ﴾ جو برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو دی جائے گی فرمایا ہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس عتاب کا بیان ہے جو بندہ پر بخار اور مصیبت کے پہنچنے سے ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کوئی سامان اپنی قمیص میں رکھتا ہے اور اس کے کھو جانے سے گھبرا جاتا ہے ایسے حالات کی وجہ سے وہ بندہ گناہ سے ایسا صاف نکل جاتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی سے سرخ لوہا۔

معلوم کرو کہ ملکی حالت کبھی بہمیت میں پوشیدہ ہو کر پھر ظاہر ہو جاتی ہے وہ پہلی بہمیت سے پیوند پا کر پھر علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ علیحدگی کبھی طبعی موت سے ہوتی ہے جب قوت بھی کو غذا سے مدد نہیں پہنچتی اس کے مادے تحلیل ہو جاتے ہیں اور ان کو کچھ بدل نہیں پہنچتا اور عارضی حالات گرنگی سیری غصہ وغیرہ کے نفس میں کوئی پہچان پیدا نہیں کرتے تو عالم قدس کا اس پر تو پڑتا ہے۔ اور کبھی اختیاری موت سے یہ صورت پیش آتی ہے۔ ہمیشہ آدمی ریاضت سے بھی کو مغلوب کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی توجہ ہمیشہ عالم قدس کی طرف رکھتا ہے اس واسطے اس پر ملکی طاقت کی بجلیاں درخشاں رہتی ہیں۔

اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ہر چیز کو اپنے مناسب اعمال سے انبساط ہوتا ہے اور اپنے مخالف کاموں سے کشیدگی اور ناگواری ہوا کرتی ہے اور ہر ایک رنجیدگی اور لذت کی خاص شکل ہوتی ہے۔ اسی سے وہ مشکل ہوا کرتی ہے مثلاً حار اور تیز خلط کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی سوزن چبھاتا ہے اور صفر کی حرارت سے ایذا پانے کی صورت بے چینی اور بے قراری اور خواب میں آگ اور شعلوں کا نظر آنا ہے اور باغم سے ایذا اٹھانے کی صورت میں سردی کی تکلیف اور خواب میں پانیوں کا اور برف کا نظر آنا تو جب قوت ملکی ظاہر ہوتی ہے تو بیداری کی حالت میں یا خواب میں جس وقت کہ وہ پاکیزہ اور فردنی و نیاز مندی کا کام کرتا ہے ایک اندرونی انبساط پیدا ہوتا ہے اور جب ملکیت کے خلاف اس سے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو ان کیفیات کی صورت میں جو اعتدال کے خلاف ہوتی ہیں یا ان واقعات کی صورت میں جن میں اہانت اور تہدید پائی جاتی ہے خوشحالی اور بٹاشی کے مخالف امور صورت پذیر ہوتے ہیں۔ ایک گزندہ درندہ کی صورت میں غصہ ظاہر ہوتا ہے اور مار گزندہ کی صورت میں بخل کا ظہور ہوتا ہے بیرونی جزا و سزا کا کلیہ تعدد یہ ہے کہ اسباب کی صورت میں اس کا ظہور ہوتا ہے جو شخص تمام اسباب اور اس انتظام کو معلوم کر لے گا جو اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ خوب سمجھ لے گا کہ خدا کسی گنہگار کو بغیر دنیوی سزا کے نہیں چھوڑتا لیکن اس انتظام کا لحاظ رکھتا ہے جب بظاہر اسباب آرام اور تکلیف کے نہیں ہوتے تو ان اعمال صالحہ اور اعمال فاجرہ ہی کی وجہ سے آرام و رنج پہنچتا ہے اور جب کوئی بندہ نیک ہوتا ہے اور اسباب تکلیف کے میا ہوتے ہیں اور اس کی اصلی اصلاح کے وہ منافی نہیں ہوتے تو اس کے خود اعمال کسی بلا کے دفع ہونے یا بلا کی تخفیف کا باعث ہوا کرتے ہیں اور کسی فاسق کے لیے جب اسباب آرام کے جمع ہوتے ہیں۔ تو ان سے اس کی نعمت کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اگر اعمال کے مناسب ہی اسباب جمع ہوتے ہیں تو ان میں صاف صاف زیادتی ہو جایا کرتی ہے۔

اور اکثر نظام عالم کے اسباب اعمال کے سلم کی نسبت زیادہ اہم ہوا کرتے ہیں تو اس وقت بنظر ظاہر بدکار کو ذمیل دے دی جایا کرتی ہے اور نیک بندہ پر تلی کی جاتی ہے اور اس تنگی سے اس کی قوت بھیگی کے مغلوب کرنے کا کام لیا جاتا ہے اس کو یہ امر سمجھا دیا جاتا ہے اور وہ اس کو اسی خوشی سے مان لیتا ہے جیسے کہ ہیں

مثل المومن كمثل الخامة من الزرع تفيها الرياح تضرعها مرة ولقد لها اخرى حتى ياتيه اجله ومثل المنافق كمثل الارزة المجذبة التي لا يصباها مثنى حتى يكون انجع مرة واحدة.

”مومن کا حال نرم تنا درخت کا سا ہے اس کو ہوائیں ادھر سے ادھر کو جھکاتی رہتی ہیں کبھی وہ اس کو ٹپک دیتی ہیں۔ کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے اور منافق ایسا ہے جیسے کہ سیدھا مضبوط تھا اس کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا یہاں تک کہ ایک ہی بار وہ اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔“
آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((امامن مسلم يصيبه اذى من مرض فما سواه الا حط الله به سيئاته كما تحط الشجرة ورقها))

”کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ مرض وغیرہ کی تکلیف اس کو پہنچے اور اس کے گناہ ایسے نہ جھڑ جائیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔“

اکثر ملک ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں شیطان کی بندگی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ بہائم کے سے نفوس رکھتے ہیں لیکن خاص مدت تک جزائے عمل کو ان سے موقوف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبِاسِ ۖ وَالضَّرَآءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَآءُ وَالسَّرَآءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

”کسی گاؤں میں ہم نے نبی نہیں بھیجا کہ ہم نے خوشی اور نقصان میں ان کی پکڑ جکڑ نہ کی ہوتا کہ وہ نیاز مند ہو جائیں پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی سے بدل دی یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادوں کو تکلیف پہنچتی تھی تب ہم نے دفعۃً ان کو پکڑ لیا بے خبری میں اور اگر گاؤں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ان کے اعمال کی وجہ سے ہم نے ان کی پکڑ جکڑ کی۔“

اور حال یہ ہے کہ دنیا میں جزا و سزا حال آقا کا سا ہے دار و گیر کے لیے خوب طرح فارغ نہ ہو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو وہ پورے فراغ کے ساتھ اس کو پورا کرے گا۔ ﴿سَنَفُوعُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ﴾ اے آدمیوں اور جنوں! میں تمہارے لیے فراغ ہوں گا۔ اس کی طرف اشارہ ہے اور جزا و سزا کا ظہور کسی بندہ کے نفس میں ہوتا ہے۔ اس طرح یہ کہ انبساط اور طمانیت اس میں پیدا ہو جائے یا انقباض اور بے قراری اور کبھی اس کا اثر اس کے بدن میں ہوتا ہے۔ کہ غم اور خوف کے ہجوم سے امراض اس پر طاری ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے جب شرمگاہ ظاہر ہو گئی تھی اور آپ بے ہوش ہو گئے تھے وہ جزائے بدنی اسی قسم کی تھی اور کبھی مال اور اہل و عیال میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اکثر لوگوں یا فرشتوں اور بہائم کو الہام ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں یا اس کو برائی پہنچائیں اور کبھی وہ شخص الہام اور تعبیرات کی وجہ سے خود بھلائی یا برائی کے قریب پہنچا دیا جاتا ہے۔

جو شخص مذکورہ بالا تقریر کو خوب سمجھ لے گا اور ہر ایک چیز کو اپنے اپنے موقع پر رکھے گا وہ بہت سی اشکالوں میں آرام میں ہو جائے گا۔ مثلاً ان احادیث کے اختلاف کو سمجھ جائے گا جو حدیثوں میں وارد ہے کہ نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور بدکاری رزق کی کمی کا سبب ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاروں کو دنیا میں فوراً سزا مل جاتی ہے اور بلا میں گرفتار ہونے والے وہ ہیں جن کو زیادہ قرب اور فضیلت حاصل ہے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اور ایسی ہی اور حدیثیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۵

موت کی حقیقت میں

معلوم کر کہ ہر ایک صورت معدنی اور نباتی اور حیوانی کا ایک خاص مرکب اور سواری ہے جو دوسرے کے لیے نہیں ہے اور ہر ایک اپنے کمالات ازلی میں دوسرے سے ممتاز ہے اگر بنظر ظاہر اس کے معلوم کرنے میں کچھ اشتباہ ہو تو سمجھ لو کہ جب عناصر چھوٹے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور کمی و بیشی کی وجہ سے مختلف طریقوں سے ان کی باہمی آمیزش ہوتی ہے تو ان سے مرکبات ثنائی (جن میں دو دو عناصر سے ترکیب ہو) مثلاً بھاپ غبار دھواں نرم مٹی زمین کاشت کی ہوئی لپٹ شعلہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی مرکبات ثلاثی مثلاً خمیر کردہ مٹی پانی کے اوپر کی سبزی اور مرکبات رباعی مذکورہ بالا کی طرح ہوتے ہیں۔

اب ان اشیاء میں سے ہر ایک کی خاصیتیں اپنی اپنی جدا جدا ہیں۔ جو صرف ان کے اجزاء کی خاصیتوں سے مل کر بنتی ہیں۔ ان خاصیتوں میں اور کوئی چیز اجزاء کی خاصیت کے علاوہ نہیں ہوتی ان اشیاء کا کائنات الجو نام ہے تو معدنی صورت معدنی مزاج پر اپنا تسلسلہ کر لیتی ہے اس کو اپنا مرکب بناتی ہے اس میں اپنے نوعی خواص جدا ہوتے ہیں اور اس مزاج معدنی کی وہ محفوظ رہتی ہے۔ اس کے بعد صورت نباتی مختلف مزاج جسم کو اپنا مرکب بناتی ہے وہ ایسی طاقت ہوتی ہے کہ عناصر اور کائنات الجو اپنے مزاج کی طرف منتقل کرتی رہتی ہے تاکہ ان اجزاء کے لیے جو مال ممکن اور متوقع ہے اس کو فعلیہ میں لائے صورت حیوانی روح ہوائی کو جس میں تغذیہ اور گرمیہ کی قوتیں ہوتی ہیں اپنا مرکب بناتی ہے وہ صورت اور اس روح ہوائی کے اطراف و جوانب میں جس و ارادہ کے تصرفات کو نافذ کرتی ہے اپنے مطالب کی اس میں آمادگی ہوتی ہے اور ان چیزوں سے وہ باز رہتی ہے جو گریز کرنے کے قابل ہیں۔

ان کے بعد صورت انسانی جسم کو جس کا بدن میں تصرف ہوتا ہے اپنا مرکب بناتی ہے اور ان اخلاق کو اپنا مقصد قرار دیتی ہے جو آمادگیوں اور غریزوں کے لیے اصول ہیں وہ ان اخلاق کو مزین کرتی ہے عمدگی سے ان کا انتظام کرتی ہے اور آسانی و سہولت سے جن

امور کا اس پر القاء ہوتا ہے ان کے لیے اخلاق کو جلوہ گاہ بناتی ہے۔

اؤل نظر میں اگرچہ کسی قدر اشتباہ معلوم ہوتا ہے لیکن غور نظر ان تمام اثروں کو اپنے اپنے چشموں سے ملحق کر دیتا ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مرکب سے جدا کر دیتا ہے اور ہر ایک صورے کے لیے ایک مادہ کی ضرورت ہے جس میں وہ صورت قائم رہے ہر ایک صورت کا مادہ اس کے مناسب ہوا کرتا ہے صورت کا ایسا حال ہے جیسا کہ موم کے پیکر میں انسان کی صورت قائم ہوتی ہے۔ بغیر موم کے صورت کا قیام نہیں ہو سکتا وہ شخص حق گو نہیں ہے جو قائل ہے کہ موت کے وقت نفس ناطقہ مخصوص بہ آدمی مادہ کو کلیتہً ترک کر دیتا ہے البتہ آدمی کے دو مادے ہیں ایک بالذات و نوسمہ ہے اور دوسرا بالعرض وہ یہ زمینی بدن ہے جب آدمی مرتا ہے تو اس مادہ زمینی کے زوال سے اس کو کوئی مضرت نہیں ہوتی وہ بدستور اپنے مادہ نسیمہ میں حلول کیے ہوئے رہتا ہے وہ پر جودت کا تب کی طرح رہتا ہے کہ جب اس کے دونوں ہاتھ قطع کر دیئے جائیں تب بھی وہ اپنی کتابت میں محو رہتا ہے اس میں کتابت کا مکمل بہالھا قائم رہتا ہے یا جیسے کوئی چلنے کا شائق ہو اور اس کے دونوں پاؤں قطع کر دیئے جائیں یا سمیع اور بصیر جب وہ گنگ یا نابینا ہو جائے۔

اور یقین کرو کہ اعمال اور صورتیں بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی ان کو دلی قصد اور ارادے سے کرتا ہے۔ اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ اس کے کرنے کا اقدام کرے گا اور ان کے مخالف اعمال سیغ بار رہے گا۔ اور بعض اعمال اور بھتیں ایسی ہیں کہ ان کو آدمی اپنے بھائی بندوں کی خاطر سے یا کسی خارجی عارض گزشتگی اور تشنگی کی وجہ سے کرتا ہے۔ جب وہ عارض دور ہو جاتا ہے تو اس کی خواہش بھی فرو ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی آدمی کے یا شعر یا اور کسی امر کی کوشش عاشقانہ ہوا کرتی ہے اور لباس وضع میں اپنی قوم کی موافقت کی اس کو ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن جب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور وہ اس لباس کو بدل ڈالے تو اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور بہت سے آدمی خود کسی خاص لباس کو پسند کرتے ہیں جب ان کو بحال خود چھوڑ دو تو اس لباس کے ترک کرنے کی ان کو جرات نہیں ہوتی۔

اور بعض آدمی بیدار بالطبع ہوتے ہیں وہ اکثر امور میں ایک جامع چیز کو خود سمجھ لیتے ہیں اور معلومات کو چھوڑ کر ان کا دل ملت کو پکڑ لیتا ہے اور فعلوں سے نظر قطع کر کے مدہ پر دل جم جاتا ہے اور بعض خواب دیدہ طبع اور غافل ہوا کرتے ہیں وحدت کو ترک کر کے کثرت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نکات سے ان کو بحث نہیں ہوتی صرف کام ان کو ملحوظ نظر رہتے ہیں اور اعمال کی ارواح سے ان کی صورتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

معلوم کرو کہ مرنے کے بعد آدمی کا یہ زمینی بدن خراب ہو جاتا ہے اور اس کے نفس ناطقہ کا تعلق نسیمہ سے باقی رہتا ہے جو چیزیں اس میں موجود ہوتی ہیں انہیں کے لیے نفس فارغ ہو جاتا ہے اور جو جو امور اس میں دنیوی زندگی کی وجہ سے بغیر اس کی دلی خواہش کے تھے ان کو وہ خدا حافظ کہتا ہے جن امور کو وہ اپنے اصل جوہر میں روک لیتا ہے وہ سب باقی رہتے ہیں اس وقت ملکی طاقت کا ظہور ہوتا ہے اور بھی قوت مخفی اور کمزور ہو جاتی ہے اور اس کو اس وقت میں آسمانی جانب سے خطیرۃ القدس اور ان امور کا یقین ہوتا ہے کہ جو وہاں اس کے لیے جمع کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے قوت ملکی کی خوشحالی یا بدحالی ہوتی ہے۔

معلوم کرو کہ قوت ملکی جب بہیت سے مل ملا اس میں ڈوب جاتی ہے تو کسی قدر اس کی مطیع ہو کر اس کے بعض بعض اثروں

سے متاثر ہو جاتی ہے لیکن ملکی طاقت کے لیے نہایت مضر یہ ہے کہ نہایت درجہ کے قابل نفرت امور اس میں جم جائیں اور اس کا سراپا نفع اس میں ہے کہ نہایت درجہ کی مناسب چیزیں اس میں متشکل ہوں نفرت کے قابل امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کو مال اور اہل و عیال سے تعلق زیادہ ہو اس کو یقین ہو کہ ان دونوں اموروں کے علاوہ کوئی اور مطلوب نہیں ہے نہایت دنی دنی صورتیں اس کے اصل جوہر میں سمائی ہوں اور وہ امور جمع ہوں جو فیاض طبیعت کے بالکل خلاف ہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجاستوں سے اس کو آلودگی رہتی ہو اللہ تعالیٰ کو نہ پہچان کر تکبر کرتا ہو کبھی اس کی حضوری میں نیاز مندی سے پیش نہ آتا ہو اور علیٰ ہذا ایسے ایسے امور کا مرتکب ہو جو مرتبہ احساس کے مد مقابل ہیں۔

اور خطیرۃ القدس کی توجہ جو امداد حق میں اس کے حکم کی تعظیم انبیاء کی بعثت کے پسندیدہ انتظام کے قائم کرنے میں ہوا کرتی ہے اس کو یہ برہم کرتا ہو اور اس وجہ سے ان کی جانب سے بغض اور لعنت کا مستحق ہوتا رہے۔

اور زیبا امور میں سے ان اعمال کا کرنا ہے جن میں طہارت بارگاہ خداوندی میں نیاز ان اعمال کو کرتا جن سے ملائکہ کی یاد ہوتی ہو اور ایسے عقائد کا حاصل کرنا ہے جس سے زندگی دنیا کا اطمینان دل سے دور ہو جائے وہ شخص فیاض طبع اور نرم دل ہو اس کی جانب ملا اعلیٰ کی دعاؤں کا رخ ہو اور ان کی توجہات جو پسندیدہ انتظامات کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ اس کی طرف مائل رہیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۶

لوگوں کے حالات کا عالم برزخ میں مختلف ہونا

اس عالم دنیا میں لوگوں کے بے شمار و نہایت طبقے ہیں لیکن ان طبقات میں چار طبقے بمنزلہ اصول کے ہیں۔
① قسم ان لوگوں کی ہے جو بالطبع بیدار دل پیدا کیے گئے ہیں ان کو صرف ان زیبا اور نازیبا اعمال ہی سے رنج و آرام حاصل ہوا کرتا ہے۔ اسی قسم کی طرف اشارہ ہے کہ ﴿إِنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّٰخِرِينَ﴾ یہ ہے کہ (نفس کہے گا کہ ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کی نسبت کوتاہی کی بے شک میں استہزا کیا کرتا تھا) میں نے اہل اللہ کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے نفوس ایسے تھے جیسے تھمے ہوئے پانی سے لبریز موزیں جن کو ہوائیں جنبشیں نہیں دیتی تھیں یکبارگی میں دو پہر کے وقت آفتاب کی روشنی ان پر پڑی اور وہ نورانی قطعہ ہو گئے یہ نور جو ان لوگوں کے دلوں پر پڑا تھا پسندیدہ اعمال کا تھا یا نور یادداشت یا نور رحمت۔

② قسم ان کے حالات کی قریب قریب ہے۔ لیکن ان پر طبعی غیند طاری ہوتی ہے ایسے لوگوں کو خواب ہوتا رہتا ہے خواب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ علوم پیش ہو جائیں جو جس مشترک میں جمع ہیں۔ بیداری کی حالت ان میں استغراق رکھنے سے مانع ہوتی ہے اور ان کے خیالی ہونے سے غفلت نہیں ہوتی لیکن سوتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ صورتیں بعینہا وہی چیزیں ہیں جن کی یہ

۔ صورتیں ہیں۔

صفاوی مزاج اکثر دیکھتا ہے کہ وہ گرمی کے دن ایک خشک نیتان میں ہے بادِ سموم چل رہی ہے اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے ناگہاں چاروں جانب سے آگ نے اس کو گھیر لیا ہے وہ بھاگتا ہے لیکن موضعِ گریز کرنے کا نہیں ملتا اور آگ اس کو پھونک دیتی ہے اس وجہ سے اس کو سخت رنج و تکلیف پہنچتی ہے علیٰ ہذا بلغمی مزاج بھی خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ سرما کی رات ہے سرد نہر جاری ہے بامہر پر چل رہی ہے موجوں نے اس کی کشتی کو لوٹ پوٹ کر ڈالا ہے وہ ہر چند بھاگنے کا قصد کرتا ہے لیکن کوئی موقعہ نہیں ملا ہے اور وہ دریا میں غرق ہو گیا ہے اس وجہ سے نہایت سخت تکلیف اس کو ہوئی ہے۔

اگر آدمیوں کی تم تفتیش کرو گے تو کسی کو ایسا نہ پاؤ گے جس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو کہ مجتمع حوادث کی صورتیں جو ان کے اور دیکھنے والے کے نفس کے مناسب ہوں آرام و تکلیف کی ضمن میں نظر نہ آئی ہوں جو خواب میں مبتلا ہوتا ہے اس کی یہ حالت ہوا کرتی ہے لیکن یہ عالم برزخ کی خواب ایسی ہے کہ روز قیامت تک اس سے بیداری نہ ہوگی خواب والا اپنی حالت خواب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ چیزیں خارج میں نہیں ہیں اور یہ آرام و تکلیف عالمِ خارجی میں موجود نہیں ہے اگر بیداری نہ ہوتی تو یہ راز خارجی نہ ہونے کا اس کو معلوم نہ ہوتا عالم برزخ کا نام عالمِ روبا کی نسبت عالمِ خارجی ہونا زیادہ مناسب ہے۔

قوة سبعی جس کی غالب ہوتی ہے وہ اکثر دیکھا کرتا ہے کہ کوئی درندہ اس کو زخمی کر رہا ہے اور بخیل دیکھتا ہے کہ سانپ بچھو اس کو کاٹ رہے ہیں۔ علوم آسمانی کا زوال اکثر دو فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے جو اس سے دریافت کرتے ہیں **من ربك من دينك وما قولك في النبي صلى الله عليه وسلم**۔ (تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق تیرا کیا قول ہے)

③ قسم ان لوگوں کی ہے جن کی بھی اور ملکی دونوں قوتیں ضعیف ہوتی ہیں ان کو زمین کے ملائکہ سے اتصال ہو جاتا ہے اس کے اسباب کبھی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں اس طرح پر کہ ان کی ملکی قوت بہمیہ میں نہیں ڈوبتی اس کی اطاعت نہیں کرتی اس کے اثرات سے متاثر نہیں ہوتی۔

اور کبھی اس کے اسباب کبھی ہوتے ہیں یہ لوگ دلی ابرادہ سے پاکیزگیوں سے تعلق رکھتے ہیں اپنے نفسوں میں الہامات اور ملکیت کی روشنیوں کی قوت پیدا کر لیتے ہیں جیسے کہ بعض لوگ مردوں کی صورت پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مزاج میں زنانہ پن اور عورتوں کی ہتھوں کی جانب میلان ہوتا ہے لیکن بچپن میں ان کی زنانہ پن کی خواہشیں مردوں کی خواہشوں سے متمیز نہیں ہوتیں اس زمانے میں بڑا اہتمام کھانے پینے اور لہو و لعب کی رغبت کا ہوتا ہے اس زمانے میں آدمیوں کی سی روش کا جیسا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ پابند رہتے ہیں اور زنانہ وضع و انداز سے منع کرنے سے وہ باز رہتے ہیں۔ لیکن جو ان ہوتے ہی اور بے باک طبیعت کی مقتضی طرف لوٹتے ہی مستقل طور پر وہ عورتوں کی وضع اختیار کر لیتے ہیں۔ انہیں عادات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ انہیں کی رغبت ان کے مزاج پر غالب ہو جاتی ہے جو جو عورتوں کے کام ہیں وہی کرتے ہیں انہیں کی سی گفتگو کرتے ہیں ویسا ہی عورتوں کا سا اپنا نام رکھتے ہیں۔ اب وہ مردوں کے مرتبہ سے بالکل خارج ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا آدمی بھی دنیوی زندگی میں کھانے پینے شہوت وغیرہ مقتضائے اور مراسم

طبیعت میں مشغول رہتا ہے۔ لیکن ملا سافل کی حالت سے اس کو قرب ہوا کرتا ہے ان کی کوشش اس میں قوی ہوتی ہے اس لیے بعد مرنے کے تعلقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اصلی مزاج کی طرف عود کر آتا ہے اور ملائکہ سے اس کو اتصال ہو جاتا ہے اور انہیں میں مندرج ہو جاتا ہے ان کا ہی سا الہام اس کو بھی ہونے لگتا ہے اور انہیں کی مساعی میں سرگرم رہتا ہے حدیث میں وارد ہے کہ میں نے جعفر طیار کو فرشتہ کی صورت میں دیکھا وہ دو پروں سے فرشتوں کے ساتھ ساتھ پرواز کرتے تھے۔

اکثر وہ کلمۃ اللہ کے بلند کرنے میں اللہ کے گروہ کی امداد میں مصروف رہتے ہیں۔ کبھی ان کو آدمیوں کے سلوک کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اکثر ان کو بدنی صورت کا نہایت اشتیاق ہوتا ہے پیدائش اثر سے یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے اس نے عالم مثال میں کشائش پیدا ہوتی ہے عالم مثال کی طاقت نسوہ سے مل کر ایک نورانی جسم بن جاتا ہے بعض کو کھانا وغیرہ کی رغبت ہوتی ہے تب مرغوبات میں مدد دینے سے ان کا شوق پورا کر دیا جاتا ہے۔ آیت ذیل میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرَحِينُ بَمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾

”تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس سے وہ رزق پاتے ہیں جو مہربانی اللہ نے ان پر کی ہے اس سے وہ محفوظ رہتے ہیں۔“

ان کے مقابلہ میں ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جن کو شیاطین سے زیادہ قرب ہوتا ہے۔ یہ قرب کبھی پیدائشی طور پر ہوتا ہے کہ خود ان کا مزاج ہی فاسد ہوتا ہے ان کی نظر میں ایسی رائیں پسندیدہ ہوتی ہیں جو حق کے مخالف رائے کلی کے نامناسب پسندیدہ اخلاق سے دور کنارہ پر ہوتی ہیں اور کبھی یہ قرب شیطانی کی وجہ سے ہوتا ہے ان کو پوچھ حالتوں اور فاسد خیالات سے تعلق رہا کرتا ہے شیطانی دوسوں کی وہ بجا آوری کرتے ہیں اس لیے لعنت ان کو گھیر لیتی ہے مرنے کے بعد وہ شیاطین میں مل جاتے ہیں اور ایک تاریک لباس پہن لیتے ہیں بعض بعض نفس الذات ان کے سامنے مصور ہوتی ہیں انہیں سے وہ کچھ کچھ اپنی کار بر آری کر لیتے ہیں پہلے گروہ کو ذاتی خوشی سے آرام حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو تنگی اور غم سے تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ محنت یہ خوب جانتا ہے کہ زمانہ پن آدمی کے حالات میں نہایت بدترین حالت ہے لیکن محنت اپنی طبیعت سے اس کو قمع قمع نہیں کر سکتا۔

① درجہ ان لوگوں کا ہے جن کی بڑی قوت غالب اور قوی ہوتی ہے اور ملکی طاقت کمزور ہوتی ہے اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے ان کے اکثر امور صورت حیوانی کے تابع رہا کرتے ہیں اس کی پیدائش میں یہی ہے کہ بدنی تصرفات میں محور ہے موت کے وقت ان لوگوں کے نفوس کلیہ بدن سے جدا نہیں ہوتے تدابیر بدن سے نفس کو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن بدن کے خیال اور وہم سے جدائی نہیں ہوتی ان نفوس کو اس امر کا یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ اور بدن بعینہ شے واحد ہیں۔ حتیٰ کہ اگر بدن کو پامال یا قطع کر دو تو ان نفوس کو یقین ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیا گیا ہے ایسے لوگوں کی ملامت یہ ہے کہ گودہ تقلید یا رسم کی وجہ سے اپنی زبانوں سے قائل نہ ہوں لیکن وہ خاص دلی حالت سے اس کے قائل ہوتے ہیں کہ ان کی رو میں اور بدن ایک ہی شے ہیں

یا رو حیں ایک عارضی شے ہیں جو بدنوں پر طاری ہو جاتی ہیں ایسے لوگوں کا جب انتقال ہوتا ہے تو ایک خفیف سی روشنی ان پر چمکتی ہے اور جیسے کہ یہاں ریاضت کرنے والوں کو ضعیف سا خیال نظر آتا ہے ایسا ہی ان کو بھی نظر آتا ہے کبھی خیالی صورتوں میں امور ان کو نظر آتے ہیں اور کبھی دوسری خارجی مثالی شکلوں میں ان کا مصور ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ریاضت کرنے والوں کے سامنے۔

اگر کسی شخص نے ملکی اعمال کیے تھے تو خوشنما صورت فرشتوں کی صورتوں میں جو ہاتھوں میں حریر لیے ہوتے ہیں ان اعمال کی عمرگی کا علم مندرج ہوتا ہے۔ لطیف لطیف خطابات اور صورتوں میں ان کا ظہور ہوتا ہے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس میں سے جنت کی مہک آتی ہے اور اگر ملائکہ کے قابل نفرت اور اہانت اعمال کیے ہوتے ہیں تو وہ اعمال کر یہ منظر فرشتوں کی صورت میں اور سخت سخت گفتگو اور صورتوں میں نمایاں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ غصہ کی حالت میں درندوں کی صورت میں اور بزدگی کی حالت میں خرگوش کی صورت میں ظہور ہوتا ہے۔ اور عالم برزخ میں بعض نفوس ملکی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی استعداد باعث ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر ظاہر ہو کر آرام یا تکلیف پہنچائیں اس وقت وہ گرفتار حالت ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے معائنہ کرتا ہے گو دنیا کے لوگ ان کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں معلوم کرو کہ عالم قبر اسی عالم دنیا کے متمم امور سے ہوا کرتا ہے ایک پردے کی آڑ میں وہ سب علوم نمایاں ہوتے ہیں اور فرادی فرادی نفوس کے احکام ظاہر ہوتے ہیں۔ عالم حشر میں ایسا نہیں ہوتا وہاں نفوس کے جزوی احکام مفقود ہو جاتے ہیں اور صورت انسان کے احکام نفوس میں باقی رہ جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۷

واقعات حشر کے اسرار و رموز

واضح ہو کہ ارواح انسانی کا عالم مثال میں ایک مرجع اور خاص مقام ہے جس کی طرف رو حیں اس طرح کھینچتی ہیں جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھینچتا ہے وہ مقام خطیرہ القدس کہلاتا ہے اس جگہ تمام رو حیں بدنوں سے جدا ہو کر اس روح اعظم سے جا ملتی ہیں۔ جس کی طرف تعریف نبی کریم ﷺ نے بہت سے مومنوں بہت سی زبانوں اور بہت سی بولیوں کے وصف کے ساتھ بیان کی ہے اور یہ اجتماع گاہ روح اعظم عالم مثال یا عالم ذکر جو چاہے نام لیجیے اس میں صورت نوع انسانی کی شکل یا تصویر ہوتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں وہ احکام جو انفرادی خصوصیات سے پیدا ہوتے ہیں۔ فنا ہو جاتے ہیں اور وہ باتیں جو نوع سے پیدا ہوتی ہیں یا ان میں نوعی حالت غالب ہوتی ہے باقی رہ جاتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام فرد انسانی میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن میں سب شریک ہیں اور وہ سب میں پائی جاتی ہیں۔ احکام نوع کہلائیں گی۔ انہیں فطرت بھی کہتے ہیں۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی

بنالیتے ہیں پھر ہر نوع کے احکام مخصوصہ کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو ظاہری احکام کی ہوتی ہے جیسے پیدائش و بناوٹ، یعنی رنگ، شکل، مقدار اور آواز وغیرہ پس نوع کا جو فرد اسی ہیئت اور شکل پر پایا جائے گا۔ جسے اس کی نوع چاہتی ہے تو اس میں یہ تمام ظاہری احکام پوری طرح ضرور پائے جائیں گے۔ بشرطیکہ اس کی ساخت کے مادہ میں کوئی کمی و نقص نہ ہو چنانچہ نوع انسانی کا ہر فرد راست قامت، ناطق اور صاف جلد ہوتا ہے۔ اور گھوڑے کی نوع کا ہر فرد کج قامت، ہنہانے والا اور بال دار جلد کا ہوتا ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جو کبھی فرد سے جدا نہیں ہوتیں بشرطیکہ ان کا مزاج صحیح سالم رہے دوسری قسم باطنی احکام کی ہوتی ہے جیسے قوت ادراک، معاش کے لیے ہدایات حاصل کرنا اور اپنے مقصد کے حصول اور آنے والی مصیبت سے بچاؤ کے لیے مستعد ہونا غرض یہ کہ ہر نوع کا ایک جداگانہ طریقہ ہوتا ہے چنانچہ شہد کی مکھی کو دیکھئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح وحی کی کہ وہ درختوں کو ڈھونڈ کر ان کے پھل کھائے اور اپنے ہم جنسوں کے لیے گھر بنائے اور پھر اس میں شہد جمع کرے اس طرح چڑیا کو یہ وحی کی کہ اس کا ز مادہ کی طرف راغب ہو پھر دونوں مل کر گھونسل بنائیں انڈے سکیں اور بچے نکالیں اور جب اڑنے لگیں تو انہیں یہ سکھائیں کہ یہاں پانی اور وہاں دانہ ہے انہیں ان کا دوست دشمن بتلایا اور یہ بھی سکھا دیا کہ بلی اور شکاری وغیرہ دشمن سے بھاگ بھاگ کر یوں اڑنا چاہیے اور اپنے ہم جنسوں سے منفعت اور دفع مضرت کے لیے یوں لڑنا چاہیے کہ کیا کوئی عقل سلیم والا کہتا ہے کہ یہ احکام نوع کے احکام نہیں ہیں واضح ہو کہ افراد کی سعادت یہی ہے کہ ان میں نوع کے احکام پورے پورے پائے جائیں اور ان کا مادہ ان سے گریز بھی نہ کرے اور نہ کوئی کمی چھوڑے کہ اس کے بعض نوعی خواص ظاہر نہ ہو سکیں اور اس لیے آپ افراد نوع کو سعادت و شقاوت میں مختلف الحال پاتے ہیں اور جب تک وہ افراد اپنی نوع کے مقتضاء کے مطابق رہتے ہیں۔ انہیں تکلیف نہیں پہنچتی۔ لیکن افراد کی فطرت کبھی عارضی اسباب کی وجہ سے متغیر ہو جاتی ہے جیسے درام وغیرہ آنحضرت کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس بچہ کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی ارواح نوعی حیثیت سے خلیفہ القدس کی طرف کبھی تو بصیرت اور ہمت شے کھینچ کر جاتی ہیں اور کبھی اس وجہ سے کہ ثواب اور عذاب کے لیے وہاں کے آثار متشکل ہو چکے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے انجذاب و کشش کا تو یہ حال ہے کہ جہاں کوئی شخص بیکی نجاست سے پاک و صاف ہو جاتا ہے تو جھٹ وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کی کچھ نہ کچھ باتیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں انہی جانب اشارہ ہے کہ آدم اور موسیٰ اپنے اللہ کے پاس جمع ہوئے اور آنحضرتؐ سے متعدد طریق سے مروی ہے کہ صالح لوگوں کی ارواح روح اعظم کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہیں اور جہاں تک دوسری قسم کے انجذاب و کشش کا تعلق ہے تو اس کی کوئی تشریح یوں ہے کہ جسموں کا قیامت کے دن دوبارہ اٹھنا اور پھر ان میں ارواح کا واپس آنا نئی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ پہلی دنیاوی زندگی کا نقشہ ہے کہ جیسے بہت زیادہ کھانے کا تہمتہ بدبھمی ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ لوگ پہلے لوگ نہ ہوتے بلکہ ان کے غیر ہوتے اور اپنے افعال پر مانو نہ ہوتے واضح ہو کر بہت سی ایسی چیزیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں۔ مناسب معنوا جسم میں متشکل ہو کر عالم بیداری میں اسی طرح پیش ہوتی ہیں جیسا کہ عالم خواب میں پیش ہوا کرتی ہیں مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے دو فرشتے مدعی اور مدعا علیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ایک جھگڑا فیصلہ کرانے آئے پس داؤد نے جان لیا کہ یہ وہ قصور ہے جو مجھ سے اور یا کی بیوی کے بارے میں سرزد ہوا ہے لہذا انہوں نے مغفرت

مانگی اور تائب ہوئے اور جیسے شب معراج میں نبی کریم ﷺ کے رو برو دو پیا لے پیش کیے گئے ایک شراب کا اور ایک دودھ کا آپ نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا اس واقعہ میں فطرت اور شہوت دو پیالوں کی صورت میں آ کر آپ کی امت کے سامنے ظاہر ہوئی تھی اور آپ کا دودھ کو پسند فرمانا اہل رشد و ہدایت کا فطرت اسلامی کو اختیار کرنا ہے اور آنحضرتؐ اور ابو بکر و عمر کا ایک کنوئیں کی منڈیر پر مل کر بیٹھنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جگہ نہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ بیٹھنا اس امر کا تصور تھا کہ قبر میں یہ تینوں صاحب مجتمع رہیں گے اور یکجا دفن ہوں گے لیکن حضرت عثمانؓ ان سے علیحدہ دفن ہوں گے۔ چنانچہ سعید بن مسیب نے بھی اس معاملہ کی یہی تعبیر بیان فرمائی ہے حشر کے واقعات سمجھنے کے لیے یہ مثالیں کافی ہیں کیونکہ وہاں اکثر واقعات اسی طرح پیش ہوں گے۔

واضح ہو کر لوگوں کے نفوس ناطقہ کا نسہ سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ علوم بعیدہ کے سمجھنے میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مادر زاد اندھا کہ وہ روشنی اور رنگ کا تخیل بھی نہیں کر سکتا اور نہ ان کے تخیل کی خواہش رکھتا ہے البتہ ایک ہمدرد از طویل زمانہ میں مختلف صورتوں اور مثالوں کو سمجھ کر وہ ان کا تخیل قائم کر سکتا ہے اسی طرح ان عالم لوگوں میں بصیرت پیدا کرنے کے لیے حشر میں کچھ واقعات ظہور پذیر ہوں گے چنانچہ جب اول اول نفوس ہوں گے تو ان سے آسان حساب یا مشکل حساب لے کر جزادی جائے گی اور بعض کو ہل صراط سے گزرا جائے گا کچھ تو اس پر سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور کچھ خراشیں اور چوٹیں کھا کر یا اس طرح ہوگا کہ ہر شخص اپنے مقتدا اور امام کے پیچھے جائے گا اور اس کی پیروی میں یا ہلاک ہوگا یا نجات پا جائے گا۔

یا اس طرح ہوگا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے اور وہ نامہ اعمال کو پڑھے گا یا اس طرح ہوگا کہ اس کا بکل ظہور میں آئے گا اور وہ اسے پیٹھ پر اٹھائے گا یا اسے اسی سے داغ دیا جائے گا۔ المختصر یہ سب کچھ جو ظہور میں آئے گا تو اسی کے اعمال و ادراکات اپنی اپنی صورت نوعیہ کے موافق متشکل اور مجسم ہوں گے۔ اور ہر وہ انسان جس کا نفس پختہ اور وسیع اور روح ہوائی فراخ ہو گی تو یہ تمثیلات و تشکلات حشریہ اس کے حق میں خوب اور کامل طور پر ہوں گی۔

اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کو اکثر عذاب قبر ہی میں ہوگا۔ حشر میں بہت سے ایسے امور بھی متشکل ہوں گے۔ جنہیں سب لوگ برابر دیکھیں گے جیسے آنحضرت ﷺ کی نبوت عامہ کی ہدایت حوض کوثر کی شکل میں اور نفوس انسانی کے محفوظ نظام شدہ اعمال ترازو کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہوں گی اسی طرح نعمت الہی نہایت لذیذ کھانے شراب طہور لباس فاخرہ حور مہ جہین اور طہور دل نشین کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اور ظلمات تخلیط سے نجات پا کر نعمت الہی کی طرف آنے کے بہت سے عجیب عجیب طرز ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کا طویل بیان فرمایا ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ نفوس کو نوعی تقاضے کے موافق خواہشات اور تقاضے شہوات ہوں گی اور ان کے موافق نعمت الہی متمثل ہوگی اس کے علاوہ اور بھی خواہشات ہوں گی جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جنت میں داخل ہوا تو ایک جوان لڑکی گندم گوں سرخ لب دکھائی دی میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جعفر بن ابی طالب کی رغبت گندم گوں سرخ لب کی لڑکی کی طرف پائی تو اسی کے موافق یہ لڑکی پیدا کر دی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تو جنت میں جا کر یہ چاہے گا کہ یا قوت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ہر جگہ اڑاتا پھرے تو اسی

وقت یہ بات تجھے حاصل ہو جائے گی ایک اور جگہ ارشاد ہے ایک جہشی شخص اپنے پروردگار سے کاشتکاری کی اجازت چاہے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا تجھے تیری خواہشات کے موافق ہر چیز نہیں دی گئی۔ وہ عرض کرے گا ہاں بے شک دی تو گئی ہے لیکن میں کاشت کاری سے محبت کرتا ہوں تب وہ بوے گا اور جیسے ہی پلٹ کر دیکھے گا تو کھیتی اگ آئے گی اور پک پکا کر کٹ بھی جائے گی اور پکے ہوئے اناج کے پہاڑوں جیسے ڈھیر لگ جائیں گے تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ پھر ان سب چیزوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے مشک کے ٹیلوں پر چڑھ کر فیضیاب ہوں گے۔ اس کے بعد اور بھی ہوگا جسے میں رسول اکرم ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے ذکر نہیں کرتا اور سکوت اختیار کرتا ہوں۔

تیسرا بحث

تدابیر نافعہ کا بیان

باب ۱۸

تدابیر نافعہ کے حصول کی کیفیت

معلوم کرو کہ آدمی کھانے پینے، مجامعت، دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے سایہ میں رہنے موسم سرما میں گرمی کی تلاش میں اور ان کے علاوہ اور تمام ضرورتوں میں اپنے اور ہم جنسوں کے موافق ہے اللہ تعالیٰ کی آدمی کے حال پر یہ بڑی عنایت ہے۔ کہ اس کو طبعی الہامات سے بمقتضائے صورت نوعی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حوائج رفع کرنے کی دقتیں کیونکر دور ہو سکتیں ہیں تمام اس کے ہم جنس افراد اس الہام و تعلیم میں اس کے برابر ہیں۔ اگر کوئی ناقص الخلقیت ہی ہو وہ اس کا مادہ ہی عاصی ہو تو یہ اقدام اس میں نہ ہوں گے ورنہ سب میں عموماً وہ پائے جائیں گے۔ مثلاً خداوند عالم نے شہد کی مکھی کو الہام کیا ہے۔ کہ یوں پھلوں کی رطوبت کو پوسے اس طرح اپنا کھر بنائے تمام مکھیاں اس میں جمع ہوں اس طرح اپنے یعسوب کا اتباع کریں اور شہد کو جمع کریں چڑیا کہ الہام سے بتایا کہ اس طرح غذائی دانوں کو تلاش کرے یوں پانی پر پائے اسی طرح بلی اور شکاری سے ریز کرے پھر جوڑے سے مل کر انڈوں کی پرورش کریں بچوں کو پکادیں ایسے ہی خداوند عالم نے ہر ایک نوع کے لیے ایک شریعت قرار دی ہے جو صورت نوعی کے راہ سے اس نوع کے تمام افراد کے سینوں میں پہونک دی ہے ایسے ہی آدمی کو بھی الہام کیا ہے کہ ان ضرورتوں کے متعلق کیا کیا مفید تدابیر عمل میں آ سکتی ہیں لیکن انسان تدابیر میں جن سے تدابیر کے علاوہ تین امر کا اور اضافہ ہو گیا ہے یہ تینوں امر بھی آدمی کی صورت نوعی کے اقتضا سے ہوتے ہیں جس کو تمام انواع پر فوقیت اور برتری ہے۔

① یہ کہ آدمی کسی رائے فلی اور جامع تحریک سے کسی چیز کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے اور چار پائے صرف طبعی خواہش اور ارادہ سے کسی محسوس یا مسموم غرض کے لیے آمادہ نہ بنایا کرتے ہیں۔ مثلاً کرکشی کی خواہش سے یا تشنگی اور مجامعت کے شوق سے اور آدمی عقلی منفعت کی

وجہ سے اکثر آمادہ ہوتا ہے اس میں کوئی طبعی تحریک نہیں ہوا کرتی وہ بسا اوقات قصد کرتا ہے کہ تمدن کے متعلق کوئی پسندیدہ اور عمدہ انتظام قائم کرے یا اپنے اخلاق کو مکمل کرے اپنے نفس کو مہذب بنائے آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو رہائی دے اپنے وجاہت لوگوں کے دلوں میں راسخ کرے۔

② آدمی اپنی تدابیر میں لطافت اور آدمی علاوہ کار برآری کے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ شے ظاہر النظر میں خوشنما ہو دلی لذائذ اور کیفیات اس میں زیادہ ہوں اس واسطے وہ جمیلہ بیوی لذیذ طعام فاخرہ لباس بلند بلند ایوانوں کا طالب رہتا ہے۔

③ آدمیوں میں بعض بعض دقیقہ شناس اور خردہ بین ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مفید مفید تدابیر کو خود مستبظ کرتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں بھی عقل کی طرح تدابیر کی الجھن پیدا ہوتی ہے۔ لیکن خود ان میں استنباط کی قوت نہیں ہوتی ہے جب وہ حکما کی تدابیر کو دیکھتے ہیں یا ان کی مستبظ باتوں کو سنتے ہیں تو فوراً دل سے ان کو قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ ان امور کو وہ اپنے علم اجمالی کے موافق پاتے ہیں اس لیے خوب استحکام سے ان کو اختیار کر لیتے ہیں آدمی گرسنہ یا تشنہ ہوتا ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز اس کو نہیں ملتی ہے تو نہایت تکلیف کے بعد یہ چیزیں اس کو میسر تو ہو جاتی ہیں تاہم ان سے متمتع ہونے کا کوئی طریقہ نہیں سو جھٹاتے ہی میں اس کو کوئی حکیم مل جاتا ہے جو اسی کی سی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہو اس نے خود غذائی اناجوں کو معلوم کر لیا ہو اس کے لیے تخم ریزی آب رسانی اور کاٹنے کے طریقے استنباط کیے ہوں ان کے کھودنے سے ہوا اور دانے اور وقت ضرورت تک ان کی حفاظت کے طریقے نکالے کنویں کھودنے کا طریق ان موقعوں کے لیے ایجاد کیا جو چشموں اور نہروں سے دور تھے بڑی بڑی خم مشکیں بڑے بڑے پیالے بنائے اور ان امور سے فوائد حاصل کرنے کی راہیں نکالیں اس کے بعد وہ ناواقف شخص غلبہ کو بغیر اصلاح کے استعمال کرتا تھا۔ اور وہ معدے میں غیر منہضم رہ جاتے تھے۔ خام میوؤں کو کھاتا تھا اور ہضم نہ ہوتے تھے اس لیے اس کے قصد و ارادے میں آتا تھا کہ کوئی چیز ان کی اصلاح کے لیے ہوتی لیکن اس کو راہنمائی نہ ہوتی تھی اب اس کی ملاقات ایسے حکیم سے ہو جاتی ہے کہ جس نے پخت و پرداز بریان کرنے کے طریقے ایجاد کیے ہوتے ہیں۔ تو اس سے ایک دوسرا متمتع ہونے کا مفتوح ہو جاتا ہے۔ انہیں امور پر تمام حوائج انسانی کو قیاس کر لو۔

تامل کرنے والے کی نظر میں ایسے ایسے بہت سے مفید امور شہروں میں نئے نئے ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا پہلے ذکر بھی نہ تھا اب وہ مدتوں سے رائج ہو گئے ہیں لوگ ہمیشہ ان کو استعمال میں لاتے ہیں حتیٰ کہ ان الہامی علوم کا جن کو کسب سے مدد پہنچتی رہتی ہے ایک مجموعہ مرتب ہو جاتا ہے لوگ پختگی سے ان اصول کے پابند رہتے ہیں انہیں پران کی زندگی اور موت کا مدار ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان ضروری الہامات کا ان تینوں اشیاء کے ساتھ مل کر تنفس کا سا حال ہے حرکت نبض کی طرح فی الحقیقت سانس لینا بھی ایک ضروری امر ہے۔ لیکن اپنے اختیار سے سانس کو چھوٹا اور بڑا کر سکتے ہیں اور چونکہ یہ تینوں امور سب لوگوں میں ایک سے نہیں ہوتے اس وجہ سے کہ لوگوں کے مزاج اور عقول میں جن کا مقتضایہ ہے کہ رائے کلی کی آمادگی ہو لطافت پسندی ہو امور نافع کا استنباط ہو ان کی پیروی کی جائے بڑا اختلاف ہے اور علیٰ ہذا استدلال اور فکر و خوض کرنے میں سب ایک طرح فارغ دل نہیں ہوتے اور ایسے ہی اور اسباب کی وجہ سے تدابیر نافعہ کی دو

حدیں قرار پاگئی ہیں۔

① ایسے امور ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی جماعتوں میں مثلاً بیابانیوں پہاڑی چوٹیوں کے باشندوں عمدہ ولایتوں کے بعید اطراف میں رہنے والوں میں ان کا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے ان کا تداریک ادنیٰ نام ہے۔

② وہ تداریک ہیں جو ان شہروں، معمور قصبوں اور عمدہ ولایتوں میں قرار دی جاتی ہیں جن کا مقتضایہ ہے کہ کامل الاخلاق لوگوں اور حکماء کی ان میں پیدائش ہو۔ ان آبادیوں میں جماعتوں کی کثرت ہوتی ہے بکثرت ان کو حاجتیں پیش آتی ہیں بہت سی آزمائشوں اور تجربوں کا موقع ملتا ہے اس لیے بڑے بڑے قوانین وضع کیے جاتے ہیں۔ اور استحکام کے ساتھ ان پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ اس حد کا نہایت ذیشان حصہ شاہانہ عملدرآمد کا ہوتا ہے جو پورے عیش و آرام کے لوگ ہیں۔ مختلف فرقوں کے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہتی ہے۔ یہ سلاطین عمدہ عمدہ اصول کو اخذ کرتے رہتے ہیں ان کا نام تداریک شافی ہے اور جب تداریک ثانی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں تو تداریک ثالث کی اس طرح ان سے تولید ہوتی ہے کہ لوگوں میں معاملات باہمی کا دور رہتا ہے پھر ان میں معاملات کی وجہ سے بخل سستی، انکار، طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے اس لیے اختلافات نزاع فساد کی بنیاد لوگوں میں قائم ہو جاتی ہے اور نیز ایسے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن پر ردی نفسانی خواہشیں غالب ہوتی ہیں بعض کی پیدائش میں قتل و غارتگری کی بے باک صفت ہوتی ہے اور نیز مشترک النفع تداریک کا قائم کرنا ایک شخص کا کام بھی نہیں ہوتا ان کے حق میں ایسی تداریک قائم کرنا نہ آسان ہوتا ہے اور نہ دلیری سے وہ اس کو انجام دے سکتے ہیں اس لیے مجبورانہ ان کو ایک بادشاہ کے مقرر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو انصاف سے ان کی باہمی خصوصیتوں کا فیصلہ کرے۔ سرکشوں پر اپنا زعب قائم رکھے دلیروں سے مقابل ہو کر محصول تحصیل کرے اپنے اپنے موقعوں پر اس کو صرف کرے اور ایسے ہی یہ تداریک سوم تداریک چہارم کے شیعہ اور باعث ہوتے ہیں اس لیے کہ جب ہر ملک کا مستقل بادشاہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کو مال گذاری ادا کی جاتی ہے۔ دلیر طبع لوگ اس سے آٹتے ہیں تب ان میں بخل حرص اور کینہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور باہمی فساد بڑھتے بڑھتے جنگ و جدل کی نوبت آ جاتی ہے اس لیے ان میں خلیفہ کے قائم کرنے یا ایسے شخص کی اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا عام تسلط خلافت کبریٰ کا سا ہو۔ خلیفہ سے میری مراد ایک ایسا شخص ہے جس کو اتنی شوکت اور صولت حاصل ہو کہ دوسرے شخص کا اس کے ملک کو دبا لینا ناممکن سا ہو۔ اس کے ملک کا انتزاع جب ہی ہو سکے کہ بکثرت لوگوں کی جماعتیں اتفاق کر لیں کثرت سے یہ لوگ مال صرف کریں اور امر کا اہم کان مد تہائے دراز کے بعد ایک دو شخصوں کو ہوا کرتا ہے۔ خلفاء کی حالت لوگوں اور عادات ملکی کی وجہ سے مختلف ہوا کرتی ہے جن لوگوں کی طبیعت نہایت سخت اور تند ہوتی ہے ان کو بہ نسبت اور کمزور لوگوں کے سلاطین اور خلفاء کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اب ہم ان تداریک نافعہ کے اصول اور ان کے ابواب کی فہرستیں مندرج کرتے ہیں ان کی ایسی پیراستہ جماعتوں کی عقائد نے جانچ کی ہے جن کے عمدہ اخلاق تھے بلا اختلاف ادنیٰ اور اعلیٰ نے ان کو ایک مسلم طریقہ میں تسلیم کر لیا ہے آئندہ ایمانات میں تم کو غور کرنا چاہیے۔



تدابیر اولیٰ کے بیان میں

انہیں تدابیر سے ایک لغت ہے جس سے دلی امور بیان کیے جاتے ہیں لغت کی یہی حقیقت ہے کہ اجسام کے افعال اور ہیئتوں کو کسی نہ کسی آواز سے کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ آوازیں ان اشیاء سے ملی ہوئی ہوتی ہیں یا سبب وغیرہ کا ان دونوں میں علاقہ ہوتا ہے لغت سے اس آواز کو ہو بہو نقل کر دیا کرتے ہیں پھر معانی کے مقابلے میں مختلف صیغے بنا کر اس میں تصرفات کیا کرتے ہیں اور جن امور کا نظروں کے سامنے اثر پڑتا ہے یا نفس کی وجدانی ہیئتوں سے وہ پیدا ہوتے ہیں وہ سب اسی قسم مذکور سے مشابہ کیے جاتے ہیں اور بتکلیف ویسی ہی آوازوں کے لیے بھی بنائے جاتے ہیں اور مشابہت کی وجہ سے یا کسی میل یا کسی علاقہ سے نقل کر لینے کی وجہ سے لغات میں مجازی طور پر وسعت ہو جاتی ہے لغات کے اور اصول بھی ہیں جن کو تم کہیں کہیں ہمارے کلام میں پاسکو گے انہیں تدابیر میں سے زراعت درختوں کا بونا، کنوؤں کا کھودنا، پکانے اور ناخنورث بنانے کی کیفیت بھی ہے اور انہیں میں سے برتنوں اور مشکوں کا بنانا ہے۔

انہیں میں سے بہائم کا مطیع کرنا ان کو اپنے قابو میں رکھنا بھی ہے کہ ان کی سواریوں گوشتوں پوستوں بالوں دودھوں بچوں سے امداد لی جائے۔

انہیں میں سے غار اور مکانات وغیرہ ہیں جو گرمی اور سردی سے لوگوں کو محفوظ رکھیں۔

انہیں میں سے بہائم کی پوست درختوں کے پتوں یا اپنے بنائے ہوئے کپڑوں کا لباس ہے جو کہ پرندوں کے پروں کے قائم مقام ہے۔

انہیں میں سے اپنی منکوہہ کا معین کرنا ہے کہ کوئی دوسرا اس میں مزاحمت نہ کر سکے اس سے نفس رانی کی جائے اپنی نسل اس کے ذریعہ سے بڑھائی جائے اور اپنی خانگی ضرورتوں میں اولاد کی نگرانی اور تربیت میں اس سے مدد لی جائے آدمی کے علاوہ اور حیوانات اپنے جوڑے کو متعین نہیں کر سکتے مگر محض اتفاقہ طور پر یا اس لیے کہ وہ دونوں تواماں ہوں اور بلوغ تک ان میں رفاقت رہی ہو یا اور ایسے ہی اسباب سے۔

اور انہیں تدابیر سے صنعتوں کی راہنمائی ہے جن کے بغیر زراعت کرنا، درختوں کا لگانا، کنوؤں کا کھودنا بہائم سے کام لینا، ممکن نہیں ہے جیسے (دولاب) ڈول، ہل، رسیاں وغیرہ۔

اور انہیں میں سے باہمی مبادلوں کے بعض بعض امور میں باہمی ہمدردی کی راہنمائی ہے۔

اور انہیں میں سے یہ ہے کہ جس شخص کی رائے درست ہو اور اس کے مزاج میں سخت گیری ہو۔ وہ اوروں کو اپنا مسخر بنا کر ان پر ریاست کرے اور ان سے کسی نہ کسی طرح سے چونہ لے۔

اور انہیں سے یہ بھی ہے کہ ان میں مسلم قوانین ہوں جن سے مناقشوں کا فیصلہ ہو سکے اور ان سے ظالموں کی تعدی روکی جائے اس کی مدافعت کی جائے جو ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے۔ ہر قوم میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری ہے وہ لوگوں کی مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرتے ہیں اور لوگوں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی ضروری ہیں جو آراستگی پسند ہوں۔ کسی نہ کسی وجہ سے عیش و آرام اور تن آسانی کے خواہاں ہوں جو اپنے اوصاف شجاعت، فیاضی، خوش بیانی، زیر کی وغیرہ پر نازاں ہوں اور ان کی تمنا یہ ہو کہ ہماری شہرت دور دور پہنچ جائے ان کا مرتبہ بلند ہو۔ خدائے تعالیٰ نے کلام مجید میں بندوں پر اس کا بڑا احسان کیا ہے کہ ان تدابیر کے الہامی شعبوں کو بخوبی بتا دیا ہے اس کو معلوم تھا کہ عموماً ہر قسم کے لوگ احکام قرآنی سے مکلف ہوں گے۔ اور اسی قسم کی تدابیر ہیں جو ان سب میں پائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۲۰

آدابِ معیشت کے بیان میں

آدابِ معیشت حکمت کا ایک شعبہ ہے اس میں ان تدابیر کا بیان ہوتا ہے جو ان ضرورتوں کے متعلق ہیں جن کا بیان حدیثی کے موافق پہلے گزر چکا ہے ان میں اصلی امر یہ ہے کہ تدابیر اولیٰ کو ہر باب میں صحیح تجربہ پر پیش کریں جو جو صورتیں ضرر سے بعید ہیں اور نفع سے قریب ہیں وہی اختیار کی جائیں اور ان آداب کا عمدہ اخلاق سے موازنہ کیا جائے جو کامل المزاج لوگوں کی پیدائش میں ہوا کرتے ہیں جو آداب ان اخلاق کے زیادہ مناسب ہوں وہی اختیار کیے جائیں اور ان کے ماسوا سب ترک کر دیئے جائیں اور نیز ان آداب کا اندازہ حسن معاشرت اور لطف مشارکت سے کیا جائے ان میں وہ مقاصد ملحوظ رکھنے چاہئیں جو رائے کلی سے پیدا ہوں۔ معاش کے اہم مسائل یہ ہیں: کھانے پینے کے آداب، چنے کے، نشست برخاست سونے کے، سفر کرنے کے، قضاے حاجت، ہمبستری، لباس، مکان، ستمرائی، پاکیزگی، آرائش، باہمی گفتگو کے طریقے، آفات کے وقت دواؤں منترؤں کا استعمال، حوادث پیش آنے کے وقت پیش بینی، خوشی و اداۃ، ذبح، عید، مسافروں کے آنے وغیرہ کی خوشی کے موقعوں میں اور ولیموں میں فرحت اور سرور کا اظہار، مصائب میں رنج و غم کا اظہار، مریموں کی عیادت، مردوں کو دفن کرنا جو معصوم شہروں کے باشندوں میں صحیح المزاج لوگ شمار کیے جاتے ہیں ان کا اتفاق ہے کہ ایسی چیزیں نہ کھائی جائیں جن میں پایداری ہو مثلاً جو چیز اپنی موت سے مرگنی ہو یا متعفن ہو اور وہ جانور بھی استعمال نہ کیے جائیں جن کے مزاج میں اعتدال نہ ہو۔ ان کے اخلاق منتظم نہ ہوں یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ برتنوں میں اور دسترخوانوں وغیرہ پر کھانا چٹنا جائے۔ کھانے کے وقت منہ اور ہاتھ پاک کیے جائیں ایسی حالتوں سے احتراز کیا جائے جو اہتمام نہ ہوں۔

ایسے امور کی احتیاط چاہیے جن سے اپنے شرعی و ملی طبیعتوں میں ٹکدر پیدا ہو۔ بدبودار پانی نہ پیا جائے۔ بغیر ہاتھ لگائے

صرف منہ سے پاپیا پے بدحواسی میں بھی پانی نہ پیا جائے۔ اور نیز تمام عمدہ طبیعت کے لوگ اپنے بدن اور کپڑے اور مکان کو دو قسم کی پلیدیوں سے پاک صاف رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اول ان چیزوں سے جن میں گندگی اور بو آتی ہو دوسری ان میل اور چڑکوں سے جو قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ گندہ دہنی کو مسواک سے غالباً دور کرتے ہیں۔ بغل اور زیر ناف کے بالوں کو منڈواتے ہیں کپڑوں کا میلا ہونا اور مکان پر خس و خاشاک کا ہونا نا پسند کرتے ہیں۔ عموماً سب کا اتفاق ہے کہ سب لوگوں کے سامنے آدمی نہایت پاک صاف نظر آئیں۔ لباس درست ہو۔ سر اور داڑھی کے بال شانہ سے صاف رکھے جائیں۔ کوئی عورت جب کسی شخص کے نکاح میں ہو تو خضاب اور زیور سے آراستگی کرتی رہے۔ سب کی نظیر میں برہنگی بے شرمی کی بات ہے اور لباس رونق کی چیز ہے دونوں شرمگاہوں کا کھلا رہنا بھی بے شرمی خیال کی جاتی ہے پورا لباس وہی ہے جس سے تمام بدن چھپا رہے اور نیز مناسب ہے کہ شرمگاہ چھپانے کا لباس جدا ہو اور باقی بدن کا لباس جدا ہو اور یہ بھی اتفاقی امر ہے کہ خواب نجوم نیک فالی کہانت رمل وغیرہ سے آئندہ واقعات کی پیش بینی کی جائے جس شخص کا مزاج معتدل اور ذوق سلیم ہوا کرتا ہے وہ اپنی گفتگو میں ضرورتاً ایسے الفاظ کو استعمال کرتا ہے جن میں وحشت نہ ہو زبان پر وہ گراں معلوم نہ ہو ایسی ایسی تراکیب کو اپنی گفتگو میں وہ پسند کرتا ہے جن میں متانت اور سنجیدگی ہو ایسا طرز کلام اختیار کرتا ہے جس کو لوگ گوش دل سے متوجہ ہو کر سنیں ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی کی میزان ہوا کرتا ہے۔

بہر حال ہر ایک باب میں اجماعی مسائل قرار دیئے گئے ہیں جن کو تمام شہروں نے گو وہ ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر ہوں تسلیم کر لیا ہے اس کے بعد آداب معیشت کے قواعد مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ عالم طبیعت کا واقف طبیخیوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور نجومی ستاروں کی خاصیتوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور البیات کا واقف اخلاص اور احسان کی رعایت کرتا ہے۔ یہ سب امور مذکورہ بالا تمام فرقوں کی تصانیف میں مفصل مذکور ہیں۔ مزاج اور عادات کے اختلاف سے ہر ایک قوم کا لباس اور آداب وغیرہ جدا جدا ہوتے ہیں انہیں سے ان میں باہم امتیاز ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۲۱

تدبیر منزل میں

تدبیر منزل حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں ان روابط اور تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ جو تدابیر کے دوسری حد کے موافق ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتے ہیں۔ اس حکمت کے چار حصے ہیں:

① ازدواج ② ولادت ③ مالک ہونا ④ باہمی صحبت ان تعلقات کی اصل یہ ہے کہ ہمبستری کی ضرورت نے اولاد مرد اور عورت میں ایک تعلق اور رابطہ کو پیدا کیا پھر بچہ پر شفقت والدین باعث ہوئی کہ دونوں مل کر اس کی پرورش میں ایک دوسرے کی اعانت کریں مرد اور عورت کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں تربیت کی جانب عورت کو بہ نسبت مرد کے زیادہ راہنمائی ہوا کرتی ہے۔ نیز

عورت بہ نسبت مرد کے کم عقل ہوتی ہے محنت کے کاموں سے جان چراتی ہے عورت میں شرم کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ خانہ نشینی کی جانب زیادہ مائل رہتی ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ اور حقیر کاموں کی کوشش میں زیادہ ہوشیاری اور ذہانت صرف کرتی ہے بہ نسبت مرد کے اس میں مادہ اطاعت کا بھی زیادہ ہوتا ہے مرد کی رائے میں سنجیدگی زائد ہوتی ہے۔ وہ تنگ و ناموس کے امور کی زیادہ روک تھام کرتا ہے، مشقتوں کے داخل ہونے میں بڑا جری اور دلیر ہوتا ہے، نخوت تسلط غیرت مناقشہ وغیرہ اوصاف اس میں پورے ہوتے ہیں۔ اس واسطے عورت کی زندگی بغیر مرد کے نہیں ہو سکتی۔ اور مرد کے لیے عورت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور چونکہ عورتوں کے باب میں مردوں کی مزاحمت کا اندیشہ ہوا کرتا ہے اور عورتوں کے معاملات میں مردوں کو غیرت ہوا کرتی ہے اس واسطے ان دونوں کی اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے کہ سب کے سامنے علی رؤس الاشہاد مرد کی بیوی مرد کے لیے خاص ہو جائے اور چونکہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ مرد کو عورت کی جانب رغبت ہے اور عورت اپنے ولی کی نظر میں معزز ہے اس لیے مہر اور منہنی اور ولی کی طرف سے سربراہ کاری ضروری قرار دی گئی۔ اگر محارم میں اولیاء کی رغبت تجویز کی جاتی تو عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا ولی عورت کو اس شخص سے روک سکتا تھا۔ جو عورت کی نظر میں مرغوب ہوتا اور نیز عورت کے لیے کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جس سے وہ حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتی حالانکہ اس کو ان حقوق کی نہایت ضرورت ہے اور سوکنوں وغیرہ کے باہمی مناقشوں سے رحم کی حالت بھی خراب رہتی اور نیز سلامت مزاج کا یہ بھی اقتضا ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں جو کہ ہم بستری کی ضرورت کے ذکر کرنے میں حیا آیا کرتی ہے اس واسطے ضروری ہے کہ عروج (عورت کو اپنی طرف مائل کرنا) کے ضمن میں اس حاجت کا ذکر مخفی رہے جو کہ دونوں کے وجود سے مقصود ہے اور شہرت دینے اور عروج دینے کو مدار منزی قرار دینے کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کی اس میں دعوت کی جائے دف بجانے اور خوشی میں اس کا اظہار کیا جائے اور حاصل یہ ہے کہ بہت سی وجوہ سے جن میں سے بعض کو میں نے ذکر کیا ہے اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کے حذف کر دیا نکاح کی یہ حالت کذائی کہ غیر محارم سے نکاح کیا جائے لوگوں کے مجمع میں اس کی تقریب ہو اس سے پہلے مہر اور منہنی ہو انوکا بھی لحاظ رہا جائے اولیاء کی سربراہ کاری ہو ولیمہ کیا جائے لوگوں کا عورتوں پر قبور ہے لوگ ان کی معاش کے مشغل رہیں عورتیں خانگی خدمات میں مصروف رہیں اولاد کی تربیت کرنے میں اطاعت سے رہیں تمام لوگوں کی نظر میں لازمی طریقہ اور مسلمہ امر ہو گیا ہے اور امر فطری ہو گیا ہے جس پر لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے عرب عجم میں کوئی اس میں اختلاف نہیں کرتا اور نیز زن و شوہر میں باہم امانت میں کامل فی کہ دوسرے کی نصرت کو اپنی نصرت اور دوسرے کے نفع کو اپنی نفع خیال کرے جب ہی ہو سکتی ہے کہ دونوں اپنے ذہن میں عزم و مصمم کر لیں کہ نکاح کی ہی حالت میں زندگی بسر کریں گے اور جب ان دونوں میں نہ بنے اور ایک دوسرے سے سرٹھی لریں تو کوئی ایسا طریقہ بھی ضرور ہونا چاہیے جس سے ایک دوسرے کے پیوند سے خلاصی پائیں اگرچہ یہ عہد کی تمام مباح امور میں سے نہایت ہی درجہ بغض ہوا اس لیے طلاق میں خاص خاص قیود اور مدت وغیرہ کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا اور ایسی ہی خاوند کی وفات میں اس قسم کے لحاظات معتبر کیے گئے تاکہ دونوں میں نکاح کا ادب اور وقعت باقی رہے اور دوا می حقوق اور معاہدہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری اور نسبوں میں اشتہاد بھی نہ ہونے پائے اور اولاد کو چونکہ آباء کی ضرورت ہوتی ہے اور باطن آباء کو اپنی

اولاد کی طرف کشش ہوا کرتی ہے اس واسطے ضرورت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسے مفید امور کی مشاقی اور تربیت کرائیں جو فطرۃ ان کے لیے موزوں اور مفید ہیں اور ضرور ہوا کہ اولاد پر آباء کو تقدیم ہو وہ اس لیے بزرگ تسلیم کئے گئے ہیں کہ ان کے عقول اور تجربے مکمل ہوتے ہیں اور اخلاقی تندرستی کا بھی مقتضا یہی ہے کہ احسان کے مقابلے میں احسان کیا جائے اور اولاد کی تربیت میں وہ ایسے ایسے شدا�ت جھیلے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں اس لیے والدین کی خدمت گزاری بھی لازمی طریقہ قرار دیا گیا اور چونکہ لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں اس واسطے یہ بھی ضرور ہے کہ بعض لوگ بالطبع سروری کے قابل ہوں جن میں فراست اور بالطبع بیداری ہو امور معاش میں وہ مستقل ہوں۔ ان میں انتظام اور رفاه عام کا پیدائشی مادہ ہو اور بعض لوگ قدرتی طور پر غلامی کی حالت پر پیدا ہوتے ہیں ان میں حماقت دوسرے کی تابعداری کا ہی مادہ ہوتا ہے جس طرف ان کو کھینچو وہ کھینچے چلے جاتے ہیں لیکن ایسے دونوں شخصوں کی معاش بغیر ایک دوسرے کے مکمل نہیں ہو سکتی اور رنج و آرام میں باہمی ہمدردی آقا اور مملوک میں جب ہی ممکن ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنے اپنے دلوں میں ٹھان لیں کہ اس تعلق کو ہمیشہ قائم رکھیں گے اور نیز بعض اتفاقات ایسے واقع ہوتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو قید کر لیتا ہے یہ حالت اسیری بھی لوگوں میں قابل لحاظ ہے اس سے بھی ایک قسم کا علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا باہم مقید اور قید کرنے والے میں منتظم ہو جایا کرتا ہے اس کے لیے بھی وضع قانون کی ضرورت ہے کہ مالک و مملوک اس کے پابند رہیں اور اس کی فروگزاشت پر قابل نفرین سمجھے جائیں۔

اور اسیری کے بعد فی الجملہ کوئی طریقہ رہائی کا بھی مال یا بغیر مال کے ہونا ضروری ہے۔ نیز لوگوں کو اکثر مصائب اور ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کبھی مرض لاحق ہو جاتا ہے کبھی پائستگی پیش ہوتی ہے کبھی کسی کا حق اس کے متعلق ہوتا ہے بہر حال ایسی ایسی ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کہ بغیر اپنے ابنائے جنس کی دھگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے ایسے عوارض پیش آنے میں سب لوگوں کی حالت یکساں ہے اسی واسطے ضرورت پڑا کرتی ہے کہ لوگوں میں باہم الفت اور میل ہمیشہ قائم رہے اور لوگوں میں مظلوم کی داد رسی اور مصیبت زدہ کی امداد کا طریقہ مسلوک رہے کہ لوگ اس کے متقاضی ہوں اور اس کی فروگزاشت پر نفرین کی جائے اور ضرورتوں کے دو حصے ہوا کرتے ہیں۔ وہ حصہ کہ اس کی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کے ضرر اور نفع کو اپنا ہی ضرر اور نفع سمجھے یہ امر جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ ہر شخص دوسرے کے خلوص و محبت میں پوری طاقت صرف کرے اس کے نفقہ کا اور وراثت کا التزام ہو اکثر امور کی وجہ سے جانہن میں سے ہر شخص کو ایسی ایسی امداد کا التزام کرنا پڑتا ہے تاکہ نقصان کے عوض میں کسی قدر متمتع ہونے کا بھی موقعہ حاصل ہو سکے اس اندازے کے قابل رشتہ داروں کی حالت ہوا کرتی ہے ان کی باہمی محبت اور رفاقت قدرتی امر سا ہوتا ہے۔ ضرورتوں کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت بالا سے کسی قدر ان کا درجہ کم ہوتا ہے اس لیے اہل مصائب کی ہمدردی اور مواسات لوگوں میں مسلم قانون بن گیا ہے اور ان سب میں صلہ رحم کا سب سے زیادہ مضبوطی سے اہتمام کیا جاتا ہے اس خانگی تدابیر کے مہتمم بالشان مسائل یہ ہیں:

① ان اسباب کا دریافت کرنا جو ازواج یا ترکیب ازواج کے باعث ہوتے ہیں۔

② خاوند کے فرائض کہ جن سے معاشرت قائم رہے اور فواحش و ننگ و عار سے اہلیہ کا ناموس محفوظ رہے۔

③ اہلیہ کے فرائض پارسائی خاوند کی اطاعت خانہ داری کی مصلحتوں میں پوری طاقت صرف کرنا۔

④ جب باہم دونوں میں نفرت ہو جائے تو مصالحت کیسی کروائی جائے۔

⑤ طلاق کا طریقہ۔

⑥ خاوند کی وفات کے بعد ماتمی حالت میں بسر کرنا۔

⑦ اولاد کی تربیت۔

⑧ والدین کی خدمات۔

⑨ غلاموں کے انتظام اور نیز احسانات۔

⑩ غلاموں کی اپنے آقاؤں کی خدمت گزاری۔

⑪ آزادی کا طریقہ۔

⑫ رشتہ داروں اور ہمسایوں سے صلہ رحم کرنا۔

⑬ شہر کے حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی اور جو مصائب ان پر طاری ہوں ان کی مدافعت کی کوشش۔

⑭ خاندان کے نقیب کا ادب اور عزت۔

⑮ نقیب کا حالات خاندانی پر نظر رکھنا۔

⑯ ورثہ میں ترکے کی تقسیم۔

⑰ نسبی اور حبسی امور کی پاسداری لوگوں میں سے کسی جماعت کو نہ پاؤ گے کہ ان ابواب کے اصول پر ان کو اعتقاد نہ ہو ان کے

مذہب میں اختلاف ہو ان کے وطن جدا جدا ہوں لیکن ان امور کے قائم کرنے میں سب کو سعی اور کوشش رہتی ہے۔ واللہ اعلم

باب ۲۲

معاملات کے فن میں

یہ حلت کا وہ حصہ ہے جس میں باہمی مبادلوں کا ایک دوسرے کی دیکھ بھری اور پیشوں کا بیان کیا جاتا ہے اس میں اصلی امر یہ ہے کہ جب ضرورتوں کی کثرت ہوئی اور سب ضرورتوں کا مہیا کرنا مطلوب ہو اور یہ قصد کیا گیا کہ ایسی شائستگی سے یہ ضرورتیں سب مہیا کی جائیں کہ جن سے آنکھوں کو تازگی ہو اور دلوں کو لذت معلوم ہوں تو ہر شخص سے اس طرح پران کا سرا انجام حذر ہوا اور بعض لوگوں کے پاس غذا حاجت سے زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے پاس پانی نہیں ہوا کرتا بعض کے پاس پانی حاجت سے زیادہ ہوتا ہے لیکن غذا کافی نہیں ہوتی تو ان صورتوں میں جو مبادلے اور کوئی طریقہ ان کے حصول کا نہیں ہوتا اس لیے باہمی مبادلے ضرورتوں کی

دقتیں رفع کرنے کے لیے قرار دیئے گئے اور ضرورت یہ قرار پایا گیا کہ ہر شخص ایک ایک ضرورت کے سرانجام کی طرف متوجہ ہو اس کو خوب مستحکم کرے اسی کے تمام وسائل کے مہیا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی اور ضرورتوں کو مبادلوں کی وجہ سے اسی ذریعہ سے رفع کرے سب لوگوں کی نظر میں یہ ایک مسلم قانون ہو گیا ہے۔ اکثر لوگوں کو کسی خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے یا کسی چیز سے بے رغبتی ہوتی ہے لیکن اس حالت میں ایسا کوئی شخص نہیں ملا کرتا جس سے معاملہ کیجیے اور جو کہ پہلے ہی سے ایسے امور کے سرانجام کی ضرورت پڑا کرتی ہے اس لیے سب لوگوں نے قرار دیا کہ معدنی جوہروں کو ان اغراض کے لیے معین کر لیں یہ جوہر زیادہ دیر پا ہیں۔ انہی سے داد و ستد کرنا سب کی نظر میں مسلم ہو گیا ہے اور ان معدنی جوہروں میں سے سونا اور چاندی زیادہ موزوں تھے اس لیے کہ ان کا حجم چھوٹا ہوتا ہے اور ان دونوں کے اقسام بھی یکساں ہوتے ہیں اور بدن انسانی کے لیے وہ نافع بھی بہت ہیں ان سے آرائش بھی ہوتی ہے تو گویا یہ دونوں قدرتی طور پر نقد تھے اور معدنی چیزیں قرار دینے سے نقد ہو جاتی ہیں۔

کسی کے اصول میں سے زراعت ہے اور چار پایوں کو چرانا اور بروہر کے مباح مالوں معدنیات نباتات حیوانات کا جمع کرنا ہے یا بخاری آہنگری بوریا بانی وغیرہ کی دستکاریاں ہیں جن کے ذریعہ سے قدرتی جوہروں کو اس قابل کر لیتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے اور اغراض میں استعمال کرنے کے لائق ہو جائیں ان کے بعد تجارت پیشہ ہو گیا پھر ملکی مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ قرار دیا گیا اس کے بعد اور تمام انسانی ضرورتوں کا مہیا کرنا پیشہ ہو گیا۔ لوگ جتنی ترقی کرتے جاتے ہیں اور لذائذ اور عیش و آرام کو جتنا زیادہ بڑھاتے جاتے ہیں اسی قدر مطالب کے اطراف و جوانب اور تعلقات روز بروز پھیلتے جاتے ہیں ہر شخص کا کسی خاص پیشے سے تعلق دو وجہوں سے ہوا کرتا ہے۔

① قوتوں کی مناسبت سے مثلاً شجاع و دلیر آدمی فنون جنگ کے مناسب ہوتا ہے اور زیرک قوی الحافظہ حساب کتاب کے لیے اور نہایت توانا بار برداری کے لیے اور مشقت و محنت کے کاموں کے لیے۔

② موجودہ اتفاقات کی وجہ سے مثلاً آہنگر کے بیٹے اور ہمسائے کے لیے آہنگری کا پیشہ جیسا آسان ہو سکتا ہے دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا اور کنارہ دریا کے باشندوں کے لیے مچھلی کا شکار جیسا آسان ہو سکتا ہے۔ دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اکثر لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ مطالب کے عمدہ طریقوں کا اختیار کرنا ان کو دشوار ہوتا ہے اس لیے وہ ایسے پیشے اختیار کر لیا کرتے ہیں جو ملک کے لیے ضرور رساں ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً چوری، قمار بازی، مبادلہ کی بھی صورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں مبادلہ کبھی شے کا شے سے ہوتا ہے جیسے کہ خرید و فروخت اور کبھی کسی شے کو دے کر اس کے بدلے میں منفعت حاصل کر لیا کرتے ہیں اس کو مزدوری کہتے ہیں اور چونکہ ملک کا انتظام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا ہے کہ لوگوں میں باہم ہمدردی اور الفت پیدا ہو اور الفت کا مقتضا ہوتا ہے کہ ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے فیاضانہ طور پر دی جایا کریں اس لیے بہ اور رعایت کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور ہمدردی کا مقتضایہ بھی ہے کہ حاجتمندوں اور فقیروں کی کار بر آری کی جائے اس لیے صدقہ اور خیرات کا طریقہ مقرر ہوا ہے۔

سلسلہ اسباب کی وجہ سے سب لوگ یکساں حالت میں نہیں ہوتے بعض احمق ہوتے ہیں اور بعض کار گزار بعض مفلس اور بعض تو نگر

بعضوں کو کچھ عار نہیں ہوتی بعض لوگوں پر ضرورتوں کا جھوم ہوتا ہے اور بعض فارغ البال ہوتے ہیں اس لیے ہر ایک کی معاش کا پورا سامان جب ہی ہو سکتا ہے کہ دوسرے کی جانب سے اعانت ہو اور بغیر عقد اور شرائط کے اور بغیر اس کے کہ سب مل کر ایک طریقہ مقرر کر لیں اعانت ہو نہیں سکتی اس لیے مزارعت، مضاربیت، شرکت وکیل مقرر کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ضرورتوں کی وجہ سے قرض لینا پڑتا ہے و دیعت رکھنی ہوتی ہے اور اس میں تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خیانت، انکار، سستی کیا کرتے ہیں۔ اس لیے گواہوں، تحریر دستاویزات، رہن، کفالت حوالہ کی حاجت ہوا کرتی ہے اور لوگ جتنے خوشحال اور آسودہ ہوتے ہیں اتنے ہی اعانتوں کے اقسام پھیلتے جاتے ہیں لوگوں میں سے تم کوئی فرقہ ایسا نہ پاؤ گے جو ان معاملات کا برتاؤ نہ کرتے ہوں اور انصاف اور رحم میں تمیز نہ کرتے ہوں۔ واللہ اعلم

باب ۲۳

سیاستِ مدن کے بیان میں

سیاستِ مدن حکمت کے اس حصہ کا نام ہے جس میں ان تعلقات کے حفظان کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو باہم اہالیانِ شہر کے مابین ہوا کرتے ہیں۔ شہر سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو قریب قریب آباد ہوں ان میں باہم معاملات ہوتے رہیں اور جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں۔ سیاستِ مدن میں اصلی امر یہ ہے کہ تعلقات کی وجہ سے شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے جس کی ترکیب اجزاء اور مجموعی ہیئت سے ہوتی ہے ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اس کے مادہ یا صورت میں کوئی نقصان اور خرابی پیدا ہو جائے اس کو کوئی مرض ہو جائے یعنی اس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ نوعی احکام کے لیے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مرکب صحت کی حالت میں رہے یعنی وہ اپنی ذاتی رونقوں اور خوبیوں کی وجہ سے مکمل حالت میں ہو۔ چونکہ شہر میں بڑی بڑی جماعتوں کا مجمع ہوا کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ سب کے سب اس پر متفق الرائے ہو جائیں کہ راہِ راست کی حفاظت میں مجموعی کوشش کریں اور بغیر کسی ممتاز منصب اور رتبے کے ایک دوسری کی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا اس سے جنگ و جدل کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے شہر کا پورا انتظام جب ہی ہو سکتا ہے کہ تمام اہل حل و عقد ایک شخص کو اپنا آقا قرار دیں وہ پر شوکت ہو اعران و انصار کی ایک جماعت اس کے ہمراہ ہو جو لوگ نہایت تنگ دل تیز مزاج خوریزی اور غصہ میں بے باک ہوں گے ان کو سیاست کی ضرورت اور اس سے زیادہ ہوگی سیاستِ مدن میں بڑی خرابی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بد ذات لوگوں کی ایک جماعت جن کو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشوں اور راہِ راست کے ترک کرنے پر متفق ہو جائے ایسا اتفاق کئی طرح پر ہوتا ہے۔

① لوگوں کے مال و متاع کی طمع سے جیسے راہزن لوگ۔

② لوگوں کو غصہ اور کینے کے سبب سے ضرور سامانی۔

③ ملک اور حکمرانی کی آرزو جس کی وجہ سے لوگوں کے جمع کرنے اور جنگ قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی خرابی کا باعث ظالم شخص کا کسی کو مار ڈالنا یا زخمی کرنا یا زد و کوب کرنا ہے یا کسی شخص کی اہلیہ میں مزاحمت کرنا اس کی بیٹیوں اور بہنوں کی ناحق طمع کرنا۔ یا کسی کا مال علانیہ غصب کرنا۔ یا چوری سے لے لینا یا کسی شخص کی بے آبروئی کرنا اس کو کسی قابل ملامت قبیح امر سے منسوب کرنا۔ یا سختی سے گنتگو کرنا اور نیز ان کاموں سے بھی خرابی ہوا کرتی ہے جو شہر کے لیے مخفی طور پر مضر ہوتی ہے۔ جیسے بے خبر زہر خورانی، لوگوں کو فساد کرنے کی ترغیب و تعلیم دینی، بادشاہ کے مقابلے میں رعیت کو اور آقا کی نسبت غلام کو اور شوہر کے حق میں اہلیہ کو مکرو فریب پر آمادہ کرنا اور نیز تمدن کے خلاف وہ خراب عادات ہیں جن سے اہم ملکی منافعتیں تلف ہو جاتی ہیں جیسے کہ لواطت، نکاح بالید چار پایوں سے مجامعت کرنا یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں یا وہ عادات ہیں جو فطرت سلیم کے مقتضا کے خلاف ہوتے ہیں جیسے مرد ہو کر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کو مردانہ روش اختیار کرنی۔ یا ان عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کسی عورت سے کوئی خصوصیت نہ ہو اور چند لوگ اس سے تعلق پیدا کر کے ایک دوسرے کی مزاحمت اختیار کریں شراب کی کثرت بھی ایسی ہی مذموم عادت ہے اور بعض معاملات ایسے ہوا کرتے ہیں جن سے تمدن کو مضرت پہنچتی ہے۔ جیسے قمار، دونا دونا سود کھانا، رشوت لینا، پیمانہ اور وزن میں کمی کرنا، کسی جنس میں عیب کو مخفی رکھنا، تاجروں سے شہر کے باہر ہی باہر مال خرید لینا، غلہ کو بند کر رکھنا، خود خریداری کا قصد نہ ہو اور مال کی تعریف کر کر کے دوسرے کو دھوکہ دینے کو قیمت بڑھا دینا اور ایسے ہی باہمی مقدمات ہیں جن میں ہر ایک شخص مشتبہ دلیل پیش کرتا ہو اور ان کا صاف صاف حال معلوم نہ ہوتا ہو۔ اس وجہ سے دلائل، قسموں، دستاویزات، قرائن، واقعات وغیرہ کی ضرورت پڑا کرتی ہے اور راہ راست پر ان کو لانا پڑتا ہے۔ ترجیح حق کی وجہ ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ فریقین کے مکائد وغیرہ معلوم کیے جاتے ہیں۔

اور شہریت کے لیے یہ بھی مضر ہے کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کر لیں یا کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا سب ایسے مکاسب پر جھک پڑیں جن سے تمدن کو نقصان پہنچے۔ مثلاً زراعت چھوڑ کر سب تجارت پیشہ ہو جائیں۔ یا اکثر لوگ لڑائی کا پیشہ اختیار کر لیں۔ مناسب یہی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دیئے جائیں اور دستکار، تاجر، محافظین ملک بجائے نمک کے سمجھے جائیں جن سے گویا غذا کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ مضر درندوں اور موذی پرندوں کا بھی پھلنا باعث ابتری ہوتا ہے ان کے فنا کرنے کی بھی کوشش ہونی چاہیے اور شہر کی پوری حفاظت ان عمارتوں کے بنانے سے ہوتی ہے جن میں سب کا مشترک نفع ہو مثلاً شہر پناہیں، سرائیں، قلعہ جات، سرحدیں، بازار، پلیں وغیرہ اور ایسے ہی کنوؤں کا کھدوانا، چشموں کا نکالنا، کشتیوں کا دریا کے کنارے پر فراہم کرنا ہے اور نیز سودا گروں کو مانوس و مالوف کر کے اس پر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں۔ شہر والوں کو سمجھا دینا کہ مسافروں سے خوش معاملگی کریں اس کی وجہ سے سودا گروں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا کہ کوئی زمین کاشت سے چھوٹی نہ رہے۔ دستکار یوں پر تاکید کرنا کہ چیزوں کو عمدہ اور خوب مضبوط بنائیں شہر والوں کو فضائل کے تحصیل پر آمادہ رکھنا۔ علم خط حساب تاریخ طب اور پیش بینی کے عمدہ طریقوں کی تکمیل کروانا۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ شہر کے تمام حالات کی اطلاع ملتی رہے تاکہ مفسد اور خیر اندیش کا حال معلوم ہوتا رہے۔ اگر کسی محتاج کا حال معلوم ہو تو اعانت ہو سکے اگر کوئی عمدہ دستکار ہے تو اس

سے مدد لی جائے اور اس زمانے میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے باعث ہیں:

① لوگوں پر بیت المال کو تنگ کر دینا۔ غازیوں اور ان علماء کی جن کا بیت المال میں حق ہے اور ان شعراء زہاد وغیرہ کی جن کے ساتھ سلاطین مسلوک ہوا کرتے ہیں یہ عادت ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنا طریق معاش بیت المال کو سمجھ رکھا ہے یہ لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے ان کا گزارہ بیت المال سے ہوتا ہے۔ اس لیے یکے بعد دیگرے یہ لوگ بڑھتے جاتے ہیں اور باعث تنقص ہو کر شہر پر ایک بار سا ہو جاتے ہیں۔

② وجہ مزارعین اور سوداگروں اور پیشہوروں پر بڑے بڑے ٹیکس مقرر کرنا ویرانی کا بڑا باعث ہے اس کی وجہ سے فرمانبردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت ہو جاتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت محافطین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے اہل زمانہ کو اس نکتہ سے واقف رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم

باب ۲۴

بادشاہوں کی سیرت میں

بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ پسندیدہ اخلاق سے موصوف ہو ورنہ وہ شہر پر بار ہو جائے گا اگر اس میں شجاعت نہ ہوگی تو وہ اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ رعیت اس کو ذلت کی آنکھ سے دیکھے گی۔ اگر اس میں علم کی صنعت نہ ہوگی تو وہ سطوت سے ان کو بر باد کر دے گا۔ اگر حکیم نہ ہوگا تو مناسب تدابیر کو مستنبط نہ کر سکے گا بادشاہ کو چاہیے کہ عقلمند بالغ آزاد مرد ہو ذی عقل ہو۔ مینا شنوا اور گویا ہو لوگ اس کی اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں اس کے آباؤ اجداد کے عمدہ فضائل کو لوگ دیکھ چکے ہیں اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالحوں کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور تمام فرقوں نے اس پر اتفاق کیا ہے ان کے شہروں میں کیسا ہی بعد کیوں نہ ہو اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں اس لیے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر امور بالا کے مکمل نہیں ہو سکتی اگر بادشاہ ان امور میں فرو گذاشت کرے گا تو لوگ اس کو خلاف مقصود جانیں گے اور اس سے بیزار ہو جائیں گے اور اگر خاموش بھی رہیں گے تو درپردہ ان کی طبیعتوں میں غصہ بھرا رہے گا۔ اور بادشاہ کو مناسب ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں اپنے اعزاز کو پیدا کرے اور پھر اعزاز باقی رکھنے کا اہتمام کرے مناسب تدابیر سے ان امور کا تدارک کرتا رہے جو اس کی شان کے منافی ہوں اور اس سے سرزد ہوں جو بادشاہ اپنے جاہ مرتبے کو قائم رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ ان اعلیٰ ترین اخلاق سے اپنے آپ کو پیراستہ کرے جو اس کے مرتبہ ریاست کے شایان ہوں مثلاً شجاعت و ملت سے فیاضی سے زیادتی کرنے کی حالت میں معافی عام منفعت کے اہتمام میں ان کرتبوں کا کلی ظ رکھے جن کو کہ صیاد و شکاری جانوروں سے صید کرنے میں کیا کرتا ہے۔ صیاد جب نیتان میں جاتا ہے تو آہوؤں کو دیکھ کر ان صورتوں کو

سوچتا ہے جو آہوؤں کی طبیعتوں اور عادتوں کے مناسب ہوا کرتے ہیں انہیں صورتوں کے لیے وہ آمادہ ہوتا ہے پھر دور سے ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے ان کی آنکھوں اور کانوں کی طرف سے نگاہ کو نیچا کر لیتا ہے آہوؤں کی جانب سے جب اس کو ذرا سا بھی کھٹکا معلوم ہوتا ہے تو فوراً جم کر ایسا کھڑا ہو جاتا ہے جیسے پتھر ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی اور جب اس کو کسی قدر غافل پاتا ہے تو نہایت نرمی اور آہستگی سے آگے کو بڑھتا ہے کبھی اس کو نغمہ سے خوش کرتا ہے کبھی اس کے سامنے ایسا چارہ ڈالتا ہے جس کو وہ بہت پسند کرتا ہو اور بادشاہ خود بھی بالطبع فیاض ہو فیاضی سے اس کی غرض لوگوں کا صید کرنا نہ ہونعمتوں سے منعم کی محبت دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور محبت کی زنجیر آہنی زنجیر سے زیادہ سخت ہوا کرتی ہے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے تو اس کو مناسب ہے کہ ایسا لباس 'گفتگو' ادب اختیار کرے جس کی جانب لوگوں کے دلوں کو کشش ہو۔ اور آہستہ آہستہ ان سے قریب ہوتا جائے اور اخلاص و محبت کو بغیر لاف و گراف کے ان پر ظاہر کرے کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے وہ سمجھ جائیں کہ یہ مہربانیاں صرف ان کے شکار کرنے کو ہیں اور خوب ان کی دل نشین کر دے کہ اس کا مثل ان کے حق میں ناممکن ہے اور جب تک لوگوں کے دلوں میں اس کی فضیلت اور فوقیت خوب بیٹھ نہ جائے برابر اسی کوشش میں اس کو رہنا چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ ان کے سینوں میں بادشاہی محبت اور تعظیم بھر گئی ہے ان کے اعضاء میں نیاز مندی اور فروتنی سرایت کر گئی ہے اب بادشاہ کو ان سب امور کی نگرانی چاہیے۔ کوئی امر ایسا پیش نہ آئے جس کی وجہ سے ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو۔ اگر بالفرض کوئی کوتاہی پیش بھی آجائے تو فوراً اس کا تدارک کر دے ان پر لطف و احسان کرے اور ظاہر کر دے کہ جو کچھ عمل میں آیا ہے بمقتضائے حکمت عملی آیا ہے۔ یہ ان کے فائدے کے لیے ہوا ہے نہ مضرت کے لیے اور ان سب امور کے بعد بادشاہ کو اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سرکشوں سے انتقام لے جس شخص کا اس کو حال معلوم ہو کہ اس نے جنگ میں یا خراج وصول کرنے یا کسی اور تدبیر میں کوئی کار نمایاں کیا ہے تو اس پر زیادہ داد و دہش کرے اس کے مرتبہ کو بلند کرے اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آئے اور جس شخص کی خیانت تخلف یا فرمانی بادشاہ کو معلوم ہو۔ اس کے وظیفہ کو گھٹا دینا چاہیے اس کے مزے کو کم کر دینا چاہیے اس سے ترش روئی کرنی چاہیے اور بادشاہ کو بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ تو نگری کی بھی ضرورت ہے اور بادشاہ کو مناسب ہے کہ لوگوں کو زیادہ تنگ نہ کرے مردہ زمینوں کو زندہ کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے اور دو جانب کی حمایت اور حفاظت نہ کرے۔ اور اگر کسی سے نہایت سخت تیرن کرے تو پہلے اہل حل و عقد کو ثابت کر دے۔ کہ یہ اسی کا مستحق ہے مصلحت کلی اسی کی مقتضی ہے اور بادشاہ کو چاہیے کہ اس میں نہایت فراست کا مادہ ہو دلوں کے راز سمجھ سکتا ہو اس میں ایسی زیرکی ہو کہ اس کے گمان ایسے ٹھیک ہوں جیسا کہ کسی چیز کو دیکھا رہا ہے یا سن رہا ہے اور بادشاہ کے لیے ضرور ہے کہ ضروری امر کو کل پر نہ چھوڑے اور اگر رعیت میں سے کسی کو ایسا پائے کہ اس کے دل میں بادشاہ کی جانب سے عداوت ہو تو جب تک اس کو برہم نہ کر دے اور اس کی طاقت کو ضعیف نہ کر دے اس کو تسلی نہ ہو۔ واللہ اعلم



اپنے اعوان و انصار کی سیاست کے بیان میں

جب بادشاہ خود ان تمدن کی مصلحتوں کا کار پرداز نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ ہر ایک کام کے لیے اس کے پاس معاون ہوں۔ معاونین میں یہ شرط ہے کہ ان میں امانت کی صفت ہو اور جو خدمت ان کے متعلق کی گئی ہے وہ اس کی بجا آوری کر سکیں اور بادشاہ کے ظاہر و باطن میں فرمانبردار اور مخلص ہوں۔ جس معاون میں یہ صفت نہ ہوگی وہ معزول کرنے کے لائق ہے اگر بادشاہ اس کے معزول کرنے میں سستی کرے گا تو گویا وہ شہر کے ساتھ بددیانتی کرے گا اور اپنی حالت کو خراب کر دے گا اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنا معاون نہ بنائے جن کا معزول کرنا دشوار ہو یا قرابت وغیرہ کے سبب سے وہ ملکی حق دار سمجھے جاتے ہوں۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کا معزول کرنا بھی نازیبا ہوا کرتا ہے اور بادشاہ اپنے مخلصین کی بخوبی تمیز رکھے بعض لوگ تو کسی بیم یا امید کے لیے اخلاص ظاہر کیا کرتے ہیں ایسے لوگوں کو کسی حیلہ اور ذریعے سے اپنی طرف مائل رکھنا چاہیے اور بعض بے غرضانہ بادشاہ کے مخلص ہوا کرتے ہیں بادشاہ کا نفع ان ہی کا نفع اور اس کا نقصان ان کا نقصان ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں کی محبت صاف بے غل و غش ہوتی ہے۔ ہر شخص کی ایک خاص پیدائشی طبیعت اور ایک خاص عادت ہوتی ہے جس کا وہ عادی ہوا کرتا ہے اور بادشاہ کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہر شخص کی حیثیت اور حالت سے زیادہ خدمت کی توقع نہ رکھے معاونین کی خدمتیں مختلف ہوا کرتی ہیں ان میں سے ایک حصہ مخالفین کی شر سے ملک کی پاسبانی کرتا ہے ان کی ایسی مثال ہے۔ جیسے کہ بدن انسانی میں ہاتھ ہتھیاروں کو تھامے ہوئے اور ایک حصہ شہر کی تدابیر کا منتظم رہتا ہے۔ جیسے بدن انسانی میں مدبر قوتیں اور ایک حصہ ملکی مشیروں کا ہوتا ہے جیسے آدمی کے لیے عقل اور حواس بادشاہ کا فرض ہے کہ روزانہ معاونین کی حالت کو دریافت کر کے تمام واقعات اصلاح اور خرابی کو معلوم کرتا رہے اور چونکہ بادشاہ اور تمام کا رکن شہر کی مفید خدمتوں میں مصروف رہتے ہیں اس لیے شہر کو ان مصارف کی کفالت کرنی چاہیے اور ضرور ہے کہ وہ ایک اور خراج جمع کرنے میں ایسا راہ راست اختیار کیا جائے جس میں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے اور حوائج کے لیے کافی ہو جائے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر شخص اور ہر ایک مال سے نیس وصول کیا جائے اور تمام مشرقی اور مغربی قوموں کے سلاطین نے خاص لحاظ کر کے اتفاق کیا ہے کہ مال داروں اور پلوں سے محصول وصول کیا جائے اور ان مالوں سے جو ترقی پذیر ہیں جیسے نسل والے چہار پائے اور زراعت و تجارت اگر بھی زیادہ خراج لینے کی نہ درت ہوتی ہے تو پیشہوروں سے وصول کیا جاتا ہے اور بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ لشکروں کی سیاست اس طرح لے کرے جیسے ایک ماہر شہسوار گھوڑے کی درستی کرتا ہے وہ ہر ایک قسم کی چال پویہ و ز قدم سے واقف ہوتا ہے۔ گھوڑے کی تمام بری عادات تو سنی وغیرہ کو بخوبی جانتا ہے چابک لاکار نے مہمیز وغیرہ سے بخوبی تنبیہ کرنے کو سمجھتا ہے اور خوب ان امور کا لحاظ رکھتا ہے جب کوئی نا پسندیدہ حرکت دیکھتا ہے یا پسندیدہ حرکت کو ترک کرتا ہے تو اس کو اس طرح تنبیہ کرتا ہے کہ اس کی طبیعت اس کو قبول کر لیتی ہے اور اس سے اس کی تندگی فرو ہو جاتی ہے۔ اس تنبیہ میں شہسوار کو یہ لحاظ رہتا ہے کہ اس کی طبیعت پریشان نہ ہو جائے اور جس

وجہ سے اس کو مارا ہے۔ اس کو نہ سمجھ سکے اور جس امر کو وہ گھوڑے کے سامنے پیش کرتا ہے اس کی صورت گویا اس کے سامنے کھڑی کر دیتا ہے اور خوب اس کے دل میں بٹھا دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں سزا کا خوف جمادیتا ہے اور جب غرض کے موافق اس سے بخوبی کام ہونے لگتے ہیں تو وہ اس کی مشاقی کو جب تک ترک نہیں کرتا کہ جب تک یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اغراض مطلوبہ اس کی طبیعت اور عادت ہوگئی ہیں اور اس کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر روک ٹوک نہ کی جائے گی تو خلاف اغراض کی طرف میلان نہ کرے گا ایسے ہی لشکروں کے منتظم پر بھی یہ ضرور ہے کہ مقصود طریقوں کو خوب پہچان سکے کہ کون کون سے امور کرنے کے قابل ہیں اور کون سے امور نہ کرنے کے لائق اور ان امور سے بھی واقفیت ہو کہ جن سے لشکریوں کو متنبہ کرتے ہیں اور منتظم کو چاہیے کہ ان امور کو کبھی ترک نہ کرے اور معاونین کی تعداد محدود نہیں ہے شہر کی جتنی ضرورتیں ہوتی ہیں ان ہی کے موافق معاونین کی تعداد ہوا کرتی ہے کبھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک کام کے لیے دو معاون ضروری ہوتے ہیں اور کبھی دو خدمتوں کے لیے ایک ہی معاون کافی ہوتا ہے لیکن اصلی معاون پانچ قسم کے ہوتے ہیں اول قاضی قاضی میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں کہ آزاد ہو، مرد بالغ اور عاقل ہو پوری طرح پر اپنی خدمت کو انجام دے سکے معاملات کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو ان کمروں سے خوب واقف ہو کہ اثناے خصوصیت میں مدعی مدعا علیہ کیا کرتے ہیں اس میں صفت سختی اور حلم کی ہو اور دونوں پر خوب غور کرے۔ اور دوسرا امیر لشکر، امیر لشکر کو چاہیے کہ سامان جنگ اور دلیر طبع اور شجاعت پیشہ لوگوں میں باہم الفت قائم رکھے اور خوب جانتا ہو کہ ہر شخص کو کہاں تک نفع پہنچ سکتا ہے لشکروں کی ترتیب جاسوسوں کے مقرر کرنے کی کیفیت اس کو خوب معلوم ہو اور مخالفین کی کیدوں سے بخوبی آگاہ ہو۔ اور تیسرا منتظم شہر، منتظم شہر کا تجربہ کار ہونا چاہیے جو شہر کی درستی اور خرابی کے طریقوں سے خوب واقف ہو۔ اس میں سختی کے ساتھ حلم بھی ہو اور ایسے خاندان کا ہو جو ناپسندیدہ امر کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں اور منتظم شہر کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہر قوم کے لیے انہیں میں سے ایک نقیب مقرر کرے جو اس قوم کے حالات سے پورا واقف ہو اس نقیب کے ذریعہ سے اس قوم کے تمام حالات منتظم رہ سکتے ہیں اور اس قوم کی حالت کی دار و گیر اس نقیب کے ذریعہ سے کی جاسکتی ہے اور چوتھا عامل عامل کو چاہیے کہ مالوں پر محصول لینے کی کیفیت سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ مستحق لوگوں پر اس آمدنی کو کیسے تقسیم کر سکتے ہیں اور پانچواں وکیل جو بادشاہ کے تمام ان امور کا متکفل ہو جو اس کے معاش کے متعلق ہیں اس لیے کہ بادشاہ احوال ملکی کی وجہ سے اپنی اصلاح معاش کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔



منافع چہارم کے بیان میں

یہ حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں شہروں کے حکام اور بادشاہوں کی حکمرانی کا بیان کیا جاتا ہے اور ان تعققات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو مختلف اقالیم کے باشندوں کے مابین ہوا کرتے ہیں۔ جب ہر ایک بادشاہ اپنے اپنے شہر پر بالاستقلال حکومت کرتا ہے ہر ایک کو مالی حصہ ملتا ہے دلیر طبع لوگوں کی جماعتیں اس سے آملتی ہیں تو مزاجوں کے اختلاف اور استعدادوں کی یکساں حالت نہ ہونے سے ان میں جو رو تعدی کا مادہ آ جاتا ہے اور راہنمائی کے راستے کو ترک کر کے ایک دوسرے کے شہر چھین لینے کی طمع کرتے ہیں جزئی خیالات اس کے باعث ہوتے ہیں مثلاً کسی کو مالی خواہش ہوتی ہے کسی کو اراضی کے یا صرف رشک و حسد کے سبب سے ان میں باہمی رنجشیں پیدا ہو کر نوبت جنگ و جدال کی آیا کرتی ہے جب باہم بادشاہوں میں یہ خرنشے بڑھتے رہتے ہیں اس لیے ان امور کی اصلاح کے لیے خلیفہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ خلیفہ سے ایسا شخص مراد ہے جس کے قبضہ میں اتنے لشکر اور سامان ہوں کہ دوسرے شخص کا اس سے ملک لینا بمنزلہ ناممکن کے ہو ایسے شخص سے ملک کو لینا جب ہی ممکن ہوتا ہے کہ نہایت درجہ کوشش اور محنت کی جائے بہت سی جماعتیں متفق ہوں بکثرت مال صرف کیا جائے۔ ایسا اہتمام لوگوں سے نہیں بن پڑتا عداۃ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ جب خلیفہ قرار پا جاتا ہے اور ملک میں اپنی عمدہ سیرت کا وہ عملدرآمد کرتا ہے اور تمام زبردست لوگ اور شاہ اس کے فرمان پذیر ہوتے ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہو جاتی ہے شہروں اور لوگوں میں خاموشی پیدا ہو جاتی ہے ان مضرتوں کے دور کرنے کے لیے جو لوگوں کو درندہ طبیعتوں سے پہنچتے ہیں کہ ان کے مالوں کو وہ تاخت و تاراج کرتے ہیں ان کی اولادوں کو اسیر کر لیتے ہیں ان کے ننگ و ناموس کی پردہ دری کرتے ہیں خلیفہ کو جنگ کرنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے اسی ضرورت کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا ﴿اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (ہمارے لیے ایک بادشاہ کو بھیج دے کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں) ابتداءً جب نفسانی خواہشوں یا درندوں کی یہ تہمت پیدا کر لینے سے لوگوں کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور وہ ملک میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ تو باوجود اس کے کہ انبیاء کے ذریعہ سے خدا سبحانہ الہام فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا رعب داب اٹھا دیا جائے۔ اور ان میں بھی جو بالکل قابل اصلاح نہ ہو وہ قتل کر دیا جائے اس قسم کے لوگ نوع انسانی میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی عضو اکڑ (کن) کی یہ ری سے ماؤف ہو جائے ﴿لَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بِنَفْسِهِمْ بِنَفْسٍ لَّهْلُمَّتْ ضَوَامِعُ وَبِيعُ﴾ (اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے دفع نہ کرے تو تمام کلیہ یا اور عبادت خانے منہدم کر دیے جائیں) میں اسی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ (ان سے جب تک لڑو کہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو) اور خلیفہ بغیر مالی طاقت اور لوگوں کی زبردست ہمتوں کے بادشاہوں سے مقابلہ کر کے ان کے رعب داب کو اٹھا نہیں سکتا ہے۔ اور ان امور کے لیے ضرور ہے کہ خلیفہ ان اسباب سے واقف ہو جو جنگ و صلح کے مقتضی ہوا کرتے ہیں خراج اور جزیہ لگانے کے طریقوں کو جانتا ہو اس کو اس

میں تامل کرنا چاہیے کہ مقابلے سے کیا مقصود ہے کسی ظلم کا دفع کرنا ہے یا ناپاک درندوں کی سی طباع کا تباہ کرنا جن کی اصلاح سے بالکل مایوسی ہو یا ان لوگوں کے رعب و داب کو گھٹانا جو ناپاک کی میں پہلوں کی نسبت کم درجے کی ہیں یا کسی قوم مفسد ملک کی قوت کو اس طرح توڑنا کہ ان کے مدبر سردار قتل کر دیئے جائیں یا ان کے مالوں اور اراضی کی ضبطی کی جائے یا رعیت کا رخ ان سے پھیر دیا جائے خلیفہ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ کسی غرض کے حاصل کرنے کے لیے اس سے زیادہ سخت اور مشکل امر میں پھنس جائے مثلاً مالی فوائد کے لیے اپنے رفقا کی ایک عمدہ جماعت کو فنا کر دے خلیفہ کا فرض ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرے ہر ایک کی نفع رسانی کا اندازہ رکھے اور ہر شخص کی جو حالت ہے اس سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کرنے اور ردّ و سا اور دانشمند لوگوں کی بلندی مرتبہ کا خیال رکھے اور ترغیب اور تحریف سے ان کو لڑائی پر آمادہ کرتا رہے۔ اور ابتدائی حالت میں اس کا اہتمام رکھے کہ ماتحت بادشاہوں کی جماعت متفرق رہے ان کو غلبہ نہ ہونے پائے ان کے دل خائف رہیں حتیٰ کہ وہ سب کے سب حضوری میں دست بستہ رہیں۔ اور اپنے لیے کچھ منصوبہ نہ کر سکیں جب ایسا بنانے میں ان پر کامیابی ہو جائے تب لڑائی سے پہلے اپنے گمان سے خوب ان کا اندازہ کرے اگر اب بھی ان کو اندیشہ ہو کہ فساد سے باز نہ آئیں گے تو گراں گراں خراج ان پر لگاتا جائے سخت جزیے سے ان کو زیر بار کرتا رہے ان کے قلعوں کو مسہار کر دے ان کو ایسا عاجز کر دے کہ پھر ان سے ایسی حرکت نہ ہو سکے اور چونکہ خلیفہ ایک ایسے مزاج کا محافظ ہوتا ہے جو نہایت مخلف خلطوں سے حاصل ہوا کرتا ہے اس لیے بہت ضرور ہے کہ وہ خود بیدار طبع ہو اور ہر طرف جاسوسوں کو بھیجتا رہے اور ہمیشہ فراست اور دور بینی سے کام لیتا رہے جہاں کہیں دیکھے کسی لشکر کی ایک جماعت نے اتفاق کر لیا ہے تو فوراً ایک دوسری جماعت کو متعین کرے کہ ان سے نہ مل سکیں اور اگر کسی شخص کو دیکھے کہ خلافت کا خواہاں ہے تو اس کی جزا دینی اس کی شوکت اور عافیت کے زائل کرنے میں تامل نہ کرے اور سب لوگوں کے لیے یہ طریقہ قرار دے کہ سب اس کے حکم کو قبول کریں۔ اور اس کے اخلاص پر متفق رہیں یہ صرف زبانی ہی قبول نہ ہو بلکہ قبول کی ظاہری علامت ایسی ہو جس سے رعایا پر دار و گیر کی جائے مثلاً اس کے لیے متفق ہو کر دعائیں پڑھیں بڑے مجمعوں میں اس کی رفعت شان کا اظہار ہو اور جس لباس اور ہیئت کا خلیفہ حکم دے اس کو دل سے اختیار کریں جیسے فی زبان خلیفہ کا اشرافیوں پر نام کندہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۲۷

اس بیان میں کہ اصولِ منافع پر سب لوگوں کا اتفاق ہے

اقالیم معمورہ کے شہروں میں سے کسی شہر کی معتدل المزاج عمدہ اخلاق قوموں سے کوئی قوم حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر روز قیامت تک ان تدابیر منافع سے خالی نہیں رہی اور نہ رہ سکتی ہے ہر زمانے میں درجہ بدرجہ ان تدابیر کے اصول سب کے نزدیک مسلم رہتے آئے ہیں جو شخص ان تدابیر کی مخالفت کرتا ہے لوگ اس سے نہایت بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وہ نہایت

مشہور ہو گئی ہیں اس لیے بدیہی امور کے درجہ میں سمجھی جاتی ہیں ان تدابیر کی صورتوں اور فروعات کے اختلاف سے بیان بالا کی تکذیب نہیں ہوتی اس لیے کہ مثلاً سب کا اتفاق ہے کہ مردوں کی غنوت دور کی جائے اور ان کی برائی ظاہر نہ ہو لیکن اس کی صورت میں لوگ مختلف ہیں بعض زمین میں دفن کرنا پسند کرتے ہیں بعض آگ میں جلانے کو اچھا خیال کرتے ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ نکاح کی شہرت دی جائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے لیکن اس کے لیے مختلف صورتیں قرار دی گئی ہیں بعض نے گواہوں اور ایجاب و قبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا ہے اور بعض نے دف اور رنگ و راگ اور لباس فاخرہ کو جو کہ صرف بڑی بڑی دعوتوں میں ہی پہنا جاتا ہے سب اس پر متفق ہیں کہ زانیوں اور چوروں پر زجر اور توبخ کی جائے بعض نے سنگساری اور ہاتھ کا قطع کرنا پسند کیا ہے بعض نے تکلیف دہ زد و کوب یا سخت قید یا سخت سخت جرمانوں کی سزا اختیار کی ہے اور نیز دو قسم کے گروہوں کے ان اصولوں کے مخالف ہونے سے ہمارے قول کی تردید نہیں ہوتی۔

- ① احمق لوگوں کی مخالفت جن کی حالت چار پایوں سے ملتی جلتی ہے عام لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ ان کے مزاج ناقص اور ان کی عقلیں بے ہودہ ہوتی ہیں اور ان لوگوں کی بلاہت اس ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان تدابیر نافع کے پابند نہیں ہوا کرتے۔
- ② فاسق و فاجر اگر ان کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ تدابیر نافع کے معتقد ہیں ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کرواتی ہیں وہ خود خوب سمجھتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں اور لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصے سے کانپنے لگیں وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے جو ان پر ہوتا ہے اور ایسے ایسے اثر ہوں اور امور کا ہونا انتظام مدن کے لیے مضر ہے لیکن خواہش ان کو اندھا کر دیتی ہے چوری اور غصب کا بھی یہی حال ہے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ لوگوں نے بلا وجہ ان تدابیر پر اتفاق کر لیا ہے اور سب کی تدابیر کا یکساں ہونا محض اتفاقی امر ہے جیسے کہ تمام اہل مشرق اور مغرب ایک ہی غذا اختیار کریں یہ خیال محض دھوکا ہے یہ نہیں ہے بلکہ سلیم فطرت فیصلہ کرتی ہے کہ سب لوگوں کا ان امور پر اتفاق کرنا حالانکہ ان کے مزاج مختلف ان کے شہر دور و دراز ان کے مذہب جدا جدا ہیں صرف قدرتی مناسبت سے ہے جو نوعی صورت سے پیدا ہوئی ہے۔ تمام آدمیوں نے کثیر الوقوع ضرورتوں کی وجہ سے ان کو اختیار کیا ہے۔ اور صحت نوعی اس کی باعث ہوئی ہے جو لوگوں کے مزاجوں میں پڑی ہوئی ہے اگر کوئی شخص بیابان میں پیدا ہو جو اطراف آبادیوں سے دور ہو اور کسی سے وہ مراہم نہ سکھے تو ضرور ہے کہ اس کو کھانے پینے کی نہ ایش نفسانی کی حاجتیں عارض ہوں گی اور عورت کی رغبت بالطبع اس میں پیدا ہوگی اور جب مرد عورت کا مزاج صحیح ہوگا تو ان سے اولاد بھی پیدا ہوگی اور خاندان کی بنا پڑنے لگے گی اور پھر باہم معاملات ہونے لگیں گے اور تدابیر اولیٰ منظمانہ صورت میں ظاہر ہونے لگیں گی اور جب ان کی اور بھی کثرت ہوگی تو ضرور ہے کہ کامل الاخلاق لوگ بھی ان میں ہونے لگیں گے اور ایسے واقعات پیش آنے لگیں گے جن سے تمام تدابیر متحقق ہوتی جائیں گی۔ واللہ اعلم

ان رسموں کے بیان میں جو لوگوں میں مشہور ہوتی ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ رسمیں تدابیر کے لیے ایسی ہیں جیسے بدن انسان کے لیے دل مذہب نے ان کا بالذات اور سب سے پہلے قصد کیا ہے اور شرائع الہیہ میں انہی کے مباحث اور اشارات ہوا کرتے ہیں رسموں کے پیدا ہونے کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً حکما کا ان کو مستنبط کرنا ان دلوں پر اللہ کا الہام جن کو انوار ملک سے اللہ نے مؤید کیا ہے رسموں کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جن کے سبب سے وہ لوگوں میں پھیلتی ہیں کبھی کسی بڑے بادشاہ کا طریقہ ہوتا ہے جس کے سب لوگ مطیع ہوتے ہیں اور کبھی وہ ان امور کی تفصیل اور تشریح ہوتی ہیں جن کو لوگ اپنے دلوں میں موجود پاتے ہیں اور اپنی دلی شہادت سے ان کو قبول کر لیتے ہیں اور کبھی رسم کے چھوڑنے سے ان کو نیکی سزا ملنے کا تجربہ ہوتا ہے اس لیے وہ نہایت اہتمام سے اختیار کرتے ہیں یا ان کے ترک کرنے سے کوئی فساد پیدا ہوتا ہے یا رہنما غفلتوں کے قائم کرنے سے وہ پیدا ہوتی ہیں ایسے لوگ ان رسموں کے ترک کرنے پر ملامت کیا کرتے ہیں اہل بصیرت کو طریقوں کے زندہ کرنے یا ان کو مردہ کرنے سے اکثر شہروں میں نظائر بالا سے تصدیق کرنے کی توفیق اکثر حاصل ہو جایا کرتی ہے۔

اور مستعمل طریقے اپنی اصلی حالت میں درست ہوتے ہیں اس لیے کہ ان سے عمدہ تدابیر کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے ذریعے سے افراد انسانی کو کمال نظری یا عملی حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہائم طبع ہو جاتے ہیں اکثر آدمی نکاح و معاملات مقصود طریقے کے موافق کرتے ہیں اور جب ان سے اس کا سبب پوچھا جائے کہ ان قیدوں میں وہ کیوں پھنسے ہوئے ہیں تو وہ یہ جواب دیں گے کہ ہم لوگوں کی موافقت سے ایسا کرتے ہیں ان کی نہایت کوشش کا نتیجہ ان امور کی پابندی کے متعلق ایک علم اجمالی ہوتا ہے کہ جس کو صاف طور پر ان کی زبان بیان نہیں کر سکتی تو اس کا یہ احتمال ہے کہ ان امور کی تدابیر کی وہ تمہید بیان کر سکیں ایسے لوگ اگر ان طریقوں کی ضروری پابندی نہ کریں تو تقریباً وہ بہائم صفت ہو جائیں گے لیکن ان رسموں میں کبھی کبھی باطل چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو ان کے عمدہ ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اس طرح پر کہ ایسے خاندان کو کبھی ریاست حاصل ہو جاتی ہے اور جن پر جزئی رائیں غالب ہوں تو وہ کلی مصلحتوں کا خیال نہ کریں اس لیے رہبرانی اور غصب وغیرہ درندوں کے سے کام کرنے لگیں یا نفسانی خواہشوں کے موافق کام کریں جیسے لواطت اور مردوں کا زنا نہ پن یا پر ضرر پیشے اختیار کریں رہبا خوری کریں اور وزن پیمانہ میں کمی کریں یا لباس اور ولیموں میں ایسی عادات اختیار کریں جن میں فضونی اور اسراف ہو اور ان اشیاء کے موجود و مہیا کرنے میں بڑے اہتمام کی ضرورت پڑے یا تفریح کے لیے اپنے شوق بڑھائیں جن کے سبب سے امور معاش و معاد معطل ہو جائیں جیسے مزامیر شطرنج شکار کبوتر بازی وغیرہ یا مسافروں پر پر مشقت محصول مقرر کریں اور رعیت سے ایسے خراج وصول کریں جس سے وہ تباہ ہو جائے یا باہم حرص و بغض زیادہ کر لیں ان کو یہ عمدہ معلوم ہوتا ہو کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کریں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ اور لوگ ان سے ایسا معاملہ کریں ایسے لوگوں کے مرتبے اور شوکت کی وجہ سے کوئی شخص ان پر حرف گیری نہ کرتا ہو ان کے بعد اسی خاندان کے فاسق

اور فاجر لوگ ایسے اعمال کی پیروی کریں ان اعمال میں مدد دیں ان کے پھیلانے میں خوب کوشش کریں یا ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جن کی طبیعتوں میں نہ اعمال صالحہ کا قوی میلان ہو نہ اعمال فاسد کا لیکن رؤسا کی بی حالت دیکھ کر ان میں بھی ان ہی امور کی آمادگی پیدا ہو جائے یا عمدہ راستے ہی ان کو بآسانی نہ مل سکیں اس واسطے وہ ایسے امور کو اختیار کر لیں ایسے خاندانوں کی اخیر حالت میں بھی ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جن کی فطرتیں درست ہوتی ہیں وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصے کی حالت میں خاموش رہتے ہیں ایسی خاموشی سے بھی مذموم طریقے مستحکم ہوتے رہتے ہیں ایسی حالت میں کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے و جاری کرنے میں باطل چیزوں کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں اکثر حق کی تائید کے لیے نزاعوں اور لڑائیوں کی نوبت بھی آتی ہے لیکن یہ نزاعیں تمام نیک کاموں میں سے افضل ہوا کرتی ہیں اور جب رہنمائی کے طریقے خوب منعقد ہو جاتے ہیں اور ہر زمانے میں لوگ ان کو تسلیم کرتے ہیں تو انہی پر ان کی موت زندگی ہوتی ہے اور دل اور خیالات ان طریقوں سے مملو ہوتے ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ طریقے اصل تدبیروں کے لیے لازم ہیں ایسی حالت میں ان کی تافرمانی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جن کی طبیعتوں میں بہت ہی بے باکی ہوتی ہے اور وہ سب حرکات ہوتے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشیں ان پر غالب ہوتی ہیں اور ہوا پرستی ان کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ ایسی تافرمانیاں تو کرتے ہیں لیکن یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں مصلحت کلی میں اور ان میں ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور جب وہ کام بے باکانہ طور پر کرتے ہیں تو ان کی نفسانی مرض کی کیفیت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اور ان کے ذہن میں رخنہ پڑ جاتا ہے اور جب خوب صاف صاف یہ باتیں دل میں قرار پا جاتی ہیں تو علماء اعلیٰ کی دعائیں اور ان کی نیاز مندیاں اس طریقے کے موافقین کے لیے پابند ہوتی ہیں ان کے مخالفوں پر ان کی بددعا ہوتی ہے اور خطیرۃ القدس میں موافق کے لیے خوشنودی اور مخالف کے لیے ناخوشی ظاہر ہوتی ہے جب ان طریقوں کی یہ حالت ہوتی ہے تو وہ اس فطرت سے شمار کیے جاتے ہیں جن پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

پوچھا بحث

سعادت کے بیان میں

باب ۲۹

سعادت کی حقیقت کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ انسانی کمالات مختلف ہیں بعض باقتضائے صورت نوعی ہوتے ہیں اور بعض نوعی نہیں اور وہ بھی جنس قریب یا بعید کے اقتضائے ہوتے ہیں لیکن سعادت کا وہ حصہ جن کے مفتود ہونے سے انسان کو مضرت ہوتی ہے اور درست عقل کے لوگ اس کا نہایت اتمام اور قصد کرتے ہیں۔ وہ پہلا حصہ نوعی کمالات کا ہے اس لیے کہ عادتہ تعریف کے قابل کبھی ایسی صفات ہوتی ہیں کہ معدنی اسامی اس میں شریک ہیں مثلاً درازی قد اور بزرگی قد اگر سعادت اسی کو قرار دیں تو پہاڑوں میں سعادت کی صفت پوری پوری ہونی چاہیے اور بعض صفات ایسے ہیں کہ وہ نباتات میں بھی ہوتے ہیں جیسے مناسب نشوونما دہاریاں تروتازہ صورتیں اور اس کو

سعادت کہیں گے تو پھولوں میں کامل سعادت ہوئی اور بعض صفات ایسی ہیں جن میں حیوانات شریک ہیں جیسے زور آوری، بلند آوری، بلند آوازی، جنتی کی طاقت، زیادہ کھانا پینا، غضب اور کینہ کا زیادہ ہونا اگر اسی کا نام سعادت ہو تو گدھے میں سعادت زیادہ ہونی چاہیے اور بعض صفات ایسی ہیں کہ صرف انسان ہی کا وہ حصہ ہے جیسے مہذب اخلاق عمدہ تدابیر اعلیٰ قسم کی صنعتیں بلندی رتبہ بادی الرائے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہی امور کا نام سعادت ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انسانی طبیعتوں میں کامل عقل اور درست رائے لوگ انہیں اوصاف کو حاصل کیا کرتے ہیں اور ان کے علاوہ اور اوصاف کو زیادہ قابل تعریف ہی نہیں جانتے لیکن ابھی تک پوری تسبیح نہیں ہوئی اس لیے کہ تمام افراد حیوانی میں ان اوصاف کی اصل موجود ہے مثلاً شجاعت کی بنیاد ہے غصہ انتقام لینا شدائد میں ثابت قدمی مہلکات کی طرف اقدام اور یہ سب امور زور مند بہائم میں موجود ہیں لیکن ان کا شجاعت جب ہی نام رکھا جاتا ہے کہ نفس ناطقہ کے فیضان سے ان میں تہذیب آتی ہے اور مصلحت کلیہ کی اطاعت سے ان کا صدور ہوتا ہے عقلی خواہش ان کو پیدا کرتی ہے اور ایسے ہی اور صفتوں کی اصل بھی حیوانات میں موجود ہے چڑیا اپنے آشیانے کو بناتی ہے بلکہ اکثر صنعتیں ایسی ہیں کہ حیوانات بالطبع ان کو بناتے ہیں اور انسان بحکلیف بھی ویسی نہیں بنا سکتا تو اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امور بھی اصلی سعادت نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو بالغرض سعادت کہہ سکتے ہیں اور سعادت یہی ہے کہ بسبب حالت نفس ناطقہ کے تابع ہو۔ خواہش عقل کے تابع ہو خواہش پر عقل کی حکومت ہو باقی سب خصوصیات انہی میں معلوم کرو کہ حقیقی سعادت سے جن امور کو تعلق ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم ایسی ہے جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا فیضان امور معاش میں ہوتا ہے لیکن اس قسم سے خلق مطلوب کا پوری طرح پر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے اس قسم کے مزین افعال کے لیے جزئی فکروں میں اکثر خوض کرنا پڑتا ہے اور ایسی حالت کمال مطلوب کے خلاف ناقص شخص کی ہوا کرتی ہے جیسے کہ کوئی شخص غصہ اور کشتی کے جوش دلانے سے شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے اس لیے کہ اخلاقی امور کا ظہور اپنے ہم جنسوں کی مزاحمتوں سے ہوتا ہے اور ضرورتوں کے پیش آنے سے منفع حاصل ہوا کرتے ہیں اور آلات مادہ سے صنعتوں کی تکمیل ہوا کرتی ہے اور یہ سب امور دنیوی زندگی کے ختم ہو جانے سے ملے ہو جائیں کرتے ہیں اگر وہ ناقص اسی حالت میں مر جائے گا اور ان کو ان امور سے کچھ بیزاری بھی ہوگی تب تو وہ صرف اصلی کمال سے ہی محروم رہے گا اور اگر ان تعلقات کی صورتیں نفس کو لپٹی ہوں گی تو نفع سے زیادہ اس کو مضرت ہوگی۔

اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی بہیمیت ملکیت کے تابع ہو کہ بہیمیت ملکیت کے اشارہ سے سب امور کی بجا آوری کرے اور اسی کے رنگ سے رنگیں ہو جائے اور قوت ملکی ایسی ہو کہ بہیمیت کے ادنیٰ اثر و قبول نہ کر سکے اس کے کمینہ نقوش اس میں نہ جم سکیں جیسے موم میں آغشتی کے نقوش جم جاتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ملکی طاقت اپنی ذاتی خواہشوں کو بہیمیت کے سامنے پیش کر کے اس سے مطالبہ کرتی رہے اور بہیمیت اس کی اطاعت کرے کسی قسم کی بغاوت اس کی جانب سے نہ ہو ان کی تعمیل سے باز نہ رہے اور ایسے ہی ملکی طاقت اپنی خواہشوں کا بہیمیت سے امضا برواتی رہے حتیٰ کہ وہ اس کی عادی ہو کر مشاق ہو جائے یہ سب ملکی خواہشیں جو ملکیت کے لیے ذاتی ہوں گی اور بہیمیت کو بکجوری ان کی تعمیل کرنی ہوگی وہ سب اس قسم کی ہوں گی کہ ان میں ملکیت کو خوشی اور شائش ہوگی اور بہیمیت کی تنگ دلی اس سے عالم الملکوت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور جبروت کی کیفیت نظر آنے لگتی ہے۔ یہ حالتیں قوت ملکی کا

خاصہ ہیں اور قوت بیکہی کو ان حالات سے نہایت بعد ہوتا ہے۔ اور اسی قسم میں سے ہے کہ قوت بیکہی کی خواہشیں اور اس کے لذائذ اور وہ امور جن کا جوش بہیمیت میں زیادہ شوق ہوا کرتا ہے ترک کر دی جائیں اس حصے کا نام عبادات اور ریاضات ہے یہ ان مقصود اخلاق کے حاصل کرنے کے لیے دام ہے جو موجود نہیں ہوتے اس لیے اس مقام کی تحقیق کا انجام یہ ہوا کہ بغیر عبادات کے اصلی اور حقیقی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی اسی لیے صورت نوعیہ کے روشندان سے مصلحت کلی افراد انسانی کو نڈا کرتی ہے اور نہایت تاکید حکم کرتی ہے کہ بقدر ضرورت ان صفات کی اصلاح کی جائے جو انسان کے لیے کمال ثانی ہیں اور غایت ہمت اور نہایت توجہ سے تہذیب نفس حاصل کی جائے۔ اور نفس ایسی ایسی ہیئتوں سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے جن کی وجہ سے وہ ملاءِ اعلیٰ کے ہمرنگ ہو جائے اس میں ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ عالم جبروت و ملکوت کے اثر اس میں پیدا ہو سکیں قوت بیکہی اس کے زیر فرمان رہے اور وہ ملکی احکام کا مظہر بن جائے افراد انسانی میں جب نوعی تندرستی ہوتی ہے اور ان کا مادہ احکام نوع کے پوری طرح پر ظاہر ہونے کے قابل ہوتا ہے تو ان میں اس سعادت کے حاصل کرنے کا شوق ہمیشہ رہتا ہے اور اس سعادت کی طرف ان کی کشش ایسی ہوتی ہے جیسے لوہے کی مقناطیس کی طرف یہ ایک جبلی فطری امر ہے جو اللہ نے لوگوں کی طبیعت میں پیدا کیا ہے اور اسی واسطے لوگوں میں سے معتدل المزاج کوئی ایسا فرد نہیں ہوا جس میں ایسا عظیم الشان حصہ موجود نہ ہو جو اس کو اس خلقی کمال کے حاصل کرنے کا اہتمام نہ ہو۔ اور اس کو اعلیٰ ترین سعادت تسلیم نہ کرتا ہو سلاطین اور حکماء اور ان سے پست درجہ کے لوگ جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ان مقاصد پر کامیابی ہوتی ہے جن کا درجہ دنیوی سعادت سے برتر ہے یہ لوگ فرشتوں میں مل گئے ہیں ان ہی کی جماعت میں مسلک ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ سب لوگ ان سے برکت لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیتے ہیں پس تمام عرب اور عجم کا اس پر متفق ہونا حالانکہ ان کے عادات اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں اور ان کے وطن دور دراز ہوتے ہیں اور بوحسد نوعی سب کا ایک سی حالت کا مقرر ہونا پیدائشی اور فطری نسبت کے سبب سے ہے یہ اتفاق کچھ بعید نہیں ہے اس لیے کہ معلوم ہو چکا ہے کہ قوت ملکی اصل فطرت انسانی میں موجود ہے اور سب لوگوں میں افضل اور اعلیٰ درجے کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۳۰

اس بیان میں کہ لوگ اس سعادت انسانی کے حاصل کرنے میں مختلف ہوا کرتے ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ جیسے لوگ شباعت اور تمام اخلاقی اوصاف میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن میں شباعت کا وصف موجود نہیں ہوتا اور کسی ایسی مخالف حالت کی وجہ سے جو ان کی نفس طبیعت میں ہوتی ہے شباعت کے حاصل ہونے کی امید ہی نہیں ہوتی جیسے کہ منہث اور نہایت کمزور اور بعض لوگوں میں بافعل شباعت نہیں ہوتی لیکن شباعت کے مناسب افعال اور اقوال اور مناسب فیثوں کی۔ شباتی کے بعد ان کے شباعت ہونے کی امید ہو سکتی ہے جب شباعت لوگوں سے وہ ان اقوال اور افعال کو

حاصل کرتے ہیں اور پیشوایاں شجاعت کے تذکرے اور واقعات کو یاد کرتے ہیں تو سختیوں میں ثابت قدمی ہلاکی کے موقعوں پر ان سے اندام ہونے لگتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اصلی خلق ان کی طبیعت میں پیدائشی ہوتا ہے ہمیشہ وہ اس کی لاف زنی کرتے ہیں اگر اس خلق سے ان کی طبیعت رد کی جائے تو ان کو بہت تنگ دلی ہوتی ہے اور ناگواری سے وہ خاموش رہ سکتے ہیں اور اگر ان کی پیدائشی حالت کے مناسب کوئی حکم دیا جائے تو ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے گندھک شعلہ آتشین کے قریب پہنچے ہی فوراً مشتعل ہو جائے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نہایت کامل طور پر یہی خلق کی پیدائش ہوتی ہے وہ اس کے مناسب اس ہی کی خواہشوں کی طرف غلات کرتے ہیں اگر ان کو بزدلی کی طرف بزور بلائیں تو وہ بالطبع اس کو قبول نہیں کرتے بغیر کسی رسم و رواج اور بغیر کسی دوسرے کی خواہش کے ان کو اس خلق کے سے کاموں اور بیعتوں کا کرنا آسان ہوتا ہے ایسا آدمی اس خلق کا امام ہوا کرتا ہے اس کو کسی اور امام کی حاجت نہیں ہوا کرتی ہے اور جو لوگ اس خلق میں اس سے کم درجہ کے ہوتے ہیں ان میں ضرور ہوتا ہے کہ اس کے طریقے کو مضبوطی سے اختیار کریں اور اس کی حالتوں اور واقعات کو اہتمام سے یاد کرتے رہیں تاکہ ان کو وہ اخلاقی کمال حاصل ہو سکے جس کی توقع ہو سکتی ہے ایسے ہی لوگ اس اس خلقی حالت پر مختلف ہوتے ہیں جس پر ان کی سعادت کا مدار ہے بعض میں وہ حالت ایسی مفقود ہوتی ہے جس کی درستی کی امید ہو ہی نہیں سکتی جس کو حضرت خضر نے مار ڈالا تھا وہ بالطبع کافر تھا۔ **وَضِمُّكُمْ غَضَبِي فَنُفِثَ لَآئِزُ جَعْفُونِ** میں اسی ہی کی طرف اشارہ ہے اور بعض لوگوں میں اصلاح کی امید ہوتی ہے لیکن جب وہ سخت سخت ریاضتیں کریں اور اعمال پر مداومت کریں نفس ان اعمال سے متاثر ہوتا رہے اس کے لیے انبیاء کی جوش دہند و دعوت اور ان کے منقول شدہ طریقوں کی ضرورت ہوتی ہے اس قسم کے لوگ اکثر ہوا کرتے ہیں بعثت انبیاء کے لیے بانڈات یہی لوگ مقصود ہوا کرتے ہیں اور بعض لوگوں میں اجمالی طور پر خلق کی حالت موجود ہوتی ہے ان سے اس خلق کے اثر غالب ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہ تفصیلی امور میں اور اس خلق کے مناسب اکثر بیعتوں کے درست کرنے میں امام کے محتاج ہوتے ہیں۔ **يَكَاذُ زَيْنِقًا يُعْصِي ۖ وَلَوْ لَمْ تَفْسُدْ نَارًا** (قریب ہے کہ اس کا دواغمن روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ بھی نہ لگے) میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان لوگوں کو سابق کہتے ہیں اور لوگوں میں ایک طبقہ انبیاء کا ہے وہ اس خلق کے کمالات کو مرتبہ علیہ میں آتے ہیں اس کی مناسب بیعتوں کو اختیار کرتے ہیں اس خلق کے حصہ میں جو کمی ہو اس کے حاصل کرنے کی اور جو موجود ہو اس کے باقی رہنے کی کیفیت کو اختیار کرتے ہیں بغیر کسی رہبر اور امام اور کسی کی دعوت کے وہ ناقص کو پورا کرتے ہیں۔ وہ بمقتضائے فطرت جیسا جیسا کہ عمل کرتے رہتے ہیں تو ان کے اس عمل پر آمد سے ایسے قانون منظم طور پر مرتب ہو جاتے ہیں جو لوگوں میں یادگار رہتے ہیں ان کو وہ اپنا دستور العمل کر لیتے ہیں جب آہنگری اور دروگری وغیرہ عام لوگوں کو بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے منقول شدہ طریقوں کا استعمال کریں تو ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جن کی رہنمائی صرف انہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کو اللہ نے توفیق دی ہے اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے اور ان کے طریقوں کی پیروی کے لیے ان کے حالات و اختیار کی طرف متوجہ ہونے کی کیسی شدید ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

اس سعادت کے حاصل کرنے کی کیفیت لوگوں میں مختلف ہوتی ہے

معلوم کرو کہ یہ سعادت دو طرح پر حاصل ہوتی ہے ایک طریقہ ایسا ہے کہ گویا اس میں بسمی طبیعت سے بالکل علیحدگی اور آزادی کرنی پڑتی ہے ایسے حیلے اور ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں جن سے طبعی حکومت میں خاموشی پیدا ہو جاتی ہے ان کا جوش بجھ جائے ان کے علوم اور حالات بالکل پڑ مردہ ہو جائیں اور عالم جبروت کی طرف جو تمام جہتوں سے علیحدہ ہے اس کی کامل توجہ ہو جائے نفس ان علوم کو قبول کرنے لگے جو مکان اور زمانے سے بالکل علیحدہ اور جدا ہیں اور ان لذتوں کی خواہش اس میں پیدا ہو جائے جو مالوف لذتوں سے بالکل علیحدہ ہیں حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا جائے ان کی مرغوبات سے بے رغبتی ہو ان کے خوف کرنے کی چیزوں سے بے خوفی ہو تمام لوگوں سے ایک دور کنارے پر علیحدگی ہو۔ حکمائے اشراقین کا یہی مدعا ہوتا ہے اور صوفیاء کرام میں سے مجذوبوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے ان میں سے بعض لوگ انتہائے غایت تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوا کرتے ہیں اور باقی لوگ اس غایت کے اشتیاق ہی میں رہتے ہیں اس کے منتظر ہوتے ہیں کہ اس میں بہیمیت کی اصلاح ہو جایا کرتی ہے اس کی کجی دور کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس کی اصل حالت باقی رہتی ہے یہ اس طرح پر ہوتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ نفس تاحقہ کے افعال اور ہمتیں اور اذکار وغیرہ کی قوت بھسی ایسی ہی نقل کرتی ہے جیسے گونگا آدمی لوگوں کے اقوال کی اپنے اشاروں سے نقل کرتا ہے اور کوئی مصور نفسانی حالات خوف اور شرمندگی وغیرہ کی ایسی ایسی صورتوں سے نقل کرتا ہے۔ جو ان حالات کے ساتھ ساتھ نظر آیا کرتی ہیں اور جس عورت کا بچہ مر جاتا ہے وہ اس کا غم ایسے کلموں اور درد مندی سے ظاہر کرتی ہے کہ اس کو جو سنتا ہے اس پر بھی غم جاری ہو جاتا ہے اور غم کی صورت اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور جو کہ تدبیر الہی کا مقصد یہ ہے کہ پہلے بہت قریب اور سہل حالت اختیار کرنی چاہیے اور رفتہ رفتہ جو اس کے قریب ہو اور ان امور کی درستی ہو جائے جو تمام افراد انسان کے لیے موزوں ہو سکیں نہ صرف چند صورتوں کے لیے دارین کی مساعیتیں قائم کی جائیں ان دونوں میں سے کسی انتظام کی برہمی نہ ہو اسی لیے لطف و رحمت الہی کا مقصد تھا ہے کہ اس دو حربہ طریقہ سے قائم کرنے اور اس کی طرف دعوت اور آمادہ کرنے کے لیے پیغمبروں کو مبعوث کیا وہ پہلے طریقے کی طرف بھی رہبری کرتے ہیں لیکن صرف نہ دہری اشارات اور ضمنی اظہارات سے۔ واللہ الحجة البالغہ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے حالات انہیں لوگوں سے بن پڑتے ہیں جن میں انہیں کشتی زیادہ ہو اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ان حالتوں کے لیے نہایت سخت ریاضتوں کی نہایت درجہ فراغ خاطر کی ضرورت ہوا کرتی ہے ان کے انجام دینے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے ان حالتوں سے رہبر اور امام وہی لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے امور معاش کو بالکل ترک کر دیا ہو دنیا میں دعوت دین کا ان کو منصب حاصل نہیں ہے اور نیز اس حصہ کی تکمیل بغیر اس کے نہیں ہوتی کہ دوسرے حصے کا مقول مجموعہ بھی پیش نظر رکھا جائے اور نیز اس حصہ سے ایک نہایت سعادت سے حرمان ہو گا یا دنیوی تدابیر کی اصلاح نہ ہو کی یا آخرت کے لیے نفس کی اصلاح نہ

ہوگی۔ اگر سب لوگ اسی حصہ کو اختیار کر لیں تو دنیا ویران ہو جائے گی اور اگر لوگوں کو ان احکام کی تکلیف دی جائے تو گویا تکلیف بالجمال ہوگی اس لیے کہ مذاہبہ نافذ ایک فطری شے ہو گئے ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اور دوسرے طریقے کے رہنما اور امام مہمبین اور مصالحین ہوتے ہیں دین اور دنیا کی ریاست ان کو حاصل ہوتی ہے ان کی دعوت دینی کو لوگ قبول کرتے ہیں ان کے طریقے کا اتباع کیا جاتا ہے سابقین اور اصحاب الیمین کے کمالات اسی تعلیم میں منحصر ہوتے ہیں اور اسی قسم کے لوگ بھی کثرت سے موجود ہوا کرتے ہیں زکی اور غبی اور مشغول اور بے کار بغیر جرح کے ان امور کو عمل میں لاسکتے ہیں اور نفس کی درستی اس کی کجی رفع کرنے کے لیے ان تکالیف سے بچنے کے لیے جن کا معاد میں اندیشہ ہے اسی قدر بندہ کے لیے کافی بھی ہے اس لیے کہ ہر نفس کے لیے ملکی افعال مقرر ہیں جن کے ہونے سے اس کو آخرت میں آرام ملتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور تجرد کی حالت میں جب عالم قبر اور حشر پیش آئے گا تو ان کے احکام اس طرح ظاہر ہوں گے جن کا علم اس کو جبلی طور پر نہ ہوگا اور چہ وہ ایک زمانہ کے بعد ہوں گے۔ شعر

مستبدی لک الاہام ما کست جاہلاً ویاتیک بالاخار من لم تزود

”تجھ پر زمانہ وہ حالات ظاہر کر دے گا جن کی تجھ کو خبر بھی نہ تھی اور تیرے پاس خبروں کو وہ شخص لائے گا جن کے لیے تو نے توشہ تیار نہ کیا تھا۔“

یعنی وہ قاصد جس کو تو نے قاصدی کے لیے روانہ نہ کیا تھا۔ اور حاصل یہ ہے کہ خیر و سعادت کے لیے تمام طریقوں کو پوری طرح پرا حاطہ کرنا قریب محال کے ہے۔ اور جہل بسیط اس سے معذور نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۳۲

ان اصول و قواعد کے بیان میں جو دوسرے طریقہ کے لیے مدار اور مرجع ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ دوسرے طریقے کے موافق سعادت کا حاصل کرنا بہت سی صورتوں سے ہوتا ہے لیکن اللہ نے اپنے فضل سے مجھ کو سمجھایا ہے کہ ان کی ابتدا چار خصلتوں پر ہوتی ہے کہ جب نفس طاقت کا قوت بھیگی پر فیضان ہوتا ہے اور نفس طاقت اس کو اپنی مناسب حالتوں پر مجبور کرتا ہے تو اس میں یہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں انسان کے تمام حالات میں سے ان اوصاف کو ملا اسی سے زیادہ ہمرنگی ہے انہیں اوصاف کی وجہ سے انسان اس برترین جماعت سے ملحق ہو جاتا ہے اور انہیں میں منسک ہو جاتا ہے۔ اللہ نے مجھ کو سمجھایا ہے کہ انبیاء کی بعثت انہیں اوصاف کے لیے ہوئی ہے انہیں پر وہ لوگوں کو مستعد کرتے ہیں تمام شرعی امور انہیں کی تفصیل میں سب کی ابتدا انہیں کی طرف ہوتی ہے ان میں سے ایک وصف طہارت اور پاکیزہ زندگی کا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی کی فطرت سلیم ہوتی ہے اس کا مزاج صحیح ہوتا ہے اس کا دل تمام ظنی مشغل سے جو تدبیر کے مانع ہوتے ہیں خالی ہوتا ہے تو ایسی

حالت میں جب اس کو پلید چیزوں سے آلودگی ہو جاتی ہے اور اس کو بول و براز کی مثلاً ضرورت ہوتی ہے اور ان سے فراغ نہیں ہوتا یا وہ مجامعت اور اس کی وداعی سے قریب ہی فارغ ہوتا ہے۔ تو اس کا دل ایک انقباض کی حالت میں ہوتا ہے اس پر تنگی اور غم سا طاری ہوتا ہے اور اپنے آپ کو وہ نہایت گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو مٹا ہے اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اس کا انقباض دور ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے بہجت و خوشی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی نمائش کے لیے یا ان کی رسموں کی پابندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ صرف نفس ناطقہ کے اثر سے ہوتا ہے پہلی حالت کو حدیث کہتے ہیں دوسری کو طہارت اور جو لوگ ذکی ہیں اور احکامِ نوہی میں ان سے سلامتی ظاہر ہوتی ہے اور ان کا مادہ صورت نوعیہ کے احکام کو قادرانہ طور پر عمل میں لاسکتا ہے ان کی نظر میں ہر ایک حالت دوسرے سے بخوبی متمیز ہوتی ہے وہ ایک کو بالطبع پسند کرتے ہیں اور دوسرے سے ناخوش رہتے ہیں۔ غنی لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ جب کسی قدر قوتِ بھیمی ان کی کم ہو جاتی اور پاکیزگی اور علیحدگی کا اثر ان پر پڑتا ہے اور ان دونوں کیفیتوں سے پہچاننے کی کسی قدر ان کو فرصت مل جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں کو پہچان سکتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں۔ اور سب روحانی صورتوں میں سے ملاء اعلیٰ کی حالت سے مشابہت اس طہارت اور پاکیزگی کی صفت کو ہے ان کو تمام بھیمی آلودگیوں سے طہیدگی رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی نورانی کیفیت سے ان میں بہجت رہتی ہے اسی طہارت کے سبب سے نفس میں قوتِ عملی کے کمالات کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور جب حدیث کی کیفیت سے انسان میں جم جاتی ہے۔ اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیتی ہے تو آدمی میں شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے کا مادہ حاصل ہو جاتا ہے وہ شیطانی کو حس مشترک کے سامنے دیکھتا ہے اس کو پریشان خوابیں نظر آتی ہیں اور نفس ناطقہ کے قرب میں تاریکی سے ظاہر ہوتی اور ملعون اور کینہ حیوانات کی صورتیں نظر پڑتی ہیں اور جب آدمی کو پاکیزگی کی پوری قدرت ہوتی ہے اور یہ کیفیت اس کو احاطہ کر لیتی ہے اس کے لیے وہ متنبہ رہتا ہے اور اس ہی کا میاں ان طبیعت میں ہوتا ہے تو اس میں فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی اور ان کے دیکھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ دو عمدہ عمدہ خوابیں دیکھتا ہے انوار اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور نہایت پاکیزہ اور پر برکت اور بزرگ چیزیں اس کو نظر آتی ہیں۔ اور دوسری صفت اللہ کے حضور میں اپنی عاجزی اور نیاز ظاہر کرنا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو اپنی سلامتی اور فراغ حال کے زمانے میں جب خدائے تعالیٰ کی نشانیاں اور صفاتِ یاد دہانی جائیں اور وہ خوب طرح سے ان میں غور کرے تو نفس ناطقہ کو بیداری حاصل ہوتی ہے اور تمام اس و بدن ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور وہ حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور عالم قدس کی جانب اپنا میاں پاتا ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ جیسے بادشاہوں کے مقابلے میں اپنی عاجزی دیکھ کر اور ان کا استقلال بخشش اور منع کرنے میں معلوم کرے رعیت کی حالت ہوتی ہے۔ یہ حالت بھی تمام روحانی حالتوں کی نسبت ملاء اعلیٰ سے نزدیک تر اور زیادہ مشابہ ہے وہ بھی اپنے خالق کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے ببال اور تقدس میں سراپا حیرت اور مستغرق ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہ حالت نفس کو آمادہ کرتی ہے کہ اس کے کمالات علمی ظاہر ہوں یعنی ذہن میں اللہ کی معرفت منقش ہو جائے اور خاص طرح سے اس بارگاہ کے ساتھ اس کا اتصال ہو جائے اگرچہ عبارت سے اس اتصال کا پورا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور تیسری صفت ماحسنت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس اس درجہ متوجہ باہر کے قوتِ بھیمی کی خواہشوں کی اطاعت نہ کرے اس کے نقش اس میں نہ جم سکیں اور اس قوت کا چرک اس

سے نکل سکے۔ یہ کیفیت جب پیدا ہوتی ہے کہ جب نفس امور معاش میں مصروف ہوتا ہے عورتوں کی اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور لذات کا مادی ہوتا ہے یا کسی غذا کا اس کو شوق ہوتا ہے تو ان اغراض کے حاصل کرنے میں اتنی کوشش کرتا ہے کہ اپنی حاجت کو پورا کر لے اور ایسے ہی جب وہ غصہ ہوتا ہے یا کسی چیز کی حرص کرتا ہے تو وہ اس کیفیت میں کسی قدر مستغرق ہو جاتا ہے دوسری چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا پھر یہ حالت دور ہو جانے کے بعد اگر اس میں سماعت کی قوت ہوتی ہے تو وہ ان تنگیوں سے ایسا نکل جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی نہ تھیں اور اگر اس میں قوت سماعت کی نہیں ہوتی تو وہ کیفیتیں اس میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور جیسے موم میں انشتری کے ننتوش جم جاتے ہیں ایسے ہی وہ کیفیتیں بھی اس میں جم جاتی ہیں اور وہ کشادہ دل اور صاحب سماعت جب اپنے بدن سے جدا ہوتا ہے اور تمام تاریک اور مجتمع تعلقات سے اس کو سبکدوشی ہوتی ہے اور اپنی موجودہ حالت کی طرف رجوع کرتا ہے تو کوئی چیز ملکی قوت کی مخالف جو کہ دنیا میں تھیں نہیں پاتا۔ اسی واسطے اس کو ایک حالت انس واطمینان کی حاصل ہو جاتی ہے اور نہایت فراخ میث ہوتا ہے۔ اور حریص طمع شخص میں ان تعلقات کے ننتوش ایسے ہی جتے رہتے ہیں اس کی مثال ایسی سمجھ لو کہ جیسے کسی کا کوئی نفس اور عمدہ مال چوری ہو جائے اگر وہ شخص بخیر ہوتا ہے تو اس کو کچھ اس چوری کی پروا نہیں ہوتی اور اگر وہ تنگ دل ہوتا ہے تو دیوانہ سا ہو جاتا ہے اور اس مال کی صورت اس کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ اور سماعت اور حرص کی ان چیزوں کے لحاظ سے کہ جن میں وہ ہوا کرتی ہیں۔ بہت سے لقب ہیں اگر وہ مال میں ہوں تو سخاوت اور حرص ان کا نام ہے اور اگر شرمگاہ اور شکم کی خواہشوں میں ہوں تو پارسائی اور شرہ اس کا نام ہے اور اگر آرام کے اور مشقتوں کے دور رہنے میں ہوں تو اس کو صبر اور بے قراری کہتے ہیں اور جو گناہوں اور ممنوعات شرعی میں ہوں تو ان کا نام تقویٰ اور بدکاری ہے جب انسان میں سماعت کی صفت جم جاتی ہے تو نفس تمام دنیوی خواہشوں سے خالی ہو جاتا ہے اور بلند ترین اور مجردات کی لذتوں کے لیے مستعد ہوتا ہے اور سماعت ایسی صفت ہے جو انسان کو اس بات سے روکتی ہے کہ کمال مطلوب علمی اور عملی کے خلاف کوئی چیز اس میں جم سکے۔ اور چوتھی صفت عدالت ہے عدالت اس نفسانی ملکہ کا نام ہے جس کی وجہ سے نفس سے ایسے اعمال کیے جاتے ہیں جن سے ملکی اور قوی انتظامات بہ آسانی منتظم اور قیام پذیر ہوتے ہیں اور نفس اس قسم کے افعال پر گویا مجبور ہو جاتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ ملکہ اور نفوس مجردہ میں وہ مقصد منتش ہوا کرتے ہیں جن کو اس نظام کی اصلاحات کے متعلق آفرینش عالم میں اندر رہنا کرتا ہے۔ اس نظام کے مناسب تدابیر کی طرف ان کی مریضیات کا میلان رہتا ہے۔ روح مجردہ کے لیے یہ طبعی امر ہے جب نفوس اپنے بدنوں سے متحد ہوتے ہیں اور ان میں عدالت کی صفت ہوتی ہے تو ان کو نہایت فرحت اور بہجت حاصل ہوتی ہے اور موقع ملتا ہے کہ اس لذت سے مسرور ہوں جو تمام دنی لذتوں سے جدا ہوتی ہے اور اگر بدنوں سے مفارقت کرنے کے بعد نفوس میں یہ صفت عدالت نہیں ہوا کرتی تو ان کا حال نہایت تنگ ہوتا ہے وہ متوحش اور طول ہوتے ہیں جب خداوند تعالیٰ پیغمبر بھیجتا ہے تاکہ دین قائم کرے اور تارکیوں میں سے لوگوں کو نورانیت کی طرف نکال دے اور تمام لوگ متصف بہ عدالت ہو جائیں تو ایسے وقت میں جو شخص اس نور کے پھیلائے میں کوشش کرتا ہے لوگوں میں اس کی تمہید کرتا ہے وہ قابل رحمت ہو جاتا ہے۔ اور جو اس کے روکنے میں اس کے معدوم کرنے میں کوشش کرتا ہے وہ قابل عنت و سزا رہتا ہے جب عدالت کی صفت آدمی میں خوب جم جاتی ہے تو اس میں اور حاطین عرش اور نزدیکان بارگاہ فرشتوں میں شرکت ہو جاتی ہے جو جود الہی اور برکات

نازل ہونے کے ذریعہ ہیں اور اس میں اور ان ملائکہ میں فیضان کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے ان کے اثر اس پر نازل ہوتے ہیں ان کے الہامات سے وہ مستفیض ہوتا ہے۔ اور انہیں الہامات کے موافق اس کو آمادگی ہوتی ہے اگر ان چاروں اوصاف اور خصائل کی تو حقیقت معلوم کر لے گا اور اس کیفیت کو سمجھ لے گا جس سے کمالات علمی اور عملی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اوصاف کیونکر آدمی کو فرشتوں میں منسلک کر دیتے ہیں اور یہ بھی بخوبی سمجھ لے گا کہ ان اوصاف سے ہر زمانے میں نواہی الہی کا کیونکر استخراج ہوتا ہے تو اس وقت تجھ کو نفع عظیم حاصل ہوگا۔ دین کا تو راز دان ہو جائے گا ان لوگوں سے تیرا شمار ہوگا جن کی بہتری اللہ کو منظور ہوتی ہے ان اوصاف کے مجموعہ سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اس کو فطرت کہتے ہیں اور فطرت کے بہت سے اسباب انہیں اوصاف سے حاصل ہوتے ہیں بعض علمی ہیں۔ اور بعض عملی اور بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو مقاصد فطری سے روکتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ فطرت کے تجاہات کو زائل کر دیتے ہیں ہمارا قصد ہے کہ ان تمام امور پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ اس لیے آئندہ بیانات پر کان لگا کر بتوفیق الہی غور کرو۔ واللہ اعلم

باب ۳۳

ان چاروں اوصاف کے حاصل ہونے کے طریقے میں اور اس بیان میں کہ ناقص اوصاف کی تکمیل اور فوت شدہ کی واپسی کیسی ہو سکتی ہے

① ان اوصاف کے حاصل ہونے کی دو تدبیریں ہیں: ① تدبیر علمی: تدبیر علمی کی اس واسطے ضرورت ہے کہ طبیعت علمی قوتوں کے تابع اور مطیع ہوا کرتی ہے نفس میں جب حیا یا خوف کی کیفیت گزرتی ہے تو خواہش نفسانی اور جماعت کی رغبت جاتی راتی ہے ایسے ہی جب نفس میں وہ تمام علمی امور مملو ہوں جو فطرت کے مناسب ہیں تب فطرت نفس میں راسخ ہو جائے گی اس لیے اعتقاد کرنا چاہیے کہ ہمارا ایک پروردگار تمام بشری لوگوں سے منزہ اور پاک ہے زمین اور آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے نفی نہیں ہے اگر تین شخص مل کر کسی امر میں سرگوشی کریں تو وہ خداوند عالم ان میں چوتھا ہوتا ہے اور اگر پانچ مل کر کریں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کہرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اس کے حکم کا کوئی شخص لوٹ پھیر کرنے والا نہیں ہے۔ ہر چیز کو اپنے انعام سے جو دہارنے والا اور ان کو ذمہ داری اور نفسانی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ امداد کی وہ جزا دیتا ہے اگر اچھے ہوں۔ اور سزا دیتا ہے اگر وہ برے ہوں ایسا ہی اللہ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے نے گناہ کر کے یقین کیا کہ میرا ایک پروردگار ہے جو گناہ کی مغفرت کرتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کی مغفرت کی اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نہایت مضبوط اور کامل اعتقاد کرنا چاہیے جس سے مال خوف اور خائیت اس کی تعظیم نفس میں راسخ ہو جائے۔ اور بقدر پریشانی کے بھی دوسرے کی عاجزی اور خوف کی گنجائش نہ رہے اور خوب اعتقاد کر لے کہ انسان کا اصلی کمال یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عبادت کرے اور آدمی کی سب سے

مردہ حالت یہ ہے کہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے۔ اور ان کی حالت سے اس کو قرب ہو یہی امور ہیں جن سے قرب ربانی حاصل ہوتا ہے اللہ نے ان ہی امور کو لوگوں سے پسند کیا ہے یہ اللہ کا بندہ برحق ہے اس کے لیے اس کو وقت مقرر کرنا ضرور ہے اور حاصل یہ ہے کہ انسان کو خوب یقینی طور پر جس میں خلاف و نقیض کا احتمال نہ ہو جانا چاہیے کہ انسانی سعادت ان ہی امور کے حاصل کرنے میں ہے اور ان کے ترک کرنے میں اس کی بد بختی اور شقاوت ہے اور ضرور ہے کہ طاقت بیکہ کے متغلب کرنے کو ایک تازیانہ ہو جو ان کو باطل پر ہم کر دے۔ انبیاء کے طریقے اس علمی اور اعتقادی حالت کے چتہ کرنے کے لیے مختلف رہے ہیں سب سے عمدہ طریقہ وہ ہے جس کو خداوند کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا کہ اللہ کی روشن نشانیوں کی یاد آوری ہو اس کی برتر صناعت اور تمام آفاقی اور نفسانی نعمتوں کو یاد رکھیں تاکہ بخوبی یہ امر محقق ہو جائے کہ اللہ کی شان اسی لائق ہے کہ تمام لہذا لہذا کو اس کے لیے صرف کر دیں اس کے ذکر کو تمام ماسوائے الہی پر مقدم رکھیں نہایت درجہ کی اس سے محبت رکھیں اور انتہائی کوشش سے اس کی عبادت میں مصروف ہوں۔ ان امور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں خدائے تعالیٰ نے تذکیر بایام اللہ کے مطالب کا اضافہ کر دیا۔ یعنی ان جزاؤں اور سزاؤں کو بیان کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان پذیر اور نافرمان بندوں کو دی ہیں اس نے اپنی نعمتوں اور تکالیف کو کس طرح ازل بدل رکھا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں گناہوں کا خوف اور اللہ کی اطاعت کی کامل رغبت ذہن نشین ہو جائے اور ان علوم باریہ کے ساتھ ہمارے کے ساتھ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں حوادث قبر اور مابعد قبر کے خوف اور بشارت کا اضافہ کر دیا ان کے ذریعہ سے نیکی اور گناہ کے خواص بیان فرما دیے گئے۔ ان امور کا صرف معلوم کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ان کے تکرار کا دور رہنا چاہیے ہمیشہ ان کو ملاحظہ رکھنا چاہیے۔ حتیٰ کہ علمی طاقتیں ان کے اثرات سے لبریز ہو جائیں اور تمام اعضاء ان اثرات کی بجا آوری کریں۔ یہ تینوں علوم اور علم احکام جن میں واجب حرام وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے اور کفر کی ممانعت کا علم یہ پانچوں علوم قرآن عظیم کے علوم میں سے چیدہ اور عمدہ ہیں۔

اور دوسری تدبیر سعادت انسانی کی تکمیل کے لیے عملی ہے اس لیے ایسی ہتھتیں اور افعال اور امور اختیار کرنے چاہئیں جن کی وجہ سے نفس میں مطلوب عادات و اوصاف کی یاد پیدا ہو نفس کو وہ تنبیہ کرتے رہیں اس کو جوش و ہوا نہیں اوصاف کی آمادگی پیدا کرتے رہیں ان اعمال میں اور ان اوصاف میں یا تو عادتہ تلازم ہوتا ہے یا من سبت فطری کی وجہ سے ان اوصاف کے ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے دیکھو جب کوئی شخص اپنے آپ کو غصہ پر آمادہ کرتا ہے۔ اور اپنے سامنے اس کی صورت پیش کرتا ہے تو اس شخص کی دشنام دہی کا خیال کرتا ہے جس پر غصہ کرنا منظور ہوتا ہے اور دشنام سے جو شرم و حار پیدا ہوتی ہے اس کو سوچتا ہے ایسے ہی کوئی روئے والی عورت جب اظہار غم اور بے قراری کرنی چاہے تو مردے کی خوبیوں کو یاد کرتی جاتی ہے جو شخص ہم بستری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی دوائی کو خیال میں لاتا ہے ایسے ہی اس بات کی نظیریں بکثرت ہیں جو شخص اس میں زیادہ بسط دے تو تقریر کرے تو اس کو تمام تعلقات کلام کا ذکر کرنا آسان ہے ان اوصاف مذکورہ میں ہر ایک وصف کے اسباب مقرر ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اوصاف حاصل کیے جاسکتے ہیں ان امور کی بخوبی معرفت کے لیے ان لوگوں کے ذوق پر اعتنا کیا جاسکتا ہے جن کے ذوق سیم ہیں۔ مثلاً حدیث کے اسباب یہ ہیں دل میں بیکہ خواہشوں کا مملو ہونا عورتوں سے نفسانی رغبت کو پورا کرنا حقانی امور کی ممانعت دل میں پوشیدہ ہونا علماء

اغلی کی اعنت کا دل کو گھیر لینا بول و براز کی ضرورت کا پیش آنا نیز بول و براز اور ریح سے ابھی فارغ ہونا یہ تینوں معدے کے فتنے ہیں۔ ایسے ہی بدن پر میل و چرک کا ہونا گندہ دہنی بینی میں آب بینی کا جمع ہونا زیر ناف یا بغل میں بالوں کا بڑھ جانا پائیوں سے کپڑے یا بدن کا آلودہ ہونا حواس میں ایسی صورتوں کا مملو ہونا جن سے بھی حالتیں پیش نظر رہیں مثلاً قذورات شرمگاہ و دیکھنا حیوانوں کی جفتی اور مجامعت کو زیادہ غور سے دیکھتے رہنا فرشتوں اور نیک لوگوں کی شان میں طعن و تشنیع لوگوں کے ایذا دینے میں کوشش کرنا اور پاکیزگی کے اسباب یہ ہیں کہ یہ تمام نجس اسباب دور کر دیئے جائیں ان کے مخالف اسباب حاصل کیے جائیں ان عادات کا برتاؤ کرنا جن کا بہ کمال پاکیزہ ہونا قرار پا چکا ہے جیسے غسل و وضو عمدہ لباس کا پہننا خوشبو لگانا یہ امور نفس کو طہارت کے لیے تنبیہ کرتے ہیں۔ اور خاکساری اور نیاز مندی کے اسباب میں سے ہے کہ تعظیسی حالتوں میں سے اغلی قسم کی حالتوں کا اختیار کرنا سرنگوں ہو کر کھڑے رہنا سجدہ کرنا ایسے لفظوں کو ادا کرنا جن سے مناجات اپنی ذلت اپنی حاجت کا اللہ کے حضور میں اظہار ہوا ان امور سے نفس کو عاجزی اور فروتنی کی کمال تنبیہ ہوتی ہے اور ساحت کے اسباب سخاوت داد و بخش خالم کے قصور معاف کرنا تا گوار حالتوں میں صبر اختیار کرنا ہے اور عدالت کے اسباب میں تفصیلی طور پر تمام رہنمائی کے طریقوں کی محافظت ہے۔

باب ۳۳

حجابت کی تفصیل میں جو فطری امور کے ظاہر ہونے سے مانع ہوا کرتے ہیں

معلوم کرو کہ بڑے بڑے حجاب مانع فطرت تین ہیں ① طبیعت کا حجاب ② رسم کا حجاب ③ نا فہمی کا حجاب۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی میں کھانے پینے نکاح کی خواہشیں پیدا کی گئی ہیں اس کا دل طبعی حالات کے لیے سواری ہے کبھی وہ غمگین ہوتا کبھی خوش ہوتا ہے کبھی غصہ کرتا ہے اور خوف کرتا ہے مٹی ہذا۔ ان حالتوں میں وہ مصروف رہتا ہے ہر حالت کے طاری ہونے سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کے من سب امور کے لیے قوتیں طبع ہوتی ہیں اس طرح پر نفس اس میں مستغرق رہ کر اس کے علاوہ اور اہتماموں سے اس کو غفلت رزق بنے ہر حالت کے بعد اس کی کیفیت اور رنگ باقی رہتی جاتی ہے شب و روز گزرتے جاتے ہیں اور وہ شخص اسی ثبوت میں رہتا ہے اس کو اور کمالات کے حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اور بعض لوگوں کے قدم اس کا لب میں ایسے پھنس جاتے ہیں کہ تمام عمر ان لوہے کا ریشم نہیں ہوتی اور ان لوگوں پر طبیعت کے ادا کام اس طرح غائب آ جاتے ہیں کہ وہ تمام رسی اور قلی امور کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور ملامت کا بھی ان پر پتہ اثر نہیں ہوتا اسی بناب کو حجاب نفس کہتے ہیں سینہ نفس دونوں کی مثل کامل ہوتی ہے ان میں بیداری کا کافی مادہ ہوتا ہے وہ اپنے اوقات میں فرصت اور موقع تلاش کرتے ہیں اور طبعی حالت میں نہ موٹی پیدا کر سکتے ہیں ان کے نفس میں ان حالات کے علاوہ بھی اور امور کی گنجائش ہوتی ہے اور طبعی من سبابت کے علاوہ اور صوم کے فیضان کی بھی وہ قابل ہوتے ہیں ان میں قوت حس اور عقل کے ساتھ ساتھ مال نوی کی طرف بھی توجہ کی ہوتی ہے جب وہ اپنی نوٹم سیرت کو

کھولتے ہیں تو فوراً وہ اپنی قوم کی تدابیر لباس اور نشانات کا مطالعہ کرتے ہیں فصاحت مختلف صنائع کی خوبیاں ان میں دیکھتے ہیں ان کے دل پر ان امور کا بڑا اثر پڑتا ہے اور بہ عزم کامل اور قوی ہمت سے وہ ان کی طرف رخ پھیرتے ہیں اس کا نام تباب رسم ہے اور اس کا نام دنیا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ان ہی امور میں محو اور مستغرق ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ موت ان کو دبا لیتی ہے اور ان فضائل اور خوبیوں کا کمال چونکہ بدن کی بقاء اور ثبات پر موقوف ہوتا ہے اس لیے مرنے کے بعد وہ سب کے سب زائل اور مفلتو ہو جاتے ہیں نفس اب بالکل فضائل سے عاری ہو جاتا ہے کوئی خوبی اس میں نہیں رہتی اس کا حال باغ والے کا سا ہوتا ہے جس کو آندھی نے ایسا ویرانہ کر دیا ہو جیسے گرد کو تیز ہوا اندھیا لے دن میں اڑا لے جاتی ہے اور اگر اس شخص میں ہوشیاری اور بیداری کی پٹائی ہوتی ہے تو وہ کسی دلیل یقینی یا شرعی کی پیروی سے یقین کرتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے تمام بندوں پر غالب ان کے تمام ساز و سامان کا مدبر تمام نعمتوں کی بخشش کرنے والا اس کے بعد اس کے دل میں اللہ کی جانب میلان اور محبت پیدا ہوتی ہے اس کے قرب کا وہ خواستگار ہوتا ہے اپنی حاجتوں کا اس سے طالب ہوتا ہے اس کو قبلہ مقصد سمجھتا ہے۔ بعض ان میں سے ٹھیک راستے پر ہوتے ہیں اور بعض کو خطا ہوتی ہے خطا کے دو بڑے سبب ہیں۔

(۱) یہ خالق میں مخلوق کے اوصاف کا اعتقاد کر لے یا مخلوق میں صفات وحیی کو ثابت کرنے کے پہلی حالت کا نام تشبیہ ہے اس کا نشا ہوتا ہے غائب کی حالت کو کسی حاضر پر قیاس کر لینا اور دوسری خطا اللہ کی شان میں شرک کرتا ہے جب کوئی شخص مخلوق میں خلاف عادت اثر وں کو دیکھتا ہے تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ ان کا تعلق انہیں کی ذات سے ہے یہ ان کے امور ذاتی ہیں تم تمام افراد انسانی کا تجسس کرو جیسے حالات بتائے گئے ہیں سب میں بالاتفاق یہ پاؤ گے ہر ایک انسان کے لیے وہ کسی مشرب میں ہو ضرور ایسے اوقات ہوا کرتے ہیں جن میں وہ تھوڑے بہت طبعی حجاب میں محو رہتا ہے اگرچہ وہ رسم کی عملی طور پر پابندی بھی کرتا ہو اور ایسے اوقات بھی ہوتے ہیں کہ وہ ان میں رسم کے پردے میں مستغرق رہتا ہے اور اہتمام کرتا ہے کہ عقائد قوم کی گفتگو بس اخلاق معاشرت میں مشابہت کرے۔

باب ۲۵

ان طریقوں کے بیان میں جس سے یہ حجاب دور ہو سکتے ہیں

حجاب طبع دور کرنے کے دو طریقہ ہیں ① اس حجاب کے دور کرنے کا اس پر علم کریں اس کو رغبت و رغبت اس میں آمادگی پیدا کی جائے کہ طبعی امور کو دفع کرے ② ان امور پر زور دو کوب کریں اور برضا یا باکراہ اس پر مؤاخذہ کیا جائے پہلا طریقہ ریاضتوں سے حاصل ہوتا ہے جن سے جسم کی قوت کمزور ہو جاتی ہے روزہ رکھا جائے بیداری اختیار کی جائے بعض لوگ ریاضتوں کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ ان سے قدرتی امور کی تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً آلات تناسل کو قطع کر دیتے ہیں اور عمدہ اعضاء مثلاً دست و پا کو خشک کر دیتے ہیں ایسے لوگ جاہل ہوتے ہیں تو وسط کی حالت بہت عمدہ ہوا کرتی ہے روزہ اور بیداری بھی ایک رسمی علاج ہے اس کو بھی بقدر ضرورت کرنا چاہیے۔

اور دوسرے طریقے کے لیے اس شخص کو طاعت کرنا ہے جس نے طبیعت کا اتباع کر کے صحیح راستہ کو ترک کر دیا ہو اس کو یہ طریقہ بتانا چاہیے جس کی وجہ سے وہ غلبہ طبیعت کے پنجہ سے چھوٹ سکے۔ لیکن لوگوں کو نہایت تنگ نہ کرنا چاہیے اور سب حالتوں میں صرف زبانی انکار پر بھی اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ بعض صورتوں میں سخت بدنی یا مالی سزا بھی دینی چاہیے اور جن زیادتیوں میں کہ متعدی ضرر ہوتا ہے مثلاً زنا یا قتل ایسے سزا دینا اور بھی زیادہ مناسب ہے اور حجاب رسم سے بچنے کے دو طریقے ہیں اولاً برتہ پیرنا فحش کے ساتھ ذکر الہی کو مقرون کرنا چاہیے ان لفظوں کو محفوظ رکھنا چاہیے جو ذکر الہی کے لیے قرار دیئے گئے ہیں ان کی محافظت نہایت اہتمام اور تاکید سے کرنی چاہیے جو جاہ و منزلت کے لیے مرغوب ہوں ان دونوں تدبیروں سے رکمی کدورتیں دفع ہو جاتی ہیں عبادت الہی سے ان کو تائید ہوتی ہے اور حقانی امور کی طرف ان کا رخ ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے دوسبوں سے پیدا ہوتی ہے چونکہ پروردگار تمام بشری صفتوں سے بالکل منزہ ہے محسوسات اور محذات میں سے اس میں کوئی اثر اور نشان نہیں ہے اس واسطے بخوبی معرفت الہی اور شناخت خداوندی لوگوں کو نہیں ہو سکتی اس کی تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ کی حقیقت اس عنوان سے سمجھانی چاہیے جو ان کے ذہن میں آسکے اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی شے ہو خواہ موجود ہو یا معدوم انسان اس کو دو طرح پر معلوم کیا کرتا ہے یا اس کی صورت کو اپنے سامنے پیش کرتا ہے یا کسی نہ کسی مش بہت اور قیاس سے ان کو جان لیتا ہے سنی کہ عدم مطلق اور مجہول مطلق کو بھی اس طرح سمجھتا ہے کہ پہلے وجود کے معنے جانتا ہے خیال کرتا ہے کہ عدم وجود سے موصوف نہیں ہوا کرتا اور اولاً جبل سے صیغہ مشتق منقول کے معنے سمجھتا ہے پھر مطلق کا مفہوم کرتا ہے پھر ان امور کو باہم ایک دوسرے سے ماکر ایسی صورت ترکیب درست کر لیتا ہے جس سے امر بسیط کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا خیال میں لانا مقصود ہوا کرتا ہے اور وہ نہ خارج میں نہ آکرتا ہے نہ ذہن میں ایسی ہے جب کسی مفہوم نظری کا معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک ایسے معنے کو سوچتا ہے جس کے جنس ہونے کا خیال سنا ہے اور پھر ایسے مفہوم کو سوچتا ہے جس کو فصل خیال کرتا ہے ان دونوں کو ملا کر ان سے صورت ترکیبی پیدا کر لیتا ہے جس سے معلوم ہو جاتی ہے جس کا تصور کرنا مقصود ہے اس طرح پر لوگوں کو بتانا چاہیے کہ اللہ موجود ہے زندہ ہے لیکن اس کا ہونا اور نہ ہونا ہمارا سا وجود اور ہمارا سا زندہ ہونا نہیں ہے بہر حال اللہ کی ذات میں ایسی صفتوں کا لحاظ کرنا چاہیے جو موجود اور نہ ہونا میں باہمی مشابہت ہو جاتی ہیں۔ تین مفہوموں کا لحاظ رکھنا چاہیے جو ہماری نظر میں ہیں بعض چیزیں ہم ایسی ایک ہیں کہ ان میں صفات مدح موجود ہیں اور ان میں ان صفات کے آثار بھی پیدا ہوتے ہیں اور بعض چیزوں میں نہ وہ صفات ہیں اور نہ ان کی مشابہت میں ان میں صفات پیدا ہوں اور بعض چیزوں میں صفات موجود تو نہیں ہیں لیکن وہ قابل صفات ہیں مثلاً زندہ اور مرادہ اور ہمارا تو اس قسم کی صفات اللہ کو ثابت کرنا چاہئیں اثرات کے لحاظ سے پھر تشبیہ کا تذکرہ یوں کر دیا جائے کہ اللہ میں اور ان میں وہی مشابہت نہیں ہے وہ سری و بہ نامی اور سوہ معرفت کی یہ ہے کہ نہایت مزین اور حسی صورتیں پیش نظر ہوتی ہیں نہایت خوش نما لذیذ چیزیں سامنے ہوتی ہیں یہی صورتیں علم اور خیال میں بھری رہتی ہیں اس لیے اللہ کی جانب نا اہل توجہ نہیں ہوتی۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ریاضتیں کی باہم ایسے اعمال کی پابندی کرنی چاہیے جن سے آدمی میں تجلیات اللہ کی استعداد پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا ظہور عالم حسی میں ہی ہو۔ نعمتیں اور اہتمام انتہا کرنا چاہیے بتدرامکان ان اہل فلوں کو دور کرنا چاہیے جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے پردہ انوارین کو پار دیا تھا اور ریشمی پیر سے دور کر دیا تھا جس میں بیل بولنے تھے۔

مقدمت

نیکی اور گناہ کی حقیقت میں

پہلے ہم جزا و سزا کے دلائل بیان کر چکے ہیں اس کے بعد فطری تدابیر نافع کا بیان کیا گیا کہ وہ وہاں میں ہمیشہ بلا زوال قائم رہتی ہیں پھر سعادت اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے بیان کیے گئے اب ہم نیکی اور گناہ کی حقیقت میں مشغول ہوتے ہیں۔ نیکی وہ عمل ہے جس کو آدمی طاعت کی اطاعت سے یا اللہ و الہی کے قبول کرنے میں ہمہ تن محو ہو جانے سے یا مراد الہی میں فانی ہو جانے سے کرتا ہے یا ایسا عمل ہو جس کی جزا دینا یا آخرت میں ملے یا ایسا عمل ہو جس سے تدابیر نافع کی اصلاح ہو جائے جن پر نظام انسانی کی بنا ہے ایسا عمل ہو جس سے فرمان پذیری کا ثبوت ہو اور تجاہات دور کرنے کا ذریعہ ہو۔ اور گناہ وہ عمل ہے جو شیعانی تحریک اور اطاعت سے کٹا ہوا ہے جس کی سزا دینا یا آخرت میں حاصل ہو یا اس سے تدابیر نافع میں خرابی اور ابتوری پیدا ہو یا متروک ہو اور تجاہات فطرت اس کے مستحکم ہو جائیں جیسے کہ نافع تدابیر کو آگاہ دل لوگوں نے مستحکم کیا ہے اور تمام لوگوں نے دلی شہادت سے ان کی پیروی کی ہے اور تمام روئے زمین کے رہنے والوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے ایسے ہی نیکی کے یہی طریقے ہیں جن کا الہام ان کے دلوں پر ہوا ہے جو ملکی روشنی سے مؤید کیے گئے ہیں ان پر فطرت غالب ہوتی ہے یہ الہامات ایسے ہی ہیں جیسے شہد کی مکھی کو ان امور کا الہام ہوتا ہے جو اصلاح کے لیے مفید ہیں اسی واسطے ان لوگوں نے ایسے الہامی امور اختیار کر کے اور لوگوں کو ان کی راہنمائی کی اور ان کی طبیعتوں میں آمادگی پیدا کی لوگوں نے ان کی پیروی کی اور تمام مذاہب کے لوگوں نے ان پر اتفاق کیا حالانکہ ان کے وطنوں میں بعد تبان کے مذاہب مختلف تھے یہ اتفاق بہ من سب فطری اور نوعی اقتضات ہوا ہے اور جب ان امور کے اصول سب نے نزدیک مسلم ہیں تو ان طریقوں کی صورتوں میں اختلاف کچھ مضرت نہیں ہے۔ اور نہ کچھ اس سے مضرت ہوتی ہے کہ لوگوں کا ناقص جذبہ اس کی تعمیل سے باز رہے اصحاب بصیرت اگر ان لوگوں کی حالت پر غور کریں گے تو ان کو ابھی شک نہ ہوگا کہ خود ان کا مادہ ہی احکام صورت نوعیہ کی بجائے آوری سے عاصی ہوا کرتا ہے وہ لوگوں میں ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے انسانی بدن میں عضو زائد جس کا ٹھکانہ ہو جاتا ہے اس کے ہونے سے زیادہ زیبا ہوتا ہے اس ضمن اور قوانین الہیہ کے شائع ہونے کے بڑے بڑے اسباب اور پختہ تدابیر ہوتے ہیں ان کو وہ لوگ مستحکم کرتے ہیں جو بہ وحی الہی مؤید ہوتے ہیں صوات اللہ میسم انہوں نے لوگوں کی برکات پر اپنا نہایت بڑا احسان کیا ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ ان طریقوں کے اصول پر تنبیہ کریں جن پر عہدہ اقلیم کے باشندوں اور بڑی بڑی جماعتوں نے اتفاق کیا ہے ان جماعتوں میں سے ہر ایک حصہ حکمے الہین اور سلاطین اور روشن رائے حکمائے عرب اور عجم یہود مجوس و ہنود کا شامل ہے ہم یہ بھی بیان کریں گے کہ نیکی طاقت جب ملکی طاقت کے مطیع ہو جاتی ہے تو یہ اصول کیونکر اس سے پیدا ہوتے ہیں اور یہی چند فوائد ذکر کریں گے جن کا ہم کو چند مرتبہ ذاتی تجربہ ہوا ہے اور عقل سلیم نے بھی ان کا فیصلہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

توحید کے بیان میں

نیکی اور اقسام نیکی میں اصل الاصول اور نہایت عمدہ حصہ توحید ہے پروردگار عالم کی حضوری میں نیاز و انکسار کا حاصل ہونا اس کی توحید پر منحصر ہے اور یہ نیاز ہی سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہے یہ تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو ان دونوں تدابیر مذکور میں زیادہ مفید ہے اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہے نہایت مقدس طریقے سے نفس میں غیب کے اتصال کی اسی کی وجہ سے استعداد حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے اگر وہ درست ہے تو سب نیکیاں درست ہیں اگر وہ فاسد ہے تو سب نیکیاں فاسد ہیں اور آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مرے اور اللہ کے ساتھ کسی کو کسی امر میں شریک نہ کرتا ہو وہ بے شک جنت میں داخل ہو گا یا فرمایا ہے کہ اس پر دوزخ کی آگ حرام یا وہ جنت سے نہ روکا جائے گا اور ایسے ہی ایسی عبادتیں وارد ہوئی ہیں اور اللہ کی جانب سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اس کی خطائیں ہوں لیکن کسی امر میں اللہ کا شریک کسی کو نہ کرتا ہو تو میں اتنی ہی اس کی مغفرت کروں گا۔

معلوم کرنا چاہیے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں ① صرف اللہ تعالیٰ میں صفت وجوب وجود کی ثابت کرنا کوئی دوسرا بجز اس کے واجب نہ ہو۔ ② صرف اسی کی ذات کو عرش و کرسی آسمان و زمین اور تمام جوہروں کا خالق جاننا۔ کتب الہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ نے بھی اس توحید کی مخالفت نہیں کی قرآن عظیم میں صاف مذکور ہے کہ یہ دونوں مقدمات ان سب کو مسلم تھے۔ ③ تیسرے آسمان و زمین اور تمام ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں مدبر صرف ذات خداوندی کو سمجھنا۔ ④ بجز اللہ کے کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے ان دونوں حصوں میں قدرتی تعلق و ربط ہے اس لیے ایک دوسرے کو لازم ہے اور انہیں میں فرقوں نے اختلاف بھی کیا ہے مخالفین میں تین فرقے بڑے ہیں۔ ① نجومی ان کا مذہب ہے کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں ان کی پرستش سے دنیاوی منفعت حاصل ہوتی ہے اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرنا بجا ہے وہ قائل ہیں کہ ہم و خوب ثابت ہو گیا ہے کہ روزانہ حوادث میں ستاروں کا بڑا اثر ہے ان کو آدمی کی خوش نصیبی اور سیئہ بختی تندرستی اور مرض میں بڑا دخل ہے ستاروں کے انفس مجرہ اور ملاء مائدہ ہیں وہی ان کو ان حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں وہ اپنے پجاریوں سے بے خبر نہیں ہیں اس لیے نجومیوں نے ستاروں کے نام پر مورتیں بنالی ہیں انہیں کو وہ پوجتے ہیں۔ اور مشرکوں کا وہ فرقہ مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں تو موافق ہے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور قطعی حکم کرنے کا منصب تو اللہ ہی کو ہے اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا ہے لیکن وہ باقی امور میں مسلمانوں سے موافق نہیں ہیں ان کا مذہب ہے کہ پہلے صلوات نے جو اللہ کی خوب عبادت کی ہے اس سے وہ بارگاہ الہی میں مقرب ہو گئے ہیں اللہ نے الوہیت کا مرتبہ ان کو عطا کر دیا ہے اس واسطے وہ بہ نسبت اور مخلوقات کے پرستش کے مستحق ہو گئے ہیں جیسے

کہ کوئی شخص کسی شہنشاہ کی نہایت خدمت کرتا ہے تب شہنشاہ اس کو ملکی خلعت عطا کر کے کسی شہر کی حکومت اور انتظام اس کے متعلق کر دیتا ہے اس لیے وہ مستحق ہو جاتا ہے کہ اس شہر کے لوگ اس کی خدمت اور اطاعت کریں۔ مشرکین کا قول ہے کہ بغیر اس کی پرستش شامل کیے عبادت مقبول نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا رتبہ نہایت بلند ہے اس کی عبادت سے تقرب الہی حاصل نہیں ہوتا البتہ ان لوگوں کی پرستش ضرور ہے تاکہ یہ قرب الہی کے لیے ذریعہ بن جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنتے ہیں دیکھتے ہیں اپنے پجاریوں کی شطاعت کرتے ہیں ان کے امور کا ساز و سامان کرتے ہیں ان کے معاون رہتے ہیں اسی لیے مشرکین نے ان کے نام کے پتھر تراش لیے ہیں جب وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں۔ ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے انہوں نے ان پتھروں میں اور ان لوگوں میں جن کے لیے یہ پتھر تراش کیے گئے کوئی فرق نہیں کیا اور خود انہیں پتھروں کو اصلی معبود قرار دے دیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ محض جمادات ہیں اَللّٰہُ اَزْجَلُ یَمْشُوْنَ بِہَا اَمْ لَہُمْ اَیْدٌ یَّبْعَثُوْنَ بِہَا اَمْ لَہُمْ اُغْنِیٰ یَنْصُرُوْنَ بِہَا اَمْ لَہُمْ اَذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِہَا (کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے بل وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا کان ہیں جن سے کچھ سن سکیں) اور فرقہ نصاریٰ کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ میراث کو خداوند سے نہایت قرب ہے۔ اور تمام مخلوق سے ان کا رتبہ زیادہ ہے اس لیے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان کو بندہ کہیں یہ ان کی شان میں سوء اوہی ہے اور اس قرب کا لحاظ ترک کر دینا ہے جو ان کو اللہ سے حاصل ہے اس لیے بعض نصاریٰ اس خصوصیت کے اظہار کے لیے ان کا نام ابن اللہ رکھتے ہیں چونکہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہے اور اپنی نظر کے سامنے اس کی تربیت کیا کرتا ہے اس کا درجہ غلام سے زیادہ ہوا کرتا ہے اس واسطے یہ ہی نام مناسب ہے۔ اور بعض نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ میراث کا نام اللہ ہی رکھ دیا ہے اس خیال سے کہ اللہ نے ان میں حلول کیا ہے اس لیے ان سے ایسے ایسے آثار صادر ہوئے کہ آدمیوں سے وہ صادر نہیں ہوا کرتے مردوں کو انہوں نے زندہ کیا پرندوں کو پیدا کیا اس لیے حضرت کا کلام بعینہ کلام الہی ہے اور ان کی عبادت بالکل اللہ کی عبادت ہے اور نصاریٰ جب جد کو پیدا ہوئے تو اس نام رکھنے کی وجہ کو انہوں نے سمجھ نہ سچے اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی ہی معنی کے بیٹے سمجھے یا ان کو من جمیع الوجود وادب خیال کیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کبھی ان کے اقوال کو اس طرح رد کیا کہ اللہ کے پاس بیوی نہیں اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ اَللّٰہُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (اللہ آسمانوں اور زمین کا از سر نو پیدا کرنے والا ہے اس کی شان ہے کہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جو وہ ہو جاتی ہے) ان تینوں فرقوں کے بڑے بڑے چورے دعوے ہیں ان میں بکثرت خرافات اور بے ہودہ پین بجا باتیں پر دوغلی نہیں ہے قرآن عظیم نے ان دونوں مرتبوں کو خوب بیان کیا ہے اور کافروں کے شبہات کا بالاحتیاب رد کیا ہے۔

حقیقتِ شرک کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ عبادت کے معنی ہیں نہایت درجہ کی عاجزی جب کسی سے ایسے نہایت درجہ کی ذلت اور عاجزی ظاہر ہوگی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا صوری مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا ایک کا سجدہ کرنا یا قصد اور نیت سے ہوتی ہے مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لیے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لیے یا شاگردوں کی استاد کے لیے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے اور جب ثابت ہو چکا ہے کہ سجدہ سے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم کی تھی حالانکہ سجدہ سے زیادہ اور کوئی تعظیم نہیں ہے تو ضرور ہوا کہ نیت سے ہی فرق کیا جائے لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی ہے کہ مولا کے لفظ کے کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں اس سے مراد معبود کی ذات ہے تو وہ گویا عبادت کی تعریف میں مانا نہ ہے پس اس کے متعلق یوں تنقیح کی جائے گی کہ ذلت و خواری کا اقتضائے ذلیل میں ناتوانی اور ضعف کا لحاظ کرنا اور دوسری میں قوت اور غالب کا خیال کرنا ذلیل کی حالت میں ذلت اور پستی اور دوسری میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھنا اور آدمی جب غفلتِ باطن ہو جائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ قوت شرف مسخر کرنے وغیرہ امور کے لیے دو قسم پر اندازہ کرتا ہے ایک اپنی ذات کے لیے اور اس کے لیے جو ذاتی امور میں اس سے ملتا جلتا ہو اور ایک اور ذات کے لیے جو حدوث و امکان کے داغ سے بالکل پاک ہے دوسرے ان لوگوں سے لیے جن میں ایسی پلید ترین ذات کی بعض خصوصیتیں منتقل ہو آئی ہیں مثلاً وہ امور غیبیہ کے معلوم کرنے کے لیے دو درجے قرار دیتا ہے ایک وہ درجہ جو غور و فکر یا مقدمات کے ترتیب دینے یا بقوتِ حدیث یا خواب یا ان چیزوں سے الہام کو اخذ کرنا جن کے مخالف اپنے آپ کو بالکل نہیں پاتا ہے دوسرے ذاتی علم جو عالم کی ذات کا ہے مقتضا ہو دوسرے سے وہ اس کو حاصل نہ کرے اور قسمیں بی محنت کا بار نہ برداشت کرے ایسے ہی تاثیرتِ بدیر تشخیر کے لیے کوئی سالنظ ہو دور ہے سمجھتا ہے ایک تو اعضاء اور قوا کا استعمال کرنا ذاتی کیفیات حرارت برودت وغیرہ سے اعانت لینا یا امور جن کی استعدادِ قریب یا بعید اس میں موجود ہے دوسری تاثیر کا درجہ یہ خیال لیا جاتا ہے کہ بغیر کسی کیفیت ہمانے اور بغیر کسی امر کے استعمال کیے کسی شے کو پیدا کر دینا جس کو اللہ فرماتا ہے **وَ اَنْفَعَا اَمْرُهُ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** (جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جاوے ہو جاتی ہے) اور ایسی وہ عزت اور شرف کے دو درجے قرار دیتا ہے ایک ایسی عظمت جیسے کہ بادشاہ کی رعیت کے مقابلے میں ہوتی ہے جس کی ایسا معاونین کی لڑتے انعامات داد و دہش کا زیادہ ہونا ہے جیسے کسی بڑے توانا اور استاد کی عظمت دوسرے ضعیف القوی اور شاگرد کے مقابلے میں ہوتی ہے اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہے کہ وہ صرف اس میں ہو جس کی رفعت و شان نہایت اعلیٰ درجے کی ہو اس راز کو مستعدی سے تلاش کرنا چاہیے تاکہ تم کو یقین ہو جائے کہ جو شخص اس کا مقرب ہے کہ یہ تمام اہم کافی سلسلہ ذات و اجبی پر ختم ہو جاتا ہے دوسرے کی پُر کوئی عبادت نہیں رہتی اس کو ان صفات قابل مدح کے دو درجہ قرار دینے پڑیں گے ایک وہ درجہ ذات خداوندی کے

لائی ہو دوسرے جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہے۔

اور چونکہ الفاظِ جود دونوں میں استعمال کیے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے بہت قریب قریب ہوا کرتے ہیں اس لیے لوگ شرائعِ الہیہ کے لیے موقع معنی لگا لیا کرتے ہیں اور اکثر بعض آدمیوں یا فرشتوں وغیرہ کے ایسے ایسے افعال آدمی کو معلوم ہوتے ہیں جن کا صادر ہونا ان کی اپنائے جنس سے مستبعد ہوا کرتا ہے اس لیے ان کی نظر میں حالتِ مشتبہ ہو جایا کرتی ہے اور ان کے لیے وہ قدسی مرتبہ اور الہی تاثیر ثابت کرتا ہے لوگ درجہِ بلند کی شناخت میں برابر نہیں ہوتے بعض لوگ ان انوار کی قوتوں کا احاطہ کر لیا کرتے ہیں جن کے اثر تمام موالید پر غالب اور محیط ہوتے ہیں لیکن یہ شخص ان طاقتوں کو اپنی طاقت جیسے سمجھتے ہیں اور بعضوں کو ایسے احاطہ کرنے کی طاقت نہیں ہوا کرتی ہر انسان کو اس قدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے اس دکایت کے یہی معنی ہیں جس کو کہ سراپا صداقت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجھ و جلا دینا اور میرے خاکستر کو ہوا میں اڑا دینا اس کو خوف تھا کہ مبادا اللہ مجھ کو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے اس شخص کو یہ یقین تھا کہ اللہ میں کامل درجے کی قدرت ہے لیکن اس کو قدرت ان ہی چیزوں میں ہے جو کہ ممکن ہیں ممکن چیزوں پر اس کو قدرت نہیں ہے وہ جانتا تھا کہ اس خاکستر کا جمع کرنا ناممکن ہے جو پراگندہ ہو کر اس کا نصف حصہ نشی میں ہو اور نصف دریا میں اس سے اللہ کی ذات میں تمہیں پیدا نہیں ہوا جتنا اس کا علم تھا اتنا ہی وہ ماخوذ ہوگا لیکن کافروں میں اس کا شمار نہ ہوگا تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شریک کرتا جن سے خلاف عادت امور مانند مکاشفہ اور قبولیت دعا کے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لوگوں میں موروٹی ہو گیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس کو فرض ہے کہ لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب سمجھا دے اور دونوں درجوں کی حقیقت تمیز کر کے مقدس درجہ کو صرف واجب تعالیٰ ہی میں مانے اگرچہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنی ہوں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طبیب سے فرمایا کہ تو صرف رفیق ہے اور طبیب حقیقت میں اللہ ہی ہے اور جیسے کہ آپ نے فرمایا کہ سردار صرف اللہ ہی ہے ان حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنی لیے ہیں اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کے حواری اور صحابہ اور ان کے حاکمین دین کا زمانہ ختم ہو گیا ان کے بعد ایسے ناشدنے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بے جا معنی بنا لیے جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو اللہ نے تمام شریعتوں میں بندگانِ خاص کے لیے ثابت کیا ہے لیکن لوگ اس کے بے جا معنی مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلاف عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ ہم الہی اور غیب الہی کی حالت اس شخص میں منتقل ہو آئی ہے جو ایسے کام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناممکن یا روحانی طاقتوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں ایک خاص وجہ سے تدبیر الہی کے تازل ہونے کی استعداد آ جاتی ہے ان امور کو ایجو د الہی اور ان امور سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا جو واجب تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعض اللہ کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکاء کی ہی عبادت کرتے ہیں اپنی طاقتوں کو انہیں سے مانگتے ہیں اللہ کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اگرچہ یقینی دلیل سے یقین کرتے ہیں کہ سلسلہ وجود اللہ پر ہی ختم ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ سردار اور مدبر تو اللہ ہی ہے لیکن وہ بھی اپنے بندوں کو بزرگی اور معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہے اور بعض خاص کاموں کا ان کو اختیار مل جاتا ہے۔ وہ ان کی خواہش کو قبول کرتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ کسی حصہ مملکت پر کسی بادشاہ کو بھیجتا ہے

اور وہ بجز بڑے بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اس کے سپرد کر دیتا ہے اس وجہ سے ایسے شخص کے حق میں ان لوگوں کو بندگان اللہ کہنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی کہ کہیں وہ اوروں کے برابر نہ ہو جائیں وہ بجائے اس نام کے ان کو ابن اللہ اور محبوب الہی کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا غلام سمجھتے ہیں وہ اپنا نام عبد المسیح یا عبد العزیز رکھتے ہیں عام یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کو یہ مرض ہوتا ہے اور فی زمانہ اسلام میں بھی بعض ایسے عالی منافق موجود ہیں اور چونکہ شریعت کی بنا اس پر ہوا کرتی ہے کہ مشبہ چیز کو بجائے اصل کے قرار دیں۔ اس لیے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا کفر شمار کیے گئے جیسے بتوں کو سجدہ کرنا ان کے لیے قربانی کرنا ان کے نام پر حلف کرنا اور ایسے ہی اور امور اول اول مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی ایک قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زہریلی نگس کے لیے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دم اور ہاتھ پاؤں بلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے اور جیسی خطا اور بڑہ کاری نے بت پرستوں کو گھیر لیا ہے ایسے ہی ان نگس پرستوں کو بھی گھیر لیا ہے میں نے کہا کہ ان لوگوں نے کبھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے لیکن ذلت کے درجہ عزت کے درجہ کو سے نہیں ملایا ہے اس واسطے میں ان لوگوں میں شرک کی تاریکی نہیں پاتا مجھ سے کہا گیا کہ تجھے اصلی راز کی رہبری ہوگئی ہے اس روز سے میرا دل علم تو حید سے لبریز ہو گیا اور اس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہوگئی اور تو حید و شرک اور ان چیزوں کی حقیقت جن کو شرع نے تو حید و شرک کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہوگئی ہے اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا۔ واللہ اعلم

باب ۳۹

شرک کے اقسام میں

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑے بڑے بزرگ شخص کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ اسی لیے صادر ہوتے ہیں کہ اس میں ایسی کمالی صفت حاصل ہوئی ہے جو اس کے ابنائے جنس میں معمولی طور پر نہیں ہو سکتی بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جاسکتی ہیں دوسرے کسی شخص میں اس کا جب ہی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ الوہیت کا خلعت اس کو پہنا دے اور اس کو اللہ اپنی ذات میں ملا لے یا ایسا ہی بیہواہ گمان کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین تلبیہ (لبیک کہنا) اس طرح پر کیا کرتے تھے لا شریک لك الا شریکا هو لك تملکہ و مالک (ہم حاضر ہیں ہم حضور میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے ہاں وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے) اسی لیے اس شخص معبود کی نسبت کمال ذلت اور عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس سے ایسا ہی معاملہ کیا جاتا جیسا کہ کوئی بندہ اپنے اللہ کے ساتھ شرک کے قصد سے کرتا ہے اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں اور قالب ہوا کرتے ہیں شریعت کو صرف انہیں صورتوں سے بحث ہوتی ہے جن کو لوگ عمل میں لاتے ہیں اور ان امور میں شرک کا احتمال ہوتا ہے اور عادت وہ شرک کو لازم ہوا کرتی ہے ایسے ہی شرع کی عادت اور

روشن یہ ہے کہ بجائے مصالح اور مناسد کے وہ ان کے اسباب و غل کو قرار دیتی ہے ہم ان امور پر متنبہ کرتے ہیں جن کو شریعت محمدیہ نے (مثلاً صا جہا الصلوات والتسلیمات) شرک کے مواقع بتا کر ان امور کو منع کیا ہے ان میں سے یہ ہے کہ مشرکین بتوں اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لیے غیر اللہ کے سجدہ کو منع فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ﴾ (آفتاب اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ ان کے خالق کو سجدہ کرو) اور سجدہ کرنے میں شرک کرنے کو ضرور اور لازم ہے کہ تدبیر میں بھی شرک ہوگا۔ اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور ایسا نہیں ہے جیسے متکلمین کا گمان ہے کہ توحید عبادت احکام الہیہ میں سے ایک حکم ہے اور یہ حکم مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے اس کے لیے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے یہ تقریر درست نہیں اگر یہی ہوتا تو اللہ مشرکین کو الزام کیوں دیتا کہ وہ پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ﴾ (کہہ الحمد للہ اور مقبول لوگوں پر سلام ہے کیا اللہ بہتر ہے) اخیر پانچ آیتوں تک بلکہ یہی حق ہے کہ مشرکین مقرر تھے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور خلق اللہ ہی کی صفت ہے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ عبادت ان دونوں صفتوں کو لازم ہے توحید کے معنی میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو الزام دیا واللہ الحجۃ الباقیۃ اور انہیں امور شرکیہ میں سے یہ تھا کہ مشرکین اپنے اغراض کے لیے غیر اللہ سے امداد طلب کیا کرتے تھے۔ بیمار کی شفا اور فقیروں کی توانگری کو ان سے طلب کرتے تھے ان کے لیے نذریں مانتے تھے ان نذروں سے ان کو حل مطلب کی امید ہوا کرتی تھی۔ تبرکات ان کے نام چپا کرتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ نمازوں میں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے یاوری کے خواہاں ہیں) پڑھا کریں اور اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (اللہ کے ساتھ دوسرے کو مت پکارا کرو) اور دعا کے معنی عبادت کے نہیں ہیں۔ جیسے بعض مفسرین کا قول ہے بلکہ استغاثہ کے ہیں اللہ دوسری جگہ فرماتا ہے: ﴿بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ﴾ (اللہ ہی سے مدد طلب کرو تا کہ وہ حاجت پوری ہو جائے جس میں تم مدد کے خواہاں ہو) انہیں امور سے یہ مشرکین بعض شرکاء سے الہی کا نام بنات اللہ یا ابناء اللہ رکھتے تھے۔ نہایت سخت درجہ کے تشدد سے وہ ایسے افعال سے روکے گئے پہلے ہم اس کا راز بیان کر چکے ہیں اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے علماء اور زاہدوں کو بجز اللہ کے اپنا حاکم اور پروردگار بنا رکھا تھا ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں وہ حلال ہو جاتی ہے نفس الامر میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے ہیں وہ واقع میں مواخذہ کے قابل ہوتی ہے۔ اور جب آیت ﴿اتَّخِذُوا أَخْبَارَهُمْ وَرُحْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دوسرا اللہ بنا رکھا ہے) نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے اس کے معنی دریافت کیے آپ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو وہ حلال کر دیا کرتے تھے ان کو لوگ حلال سمجھنے لگتے تھے اور جن چیزوں کو حرام بناتے تھے ان کو لوگ حرام ہی سمجھتے تھے اس کا یہ راز ہے کہ تحلیل اور تحریم کا موجود کرنا ملکوت میں جاری ہوا کرتا ہے کہ فلاں شے مواخذہ کے قابل ہے اور فلاں قابل مواخذہ نہیں ہے اس طرح پر موجود کرنا مواخذہ اور ترک مواخذہ کا سبب ہوا کرتا ہے اور یہ بجز اللہ کے کسی دوسرے کی صفت نہیں ہو سکتی تحلیل اور تحریم کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف اس واسطے کیا کرتے ہیں کہ آپ کا فرمان قطعاً قرینہ ہوتا کہ یہ اللہ ہی نے حرام یا حلال کیا اور

امت محمدیہ کے مجتہدین کی طرف ان کی اس واسطے نسبت کرتے ہیں کہ انہوں نے نص شارع سے اس کو نخل کر دیا ہے یا شارع کے کلام سے اس کو مستنبط کیا ہے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے اور اس کی رسالت معجزات سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی زبان سے بعض امور کا حلال و حرام ہونا معلوم ہو جاتا ہے تاہم بعض لوگوں کو اس خیال سے کہ اس کے مذہب میں کوئی چیز حرام تھی اس کے کرنے میں کشیدگی سی رہا کرتی ہے یہ توقف دو طرح پر ہوتا ہے اگر اس کو اس شریعت کے ثبوت ہی میں کلام ہے تب تو وہ کافر ہے اور اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلی تحریم منسوخیت کے قابل ہی نہ تھی اللہ نے اپنے بندے کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھا کسی امر سے اس کا منع کرنا یا کسی امر کو اس کا مکروہ خیال کرنا مالی یا جانی نقصان کا باعث ہے ایسا شخص مشرک ہے وہ گویا اللہ کے لیے غصہ اور ناخوشی تحلیل اور تحریم الہی کا ثابت کرتا ہے اور غیر محدود حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اکثر صحابہؓ کے نام بدل دیئے تھے جن کا نام عبدالعزیز اور عبدالشمس تھا ان کا نام عبداللہ اور عبدالرحمن وغیرہ رکھ دیا تھا یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے اس واسطے شارع فیضانہ نے ان سب سے لوگوں کو روک دیا۔

باب ۴۰

اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے کے بیان میں

نبی کی تمام قسموں سے سب سے زیادہ پر عظمت قسم اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا ان کے ساتھ اللہ کے متصف ہونے کا اعتقاد کرنا ہے اس کی وجہ سے بندے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تعلق کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور کبریائی کے منكشف ہونے کا ذریعہ نکل آتا ہے معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ کسی عقلی یا حسی چیز پر اس کو قیاس کر سکیں یا اس میں صفات ایسے حلول کریں جیسے اپنے نخل میں اغراض حلول کرتے ہیں یا امام متینین ان کا اندازہ کر سکیں یا معمولی لفظ ان کو ادا کر سکیں یا ان لوگوں کو ان صفات کی رہبری تھی ضرور ہے تاکہ حتی الامکان وہ اپنے مال کو پورا کر سکیں اس لیے ضرور ہے کہ صفات کا جب احتمال یا جائے تو ان سے نتیجہ اور غائتیں مراد لی جائیں نہ ان کی ابتدائی حالتیں مثلاً رحمت کے معنی سے نعمتوں کے ذریعہ سے فیض پہنچا تا مگر انہوں نے دل کا بیان اور نرمی اور ایسے لفظ اوصاف کے بیان کرنے سے لیے مستعد لیے جائیں نہ ان سے اللہ کا مالک اور قابض ہونا معلوم ہو جائے کہ بادشاہ اپنے شہر پر قابض ہوتا ہے اس لیے کہ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اس غرض کے لیے دلی اور مہارت زیادہ خوش ادا نہیں ہے۔ اور تشبیہات کا اس طرح استعمال ہو کہ ان کے اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ ایسے مقصود ہوں جو مفاسد معنی کے مناسب ہوں مثلاً ہاتھ کی کشائش سے جو دو فیضی مراد ہو اور تشبیہ کے بیان میں یہ لفظ ہے کہ منی طہین کو بھیگی آلودگیوں کا اللہ کی ذات میں نہ کرنے کا صریح شبہ معلوم ہو اس میں منی طہین کی حالت مختلف ہو جاتی ہے اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ قائم ہے نہ نیست ہے نہ غائب نہ پائیدار ہے نہ فنا ہوتا ہے اور پند معانی کا باب ایک ہی اثر ہو تو ان کی فیض رسانی کو ایک ہی نام

تعبیر کریں جیسے کہیں رزاق یا مصور اور ان اوصاف کی اللہ سے نفی کی جائے جو اس کی شان کے شایان نہ ہوں۔ خصوصاً وہ اوصاف جن کو کافر بیان کرتے ہیں مثلاً اللہ کے کوئی فرزند نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

تمام آسمانی مذاہب نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ کی صفات اس طرح بیان کی جائیں ان عبارتوں کا استعمال ہو بہور ہے اور استعمال سے زیادہ ان کی بحث و تفتیش نہ کی جائے جن زمانوں کی خوبی اور بہتری کی شہادت دی گئی ہے وہ اسی حالت پر گزر گئے لیکن ان کے بعد مسلمانوں کے ایک فرقے نے ان مباحث اور تحقیق معانی میں زیادہ خوض کیا لیکن اس کے متعلق نہ کوئی نص تھی نہ دلیل قطعی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مخلوق میں غور کرو اور خالق میں مت غور کرو اور آنحضرت ﷺ نے آیت ﴿وَإِنِّ إِلَهِ رَبِّكَ الْمُنْتَهَى﴾ میں فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کرنا بجا نہیں ہے اور صفات چونکہ مخلوق اور ناپیدا نہیں ہیں تو ان میں غور کرنے کے معنی یہی ہیں کہ اللہ میں یہ صفتیں کیونکر حاصل ہو گئیں تو گویا ان میں غور کرنا خالق ہی میں غور کرنا ہو گیا۔ ترمذی نے حدیث ﴿يَدُ اللَّهِ مَلَأَتْهُ﴾ (اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث کی نسبت بیان کیا ہے کہ جس طرح یہ حدیث وارد ہے ویسے ہی ہم اس پر ایمان لاتے ہیں نہ اس کی ہم کچھ تفسیر کرتے ہیں نہ اس میں کسی اور امر کا خیال کرتے ہیں اکثر ائمہ کا قول یہی ہے ان میں حضرت سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ اور عبد اللہ ابن مبارک بھی ہیں یہ سب کہتے ہیں کہ یہ امور روایت سے ثابت ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسا کیوں کر ہے اور دوسرے موقع پر ترمذی ہی نے کہا ہے کہ ان صفات کو جیسا کہ تیسرا رکھنا تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ جب ہی کہا جائے کہ اللہ کی صفت شنوائی اور بینائی ایسی ہو جیسی ہماری شنوائی اور بینائی۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ یا کسی صحابی سے صحیح طریقہ سے کوئی ایسا امر منقول نہیں ہے کہ جس سے اس کی صاف توضیح ہو سکے کہ متشابہات میں تاویل کرنا ضروری ہے یا تاویل بیان کرنا بالکل منع ہے یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی تبلیغ کا حکم دے جو اللہ کی جانب سے لوگوں پر نازل ہوئیں اور ﴿أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ بھی ان پر نازل ہوا پھر بھی متشابہات کا کچھ ذکر نہ کیا جائے اور اس کی کچھ تمیز نہ ہو کہ اللہ کی جانب کسی امر کو منسوب کر سکتے ہیں اور کس کو منسوب نہیں کر سکتے حالانکہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ لوگوں کو آمادہ کیا کرتے تھے کہ احادیث کو نقل کیا کرتے ہیں اور فرماتے رہے کہ حاضر شخص غائب کو سب حالات کی خبر دے دے حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کے اقوال و افعال اور حالات کو اور ان امور کو جو آپ کے سامنے پیش آئے بہ خوبی نقل کر دیا پس معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں کا اتفاق رہا کہ جو اللہ کی ان متشابہات سے مراد ہے اسی پر ایمان رکھنا چاہیے مخلوقات کے متشابہات سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح تنزیہ ذکر کر دی ہے کہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (اس کی مثل کوئی نہیں ہے) جس شخص نے ان کے بعد اس قول کی مخالفت کی تو گویا اسلامی طریقے کے مخالف کی اتنی میں کہتا ہوں کہ شنوائی، بینائی، قدرت، شہادت، کلام، استواء، میں کوئی فرق نہیں اہل زبان کی نظر میں ان تمام اوصاف سے وہی معنی مفہوم ہوتے ہیں جو اللہ کی بارک و قدس کے لائق نہیں ہیں۔ شک میں اگر کوئی استحالہ ہے تو یہی ہے کہ اس کے لیے منہ چاہیے ایسے ہی صفت کلام کا حال ہے اور گرفت و نزول میں بھی یہی استحالہ ہے کہ بغیر ہاتھ پیروں کے نہیں ہو سکتے ایسے ہی یہ شنوائی اور بینائی کی صفت بھی گوش اور آنکھ کی خواہاں ہے۔ واللہ اعلم

ان خوض کرنے والوں نے اہل حدیث پر بڑی زبان درازی کی ہے۔ اور ان کا نام مجسمہ اور مشبہ رکھا ہے کہتے ہیں کہ یہ لوگ

(تجسیم) کو چھپاتے تھے مجھ کو خوب صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی زبان درازی محض بے معنی ہے اپنے قول میں انہوں نے اور درایت خطا کی ہے۔ آئمہ ہدایت کی نسبت ان کا طعن بے جا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مقابہات میں دو مقام ہیں: ① یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ صفات کس طرح ثابت ہوئے ہیں آیا یہ صفات ذات خداوندی پر زائد ہیں یا اس کی عین ذات ہیں اور شنوائی بینائی اور کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے۔ بادی الرائے میں جو ان الفاظ سے معنی سمجھے جاتے ہیں وہ اللہ کی غمان کے مناسب نہیں ہیں اس مرتبہ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا ہے بلکہ اس میں بحث و گفتگو کرنے سے اپنی امت کو روک دیا ہے اس لیے کسی کی تاب نہیں ہے کہ جس چیز کو آپؐ نے منع فرما دیا ہے اس کا اقدام کرے اور دوسرا مقام یہ ہے کہ ایسی صفات کون سی ہیں جن کو ہم شرع کی اجازت سے اللہ کے لیے ثابت کر سکیں۔ اور ایسی کون سی ہیں جن کا اطلاق اللہ کے لیے درست نہیں ہے اس کے متعلق حق یہ ہے کہ اللہ کی صفات اور اسماء توقیفی ہیں اگرچہ ہم کو وہ قواعد معلوم ہیں جن کو شرع نے صفات الہی کے بیان کرنے کے لیے معیار قرار دیا ہے اس کو ہم کتاب کے شروع میں تحریر کر چکے ہیں لیکن اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر صفات میں خوض کرنے کی ان کو اجازت دے دی جائے تو وہ خود بھی گمراہ ہو جائیں اوروں کو بھی گمراہ کر دیں اور بہت سی صفات بھی ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کرنا اصل میں جائز ہے لیکن کفار کے بعض فرقوں نے ان کا بے جا استعمال کیا ہے یہ استعمال ان میں شائع تھا اس لیے اس فساد کے دور کرنے کو شرع نے ان صفات کے استعمال سے منع کر دیا ہے۔ اور بعض صفات ایسے ہیں کہ اگر ان کو ظاہری معنی میں استعمال کریں تو خلاف مقصود کا وہم ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے ان صفات کے استعمال سے بھی احتراز چاہیے اسی حکمت سے شرع نے اوصاف کو توقیفی قرار دیا ہے اور اپنی رائے سے ان میں خوض کرنے کو جائز ٹھہرایا ہے اور حاصل یہ ہے کہ محک فرحت بٹاشی کا استعمال کرنا اللہ کی شان میں جائز ہے اور گریہ خوف وغیرہ کا استعمال درست نہیں ہے اگرچہ ان دونوں قسموں کا ماخذ قریب قریب ہے اور یہ مسئلہ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کر دی عقل اور نقل سے مؤید ہے اس کے آس پاس باطل کوئز نہیں ہے لوگوں کے اقوال اور مذہب کے باطل کرنے کا یہ موقع بھی نہیں ہے بلکہ اور موقع میں ان کا ابطال کیا جاتا ہے اور ہم ان الفاظ مقشابہ کی تفسیر اور دوسرے معنی سے بھی کر سکتے ہیں جو بہ نسبت ان علماء کے معنی کے زیادہ قریب الفہم اور مناسب ہوں جو معنی انہوں نے ذکر کیے ہیں۔ وہ ابھی تک بالکل متعین نہیں ہوئے ہیں دلیل عقلی ان پر ہم کو مجبور نہیں کرتی اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کچھ ان کو ترجیح اور فضیلت بھی نہیں ہے نہ ان میں یہ حکم کیا جاتا ہے کہ یہی اقوال مراد الہی کے موافق ہیں نہ ان کے اعتقاد پر اجماع اور اتفاق ہو گیا ہے یہ بات ابھی بہت دور ہے اس لیے ہم کہتے ہیں مثلاً تمہارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں زندہ، جہاد مردہ اور زندہ پونکہ، دانا متقوق میں موثر ہوتا ہے۔ اس واسطے زندہ کی حالت کو حضور خداوندی سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لیے ضرور ہے کہ ہم اللہ کا نام ہی رکھیں اور ہمارے حق میں ”علم“ اشیاء کی ظاہر اور منکشف ہونے کا نام ہے اور اللہ پر بھی تمام اشیاء منکشف ہیں پہلے وہ سب اس کی ذات میں مندرج تھیں اس کے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا اس لیے ضرورۃً ہم اس کو علیم کہہ سکتے ہیں اور بینائی اور شنوائی سے نظر آنے والی اور سنی گئی چیزوں کا پورا انکشاف ہوا کرتا ہے اور اللہ ویہ انکشاف نہایت کامل درجہ کا ہے اس لیے ہم اس کو سنی اور علیم ضرورۃً کہیں گے اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ ارادہ کیا تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ کسی کام کے کرنے یا ترک کرنے کی خواہش اس میں ہوئی اور جب کسی کام کی شرائط منظور ہو

جاتی ہے یا عالم میں کوئی استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اکثر کاموں کو فعلیہ میں لاتا ہے جو چیزیں پہلے ضرور نہ تھیں شرط اور استعداد ان کو ضروری ہے کر دیا کرتی ہے اور بہت دور کے حصوں میں اللہ کے حکم سے بکثرت اجتماع ہو جاتا ہے حالانکہ پہلے سے وہ اتفاق نہیں ہوا کرتا اس وجہ سے اللہ کو مرید کہا جاتا ہے اور نیز جب ارادۃ الہی جو اللہ کی ذاتی صفت ہے اور خواہش اس کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ تمام عالم سے وہ متعلق ہو چکا اور بعد کو وقتاً فوقتاً نئی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لیے یہی مناسب ہے کہ ایسی ہر چیز کی طرف اس کو منسوب کر کے کہیں کہ اللہ نے ایسا ارادہ کیا اور ویسا ارادہ کیا۔

اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو قدرت ہے تو اس کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ وہ کوئی کام کر سکتا ہے اور کوئی خارجی سبب اس کو نہیں روک سکتا اور دو مقدور چیزوں میں سے اگر قادر ایک ہی کو اختیار کر لے تو اس سے نفی قدرت نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ محض اپنی عنایت اور خواہش ذاتی سے بعض افعال کو پسند کرتا ہے اور ان افعال کے مخالف امور کو ترک کر دیتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام قادر ہے اور جب کلام کیا فلاں نے فلاں سے کہا جاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے مقصود معانی کو ان لفظوں سے ادا کر دیا جن سے وہ معانی معلوم ہوتے تھے اور اللہ بھی اکثر اپنے بندے کو علمی فیض پہنچایا کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہی الفاظ کا بھی اضافہ کرتا ہے جن کی صورت اس بندے کے خیال میں منعقد ہو جاتی ہے وہی الفاظ ان معنی پر دلالت کیا کرتے ہیں اس کی وجہ سے تعلیم خوب صاف اور صریح ہوتی ہے اس وجہ سے اللہ کو متکلم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ﴾

”آدمی کا مرتبہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے ہمکلام ہو ہاں وحی سے یا پردے کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے وہ اللہ کی اجازت سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے بے شک اللہ بڑا اور حکمت والا ہے۔“

وحی نام ہے دل میں کسی چیز کا خواب کے ذریعے سے ڈال دینا یا جب غیب کی طرف توجہ ہو تو بدیہی طور پر علم پیدا کر دینا اور پردے کی آڑ کے معنی یہ ہیں کہ ایک منتظم گفتگو کو سنا دے سامع کسی گفتگو کرنے والے کو نہ دیکھتا ہو لیکن واقع میں اس کی آواز سن رہا ہو اللہ کسی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے اور وہ اس کے سامنے صورت پکڑ کر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پیغمبر عالم غیب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے تمام حواس مغلوب ہوتے ہیں کہ دفعۃً وہ گھنٹہ کی سی جھنکار کو سنتا ہے جبکہ سرخ اور سیاہ رنگوں کے دیکھنے سے غشی طاری ہو جایا کرتی ہے چونکہ خطیرۃ القدس میں یہ مطلوب ہے کہ لوگوں میں نظام قائم کیا جائے اگر ان کے طبائع اس نظام کے موافق ہوتی ہیں تو وہ ملا، اعلیٰ میں شامل ہو کر تارکیوں سے نور الہی میں آ جاتے ہیں ان کو نفسانی بشارت حاصل ہوتی ہے فرشتوں اور لوگوں پر الہام ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور اگر ان کی طبائع اس نظام کے مخالف ہوتی ہیں تو ملا، اعلیٰ سے ان کی علیحدگی ہو جاتی ہے اور ملا، اعلیٰ کی بیزاری سے ان پر مصیبت ہوتی ہے اور جیسا پہلے ذکر ہوا ہے ان کو تکلیف و عذاب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اللہ خوشنود ہے شکر کی جزا دیتا ہے یا اللہ ناخوش ہو اس کی لعنت ہوئی یہ امور اسی کے لیے ہوتے ہیں کہ بمختصاء مصلحت عالم کے احکام جاری رہیں اور منجملہ نظام عالم کے اس امر کا پیدا کرنا بھی ہے جس کے لیے دعا مانگی گئی ہو اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے دعا قبول کر لی اور

ہمارے استعمال میں روینہ کے معنی یہ ہیں کہ نظر آنے والی چیز پوری طرح پر ظاہر ہو جائے اور لوگوں کو جب اخروی وندے حاصل ہوں گے تو ان کو تجلی حاصل ہوگی جس کا قیام عالم مثال کے وسط میں ہے تمام لوگ اس وقت اللہ کو برائے العین دیکھیں گے اس واسطے ضرور ہے کہ کیا چاہیے: انکم سترونہ کما ترون القمر ليلة البدر (بے شک تم اللہ کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا کہ شب بدر میں ماہ کو دیکھتے ہیں) واللہ اعلم

باب ۴۱

قدر پر ایمان لانے میں

قضا و قدر پر ایمان لانا بڑے اہل درجہ کی نیکی ہے۔ اسی سے آدمی کو وہ یکساں تدبیر نظر آ سکتی ہے۔ جو تمام عالم کو سمیٹے ہوئے ہے جس شخص کو اس تدبیر کا ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو گا وہ ان چیزوں پر نظر رکھے گا جو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں دنیا اور مافیہا ان کا مکمل اسے معلوم ہو گا لوگوں کے اختیارات و قضائے الہی کے مقابلے میں ایسا سمجھے گا جیسے آئینہ میں صورت کا مکس ہوتا ہے اس سے اس شخص میں تدبیر یگانہ کا انکشاف ہو گا اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہو گا آنحضرت ﷺ نے نیکی کی تمام قسموں میں اس کا بلند رتبہ ہونا بتایا ہے کہ جس شخص کا قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ ہو تو میں اس سے جدا ہوں اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ کسی بندہ کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ رکھے اور خوب یقین کرے کہ جو کوئی عمل درست ہو گیا اس میں خطا کا دخل نہ تھا اور جو اس نے خطا کی اس میں درستی کا احتمال نہ تھا۔

معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کا علم ازلی اور ذاتی تمام ان چیزوں کو محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آئندہ موجود ہوں گی یہ محال ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اس کے علم میں نہ تھی اگر ایسا ہو تو وہ علم نہ ہو گا۔ بلکہ جہل ہو گا یہ مسئلہ تو شمولِ علم کا ہے قدر کا مسئلہ یہ نہیں ہے اس میں کسی اسلامی فرقہ نے مخالفت نہیں کی ہے جس قدر کہ حال مشہور حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اور سلف صالح کا وہی عقیدہ رہا اور متقیین ہی کو اس سے بچنے کی توفیق ہوئی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تکلیف کو دور کرتی ہے اور جب یہ حالت ہے تو عمل کرنے کے کیا معنی ہیں وہ قدر وہی ہے جو قبل موجود ہونے کے حادث اشیاء کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہے اس کے لازم کرنے سے وہ شے موجود ہوتی ہے نہ کہ یہ اس کو دفع کر سکتا ہے نہ کوئی اور ذریعہ مفید ہے۔ اس قدر کے واقع ہونے کے پانچ مرتبہ اور درجہ ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں قرار دیا کہ عالم کو ایک عمدہ صورت میں پیدا کرے حتیٰ الامکان اس میں سب خوبیاں ہوں تمام مخلوقوں کا لانا لانا اس سے موجود ہونے کے وقت تمام انسانی خوبیوں کے آثار ہوں اللہ کے علم کی نہایت اس پر ہوئی کہ ان کی تمام صورتوں میں سے خاص صورتیں متعین کر دی گئیں اس طرح پر تمام حادث اشیاء کا ایک مرتبہ سلسلہ قائم ہو گیا جن سے سب کے وجود پیدا ہو گئے ان سے مصداق میں کثرت نہ تھی نہ اند عالم کا جس پر کوئی امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا یہ ارادہ کرنا کہ عالم کو موجود

کرے یہی معنی رکھتا ہے کہ اس نے وجود عالم کی صورت کو نہایت الامر خاص کر دیا دوسرا مرتبہ یہ کہ اس نے ہر چیز کی مقدار اور اندازہ کو مقدار کیا روایت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی مقداروں کو چاس ہزار برس پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے لکھ لیا تھا۔ یہ اس طرح ہوا کہ عرش کے وجود میں اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر ایک کی صورت مقرر کر دی شرائع میں اسی مرتبہ کو ذکر سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً اس نے وہاں محمد الرسول اللہ ﷺ کی صورت موجود کی اور مقرر کر دیا کہ وہ فلاں وقت میں لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے لوگوں کو احکام الہیہ پر مطلع کریں گے ابولہب ان کا انکار کرے گا دنیا میں خطا اور گناہ اس کے دل کو احاطہ کرے گا اور آخرت میں آتش دوزخ سے اس پر عذاب ہوگا اسی صورت کی وجہ سے تمام حادث چیزوں کا ظہور اسی روش و طریقے سے ہوتا ہے کہ جیسے وہاں ان کا اندازہ ہو چکا تھا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ نے جب آدم علیہ السلام کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ تمام آدمیوں کے باپ ہر نوع انسانی کے مبداء ہوں تب اس نے ان کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کر دیں اور نور و تاریکی سے ان کی سعادت اور شقاوت کی صورت مقرر کر دی ان کی ایسی حالت بنا دی کہ احکام الہیہ سے مکلف ہونے کے قابل ہوں ان میں اپنی شناخت اور نیاز مندی کا مادہ پیدا کیا عہد قدیم کی جو لوگوں کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہے یہی اصل ہے اس کی وجہ سے مؤاخذہ کیا جاتا ہے اگرچہ وہ واقعہ ان کو یاد نہ رہا ہو جو لوگ زمین پر پیدا کیے گئے ہیں اور انہیں صورتوں کا عکس ہیں جو وہاں موجود ہو چکے ہیں ان میں وہی امور مضمر ہیں جو وہاں پیدا ہو چکے تھے۔

چوتھا درجہ اس وقت تقدیر اور اندازہ کا ہوتا ہے کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے جب تخم خرماء خاص وقت میں کسی زمین میں بویا جاتا ہے اور سب اس کی خاص خاص تدبیریں تربیت کے متعلق عمل میں آتی ہیں تو جس شخص کو اس درخت اور زمین دہوا کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں وہ جان جاتا ہے کہ یہ درخت اچھی طرح اُگے گا اس کی شان دیکھ کر بعض بعض امور کا پتہ لگا لیتا ہے ایسے ہی اس زمانے میں مدبر فرشتوں کو اس کی عمر اور رزق کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ان لوگوں کے سے عمل کرے گا جن کی ملکی قوت بیکسی سے مغلوب ہوتی ہے اس کی سعادت اور شقاوت کے سے ڈھنگ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں کسی واقعہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ کیا جاتا ہے خطیرۃ القدس سے زمین پر ہر ایک کا نزول ہوتا ہے ایک صورت پہلے مثالی زمین کی طرف منتقل ہوتی ہے پھر اس کے احکام یہاں پھیل جاتے ہیں اس کو میں نے اکثر مرتبہ مشاہدہ کیا ہے ایک بار لوگ باہم مناقشہ کر رہے تھے ان کا رنج بڑھتا جاتا تھا میں نے اللہ سے التجا کی کہ یہ مناقشہ ان میں سے دور ہو جائے اسی وقت ایک مثالی نورانی نقطہ خطیرۃ القدس سے زمین پر نازل ہوا وہ آہستہ آہستہ پھیلتا گیا جتنا وہ پھیلتا تھا اتنا ہی رنج ان کے دلوں سے دور ہو جاتا تھا ابھی ہم اپنی مجلس سے علیحدہ نہ ہوئے تھے کہ ان سب میں باہم ایسے ہی میل و محبت پیدا ہو گئے جیسے پہلے تھے۔ یہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی ایسے ہی میرا ایک لڑکا بیمار پڑا تھا میرا دل اس طرف لگا ہوا تھا اتنے میں نماز ظہر پڑھ رہا تھا کہ اس کی موت کو میں نے نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کا اسی روز میں انتقال ہو گیا حدیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ زمین پر پیدا ہونے سے پہلے سب حوادث پیدا ہو جاتے ہیں ان کے بعد اس عالم میں اسی طرح پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں کہ جیسے پہلی مرتبہ پیدا ہو چکے تھے۔ یہ اللہ کا قانون اور طریقہ ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیزیں وہاں موجود ہو چکی تھیں وہ محو ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَيَمْحُو**

اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿۱﴾ ”خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس اُمُّ الْكِتَاب ہے۔“ مثلاً کبھی کسی بلا کی کچھ نہ کچھ پیدائش ہو جایا کرتی ہے وہ مصیبت زدہ پر نازل ہونے کو ہوتی ہے کہ دعا اس کو روک لیتی ہے اور کبھی موت کی پیدائش ہونے کو ہوتی ہے کہ کوئی نیکی اس کو روک لیتی ہے اس کا راز یہ ہے کہ یہ نازل ہونے والی شے بھی معمولی اسباب میں سے ایک ایسا ہی سبب ہے۔ جیسے بقائے زندگی کے لیے کھانا اور پینا اور موت کے لیے زہر کھالینا یا تلواریں مارنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہو گیا ہے کہ ایک عالم ایسا ہے جس میں تمام قائم بالغیر چیزیں مجسم ہوتی اور معانی اس میں منتقل ہوتے ہیں قبل اس کے کہ کوئی شے زمین میں پیدا ہو جایا کرتی ہے جیسے رحم کا عرش میں معلق ہونا اور فتنے ایسے نازل ہوتے ہیں جیسے قطروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور نیل و فرات پہلے سدرة المنتہی کی جڑ میں پیدا کیے گئے تھے پھر زمین پر ان کو اتار دیا ہے ایسے ہی سورہ حدید اور انفج کا نازل کرنا۔ مجموعہ قرآن کا ورے آسمان پر اتارنا اور آنحضرت ﷺ اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ کا آنحضرت ﷺ کے سامنے اس طرح ہو جانا کہ خوشہ انگور کو توڑ سکیں اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں اور دعا اور بلا کی باہم کشتی ذریت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا، عقل کا پیدا کرنا، وہ سامنے ہوئے اور اس نے پیٹھ پھیر لی۔ سورہ بقرہ آل عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت میں ظاہر ہونا، اعمال کا وزن جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشوں سے بھرا ہونا۔ ایسے ہی اور امور بھی ہیں۔ جس کو حدیث کا ادنیٰ علم بھی ہو گا وہ ان امور کو خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنے مسببات کے لیے اسباب کے سبب ہونے کی تقدیر کچھ مزاحم نہیں ہے۔ اس کا تعلق اس سلسلے سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ مرتب ہو گیا ہے جب آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ منتر اور دوا اور پرہیز تقدیر الہی سے بچا سکتے ہیں آپؐ نے فرمایا یہ بھی تقدیر الہی سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سرخ (نام مقام) کے قصہ میں فرمایا کہ یہ امر نہیں ہے کہ اگر تم ناقہ کو سبزہ زار میں چراتے تو تقدیر سے ہی چراتے اور بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے۔ لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اس لیے کہ اس اختیار کے لیے ضرور ہے کہ مقصود کی صورت اس کا نفع اور خواہش اور عزم پیدا ہو جائے اور ان سب امور کا علم بھی نہیں ہوا کرتا پھر ان میں خود مختاری کیسی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں

((ان القلوب بين اصبعين من اصابع الله يقلبها كيف يشاء))

”دل اللہ کی دو انگشتوں میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔“ واللہ اعلم



اس پر ایمان لانا چاہیے کہ عبادت کرنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اللہ بندوں پر انعام کرنے والا ہے اور بالقصد ان کو جزا دینے والا ہے

معلوم کرو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی خالص دل سے اس طرح یقینی اعتقاد کرے کہ دوسرے کسی خلاف اعتقاد کا اس میں احتمال بھی نہ ہو کہ عبادت کرنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اللہ کی جانب سے عبادت کا بندوں سے ایسا ہی مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اور حقدار اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ہے کہ اے معاذ رضی اللہ عنہ! تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو یہ خوب معلوم ہے آپ نے فرمایا اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی خالص عبادت کریں کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو بندہ مشرک نہ ہو اللہ اس کو عذاب نہ دے اس لیے کہ جس شخص کا اس امر پر کہ عبادت اللہ کا حق ہے یقینی اعتقاد نہ ہوگا اور اس کی نظر میں یہ احتمال ہوگا کہ آدمی بالکل مہمل اور بے مہار ہے اس سے عبادت کا مطالبہ نہیں ہے اور پروردگار مرید و مختار کی طرف سے عبادت کا کچھ مواخذہ نہ ہوگا تو ایسا شخص دہریہ ہوگا اگر اعضاء ظاہری سے اس نے عبادت کی بھی لیکن دلی حالت پر وہ کچھ موثر نہ ہوگی۔ اللہ کے اور اس کے درمیان کوئی دروازہ مفتوح نہ ہوگا۔ جیسے عادت وہ اور کام کرتا ہے ایسے ہی وہ عبادت بھی کرے گا۔ اس میں اصلی امر یہ ہے کہ عالم جبروت کے موقعوں میں ایک ایسا موقع ہے جہاں قصد و ارادہ قرار پاتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس موقع کے لحاظ سے بس کام کو کرنا یا اس کو ترک کر دینا دونوں امر درست ہوا کرتے ہیں اگرچہ مصلحت فوقانی کے لحاظ سے کوئی امر متردد فیہ اور مشکوک نہیں رہا کرتا وہاں کوئی حالت منتظرہ نہیں ہوا کرتی یا کسی امر کا ہونا ضروری قرار پایا جاتا ہے یا اس کا نہ ہونا ان لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے جو اپنا نام حکماء کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارادہ میں کسی شے کے ہوے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں نے بعض چیزیں محفوظ رکھیں اور بہت سی چیزیں ان کی نظر سے غائب رہیں۔ وہ جبروت کے اس موقع کے مشاہدہ کرنے سے محجوب ہیں۔ اور آفاقی و انفسی دلائل ان پر قائم ہو سکتی ہیں۔ ان کے محجوب ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ ان کو اس مقام کی رہبری نہیں ہوئی جو تجلی اعظم اور ملاء اعلیٰ کے بین بین ہے۔ جیسے شعاع کے جوہر میں قائم ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس مقام کی حالت ہے واللہ المثل الاعلیٰ اس مقام میں کسی امر کے ہونے کی صورت قرار پایا کرتی ہے ملاء اعلیٰ کے علوم اور ان کے حالات اس تقرر کے باعث ہوا کرتے ہیں لیکن اس شے کا کرنا نہ کرنا ابھی تک امر اختیاری ہوا کرتا ہے اور ان حکماء کے مقابلے میں دلیل اس طرح پر قائم ہو سکتی ہے کہ ہر شخص اس کو بذات جانتا ہے کہ مثلاً ہاتھ بڑھا کر قدم لے لیا جایا کرتا ہے لیکن ابھی یہ شخص محض ایک شے کا قصد کرنے والا ہی ہوا کرتا ہے اس قصد کے اعتبار سے اس شے کا کرنا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے اس قوت کے لحاظ سے جو اس شخص کے نفس میں ہے فعل یا ترک فعل میں کوئی ترجیح نہیں ہوا کرتی اگرچہ فوقانی مصلحت نے اس امر کا واجب الفعل یا واجب الترتک ہونا طے

کر دیا ہو یہی حالت ان سب امور کی سمجھ لینی چاہیے کہ خاص خاص استعدادیں ان کے باعث ہوا کرتی ہیں اور مادے جیسی صورتوں کے لیے قابل اور مستعد ہوا کرتے ہیں ویسے ہی صورتیں خالق صور کی جانب سے ان پر نازل ہو جایا کرتی ہیں جیسے دما کی جاتی ہے تو اس کے بعد قبولیت مرتب ہوتی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک جدید شے کے پیدا ہونے میں دعا کو ایک قسم کا دخل ہے۔

اور اس تقریر میں اگر یہ شبہ ہو کہ اس حالت میں مصلحت فوقانی سے ناواقفیت معلوم ہوتی ہے کہ اس مصلحت نے کس چیز کو واجب کیا ہے تو یہ مقام حقانی اور نفس الامری کیونکر ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ حاشا للہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ علم ہے اور اس مقام کا حق پورا کرنا ہے۔ جہل جب ہوتا کہ یوں کہا جاتا کہ یہ شے واجب نہیں ہے تمام شرائع الہیہ نے اس جہل کی نفی کی ہے اس لیے کہ انہوں نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے: **اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيَخْطُئَكَ وَ مَا اَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيَصِيبَكَ** (جو چیز تم کو پہنچی ہے اس میں چوک ہونے والی نہ تھی اور جس چیز میں چوک ہوئی وہ تجھ کو پہنچنے والی نہ تھی) جب یہ کہا جائے گا کہ اس موقع کے لحاظ سے اس شے کا کرنا یا نہ کرنا درست ہوتا ہے تو بھی علم حق ہے یقیناً جب تم شتر زکون زینہ کام کرتے ہوئے اور اونٹنی کو مادینہ کام کرتے ہوئے دیکھو گے تو اس وقت اگر یہ حکم کرو گے کہ یہ کام مجبوری سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پتھر دوسرے کے لڑھکانے سے لڑھکتا ہے تو تم خذف واقعہ حکم کرو گے اور اگر یہ کہو گے کہ باسبب یہ کام صادر ہوتے ہیں نہ اونٹ کا مزاج ان کا باعث ہے نہ اونٹنی کا تب بھی تمہارا حکم خلاف واقعہ ہوگا اور اگر یہ کہو گے کہ ان کا ارادہ جو ان کی ذات اور طبیعت میں منقش ہے صرف فوقانی ضرورت کا ناقل ہے اس پر اس کا سہارا ہے خود ان میں کوئی ذاتی اور مستقل جوش اور یجان کسی امر کا نہیں ہوا کرتا اس فوقانی حالت کے علاوہ کوئی اور آماج گاہ نہیں ہے تب بھی یہ حکم خلاف واقعہ ہوگا بلکہ امر حق اور یقینی بین بین حالت ہے یعنی اختیار ایک امر معلول ہے جو اس کی علل و اسباب ہیں ان سے اس کو مختلف نہیں ہوا کرتا جو کام مقصود ہوا کرتا ہے اسی۔ اسباب ان کے باعث ہوا کرتے ہیں ان کے لحاظ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کام نہ ہو لیکن اس اختیار کی شان اور اس کی اپنی حالت کی وجہ سے اس میں بہت اور سرور حاصل ہوا کرتا ہے۔ کسی فوقانی امر کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا اب اگر تو اس مقام کا حق ادا کر کے کہے گا کہ میں اپنی ذات میں معلوم کرتا ہوں کہ کسی امر کا کرنا نہ کرنا میرے نزدیک برابر تھا اور میں نے اس کا کرنا اختیار کر لیا ہے اور یہ میرا اختیار ہی اس کام کی علت اور سبب ہے تو ابلتہ تو اپنے قول میں پاپا ہو سکے گا شرائع الہیہ نے اسی ارادے کی خبر دی ہے جو اس مقام میں منقش ہوا کرتا ہے بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ ایک ایسے ارادے کا ثبوت ہے جو وقتاً فوقتاً متعلق ہوتا رہتا ہے اور اس کے لحاظ سے دنیا اور آخرت میں جزا کا ثبوت اور مرتبہ ہوتی رہتی ہے اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ مدبر عالم نے احکام شریعت کے واسطے کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا ہے کہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور ان سے منفعت حاصل کریں تو گویا شریعت کے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہے جیسے بونی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے وہ اپنے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی خدمت کریں اور ان سے وہ ناشوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے سے انکار کریں۔ ان طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہوا ہے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ صفات الہیہ وغیرہ کا بیان شریعتوں میں ایسے طرز و عنوان سے ہوا کرتا ہے کہ ان کے بیان کے لیے کوئی اور عبارت خوش اور ذوق کو زیادہ واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی۔ شریعت کی تعبیر کبھی حقیقہ لغوی سے ہوا کرتی ہے اور کبھی متعارف و مجازی صورت میں۔ شریعت نے اس امر سے دریافت کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے اور اس کو تمہاری عبادت کی وجہ

سے قدرت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں اور بمنزلہ امور مشہور اور بدیہی کے ان کی نظر میں ہو گئے ہیں۔

① خداوند عالم منعم ہے اور منعم کا شکر یہ واجب ہوا کرتا ہے اور عبادت کرنا واجبی انعامات کا شکر یہ ہے۔

② خداوند تعالیٰ بارگاہ احدیت سے اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کے ترک کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ آخر میں اطاعت اور نافرمانی کی جزا دے گا۔ ان مقامات سے تین قسم کے اور علوم کا اضافہ ہوتا ہے: ① انعامات الہی کا یاد دلانا ② انتقامات خداوندی کا یاد دلانا ③ معاد کے حالات کا یاد دلانا۔

قرآن بزرگ میں انہیں علوم کی تشریح ہے۔ ان علوم کی تشریح کی جانب زیادہ تر توجہ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ انسان کی اصلی فطرت میں اللہ جل مجدہ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے یہ میلان ایک امر دقیق ہے اس کی صورت آدمی کی خلقت میں ہی منقش ہے۔ انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ خدا تمام لوگوں کا منعم ہے ان کے اعمال کی جزا دیتا ہے اس واسطے اس پر ایمان ہونا چاہیے کہ عبادت اسی کا حق ہے۔ وجدان صحیح سے یہ امر ثابت ہے پس جو شخص ارادے کا انکار کرے یا اس میں کلام ہو کہ بندوں پر اللہ کا کوئی حق نہیں ہے یا جزا سزا پر اس کو یقین نہ ہو تو وہ شخص دہریہ ہے اس کی فطرت سلیم نہیں اس نے میلان کو کھو دیا جو فطرۃ اس کی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا تھا۔ ایسا ہی شخص دہریہ کا نائب اور خفیہ اور اس کے قائم مقام مانا جاتا ہے۔

اور اگر اس میلان کی حقیقت معلوم کرنی چاہتے ہو تو سمجھو کہ روح انسانی میں ایک لطیفہ نورانی ہے جس کو بالطبع خداوند عالم کی جانب ایسی ہی کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ وجدان سے یہ امر معلوم ہے جو شخص اپنے لطائف نفسانی کے آثار معلوم کرنے کا نہایت خوض سے متلاشی ہوگا اور ہر لطیفہ کی کیفیت کو وہ معلوم کر لے گا تب وہ اس لطیفہ نورانی کی کیفیت بھی معلوم کر سکے گا اور یقیناً معلوم کر لے گا کہ اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب بالطبع میلان اور کشش ہے اہل وجدان کے نزدیک اس میلان کا نام محبت ذاتی ہے جب کہ اور وجدانی امور کے لیے دلائل کی حاجت نہیں ہے ایسے ہی اس کے لیے بھی نہیں ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ سنہ کی بھوک اور تشنہ کی تشنگی جب آدمی لطائف نفسی کے احکام کی وجہ سے پردہ اور تاریکی کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے اس نے اپنے بدن میں کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو اور اس کی بالکل حس جاتی رہی ہو اس پر گرمی اور سردی کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب اس کے لطائف نفسی میں مزاحمت سے خاموشی اور سکون پیدا ہوتا ہے یہ خواہ اضطراری موت سے ہو جس سے نسمہ کے بہت سے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں اور نسمہ کی اکثر خاصیتیں گھٹ جاتی ہیں یا اختیاری موت سے ہو کہ نفسانی و بدنی ریاضتوں کے ذرائع عجیب عجیب اس نے استعمال کیے ہوں۔ تب وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے کہ مخدر چیز کا اثر اس میں سے دور ہو گیا ہو اس وقت میں وہ اپنی ذاتی اثرات کو معلوم کر سکتا ہے جن کی پہلے اس کو خبر بھی نہ تھی۔ پس جب آدمی کی وفات ہوتی ہے اور بارگاہ ازیلی کی طرف اس کو توجہ نہیں ہوا کرتی اس حالت میں اگر اس کا اعراض محض جہل بسیط اور سادہ لامحی سے ہوا کرتا ہے تو ایسا شخص کمال نوعی کے لحاظ سے شفی ہوا کرتا ہے بعد مرنے کے اس کو برزخ کے بعض حالات کا انکشاف تو ہوگا لیکن ذاتی استعداد کے نہ ہونے سے کامل انکشاف نہ ہوگا۔ اس لیے وہ حیران ہکا بکارہ جائے گا اور اگر اس اعراض کے ساتھ اس کی علمی اور عملی قوتوں میں کوئی مخالف صورت توجہ الی اللہ کے قائم تھی تو وہاں باہم کشش ہوگی اور اس کا نفس نا طقہ جبروت کی طرف اور نسمہ مخالف صورت حاصل کرنے کی وجہ سے عالم سفل کی طرف

منجذب ہو جائے گا اس میں وحشت اور سرگردانی ہوگی جو نفسِ مطلقہ کے جوہر سے صعود کرے گی اور اس نسمہ کے جوہر پر پھیل جائے گی۔ اکثر تو حشر کے ہمرنگ اس کو واقعات بھی پیش آئیں گے جیسے صفاوی مزان والے کو خواب میں آگ کے شعلے نظر آیا کرتے ہیں۔ یہ کلیہ معرفت کی حکمت سے پیدا اور معلوم ہوتا ہے اور نیز ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے ایسے شنس پر غلبنا ک تند نظری بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ وغیرہ ذی اختیار نفوس کے دلوں پر الہامات ہوتے رہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہنچائیں یہ قاعدہ ان ارادوں اور خواہشوں کے اسباب معلوم کرنے سے دریافت ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بہر حال جبروت کی طرف میان اور عمل کو واجب قرار دینا جس سے اس قید سے رہا ہو سکے جو لطائفِ سخی کی مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے اور اس واجب کردہ عمل کے ترک سے مواخذہ کرنا یہ صورتِ نوعیہ کے احکام اور اس کی قوتوں اور اثرات میں سے ہے جس کا خالق صور اور وجود کا فیضان عطا کرنے والے کی جانب سے افرادِ نوعی کے ہر فرد پر مصلحتِ کل کا لحاظ کر کے فیضان کیا گیا ہے۔ لوگوں کے ذاتی التزام یا رسم و رواج کی پابندی سے نہیں ہے اور یہ تمام اعمالِ حقیقہ اس لطیفہ نورانی کا ہی فرض اور حق ہے جس کو اللہ کی جانب ذاتی کشش ہے ان اعمال سے اسے لطیفہ کی خواہش کا پورا کرنا اور اس کی ہی کی کا درست کرنا ہے اور چونکہ یہ مضمون نہایت دقیق تھا اس کو ذاتِ خداوندی کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی طرف اس کا میان اور وہی اس کا قبلہ مقصود ہے اور اس میں نفسانی قوتوں میں سے خاص ایک قوت کو معین کر لیتا ہے جس کی وجہ سے میان ہوا کرتا ہے تو گویا وہ مضمون ہمارے اس قول کا اختیار ہے کہ عبادتِ اطیفہ کا حق ہے اس وجہ سے کہ اس کو اللہ کی جانب میان ہوا کرتا ہے شرائعِ الہیہ نے اس راز کو نہایت صاف عبارت سے ظاہر کر دیا ہے جس کو لوگ اپنی ذاتی اور فطری علوم سے سمجھ سکیں اللہ کا یہی طریقہ کہ وہ دقیق معانی کو ان مثالی صورتوں کے لباس میں نازل کیا کرتا ہے جو وجودِ مثالی کے مناسب ہوا کرتی ہیں جیسے کہ ہم کو خواب کے ضمن میں مجرد معانی کسی شے کی ایسی صورت میں نظر آیا کرتے ہیں جو ان معانی کو عادیہ لازم یا اس کے ہمرنگ اور مشابہ ہوا کرتی ہے اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ عبادتِ بندوں پر اللہ تعالیٰ کو حق ہے اس طرح پر قرآن مجید کا حق اور پیغمبر کا آقا کا والدین کا رشتہ داروں کا حق قیاس کر لینا چاہیے۔ حقیقت میں یہ سب نفس کے حقوق خود اپنے ہی ذمہ پر ہیں انہیں سے نفس کو اپنے کمال کی تکمیل ہوا کرتی ہے۔ ان کی وجہ سے وہ جور و تعدی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن ان حقوق کی نسبت نفس کی طرف نہیں کیا کرتے بلکہ ان اشیاء کی طرف کیا کرتے ہیں جن سے حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور ان سے ہی معاملہ پڑتا ہے۔ اس لیے تم کو ظاہری امور پر نہیں ٹھہرنا چاہیے بلکہ ائمہ امور کا تحقیق سے سراغ لگنا چاہیے۔

باب ۴۳

اللہ کے نشانات اور شعائر کی تعظیم کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يُعْظِرْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَأَنَّهُ مِنَ الْقُلُوبِ﴾ (ولی تعالیٰ میں سے اللہ کے نشانات کی تعظیم بھی ہے) معلوم کرو کہ شریعتوں کی بنا شعائرِ الہی کی تعظیم اور ان کے ذریعہ سے اللہ کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر ہے

اس کی وجہ وہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جس طریقے کو اللہ نے مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ جو امور قضاء و تجرد میں ہیں ان کی نقل اس طرح کی جائے کہ قوت بیکسی انسانی سے ان کا استعمال کر سکے اور شعائر سے وہ ظاہری اور محسوس امور مراد ہیں جو اس لیے قرار دیئے ہیں کہ عبادت الہی کا وہ ذریعہ ہوں۔ اللہ کے ساتھ ان کو خصوصیت ہو لوگوں کے ذہن میں ان کی تعظیم گویا اللہ کی تعظیم سمجھی جاتی ہو اور ان میں کوتاہی بارگاہ خداوندی میں کوتاہی ہو یہ تعظیم لوگوں کے دلوں میں ایسی راسخ ہو گئی ہو کہ اگر ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تو بھی یہ تعظیم ان کے دلوں سے نہ نکل سکے اور شعائر کا وجود قدرتی طور پر ہو جایا کرتا ہے جب اطمینان دلی سے لوگ کوئی عبادت اختیار کرتے ہیں اور وہ عبادت ان میں مشہور اور شائع ہو کر بمنزلہ بدیہی امور کے ہو جاتی ہے کوئی شک و شبہ اس میں باقی نہیں رہتا۔ تو انہیں امور کے ذریعہ سے جن کو ان کی طبیعتیں اور مشہور علوم ضروری قرار دیتے ہیں رحمت الہی کا ظہور ہوتا ہے وہ سب اس رحمت کو قبول کرتے ہیں اور ان کی حقیقت پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ برابر قریب و بعید اس کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ اس وقت میں ان امور کی تعظیم لوگوں پر واجب قرار دی جاتی ہے اور ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے اللہ کے نام کی قسم کھانے والا اپنی قسم توڑنے سے اللہ کے حق میں گویا کمی اور کوتاہی دل میں رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اسی اندرونی کمی پر ان سے مواخذہ کیا جاتا ہے ایسے ہی لوگوں میں بہت سے ایسے امور کی شہرت ہوتی ہے۔ لوگوں کے خیالات اور علوم میں ان کی عظمت ہوتی ہے ان کے خیالات کا مطیع ہونا اس کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا ظہور انہیں امور میں ہوتا ہے۔ جن کو وہ تسلیم کر رہے ہیں تدبیر کی بنا اس پر ہے کہ پہلے سب سے زیادہ آسان امر کیا جائے اس کے بعد اور آسان اور یہ بھی ضرور ہے کہ جو ان کی نظر میں نہایت درجہ تعظیم کی چیز ہے اسی سے لوگوں کی دار و گیر ہو لوگوں کا یہ ہی کمال ہے کہ اہتمام سے ان امور کی تعظیم کریں سستی اور اہمال اس میں نہ کریں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے کوئی ایسی چیز قرار نہیں دی ہے جس کا فائدہ اللہ کو ملتا ہے اللہ کی شان اس سے برتر ہے۔ بلکہ جو کیا ہے انہیں کے فائدوں کے لیے کیا ہے۔ اور چونکہ ان کا ذاتی کمال یہ تھا کہ نہایت درجہ تعظیم ہو۔ اس واسطے جو امور ان کے نزدیک تعظیمی ہوں۔ انہیں کا مواخذہ کیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ اللہ کی شان میں کوتاہی نہ کریں اور شریعت کے امور میں زیادہ لی ظام لوگوں کی جماعت کا ہوا کرتا ہے نہ ایک دو شخصوں کا۔ واللہ الحجة البالغہ

اللہ کے بڑے شعائر چار ہیں: ① قرآن ② کعبہ ③ نبی کریم ﷺ ④ نماز۔ قرآن کا نشان الہی ہونا اس طرح پر ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج ہے سلاطین کی تعظیم کے تابع فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں۔ لوگوں کا ان کے مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا۔ ان کا پڑھنا پڑھانا بھی تھا ان کے علوم کو ہمیشہ کے لیے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں حال بھی تھا جس کو وہ پڑھیں یا اس کی روایت کریں۔ اس واسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الہی کا ظہور ہو جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئے اور اس کی تعظیم واجب ہو۔ تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جائے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں۔ اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں۔ سجدہ تلاوت کریں۔ جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کریں۔ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں اور کعبہ کا شعائر میں سے ہونا اس لیے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں

لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کیسے بنائے تھے ان کی نظر میں کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے۔ اس میں جانا اور رہنا باعثِ تقرب کا ہو بادی الرائے میں ان کی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی اس واسطے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ضرور ہوا کہ اللہ کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعہ سے ہو لوگ اس کا طواف کریں اس کے ذریعہ سے اللہ سے تقرب حاصل کریں۔ اس لیے اللہ نے ان کو خانہ کعبہ کی طرف باایا۔ اس کی تعظیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک زمانہ بعد زمانہ کے آثار ہا بر زمانہ میں یہ حکم پیدا ہوتا رہا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے اس میں کمی اللہ کی شان میں کمی ہے اس لیے خانہ کعبہ کا حج فرض ہو گیا اور اس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اس کا طواف نہ کیا جائے۔ نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ ضرورت بشری کے وقت اس کے سامنے نہ ہو۔ نہ اس کی طرف پشت کریں اور پیغمبر صاحب کا شعارِ الہیہ میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ ان کا نام مرسل اسی واسطے رکھا گیا ہے کہ ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دی گئی ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ سلاطین کی امر و نہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں ایلچیوں کی تعظیم اس واسطے قرار دی گئی ہے کہ اس سے بھیجے والے کی تعظیم کا اظہار ہو۔ پیغمبر کی تعظیم یہ ہے کہ ان کے حکم کی بجا آوری کی جائے اس پر درود بھیجا جائے گفتگو کرتے وقت آواز بلند نہ کی جائے اور نماز شعار سے ہونا اس واسطے ہے کہ اس سے مقصود بندگانِ شایقی سے مشابہت کا ظہار ہے جب وہ حضہ رشاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور عاجزانہ درخواست وہاں کی جاتی ہے اس لیے دعا کرنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور آدمی کو ایسی ایسی ہیکلیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لیے جاتے ہیں۔ کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خداوند کریم اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۲۴

وضو اور غسل کے اسرار میں

کبھی کبھی آدمی طبعی تاریکیوں سے جدا ہو کر ظلیۃ اللہ کی روشنیوں کو اخذ کر لیتا ہے یہ انوار اس پر غالب ہو جاتے ہیں وہ تھوڑے عرصہ کے لیے ظہور میں آتا ہے مگر انہیں میں منسلک ہو جایا کرتا ہے اور تجرید نفس کی طرف متوجہ ہونے سے اس معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں میں سے ہے اس سے بعد پھر اس کی وہی اصلی حالت ہو جاتی ہے اس وقت میں اسے پہلی حالت کے مناسب امور کا وہ مشتاق ہوتا ہے۔ اور وہ حالت نہیں ہوتی۔ لیکن وہ انہیں امور کو قیمت جانتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اس فوت شدہ حالت کو ان امور سے اپنے نام میں سے آئے اس صفت میں وہ اسے دوا کی حالت کا سلف اور سرور و انبساط پاتا ہے یہ کیفیت اس کی بے ادنی سے تر ہے اور یہ بے ادنیوں اور قہاریوں سے احتمال سے حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ ان امور کا پختی سے پابند

ہوتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کا مرتبہ ہے کہ اس نے منجر صادق کو یہ تعلیم دیتے ہوئے سنا کہ یہ حالت آدمی کے لیے موجب کمال ہے پروردگار ایسی حالت کو آدمی سے پسند کرتا ہے اور اس میں بے نہایت فائدے ہیں یہ سن کر اس نے دلی شہادت سے اس کو سچ جانا اور جیسا اس کو حکم دیا تھا ویسے ہی اس نے تعمیل کی۔ جتنا وہ اس پر کار بند ہوتا گیا اتنا ہی اس کی تمام خبروں کو حق پاتا گیا اور اس پر رحمت کے دروازے کھلتے گئے۔ اور فرشتوں کی سی حالت اس کی ہوتی گئی اس کے بعد اس شخص کا رتبہ ہے جو کہ خود اس حالت کو کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن انبیاء نے اس کو ایسی بیعتوں کی طرف زبردستی کھینچا اور مجبور کیا۔ جو معاد میں آدمی کو فرشتوں کے ساتھ ملحق کر دیتی ہیں یہی لوگ وہ ہیں جو جنت کی طرف زنجیروں کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہیں۔ وہ ناپاک امور جن کا اثر ظاہر انفس پر ہوا کرتا ہے۔ پلیدی کا خیال ان میں زیادہ ہوا کرتا ہے اس لیے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کے قابل ہوئے ہیں اور انہیں کا وقوع بھی زیادہ ہوتا ہے اگر وہ نہ بتائے جائیں تو لوگوں کو بڑا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ تلاش سے دو قسموں میں منحصر ہیں: ① فضول شکم میں طبیعت کا مصروف رہنا۔ فضول معدی تین چیزیں ہیں: ① ریاچ ② بول ③ براز۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنی اس نفسانی کیفیت کو نہ جانتا ہو کہ جب شکم ریاچ سے پر ہوتا ہے اور اس کو بول و براز کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا دل کیسا بگڑا ہوا محبوس سا ہوتا ہے وہ متحیر اور منقبض سا ہو جاتا ہے اور اس کے اور بٹاشی کے بیچ میں پردہ سا حائل معلوم ہوتا ہے جب ریاچ خارج ہوتے بول و براز سے فارغ ہونے کے بعد طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور غسل و وضو وغیرہ کا استعمال کرتا ہے جس سے نفس کی پاکیزگی پر تنبیہ ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے دل میں ایک شگفتگی اور فرحت پاتا ہے ایسا خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی گمشدہ شے مل گئی۔ ② نفس کا خواہش مجامعت میں مشغول اور فرو رفتہ ہوتا اس کی وجہ سے نفس کا رخ ہمہ تن بھیمی طبیعت کی جانب پھر جاتا ہے۔ جب بہائم سے متصوّد اداب کی مشق بڑھائی جاتی ہے۔ یا شکاری جانور بھوک اور جاگنے کے لیے مطیع کیے جاتے ہیں ان کو بتایا جاتا ہے کہ اپنے مالک کے پاس شکار پکڑ لائیں اور پرندوں کو آدمیوں کی بولیاں سکھائی جاتی ہیں بہر حال کوئی جانور جو جب اس کی مقتضائے خواہش اور طبیعت کے کھودینے کی بخوبی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر یہ جانور آدمیوں میں رل مل کر اپنی خواہش ان سے پوری کرتا ہے اور چند روز انہیں لذائذ میں ڈوبا رہتا ہے تو سب سیکھے سکھائے امور بھول جاتا ہے تاریکی و گمراہی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

ان امور میں غور کرنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نفس کی آلودگی میں جو اثر اس خواہش کے پورا کرنے سے ہوتا ہے کثرت کھانے وغیرہ اور ان تمام امور سے نہیں ہوتا جن سے نفس کو طبیعت بھیمی کی جانب کشش ہوتی ہے آدمی کو اس کا تجربہ اپنی نفسانی حالت سے ہی کر لینا چاہیے اور ان تدابیر کو یاد کرنا چاہیے۔ جن کا ذکر اطباء نے تارک دنیا راہیوں کی اصلاح اور نفس بھیمی کی طرف ان کی طبیعتوں کو پھیر دینے کے لیے کی ہیں اور طہارتیں جن کا اثر ظاہر محسوس ہوتا ہے عام لوگوں کو وہ سمجھائی جاسکتی ہیں اور آباد ملکوں میں ان طہارتوں کا ذریعہ پانی وغیرہ بکثرت موجود ہے۔ لوگوں کے دلوں میں سب طہارتوں سے زیادہ ان کا وقوع ہوتا ہے اور علاوہ قدرتی طریقہ کے تمام لوگوں میں وہ مسلم اور مشہور بھی ہو گئی ہیں تلاش سے ان کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں: ① طہارت صغریٰ ② طہارت کبریٰ۔

طہارت کبریٰ سے یہ مراد ہے کہ تمام بدن دھویا جائے اس لیے کہ پانی خود ایک پاک چیز ہے۔ سب نجاستوں کو دور کر دیتا ہے تمام طبیعتوں نے اس کے اثر کو تسلیم کر لیا ہے یہ نہایت عمدہ ذریعہ ہے کہ اس کی وجہ سے صفت طہارت پر نفس متنبہ کیا جائے اکثر لوگ

شراب کا استعمال کرتے ہیں نشہ میں چور ہو جاتے ہیں اسی مدہوشی میں وہ ناحق خون کر ڈالتے ہیں یا نہایت نفیس مال کو ضائع کر دیتے ہیں اس کے بعد دفعۃً وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی ہوش میں آ کر نشہ کا اثر ان سے دور ہو جایا کرتا ہے اور اکثر ناتوان لوگوں کو نشست و برخاست کی طاقت نہیں ہوتی کوئی کام نہیں کر سکتے دفعۃً کوئی کا پیش آتا ہے اور ان کی طبیعت میں کوئی بڑی تنبیہ پیدا ہوتی ہے جس سے غلبہ یا حمیت یا دوسرے سے بڑھ جانے کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت بڑے کام سے بڑا کام وہ کر سکتے ہیں یا کوئی بڑی خوریزی کر بیٹھتے ہیں بہر حال نفس کی حالت بعض امور سے دفعۃً بدل جایا کرتی ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کے لیے بیداری اس میں آ جایا کرتی ہے۔ نفسانی ملا جوں کے لیے اس قسم کی تبدیلیاں مفید اور عمدہ ہیں اس قسم کی بیداری اس چیز سے پیدا ہوتی ہے جس کا کامل طہارت ہونا طبیعتوں اور دلوں میں راسخ ہو گیا ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہی ہے اور طہارت صغریٰ صرف ہاتھ پاؤں منہ کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے تمام آباد ملکوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضاء قدرتی طور پر کھلے ہوئے رہتے ہیں لباس بدنی سے وہ جدا رہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے اس طرح پر بدن پر کپڑا پہننے سے کہ کوئی عضو بھی کھلا ہوا نہ رہے منع فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان اعضاء کے کھلے رہنے سے ان کے دھونے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ اور اعضاء میں البتہ ہرج ہو سکتا ہے تمام شہر والوں کا معمول ہے کہ روزانہ اپنے ان اعضاء کو دھوتے رہتے ہیں جب سلاطین و امراء کے حضور میں جائیں یا عمدہ اور پاکیزہ کام کرنے کا قصد کریں گے تو ان اعضاء کو ضرور دھولیں گے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان اعضاء پر اکثر گرد و غبار چرک وغیرہ کا اثر جلد ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں۔ اور تیز تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے خواب یا نہایت بے ہوشی اس سے دور ہو جاتی ہے اس تجربہ اور علم کی تصدیق اطباء کی تجویز سے بھی ہوتی ہے وہ اس شخص کے لیے جس کو غشی ہو یا اس کو زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی قصد زیادہ لی گئی ہو۔ یہی پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ تدابیر ثانیہ کے ابواب سے جن پر انسانی کمال کا مدار ہے اور لوگوں کے لیے وہ بمنزلہ فطرت کے ہو گئے ہیں طہارت بھی ایک باب ہے۔ اس کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ قرب و اتصال ہو جاتا ہے۔ شیاطین سے بعد ہوتا ہے اور عذاب قبر بھی اس سے دور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ پیشاب سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھو۔ عام عذاب قبر اس سے ہوتا ہے۔ اور طہارت کو اس میں بڑا دخل ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفس احسان کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ** پاکیزہ رہنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے جب طہارت کی کیفیت نفس میں خوب راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ لیے نور ملے گا ایک شعبہ اس میں بھربھرا ہوتا ہے۔ اور بہیمیت و تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کے لکھے جانے اور خطیوں کے دور ہونے کے یہی معنی ہیں اور اگر رسمی طور پر بھی وہ عمل میں آلی جائے تاہم رسمی بلاؤں میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور جب کوئی منہ اور پاک آدمی ان ہیئتوں کی پابندی کرتا ہے جن کا لوگ سلاطین کے حضور میں لحاظ رکھا کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ افکار روحانی بھی ہوں تو سو معرفت میں وہ مفید ہوا کرتے ہیں۔ جب آدمی خوب سمجھ جاتا ہے کہ طہارت اس کا کمال ہے تو وہ بغیر کسی خواہش حسی کے وہ عقلی طور پر آداب طہارت سے نفس کو منادب کرتا ہے تو اس سے مشاقی ہوتی ہے کہ طبیعت میں عقل کے اتباع کا مادہ بڑھتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم

نماز کے اسرار میں

معلوم کرنا چاہیے کہ کبھی آدمی خطیرۃ القدس کی سی حالت کو اخذ کر لیتا ہے بارگاہِ خداوندی سے اس کو کمال اتصال و قرب ہو جایا کرتا ہے وہاں سے اس پر مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے وہاں وہ ایسی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں بیان کر سکتی ہے۔ پھر جہاں تھا وہاں کا وہیں آ جاتا ہے اس وقت میں وہ بے قرار ہو کر کوشش کرتا ہے کہ سفلی حالتوں میں سے جو حالت اس سے قریب ہے اپنے اندر پیدا کرے۔ اس لیے اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو حالت فوت ہوئی ہے وہ پھر واپس آ جائے۔ یہ حالت اللہ کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے ان افعال اور اقوال کے ذریعہ سے اللہ کے حضور میں مناجات کرنے سے جو مناجات کرنے کے لیے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہوتا ہے جس نے کسی احکام کے سچے حالات بیان کرنے والے کو سنا کہ وہ ایسی حالت کی طرف لوگوں کو بلاتا اور رغبت دلی دلاتا ہے پھر دلی شہادت سے اس سامع نے اس کی تصدیق کی اس کے احکام کی تعمیل کی اور اس کے تمام وعدوں کو اس نے سچا پایا۔ اور اپنی آرزو میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد اس کا رتبہ ہے کہ انبیاء نے نمازوں پر اس کو مجبور کیا لیکن اس کو کوئی ذاتی علم ان کی خوبیوں کا نہ تھا اس کی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی تعلیم دے۔ اور وہ اس کو پسند نہ کرتا ہو۔ کبھی آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے دفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیسی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ اس کی ہمت کا جو درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے۔ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے نماز میں اصلی امور تین ہیں ① اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دلی عاجزی ② اللہ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا ③ اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں آداب کا استعمال قائل بیان کرتا ہے: شعر

افادتکم النعماء منی ثلثة بدی ولسانی والضمیر المححبا

”تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو“۔

افعال تعظیسی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے تمام لوگوں اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے۔ اور سرنگوں ہونا نیاز مندی اور اور فروتنی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَظَلَّلْتُ أَغْنَاهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ﴾ (ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں) اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضاء میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کی حضوری میں انہیں کو استعمال کرتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی

وہ عمدہ صورت ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیسی حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتا کہ دم بدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ تہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا اور نماز میں یہ تقرب کے اعمال اصلی قرار دیئے گئے ہیں عظمت الہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا اس میں اصلی نہیں قرار دیا گیا اس لیے کہ اللہ کی عظمت کا صحیح خیال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی طبیعتیں اعلیٰ درجہ کی ہوں اور ایسے لوگوں کے وجود کم ہوا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے علاوہ اگر عام لوگ اللہ کی عظمت میں خوض کریں تو ان کا غور کام نہیں دیتا اور فائدہ کے تو کیا معنی وہ تو اپنے اس المال کو بھی کھو بیٹھتے ہیں اور محض ذکر ہی ذکر جس کی تشریح اور مدد کسی دوسری عملی تعظیم سے جو اعضاء کے ذریعہ سے ہر ایک عضو کے آداب کا لحاظ کر کے کی جاتی ہے نہ ہو تو وہ اکثر لوگوں کے حق میں بالکل بے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ البتہ نماز ایک مرتبہ بخون ہے جس میں فکر و غور ہے اس کے ذریعہ سے اللہ کی جانب توجہ ہوتی ہے ہر شخص کو اس کا موقع مل سکتا ہے اور جس کو گرداب شہود میں خوض کرنے کی استعداد حاصل ہو اس کو بھی کوئی مانع نہیں ہے وہ بخوبی اس میں خوض کر سکتا ہے بلکہ نماز کی وجہ سے نفس کو اس قسم کی کامل توجہ کا بخوبی موقع مل سکتا ہے اور نیز نماز میں مختلف دعائیں بھی شامل ہوا کرتی ہیں۔ جن سے صاف صاف اظہار کیا جاتا ہے کہ اس کا عمل خالصاً اللہ ہی کے لیے ہے اس کا رخ اسی کی جانب ہے ہر قسم کی اعانت کی خواہش گماری صرف اسی سے ہے۔ اور ان کے علاوہ نماز میں بہت سے تعظیسی افعال بھی ہیں۔ سجدہ رکوع ہر ایک دوسرے کا معاون اور مکمل اور اس پر متنبہ کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے نماز کی منفعت عام اور خاص سب لوگوں کے لیے یکساں ہے ہر ایک شخص اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اس سے نفع اٹھا سکتا ہے نماز ایمان والے کے لیے معراج ہے وہ اس کو آخری تجلیات کے لیے تیار کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ تم اپنے رب کو بے شک دیکھو گے اگر تم کو مثل غل نہ روک سکیں تو طلوع و غروب آفتاب سے پہلے دُتوں کی نماز کا اہتمام رکھو۔ اور اللہ کی محبت اور رحمت کا نماز بڑا سبب ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ سجدوں کی کثرت سے اپنے نفس کی مدد کرو اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے احوال میں نقل کیا ہے ﴿وَلَمْ نَلْکُ مِنَ الْمُضْلِیْنَ﴾ (ہم نماز نہ پڑھا کرتے تھے) اور جب نماز کا شوق دل میں ہم جاتا ہے۔ تو نور الہی میں نماز گزار محو ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خطائیں دور ہو جاتی ہیں ﴿وَإِنْ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) معرفت الہی کے لیے کوئی چیز زیادہ مفید نماز سے نہیں ہے۔ خاصہً جب نماز کے تمام افعال و اقوال حضور ال اور پاک نیت سے عمل میں آئے جائیں اور جب نماز رسم کے طور پر بھی ادا کی جاتی ہے تو بھی اکثر رکی برائیوں میں اس کا بین نفع ہے وہ مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے۔ نماز سے ہی مسلمان اور کافر میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافروں سے اور کفار سے درمیان نماز کا ذمہ ہے جو نماز کو ترک کرے گا وہ کافر ہے اور نماز سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس سے طبیعت کو عقلی تدابیر سے قنارہ نہ کی مشق کرائی جائے۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ کے اسرار کے بیان میں

معلوم کرو کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبانِ قول یا حال سے اس کے لیے اللہ کے حضور میں گریہ و زاری کرتا ہے تو اس کا یہ عاجزی کرنا اللہ کی بخشش کے دروازہ کو کھول دیتا ہے اور اس وقت مقتضائے مصلحت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی ذکی شخص کو الہام ہوتا ہے کہ اس کی حاجت رفع ہو جائے تب الہام اس پر چھا جاتا ہے اسی کے موافق اللہ کی خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور اوپر سے نیچے سے دائیں بائیں سے برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور وہ قابلِ رحمت ہو جاتا ہے۔ ایک روز مجھ سے ایک مسکین نے اپنی حاجت ظاہر کی۔ وہ اس کی وجہ سے مضطرب و ہاتھتاہت میں نے اپنے دل میں الہام کی آہٹ پائی گویا وہ مجھ کو حکم دیتا ہے کہ میں اس کو کچھ دوں وہ الہام مجھ کو بشارت دیتا تھا کہ دنیا و آخرت میں اس کا بڑا اجر ملے گا۔ میں نے اس مسکین کی حاجت براری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا دیکھ لیا۔ اس غریب کا جو دالہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانا۔ اور الہام کا پیدا ہو کر میرے دل کا اس کو اس روز اختیار کر لینا۔ اور اس کے بعد اجر کا ظاہر ہونا یہ سب امور آنکھ کے سامنے محسوس ہوئے۔ اکثر کسی موقع پر خرچ کرنا رحمتِ الہی کے نازل ہونے کا باعث ہوا کرتا ہے جب ملاءِ اعلیٰ کی خواہش کسی مذہب کے مشہور اور معزز کرنے کے لیے طے ہو جاتی ہے تو جو شخص اس کے کام چلانے کے درپے ہوتا ہے اس پر رحمت ہوتی ہے یہ اس طرح پر ہوتا ہے کہ تنگ حالی میں لڑائی کی ضرورت پڑے یا قحط سالی کا زمانہ ہو۔ اور کسی نہایت منسل گروہ کا اللہ کو زندہ رکھنا مقصود ہو تب سچی خبر دینے والا (پیغمبر) ان موقعوں سے ایک قاعدہ کلیہ اخذ کر کے کہتا ہے کہ جو شخص ایسے ایسے تنگ حال پر یا فلاں فلاں حالت میں خیرات کرے گا تو اس کا عمل مقبول ہو جائے گا اور ان امور کو کوئی شخص سنتا ہے اور اپنی دلی شہادت سے اس کے حکم کو مان لیتا ہے اور ان سب وعدوں کو یہ سچا پاتا ہے۔ اور اکثر بعض لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی محبت بخلی کرنے سے اس کے حق میں مضر ہوگی اس کو وہ مقصود راستہ سے باز رکھے گی۔ اس لیے اس کو اس خیال سے نہایت تکلیف ہوتی ہے اس تکلیف کو وہ اس طرح دفع کرتا کہ اپنی کسی نہایت محبوب چیزوں کے صرف کرنے کی مشق کرتا ہے اس وقت میں خرچ کرنا ہی اس کے حق میں بہت مفید ہوتا ہے اگر وہ صرف نہ کرتا تو محبت اور بخلی ویسی کی ویسی ہی اس میں باقی رہ جاتی۔ اور عالمِ معاد میں وہ محبت گنجِ سانپ کی صورت میں ہوتی یا وہ اموال مضر صورتوں میں اس کے سامنے متمثل ہوتے حدیث میں ہے:

((بَطْلَحَ لَهَا بَقَاعُ قَرَقَرٍ)) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا

يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا

جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ... الخ﴾

”جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے اور نہیں خرچ کرتے اسے راہِ اللہ میں ان کو عذابِ سخت کی خبر دے۔ قیامت کے روز ان کی پیشانیاں اور پہلو اسی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کر داغ دیئے جائیں گے۔“

اور اکثر کسی شخص کے مرجانے کا حکم عالم مثال میں قرار پا جاتا ہے اتنے میں وہ بہت سامان صرف کرتا ہے اور وہ شخص اور قابلِ رحمت لوگ اللہ کے حضور میں گریہ و زاری کرتے ہیں۔ تو مال کے صرف سے اس کی خود ہلاکی محو ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لا یرد القضاء الا دعاء ولا یزید فی العمر الا البرا۔ (قضا کو دعائی ہٹا دیتی ہے اور نیکی سے عمر بڑھتی ہے) اور آدمی اکثر طبیعت کے غلبہ سے کوئی برا کام کر لیتا ہے پھر اس کی برائی معلوم کر کے نہایت شرمندہ ہوتا ہے لیکن طبیعت پھر غالب آ جاتی ہے اور اسی کام کو پھر کرتا ہے ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تاوان کے لیے بہت سامان صرف کرے تاکہ یہ نقصان اس کے پیش نظر رہے اور پھر آئندہ ایسے قصد سے اس کو باز رکھے اور نیز اکثر خوش خلقی اور انتظام خاندانی کا حفظان اسی طرح سے ہوتا ہے کہ خوب کھانا کھلایا جائے سلام میں تقدیم کی جائے اور طرح طرح بہم ردی کی جائے۔ ان امور کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ امور صدقہ کیے جاتے ہیں اس سے برکت زیادہ ہوتی اس سے غضب الہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور فیضانِ رحمت کو حاصل کر کے عذابِ آخرت اس سے دور ہو جایا کرتا ہے۔ ملا، اٹلی کی دعا اس کی طرف مصروف ہوتی ہے جو زمین میں مصلح اور مدبر ہیں۔

باب ۴۷

روزہ کے اسرار میں

معلوم کرو کہ اکثر آدمی اللہ کے الہام سے سمجھتا ہے کہ طبیعت بیکسی کا جوش اس کو کمال ذاتی سے باز رکھتا ہے وہی جوش بہیمیت کو ملکی قوت کے تابع ہونے نہیں دیتا۔ اس لیے بیکسی قوت سے اس میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے جوش کو ماردے کوئی چیز اس کو اس کے تدارک کے لیے بجز اس کے نہیں ملتی کہ گرسنہ اور تشنہ رہے مجامعت ترک کر دے اپنی زبان دل اور اعضاء کو روکے رہے انہیں امور سے وہ اپنی مرضی سہانی کا علاج کرتا ہے اس کے بعد اس شخص کی حالت ہے جس نے سچی خبر دینے والے سے ان تہا بیر کو دلی شہادت سے اخذ کیا ہو اس کے بعد اس شخص کا حال ہے کہ شفقت اور مہربانی سے انبیاء کشاں کشاں اس میں یہ حالت پیدا کریں اس کو ان خوبیوں کا ذاتی علم نہ ہو۔ لیکن معاد میں اس کا فائدہ اس کو حاصل ہو۔ جب یہ جوش اس میں دب جائے اللہ آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا یہی حال ہے کہ طبیعت عقل کے تابع رہے۔ لیکن طبیعت بغاوت کرتی ہے کبھی آزادانہ رہنے کی کوشش کرتی ہے اور کبھی اکامِ عقل سے تابع بھی ہو جاتی ہے۔ اس واسطے اس شخص کو مشاقی کے لیے محنت کے کام روز و جیسے اختیار کرنے پڑتے ہیں وہ اپنی طبیعت کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے اور طبیعت سے چاہتا ہے کہ اطاعت کے عہد کو پورا کرتی رہے وہ اس طرح انہیں امور کے اتمام میں رہتا ہے کہ اس کا مقصود اصلی حاصل ہو جاتا ہے کبھی کبھی کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ مدتوں تک روزے رکھے چلا جاتا ہے جن میں کہ بہ نسبت گناہ کے زیادہ محنت اور جبر ہوتا ہے تاکہ دوبارہ ایسا کام اس سے نہ ہو اور نیز کبھی دل میں عورتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن اس کو مبراہینہ کا مقصد نہیں ہوتا زنا کا خوف ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی رغبت کو روزہ

سے مار دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: فان الصوم له وجاء۔ (جس شخص کو شادی کرنے کی طاقت نہ ہو تو روزہ اس کے لیے بمنزلہ جفتی ہونے کے ہے) روزہ اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ اس سے ملکی قوت بڑھتی ہے۔ اور یہی طاقت کمزور ہو جاتی ہے روح کے چہرہ روشن کرنے کے لیے کوئی قلعی اس سے زیادہ نہیں ہے اور طبیعت کے مغلوب کرنے کی کوئی دوا اس سے زیادہ مفید نہیں ہے اسی واسطے اللہ نے فرمایا ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ۔ (روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) روزہ سے قوت بھی مضحمل اور کمزور ہوتی ہے اتنی ہی خطائیں دور ہوتی ہیں اور فرشتوں کی حالت سے مشابہت بڑھتی ہے۔ ان کو روزہ دار سے انس و محبت ہو جاتی ہے۔ یہ محبت کا تعلق بہیمیت کے ضعیف ہونے کا اثر ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اگر روزہ رکھی طور پر ہوتا ہم رکھی امور کے لحاظ سے مفید ہے جب کوئی امت اس کی پابندی کرتی ہے تو ان کے شیاطین کے پاؤں میں زنجیر پڑ جاتی ہے ان کے لیے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اور جب کوئی آدمی نفس کے مغلوب کرنے کا اہتمام کرتا ہے اس کے رذائل کو دور کرنا چاہتا ہے تو عالم مثال میں اس کے عمل کی ایک مقدس صورت پیدا ہو جاتی ہے اور عارفین باللہ میں ذکی القلب لوگ اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ عالم غیب سے ان کی علمی مدد کرتے ہیں۔ اور تزیہ و تقدیس کے ذریعہ سے ذات واجبی سے اس شخص کو قرب حاصل ہو جاتا ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ۔ کے یہی معنی ہیں۔

کبھی آدمی اس خرابی کو معلوم کرتا ہے جو اس کی طبیعت میں امور معاش کی مصروفیت اور بیرونی اثرات کی خواہش میں بھر جانے سے پیدا ہوتی ہے اس کے لیے تنہا ہو کر کسی مسجد میں عبادت کرنا جو نماز کے لیے بنائی گئی ہو مفید ہوا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے تو علیحدگی ممکن نہیں ہوتی: ما لا یدرک کله لا یتروک کله۔ وہ شخص اپنے اوقات میں کسی قدر فرصت کو جدا کر کے جتنا میسر ہوتا ہے اعتکاف میں تنہائی سے اوقات بسر کرتا ہے اس کے بعد اس کی حالت ہے۔ جس نے دلی شہادت سے مخبر صادق کے ذریعہ سے اعتکاف کی خوبی کو قبول کیا ہو پھر اس شخص کی حالت ہے کہ زبردستی اس کو اعتکاف کی تعلیم دی گئی ہو۔ اکثر روزہ میں زبان کو پاک و صاف رکھنے کے لیے اعتکاف کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔ کبھی لیلۃ القدر کی اور اس میں فرشتوں کے اتصال کی اس کو خواہش ہوتی ہے یہ بھی بغیر اعتکاف کے میسر نہیں ہو سکتا۔ لیلۃ القدر کے معنی آئندہ آئیں گے۔ واللہ اعلم

حج کے اسرار میں

معلوم کرو کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ صلحاء کی ایک جماعت کثیر ایک وقت خاص میں جمع ہوں۔ انبیاء اور صدیقین و شہداء اور صالحین کے حالات کو جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے۔ وہ یاد کریں اور سب ایسے موقع پر جمع ہوں۔ جہاں اللہ کی ظاہر نشانیاں موجود

ہوں۔ آئمہ دین کی جماعتیں وہاں کا قصد کرتی رہی ہوں وہاں وہ نہایت خاکساری اور رغبت سے اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتی رہی ہوں اللہ سے نیکی کی امید اور خطائیں معاف ہونے کی دعائیں اور التجائیں کرتی رہی ہوں جب اس کیفیت سے ہمتیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں تو لازمی طور پر اللہ کی رحمت اور مغفرت وہاں نازل ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان جیسا کہ عرفہ کے روز نہایت ذلیل و مطرود و حقیر و غصہ ناک نظر آتا ہے ایسا کسی روز نہیں آتا ہر ایک امت میں حج کی اصل موجود ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک خاص جگہ برکت لینے کی معین ہے اس میں انہوں نے اللہ کی نشانیوں اور اپنے بزرگوں کی عبادات اور آثار کو ظاہر ہوتے دیکھا ہے۔ اس سے مقرب لوگوں اور ان کے حالات کی یاد آتی ہے اس لیے وہ پابندی سے وہاں کا قصد کرتے ہیں لیکن بیت اللہ سب جگہوں سے زیادہ حج کے قبل ہے اس میں بر ملا نشانیاں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم نے جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے اللہ کے حکم اور وحی سے اس کی بنیاد قائم کی ہے پہلے اس کی زمین سخت چٹیل میدان تھی وہاں تک پہنچنا بھی مشکل تھا اور بیت اللہ کے علاوہ اور مقامات میں یا تو کچھ نہ کچھ شرک ہے یا بے اصل اس کی گھڑت کر لی گئی ہے طہارت نفسانی کے حصوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ رہنا اور ٹھہرنا اختیار کیا جائے۔ جس کی صلحاء ہمیشہ تعظیم کرتے رہے ہوں ذکر الہی سے اس کو معمور رکھا ہے۔

اس سے ملائکہ غلی کی توجہ پیدا ہوتی ہے اور نیک لوگوں کے لیے ملائحتی دعا کرتے ہیں۔ ایسی جگہ رہنے سے انہیں کے منور اثر نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں نے پچشم ظاہر اس کو مشاہدہ کیا ہے اور ذکر الہی کے متعلق اللہ کے نشانات کو ملاحظہ کر کے ان کی تعظیم کرنا بھی داخل ہے جب ان پر نظر پڑتی ہے تو اللہ یاد آتا ہے جیسے ملزوم کے دیکھنے سے کوئی ازم چیز یاد آتی ہے۔ خاصیت جب تعظیسی حالتوں اور ان حدود کی پابندی کی جائے جن سے نفس کو کمال درجہ تنبیہ حاصل ہوتی ہے اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں تڑپتا ہے اس وقت اس کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ اپنا شوق پورا کروں تو سواجے اور کوئی ایسی چیز اس کو نہیں ملتی۔ اور جیسے کہ دولت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک آزمائش اور امتحان کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مخلص اور منافق میں تمیز ہو جائے۔ دولت کی شہرت ہو۔ اس کا ظلمہ باند ہو اور سب لوگوں میں باہم جان پہچان ہو جائے ایسے ہی مذہب و توحید کی ضرورت ہے تاکہ منافق کی بخوبی تمیز ہو جائے۔ اور دین الہی میں مختلف گروہوں کا داخل ہونا عیاں ہو جائے۔ ایک دوسرے سے بیس جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد و حاصل مرستے جو اس کو حاصل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ مقاصد باہمی مصاببت اور ایک دوسرے کے ملنے ہی سے حاصل ہوا کرتے۔ اور میری توجہ بھی بہت سے رمی فوائد کا اضافہ رہتا ہے۔ یقیناً آئمہ دین کی حالت یا کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لیے بولی چیز توحید زیادہ مزید نہیں ہے اور چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لیے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا اللہ کی خاص عبادت ہے جس سے ظالمین معاف ہوتی ہیں وہ پچھلے گنہگاروں کو ایسا دور کرتا ہے جیسا کہ ایمان۔



نیکی کی اقسام کے اسرار میں

نیکی کی اقسام میں سے ذکر الہی ہے۔ ذکر الہی اور اللہ کے بیچ میں آڑ اور پردہ نہیں ہے سو مغفرت کی اصلاح کے لیے کوئی چیز ذکر سے زیادہ مفید نہیں ہے آنحضرت ﷺ کا قول ہے کیا تم کو سب اعمال میں افضل عمل نہ بتاؤں۔ الا انبئکم بافضل اعمالکم۔ نیز اللہ کی حضوری حاصل کرنے اور دل کی قساوت دور کرنے میں ذکر کا بڑا اثر ہوتا ہے خصوصاً اس شخص کے لیے جس کی قوت بھیمی فطری طور پر یا عملاً ضعیف ہوتی ہے اور اس شخص کے لیے بھی جو فطرۃ اپنے خیال میں محسوس چیزوں کا احکام مجرد میں خلط ملط کر دیتا ہے اور انہیں اقسام میں سے دعا بھی ہے اس سے حضوری کا بڑا دروازہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پروردگار عالم کے حضور میں نہایت درجہ اطاعت اور احتیاج کو وہ پیش نظر کر دیتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: الدعاء مخ العبادۃ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ وہ مبداء کی جانب نفس کے متوجہ ہونے کی ظاہری صورت ہے جو درخواست کی صورت ظاہر ہوتی ہے اس کے حاصل ہونے کی جس کے لیے دعا مانگی گئی ہے روح ہے اور نیز بڑی نیکی تلاوت قرآن اور اس کی نصائح کو گوش دل سے سننا ہے جو توجہ سے ان کو سنتا ہے اور دل میں وہ جگہ کر لیتی ہیں۔ بیم و امید کی حالتیں اللہ کی عظمت میں حیرانی اس کے احسانات میں استغراق ہو جاتا ہے طبیعت کا جوش بجھانے کے لیے نہایت ہی مفید ہے نفس کو قرآن کی تلاوت اس لیے تیار کرتی ہے کہ آسمانی اثر پیدا ہونے لگیں۔ اور عالم معاد میں وہ نہایت نافع ہے۔ فرشتہ قبر والے سے کہے گا: لا دریت ولا تلیت۔ (تو نے نہ حق کو جانا نہ قرآن کی تلاوت کی) قرآن سے دل تمام سفلی کیفیتوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے (ہر چیز کے لیے ایک خاص صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کا تلاوت کرنا ہے) اور نیز نیکیوں میں سے قرابت والوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ اپنے قراہتوں اور ہم مذہبوں کے ساتھ حسن معاشرت کرنا چاہیے غلاموں کو آزادی دینا چاہیے۔ ان امور سے رحمت اور اطمینان نازل ہوتا ہے تدا بیر دوم اور سوم کے انتظامات ان سے مکمل ہوتے ہیں۔ ملائکہ کی دعا کے یہ امور باعث ہوتے ہیں۔ نیز نیکیوں میں سے جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی فاسق پر لعنت کرتا ہے جس سے عام لوگوں کو مضرت پہنچتی ہے۔ اس کا نابود کرنا یا مصلحت کلی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ کسی ذکی القلب کے دل پر اس کے قتل کرنے کا الہام کرتا ہے اس کی طبیعت سے خود بخود بغیر کسی سبب طبعی کے غصہ شعلہ زن ہوتا ہے وہ اپنے تمام ذاتی امور سے اس کام کے لیے غلیحہ ہو کر اللہ کی مراد سے زندگی حاصل کر کے ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ کی رحمت اور نور میں غرق ہو جاتا ہے اس سے تمام آدمیوں اور شہروں کا کام بن جاتا ہے اسی کے قریب یہ حالت بھی ہے کہ اللہ ان ملکوں کی دولت اور حکومت کو تباہ کرنے کا حکم فرماتا ہے جو اللہ کی شان میں کفر کرتے ہیں ان کے چال چلن بگڑ جاتے ہیں اس لیے کسی نبی کو جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی قوم کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا کی جاتی ہے تاکہ ایسی قوم ہوں جو لوگوں کی تکمیل کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ رائے کلی سے کسی قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوموں سے درندہ خصلت لوگوں کی تعدی کو روکنا عمدہ

ہے۔ نافرمانوں پر تعزیرات قائم کرنی چاہئیں اور برائی سے ان کو روکنا چاہیے ان کوششوں سے لوگوں میں امن اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ ان قوموں کے مجاہدوں کو عمدہ جزا دیتا ہے اور کبھی مصائب امراض کے بلا قصد پیش آ جاتے ہیں۔ ان میں بھی کسی وجہ سے نیکی کا سامان ہو جاتا ہے کبھی اس طرح پر اللہ کی توجہ ہوتی ہے کہ کسی بندہ کے اعمال درست ہو جائیں اور اسباب عالم کا مقتضا ہوتا ہے کہ اس کی حالت تنگ ہو جائے تو وہی اسباب اس کی تکمیل نفس کے باعث ہو کر اس کی خطاؤں کو دور کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لیے بجائے ان کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جیسے کہ جب پانی کا منفذ بند ہو جاتا ہے تو پانی اوپر اور نیچے سے پھوٹ نکلتا ہے۔ یہ بہاؤ اس میں تنگی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس سے خیر اضافی کی حفاظت رہتی ہے اور کبھی اس طرح پر ان میں نیکی ہو جاتی ہے کہ مسلمان پر جب مصائب نوٹ پڑتے ہیں اور زمین اس پر تنگ ہو جاتی ہے تو اس وقت میں طبیعت اور رسم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور سب امور کو ترک کر کے اللہ ہی کی طرف وہ متوجہ ہو جاتا ہے اور کافر اس حالت میں اس گمشدہ چیز کی ہی یاد میں رہتا ہے اور اسی زندگی میں ڈوبا رہتا ہے حتیٰ کہ زمانہ مصیبت کا پہلی حالت سے بھی زیادہ خبیث ہو جاتا ہے اور کبھی وہ سختیاں نیکی کا باعث اسی لیے ہوتی ہیں کہ تمام روکنے والی برائیاں غلیظ اور کثیف قوت طبعی میں جمع ہوا کرتی ہیں۔ تو مریض اور ضعیف ہو جانے سے جتنا کہ بدن کو پہنچتا ہے اس سے زیادہ مادہ تحلیل ہو جاتا ہے تو وہ خود ظلمت بھی جو برائیوں کی حامل تھی تحلیل ہو جاتی ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کی خواہش نفسانی غصہ وغیرہ سب دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ پچھلے امور کو ایسا بھول جاتا ہے کہ گویا اس میں وہ موجود ہی نہ تھے اور ایک صورت یہ ہے کہ جب مسلمان کی قوت بیکہ اس کی قوت ملکی سے آزاد ہوتی ہے تو دنیا ہی میں اکثر ان کے گناہوں پر مواخذہ ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ دنیا کی محنت مسلمان کے لیے مذاب ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵۰

گناہوں کے درجوں میں

معلوم کرو جیسے کہ بہت سے عمل اور طریقے ایسے ہیں جن سے معصوم ہو جاتا ہے کہ قوت بیکہ ملکی کے تابع نہ ایسے ہی ایسے بھی اعمال ہیں جن سے صاف نافرمانی معلوم ہوا کرتی ہے۔ ان سے قوائے بیکہ کی سرکشی پیدا ہوتی ہے انہیں امور کو گناہ کہتے ہیں اور گناہوں کے مختلف مرتبے ہیں ❶ وہ گناہ ہیں جو انسانی فعل اور ترقی کا راستہ باطل مسدود کر دیں ایسے بڑے گناہ دو قسم کے ہیں۔ اول وہ جن کا تعلق مبادی ذات سے ہے آدمی کو اپنے پروردگار سے ہی لاتی ہو۔ یا اس کا وہ علم رکھتا ہو لیکن مخلوقین کے اوصاف اس میں ثابت کرتا ہو یا اللہ کی صفات مخلوقین میں ثابت کرتا ہو۔ دوسری صورت تشبہ کی ہے اور تیسری شرک کی نفس میں کبھی تہہ نہیں پیدا ہوتی۔ جب تک کہ صوفی تہ و اور تہہ عام کا جو تمام عالم کو محیط ہو رہا ہے بسیرت کی آنکھ سے ملاحظہ نہ کرتا رہے۔ جب اس قسم کا غور نہیں ہوا کرتا تو نفس اپنی ہی حالتوں میں مشغول رہا کرتا ہے۔ کبھی بیگانگی کا پردہ نہیں ہوتا۔ اور بہت دیر سوزن بھی اس میں اضمحلاف

نہیں ہوتا یہ نہایت سخت بلا ہے اور دوسری قسم بڑے گناہ کی اس امر کا اعتقاد کرنا ہے کہ بجز اس بدنی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بدن کے لیے اور کوئی کمال دوسرا نہیں ہے جس کا طلب کرنا اس کو ضروری ہو۔ جب نفس میں یہ خیال جم جاتا ہے تو پھر اس کی نظر کبھی کمال کی طرف نہیں اٹھتی اور جو کہ علاوہ کمال بدن کے دوسرے کمال کا ثبوت عام لوگوں سے جب ہی ممکن ہے کہ موجودہ حالت کی بہرہ وجوہ مخالف حالت کا وہ تصور کر سکیں اگر یہ دونوں کمالات جدا جدا اس کے خیالات میں نہ آئیں تو کمال عقلی اور کمال حسی دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور وہ شخص کمال عقلی کو چھوڑ کر کمال حسی کی طرف مائل ہو جائے۔ اس لیے لقاء الہی اور روز آخرت پر ایمان لانا اس کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ (جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ متکبر ہیں) حال ہے کہ جب آدمی اس درجہ کے گناہ میں رہ کر مر جاتا ہے اور اس کی قوت بیکسی متحمل ہو جاتی ہے تو نہایت درجہ کی نفرت آسمانی جانب سے اس کو لپٹتی ہے وہ کبھی اپنے آپ کو اس سے رستگار نہیں کر سکتا۔ اور دوسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ قوت بیکسی کے غرور سے آدمی ان فضائل سے تکبر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اپنے کمالات تک پہنچنے کے لیے قرار دیئے ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ نہایت اہتمام سے پیغمبروں اور شریعتوں کے ذریعہ سے ان کے شائع کرنے اور ان کی شان بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں لیکن ایسا شخص ان امور کا انکار کر کے ان سے عداوت کرتا ہے اور جب یہ مر جاتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی تمام ہیئیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور اس کو ایذا پہنچانے کی طرف مائل ہوتی ہیں اور خطا ہر جانب سے ایسا احاطہ کر لیتے ہیں کہ پھر اس سے نکلنے کا اس کو موقع نہیں ملتا اور چونکہ وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچتا اور اگر پہنچتا بھی ہے تو وہ پہنچنا قابل اعتبار اور لحاظ نہیں ہوتا۔ اس واسطے یہ حالت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ یہ مرتبہ آدمی کو مذاہب میں اپنے پیغمبر کے طریقہ سے باہر کر دیتا ہے اور تیسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ آدمی نجات دہندہ افعال کو ترک کر دے اور ایسے ایسے کام کرے کہ جن کے کرنے والے پر عالم ذکر میں لعنت مقرر ہے یا تو ان کاموں کی وجہ سے زمین میں کسی بڑے فساد کا گمان غالب ہوتا ہے یا اس کی صورت تہذیب نفس کے بالکل خلاف ہوتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں یا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل نہ کرے جن سے بجا آوری کا مادہ پیدا ہوتا ہے یا بجا آوری کی کچھ نہ کچھ اس میں آمادگی پیدا ہو جاتی ہے شرائع کی تعمیل نفوس کے مختلف ہونے سے مختلف طرح پڑھتی ہے جو لوگ ہیئت میں ڈوبے ہوئے ہوں اور یہ قوت ان میں کمزور ہو ان کو تو احکام شریعیہ کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے اور جن میں یہ قوت شدید اور غلیظ ہوتی ہے۔ ان کو اعمال شاقہ کی کثرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور انہیں اعمال میں سے بعض اعمال درندوں کے سے ہوتے ہیں جو بڑی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ مثلاً قتل اور بعض اعمال شہوانی ہوا کرتے ہیں۔ بعض پیٹھے ضرر رساں ہوتے ہیں جیسے قمار، بوا، ان تمام مذکور امور سے نفس میں بڑا رخنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان امور سے ان امور پر اقدام ہوتا ہے جو لازمی طریقوں کے مخالف ہیں اور ان کو ملاء اعلیٰ کی جانب سے لعنت احاطہ کرتی ہے اس لیے ان دونوں کے ملنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے یہ گناہ کبیرہ کا مرتبہ سب کبار سے زیادہ ہے خطیرۃ القدس میں ان امور کا حرام ہونا ایسے گنہگاروں کا ملعون ہونا قرار پا چکا ہے۔ انبیاء ہمیشہ ان امور کو بیان فرماتے رہے ہیں جو وہاں قرار پا چکے ہیں ان میں سے اکثر تمہد شرائع میں متفق علیہ ہیں۔ چوتھا مرتبہ ان شرائع اور طریقوں کی نافرمانی کرنی ہے جو کہ ہر ایک امت اور زمانہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہیں۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم کی طرف مبعوث کرتا

ہے تاکہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف پہنچائے ان کی کجی کی اصلاح کرے عہدگی سے ان کی سیاست کرے تو ان کے مبعوث ہونے میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ نہایت اہم امور جن کے بغیر ان کی صلاح اور سیاست نہیں ہو سکتی واجب قرار پاتے ہیں اس لیے ہر ایک مقصد کی ایک معیار دانگی یا اکثری ضرور ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ان سے مواخذہ اور خطاب کیا جاتا ہے ہر ایک امر کے لیے اوقات معین کرنے کے لیے ضروری قاعدے ہوا کرتے ہیں اکثر امور سے کوئی فساد یا مصلحت پیدا ہوتی ہے تو جیسے اس امر کی حالت ہوتی ہے ویسا ہی حکم اس کا مقرر کیا جاتا ہے اس لیے بعض امور تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا امر وہی ضروری ہوتا ہے اور بعض کا مامور اور مٹنی عنہ ہونا بغیر اہتمام کے ہوتا ہے ایسے اکثر امور نبی کے اجتہاد سے بھی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ پانچواں رتبہ یہ ہے کہ شارع نے اس کی پہلو تصریح نہیں کی نہ ملاء اعلیٰ میں کوئی حکم اس کے متعلق ہونے کا منعقد ہوا لیکن کوئی اللہ کا بندہ پوری بحث سے اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے قیاس سے یا تخریج وغیرہ سے ایک شے کا مامور یا ممنوع ہونا معلوم کیا۔ جیسے عام دگوں کو اپنے ناقص تجربہ سے یا حکیم حافظ و ملت کے پائے جانے سے کسی دوا کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے۔ عامی کو تاثیر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور طبیب نے اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہوتی پس ایسا شخص جب تک خود اپنی احتیاط اس امر میں نہ کرے گا وہ مہدہ برا نہیں ہو سکتا ورنہ ان کے گمان کی وجہ سے اس میں اور اللہ میں ایک پردہ سا ہو جائے گا اور وہ اس کی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ اس مرتبہ میں اصل خوشنودی کے قائل یہ ہے کہ اس مرتبہ کے حالات کو ترک کر کے ان کی طرف توجہ نہ کرے لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس مرتبے کے لائق ہیں۔ جس کے وہ قائل ہیں۔ خدا نے جو اداں پر اسی کی کثرت کرتا ہے۔ اسی کو اللہ فرماتا ہے انا عند ظن عبادی بی (بندہ کا جیسا میرے ساتھ گمان ہوتا ہے ویسے ہی میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں) اور فرماتا ہے: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ إِلَّا نَبْغًا رِضْوَانِ اللَّهِ﴾ (رہبانیت جس کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا ہے ہم نے ان پر اس کو اس لیے واجب کیا تھا کہ اللہ کی رضا مندی کی تلاش میں رہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا اور فرمایا گناہ وہی ہے جو تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے یہی حال اس حکم کی نافرمانی کا ہے جو کسی مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوا ہو اور اسی مجتہد کا جس نے یہ حکم دیا ہے نافرمانی کرنے والا پیر و اور مقلد ہو۔ واللہ اعلم

باب ۱۵

گناہوں کی خرابیوں کے بیان میں

معلوم کرو کہ گناہ صغیرہ اور بلیہ کا اطلاق دو لحاظ سے کیا جاتا ہے ① نیک اور شہاد کی صحت کے لحاظ سے ② شریعتوں اور ملتوں کے لحاظ سے۔ جو ایک زمانہ سے مخصوص ہوتے ہیں نیک اور گناہ کی صحت کی نظر سے گناہ بلیہ سے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا گناہ ہے جس سے قیامت میں عذاب ضرور دیا جائے۔ اس کی وجہ سے تدابیر مانع میں کوئی بڑی خرابی برپا ہو۔ فطرت کے

کاموں سے وہ بالکل علیحدہ ہو اور گناہ صغیرہ وہ ہے جس سے امور بالا میں سے کسی امر کے ہونے کا شبہ ہو یا اکثر مرتبہ اس سے کوئی امر پہلے امور میں سے پیدا ہوتا ہو یا ایک وجہ سے اس میں اس قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو اور دوسری وجہ سے وہ خرابی نہ پیدا ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اس کے بال بچے بھوکے مرتے ہوں تو اس نے بخل کی رذیل عادت دفع کی۔ لیکن خانہ داری کی تدبیر کو کھودیا اور خاص خاص شریعتوں کے لحاظ سے کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے حرام ہونے کی شارع نے تصریح کر دی ہو یا اس کے مرتکب کے لیے دوزخی ہونے کی وعید کی گئی ہو۔ یا اس پر کوئی حد مقرر کی ہو یا اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے متعلق شدت بیان کر بنے کو اس کے مرتکب کو کافر دائرہ اسلام سے خارج کیا ہو۔ کبھی بعض امور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے صغیرہ ہوتے ہیں لیکن شریعت کے لحاظ سے وہی کبیرہ قرار پاتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کوئی قبیح کام اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ رسم ہو ران میں پھیل جاتا ہے ان کے دلوں کو کٹڑے کٹڑے کر دیں۔ جب بھی وہ ان کے دل سے نہیں نکلتا ہے اس کے بعد شریعت کو اس سے روکنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ لوگ اس کام پر اڑ جاتے ہیں اس کے کرنے پر اصرار کرتے ہیں شرع سے ان کے اصرار پر تہدید اور سختی ہوتی ہے گویا اب اس کا کرنا شریعت کی سخت عداوت سمجھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کو وہی شخص کرتا ہے جو مردود اور سرکش ہو اللہ اور لوگوں سے اس کو کسی قسم کی حیاء نہ ہو بہر حال ہم ان گناہوں کی تفصیل جو شریعت کے لحاظ سے کبیرہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری قسم میں بیان کریں گے وہیں ان کے بیان کا موقع ہے لیکن ان گناہوں کی خرابیاں جو برداشتم کی حکمت سے کبیرہ قرار دی گئی ہیں ہم یہیں بیان کرتے ہیں۔

نیکی کے انواع میں بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ جب کوئی شخص کبیرہ بے رحمی کی حالت میں مر جائے اس کو تو بہ نصیب نہ ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں کہ اللہ اس گناہ کو معاف کر دے ہر ایک فرقہ نے قرآن وحدیث سے اپنے اپنے دلائل بیان کیے ہیں لیکن میرے نزدیک اس اختلاف کو یوں حل کر سکتے ہیں کہ اللہ کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں ❶ وہ افعال جو بہ عادت استمراری ہوتے رہتے ہیں۔ ❷ جو خلاف عادت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو مسائل لوگوں کے سامنے ذکر کیے جاتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ❶ موافق عادت ❷ بلا قید اور دو مسئلوں میں مخالف ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ ایک ہی ہو۔ جیسے منطقیوں نے قضایائے موجدہ (جن میں ثبوت جملہ کی کیفیت مذکور ہو) میں ذکر کیا ہے کبھی جب وجہ کو ذکر نہیں کرتے ہیں تو قرآن سے اس کا پتہ لگانا ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ جو شخص زہر کھائے گا وہ مر جائے گا اس کے معنی یہی ہیں کہ عادت اور معمول کے موافق زہر کا یہ اثر ضرور ہوگا۔ اور جب کہا جائے کہ یہ امر نہیں ہے کہ زہر کھا کر مر ہی جایا کریں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسا ہوگا تو خلاف عادت ہوگا اس لیے دونوں باتیں درست ہیں ان میں کچھ مخالفت نہیں ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ کی دنیا میں بعض افعال خلاف عادت ہوتے ہیں اور بعض معمول کے موافق ایسے ہی آخرت میں بھی افعال الہی دو قسم ہیں۔ معمولی یا غیر معمولی تو اللہ کی استمراری عادت تو یہ ہے کہ بغیر توبہ کے مرنے کے بعد وہ گنہگار کو زمانہ و راز تک عذاب دیتا ہے۔ اور کبھی خلاف عادت بھی ایسے کام کرتا ہے۔ ایسے ہی حقوق العباد کا بھی حال ہے اور صاحب کبیرہ کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا صحیح نہیں ہے حکمت الہی کا مقتضایہ نہیں ہے کہ جو معاملہ کافر سے کرے ویسا ہی صاحب کبیرہ سے بھی کرے۔ واللہ اعلم

ان گناہوں کے بیان میں جو نفس کی حالت سے متعلق ہیں

معلوم کرو کہ آدمی کی قوت ملکی کو ہر جانب سے قوت بھی احاطہ کیے ہوئے ہے اس کا حال ایسا ہے جیسے نفس میں کسی پرندہ کا ہوتا ہے اس پرند کی خوش نصیبی اور سعادت اسی میں ہے کہ اس نفس سے نکل کر اپنے اصلی وطن تر و تازہ باغوں میں پہنچ جائے وہاں غذائی دانوں اور لذیذ میوہ جات کھائے اور اپنے ہم جنس پرندوں کے جھنڈ میں مل کر ہشاش و بھاش زندگی بسر کرے اسی طرح آدمی کے لیے نہایت درجہ بد نصیبی اور شقاوت اس میں ہے کہ وہ دہریہ ہو۔ دہریہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ان علوم کے مخالف ہو۔ جو اس کی طبیعت اور فطرت میں اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ پہلے ہم نے بیان کیا ہے کہ آدمی کی اصل فطرت میں مبداء جل جلالہ کی جانب ذاتی میلان ہے اور نہایت درجہ اس کی تعظیم کرنے کی خواہش ہے اللہ کے قول: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ثُمَّ اشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ (اور اس وقت کو یاد کر کہ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو گواہ لیا اپنی جانوں پر) اور کل مولود یولد علی فطرة الاسلام (سب کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے) میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا تعظیم و ال میں جب ہی راسخ ہوتی ہے کہ اللہ کی نسبت اعتقاد کیا جائے کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے ہر قسم کا تصرف کرتا ہے۔ اعمال کی جزا دیتا ہے ان کو مذہب سے مکلف کرتا ہے جو شخص اس کا منکر ہو کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جس پر تمام ہستی کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ یا وہ معتقد ہو کر پروردگار عالم معطل ہے۔ اس عالم میں وہ کوئی تصرف نہیں کرتا۔ یا تصرف کرتا ہے۔ تو بلا قصد اور مجبورانہ کرتا ہے یا وہ اپنے بندوں کے اچھے برے افعال کی جزا نہیں دیتا۔ یا وہ اپنے پروردگار کو اور مخلوق جیسے اعتقاد کرتا ہے یا اس کی سی صفات اور لوگوں میں بھی اعتقاد کرتا ہے یا یہ جانتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو جہنم کے ذریعہ سے اذکار شریعت کا پابند نہیں کرتا پس ایسا ہی شخص دہریہ ہے اس کے دل میں پروردگار کی عظمت نہیں جمع ہو سکتی ہے اور خطیرۃ القدس کی طرف اس کے علم کو رسائی نہیں ہو سکتی وہ بمنزلہ ایک پرندے ہے جو اپنے نفس میں بند ہے اس میں سوزن کے برابر بھی کوئی سوراخ نہیں۔ مرنے کے بعد اس پر سب چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور کسی قدر قوت ملکی ظاہر ہوگی اور اس کے فطری میاں میں جنش پیدا ہوگی لیکن پروردگار کے علم اور خطیرۃ القدس کی رسائی سے عوائق مانع ہوں گے اور اس سے اس کے نفس میں نہایت وحشت کا جوش ہوگا اور اس ناپاک حالت پر باری تعالیٰ اور ملائکہ اعلیٰ کی نظر پڑے گی تو ناخوشی اور حسرت کی نکاتند سے وہ دیکھے جائیں گے اور ملائکہ کو اسی ناخوشی اور مذاب کا الہام ہوتا ہے اور عالم مثال اور عالم خارجی میں ان پر مذاب کیا جاتا ہے اور جیسے کہ دہریہ ہونا آدمی کے لیے نہایت درجہ شقاوت کا باعث ہے ایسے ہی آدمی کے کافر ہونے میں بھی اس کی ذلت اور شقاوت ہے کافر اس شان سے تکبر کرتا ہے جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نفس کے لیے کیا ہے۔

شان سے یہ مراد ہے کہ صحت الہیہ کی مقتضات سے اس کے لیے خاص اور طریقہ معین ہوتے ہیں جب کوئی دہر شروع ہوتا

ہے تو تمام آسمانوں میں اس کی وحی کی جاتی ہے اور ملاءِ اعلیٰ اس کی تکمیل کی مناسب تدابیر عمل میں لاتے ہیں اور لوگوں کے لیے اس دور میں شریعت کا ایک قرار داد ہوتا ہے اور اللہ ملاءِ اعلیٰ کو الہام کرتا ہے کہ عالم میں اس دور کے چلانے پر متفق ہوں۔ ان کے اتفاق سے لوگوں کے دلوں پر الہام ہوتا ہے یہ مرتبہ شان کا اسی قدیم مرتبہ کے بعد ہوتا ہے جس میں حدوث کا لگاؤ نہیں ہوتا۔ اس پہلے مرتبہ کی طرح اس مرتبہ میں ہی بعض کمالات واجب تعالیٰ کا اظہار ہوتا ہے جو شخص اس شان کی حالت کے خلاف ہوتا ہے اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے نہایت سخت لعنت کا مستحق ہوتا ہے وہ لعنت اس کے نفس کو محیط ہو کر اعمال پر چھا جاتی ہے اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور مفید اعمال نیکی کو وہ حاصل نہیں کر سکتا اس کی طرف اللہ کے قول میں اشارہ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾

”جو لوگ ہماری کھلی نشانیوں اور ہدایت کو اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں صاف صاف بیان کر دیا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ﴾

”اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی۔“

یہ شخص اس پرندہ کی مانند ہوتا ہے جو ایسے نفس میں بند ہو جس کی روزن تو ہوں لیکن اس پر کوئی غلاف پڑا ہوا ہو۔ کفر کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ کسی شخص کو تو حید اور تعظیم الہی کا تو ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو لیکن وہ ان احکام کی تعمیل نہ کرتا ہو جو حکمت بردارم قرار دیئے گئے ہیں وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے شجاعت کی حقیقت اور فائدہ معلوم کر لیا لیکن وہ صفت اس میں پیدا نہیں ہو سکتی اس لیے کہ نفس شجاعت کا حاصل ہونا اور ہے اور صورت شجاعت کا حاصل ہونا اور لیکن اس شخص کی حالت اس سے کسی قدر بہتر ہے جو شجاعت کے معنی بھی نہیں سمجھتا وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرند ایسے نفس میں ہے جس میں سوراخ ہیں وہ بہرہ زار اور میوہ جات کو دیکھتا ہے مدتوں وہاں رہ چکا تھا لیکن اب آپھنسا اسی کے شوق میں مبتلا ہو کر اپنے پر مارا کرتا ہے اور چونچ روزنوں میں ڈالتا ہے لیکن باہر نکلنے کا راستہ اس کو نہیں ملتا۔ حکمت بردارم کے لحاظ سے کبار یہی ہیں اور اس شخص سے بھی کمتر درجہ اس شخص کا ہے کہ وہ ان تمام احکام کی بجا آوری کرتا ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ نہیں کرتا جو ان کے لیے ضروری ہیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرند شکستہ نفس میں بند ہے تنگی سے اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ لیکن جب تک جلد میں خراش نہ ہو اور پرچ نہ جائیں نکلنا وہاں سے متصور نہیں اس کا نفس سے نکلنا ممکن ہے لیکن بہت محنت و سعی سے چونکہ نکلنے کے بعد اس کی جلد میں خراش ہوگا اور پرچے نچے نچائے ہوں گے اس واسطے وہ اپنے ہم جنسوں میں بخوبی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اور جیسا چاہیے ان باغوں کے میوہ جات سے بھی بہرہ مند نہ ہوگا یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے اعمالِ صالحہ کے ساتھ برے اعمال بھی کیے ہیں ان کے لیے عائق اور مانع گناہ وہ ہوتے ہیں جو حکمت بردارم کے لحاظ سے صغیرہ گناہ ہیں۔ بل صراط کی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض لوگ آگ میں گریں گے اور بعض کو اس میں گر کر نجات ہو جائے گی اور بعض کو آگ کی لپٹ کے بعد نجات مل جائے گی۔ واللہ اعلم

ان گناہوں کا بیان جن کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے

معلوم کرو کہ حیوانات کی قسمیں مختلف ہیں بعض کی پیدائش ایسی ہوتی ہے جیسے زمین کے کرم ان کا حق یہ ہے کہ پروردگار صور کی جانب سے یہی الہام ان پر ہوتا ہے کہ وہ کیسے اپنی غذا حاصل کریں ان کو مکانات کی تدابیر کا الہام نہیں ہوتا اور بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان میں تو والد و تناسل ہوتا ہے بچوں کی پرورش میں نر و مادہ مل کر باہم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ حکمت الہی میں ان کا یہ حق ہے کہ مکانوں کی تدابیر کا ان کو الہام ہوتا ہے پرندوں کو غذا حاصل کرنے کا اور پرواز کرنے کا طریقہ الہام ہوتا ہے اور یہ کہ وہ کیسے ہفتی کریں کیسے اپنا آشیانہ بنائیں۔ اپنے بچوں کو کیسے پرورش کریں اور حیوانات میں سے آدمی مدنی الطبع ہے اس کے زندہ رہنے کے لیے ضرور ہے کہ اس کی بنی نوع دشگیری کریں وہ اُگی ہوئی گھاس سے خود اپنی غذا تیار نہیں کر سکتا۔ خام میوہ جات نہیں کھا سکتا پشم سے اپنے اندر گرمی نہیں پیدا کر سکتا اس کے متعلق ہم نے پہلے تشریح کی ہے آدمی کا حق ہے کہ خانہ داری کی تدابیر اور آداب معاش کے ساتھ سیاست مدن کا بھی اس کو الہام ہوتا ہے انسان اور حیوانات میں فرق یہ ہے کہ حیوانات کو ضرورت کے وقت طبعی الہام ہوتا ہے۔ اور انسان پر علوم معیشت کے ایک مختصر حصہ کا الہام ہوتا ہے مثلاً یہ الہام ہوتا ہے کہ دودھ پینے کے وقت پتن کو کیسے چوستے ہیں آواز کی تنگی کے وقت کیسے کھانتے ہیں۔ دیکھنے کے لیے پکوں کو کیسے کھولتے ہیں معیشت کے اور حصوں کے الہام کی ضرورت اس کو اس واسطے نہیں ہے کہ اس کا خیال خود ہر ایک چیز کو بناتا اور اہتمام کرتا ہے وہ تدبیر منزل اور سیاست مدن کے موم کو رسم و رواج سے اور ان لوگوں کی پیروی سے حاصل کرتا ہے جن کی ملکی روشنی سے اللہ تائید کرتا ہے یہ روشنی ان علوم میں ظاہر ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ سے ان کو معلوم ہوتے ہیں نیز تجربہ اور تدابیر غیبی سے وہ ان علوم کو حاصل کرتا ہے۔ نیز وہ خود غور کر کے موم میں مستغرق ہو کر قیاس اور برہان سے ان کو معلوم کرتا ہے۔ اس موم کی مثال جو لوگوں میں عام اور شائع ہو گئی ہیں۔ حالانکہ استعدادوں کے مختلف ہونے سے ان کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ ایسی ہی شان ہے جیسے کہ خواب میں واقعات پیش ہوتے ہیں یہ واقعات اپنی آسمانی چیز سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مناسب و مناسب صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں ان کی صورتیں مفیض کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں ان علوم میں سے ہر تمام افراد انسانی کو عطا ہوتے ہیں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم۔ شہری ہوں یا بدوی کو ان کے حاصل ہونے کا طریقہ مختلف ہو۔ چند مسائل کا حرام ہونا ہے ان کی وجہ سے انتظام مدن میں خرابی اور برہمی ہوتی ہے ایسے مسائل تین قسم کے ہیں ① شہوانی اعمال ② سخی اعمال ③ وہ اعمال جو بد معاملگیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام لوگ خواہ انسانی وغیرہ میں مشترک ہیں اور جیسے قوی بہائم کو مادہ کا میاں ہوتا ہے وہ دوسرے کی مدافعت کو اپنے جواز سے میں آوار نہیں رہتے ایسی ہی طبیعت قوی لوگوں کی ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ بہائم باہم لڑتے ہیں جو زیادہ مضبوط ہوتا ہے وہ کمزور پر غالب ہو جاتا ہے دوسرا اس کے سامنے سے بھاگ جاتا ہے اور چونکہ ہفتی کرتے ہوئے نہیں

دیکھتے اس لیے کچھ مزاحمت کا بھی ان کو خیال نہیں ہوتا اور آدمی نہایت زیرک پیدا کیا گیا ہے۔ انکل سے چیزوں کو ایسا معلوم کر لیتا ہے کہ گویا ان کو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے اور الہام سے اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور میں زیادہ لڑنے جھگڑنے سے شہر ویران ہو جائیں گے۔ شہروں میں بسنا بغیر باہمی ہمدردی کے ممکن نہیں اور یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل مردوں کو ہوتا ہے اس واسطے بالہام الہی ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو ہمیں دوسرا شخص کسی قوم کی مزاحمت نہ کرے۔ حرمت زنا کی اصل یہی ہے اور بیویوں کے خاص کر لینے کی رسمیں اور طریقے جدا جدا ہیں اور نیز جیسے کہ قوی بہائم کو ہمیشہ مادیوں کی رغبت ہوتی ہے وہ مردوں سے کبھی مانوس نہیں ہوتے ایسے ہی آدمیوں کا بھی حال ہے کہ سلامتی فطرت کی حالت میں ان کو بجز عورتوں کے کبھی مردوں کی جانب التفات نہیں ہوتا۔ البتہ جن لوگوں پر ناپاک خواہش نفسانی غالب ہو جاتی ہے ان کا مزاج ایسا فاسد ہو جاتا ہے جیسے کسی کو مٹی یا کوئلہ کھانے میں مزہ معلوم ہوتا ہے۔ فطرت کی سلامتی ان میں سے بالکل دور ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی خواہش نفسانی مردوں سے پوری کر لیا کرتے ہیں یا ان میں علت انہ پیدا ہو جاتی ہے جن چیزوں میں سلیم الطبع لوگوں کو لذت حاصل نہیں ہوتی ان کو ایسی لذتیں حاصل ہو سکتی ہیں ان عادات کی وجہ سے ان کا مزاج بدل جاتا ہے ان کے دل روگی ہو جاتے ہیں اور نیز ان عادات سے نسل انسانی کی تیخ کٹی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش اس واسطے پیدا کی تھی کہ اس سے آدمیوں کی نسل آگے کو بڑھتی رہے اور اس نے اس نظام الہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف طریقہ سے قضائے حاجت کی اسی وجہ سے ان افعال کا مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے۔ فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن ان کا اقرار نہیں کرتے اگر ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کیجیے تو شرم و حیا سے مرجانا گوارا کرتے ہیں۔ ہاں منبع فطری سے جب وہ بالکل جدا ہو گئے ہوں تو ان کو کسی قسم کی حیا باقی نہیں رہتی اور برملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو فوراً ان کو عذاب دینا چاہیے۔ سیدنا حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ لواطت حرام ہونے کی یہی دلیل ہے اور چونکہ لوگوں کی معاش خانگی تدابیر اور سیاست مدن بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہو سکتیں اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہلچل پڑ جاتی ہے اس سے جنگ و جدل اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں لیکن طبائع انسانی میں بے ہودہ خواہشیں عقول کو مغلوب کر لیتی ہیں تو ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کر دیتی ہیں اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہو جائیں یہ شراب خوری کے حرام ہونے کی دلیل ہے اور اس کے کم زیادہ حرام ہونے کو ہم شرائع کی بحث میں بیان کریں گے اور ایسے ہی قوی بہائم میں اس چیز پر غصہ کرنے کا مادہ ہوتا ہے جو ان کو اپنے مقصود سے باز رکھے یا کوئی نفسانی یا بدنی تکلیف ان کو پہنچائے۔ ایسے ہی لوگوں میں بھی اس قسم کی صفت ہوا کرتی ہے فرق یہ ہے کہ بہائم کو محسوس یا موبہوم مقصود کی طرف توجہ ہوتی ہے اور آدمی وہی اور عقلی مطالب کو طلب کرتا ہے اور بہ نسبت بہائم کے آدمی میں حرص کا مادہ زیادہ ہے اور بہائم باہم لڑتے ہیں جب ان میں سے کوئی بھاگ جاتا ہے تو اس کی طبیعت میں کینہ و غیرہ باقی نہیں رہتا۔ بعض بہائم بھی ایسے ہیں جن میں کینہ کا اثر بعد کو بھی رہتا ہے۔ جیسے اونٹ، بیل، گھوڑا، لیکن آدمی اپنی عداوت کو نہیں بھولتا پھر اگر باہمی لڑائیاں برابر جاری رہیں تو شہر خراب ہو جائیں اور تمام امور معاش مختل ہو جائے۔ اس واسطے قتل اور زرد کو بکے حرام ہونے کا ان کو الہام ہوا ہے۔ قتل وغیرہ اگر تجویز کیا جائے گا تو کسی

بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز کیا جائے گا اور کبھی لوگوں کے دلوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں اس کا حال بھی قتل کا سا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ قتل تو بر ملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے بچنا مشکل اور کبھی معہم کر کے کسی صاحب حکومت کو قتل کروا دینے کی غرض سے خن چینی کی جاتی ہے اور معاش کے طریقے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے یہی قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں۔ اس میں مویشی چرائیں، کھیتی کریں یا زراعت و تجارت وغیرہ سے معاش پیدا کریں۔ شہر یا مذہب کا انتظام کریں۔ جو پیٹھے ان کے علاوہ ہیں وہ تمدن کی حالت کے مناسب ہیں۔ لیکن بعض لوگ مضر پیشے اختیار کر لیتے ہیں مثلاً چوری یا غصب ان سے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے اللہ نے لوگوں کو الہام سے ان سب مضر پیشوں کو حرام ہونا متیقن کیا ہے عام لوگوں کا ان کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے گو سرکش لوگ طفیلی نفس سے ان کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن انصاف پسند سلاطین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو دور کر دیں بعض یہ سمجھ کر کہ سلاطین کو ان کے استیصال کا اہتمام ہوتا ہے۔ جھوٹے دعاوی، جھوٹی قسمیں جھوٹے گواہوں کا پیشہ کر لیتے ہیں۔ ماپ تول میں کمی کرتے ہیں، قمار بازی کرتے ہیں۔ دو چند، سو د کھاتے ہیں۔ ان سب امور کا حکم بھی انہیں مضر پیشوں کا سا ہے اور خراج کی زیادہ ستانی بھی بمنزلہ رہزنی کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ بہر حال انہیں اسباب سے لوگوں کے دلوں میں ایسے امور کی حرمت آگئی ہے جو لوگ زیادہ ہوشمند سلیم الرائے مصالح عامہ کے زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ درجہ بدرجہ ہمیشہ لوگوں کو ان امور سے منع کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ عام رواج ہو کر اور مشہور امور کی طرف بمنزلہ بدیہیات کے ہو جاتے ہیں اور جب لوگوں میں الہامی طور پر ان کا میلان ہوتا ہے۔ اسی کا اثر ملّا اعلیٰ میں ہوتا ہے کہ یہ امور حرام اور نہایت پر مضریت ہیں اس لیے جو شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو ان کو سخت اذیت ہوتی ہے جیسے ہمارا پاؤں جب چنگاری پر پڑتا ہے تو فوراً اسی لمحہ میں توئی ادراکیہ میں اس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس اذیت کے خطوط شعاعی اس ماصی کو احاطہ کر لیتے ہیں اور فرشتوں وغیرہ میں سے اصحاب استعداد کے دلوں میں پڑتا ہے کہ اس شخص کو جب ممکن ہو ایذا پہنچائیں جب وہ شخص مر جاتا ہے اور اس مصلحت میں خاموشی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح پر جزا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ﴾ (اے انس و جن میں تمہارے لیے قریب نازغ ہونے والا ہوں)۔ واللہ اعلم



مذہبی سیاستوں کے بیان میں

باب ۵۴

اس کے بیان میں کہ مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے قائم کرنے والوں کی ضرورت ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (بے شک تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم کے لیے کوئی نہ کوئی رہبر ہوا کرتا ہے) معلوم کرو کہ گو وہ اصول و قوانین جن سے بہیمیت کو قوت ملنے کے تابع بناتے ہیں اور وہ گناہ جو قوت ملنے کے بالکل مخالف ہیں عقل سلیم سے بھی معلوم کر سکتے ہیں وہ ان اصول کے فوائد اور ان گناہوں کی مضرتوں کو معلوم کر سکتے ہیں لیکن لوگ ان سے غفلت میں رہا کرتے ہیں ان کی سمجھ پر چونکہ پردے پڑے ہوئے ہیں اس لیے ان کی وجدانی قوت صفاوی آدمی کی طرح بگڑ جاتی ہے، مقصود حالتیں اور ان کی منفعتیں اور اندیشناک حالتیں اور ان کے ضرر ان کے خیال میں نہیں آتے اس لیے تمام لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو خوب جانتا ہو لوگوں کا ان قوانین سے انتظام کرے ان لوگوں کو ہدایت کر کے آمادہ کرے ان قوانین کی مخالفت رکھے۔ بعض لوگوں کی رائے ایسی فاسد ہوتی ہے ان کے مقصود بالذات وہ طریقے ہوتے ہیں جو مطلوب اصول کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ خود بھی گمراہی میں رہتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ لوگوں کی حالت جب ہی درست ہوتی ہے کہ ایسے خیالات بالکل نابود کر دیئے جائیں اور بعض لوگوں کی رائے میں کس قدر رہبری ہوتی ہے لیکن ہدایت کے صرف مختصر حصہ کو وہ معلوم کر سکتے ہیں اس لیے چند امور ان کی یاد میں رہتے ہیں اور بہت سے امور میں ان کی نظر چوکتی ہے یا ان کو خیال ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہ بڑے کامل ہیں ان کو کسی مکمل کی حاجت نہیں ہے اس واسطے ان کی اصلاح کے لیے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کو جہل پر مطلع کر دے بہر حال لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جس کو پوری واقفیت ہو لغزشوں سے وہ بالکل محفوظ ہو۔ اور جب عقل معاش اکثر لوگوں میں موجود ہے۔ تمدن کی اصلاحات اور انتظامات کو مستقل طور پر معلوم کر سکتی ہے تاہم شہر کو ایسے شخص کی ضرورت رہا کرتی ہے جو بخوبی تمدن کی مصلحتوں سے واقف ہو ان کی سیاست شناسی سے کر سکے تو پھر جب ایسا فرقہ ہو جن کی استعدادیں نہایت درجہ مختلف ہوں اور ایسا طریقہ ہو کہ اس کو دلی شہادت ہے وہ ہی لوگ قبول کر سکیں جو نہایت زیرک ہوں ان کی فطرت علائق سے صاف ہو کامل تجربہ ان کو حاصل ہو اس طریقہ کی رہبری صرف انہیں کو ہو سکتی ہے جو انسانی طبقے میں اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کا وجود شاذ و نادر ہوا کرتا ہے تو ایسی حالت میں کیونکر کامل کی حاجت نہ ہوگی اور جب آہنگری درودگری وغیرہ پیشے عام لوگوں سے بغیر ان اصول کے جو ان کے بزرگوں سے اور رہنما استادوں سے برابر نقل ہوتے چلے آتے ہیں وہ ان سے لوگوں کو آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتے تو ان عمدہ مطالب کی رہنمائی

جن کے سمجھنے کی خاص لوگوں کو ہی توفیق ہوتی ہے اور خالص طبیعت سے لوگوں ہی کو وہ مرغوب ہوتے ہیں کیسے ہو سکتی ہے۔ ایسے عالم کو ضرور ہے کہ لوگوں کو بر ملا علی رؤس الاشهاد ثابت کر دے کہ وہ رہنما طریقہ کا عالم ہے اپنے اقوال میں خطا اور گمراہی سے معصوم اور محفوظ ہے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اصلاح کے ایک حصہ کو اختیار کرے اور دوسرے ضروری حصہ کو ترک کر دے اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ① یہ کہ یہ کسی ایسے پہلے بزرگ کے کلام کو نقل کر دے جس پر سلسلہ کلام کا ختم ہوتا ہے اور لوگ اس کے کمال اور معصومیت کے بالاتفاق معتقد ہوتے ہیں ان لوگوں میں اس کی روایتیں محفوظ ہوتی ہیں وہ انہیں کے اعتقادات کے موافق لوگوں سے مواخذہ کرتا ہے اور انہیں کی دلیل پیش کر کے ان کو ساکت کر دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گفتگو کا خاتمہ اس شخص پر ہوتا ہے جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہوا کرتا ہے بہر حال لوگوں کو ایسے شخص کی بڑی ضرورت ہے جو معصوم ہو اور اس کی عصمت پر سب کا اجماع ہو۔ ایسا آدمی خواہ ان میں موجود ہو یا اس کے اقوال ان کے ذہنوں میں محفوظ ہوں ایسے معصوم کا لوگوں کے مطیع ہونے کی حالت ان قوانین کو جو اس حالت سے پیدا ہوتے ہیں اس کے منافع کو معلوم کرنا گناہوں اور گناہوں کے مضر اثرات پر اطلاع کسی دلیل کے ذریعہ سے یا عقل سے یا بذریعہ حس کے نہیں ہو سکتی بلکہ ان کا انکشاف صرف وجدان سے ہوا کرتا ہے۔ جیسے گرسلی اور تشنگی اور دوا حار یا بارد کی تاثیر صرف وجدان سے ہی معلوم ہوتی ہے ایسے ہی روح کے مناسب اور مخالف امور کی شناخت صرف ذوق سلیم سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بدیہی طور پر اس کی ذات میں علم پیدا کرتا ہے کہ وہ خطا سے محفوظ رہے اور تمام وہ چیزیں جن کا اس نے ادراک کیا ہے بالکل حق اور واقع کے مطابق ہیں جیسے کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کو کچھ احتمال نہیں ہوتا کہ میری بینائی میں کچھ فرق ہے یا خلاف واقع میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں اور جیسے زبان کے موضوع الفاظ کا علم ہوتا ہے مثلاً عربی دان کو اس میں شک نہیں ہوتا کہ ماہ (پانی) اس عنصر کے لیے موضوع ہے اور ارض (زمین) کا لفظ اس عنصر کے لیے موضوع ہے حالانکہ اس علم کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ اس لفظ اور معنی میں کوئی لزوم عقلی ہے تاہم اللہ ان امور کا بدیہی علم طبیعتوں میں پیدا کرتا ہے اکثر لوگوں کو ان وجدانی صوم کی صداقت اپنے فطری وجدان سے ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ٹھیک قوانین کو اپنے علم وجدانی سے معلوم کر لیتے ہیں۔ پے پے وجدانی علم ان کو حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے وجدان کی صداقت کا ان کو ہمیشہ تجربہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے لوگوں کے علاوہ اوروں کو یقینی یا مشہور و مآل سے خوب ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جن امور کی طرف ہم کو بلاتا ہے وہ سب حق ہیں۔ اس شخص کے چال چلن ایسے عمدہ ہوتے ہیں کہ کذب کا احتمال نہیں ہو سکتا اور نیز لوگ اس کی ذات میں اقرب کے آثار دیکھتے ہیں معجزات اس سے صادر ہوتے ہیں اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ یقین ہو جاتا ہے کہ ماویٰ تدابیر میں اس کا درجہ بلند ہے اس کا نفس مقدس ہے اس کو ملائکہ سے اتصال ہے ایسا شخص اسی قابل ہے کہ اللہ کی طرف مہمونی بات کو منسوب نہ کرے اور گناہ کو عقل میں نہ لائے اس کے بعد اس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے رہتے ہیں جن سے لوگوں کے دل میں نہایت ہی اہمیت پیدا ہوتی ہے ان کی وجہ سے وہ لوگوں کو مال اور اولاد سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ اللہ آدمی کو آب زلال کی ایسی رغبت نہیں ہوتی جیسی لوگوں کو اس سے رغبت ہوتی ہے بغیر ایسے شخص کے کسی فرقہ اور قوم میں مالت تصور نہ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اس قسم کی عبادت میں مصروف رہا کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی ایسے نفس کی طرف رغبت کرتے ہیں جس میں ایسے امور کے ہونے کا اعتقاد ہوا کرتا ہے خواہ وہ اعتقاد ان کے صحیح ہوں یا غلط۔ واللہ اعلم

حقیقۃ النبوة وخواصھا

نبوت کی حقیقت اور اس کے خواص کے بیان میں

معلوم کرو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ مفہمین ہیں یہ لوگ اہل اصلاح ہوتے ہیں ان کی ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے ان لوگوں سے یہ ہو سکتا ہے کہ حقانی خواہش سے کوئی انتظام مقصود قائم کریں ملأء اعلیٰ کی جانب سے ان پر علوم اور الہی حالات وارد ہوتے ہیں مفہمین کی سیرت میں یہ امور داخل ہوتے ہیں ان کے مزاج اور خلقت اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہوتا ہے ان میں جزئی رایوں کی وجہ سے بے تابانی نہیں ہوتی اور نہ ایسے پر لے درجہ کی ذکاوت ہوتی ہے کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم کر سکیں۔ نہ ایسی عبادت ہوتی ہے کہ جزئی سے کلی کی طرف اور صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہو سکیں۔ سب لوگوں سے زیادہ وہ جادہ راست کا پابند ہوتا ہے عبادت میں اس کی نہایت پسندیدہ شان ہوتی ہے لوگوں کے معاملات میں انصاف پسند ہوتا ہے۔ تدابیر کلی کو ہمیشہ پسند کرتا ہے منفعت عام کا ہمیشہ راغب رہتا ہے کسی کو بالطبع ایذا نہیں دیتا ہاں اگر تکلیف اور ایذا پر عام نفع موقوف ہو یا نفع عام کو ایذا لازم ہو تو البتہ اس سے ایذا پہنچ سکتی ہے عالم غیب کی جانب ہمیشہ اس کا میلان رہتا ہے اثر اس کی گفتگو میں اس کے چہرہ میں اور اس کی تمام حالتوں میں محسوس ہوتے رہتے ہیں اس کے ہر ایک پہلو سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غیب سے اس کو تائید پہنچتی ہے۔ ادنیٰ ریاضت سے اس کو ایسا قرب اور تسکین حاصل ہوتی ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ مفہمین کی قسمیں اور استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں جس کی اکثر یہ حالت ہو کہ اللہ کی جانب سے ان علوم کو اخذ کرتا رہے جن سے عبادتوں کے ذریعہ سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اس کو کامل کہتے ہیں اور جو اکثر اخلاق کامل اور تدبیر منزل کے علوم کو اخذ کرے اس کو حکیم کہتے ہیں اور اکثر انتظامات کلی کو حاصل کر کے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کرے اور ان سے اور دوس کی جو روتعدی کو دفع کرے۔ اس کا نام خلیفہ ہے اور جس کو ملأء اعلیٰ کی حضوری ہو یہ فرشتے اس کو تعلیم دیں۔ اس سے خطاب کریں۔ اس کو وہ آنکھوں سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اس سے ظاہر ہوں اس کا نام مؤید بروج القدس ہے اور جس کی زبان اور دل پر نور ہوں لوگوں کو وہ اپنی صحبت اور مواعظ سے نفع پہنچائے اور پھر وہی تسلی اور نور اس کے خاص صحابہ اور حواریین میں منتقل ہو وہ اس کی برکت سے کمالی درجات تک پہنچ جائیں اس کو ان کی ہدایت اور رہبری کی نہایت ہی حرص ہو اس کو ہادی مز کی کہتے ہیں اور جس کا بڑا حصہ علمی مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں۔ وہ اس کا زیادہ مشتاق ہو کہ ان علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں۔ اس کو امام کہتے ہیں اور جس کے دل میں القایا گیا ہو کہ لوگوں کو ان مصائب اور صدقات کا حال بتا دے۔ جو دنیا میں ان کے لیے مقدر ہوں یا کسی قوم کے ملعون اور مردود ہونے کو معلوم کر کے ان کو اس کی اطلاع دے یا بعض اوقات تجرید نفس کی حالت میں ان واقعات کو اس نے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش

آنے والے ہیں اور یہ اس قسم کے حالات ان کو بتائے اس کو منذر کہتے ہیں۔ جب حکمت الہی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے بندوں پر اللہ کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں ملاء اعلیٰ کو اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرمان پذیروں سے خوشنود ہو کر ان کے شریک رہیں اور مخالفوں سے ناخوش ہو کر ان سے علیحدگی کریں اللہ لوگوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے ان پر اس کی اطاعت واجب کرتا ہے ایسا شخص نبی ہوتا ہے اور تمام انبیاء سے سب سے زیادہ عز و شان والا وہی ہے۔ جس میں ایک اور ہی قسم کی بعثت ہوتی ہے اس کی نسبت مراد الہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ زندگی کی تیرگیوں سے نکل کر نورانیت اپنے اندر پیدا کر لیں اور اس کی قوم عام لوگوں کے لیے رہبر بنے اسی طرح پر گویا اس نبی کی بعثت میں ایک دوسری قسم کی بعثت ہوا کرتی ہے پہلی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ الخ (اللہ ہی نے ان پڑھوں میں ان میں سے ایک نبی بھیجا) اور دوسری حالت کی طرف اللہ کے قول: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں اشارہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين (تم لوگوں میں آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں بڑھانے کو) ہمارے پیغمبر ﷺ میں ملہمین کے تمام کمالات بالاستیعاب جمع تھے اور دونوں نعمتوں میں سے کامل حصہ آپ کو حاصل تھا اور جو انبیاء علیہم السلام جو آپ سے پیشتر گزرے تھے ان کو نبوت میں صرف ایک یا دو فن حاصل تھے اور معلوم کرنا چاہیے کہ حکمت الہی کی بعثت کی اس لیے مقتضی ہوا کرتی ہے کہ لوگوں کی اضافی اور قابل اعتبار بہتری تدابیر بعثت میں ہی منحصر ہوا کرتی ہے۔ اور اس بہتری کی اصلی حقیقت کا علم کو صرف ملام الغیوب کو ہی ہوتا ہے لیکن اتنا ہم بھی یقیناً جانتے ہیں کہ ضرور انبیاء کے مبعوث کرنے کے لیے ایسے اسباب ہوا کرتے ہیں۔ جو بعثت سے تعلق نہیں کیا کرتے۔ انبیاء کی پیروی لوگوں پر اسی لیے فرض کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ کسی قوم کی درستی اور خوبی اس میں ہی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں اور اس کی عبادت کریں لیکن ان کے نفوس اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ وہ خود علوم الہی کو اخذ کریں ان کے حال کی درستی اس میں ہوتی ہے کہ وہ نبی کا اتباع کریں۔ اس لیے اللہ خیرۃ القدس میں مقرر فرماتا ہے کہ نبی کا اتباع واجب ہے وہاں اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں کبھی تو بعثت کا وقت خاص دولت اور قوت کے غالبہ کا اور دیگر طاقتوں کے سرنگوں کرنے کا زمانہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی بعثت کرتا ہے جو اس دولت اور طاقت والوں کے دین کو درست کر دے۔ جیسے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت۔ یا اللہ تعالیٰ مقدر کرتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور لوگوں پر ان کو برکزیدہ کرے۔ اس لیے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو ان کی کجی کو رفع کر دے اور ان کو کتاب الہی کی تعلیم دے۔ جیسے پیدنا حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت یا ان امور کا نظم و انق ہو جاتا ہے جو کسی قوم کے واسطے مقدر ہوتے ہیں کہ ان کی دولت یا مذہب یا ملی یا مبدی کے ذریعہ سے اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے باقی رکھی جائیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی ایک جماعت کی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے دشمنوں پر ظفر مندی کو مقدر کیا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنْ جُنَدُنَا لَهُمُ الْمَغْلُوبُونَ﴾ (اے پیغمبر بندوں کے لیے ہمارا قول پہلے ہی ملے ہو چکا تھا کہ وہ ہمیشہ فتح مند رہیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر

رہے گا) ان انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو اتمامِ حجت کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

اور جب کوئی نبی مبعوث ہو تو ان لوگوں پر جن کی جانب وہ مبعوث ہوا ہے فرض ہے کہ گودہ راہِ راست پر ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس نبی کا سب اتباع کریں۔ اس لیے کہ ایسے بلند رتبہ شخص سے سرتابی سے ملاءِ اعلیٰ کی لعنت اور ذلت و رسوائی پیدا ہوا کرتی ہے نبی کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے حضور میں تقرب خود حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسی سرکشی کی حالت میں ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جایا کرتی ہیں ان کے مرنے کے بعد چاروں طرف سے ان کے دلوں کو لعنت گھیر لیتی ہے: **علیٰ ان هذا صورة مفروضة غیر واقعہ**۔ (تم کو یہود کی حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے انہوں نے دین میں کیسی کیسی زیادتیاں اور کتاب الہی میں کیسی تحریف کی تھی اس لیے سب لوگوں سے زیادہ ان کے لیے پیغمبر کی بعثت کی ضرورت تھی اور پیغمبروں کے بھیجنے سے اللہ کی حجت لوگوں کے مقابلے میں اس لیے ثابت ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کی پیدائش اس قابل نہیں ہوا کرتی کہ وہ بلا واسطہ مفید اور مضر امور کو حاصل کر سکیں بلکہ ان کی استعداد ضعیف ہوتی ہے۔ انبیاء کے بتانے اور خبر دینے سے اس کو قوت پہنچتی ہے اور نیز ایسے ایسے خراب اور فاسد امور جمع ہو جاتے ہیں کہ بغیر جبر اور دلیل کے دفع نہیں ہو سکتے لوگ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال کی باز پرس کی جائے تب بعض اسباب علوی اور سفلی کے جمع ہونے کے بعد لطفِ خداوندی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت ذکی شخص پر وحی کرے کہ لوگوں کو حق کی جانب رہنمائی کرے اور راہِ راست کی جانب ان کو بلائے۔ اس لیے نبی کا حال رہبری کے بارہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی مالک کے غلام بیمار ہو جائیں اور وہ مالک اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دے کہ ان کو دوا پلاؤ خواہ وہ خوشی سے پیس یا ناگواری اور خوشی سے اس وقت میں اگر یہ شخص ان کو دوا پینے پر مجبور بھی کرے گا تاہم حق پر ہوگا لیکن پوری مہربانی اس کی مقتضی ہے کہ اولاً ان کو بتا دے کہ تم بیمار ہو اور یہ دوا تم کو نفع دے گی اور ان کے سامنے خلافِ عادت و معمول ایسے افعال بھی ظاہر کرے جن سے ان کے دلوں میں بخوبی بیٹھ جائے کہ وہ اپنے اقوال میں بالکل سچا ہے اور نیز اس کو مناسب ہے کہ اس دوا میں کوئی شیریں جز بھی ملا دے ان امور کے بعد وہ اس کے احکام کی بجا آوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کریں گے۔ اسی وجہ سے معجزات اور قبولیت دعا وغیرہ اصل نبوت سے محض خارج اور علیحدہ ہیں ہاں اکثر حالتوں میں لازم ضرور ہوا کرتے ہیں اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے۔ ① کوئی نبی مفہمین کے رتبہ کا ہوتا ہے اس وجہ سے بعض بعض حوادث اس کو ظاہر ہو جایا کرتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت اور ان امور میں موجب برکات ہو جاتا ہے جس کے لیے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور جس کے لیے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور برکت کے ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی کسی شے کا نفع زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اعداء کے خیال میں لشکر کی کثرت متمثل ہوتی ہے اس لیے وہ بزدل ہو جاتے ہیں یا طبیعت غذا کو خلط صالح بنا دیتی ہے اس سے ایسا اثر ہوتا ہے گویا اس غذا سے دو چند زیادہ تناول کی ہے اور کبھی خود اصل شے ہی بڑھ جاتی ہے اس طرح پر کہ کسی صورت کے مادہ ہوائی میں کوئی قوت مثالی حلول کرتی ہے اور اس کو بدل دیتی ہے ان اسباب کے علاوہ اور بھی اسباب ظہور برکات کے ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا دشوار ہے۔ ② سبب ظہور معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ متفق ہو کر نبی کے احکام جاری کرنا چاہتے ہیں اس وجہ سے الہامات اور انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلی حالت کی نسبت محض غیر معمولی ہوتے ہیں اس لیے نبی کے احباب ظفر مند اور اعدا خوار و خراب ہوتے ہیں اور حکم

الہی کا ظہور ہوتا ہے: **وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ** ③ تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسباب خارجی کی وجہ سے بہت سے حوادث نئے پیدا ہوتے ہیں مافرمانوں کو سزا دی جاتی ہے اور عالم وجود میں بڑے بڑے امور کا احداث ہوتا ہے یہی امور کسی نہ کسی وجہ سے معجزات ہو جاتے ہیں۔ نبی یا پہلے سے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیتا ہے یا اس کی نافرمانی پر لوگوں کی سزا مرتب ہوا کرتی ہے یا جو طریقہ سزا کا نبی نے بتا دیا تھا وہ حوادث اسی کے موافق ہوتے ہیں۔ یا ایسے ہی اور امور ہوا کرتے ہیں انبیاء کے معصوم ہونے کے بھی تین اسباب ہوا کرتے ہیں: ① یہ کہ تمام رذیل خواہشوں اور رنجشوں سے کسی انسان کی فطرت نہایت خالص اور صاف پیدا کی جاتی ہے خاصہ ان امور کی نسبت جو حد و شرعی کی حفاظت اور پاسبانی سے متعلق ہوا کرتے ہیں: ② یہ کہ اس کو اچھے کام کی خوبی اور برے کام کی برائی اور دونوں کا انجام وحی الہی سے معلوم ہو جایا کرتا ہے: ③ یہ کہ اس شخص کے اور ان رذیل خواہشوں کے مابین اللہ حائل ہو جاتا ہے۔

معلوم کرو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں غور اور فکر کرنے کا حکم کریں عام لوگ ایسے ایسے خوضوں کی طاقت نہیں رکھا کرتے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللَّهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي اللَّهِ** (خدا کی ذات میں غور مت کرو جبکہ اس مخلوق میں غور کرو) اور **إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنتَهَى** (تیرے رب کی طرف نہایت ہے) میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کا موقع نہیں ہے۔ انبیاء ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی بزرگ قدرت میں لوگ غور کیا کریں نیز انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ امر ہوتا ہے کہ لوگوں سے ایسی ہی گفتگو کیا کرتے ہیں جو ان کے عقلی اندازہ کے مناسب اور ان کے علوم کے موافق ہو جو ان کے اندر پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں اس لیے کہ نوع انسانی کا کہیں وجود ہو۔ اس کو جبلی طور پر ایک خاص ادراک عطا کیا گیا ہے جس کا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ ہے ہاں اس کا اصلی مادہ سے آرمی ہو اور اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ انسانی ادراک میں سب افراد نوعی شریک ہوتے ہیں اور اس ادراک کے علاوہ انسان کے لیے اور زائد علوم سے حصہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں معمولی عادت کے خلاف حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے قدسی نفوس کی حالت ہوا کرتی ہے اور کبھی انسان کو نہایت پر مشقت ریاضتوں کے استعمال سے بعض ایسے صوم حاصل ہوتے ہیں جو اس کو ایسے بلند ادراکات کے لیے تیار کرتے ہیں جن کا اندازہ اس کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا اور کبھی مدت دراز تک صوم حکم یہ کی اور ہم کلام اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق اور محنت سے صوم کا اضافہ ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن انبیاء کی تشکوفات ان سادہ ادراک کے طریقہ کے موافق ہوا کرتی ہے جو بلحاظ اس کی پیدائش کے ان کی طبائع میں موجود ہوا کرتا ہے ان علوم کی طرف ان کا وجود شاذ و نادر اسباب سے ہوا کرتا ہے اور محض اتفاقی ہوتا۔ ان کو کچھ التفات نظر نہیں ہوتا۔ اسی واسطے انبیاء لوگوں کو اس پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ اللہ کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ سے یا دلائل اور قیاسات سے معلوم کریں یا وہ اللہ کو تمام جہتوں سے منہ نہ خیال کریں اس لیے کہ اس طرح پر معلوم کرنا ان لوگوں کے لیے گویا محال ہے کہ جن کو ریاضتوں کے افعال نصیب نہیں ہوتے انہوں نے مدت دراز تک متولیوں سے میل جول نہیں رکھا ہے استنباط اور استدلال اور احتیاجات کے طریقوں کی جانب اس پر زہری نہیں کی تھی ہے ان مقدمات کے ذریعہ سے جن کے ماخذ پر دقت ہیں باہم مشابہ چیزوں سے ان کو فرق کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ ان کو وہ علمی اقدیں نہ آتی ہوں جن کی وجہ سے اصحاب الراء اہل حدیث پر ناز کیا کرتے ہیں اور نیز

انبیاء کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ ان امور کی جانب توجہ نہیں کیا کرتے جو تہذیب نفس سیاست امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں وہ ان اسباب کو بیان نہیں کرتے جو عالم جو میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً مینہ اور کسوف اور ہالہ کی کیفیت عالم نبات اور حیوان کی عجائبات یا آفتاب و چاند کی رفتار کا اندازہ روزمرہ حوادث کے اسباب انبیاء سلاطین یا شہروں وغیرہ کے حالات اور قصے البتہ کبھی کبھی اللہ کے انعامات اور انتقامات بیان کرنے کے لیے چند لفظوں میں امور بالا کا ذکر بھی بطور تبعیت آجایا کرتا ہے وہ بھی محض اجمالی صورت میں کسی استعارات اور مجازات کے پردہ میں آجایا کرتا ہے جس سے لوگوں کو انست ہوتی ہے ان کی عقلیں اس کو قبول کر سکتی ہیں اسی بنا پر جب آنحضرت ﷺ سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا سبب دریافت کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض فرما کر صرف مہینوں کے فائدے بیان کر دیئے اور فرمادیا: **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ** (تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں کہہ دو ان سے لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہے) اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ان فنون رسمی کی الفت سے یا اور وجوہ سے ان کے ذوق خراب ہو گئے ہوں اس لیے وہ پیغمبر کے کلام کے بے موقعہ معنی لگا لیتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۵۶

اس کے بیان میں کہ مذہب کی اصل ایک ہی ہے اس کے طریقے اور راستے مختلف ہوا کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾

”اللہ نے دین کا تم کو وہی راستہ بتایا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تجھ پر نازل کی۔ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی وہ یہی بات تھی کہ دین حق کو ٹھیک رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔“

مجاہد کا قول ہے کہ اے محمد ﷺ ہم نے تجھ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّةُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ فَتَقَطُّوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾

”تم سب کی امت ایک ہی ہے میں ہی تمہارا رب ہوں اس سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ کر اپنے کام کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اپنی اپنی باتوں پر ہر ایک فریق خوش ہوا کرتا ہے یعنی تمہارا دین اسلام ہے اس لیے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے الگ رہو۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِيعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا) حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی یہی کیے ہیں یعنی راستہ اور طریقہ اور نیزہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا

مَنْسُكَاھُمْ فَاَسْكُوْهُ) (یعنی ہر ایک امت کے لیے ایک شریعت بنادی ہے جس پر ان کا عمل ہے۔ معلوم کرو کہ دین کی اصل ایک ہی شے ہے تمام انبیاء اس پر متفق ہیں اگر اختلاف ہے تو اس کے طریقوں میں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ہے جو امور کو اس کی بارگاہ قدس کے مناسب نہیں ہیں اس سے اللہ کو منزہ سمجھیں اس کے ناموں میں الحاد کو حرام سمجھیں اور بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی نہایت درجہ تعظیم کریں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اپنی ذاتوں اور دلوں کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ اللہ کے شعائر کے ذریعہ سے قرب خداوندی حاصل کریں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ نے حوادث کو مقدر کر دیا تھا اور فرشتے اللہ کے بندے ہیں وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو ان کو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرماتا ہے اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیتا ہے اور قیامت کا ہونا حق ہے بعد مرنے کے جی انھن حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں علیٰ ہذا۔ تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام طہارۃ نماز روزہ زکوٰۃ حج نوافل طاعت دعا ذکر کتاب الہی کی تلاوت کے ذریعہ سے اللہ کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر سب متفق ہیں۔ نکاح اور زنا کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ سب کے نزدیک لوگوں میں انصاف قائم کرنا چاہیے اور ظلم کی صورتوں کو سب حرام بتاتے ہیں نافرمانوں پر حدود سب مقرر کرتے ہیں دشمنان الہی سے جہاد اور احکام الہی اور دین اللہ کی اشاعت میں نہایت درجہ کوشش کرتے ہیں یہ امور دین کی بنیاد ہیں۔ قرآن پاک میں ان امور کے قرار پانے کی وجہ نہیں بیان کی ہے الا ماشاء اللہ اس لیے کہ ان لوگوں کے نزدیک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے یہ سب امور مسلم تھے۔ اختلاف اگر ہے تو ان امور کی شکلوں اور صورتوں میں ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت بیت المقدس کی جانب رخ کرنا پڑتا تھا اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی شریعت میں قبلہ رخ کھڑا ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کے لیے رجم (سنگساری) سزا تھی۔ اور ہماری شریعت میں حصن رجم ہے اور دوسرے کے تازیانہ مارنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قصاص کا حکم تھا۔ اور ہماری شریعت میں قصاص کے ساتھ دیت بھی ہے اور ایسے ہی طاعتوں کے اوقات اور ان کے آداب اور ارکان میں بھی اختلاف کا حال سمجھ لو۔ بہر حال نیکی اور تہذیب نافع کی جو خاص خاص صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان کا نام شریعت اور منہاج اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن عبادتوں کا عام مذہب میں حکم فرمایا ہے وہ انہیں اعمال کا نام ہیں جو نفس کی حالتوں اور ہیئتوں سے پیدا ہوتے ہیں معاد میں انہیں اعمال کا نفسوں پر اپہمایا اثر پڑتا ہے انہیں اعمال کی وجہ سے نفسوں میں انشراح پیدا ہوا کرتا ہے یہ اعمال نفسانی حالتوں کی پیکر اور ان کے طس کی صورتیں ہوا کرتی ہیں یہی نفسانی ہیئتیں اعمال کے لیے میزان اور بالکل مدارحیہ ہوتی ہیں۔ جو اس امر کو معلوم نہ کرے گا اس کو اعمال کے کرنے میں پلچہ بصیرت حاصل نہ ہوگی اور اثر ان اعمال پر اکتفا کرے گا جو محض ناکافی ہوں گے بغیر قراءۃ اور دعائے ہی نماز پڑھ لیا کرے گا۔ اس لیے نماز کچھ مفید نہ ہوگی اس لیے دین میں ایسے کامل شناسا کی سیاست کی ضرورت ہے جو نفی اور مثبتہ امور کو صاف صاف قرائن اور نشانات سے منسلک کرے۔ ان کو بمنزلہ امر محسوس کے قرار دے جس کو تمام ادنیٰ اور اعلیٰ قسم کے لوگ تمیز کر سکیں لوگوں پر اعمال سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے وہ اس بدیہی اور محسوس امر کا لوگوں سے مطالبہ کر سکیں اور اللہ کی دلیل قائم کر کے اپنی قدرت سے اس کام پر وارو گیر کر سکیں۔ اثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض امور میں گناہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ ان چیزوں کے ہر ایک معلوم

ہوتے ہیں جن میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے جیسے مشرکین نے کہا تھا: **إِنَّمَا النِّيْعُ مِثْلُ الزُّبُو** (نیچ اور ریو یکساں ہیں) ایسا اشتباہ یا علم کی کوتاہی سے ہوتا ہے یا دنیوی غرض سے جو آدمی کی بصیرت کو فاسد کر دیتی ہے اسی لیے ضرورت پڑتی ہے کہ ایسے نشانات قرار دیئے جائیں جن کی وجہ سے گناہ غیر گناہ سے ممتاز ہو سکے اور اگر عبادت کے لیے اوقات معین نہ کیے جائیں تو بعض لوگ تھوڑے ہی سے نماز، روزہ کو زیادہ خیال کریں جو کہ بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہے اور اگر کوئی شخص ان کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور اس کی ترک کے حیلے کرے تو اس کی گوثمالی ممکن نہ ہو۔ اور اگر لوگوں کے لیے عبادتوں کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ اور اگر حدود مقرر نہ ہوں تو سرکش لوگ کسی طرح پر باز نہیں آسکتے۔ بہر حال تمام لوگوں کے حق میں احکام الہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ ان کے لیے اوقات، ارکان، شروط، سزائیں، احکام کلیہ وغیرہ قرار دیئے جائیں۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ شریعت قرار دینے کی میزان معلوم کرے تو تجھ کو ایک طبیب حاذق کی حالت میں غور کرنا چاہیے جب وہ بیماروں کی درستی میں نہایت درجہ کوشش کرتا ہے ان کو ایسے امور پر مجبور کرتا ہے جن سے وہ واقف نہیں ہوا کرتے وہ طبیب ان کو ایسے امور کے کرنے کا ارشاد کرتا ہے جن کی باریکیاں ان کے علم و فہم سے برتر ہوا کرتی ہیں وہ محسوس موقعوں کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے چہرہ کی سرخی مسوڑوں سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے۔ مرض کی قوت، مریض کی عمر اور شہر اور موسم کی حالت میں غور کرتا ہے۔ دوا کی قوت اور علاج کے تمام متعلقات میں غور کرتا ہے دوا کی مقدار خاص کا اندازہ کرتا ہے۔ اور مریض کی حالت کے مناسب اس کو سمجھ کر مریض کو اس کے استعمال کا حکم دیتا ہے کبھی علامت بجائے سبب مرض کے قرار دے کر اور دوا کی خاص مقدار کو جس کو اپنی فطانت سے وہ مرض کے ازالہ یا اس مادہ کی ہیئت فاسد کے بدل دینے کے قائم مقام جان کر قواعد کلیہ مرتب کر لیا کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ جس شخص کا چہرہ سرخ ہو اس کے مسوڑھوں سے خون نکلتا ہے ہو اس کو طبی احکام کے لحاظ سے نہار منہ شربت عذاب یا ماء العسل پینا چاہیے جو ایسا نہ کرے گا وہ اپنے آپ کو ہلاکی کے قریب کرے گا یا وہ کہتا ہے کہ جو شخص فلاں معجون اس قدر تناول کرے گا اس سے فلاں مرض زائل ہو جائے گا۔ یا فلاں مرض سے وہ محفوظ رہے گا۔ اس قسم کے کلیات طب سے اخذ کیے جاتے ہیں ان پر عملدرآمد کیا جاتا ہے اس طرح پر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے نفع پیدا کرتا رہتا ہے یا اس کے سمجھنے کو حکیم بادشاہ کی حالت میں غور کرنا چاہیے جو اصلاحات ملکی اور انتظامات لشکر کا نگران رہتا ہے وہ زمینوں کی حالت، ان کی سرسبزی، کاشتکاروں کی کیفیت، ان کی محنت و جانفشانی کا محافظ اور ان کے کافی ہونے کی حالت کا، بخوبی اندازہ کر کے وہ ایک اور لگان مقرر کرتا ہے۔ وہ بدیہی صورتوں اور قرائن کو کیسے ان اخلاق اور ملکات کے قائم مقام قرار دیتا ہے جن کا ہونا معاونین ملک میں ضروری ہوا کرتا ہے اسی قانون سے وہ ان سے باز پرس کیا کرتا ہے۔ وہ بادشاہ تمام ملکی ضرورتوں پر نظر ڈالتا ہے جو ملک کے لیے کافی ہو سکیں معاونین کی تعداد کا لحاظ کر کے اس طرح پر ان کو ملک میں تقسیم کرتا ہے جن سے کار براری ہو جائے اور لوگوں پر تنگی اور ادبار کا باعث نہ ہو علیٰ ہذا تم کو لڑکوں کے معلم کی حالت دیکھنی چاہیے وہ لڑکوں کی حالت کا کیسا تعلیمی منتظم ہوتا ہے اور غلاموں کی نسبت آقا پر نظر کرنی چاہیے۔ استاد کی غرض بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور آقا کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو اغراض غلاموں سے متعلق ہیں وہ کس طرح پورے ہو سکتے ہیں بچے اور غلام کچھ نہیں سمجھا کرتے کہ مصلحت کی کیا حقیقت ہے مصلحت قائم کرنے کی ان کو کچھ بھی پرواہ نہیں ہوا کرتی۔ وہ تو اس سے جان چراتے ہیں عذر اور حیلہ کرتے رہا کرتے ہیں

لیکن معلم اور آقا خوب آگاہ ہوتے ہیں کہ اس امر سے یہ رخ نہ پیدا ہوگا۔ رخ نہ پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو یہ معلوم رہتا ہے وہ پہلے ہی سے خلل کو روکتے ہیں۔ وہ اپنے ماتحتوں سے خطاب اس طرح کرتے ہیں کہ جس کے انبساط میں انقباض اور انقباض میں انبساط ہو کر رہتا ہے کسی حیلہ سے وہ اپنی رستگاری نہیں کر سکتے اسی طرح ان کو کامیابی ہوتی ہے ماتحتوں کو اس کی واقفیت ہو یا نہ ہو بہر حال جو شخص ایک بہت بڑے گروہ کی انتظامی حالت کا ذمہ دار ہوا کرتا ہے جن کی استعدادیں بالکل مختلف ہوں اپنے ذاتی امور میں ان کو بصیرت نہ ہونے کی قیاس کی خواہش ان میں نہ ہو تو وہ مجبور ہوا کرتا ہے کہ ہر ایک چیز کا ٹھیک اندازہ کرے ہر ایک چیز کا وقت معین کرے اس کے طریقوں اور صورتوں کو مقرر کرے لوگوں سے مطالبہ اور مواخذہ کے لیے اسی میں عہدگی ہوا کرتی ہے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ پیغمبروں کی بعثت سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی جانب نکالے تو ان پر وحی نازل ہوئی کہ تم اس کام کے لیے مقرر کیے گئے اپنا نور ان کے دلوں میں ڈالو اور اصلاح عالم کی رغبت ان میں پیدا کی اس زمانہ میں ان لوگوں کے راہ راست پر آنے کے لیے خاص خاص امور اور مقدمات کی ضرورت تھی اس لیے بحمت الہی ضرور ہوا کہ تمام ان مصلح امور کو انبیاء کے ارادہ بعثت میں شامل کر دے اور گویا انبیاء کی اطاعت کی مفروضیت میں ان مقدمات اصلاح کی مفروضیت بھی شامل ہو اس لیے کہ عقلا اور مادہ کسی شے کا متمم بھی اس شے میں ہی داخل ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر کوئی امر مخفی نہیں ہوتا اور دین الہی میں کوئی امر ہر زمانہ اور کثرت میں ہوا کرتا کوئی شے جب قرار دی جاتی ہے اور اس کے نظائر کا وہ حکم نہیں ہوا کرتا تو اس کی خاص صفتیں اور اسباب ہوا کرتے ہیں **راسخین فی العلم**۔ ان اسباب کو جانتے ہیں ہمارا قصد ہے کہ ان حکمتوں اور اسباب کے ایک عمدہ مجموعہ پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ واللہ اعلم

باب ۵۷

اس کے بیان میں کہ خاص خاص نزول شرائع کے اسباب کیا ہیں ایک شریعت کسی زمانہ میں کچھ نازل ہوتی

ہے اور کسی زمانہ میں کچھ نازل ہوتی ہے ایک قوم کی شریعت کچھ ہوتی ہے دوسری کی کچھ ہوتی ہے

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿كُلُّ الْعِلْمِ كَانَ حَالًا لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ فَلْيَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَانْلُوهَا إِنَّكُمْ لَصَادِقُونَ ۝﴾

”بنی اسرائیل نے اپنے سب اعمال میں حلال تھے البتہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے جو یقیناً ان کے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا وہ حلال نہ رہے تھے اگر تم نے تورات کو درست لایا تو درست لایا۔“

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت یسوع علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے تب انہوں نے نذر مقرر کر لی کہ اگر اللہ مجھ کو

اچھا کر دے گا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کر لوں گا۔ چنانچہ اچھے ہونے کے بعد اونٹوں، اونٹنیوں کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر انہوں نے حرام کر لیا اور انہیں کی پیروی سے ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حرام ہی سمجھا۔ ایک مدت تک ان امور کی حرمت ہی چلی آئی۔ یہاں تک کہ ان کی طبیعت میں یہ بات جم گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی تو ان کے ادب اور حق میں کوتاہی کی۔ تب تو ریت میں ان چیزوں کی حرمت نازل ہوئی۔ اور آنحضرت ﷺ نے جب بیان فرمایا ان کا مذہب ابراہیمی ہے تو یہود کہنے لگے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر کیسے ہو سکتے ہیں وہ تو اونٹوں کا گوشت کھاتے پیتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رد کیا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے۔ اونٹ صرف ایک عارضی وجہ سے جو یہودیوں کو لاحق ہوئی حرام ہو گئے تھے اس وقت میں جب نبوت کا اولاد اسمعیل میں ظہور ہوا۔ اور اس عارضی امر سے ان کو کچھ لگاؤ نہ تھا تو اس حرمت کی رعایت کچھ ضروری نہ رہی۔ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح کے متعلق فرمایا ہے میں تمہارا یہ فعل (تراویح پڑھنا) ہمیشہ دیکھتا ہوں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ نماز تم پر کہیں مقرر نہ ہو جائے اگر مقرر ہو گئی تم سے نبھ نہ سکے گی۔ اس لیے اے لوگو! تم اپنے اپنے مکانوں میں ہی اس کو پڑھتے رہو۔ پیغمبر ﷺ نے لوگوں کو اس سے روکا کہ کہیں نماز تراویح ان میں پھیل نہ جائے۔ پھیل جانے سے یہ خیال تھا کہ لوگ اس کو شعائر دین سے سمجھنے لگتے اور اس کے ترک کرنے کو اللہ کی شان میں تفریط کا اعتقاد کرنے لگتے اور یہی فرضیت کا باعث ہو جاتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصور وار وہ شخص ہے جس نے کسی امر کو دریافت کیا اور صرف اس کی پوچھ گچھ ہی سے وہ شے حرام ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اس کے لیے انہوں نے دعا کی تھی اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں مدینہ کو بھی حرم قرار دیتا ہوں اور اس کی مدد ایک پیانا ہے اور صاع (پیانا) میں برکت کی ایسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے کی تھی اور ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے حج کے متعلق سوال کیا کہ کیا حج ہر سال ہونا چاہیے آپ نے فرمایا کہ اگر میں باں کہہ دوں تو ہر سال ہی حج کرنا فرض ہو جائے تو تم سے نبھ نہ سکے اور جب نہ نبھ سکے تو تم پر عذاب آ جائے معلوم کرنا چاہیے کہ انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف اسباب اور مصلحتوں کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ اس لیے شعائر خداوندی کا شعار قرار پانا معدیات کی وجہ سے ہے اور احکام کی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کی حالت اور عادات کا لحاظ کیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مزاج نہایت سخت اور قوی تھے حق تعالیٰ نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے اس لیے وہ اسی قابل تھے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا ان کو حکم دیا جاتا۔ تاکہ ان کی قوت بیکسی میں روزہ سے کسی قدر کمزوری اور خاموشی پیدا ہوتی ہے اور اس امت محمدیہ کے مزاج ضعیف تھے اس لیے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کر دیئے گئے اور ایسے ہی مال غنیمت کو اللہ نے اگلے لوگوں کے لیے حلال نہیں کیا تھا۔ لیکن بہار ضعیف دیکھ کر اس کو حلال کر دیا۔ انبیاء کا بڑا قصد یہ ہوا کرتا ہے کہ ان تدابیر کی اصلاح ہو جائے جو لوگوں میں دائر و سائر ہا رتی ہیں لوگوں کے کسی مخالف طبع امر سے کبھی تجاوز نہیں کیا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ اور مصلحتوں کے موقع زمانوں اور عادات کے مختلف ہونے سے بدلتے رہا کرتے ہیں اور اسی بنا پر نسخ کا ہونا صحیح ہے نسخ کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج حالت اعتدال پر محفوظ رہے اسی واسطے شخصوں اور زمانہ کے ہر رنگ نہ ہونے سے اس طبیب کے احکام ایک ڈھنگ کے نہیں ہو سکتے وہ

جوان کو ایسی باتیں بتائے گا کہ ان سے بوڑھے کو منع کر دے گا۔ وہ یہ دیکھ کر موسم گرما میں احتمال اعتدال باہر ہوا میں ہوتا ہے یہ حکم دے گا کہ اس موسم میں باہر سونا چاہیے اور موسم سرما میں سردی کا لحاظ کر کے یہ بتائے گا کہ اس موسم میں مکان کے اندر سونا چاہیے۔ پس جو شخص اصلیت دین کو معلوم کر لے گا اور ان اسباب کو سمجھ لے گا جن کی وجہ سے مذہبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں تو اس کی نظر میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوگی۔ اسی بناء پر شریعت ہونے کا تعلق ان قوموں سے ہے جن میں وہ شریعت قائم کی گئی اور چونکہ اس قسم کی استعدادی حالت نے اس شریعت کے قابل ان کو بنایا تھا۔ اور انہوں نے بزبان حال نہایت اسرار سے گویا اس کی درخواست کی تھی اس لیے وہ ہی ہدف ملامت ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا﴾ اور اسی واسطے ہمارے نبی ﷺ کی امت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کا روز ان کے حق میں معین کیا گیا اس لیے کہ وہ آگاہ نہ تھے اور تمام علوم کسی سے علیحدہ تھے اور یہود کے لیے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا اس لیے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں تھا کہ ہفتہ ہی کے روز اللہ دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا تھا۔ اداۓ عبادت کے لیے یہی دن بہت اچھا ہے حالانکہ سب چیزیں اللہ کے حکم اور وحی سے ہوا کرتی ہیں اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امر مامور بہ کی حالت ہوتی ہے ان امور کا حکم دے دیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد عذر اور ہرج پیش آجایا کرتے ہیں اس لیے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے اجازتیں اور رخصتیں شروع ہو جایا کرتی ہیں۔ تو اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے اس امر کے قابل اپنے آپ کو بنالیا تھا۔ وہ ہی لوگ قابل ملامت ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (جب تک لوگ اپنی حالت کو نہ بدلیں اللہ کسی قوم کو نہیں بدلا کرتا) اور اسی ذاتی اور استعدادی اختلاف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے عقل و دین میں ناقص رہنے والوں سے ہوشمند آدمی کے لیے زیادہ ہوش رہا تم سے (عورتوں میں) زیادہ نہیں دیکھا اور پھر عورتوں کے نقصان کی وجہ یہ بتائی کہ حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے معلوم کرو کہ ایک صورت خاص میں شریعتوں کے نازل ہونے کے اسباب بکثرت ہیں۔ لیکن اسباب کی انتہاء و قسموں پر ہوتی ہے اول سبب یہ منزلہ ایک قدرتی امر کے ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو احکام کی تکلیف دی جاتی ہے۔ پس جب کہ تمام افراد انسانی کے لیے ایک خاص طبیعت اور حالات معین ہیں جو نوع ہونے کی وجہ سے وراثت سے سب کو پانپا کرتے ہیں۔ اور وہی باعث ہوا کرتے ہیں کہ لوگ احکام کے لیے مکلف کیے جائیں اور جیسے کہ مادرزاد کور کے خزانہ خیال میں رکتیں اور صورتیں نہیں ہوا کرتیں اس کے خیال میں صرف الفاظ اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جو چھوٹی جاسکتی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں ہوتی ہیں اس لیے جب کبھی عالم غیب سے کوئی علم یا واقعہ اس کو خواب وغیرہ میں حاصل ہوگا تو اس امر کا اس کو علم اسی صورت میں حاصل ہوگا جو اس کے خزانہ خیال میں موجود ہے۔ بجز اس کے کوئی اور صورت علم حاصل ہونے کی نہ ہوگی اور جیسے کسی عربی شخص کو عربی زبان عربی کے سوائے اور زبان کو نہیں جانتا ہے الفاظ کی دنیا میں جب کسی امر کا علم ہوگا تو اس کی صورت صرف عربی ہی ہے ایہ میں حاصل ہوگی اور مثلاً جن شہروں میں کہ ہاتھی وغیرہ حیوانات کریمہ نظر ہوتے ہیں تو ان شہروں کے باشندوں کی نظر میں جنوں کا سامنے آ جانا یا بھوتوں اور شیاطین کا ڈرانا انہیں حیوانات کی صورت میں ہوگا۔ اور شہروں میں یہ صورتیں پیش نہ آئیں گی۔ اور جن شہروں میں بعض اشیاء پر عظمت خیال کی جاتی ہے اور کھانے اور لباس میں جو عمدہ اور پاکیزہ چیزیں وہاں پائی جاتی ہیں تو وہاں کے

باشندوں کو نعمت اور خوشی ملائکہ کی صرف اسی قسم کی صورتوں میں نظر آئے گی اور شہروں میں یہ امر نہ ہوگا۔ اور جیسے کوئی عربی شخص جب کسی کام کے کرنے کا قصد کرے گا یا کسی سفر کا ارادہ کرے گا جب وہ راشد یا کج (کامیاب) کے لفظ کو سنے گا تو آئندہ حالت کی عمدگی اور کامیابی کی دلیل اس کو قرار دے گا جو عربی نہیں ہے اس پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہ ہوگا حدیث میں بعض اس قسم کے واقعات آئے بھی ہیں تو جیسے کہ امور بالا کے اثر اپنا پر تو حالات پر ڈالتے ہیں ایسے ہی شرائع میں ان علوم کا جو کسی قوم میں مخزون اور جمع ہوتے ہیں اور ان اعتقادات کا جو ان میں مخفی ہوتے ہیں اور ان کی عادات کا جو کلب (کتے کے کانٹے سے جو دیوانگی سی ہو جاتی ہے) بیماری کی طرح ان میں ساری اور جاری ہوا کرتی ہیں۔ لحاظ اور اعتبار ہوا کرتا ہے اسی واسطے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے حرام تھا نہ بنی اسماعیل کے لیے اور اسی وجہ سے کھانے کی چیزوں کا پاکیزہ اور ناپاک ہونا عرب کی عادات پر مفوض کیا گیا۔ اور ہمشیرہ زادیاں ہمارے لیے حرام کی گئیں یہودیوں میں وہ حرام نہ تھیں اس لیے کہ یہودی ہمشیرہ زادیوں کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کیا کرتے تھے ان سے کسی قسم کا میل جول ربط و صحبت نہیں رکھا کرتے تھے۔ ان سے بالکل بے گانگی کی حالت میں رہا کرتے تھے عرب میں یہ رسم نہ تھا اور ایسے ہی گوسالہ کو اس کی ماں کے دودھ میں پکانا۔ یہودیوں میں حرام تھا۔ ہمارے یہاں حرام نہیں ہے اس لیے کہ یہودیوں کو معلوم تھا کہ اس سے اللہ کی پیدائش اور تدبیر الہی کی محافظت ہوتی ہے جو چیز اللہ تعالیٰ نے گوسالہ کی پیدائش اور نشوونما کے لیے پیدا کی ہے اس سے ہی اس صورت میں گویا اس کی بنیاد باطل کرنا اور اس کے جوڑ بند کی تحلیل کرنی ہوگی اور عرب کے لوگ اس قسم کے علم و فہم سے نہایت درجہ دور تھے اگر ان کو اس قسم کے راز سمجھائے جاتے تاہم ان کی سمجھ میں نہ آتے وہ اس امر کو کبھی معلوم نہ کر سکتے جو حکم دینے کا مناسب مدار علیہ تھا۔ اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ شرائع کے قرار دینے میں صرف انہیں علوم اور حالات اور ان اعتقادات کا ہی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے جو لوگوں کے سینہ میں متمثل ہوا کرتے ہیں بلکہ بڑا لحاظ اور اعتبار ان پیدائشی امور کا ہوا کرتا ہے جن کی طرف عقلیں منتقل ہوتی رہتی ہیں خواہ ان امور کا ان کو علم ہو یا نہ ہو تم اس نکتہ کو ان تعلقات میں دیکھ سکو گے کہ جب ایک شے کسی دوسری شکل اور پیرایہ میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔ دیکھو مونہوں پر مہر لگانے کی صورت میں لوگوں کو سحر سے منع کرنا ظاہر ہوا تھا اس لیے کہ لوگوں کی نظر میں مہر لگانا ایک شے کے بند کرنے اور روکنے کی صورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ امر لوگوں کے پیش نظر ہو یا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ اصلی حق اور فرض ہے کہ غایت درجہ اس کی تعظیم کریں۔ کسی طرح اس کے حکم کی مخالفت پر اقدام نہ کریں اور لوگوں کو باہم یہ فرض ہے کہ ہمدردی اور باہمی الفت کی مصلحت کو ہمیشہ قائم رکھیں کوئی کسی کا دل آزار نہ ہو ہاں اگر رائے کلی وغیرہ ایذا رسانی کے باعث ہو تو مضائقہ نہیں ہے اس وجہ سے جو شخص کسی عورت کو اجنبی خیال کر کے اس سے ہمبستر ہو جائے تو اللہ کے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا اللہ کے مقابلہ میں یہ کام اس کی دلیری کا خیال کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ عورت واقعہ میں اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس شخص نے اللہ کے فرمان کی مخالفت پر اقدام کیا اور جس شخص نے اجنبی عورت سے اپنی بیوی سمجھ کر ہم بستری کر لی تو اللہ کے نزدیک وہ معذور ہی رہے گا اور جو شخص روزہ کی نیت کر لے گا وہ اپنی نذر کی وجہ سے ماخوذ ہو جائے گا۔ اور جس نے نذر نہ کی ہوگی وہ ماخوذ نہ ہوگا۔ اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا وہ قابل تشدد ہوگا۔ اور یتیم کے طمانچہ مارنا تادیباً بہتر ہوگا اور تکلیف دینے کے لیے قباحت اور برائی ہوگی۔ خطا کار اور بھول چوک سے کام کرنے والا اکثر احکام میں قابل

مطابق ہوا کرتا ہے یہ کلیہ قاعدہ قومی علوم اور قوم کی ظاہر اور مخفی عادات میں ہمیشہ پڑا ہوتا ہے اور ان کے حق میں اسی قاعدہ کے موافق شریعتوں کی تعیین ہوا کرتی ہے اور نیز معلوم کرنا چاہیے کہ اکثر عادات اور مخفی علوم ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر تمام عرب و عجم اور تمام معتدل اقلیم کے باشندوں اور ایسے لوگوں کا جن کے مزاج عمدہ اور بزرگ ترین اخلاق کے قابل ہوا کرتے ہیں۔ اتفاق ہوا کرتا ہے جیسے اپنے مردہ پر غم کرنا اس کے حق میں نرم دلی کو پسند کرنا۔ حسب و نسب پر ناز کرنا۔ چوتھائی یا تہائی شب کے گزرنے پر خواب کرنا۔ صبح تڑکے سے اٹھ بیٹھنا ان کے علاوہ اور اکثر امور ہیں جن کی طرف اشارہ تدابیر کی بحث میں کیا گیا ہے تو اس قسم کے جتنے عادات اور رسوم ہوتے ہیں ان کا سب چیزوں سے زیادہ اندازہ اور لحاظ کیا جایا کرتا ہے۔ ان کے بعد اکثر عادات اور عقائد ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو صرف انہیں لوگوں میں خاص ہوا کرتے ہیں۔ جن میں نبی مبعوث کیا جاتا ہے اس لیے ان عادات کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے۔ **يَقْدَحُجِّلُ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْئٍ قَدْرًا** اور معلوم کرنا چاہیے کہ نبوت اکثر ملت اور مذہب کے ماتحت ہوا کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **مِثْلَةُ آبَائِكُمْ اَبْرَاهِيْمَ ؑ اور فرمایا: وَوَ اِنْ مِنْ شَيْغْبِهٖ اَبْرَاهِيْمَ ؑ** اس کا راز یہ ہے کہ مدت دراز تک لوگ مذہب کسی دین کے پابند رہا کرتے ہیں اس دین کے شعائر کی عزت اور ادب ان میں رائج ہوتا ہے۔ اس مذہب کے احکام نہایت مشہور اور شائع بمنزلہ بدیہیات اولیٰ کے ہوا کرتے ہیں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ایک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تاکہ پہلے مذہب کی کئی بالکل دور ہو جائے اس کی بگڑی ہوئی باتیں درست ہو جائیں اس مذہب کے بانی کی منقولہ روایتوں میں چونکہ ظاہر معطوف ہو جایا کرتا ہے اس لیے بہت سی خرابیاں اس مذہب میں مل جایا کرتی ہیں۔ اب یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور معتبر احکام کی تفتیش کرتی ہے جو جو صحیح سیاست مذہبی کے قاعدوں سے منطبق پائے جاتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی بلکہ لوگ ان پر اور زیادہ آمادہ کیے جاتے ہیں اور جو احکام خراب معلوم ہوتے ہیں اور تحریف کا دخل ان میں پایا جاتا ہے ان میں بہ قدر ضرورت تبدیلی لائی جاتی ہے اور جو قابل اضافہ ہوتے ہیں ان پر اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے اور یہ نبی اخیر ان امور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہ جاتے ہیں اثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال بھی کیا کرتا ہے اس وجہ سے یوں کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ نبی اس فلاں نبی کے مذہب میں یا اس کے گروہ میں سے ہے اور ان مذہبوں کے اختلاف سے جن میں نبوت کا نزول ہوا کرتا ہے اکثر نبوتوں میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے اور دوسری قسم خاص پیرایہ میں شرائع کے نازل ہونے کی یہ ہے لیکن یہ قسم بمنزلہ ایک امر عارض طاری کے ہے کہ خداوند کار عالم اگرچہ زمانہ سے باند و برتر ہے۔ لیکن اس کو کسی نہ کسی وجہ سے زمانہ اور زمانہ کی چیزوں سے ربط و تعلق ہوا کرتا ہے آئمہ ست علیہ السلام نے خبر دی کہ ہر صدی کے بعد اللہ کسی بڑے حادثہ کو پیدا کیا کرتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اور انبیاء نے بھی حدیث شفاعت میں اسی باب کے متعلق ارشاد کیا ہے کہ ہر ایک نبی قیامت کے روز کہے گا کہ میرے پروردگار تبارک و تعالیٰ نے ایسا غصہ کیا کہ نہ بھی پہلے ایسا غصہ کیا تھا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا غصہ کرے گا۔ پس جب عالم آمادہ اور تیار ہوتا ہے کہ شریعتوں کا اس پر فیضان لیا جائے اور دینی کے حدود معین کیے جائیں اور اللہ تعالیٰ تجلی فرما کر دین کو لوگوں پر نازل کرتا ہے اور اسی کے موافق علماء اعلیٰ بلند ہمت سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے وقت میں ماضی اسباب میں سے ایک ادنیٰ سبب بھی جو دالہ الہی کے دروازہ کھلکانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ **وَمِنْ دَلِيلِ بَابِ الْكَرِيمِ الْفَتْحِ** دیکھو موسم بہار پر نظر ڈالو۔ اس میں بونے اور ختم ریزی کا ادنیٰ اہتمام ہی

اثر ہوا کرتا ہے کہ اور موسم میں اس سے زیادہ کتنا ہی اہتمام کرو کچھ بھی اس کا اثر نہیں ہوا کرتا۔ نبی کی توجہ کسی شے کے لیے اس کا اعتبار کرنا۔ اس شے کے لیے اس کا دعا کرنا اس کی مشتاقانہ درخواست کرنی احکام کے نازل ہونے کا سبب ہوا کرتی ہے اور جب نبی کی دعا روشن طریقہ کو زندہ کرتی ہے۔ بڑی بڑی جماعتوں پر اس سے غلبہ حاصل ہو جایا کرتا ہے اس سے نظر کے سامنے کھانے پینے کی زیادتی ہو جایا کرتی ہے تو اس کی وجہ سے کسی حکم کا نازل ہونا کیا بعید ہے۔ اس کی تو لطیف روح ہوتی ہے اور صورت مثالی میں اس کا تعین ہوتا ہے اور اسی بناء پر سمجھ لینا چاہیے کہ جب کوئی جدید بڑا حادثہ پیدا ہوتا ہے اور نبی کی اس کی وجہ سے بے قراری ہوتی ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان بندی کا قصہ یا جب کوئی سائل ایک امر دریافت کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے اس میں بار بار پوچھ گچھ کرتا ہے۔ جیسے ظہار کا قصہ تو یہ امور نزول احکام کے سبب پڑ جایا کرتے ہیں۔ اور اصل حال کا اس سے انکشاف ہو جایا کرتا ہے اور نیز لوگوں کا فرمان پذیری میں کاہلی کرنا سرکشی پر جے رہنا اور ایسے ہی لوگوں کے دل میں کسی شے کی رغبت کا ہونا اور نہایت اہتمام سے اور قصد سے اس کی پابندی کرنا اور اس شے کے ترک کرنے میں یہ اعتقاد کرنا کہ ہم نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی ہے نیز احکام کے نازل ہونے کا سبب ہوا کرتا ہے اسی کی وجہ سے نہایت موکد طور پر کسی چیز کے واجب کر دینے سے لوگوں پر سختی کی جایا کرتی ہے یا بہت سختی سے کوئی شے حرام کر دی جایا کرتی ہے بارانِ جود کی تراوش چاہنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صالح قوی الہمت زود حانیت کے منتشر ہونے اور سعادت کی کمالیت کے وقت قصد کر کے اللہ کی بارگاہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ درخواست کرتا ہے۔ اور ایسے وقت میں درخواست اس کی مقبول ہو جایا کرتی ہے۔ ان ہی معانی کی طرف اللہ کے اس قول میں ارشاد کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلَكُمْ تَسْأَلُكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدِّلُكُمْ﴾

”مسلمانو بہت سی چیزوں کا سوال مت کرو اگر وہ تمہارے لیے کھل جائیں گے تب تم کو ناگوار معلوم ہوں گی۔ قرآن نازل ہوتے وقت جو ان اشیاء کا حال دریافت کیا جائے گا تو سب ظاہر ہو جائیں گی۔“

خداوند کریم کی اصل مرضی یہی ہے کہ نزولِ شرائع کے وقت اس قسم کے سوالات کم ہوا کریں۔ اس سے وہ امور نازل ہو جایا کرتے ہیں۔ جن میں مصلحت خاص کا حکم اور اثر غالب ہوا کرتا ہے اور اکثر اس میں آئندہ نسلوں کے لیے تنگی اور بزدلی پیش آیا کرتی ہے آنحضرت ﷺ زیادہ مسائل دریافت کرنے کو برا خیال فرماتے تھے کہ مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دو میں نے کوئی چیز تمہارے لیے باقی نہیں چھوڑی ہے تم سے اگلے لوگ زیادہ سوالات کرنے اور انبیاء پر اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصور مند وہ شخص ہے کہ صرف اسی کے دریافت کرنے سے لوگوں پر کوئی چیز حرام ہو جائے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بنی اسرائیل جس گائے کو چاہتے ذبح کر لیتے وہی کافی ہو جاتی لیکن انہوں نے سختی کی۔ اس لیے ان سے سخت گیری کی گئی۔ واللہ اعلم



شریعت کے طریقوں پر مواخذہ کرنے کے اسباب میں

ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرائع اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائی ہیں ان پر عذاب و ثواب ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کہ نیکی اور گناہ کے اصول پر مرتب ہوا کرتا ہے یا صرف انہیں امور پر مرتب ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ کے مواقع اور قلب قرار دیئے گئے ہیں۔

مثلاً کسی شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کر دی لیکن اس کے دل میں اللہ کے حضور میں اطمینانی طور پر عجز و نیاز موجود ہے تو نماز ترک کرنے پر اس شخص کو عذاب ہوگا اور ایک شخص نے نماز تو ادا کی نماز کے تمام ارکان و شرائط اسی طرح پورے کیے کہ وہ بری الذمہ ہو گیا لیکن اس میں نیاز مندی کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس کے دل میں خشوع و خضوع جما ہوا نہ تھا تو اس نماز پر اس کو ثواب ملے گا یا نہ ملے گا اس میں کلام نہیں ہے کہ شریعت کے طریقوں کی نافرمانی کرنے سے فساد عظیم پیدا ہوا کرتا ہے اس سے سنت راشدہ میں روک پیدا ہوتی ہے معصیت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں کمد آتا ہے۔ اس سے قوم اور شہر اور ولایت کو ضرر پہنچتا ہے۔ جیسے شہر کی مصلحت کی وجہ سے کسی سیلاب کی وجہ سے بند باندھ دیا گیا تھا ایک شخص نے نقب دے کر اس بند کو توڑ دیا وہ شخص خود تو بچ گیا لیکن شہر والوں کو اس نے ہلاک کر دیا گفتگو اس میں ہے کہ آدمی کی ذاتی اور نفسانی حالت پر اس نافرمانی کا کیا اثر پڑتا ہے وہ گناہ کی تاریکی میں گھر جاتا ہے یا اس میں نیکی کا مادہ بھی باقی رہتا ہے تمام اہل مذاہب کا اس میں یہ مسلک ہے کہ شرائع خود ہی ثواب اور عذاب کا باعث ہوا کرتی ہے۔ لیکن اہل مذاہب سے جو کہار باب تحقیق علم میں راسخ انبیاء علیہم السلام کے صحابہ میں حواریوں کے رتبہ کے ہیں وہ شرائع کو ثواب و عذاب کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کے اصول و ادوار ان کے اعمال کی صورتوں اور قلبوں میں جو ربا و مناسبت ہے اس کو بھی خوب جانتے ہیں اور حاطین دین و حائنین شرائع میں سے تمام لوگ صرف صورتوں اور قلبوں پر ہی اکتفا کیا کرتے ہیں اور فلاسفہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ عذاب و ثواب کا مدار صرف نفسانی صفات اور وہ اخلاق ہیں جو روح کے دامن کو لپٹے ہوئے ہیں ان صفات کے قابلوں اور صورتوں کا ذکر شرائع میں محض سمجھانے کے لیے اور دقیق معانی کو لوگوں کے ذہنوں سے قریب کر دینے کے لیے ہوا کرتا ہے مذاق قوم کے موافق اس مقام کے متعلق یہ تحریر کیا گیا لیکن میں کہتا ہوں کہ مذہبی متقین کا مذہب حق ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ شرعی امور کے لیے سامان اور اسباب ہوا کرتے ہیں جن سے بعض شرعی امور کو بعض پر ترجیح ہو پایا کرتی ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ بغیر ان امور شرعی کے لوگوں سے دین پر عمل نہ ہو سکے گا اس کو علم ہوتا ہے کہ یہی شرعی طریقے اور روشیں لوگوں پر واجب کر دینے کے قابل ہیں یہ امر اللہ کی توجہ میں مندرج ہوا کرتا ہے جو ازل سے لوگوں کے حال پر ثابت ہوتی ہے اور جب یہ عالم اس امر کے لیے مستعد اور تیار ہوتا ہے کہ اس پر شرعی صورتوں کا فیضان کیا جائے اور اس کے پیکر پیدا کیے جائیں تو جان لو کہ اس وقت اللہ نے ان شرعی امور کو پیدا کر کے اپنا فیضان پورا کیا اور ازل سے اس کا تعین ہو گیا۔ اس لیے یہی امور بر

اصل کے ہو گئے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ پر اس علم کو منکشف کیا ان کو الہام سے بتا دیا کہ یہی موقع شرعی اصول کے قائم مقام ہیں۔ انہیں کے اصول کی یہ صورتیں اور مثالیں ہیں۔ بدون ان کے لوگ مکلف نہیں ہو سکتے۔ تب خطیرۃ القدس میں ایک قسم کا اجماع اور اتفاق ہو گیا ہے کہ یہ صورتیں ایسی ہی ہیں جیسے حقیقت موضوعہ کے لیے لفظ ہوتے ہیں یا حقیقت خارجی کی نسبت حقیقت ذہنی ہوا کرتی ہے جو اسی صورت خارجی متزاع اور حاصل کی جاتی ہے یا تصویر کی صورت اصل شے کے لیے منظر ہوا کرتی ہے اور الفاظ موضوعہ کے لیے یہ صورت خطی ہوتی ہے ان سب امور میں دال اور مدلول میں باہم جب ایسا قوی تعلق اور ان میں باہمی لزوم اور گرفت ہو گئی ہے اس لیے اپنے موقع پر یہ طے ہو گیا ہے کہ وہ دونوں شے واحد ہی ہیں اس کے بعد تمام بنی آدمی عرب اور عجم کے علوم پر اسی علم کا پرتو پڑا۔ اور سب نے اتفاق کر لیا کہ وہ شرائع اور اصول ایک ہی شے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہ دیکھو گے جس کے دل میں اس علم کا ایک حصہ نہ ہوا کثر ہم نے اس کا نام وجود شہی للمدلول رکھا ہے اکثر اس وجود کے عجیب اثر ہوا کرتے ہیں۔ تتبع کرنے والے پر وہ مخفی نہیں ہیں۔ شرائع میں اس کے بعض بعض آثار پر لحاظ کیا گیا ہے اسی وجہ سے صدقہ کو صدقہ لینے والوں کی چڑکوں سے ایک چرک قرار دیا ہے اور اسی لیے کسی کام کی برائی مزدوری میں بھی سرایت کر جایا کرتی ہے اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی روح القدس سے وہ مویہ کیے گئے۔ قومی اصلاح کا ان کے دل میں القا کیا گیا اور شرائع کے نازل ہونے اور صور مثالیہ کے ظاہر ہونے کی متعلق آپ کی جو ہر روح کے سامنے بڑی راہ قوی ہمت کی جانب مفتوح ہو گئی۔ تب آپ نے نہایت درجہ کی اولوالعزمی سے اس اصلاح کا اہتمام فرمایا اس کے ساتھ موافقت دینے والوں کے لیے نہایت قصد و ہمت سے دعائیں کیں اور اس کے مخالفوں پر لعنت کی اور انبیاء کی ہمتیں معمولی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ ساتوں آسمانوں کے طبقوں کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہیں وہ مینہ کی درخواست کیا کرتے ہیں آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوا کرتا لیکن فوراً پہاڑوں کی مانند بادلوں کے دل کے دل جمع ہو جایا کرتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے مردوں میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ خطیرۃ القدس میں ان کی وجہ سے خوشی اور ناخوشی پختگی سے منعقد ہوا کرتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اے پروردگار تیرے نبی اور بندہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور مدینہ کے لیے میں دعا کرتا ہوں اب جس شخص کو معلوم ہوا کہ اللہ نے ایسا حکم کیا ہے۔ اور وہ یہ جانتا ہے کہ ملاء اعلیٰ تمام ادا مرو نواہی میں نبی ﷺ کی تائید کیا کرتے ہیں اور خوب جانتا ہے کہ مامور بہ کو ترک کرنا اور منہی عنہ کام کا اتمام کرنا اللہ کے مقابلہ میں دلیری اور اللہ کی شان میں کوتاہی کا باعث ہے اور پھر جان بوجھ کر اور دیکھ بھال کر عہد اوہ کسی کام کو کر بیٹھتا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ حجابات کی گہری تاریکی میں وہ مبتلا ہے ملکی قوت اس کی ضعیف اور منکسر ہو گئی ہے اس کی وجہ سے اس کے دل میں خطا کاری کا اثر جما ہوا ہے اور جب کوئی پر مشقت کام سرزد ہوتا ہے جس سے اس کی طبیعت مزاحم ہوتی ہے اس کو گودہ کسی نمائش کے لیے نہیں کرتا بلکہ صرف تقرباً للہ اور مرضیات خداوندی کی حفاظت اور لحاظ سے کرتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ احسان کی فضیلت میں وہ لپٹا ہوا ہے اس کی بھکی طبیعت کمزور اور مغلوب ہو گئی ہے اس سے نیکی کا مادہ نفس میں جم جاتا ہے۔ اب جو شخص کہ کسی وقت کی نماز ترک کر دیتا ہے تو اس میں اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ اس نے نماز کو کیوں ترک کیا۔ اور کس امر نے اس کو اس پر آمادہ کیا۔ اگر وہ نماز کو بھول گیا تھا یا سو گیا تھا یا اس کی فرضیت سے ناواقف تھا یا کسی نہایت ضروری کام نے اس کو روک لیا تھا

تو مذہبی تصریح اور نص کا یہ مقتضا ہے کہ ایسا شخص گنہگار نہیں ہے اور اگر جان بوجھ کر اور یاد رکھ کر اختیاری حالت میں اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کی یقیناً یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کے مذہب ہی میں رخنہ ہے اور کوئی شیطانی یا نفسانی تاریکی اس کی بصیرت پر چھا گئی ہے اور اس کا اثر اس کے نفس پر ہی پڑتا ہے اور جس شخص نے نماز پڑھ لی اور وہ اس سے فارغ الذمہ ہو گیا تو اس میں بھی تفتیش کرنی چاہیے۔ اگر اس نے نمائش کے لیے یا لوگوں کی تعریف سننے کے لیے یا قومی عادت کی پابندی کی وجہ سے یا لہو کے طور پر نماز پڑھی ہے تو مذہبی نص کے لحاظ سے ایسے شخص میں اطاعت کا مادہ نہیں ہے اور یہ نماز کچھ اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اگر اس نے تقرب الی اللہ کی وجہ سے اور ایمانی لحاظ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق سے نماز پڑھی بخسور نیت اور اللہ کے دین میں اخلاص کے سبب سے یہ کام کیا ہے تو اللہ اور بندے میں کس قدر حجاب اس عمل سے اٹھ ہی جایا کرتا ہے اگرچہ سرسوزن کے برابر ہو اور یہ جو کیا گیا تھا کہ اس شخص نے بند میں نقب لگانے سے شہر کو ہلاک کر دیا اور خود اپنے آپ کو بچا لیا اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس نے خود اپنے آپ کو بچا لیا یہ کیسے ہو سکتا ہے اللہ کے ایسے فرشتے مقرر ہیں جن کی کامل ہمت اس طرف متوجہ رہتی ہے کہ جو شخص عالم کی اصلاح میں یا خراب کرنے میں کوشش کرے اس پر دعایا بد دعا کرتے رہیں ان کی دعا کے اثر سے جو دالہی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح پر اس سے جزا نازل ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ توجہ جزا کے باعث ہوا کرتی ہے اس کا سمجھنا چونکہ کسی قدر اشکال سے خالی نہ تھا۔ اس لیے فرشتوں کی دعا کو ہم نے اس کا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵۹

حکمتوں اور علتوں کے اسرار کے بیان میں

معلوم کرو کہ بندوں کے بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے پروردگار عالم لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور بعض افعال کی وجہ سے وہ ان سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے نہ وہ خوش ہوتا ہے نہ ناخوش اسی واسطے حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ الہی کا اقتضاء ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کر کے لوگوں کو ان کے افعال پر آگاہ کر دے جن سے اس کی رضامندی اور ناراضی کا تعلق ہوا کرتا ہے اس ذریعہ سے خداوند کریم پسندیدہ امور کا مطالبہ کرے اور امور نا پسند کو منع کر دے اور باقی امور میں ان کو اختیار رہے تاکہ جو ہلاک ہونے والے ہیں وہ دلیل کے بعد ہلاک ہوں اور جو زندگی حاصل کرنے والے ہیں وہ بھی بعد دلیل ہی سے زندہ ہوں پس کسی فعل سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا متعلق ہونا یا دونوں حالتوں سے افعال کا بے تعلق ہونا اسی کا نام علم بنے یا یوں کہو کہ علم کسی شے کا ایسی حالت پر ہوتا ہے کہ لوگوں سے اس کا مطالبہ کیا جائے۔ یا وہ اس سے روکے جائیں یا اس میں معتد نہ ہوں اسے جائیں۔ جو چاہو سو کہو۔ اور بعض اشیاء کا مطالبہ تاکید ہی ہوا کرتا ہے کہ ان کے کرنے پر رضائے الہی اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ کرنے پر اللہ کی ناخوشی اور عذاب الہی ہوا کرتا ہے اور بعض کا ایسا تاکید نہیں ہوا کرتا۔ اس امر مطلوب کے

کرنے پر رضا، ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے نہ کرنے پر کچھ ناخوشی اور عذاب کا استحقاق نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مطالبہ کے دو حصے ہیں ایسے ہی نہیں کرنے کی بھی دو ہی صورتیں ہیں تاکیدی جس سے رکنے اور بچنے پر رضا اور ثواب کا استحقاق ہو۔ بشرطیکہ منع کرنے کی وجہ سے باز رہا ہو۔ اور اس فعل کے کرنے سے ناخوشی اور عذاب میں گرفتاری ہو تم اس کا اندازہ اپنے اور لوگوں کے محاورات کے الفاظ طلب اور منع میں کر سکتے ہو۔ کہ جو بات اولاً کہی جایا کرتی ہے اس کے خلاف میں رضا مندی یا ناراضی کے اثر سے ایک قسم کی دو قسمیں ہو جایا کرتی ہیں یہ ایک لازمی اور قدرتی ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے احکام کی پانچ قسمیں ہو گئی ہیں۔ ① ایجاب ② استحباب ③ اباحت ④ کراہیت ⑤ تحریم لوگوں کے سامنے افعال مکلفین میں ہر ہر فعل کی علیحدہ علیحدہ حالت پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ افعال علاوہ اس کے کہ حصر میں نہیں آ سکتے لوگ پوری طرح پر ان کو معلوم بھی نہیں کر سکتے۔ اس واسطے یہ ضروری ہوا کہ لوگوں کو وہ قواعد کلی کی صورت میں بتائے جائیں مجموعی صورت وحدت سے بیان کی جائے اور اکثر اس میں لپٹتی ہوئی ہو۔ اس طرح پر لوگ ان افعال کو معلوم کر سکیں گے اور اپنے افعال کی حالت پہچان سکیں گے علوم کلیہ کو دیکھو خاص خاص امور کے لیے ان میں کیسے قوانین قرار دیئے گئے ہیں۔ نحوی کہتا ہے ”الفاعل مرفوع“ تو سامع اس کا یہ قول محفوظ کر کے قام زید میں زید کا حال اور قعدہ عمر میں عمر کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ وعلیٰ ہذا یہی وحدت جس میں کثرت منسلک ہوا کرتی ہے حکم کی علت اور اس کی مدار علیہ ہوا کرتی ہے اس علت کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جس میں اسی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو مکلفین میں موجود ہوا کرتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ صرف مکلفین کی کوئی دائمی اور لازمی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ جس کا اثر یہ ہو کہ ان کو ہمیشہ کے لیے کسی حکم کی تکلیف دی جائے یہ امر مکلفین کے قابو سے باہر ہے ایسی تکلیف صرف ایمان میں ہی ہو سکتی ہے اور احکام میں اس وجہ سے ضرور ہے کہ ایک ایسی حالت کا اعتبار کیا جائے کہ تکلیف دادہ شخص کی لازمی صفت بھی اس میں شامل ہو۔ اسی صفت کی وجہ سے وہ شخص قابل خطاب شارع ہو سکے اور اس کے ساتھ ہی کسی عارضی حالت میں دقت ہوتی ہے کبھی آسانی سے اس کام کا ہو سکنا (استطاعت میسرہ) کبھی ہرج کا احتمال یا کبھی کسی شے کا قصد کرنا، ونحو ذلک مثلاً شارع کا قول ہے کہ جس شخص عاقل اور بالغ کو نماز کا وقت مل جائے تو اس پر نماز فرض ہو جائے گی اور جو عقل اور بلوغ کی حالت میں ماہ رمضان پالے گا۔ اور اس کو روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہو تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے جو نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر جائے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا واجب ہوگا اور شارع کا ارشاد ہے کہ مسافر کو نماز میں قصر اور روزہ افطار کرنا جائز ہے اور بے وضو شخص جب نماز پڑھنے کا قصد کرے تو اس کو پہلے وضو کر لینا ضروری ہے اس قسم میں اکثر ان صفات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اکثر ادا میں معتبر ہوا کرتی ہیں بلکہ صرف وہی صفت خاص لے جایا کرتی ہے جس سے ایک حکم کا دوسرے سے امتیاز ہوا کرتا ہے اس لیے مسامحۃ اس کو علت کہہ دیا کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ نماز کی علت وقت کامل جانا ہے اور روزہ کی علت ماہ رمضان کا آ جانا ہے اور شارع ﷺ نے ان اوصاف میں سے ایک وصف کا کوئی اثر قرار دیا ہے۔ دوسرے وصف کا نہیں قرار دیا۔ مثلاً مالک نصاب کے لیے تجویز کیا ہے ایک سال یا دو سال بیشتر زکوٰۃ ادا کر دے اور غیر مالک نصاب کے لیے اس کو تجویز نہیں کیا اسی وجہ سے فقیہ ہر ایک امر کا ٹھیک اندازہ کرتا ہے کسی صفت کو سبب قرار دیتا ہے اور کسی کو شرط اور دوسری قسم علت کی وہ ہے جس میں اس شے کی حالت ملحوظ ہوتی ہے جس پر کسی کام اثر ہوتا ہے یا کام کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ حالت یا اس کی صفت لازمی ہوتی ہے جیسا کہ

شارع کا قول ہے کہ شراب پینا حرام ہے اور خنزیر کھانا حرام ہے اور درندوں اور پرندوں میں سے پنجہ دار جانوروں کا کھانا حرام ہے۔
 ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے یا کوئی عارضی صفت اس شے کی بجائے ہوتی ہے جیسے اللہ کا قول ہے: **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا** (چورانے والے اور چورانے والی کے ہاتھ کاٹو) اور جیسے کلام الہی: **وَالزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ** (زنا کرنے والے اور زنا کرنے والی کے سو درہ لگاؤ) کبھی اس شے کی جس پر فعل واقع ہوتا ہے وہ دو یا زیادہ صفتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ جیسے شارع کا قول ہے پاک دامن زانی کو سنگسار کرنا چاہیے اور غیر پاک دامن زانی کے درہ لگانے چاہئیں اور کبھی مکلف کی حالت کے ساتھ اس شے کی حالت بھی ملا دی جاتی ہے۔ جس پر فعل واقع ہوتا ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے کہ اس امت کے مردوں پر سونا اور حریر حرام ہے۔ لیکن عورتوں پر حرام نہیں ہے دین الہی میں کسی قسم کا گراف نہیں ہے ان افعال سے جو رضا یا عدم رضا کا تعلق ہوا کرتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے ان افعال کے متعلق ایسے امور معین ہوتے ہیں کہ انہیں وجہ سے حقیقت رضائے الہی اور اس کی ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے یہ امور دو قسم کے ہیں اول نیکی اور گناہ تدابیر نافع اور ان تدابیر کی بربادی اور انہیں کی مثل اور امور دوسرے ایسے امور ہیں جن کا تعلق احکام شرعی سے ہوتا ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ لوگ مکر و حیلہ اور سستی سے احتراز رکھیں۔ ان معین امور کے لیے اور مواقع اور لوازم ایسے بھی ہوتے ہیں کہ رضا اور عدم رضا کا بالغرض ان سے تعلق لیکن ان کو انہیں لوازم سے مجازاً منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا کا پینا آرام پانے کی علت ہے اور حقیقت میں اخلاط کا پختہ ہو کر نکل جانا آرام کی علت ہے لیکن عادت یہ امور دوا پینے کے بعد ہوا کرتے ہیں اور بعینہ دونوں ایک شے نہیں ہوتے اور جیسے کہا کرتے ہیں کہ تمازت آفتاب میں بیٹھنا یا محنت کا کام کرنا یا کسی گرم غذا کا کھانا بیماری کی علت ہے اور بیماری کی اصلی علت اخلاط کا گرم ہو جانا ہے اور یہ سب امور اخلاط کی گرمی کے ذریعے ہوا کرتے ہیں اور صرف کسی شے کے اصول پر ہی اکتفاء کرنا اور ان کے متفق وسائل اور ذرائع کو ترک کر دینا ان لوگوں کا مذاق ہے جن کی نگاہ علوم نظری میں عمیق ہوا کرتی ہے اور شرع صرف عام لوگوں کی زبان کے موافق نازل ہوتی ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ حکم کی علت ایسی صفت ہونی چاہیے جس کو عام لوگ بھی سمجھ سکیں ان پر اس کی علت کی حقیقت اور اس کا ہونا اس کے نہ ہونے سے مخفی نہ رہے اور ان قاعدوں میں سے کسی نہ کسی قاعدہ سے ملتی جلتی ہو جن سے رضا یا عدم رضا متعلق ہوا کرتی ہے اس قاعدہ پر اس علت کا خاتمہ ہو یا اس کے قریب قریب ہو وہی ہذا مثلاً شراب خوری اس میں بہت سی خرایاں کا اندیشہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے۔ شراب کی وجہ سے اللہ کی جانب خاص توجہ نہیں ہو سکتی۔ تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب برہم ہو جاتے ہیں یہ اکثر شراب خوری کو لازم ہوا کرتے ہیں اسی واسطے شراب کی ہر قسم کو روک دینا پڑا اور جب ایک شے کے چند لوازم اور وسائل ہوں تو ان میں سے خاص وہی امر علت قرار دیا جائے گا۔ جس کا علت ہونا یہ سب اوروں کے زیادہ ظاہر ہو گا یا اس کی حالت زیادہ منضبط ہوگی یا اصل سے اس کو زیادہ تعلق اور لزوم ہوگا۔ وہی ہذا مثلاً نماز قصر اور افطار روزہ کا مدار سفر اور مرض قرار دیا گیا ہے حالانکہ ہرج کے اور بھی استمالات تھے لیکن ان کو علت قرار نہیں دیا پرہیزگارتہ پیشوں مثلاً کاشتکاری اور آنکری وغیرہ میں ضروری ہرج ہوا کرتا ہے ان سے قصر اور افطار کی اجازت نہیں دی گئی اس لیے کہ پیشہ وران میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں ان کی معاش انہیں پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے ان سے اگر اجازت دی جاتی تو

اطاعتِ الہی کے انتظامات سب اتر ہو جاتے۔ اور گرمی سردی کا اندازہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ قرآن اور علامات سے ان کی بخوبی تعیین نہیں ہوتی اس لیے وہ احتمالات معتبر کیے جاتے ہیں۔ جو قرن اول میں اکثر اور مشہور تھے اور سفر و مرض کا سمجھنا کسی طرح پر مشتبہ نہیں ہو سکتا اگرچہ اب کسی قدر اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہو گیا کہ عرب اول کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور لوگوں نے احتمالات میں زیادہ چھان بین کرنی شروع کی ان کے ذوقِ سلیم جو خالص عرب کا ہوا کرتا ہے بگڑ گیا۔ واللہ اعلم

باب ۶۰

ان مصلحتوں کے بیان میں جن سے فرائض اور ارکان اور آداب وغیرہ معین کیے جایا کرتے ہیں

معلوم کرو کہ جب امت کی درستی اور سیاست کی جائے تو ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کی طاعت کی دو حدیں قرار دی جائیں:

① اعلیٰ ② ادنیٰ۔ اعلیٰ سے یہ غرض ہے کہ اس سے پوری طرح پر مقصود حاصل ہو جائے اور ادنیٰ کے یہ معنی ہیں کہ اس سے کسی قدر مقصود کا حصول ہو کہ اس کے بعد کا درجہ لحاظ کے قابل بھی نہ ہو۔ یہ دو قسمیں اس واسطے قرار پائی ہیں کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کوئی شے طلب کی جائے اور ان کے لیے اس شے کے اجزاء اس کی صورت اس شے مطلوب کی مقدار نہ بیان کی جائے۔ ایسا ابہام تو موضوعِ شرع کے خلاف ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگ اس پر مکلف کیے جائیں کہ ہر شے کے آداب اور متمم اشیاء کی وہ تعمیل کریں ان لوگوں کو ایسی تکلیف بمنزلہ تکلیف بالحوال کے ہے جو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں یا تنگ حال رہتے ہیں بخوبی ان کی فراغِ خاطر حاصل نہیں ہے امت کی سیاست اور انتظام کی بنیاد اعتدال پر ہے نہ نہایت درجہ پر ہر شے کی حالت کو پہنچانا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اعلیٰ حالت کو چھوڑ کر ادنیٰ حالت پر ہی اکتفاء کریں۔ اعلیٰ حالت سابقین امت کا مسلک اور مشرب اور اللہ کے مخلصین بندوں کا مذاق اور حصہ ہے۔ ایسے درجہ کو بالکل ترک کرنا لطفِ الہی کے مناسب نہیں ہے اس لیے یہی ضروری ہوا کہ ادنیٰ کی حالت کی بخوبی توضیح کر کے اس کے ساتھ لوگ مکلف قرار دیئے جائیں اور اس سے زائد اور اعلیٰ امور کی طرف بھی لوگ مائل کیے جائیں لیکن ہر شخص پر ان کو ضروری قرار نہیں دینا چاہیے۔ جن امور سے لوگ مکلف کیے جاتے ہیں ان کے حصے مختلف ہوا کرتے ہیں ایک حصہ تو اس میں کسی طاعت کی مقدار ہوا کرتی ہے۔ مثلاً بیچ وقت نماز رمضان کے روزے اور بعض امور اس طاعت کے اجزاء ہوا کرتے ہیں۔ جن کے بغیر وہ طاعت لحاظ و اعتبار کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً تکبیر اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے لیے ایسے اجزاء کا نام ارکان ہے اور بعض امور اس طاعت سے خارج ہوتے ہیں۔ لیکن بدون ان امور کے طاعت غیر معتبر ہوا کرتی ہے۔ ان امور کا نام شروط ہے۔ جیسے نماز کے لیے وضو معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی تو کوئی شے رکن کسی سبب ذاتی اور امر طبعی کے طور پر قرار دی جاتی ہے اور کبھی کسی امر عارضی کی وجہ سے پہلی صورت میں بغیر اس رکن کے طاعت کا قوام اور قاعدہ کچھ نہیں ہوا کرتا جیسے نماز میں رکوع اور سجدہ اور روزہ میں کھانے پینے اور جماعت سے باز رہنا۔ یا ایسے رکن کی وجہ سے کوئی امر مخفی اور مبہم جو اہم اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ صاف اور منضبط

ہو جایا کرتا ہے جیسے تکبیر سے نیت کا انضباط اور استحضار ہو جایا کرتا ہے اور سورۃ فاتحہ سے دعا کا انضباط ہو جایا کرتا ہے اور سلام کے ذریعہ سے نماز سے باہر آنے کی صورت ایسے عمدہ کام سے منضبط ہو جایا کرتی ہے جو وقار اور تعظیمی حالت کے منافی نہیں ہے اور جو امر عارضی کی وجہ سے رکن قرار دیئے جاتے ہیں ان کا وجوب کسی نہ کسی سبب سے ہوا کرتا ہے وہ نماز کے لیے اس لیے رکن قرار دیئے جاتے ہیں کہ ان سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے پوری طرح سے نماز کی غرض ان سے حاصل ہوتی ہے ان کے تعین میں خوبی اور عمدگی ہوا کرتی ہے جیسے کہ اس شخص کے مسلک کے موافق جو کسی سورۃ قرآنی کے پڑھنے کو رکن قرار دیتے ہیں تو اس کا رکن ہونا اس لیے ہے کہ قرآن اللہ کے شعائر میں سے ہے اس سے بے پرواہی نہیں کرنی چاہیے ایسے شخص کے لیے یہ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کا اس عبادت میں حکم دیا جائے۔ جو سب عبادتوں میں زیادہ ضروری اور مؤکد اور سب سے زیادہ اس کے پائے جانے کے مواقع ہوں زیادہ قسم کے لوگ اس سے مکلف ہوں اور کبھی کوئی شے رکن اس واسطے قرار دی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے دو مشتبہ چیزوں میں تمیز ہو جائے یا اس سے مستقل شے اور اس کے مقدمہ میں فرق ظاہر ہو جائے ایسی شے کو بھی رکن کر لیتے ہیں اور ان کی بجا آوری کا حکم دیتے ہیں جیسے رکوع ہجود میں قومہ اس کی وجہ سے سر جھکانے میں جو سجدہ کا مقدمہ ہے اور رکوع میں جو مستقل تعظیم ہے فرق ہو جایا کرتا ہے اور جیسے نکاح میں ایجاب و قبول 'گواہ' ولی کا موجود ہونا 'عورت کی رضا بغیر ان امور کے نکاح اور زنا میں فرق ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تعین ارکان میں دونوں وجہیں ذاتی اور عرضی جمع ہو جائیں اور شرط کا حال بھی رکن پر ہی قیاس کر لینا چاہیے اکثر کوئی شے کسی وجہ سے واجب ہوا کرتی ہے اس لیے اس کو کسی شعائر دینی کے لیے شرط کر دیا کرتے ہیں اس شرط سے اس کی شان بڑھ جایا کرتی ہے یہ صورت جب ہی ہوتی ہے کہ اس شرط کے مل جانے ہی سے اس طاعت کی کمالت ہوتی ہے۔ مثلاً استقبال قبلہ جیسے کہ خانہ کعبہ شعائر الہی میں سے ہے اس لیے واجب التعظیم ہے اور بڑی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ لوگ اپنی سب سے زیادہ عمدہ حالت میں اس کی جانب اپنا رخ کریں ایک خاص سمت کی جانب اللہ کی بعض نشانیاں اور شعائر ہوں رخ کرنے سے مصلی کو اللہ کی حضوری میں فروتنی اور نیاز مندی پر آگاہی ہوا کرتی ہے اور اس کو وہ حالت یاد آتی ہے جو مالکوں کے سامنے غلاموں کے کھڑا رہنے سے ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز میں استقبال قبلہ کو شرط منہر ایا ہے بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر کسی خاص صورت کے ان میں فائدہ نہیں ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے اس ہیئت کو اس کی شرط کر دیا کرتے ہیں مثلاً نیت کا اعمال پر اثر جب ہی ہوا کرتا ہے کہ وہ نفسانی حالت کی تصویر ہوں اور نماز نیاز کی تصویر ہو اُترتی ہے اور بغیر نیت کے نیاز کوئی شے نہیں ہے۔ اور ایک دوسری صورت کے لحاظ سے استقبال قبلہ بھی ایسا ہی ہے دل کا باحضور اور متوجہ ہونا ایک مخفی امر تھا اس لیے بیت اللہ کے سامنے کھڑا ہونا جو کہ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ جائے حضور دل کے قرار دیا گیا۔ اور مثلاً وضو 'ستر' 'حائکنا' ہے ہودگی کو ترک کرنا اس لیے کہ دلی تعظیم ایک مخفی امر تھا۔ اس کے لیے وہ حالتیں اس دلی تعظیم کے قائم مقام کی گئیں۔ جن کا سلاطین اور ان کے پایہ کے لوگوں کی حضوری میں لوگ لحاظ کیا کرتے ہیں اور ان کو آداب تعظیمی سے شاکر کرتے ہیں یہ امور ان کے دل نشین ہو گئے ہیں۔ عرب اور عجم کے باشندوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے۔ جب بعض طامات بظلمہ فرائض کے معین کی جا میں تو چند اصول پر لحاظ کرنا ضروری ہے اول یہ کہ لوگوں کو صرف آسان امر کی تکلیف دینی چاہیے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت ان کو مسواک کرنے کا حکم کرتا۔

اس حدیث کی ایک دوسری حدیث سے تفسیر ہوتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو جیسے میں نے ہر نماز کے وقت وضو کو فرض کیا ہے ایسے ہی مسواک کو فرض کر دیتا اور ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مقدار کے متعلق لوگوں کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ اس کو فروگزاشت کرنا اللہ کی شان میں کوتاہی کرنا ہے اور یہ امر ان کے دلوں میں اس لیے خوب جم جائے کہ وہ شئے انبیاء علیہم السلام سے منقول ہوتی چلی آئی ہو۔ سلف کا برابر اس پر اتفاق رہا ہو یا ایسے ہی امور اور بھی ہوں تو ایسی حالت میں کہ مقتضائے حکمت یہی ہے کہ جیسے لوگوں نے اس کو اپنے ذمہ واجب ٹھہرایا ہے ان پر وہ شئے واجب ہی کر دی جائے۔ جیسے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام کر دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں قیام کی نسبت فرمایا کہ مجھ کو اندیشہ ہو گیا ہے کہ کہیں یہ قیام تم پر فرض نہ کر دیا جائے اور ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی شئے خوب صاف صاف اور ظاہر اور منضبط نہ ہو لوگ اس کے ساتھ مامور نہ کیے جائیں یہی وجہ ہے کہ حیاء اور تمام اخلاق حالانکہ اسلامی شعبے ہیں اسلام کے ارکان میں نہیں قرار دیئے گئے اور ادنیٰ طاعت کی حالت آرام اور آسائش اور سختی کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتی ہے طاقت رکھنے والے کے لیے قیام کو رکھنا نماز مقرر کیا ہے لیکن ناتوان کے لیے بیٹھنے کو قیام کا جائز ٹھہرایا ہے اور ایسے ہی طاعت حد اعلیٰ میں کیمت اور کیفیت کے لحاظ سے زیادتی ہو جایا کرتی ہے۔ بعض نوافل فرائض کے ہم جنس سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے سنن آداب و رواتب میں (مغرب کی سنتیں) نماز تہجد ہر ماہ میں تین تین روزے اور مستحب صدقات وغیرہ اور کیفیت کی زیادتی اس طرح ہوتی ہے کہ خاص خاص سنتیں اور ذکر اور اطاعت کے نامناسب امور سے باز رہنا۔ امور تکمیل کے لیے طاعت میں ضروری قرار دیئے جاتے ہیں ان کی بجا آوری سے مکمل صورت میں طاعت ادا کی جاتی ہے۔ جیسے جوڑ بندوں کا چرک وغیرہ سے پاک صاف رکھنے کا وضو میں حکم دیا جاتا ہے تاکہ نظافت بخوبی حاصل ہو جائے اور دائیں جانب سے ابتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے نفس میں بے داری پیدا ہوتی ہے اور طاعت کا خیال اس میں پیدا ہوتا ہے۔ نفس جب طاعت کی اس طرح بجا آوری کرتا ہے جیسے مہتمم بالشان امور کی کرتا ہے اس سے اس کی توجہ پر بڑا اثر پڑتا ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ جب کوئی شخص کسی خلق کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے وہ قصد کرتا ہے کہ یہ خلق اس کی رگ و پے میں سرایت کر جائے تو اس کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اس کے مناسب جو جو افعال اور مناسب امور ہوں ان سب کا انجام کرے اگرچہ وہ تمام لوگوں کی نظر میں ادنیٰ اور ناقابل اعتبار ہی کیوں نہ ہوں جس کو شجاعت کی مشق اور ورزش کا اہتمام ہوتا ہے وہ نہ دلدلوں میں چلنے سے جھجکتا ہے نہ آفتاب کی گرمی اور نہ شب تار میں چلنے سے باک کرتا ہے ایسے ہی جس کو حضور خداوندی میں عجز و نیاز کی مشق منظور ہوتی ہے وہ تمام تعظیمی حالتوں کی مؤدبانہ حفاظت کرتا ہے۔ رفع ضرورت کے وقت نہایت شرمگین اور سرنگوں طور پر بیٹھتا ہے اللہ کے ذکر کے وقت اپنے تمام پاؤں کو وہ سمیٹ لیتا ہے اور جس کو اعتدال اور مرتبہ عدالت کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اسی کا حق ادا کرتا ہے کھانے اور پاکیزہ چیزوں کے لیے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کے لیے بائیں کو خاص کرتا ہے اور یہی راز تھا کہ آنحضرت ﷺ سے کہا گیا تھا کہ بڑے کو مسواک دو (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں اتنے میں دو شخص آئے ان میں سے ایک بڑا تھا میں نے مسواک چھوئے کودے دی اس وقت مجھ سے کہا گیا۔ کبر کبر یعنی بڑے کو دو۔ ایسے ہی خویصہ اور خیمہ (مسعود کے دو بیٹوں کا نام ہے) کے قصہ میں آپؐ نے فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو (جنگ خیبر میں جب ابن

سہیل قتل ہو گئے اور کوئی ان کا قاتل معلوم نہ ہوا تو آنحضرت ﷺ کے پاس عبدالرحمن مقتول کے بھائی اور مسعود کے دونوں بیٹے آئے عبدالرحمن نے گفتگو شروع کر دی لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا کبر اکبر (بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو) حدیث میں وارد ہوا ہے: **ان الشیطان یا کل بشمالہ**۔ (شیطان بائیں ہاتھ سے کھایا کرتا ہے) اور ایسے ہی اور جلد بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے معنی اللہ تعالیٰ نے مجھے کو یہ سمجھائے ہیں کہ شیاطین کو اللہ تعالیٰ نے قدرت دی ہے کہ خواب میں یا بیداری کی حالت میں لوگوں کی نظر کے سامنے ایسی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں جو ان کے مزاجوں کے موافق ہوتی ہیں وہ شکلیں ان حالات کا بھی مقتضا ہوا کرتی ہیں جو شکل بننے کے وقت شیاطین پر طاری ہوتی ہیں جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کی مزاجی حالت کی وجہ سے بدکاریاں اور ایسے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن میں سبکی اور تسکد لی پائی جایا کرتی ہے ناپاکیوں سے وہ حالت قریب کر دیتی ہے۔ ذکر الہی میں ان کی وجہ سے سنگدلی ہوا کرتی ہے جتنے انتقامات پذیر اور گزیدہ ہیں ان میں اس حالت کی وجہ سے ابتری ہوا کرتی ہے۔ بدکاریوں سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں جن سے لوگوں کے دل نہایت بے زار ہوں ان کے روٹنے کھڑے ہو جائیں وہ زبان سے ان افعال پر لعن طعن کریں یہ لوگوں کا قدرتی طریقہ ہے۔ جو صورت نوعیہ کے فیضان سے ان میں پیدا ہوا ہے تمام فرشتے اس میں برابر ہیں ایسے آثار کسی قومی رسم و رواج کی پابندی یا کسی خاص مذہبی اثر سے نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ سے رُفٹ کرنا، کودنا، ناچنا، اپنی دہریں انگلی داخل کرنا، اپنی داڑھی کو تھوک سے آلود کرنا، تاک کان کٹا ہونا یا سیاہ رُو ہونا، لباس کو الٹا پہننا، قمیص کا اوپر والا حصہ نیچے کو کر لینا یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اس کی دم کی طرف اپنا منہ کر لینا، یا ایک پاؤں میں موزہ پہن کر دوسرا برہنہ چھوڑ دینا ایسے ہی اور افعال ہیں جن کو دیکھتے ہی ہر شخص لعنت و ملامت کرتا ہے بعض اوقات میں نے خود شیاطین کو ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے اور سبک کاموں سے میری غرض یہ ہے مثلاً اپنے کپڑے یا کنکریوں کو بے ہودہ طور پر لوٹ پوٹ کرنا۔ بدنما طور پر ہاتھ پاؤں ہلانا، بہر حال خداوند کریم نے اپنے نبی ﷺ پر ان افعال کو منکشف کیا کہ یہ شیطانی مزاجوں کے میاں اور اقتضا سے ہوا کرتے ہیں۔ جب کسی کو خواب یا بیداری میں شیطان کی صورت نظر آتی ہے تو ایسے حرکات اس میں ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو شیاطین اور شیطانی حالتوں سے گریز کرنا چاہیے تب آنحضرت ﷺ نے ان افعال اور صورتوں اور ان کی زشتی کو بیان فرمایا اور ان سے محتر زربے کا حکم دیا۔ اسی بات سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قضاے حاجت کے موقعوں پر شیاطین آ موجود ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان لوگوں کی مقعدوں سے بازی کیا کرتا ہے اور جب انسان ہاہاہہ کرتا ہے تو شیطان خوب ہنستا ہے اور مدد کی حالتوں کی جو رغبت لوگوں کو دلائی گئی ہے۔ اس کو بھی اس پر قیاس کر لو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جیسی ملائکہ صغیر باندھتے ہیں ویسی ہی تم کیوں نہیں باندھتے ابواب آداب کے متعلق یہ ایک دوسرا مقدمہ ہے۔ معلوم کرو کہ جب کوئی شے فرض کفایہ مقرر کی جاتی ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اگر سب لوگ اس کو مسلمانانہ طور پر کرنے لگیں تو انتقام معاش برہم ہو جائے۔ ان کی تدابیر نافع مصلحت ہو جائیں اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ بعض لوگ ایک کام کے لیے خاص کر دیے جائیں اور دوسروں سے کوئی دوسرا کام لیا جائے مثلاً اگر مہلک نوک زراعت اور قہارت کے تمام کاروبار چھوڑ کر جہاد نبی پر اتفاق کر لیں تو معاش برہم ہو جائے گی اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ بعض کو جہاد کا

کام سپرد کر دیا جائے اور کسی کو زراعت کا۔ بعض کو تجارت کا۔ کوئی تعلیم علوم کی خدمت کرے اس لیے کہ کسی شخص کو کسی امر میں آسانی ہوتی ہے۔ کسی کو کسی میں۔ اور نام محض اور قسمیں نہیں بتا سکتیں کہ وہ کس چیز کے قابل ہے تاکہ حکم کا وہ مدار علیہ ہو سکے۔ فرض کفایہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اُس سے انتظامی حالت درست رہے اُس کی فروگزاشت سے کوئی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو مثلاً قاضی ہونا۔ علوم دین کی تعلیم۔ خلافت کا انتظام یہ سب امور انتظاماً مقرر ہوئے ہیں۔ ایک شخص اُس کے تکفل کے لیے بس کرتا ہے اور جیسے بیماروں کی عیادت۔ نماز جنازہ اس واسطے شروع ہوئے ہیں کہ ان سے بیماروں اور مردوں کی تضييع نہ ہو بعض لوگ اگر اس کو پورا کر دیں گے تو مقصود حاصل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

باب ۶۱

اوقات کے اسرار میں

امت کی سیاست بغیر اس کے پوری نہیں ہوا کرتی کہ اُن کے لیے طاعتوں کے اوقات معین کر دیئے جائیں تعین اوقات میں اصلی امر فراست اور حدس ہے جس سے مکلفین کی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے اس سے وہ چیز اختیار کر لی جاتی ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو اور اس سے مقصود حاصل ہو جائے اور اس کے علاوہ تعین اوقات میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہوا کرتی ہیں جن کو راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں لیکن تین قاعدوں پر اُس کا استنباط ہوا کرتا ہے اولاً یہ کہ اگرچہ خداوند کریم زمانہ سے برتر ہے لیکن آیات اور احادیث باہم ایک دوسرے کی اس امر میں مؤید ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات میں اپنے بندوں سے قریب ہوا کرتا ہے اور بعض اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ پر ہوا کرتے ہیں بعض اوقات میں وہ بعض بعض حوادث کو دنیا میں مقرر اور مقدر کیا کرتا ہے۔ و علیٰ ہذا۔ اور جدید حالات کو بھی سمجھ لو اگرچہ ان سب امور کی اصلی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر شب کو تہائی رات رہی ہمارا پروردگار آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ یک شنبہ اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال اللہ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع کیا کرتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ ورے آسمان پر نزول کرتا ہے اس بات میں اکثر حدیثیں وارد ہیں جو کہ معلوم ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ امر ضروریات دین سے ہے کہ بعض خاص خاص اوقات میں زمین پر روحانیت پھیل جایا کرتی ہے اور اُس میں ایک مثالی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ قبول طاعات اور قبولیت دعا کے لیے ان اوقات سے عمدہ اور مناسب وقت کوئی نہیں ہوا کرتا ہے ان اوقات میں ایک ادنیٰ سعی کرنے سے نہایت وسعت کے ساتھ قوت بھی ملتی طاقت کے مطیع ہو جایا کرتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس روحانیت اور مثالی قوت کے پھیلنے کا اندازہ آسانی دوروں سے نہیں کیا کرتے بلکہ اپنے ذوق و وجدان سے اُس کو معلوم کر لیا کرتے ہیں ان کے دلوں میں اولاً کوئی شے منطبع ہوتی ہے اس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ کوئی روحانیت پھیلنے والی ہے اور کسی حکم الہی کا نزول ہونے کو ہے۔

حدیث شریف میں اس کا بیان آیا ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آواز ایسی معلوم ہوا کرتی ہے جیسے کوئی آہنی زنجیر چکنے پتھر پر مارتا ہے۔ بمنزلہ سلسلہ علی صفوان۔

انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر بھی یہی علوم ملاء اعلیٰ کی جانب سے منتقل ہوتے ہیں اور وہ ان کو وجدانی قوت سے معلوم کر لیا کرتے ہیں آسمانی دوروں کا ان کو حساب لگانا نہیں پڑتا اس کے بعد انبیاء اس موقع کے قرار دینے میں کوشش کرتے ہیں جہاں اُس ساعت کے ہونے کا احتمال ہوا کرتا ہے اُس کے تعین کے بعد لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ اُس ساعت کا لحاظ رکھیں اور اُس کی حفاظت کریں بعض ساعتوں کا دورہ سال کے دورہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْراً مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾

”ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے۔ ہم برائیوں سے لوگوں کو ڈرانے والے تھے ہمارے حکم سے اُس میں مضبوط کام جدا جدا کئے جاتے ہیں۔ ہم ہی پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں۔“

اور اس ساعت میں ورے آسمان میں قرآن کی روحانیت معین ہو گئی تھی اس پر اتفاق ہے کہ ماور مضن میں یہ تعین ہوا تھا۔ اور بعض اوقات کا دور ہفتہ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے یہ تھوڑا سا وقت ہے اُس میں دعا اور طاقتوں کی قبولیت کی امید کی جاسکتی ہے اور جب لوگ عالم معاد کی طرف رجوع کریں گے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ اُن پر تجلی کرتا ہے اسی ساعت میں لوگوں کو اللہ سے قرب ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ وقت جمعہ کے روز واقع ہوتا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے استدلال فرمایا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے واقعات جمعہ کو ہی ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی روز ہوئی تھی اور نیز بہائم کو ملائکہ سفلی کے ذریعہ سے اس ساعت کی عظمت معلوم رہتی ہے اس وقت وہ خوف زدہ اور ایسے مرعوب رہتے ہیں جیسے کوئی سخت آواز سے خوف زدہ رہتا ہے۔ جمعہ کے روز آنحضرت ﷺ نے اس کو مشاہدہ کیا تھا اور بعض اوقات کا دور روزانہ دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور روحانیات کی نسبت اُس وقت کی روحانیت کسی قدر ضعیف ہوا کرتی ہے اور ارباب ذوق جو ملاء اعلیٰ سے حاصل کیا کرتے ہیں ان کا اتفاق ہے کہ روزانہ ایسے اوقات چار ہیں۔ ① کسی قدر آفتاب سے بیشتر ② ٹھیک آفتاب کے ٹھہرنے کے بعد ③ غروب آفتاب کے بعد ④ نصف شب سے صبح تک۔ خاص اُن اوقات میں اور کسی قدر اُن سے آگے پیچھے روحانیت پھیلتی ہے اور برکات ظاہر ہوتے ہیں روئے زمین میں کوئی اہل مذہب ایسے نہیں ہیں جو واقف نہ ہوں کہ ان وقتوں میں عبادت زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ لیکن مجوس نے دین کی تحریف کر لی تھی اور اللہ کو پھوڑ لڑا آفتاب کی ان وقتوں میں پرستش کرنے لگے تھے۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے تحریف کو روک کر ان اوقات کو ایسے وقتوں سے بدل دیا جو اُن اوقات سے کچھ ذور بھی نہ تھے اور اصلی غرض بھی اس تبدیلی سے فوت نہ ہوتی تھی آنحضرت ﷺ سے بروایت صحیح ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ شب میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر وہ بندہ مسلمان کو مل جائے اور دنیا و آخرت میں کسی بھلائی کی وہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں ہر شب کو یہ ساعت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ نصف شب کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے لیکن اس کے پڑھنے والے لوگ کم ہیں آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سے وقت میں دعا زیادہ

مقبول ہوتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ نصف شب میں اور آنحضرت ﷺ نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ آسمان کے دروازے مفتوح ہوتے ہیں اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے اور آپؐ نے فرمایا کہ رات کے فرشتوں سے پہلے دن کے فرشتے آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں اور دن کے فرشتے آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں اور دن کے فرشتوں سے پہلے رات کے فرشتے صعود کرتے ہیں۔ ان مضامین کی طرف اللہ تعالیٰ بھی اپنی محکم کتاب میں اشارہ فرماتا ہے: ﴿فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ﴾ (اللہ کی پاکی ہے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں اللہ کی تعریف ہے شام کے وقت اور جب کہ تمہارا وقت ظہر آتا ہے) اس بات کے متعلق نصوص بکثرت ہیں وہ امور معلوم ہیں میں نے اس کے متعلق بڑے بڑے مشاہدہ کیے ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ٹھیک وقت وہ ہے کہ تمام طبعی تشویشات سے آدمی فارغ ہو۔ زیادہ گرسنگی زیادہ تشنگی زیادہ سیری نیند کا زیادہ غلبہ نہ ہو سستی نہ ہو۔ بول و براز کی حاجت نہ ہو۔ ایسی خیالی پریشانیوں سے بھی آدمی کو آزاد ہو۔ لغو اور بے ہودہ گفتگوؤں سے کان اور مختلف صورتوں اور پریشان کرنے والی رنگوں سے آنکھ بھری ہوئی نہ ہو اور اس قسم کی تشویشوں کے اقسام سے تہائی ہو۔ یہ فراغ اور آزادی عادات کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتی ہے لیکن جو عرب اور عجم اور نیز ترکی اور مغربی لوگوں کے بمنزلہ طبعی طریقہ کے ہو گیا ہے وہ اس قابل ہے کہ نوا میں کلی میں اس کو دستور العمل قرار دیں۔ اور اس سے مخالف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے وہ صبح اور شام کا وقت ہے اور جب آدمی سونے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ مشغلوں سے جو چرک طبیعت میں جم جاتا ہے۔ وہ صیقل سے دور کر دیا جائے اس لیے آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا کہ عشاء کے بعد لوگ قصہ اور شعر نہ پڑھا کریں۔ سیاست امت کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ اس کا حکم دیا جائے کہ کچھ نہ کچھ زمانے کے بعد نفس میں نماز کی آمادگی اور تیاری پیدا ہوتی رہے تاکہ نماز کا انتظام اور اس کی تیاری نماز پڑھنے سے پہلے اور نماز کا بقیہ نور اور رنگ نماز پڑھنے کے بعد نماز کے حکم میں سمجھا جائے اور اسی طرح پر اتر تمام اوقات کا استیعاب نہ ہو سکے تو اکثر اوقات کا استیعاب ہو جائے بارہا دفعہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جو شخص نماز شب کے قصد سے سوتا ہے وہ بھی خواب میں مستغرق نہیں ہوتا اور جس شخص کا دل کسی عمدہ تدبیر دنیوی یا کسی نماز کے وقت میں یا کسی وظیفہ میں تانہ ہو جانے کے متعلق رہتا ہے تو بھی حالت میں اس کو محویت نہیں ہوا کرتی اسی واسطے حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص خواب سے جاگے اور پڑھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَ

سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.

اس کے بعد کہے رب اغفر لی اللہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور اگر یہ شخص وضو کر کے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز بھی مقبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿رَجُلًا لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (وہ ایسے لوگ ہیں جن کو نہ تجارت نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے) اور یہ مناسب ہے کہ دو وقتوں کے درمیان چوتھائی روز کا فاصلہ دیا جائے اتنے عرصہ میں تین گھنٹہ کی مہلت ہو جائے گی اور عرب اور عجم کے ہاں جو تقسیم شب و روز کی ہے اس تقسیم کا یہ تین گھنٹہ مقدار مستعمل کی۔ اول حد کثرت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے شب و روز کے حضرت نوح علیہ السلام نے حصے کیے تھے ان کے بعد ان کی اولاد برابر یہی حصے کرتی آئی ہے تیسرا قاعدہ اوقات میں یہ ہے کہ عبادت ادا کرنے کا وقت ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے اللہ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی یاد آ جائے مثلاً روزہ عاشورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح مند کیا تھا انہوں نے اس کے شکر یہ میں خود بھی روزہ رکھا تھا اور اوروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور جیسے ماہ رمضان میں قرآن مجید نازل ہوا اور ملت اسلام کے ظہور کی ابتداء اس سے ہوئی یا اس عبادت سے انبیاء علیہم السلام کی طاعت اور عبادت پروردگار کی اور اللہ نے جو اس بندگی کو ان سے مقبول کر لیا تھا یاد آتی ہو۔ مثلاً بقرہ عید کی نماز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کا قصہ اور بھٹری ذبح کرنے سے ان کے فدا کرنے کا حال یاد آ جاتا ہے یا اس وقت کی عبادت سے دین کے بعض نشانات کی شان اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسے عید الفطر کی نماز پڑھتے ہیں خیرات کرتے ہیں اس سے رمضان کی ایک شان معلوم ہوتی ہے اور اللہ نے اپنے بندوں کو جو عبادت کی توفیق دی تھی اس کے ادائے شکر کی بھی ایک شان معلوم ہوتی ہے اور نیز جیسے بقرہ عید کے روز حجاج کی حالت سے ایک قسم کی مشابہت ہو جایا کرتی ہے اور جو رحمتیں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لیے مقرر کی ہیں ان کو اپنے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے یا ان صلحا کا جن کی نیکی پر تمام امتوں کی زبان پر شہادت دی گئی ہوتی ہے۔ یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ ان اوقات میں اطاعت خداوندی اور عبادت الہی کیا کرتے تھے جیسے نماز و خجگانہ کے اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارا وقت ہے اور انبیاء سابقین کا وقت بھی یہی تھا اور جیسے رمضان شریف کی نسبت ارشاد الہی ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (تم پر روزے ایسے ہی فرض ہوئے جیسے اگلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے) تفسیر میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے اور ہمارے متعلق روزہ عاشورہ کا بھی یہی حال ہے یہ تیسرا قاعدہ اکثر اوقات میں ملحوظ رہے۔ لیکن وہ دونوں پہلے قاعدے اوقات کے اصل الاصول ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۶۲

اعداد اور مقداروں کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ شرع میں جو ایک چیز کی مقدار معین کر دی ہے اور اس کی دوسری نظیر کی وہ مقدار معین نہیں کی ہے تو اس کی حکمتیں اور مصلحتیں خاص ہیں اگرچہ ہر شے کے معین کرنے میں پورا اعتماد قوت حدس پر ہے جس سے مکلفین کی حالت اور وہ امور معلوم ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی سیاست کے مناسب اور لائق ہیں لیکن مصلحتوں کی انتہا تین قاعدوں پر ہے ① یہ کہ حاق کا عدد مبارک ہے۔ جب تک یہ کافی ہو سکے گا دوسرے حد کی طرف تجاوز نہ کریں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ حاق ہے اور حاق ہی کو پندارتا ہے۔ پس اب قرآن پڑھنے والو! وتر نماز پڑھا کرو اس میں راز یہ ہے کہ ہر کثرت کی ہدایت وحدت سے ہوا کرتی اور طاق حد و تمام ثمرات کے درجوں میں وحدت سے زیادہ قریب ہوا کرتا ہے اس واسطے کہ جو مرتبہ حد کا فرض کیا جائے اس میں ایک

غیر حقیقی وحدت شامل ہوا کرتی ہے جس سے وہ مرتبہ مرتبہ قرار پاتا ہے۔ مثلاً اس کا مرتبہ چند وحدتوں کا مجموعہ ہے جو مل کر ایک عدد بن گیا۔ پانچ اوپر پانچ کا نام دس نہیں ہے اس پر اور عددوں کو بھی قیاس کر لو۔ ان مراتب عددی میں بھی غیر حقیقی وحدت وحدت حقیقی کا نمونہ اور اس کے جانشین ہے اور طاق عدد میں یہ غیر حقیقی وحدت بھی ہوا کرتی ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور وحدت بھی ہوتی ہے یعنی دو عدد صحیح مساوی کی طرف منقسم نہ ہوتا۔ اس لیے بہ نسبت عدد جفت کے عدد طاق وحدت سے زیادہ قریب ہے چونکہ اللہ تمام بندوں کا مبداء ہے۔ اس لیے موجود شے اپنے مبداء سے زیادہ قریب ہوگی وہ گویا حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگی اس لیے جس میں وحدت کمال درجہ ہوگی اس میں خلق الہی کا ایک نمونہ ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ عدد طاق کے مختلف مرتبے ہیں۔ بعضے عدد طاق جفت کے مشابہ ہوا کرتے ہیں مثلاً نو اور پانچ کا عدد ان دونوں میں سے صرف ایک ہندسہ دور کرتے ہی دو جفت عددوں میں انقسام ہوتا ہے اور نو کا ہندسہ اگر چہ دو برابر حصوں میں منقسم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برابر برابر تین حصے ہو سکتے ہیں ایسے ہی بعض جفت ہندسہ طاق کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً بارہ تین بار چار عدد لینے سے حاصل ہوتا ہے اور چھ کا ہندسہ دو کو تین بار لینے سے بنتا ہے اور تمام طاق اعداد میں امام اور جفت کی مشابہت سے نہایت دور ایک کا عدد ہے اور اس ایک کے بعد اس کے وارث اور جانشین تین اور سات کے اعداد ہیں اور جو اعداد ان کے علاوہ اور ہیں وہ ایک عدد کے خاندان اور امت میں سے ہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اکثر ایک تین اور سات کے عدد کو پسند فرمایا ہے اور جب بمقتضائے حکمت ان اعداد سے زیادہ کسی اور عدد کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اختیار کیا گیا۔ جو ان کی ترقی دینے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک کی ترقی سے دس اور سو اور ہزار نیز گیارہ حاصل ہوتا ہے اور تین کی ترقی سے تیس اور تینتیس اور تین سو حاصل ہوتے ہیں اور سات کی ترقی سے ستر اور سات سو حاصل ہوتے ہیں جو عدد ترقی کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ گویا بعینہ وہی عدد ہوتا ہے جس کو بڑھالیا ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ہر نماز کے بعد سو کلموں کا پڑھنا مسنون فرمایا ہے پھر تین تین مرتبہ تینتیس تینتیس پر اس کو تقسیم کر دیا ہے اور تاکہ پوری حالت طاق کی ہو جائے اور انتہا طاق عددوں کی امام یا جانشین کی طرف ہو ایک کو زائد کر دیا ہے اور اعداد کی طرح ہر ایک مقولہ جو ابر اور عرض کے لیے بھی ایک امام اور جانشین ہوا کرتا ہے۔ مثلاً نقطہ بمنزلہ امام کے ہے اور دائرہ اور کرہ اس کے جانشین ہیں۔ اور امام سے بہ نسبت اور شکلوں کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ میرے والد قدس سرہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انہوں نے ایک بڑے واقع کا معائنہ کیا اس واقع میں حیوۃ، علم، ارادہ اور تمام صفات الہیہ یا انہوں نے فرمایا کہ الحی العلم المرید اور تمام اسمائے الہیہ ان دونوں میں مجھ کو ٹھیک معلوم نہیں کہ کیا فرمایا۔ بہر حال یہ صفات یا اسماء سب نہایت نورانی دائروں کی شکل میں سامنے آئے پھر انہوں نے مجھ کو آکاء یا کہ بسیط اشیاء کا اشکال کی صورت میں پیش ہونا انہیں اشکال میں ہوا کرتا ہے جو نقطہ سے زیادہ قریب ہوں اور ایسی شکل سطح میں دائرہ اور جسم میں کرہ ہوا کرتے ہیں۔ انتہی کلامہ جاننا چاہیے کہ وحدت کا عالم کثرت میں نازل ہونا عالم مثال کے خاص تعلقات اور ارتباطوں کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور انہیں تعلقات کی وجہ سے تمام واقعات صورت پکڑا کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے زبان قدم کا ترجمان انہیں ارتباطات کا لحاظ رکھا کرتا ہے۔

دوسرا قاعدہ ان اعداد کے راز ظاہر کرنے میں جن کا بیان ترتیب یا ترغیب کے موقع میں آیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ پیغمبر ﷺ کے سامنے نیکی اور برائی کے عادات پیش کیے جاتے ہیں۔ نیکی کے فضائل اور برائی کے عیوب آپ پر منکشف ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ

جس طرح آپ کو بتاتا ہے ویسے ہی آپ بیان کر دیتے ہیں انکشاف کے وقت جس چیز کا جو حال آپ کو معلوم ہوتا ہے اس کا عدد آپ بتاتے ہیں۔ اس عدد میں اس امر کا منحصر ہونا متصور نہیں ہوا کرتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے سب اچھے اور برے اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے تو ان کے عمدہ اور نیک اعمال میں سے میں نے راستہ میں سے کسی اذیت کو دور کرنا بھی پایا اور ان کے برے اعمال میں سے مسجد میں لعابِ دہن کو پایا جو مسجد میں بغیر دبائے دیسے ہی چھوڑ دیا جائے اور نیز آپ نے فرمایا کہ میری امت کے اجر میرے سامنے پیش ہوئے حتیٰ کہ وہ خاشاک بھی جس کو آدمی مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں پیش کیا گیا اور میری امت کے گناہ بھی مجھ پر پیش ہوئے ان میں میں نے اس سے زیادہ کوئی گناہ نہیں پایا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو اور اس کو وہ بھلا دے۔ اسی قاعدہ پر آنحضرت ﷺ کے اس قول کو قیاس کرنا چاہیے کہ تین شخصوں کو دودھ دواجر ملیں گے ازل اہل کتاب جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ دوسرے کسی کا غلام اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرے وہ شخص جس کے پاس کوئی کنیزک ہو وہ اس سے ہمبستر ہوتا تھا پھر اس کو ادب سکھایا اور اچھی طرح اس کو تعلیم دی اور اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیا اس کو بھی دواجر ملیں گے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے گا نہ اس کو ستھرا کرے گا۔ ایک بوڑھا آدمی زانی دوسرے جھوٹا بادشاہ تیسرے متکبر حاکم۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ چالیس خصلتیں ہیں ان سب میں سب سے زیادہ دودھ کی بکری کسی کو دے دینا ہے تاکہ وہ شخص اس کے دودھ اور ان سے فائدہ اٹھالے اور پھر یہ شخص اس کو واپس لے لے۔ ان چالیس میں سے جو شخص ایک خصلت کو بھی بامید ثواب اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرنے کے لیے کرے گا اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور کبھی آنحضرت ﷺ کو کسی عمل کے فضائل یا کسی شے کے اجمالی ذکر ظاہر ہوتے ہیں تب آنحضرت ﷺ فضائل کے منقبض کرنے کی وجہ سے قائم کرنے میں اجتہاد کرتے ہیں اور اس کے لیے ایسا عدد مقرر کرتے ہیں جو کثیر الوقوع یا عظیم الشان وغیرہ ہوا کرتا ہے اسی پر قیاس کر لینا چاہیے آنحضرت ﷺ کے قول کو کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو ستائیس درجہ فضیلت ہے **صلوة الجماعة تفضل صلوة الفرد سبع وعشرين درجة**۔ (اس لیے کہ ستائیس کے عدد کو تین میں ضرب دینے سے پھر مضروب فیہ کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کی نظر میں جماعت کے فائدے تین قسم کے تھے ایک وہ جس کا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے اس میں تہذیب آ جاتی ہے قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور دیکھی طاقت دب جاتی ہے اور ایک حصہ کا اثر لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے کہ ایک مبارک روش ان میں پھیلتی ہے لوگ اس میں ایک دوسرے سے زیادہ شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ان میں تہذیب آتی ہے۔ اور سب مل کر حقائق نہ برتاؤ کرتے ہیں اور ایک حصہ کا اثر ملتِ مصطفویٰ پر پڑتا ہے کہ اس میں اصلی شادابی اور تروتازگی رہتی ہے۔ تحریف یا سستی اس میں نہیں مل سکتی اور نیز پہلے حصہ میں تین قسمیں ہیں۔ بارگاہِ خداوندی اور ملاہ اعلیٰ سے نزدیکی ان کے لیے نیکیاں مندرج کی جاتی ہیں اور ان سے برائیاں دور رہ جاتی ہیں ایسے ہی دوسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں۔ لوگوں کے خاندان اور شہر کا نظم رہنا۔ دنیا میں ان پر برکتوں کا نازل ہونا آخرت میں ایک دوسرے کے لیے شفاعت لڑنا اور تیسرے حصہ میں بھی تین امر پر منفعت ہیں۔ ملاہ اعلیٰ کی اتناقی کوشش کا جاری ہونا اللہ کی رازری و لوگوں کا ہونا بعض لوگوں کے انوار کا بعض پر تو پڑنا۔ اور ان نو امور میں سے ہر ایک میں بھی تین تین نو بیاں

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لوگوں سے خوشنودی۔ فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا۔ شیاطین کو لوگوں سے روپوشی اور ایک روایت میں بجائے ستائیس کے پچیس کا عدد آیا ہے اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں پچیس خوبیاں ہیں۔ اول لوگوں کا استقلال، دوسرے لوگوں کی جماعت میں باہمی الفت، تیسرے ان کے مذہب کی پائیداری، چوتھے فرشتوں کا محفوظ ہونا۔ پانچویں لوگوں سے شیاطین کا روپوش ہونا۔ اور ان پانچ میں سے ہر ایک صورت میں پانچ پانچ خوبیاں ہیں۔ ① خداوند عالم کی خوشنودی ② دنیا میں لوگوں کا بابرکت ہونا ③ ان کے لیے نیکیوں کا لکھا جانا ④ خطاؤں کی معافی ⑤ آنحضرت ﷺ اور فرشتوں کی ان کے لیے شفاعت کرنا۔ وجوہ ضبط کے لیے ان روایتوں میں اختلاف ہو گیا ہے کبھی کسی شے کی عظمت اور برائی ظاہر کرنے کو کوئی عدد دیا کرتے۔ ایسے موقعہ پر عدد کا اظہار صرف مثالی طور پر ہوا کرتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں فلاں شخص کی محبت میرے دل میں پہاڑ کے برابر ہے یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ جب مسلمان قبر میں منکر نکیر کو ٹھیک جواب دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا اور اس وقت اس مسلمان کی قبر حد بھر یا ستر گز تک پھیل جاتی ہے۔ یا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی مکہ اور بیت المقدس میں وسعت ہے۔ یا آپ کا قول ہے کہ میرے حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے۔ جتنی شہر ایلہ سے عدن تک ہے۔ ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کی جاتی ہے کبھی کوئی مقدار، لیکن اصلی غرض کے لحاظ سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا۔

تیسرا قاعدہ مقادیر کے اندازہ میں یہ ہے کہ کسی شے کی مقدار ایسی ظاہری معین کی جائے جس کو مخاطبین اس حکم کے نظائر میں استعمال کیا کرتے ہیں۔ یہی مناسب ہے کہ اس کو حکم کے مدار علیہ اور حکم کی حکمت سے مناسبت ہو۔ اس لیے درہموں کو اوقیوں (ایک اوقیہ کے پالیس درہم ہوتے ہیں) اور خرما کا اندازہ دستوں (ساتھ صاع) سے کرنا مناسب ہے ایسا حصہ بھی ذکر نہ کرنا چاہیے جن کو محاسب غور و خوض سے نکالیں۔ جیسے ستر ہواں، انیسواں حصہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرائض اور سہام میں ایسی کسریں ذکر کی ہیں جن کا نصف اور دو چند کرنا اور ان کا مخرج نکالنا نہایت آسان ہے ان سہام کے اللہ تعالیٰ نے دو حصے قرار دیے ہیں، چھٹا تہائی۔ دو تہائیاں ② آٹھواں چوتھائی نصف۔ اس میں بھی راز ہے کہ ان میں قابل زیادہ کی فضیلت اور قابل کمی کا نقصان ظاہر نظر میں معلوم ہو جایا کرتا ہے اور ادنیٰ و اعلیٰ پر مسائل کا نکالنا آسان ہوا کرتا ہے۔ ان مقادیر مذکورہ کے علاوہ اگر کسی اور مقدار مقرر کرنے کی ضرورت پڑے تو یہی مناسب ہے کہ ایک اور نصف کے درمیان دو تہائیوں سے اور چہارم اور نصف کے بیچ میں ایک تہائی سے زیادہ تجاوز نہ کریں اس لیے کہ اور حصہ ان دونوں حصوں کی نسبت زیادہ مخفی ہیں اور اگر کسی شے کثیر کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو یہی مناسب ہے کہ تین سے اندازہ کریں اور اگر اس سے بھی زیادہ اس کی کثرت بیان کرنی ہو تو دس کے عدد سے اس کا اظہار کریں اور جب کوئی شے کم بھی ہو اور زیادہ بھی۔ تو چھوٹا اور بڑا مرتبہ لے کر اس کو نصف کر لیں، زکوٰۃ کے باب میں پانچواں اور دسواں اور بیسواں اور چالیسواں حصہ معتبر کیا گیا ہے اس لیے کہ صدقہ زیادہ کرنے کا مدار آبادی کی وسعت اور منفعت کی کمی پر ہے اور تمام اہل ولایت کے پیشے اور مطالب صرف چار مرتبوں ہی سے منتظم ہوا کرتے ہیں ان میں یہ بھی مناسب تھا کہ دو دو مرتبوں میں فرق صاف طور پر مبین ہو جائے یعنی ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ سے دو چند ہونا معلوم ہو جائے آئندہ اس کی تفصیل بیان کی جائے گی جب دولتمند کا اندازہ کیا

جائے تو ان امور کا لحاظ کرنا چاہیے کہ جن کو عرفاً و ملتندی میں دخل ہے یا دولتندی کے احکام و آثار کو دیکھنا چاہیے اور شرقاً و غرباً عرب و عجم کے مکلفین کے حالات سے ان امور کو اخذ کرنا چاہیے اور مانع نہ ہونے کی صورت میں جو قدرتی طریقہ کے موافق ان کی کیفیت ہوا کرتی ہے اس کو خیال میں رکھنا چاہیے اگر لوگوں کی عام حالت اور عادت پر اس کو جہنی نہ کریں گے تو ان کے حالات میں پریشانی ہو جائے گی۔ اس واسطے سابقین عرب کا ہی حال قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی ہی عادات کے موافق شریعتوں کی قرارداد ہوئی ہے اسی لحاظ سے شرع نے پانچ اوقیوں سے کمتر کا اندازہ کیا ہے۔ اکثر آبادی کے حصوں میں ایک چھوٹے سے خاندان کو ایک سال تک کے لیے یہ مقدار کافی ہوا کرتی ہے ہاں اگر قحط سالی ہو۔ یا شہری بہت بڑے بڑے ہوں یا ایسے شہروں کے پرگنات ہوں تو اس قدر رقم صرف کے لیے وفانہ کرے گی اور بکریوں کے چھوٹے ریوز کا اندازہ چالیس سے اور بڑے کا ایک سو بیس سے کیا گیا ہے اور زیادہ کھیتی کا اندازہ پانچ دستوں سے کیا گیا ہے ایک دست ساٹھ صاع کا ہوا کرتا ہے اس لیے کہ کسی چھوٹے سے خاندان میں ایک خاوند ہوگا اور ایک اس کی بیوی اور تیسرا شخص خادم ہوگا یا ان کا کوئی لڑکا اور روزانہ خوراک ایک آدمی کی ایک مد یا ایک رطل ہوگی اور اس کے ساتھ سالن وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی اور ایک سال کے لیے اتنی مقدار سے کار براری ہو سکتی ہے اور اب کثیر کا اندازہ قلعین سے کیا گیا ہے۔ اس قدر پانی کافی ہوا کرتا ہے اور معمولی ظروف میں اتنا پانی نہیں آ سکتا۔ انہیں اندازوں پر اوروں کو بھی قیاس کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب

باب ۶۳

قضاء اور رخصت کے اسرار میں

جاننا چاہیے کہ سیاست کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی شے کا حکم کیا جائے یا کسی شے سے لوگ روکے جائیں اور جی طہین کو اس حکم کے تعمیل پر غرض معلوم نہ ہو تو ضروری ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے اکثر اوامر و نواہی کے صراحۃً بیان کرنے سے اکثر جگہ سکوت فرمایا ہے البتہ راہین فی العلم کے لیے کسی قدر ان اسرار کو ذہن نشین کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاطین دین یعنی ضفاء و راشدین اور آئمہ اہل بیت کی توجہ مذہبی امور کے قائم کرنے کی طرف بہ نسبت ان کی ارواح قائم کرنے کے زیادہ تر تھی۔ حتیٰ کہ حضرت مہر مجتہد سے روایت ہے کہ میں نماز کی حالت میں بحرین کے خزینہ کا شمار کرتا ہوں۔ اور نماز کی حالت میں لشکر کا سامان کرتا ہوں۔ اسی لیے پہلے سے اور بعد میں فقیہوں کا یہی طریقہ چلا آیا ہے کہ فتویٰ دیتے وقت وہ مسئلہ کی دلیل کے بیان کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حکم مامور کے اختیار کرنے کا نہایت اہتمام کیا جائے۔ اس کے ترک پر لوگوں کو نہایت ملامت کریں لوگوں کے دل تعمیل احکام کی جانب مائل اور مالوف کیے جائیں اور ان کو شوق دلایا جائے تاکہ حق باتوں کی خواہش ان کے ظاہر باطن کو ہر طرف سے احاطہ کر لے اس حالت کے بعد اگر احکام کی تعمیل سے کوئی ضروری مانع بازرگانی تو ضرور ہے کہ کوئی ان کا بدلہ اور قائم

مقام قرار دیا جائے اس لیے کہ ایسی ضرورتوں میں مکلف کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا ہر شخص سے ایسے احکام کی تعمیل مشقت اور دقت سے کرائی جائے یہ موضوع شرع کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (اللہ تمہارے لیے آسانی کا قصد کرتا ہے۔ دقت اور دشواری وہ تمہارے لیے نہیں چاہتا یا ان احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے اس دقت میں نفس ان کے ترک کا عادی ہو جائے گا اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ نفس کی مشاقی ایسے ہی کروائی جاتی ہے جیسے کسی تند چار پایہ کو مشق کروائی جاتی ہے اس میں امر مطلوبہ کی رغبت اور الفت غنیمت سمجھی جایا کرتی ہے جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چار پایوں کو مشق کرواتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ہمیشگی سے الفت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی آسانی حاصل ہوتی ہے اور کام کے چھوڑ دینے سے الفت کیسی جاتی رہتی ہے اور نفس پر پھر اس کا کرنا کیسا گراں معلوم ہوا کرتا ہے اور جب قصد ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ جب کسی کام کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اس کے لیے قضا شروع ہو اور افعال کے لیے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں تاکہ آسانی اس امر کی تعمیل ہو جائے قضا اور رخصتوں کے قرار دینے میں عمدہ شے حدس کی قوت ہے جس سے مکلفین کی حالت کی شناخت ہوتی ہے اس عمل کی غایت عمل اجزا جن کا ہونا اس غایت کے حاصل کرنے میں ضروری ہے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے علاوہ حدس کے اس قضاء اور رخصتوں کے خاص خاص اصول بھی ہیں۔ جن کو راسخین فی العلم خوب جانتے ہیں: ① قضاء اور رخصت میں دو امر رکن اور شرط ہیں۔ ① جو اصلی امر کہ کسی شے کی حقیقت میں داخل ہو یا اس شے کو کوئی امر لازم ہو کہ اس سے اصل کی غرض پر لحاظ کرنے سے بدوں اس لازم کے وہ شے غیر معتد بہ ہو مثلاً دعایا جھکنا جس سے تعظیم معلوم ہوتی ہے اور خصائل طہارت اور خشوع پر نفس کو متنبہ کرنا جو امور اس قسم کے ہوں گے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ناگواری یا بہجت کی حالت میں فروگزاشت کیے جائیں اس لیے کہ ایسے امور کے ترک کرنے سے عمل بالکل بے اثر ہو جایا کرتا ہے۔ ② وہ امور جو اوروں کی تکمیل کے لیے ہوا کرتے ہیں وہ اور معافی کے لیے واجب قرار دیئے جایا کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اصلی فرض مکمل صورت میں حاصل ہوا کرتی ہے یہ قسم اس قابل ہے کہ ضرورتوں اور ناگواریوں کی حالت میں اس میں رخصت دی جاسکتی ہے۔ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحیری پر کفایت کی جاسکتی ہے اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کر سکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کر کے تیمم کر سکتا ہے اور جس کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفاء کر سکتا ہے جس کو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے جو رکوع یا سجدہ نہ کر سکتا ہو اس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہو سکتی ہے ③ قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شے باقی رکھنی چاہیے جس سے اصل یاد آ جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے اس سے رخصتوں کی تجویز کرنے سے جو غرض مطلوب ہے کہ پہلے عمل سے بھی الفت باقی رہے وہ بھی حاصل ہوا کرتی ہے۔ اس صورت میں نفس کو پہلے عمل کا انتظار سار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسح موزوں میں موزہ پہننے کے وقت طہارت مشروط ہے اور اس کی ایک مدت قرار دی گئی ہے جس سے مسح کا اختتام ہو جایا کرتا ہے اور قبلہ میں تحیری شرط ہے ③ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک ہرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ ہرج کے طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے تو طاعت بالکل

مترک ہو جائے اور زیادہ تر اہتمام رخصتوں سے محنت اور سختی کو برداشت کرنا بالکل جاتا رہے اور ایسی محنت برداشت کرنے سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ شریعت کی پیروی کی جاتی ہے اور نفس میں استقامت ہے اس واسطے مستضائے حکمت یہ ہے کہ صرف انہیں وجوہ سے رخصتیں متعلق کی جائیں جو کثیر الوقوع ہیں اور ان میں گرفتاری اکثر ہوا کرتی ہے خاص وہ ان لوگوں میں زیادہ پیش آیا کرتے ہیں جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی عادات کے موافق شریعتوں کا تقرر ہوا ہے اور اس امر کا لحاظ ضرور ہونا چاہیے کہ طاعت کا اثر بالخاصیت ہو جہاں تک ممکن ہو۔ اسی واسطے سفر میں قصر مشروع ہے پر مشقت پیشوں اور کاشتکاروں یا اور کارنگروں کے لیے قصر تجویز نہیں کیا گیا ہے اور خوشحال اور غیر آسودہ مسافر کی حالت ایک سی ہی کی گئی ہے بعض قضا بہ مثل معقول ہوا کرتی ہے اور بعض بہ مثل غیر معقول اور چونکہ طاعت اس کا نام ہے کہ خداوندی حکم کی دل سے اطاعت کی جائے اور نفس میں خداوندی تعظیم جائز نہیں ہو تو جس شخص کا عمل بااقتصد اور بدون عزیمت ہو یا وہ شخص ایسا ہو کہ اس کا قصد کامل نہیں ہوا کرتا اور کما ینبغي تعظیم اس میں نہیں راسخ ہوا کرتی تو ایسے شخص کو معذور رکھنا چاہیے اور اس کو زیادہ سختی میں نہ ڈالنا چاہیے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ سونے والے اور لڑکے اور مجنون سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے۔ رفع القلم عن ثلاثة عن النائم و الصبی و المعتوه۔ واللہ اعلم

باب ۱۳

تدابیر کے قائم کرنے اور رسموں کی اصلاح میں

ہم نے پہلے یہ بتایا اشارتاً ذکر کیا ہے کہ تدابیر دوم و سوم حصہ کے اصول پر آدمی مجبور کیا گیا ہے انہیں اصولوں کی وجہ سے وہ اور باقی حیوانات سے ممتاز کیا گیا ہے یہ بالکل محال ہے کہ لوگ ان تدابیر کو ترک کر دیں لوگ ان تدابیر سے اکثر حصہ کے پورا کرنے میں ایسے حکیم کے متانت و ادارت میں جو انسانی ضرورتوں سے واقف ہو ان تدابیر سے مستفیع ہونے کا احتک اس کو آتا ہو مصالح کلیہ کا وہ لحاظ رکھتا ہو وہ حکیم غور و فکر سے ان اصول کو مستحضر کرتا ہو یا اس کے نفس میں پیدائشی طور پر قوت ملے ہو جو جس کی وجہ سے اس کا نفس ملامت علی سے ملامت نازل ہونے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہو یہ طریقہ انکشاف کا ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ کامل اور قلیل اعتدال ہوا کرتا ہے۔

رسم باب تدابیر میں ای درجہ کی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ دل بدن کے لیے لیکن رسموں میں ایسے لوگوں کی ریاست کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو جایا لڑتی ہیں۔ جن کو مثل علی سے پھوس نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے وہ سہمی یا شہوانی یا شیعانی اعمال کے خوگر ہو کر اور لوگوں میں نورو ان دیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے پیرو ہو جایا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور وجوہ سے بھی رسوم میں اتھری بڑھ جایا کرتی ہے۔ ان رسوم کے روکنے کے لیے ایک زبردست آدمی کی ضرورت پڑا کرتی ہے جو غیب سے مویہ ہو۔ مصدق علی کو وہ دل

سے مانتا ہو۔ ایسا شخص لوگوں کی رسومات کو ایسی ایسی تدابیر سے حق کی جانب مائل کر دیا کرتا ہے۔ جن کی طرف رہبری صرف انہیں لوگوں کو ہوا کرتی ہے جو روح القدس سے موید ہوا کرتے ہیں۔ جب اس قدر معلوم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہیے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اولاً اور بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لیے ہوا کرتی ہے لیکن اب انہیں کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوا کرتا ہے کہ خراب رسومات کی بیخ کنی ہو جائے اور تدابیر کے طریقوں پر لوگوں میں آمادگی پیدا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: بعثت لمحق المعازف. (میں دفوں اور لہوؤں کے معدوم کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں) اور ارشاد فرمایا ہے: بعثت لاتمم مكارم الاخلاق. (میں بزرگ عادات کے کامل کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں) معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کی مرضی اس میں نہیں ہے کہ تدابیر دوم و سوم متروک کر دی جائیں انبیاء میں سے کسی نے بھی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان بالکل بے ہودہ ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور برائی بھلائی میں لوگوں سے بالکل میل جول ترک کر دیتے ہیں وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو دنیا سے کنارہ کشی کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا ہے: ما بعثت بالرهبانية و انما بعثت بالملة الحنيفة السمحة. (میں رہبانیت سکھانے کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ ایک مذہب سراپا راسخی اور آسان کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں) ہاں انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تدابیر و نافع میں اعتدال پیدا کر دیں اور عیش و آرام میں زیادہ خوض کرنے والوں کی حالت سلاطین عجم کی سی نہ ہو جائے اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی کو ہستانی چوٹیوں کے باشندوں کیسی ہو جائے جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہے اس موقع پر دو مخالف قیاس جمع ہو گئے ہیں ❶ یہ کہ آسودگی اور آرام سے بسر کرنا عمدہ بات ہے اس سے مزاج درست ہو جاتا ہے۔ اخلاق میں راستبازی پیدا ہوتی ہے اور وہ اوصاف لوگوں میں ظاہر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہیں۔ اور سوء تدبیر سے عبادت اور عاجزی وغیرہ اوصاف پیدا ہوا کرتے ہیں ❷ یہ کہ آسودگی بڑی چیز ہے اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتی ہے مخنتیں بھگتتی پڑتی ہیں۔ جانب غیب سے اس کی وجہ سے اعراض ہو جایا کرتا ہے اخروی تدابیر کو خوشحالی کی وجہ سے لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں انہی واسطے پسندیدہ امر یہ ہے کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار و آداب کو پیوند کر دیں۔ اور عالم جبروت کی جانب متوجہ ہونے کے لیے فرصت کی متلاشی رہیں اس باب میں تمام انبیاء علیہم السلام نے جو اللہ کی جانب سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ ان امور میں جو لوگوں کے استعمال میں ہیں بخوبی توجہ کی جائے یہ دیکھا جائے کہ کھانے پینے لباس کے آداب تعمیر آرائش کے اسباب لوگوں میں کیا کیا ہیں۔ ان میں نکاح کا طریقہ اور زن و شوہر کی سیرت کیا ہے وہ باہمی خرید و فروخت کن وجوہ سے کرتے ہیں۔ جرائم سے باز رکھنے کے لیے کیا کیا تعزیرات ان میں مستعمل ہیں۔ مقدمات کا فیصلہ وہ کس طرح کرتے ہیں۔ وطنی ہذا اور امور کا بھی اندازہ کرنا چاہیے کہ اگر یہ امور رائے کلی کے مناسب اور اس پر منطبق ہوں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا بے معنی ہے بلکہ لوگوں کو ایسے امور پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہیے اور ان میں ان کی درستی رائے ظاہر کر دینی چاہیے اور جو جو مصلحتیں ان میں مضمر ہیں وہ بتا دینی چاہئیں اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ ان کے سبب سے ایک شخص دوسرے کا ایذا رساں ہو سکتا ہو یا دنیوی لذات میں ان کی وجہ سے زیادہ انہماک ہو۔ یا مرتبہ احسان سے ان کی وجہ سے اعراض ہوتا ہو یا ان سے بے غمی ایسی پیدا ہوتی ہو جن سے دنیوی یا اخروی وغیرہ مصلحتیں فوت

ہوتی ہوں تو ان امور کی تبدیلی ایسی صورت میں کرنی چاہیے جو لوگوں کے مالوفات کے بالکل مخالف نہ ہو۔ بلکہ ایسے نظائر میں ان کو بدلنا چاہیے جو لوگوں میں شائع ہوں۔ یا ان نظائر کی جانب ان کو بدلیں جو ایسے صالحین کی روایت سے مشہور ہوں جن کی بھلائی پر لوگوں کی زبان پر شہادت ہوتی چلی آئی ہو یہ تبدیل شدہ امور ایسے ہوں کہ اگر ان کے سامنے وہ پیش کیے جائیں تو ان کی عینیتیں ان امور کو دفع نہ کریں بلکہ اطمینان سے معلوم کر سکیں کہ یہ تبدیلی حق اور صحیح ہے۔

وہ لوگ جن کا علم راسخ ہے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ شرع نے ابواب نکاح، طلاق، معاملات، زینت، لباس، حکومت، حدود، تقسیم میراث میں وہ امور قرار نہیں دیئے ہیں جن سے لوگ محض ناواقف ہوں۔ ان کے مکلف کرنے سے وہ تردید میں پڑ جائیں۔ بلکہ شرع نے ان امور کی کجی کو درست کر دیا ہے اور کمزور حالت کو قوی کر دیا ہے اس زمانہ کے لوگوں میں روخواری کی کثرت ہوئی تھی اس سے وہ روک دیئے گئے۔ بہار آنے سے بیشتر پھلوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ جب پھلوں کو صدمہ پہنچتا تھا تو جھنڈے کیا کرتے تھے اس واسطے اس بیج سے بھی روک دیئے گئے۔ عبدالمطلب کے زمانہ میں دیت کے لیے دس اونٹ معین تھے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ قتل سے باز ہی نہیں آتے تب بجائے دس کے سو کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی یہی سو باتی رکھے۔ قسامہ (قتل کا حال معلوم نہ ہو تو قسم سے فیصلہ کیا جائے) کی اولاً قرار داد ابوطالب کے حکم سے ہوئی تھی۔ سردار قوم کے لیے مال غنیمت میں چہارم حصہ مقرر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جگہ ہر ایک غنیمت میں سے خمس مقرر فرمایا کیقباد اور کیقباد کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور وہ یک مقرر کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی کے قریب قریب قرار دیا۔ بنی اسرائیل زانیوں کو سنگسار کیا کرتے تھے چوروں کے ہاتھ قطع کیا کرتے تھے۔ جان کے بدلہ میں جان لیا کرتے تھے۔ یہی احکام قرآن مجید میں بھی نازل ہوئے ہیں اس قسم کے احکام بکثرت ہیں متلاشی پر مخفی نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اگر کوئی فہیم ہو اور احکام کے اطراف و جوانب پر اس کی نظر محیط ہو اس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عبادات میں بھی وہی طریقے مقرر کیے ہیں جو اس زمانہ کے لوگوں میں پائے جاتے تھے انبیاء کے احکام یا بعینہ وہی ہوتے ہیں جو لوگوں میں تھے یا ان کے قریب قریب ہوتے ہیں۔ البتہ انبیاء زمانہ جاہلیت کی تحریفات کو نکال دیا کرتے ہیں اور مبہم احکام کو اوقات اور ارکان سے منضبط کر دیا کرتے ہیں۔ اور جو احکام گمشدہ ہوتے ہیں ان کو شائع کر دیا کرتے ہیں۔

معلوم کرنا چاہیے کہ جب عجم اور روم کے لوگ مدہائے دراز سے سلطنت کے وارث ہوتے چلے آئے ہیں اور دار آخرت کو بھول کر دنیوی لذت میں فرو رفتہ ہو گئے اور شیطان ان پر غالب آ گیا تو انہوں نے معیشت کے منافع میں بہت غرض کیا انہیں امور کو مایہ ناز قرار دیا۔ اطراف عالم سے علماء لی ان کے پاس آمد و رفت رہی یہ لوگ معاش کے منافع کو ان کے لیے مستنہط کرتے رہے اور وہ ہمیشہ ان امور پر عملدرآمد کرتے رہے ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کا سامی رہا۔ شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اگر ان میں سے کسی رئیس کی بیٹی یا تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی تھی تو اس پر طعن و تشنیع کرتے تھے ان کی نظر میں بڑا عیب تھا کہ کسی رئیس کے پاس نہایت بلند ایوان اور آبن حمام باغات نہ ہوں آرام کے لیے چار پائی نہ ہو یا خوبصورت غلام کھانوں میں زیادہ وقت لباسوں میں قبل نہ ہو بہت سے ایسے ہی امور تھے جن کے ذکر میں طول ہے اور اپنے

شہروں کے سلاطین کے حالات جو تم خود دیکھ رہے ہو ان کے ہوتے ہوئے ان گزشتہ حالات کی کیا ضرورت ہے بہر حال یہ سب امور ان کے اصول زندگی میں داخل ہو گئے تھے اگر ان کے دلوں کے ریزہ ریزہ کر دیئے جاتے یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں۔ ایسی بے اعتدالیوں سے اعضائے شہر میں ایک نہایت سخت بیماری سرايت کر گئی تھی اور بڑی آفت برپا ہو گئی تھی۔ رعایا میں سے دہقانوں میں سے امیر و غریب سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر یہ عیش و آرام ان کے دست بہ گریبان نہ ہو گئے ہوں ان کو تھکا تھکا کر بے انتہا مصائب اور رنجشوں میں نہ پھنسا دیا ہو۔ یہ عیش و آرام زیادہ تکالیف کے باعث اس لیے ہو گئے تھے کہ جب تک بہت سا مال صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتے اور مال کی اتنی مقدار پیدا کرنے کے لیے ضرور ہے کہ کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کیے جائیں۔ وہ خوب کیے جائیں اگر یہ لوگ ٹیکسوں کے ادا کرنے سے دست کشی کریں تو حکام کو ان سے لڑنا پڑے گا۔ طرح طرح کی ان کو تکالیف دینا ہوں گی۔ اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں گے تو حکام گدھے اور بیل کا سامان کا درجہ کر دیں گے جو آب پاشی، جو تنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کیے جاتے ہیں صرف اپنی مطلب برآری کے لیے یہ چار پائے ذخیرہ کیے جاتے ہیں ایک گھنٹہ محنت سے ان کو فرصت نہیں ملا کرتی۔ امراء ایسی ہی گرفتار بلا ہو کر سعادت اخروی کی طرف سراٹھا کر نہیں دیکھتے اور اس مرتبہ کے قابل بھی نہیں رہتے اور نیز اکثر بڑے بڑے ملک ایسے ہوا کرتے ہیں جن میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوا کرتا۔ جس کو دین کا اہتمام اور خیال ہو اور نیز یہ سب عیش کے سامان ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتے ہیں جن کا پیشہ یہی ہوتا ہے کہ کھانے کی چیزیں، لباس، عمارات وغیرہ کو درستی سے کرتے رہیں۔ ایسے لوگ پیشوں کے ان اصول سے پہلو تہی کرتے ہیں جن پر نظام عالم کا مدار ہے ان کے علاوہ اور عام لوگ جو بڑے لوگوں کے حضور میں رہتے ہیں ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ہیں ورنہ ان کو ان امراء کی خدمت میں باریابی نہ ہو۔ ان کے دلوں میں ان کی کچھ وقعت نہ رہے اور نیز اکثر عام لوگ حکام پر بار ہو جاتے ہیں ان پر وہ مختلف طریقوں سے متقاضی رہا کرتے ہیں بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم غازی اور شہر کے منتظم ہیں ایسے لوگوں کی وہ روشیں تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے صرف اپنے بزرگوں کے حالات ہی کے پیرو رہا کرتے ہیں اور بعض مدعی ہوتے ہیں کہ ہم شعراء ہیں جن پر انعام و اکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوا کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم درویش اور پارسا ہیں بادشاہوں کو زیبا نہیں ہے کہ ان کے حالات کے پراساں نہ ہوں۔ اس واسطے یہ فرتے ایک دوسرے کی تنگدلی کے باعث ہوتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اس پر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ سلاطین کی خدمت میں رہیں۔ ان سے نیاز مندانه پیش آئیں۔ شائستگی سے ان کے ساتھ گفتگو کریں ان کی خوشامد کرتے رہیں انہیں فنون میں ان کی فکریں ڈوبی رہتی ہیں اس کی وجہ سے ان کے اوقات غارت ہوتے رہتے ہیں جب اس قسم کے مشغلے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں پوچ اور ہرزہ باتیں جاگزیں ہو جاتی ہیں اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے رہتے ہیں۔

اگر تم کو اس مرض کی واقعی حقیقت معلوم کرنی ہو تو ان لوگوں کی حالت میں غور کرو جن کو امور سلطنت سے آزادی ہوتی ہے اور لذیذ کھانوں عمدہ لباسوں میں زیادہ انہماک ان کو ہوا کرتا ہے۔ ہر شخص ان میں سے خود مختارانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ گراں گراں ٹیکسوں کا بار ان پر نہیں ہوا کرتا۔ ایسے لوگوں کو مذہبی امور کے ادا کرنے کی مہلت مل سکتی ہے پھر انہیں لوگوں کی اس حالت کو خیال کرو کہ ان

کے ہاتھ زمام خلافت آجائے رعایا کو وہ اپنا مطیع بنا کر ان پر اپنا قبضہ کر لیں۔

جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور اس قسم کی بیماری بہت سخت ہوئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اور مددگار مقررین نے ان پر غصہ ظاہر فرمایا اللہ کی مرضی ہوئی کہ اس مادہ فساد کو بالکل قطع کر دے۔ اس واسطے اس نے اس غرض کے پورا کرنے کے لیے ایک نبی امی پیغمبر کو مرسل کیا۔ جس کا عزم اور روم سے کسی قسم کا میل جول نہ ہوا تھا ان کے رسوم کو اس نے بالکل اختیار نہ کیا تھا۔ اس پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے میزان قرار دیا جس کو ان طریقوں کی پوری شناخت تھی جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ تھے اس نے عجیبوں کی رسموں کی مذمت بیان کی اور دنیوی زندگی میں مطمئن مستغرق ہو جانے کی قباحتیں ظاہر کیں۔ اس پیغمبر کے دل میں اللہ تعالیٰ نے القا فرمایا کہ لوگوں پر وہ امور حرام کر دیئے۔ جس کے بھی لوگ خوگر ہو گئے تھے۔ وہ امور ان میں مایہ زندگی ہو گئے تھے مثلاً ریشم کا استعمال (قسی) مرغوانی لباس سنہری اور روپہلی برتن سنہری زیور ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا کہ اس کی دولت سے ان کی دولتوں کا استیصال کر دے اور اس کی ریاست سے ان کی ریاستوں کو نیست و نابود کر دے۔ اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور نیز اس کے ذریعہ سے قیصر بھی ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر نہ ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسے ایسے منقشے پیدا ہو گئے تھے جن سے لوگ تک آگئے تھے۔ ان کا رفع ہونا جب ہی ممکن تھا کہ وہ بالکل اصل سے ہی اڑا دیئے جائیں۔ جیسے مقتولوں کے بدلہ میں خون لینا کوئی شخص کسی کو مار ڈالتا تھا تو مقتول کا ولی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا۔ پھر اس مقتول کا ولی بھی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا اور یہی حالت عود کرتی رہتی تھی اس کے رفع کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کل دم موضوع تحت قدمی هذا و اول دم اضعه دم ربیعہ (تمام خون میرے اس پاؤں کے نیچے باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلا خون جس کو میں باطل کرتا ہوں بچ کا ہے) اور جیسے میراثیں زمیندار قوم وارثوں کے متعلق مختلف احکام سے فیصلہ کیا کرتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ غصب سود خواری وغیرہ سے باز نہیں آتے تھے اس لیے ایک مدت گزرنے کے بعد سب اپنی اپنی دلیلیں پیش کیا کرتے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کل شیئ ادرکہ الاسلام تقسیم علی حکم القرآن۔ (زمانہ اسلام میں ہر چیز تقسیم قرآن کے موافق ہوگی) و کل ما قسم فی الجاہلیۃ او عازدہ انسان فی الجاہلیۃ بوجہ من الوحوہ فیو علی ما کان لا ینقض (اور جو شے زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہو یا کسی نے کسی طرح کسی شخص کے قبضہ میں آگئی ہو وہ بدستور اپنے مال پر باقی رہے گی) اور مثلاً سود اس زمانہ میں دینی شخص قرض دیتا تھا اور کسی قدر اس پر بیٹھنے کی شرط کر لیا کرتا تھا اسی طرح بڑے بڑے منوں تک مال پیش کیا کرتا تھا۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اسے باطل کرنے کا حکم فرمایا کہ لوگ نہ اوروں پر ظلم کریں نہ اوروں کے مظلوم بنیں ان کے مال و دار بہت سی خرابیاں تھیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کا وجود نہ ہوتا تو لوگ ان کو ترک کرنے والے نہ تھے۔

جاننا چاہیے کہ قبضہ زمین اس واسطے شروع ہوا کرتی ہیں کہ لوگوں کی دلی زمینیں اور ہو جائیں۔ جیسے زمین کو پانی دینے میں اہتمام میں بانب سے نشان دہانی کی ہے اس لیے کہ اکثر لوگوں میں اس کے متعلق منقشے ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے کون پانی زمین کو

دے اور شروع کرنے کے لیے کوئی وجہ ترجیح اور اولویت کی قابل تسلیم نہیں ہوا کرتی تو دفعِ خصومت کے لیے اسی قسم کا کوئی طریقہ ہو سکتا ہے اور جیسے امامت (جنازہ میں) مالک مکان کو ترجیح دی جاتی ہے اور جب ایک گھوڑے پر دو شخص سوار ہوں تو دوسرے رفیق پر مالک گھوڑے کو ترجیح ہے۔ وعلیٰ ہذا اللہ اعلم

باب ۶۵

ان احکام کے بیان میں جو بعض بعض سے پیدا ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (ہم نے تجھ سے پہلے انہیں لوگوں کو پیغمبر کیا ہے جن پر وحی بھیجی ہے اب اگر نہ جانتے ہو تو ذکروالوں سے دریافت کر لو) ہم نے تجھ پر قرآن اس واسطے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں سے نازل شدہ باتیں بیان کر دے اور امید ہے کہ لوگ غور کریں۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس واسطے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کو وہ عبادات کے طریقے بتائیں جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوئے ہیں تاکہ لوگ ان کا عملدرآمد کریں اور نیز اس واسطے مبعوث کیا ہے کہ گناہوں کے ابواب کی ان کو اطلاع کریں لوگ ان گناہوں سے احتراز کریں اور نیز پسندیدہ منافع کو بتائیں۔ اور لوگ ان کا اتباع کریں۔ اسی بیان میں یہ بھی مندرج ہے کہ وہ امور بھی بتائے جائیں جو وحی کے اقتضایا ایما سے ثابت ہوں۔ یہی اصول ہیں جن سے احادیث کا بہت بڑا حصہ نکالا گیا ہے ہم یہاں اُس میں سے اہم امور کو بیان کرتے ہیں۔

① یہ کہ جب اللہ کے طریقہ کی ایک خاص روش مقرر ہوتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اسباب کو مرتب کر کے مسبباتِ نو ان سے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کامل اور رحمتِ شامل سے مقصود ہے تو اس انتظامی حالت کا مقتضایہ ہے کہ خلقتِ الہی کو بدل دینا شرکی بات ہوگی اور خرابی برپا کرنے کی کوشش ہوگی اور ملاءِ اعلیٰ کو اس قسم کے امور سے نفرت پیدا ہوگی مثلاً اللہ تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش ایسی کی ہے کہ اکثر اوقات وہ زمین میں کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتا تو حکمتِ الہی کا مقتضایہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی باقی رہے بلکہ بکثرت آدمی دنیا میں پھیلیں اس لیے اس نے تناسل اور توالد کے قوی آدمی میں پیدا کیے اور نسل کی رشتیں اس میں پیدا کریں اور خواہشِ نفسانی کو اس پر غالب کر دیا تاکہ اس کی وجہ سے وہ کام پورا ہو جائے جس کو اس کی کامل حکمت نے ضروری قرار دیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس راز پر مطلع کر دیا اور اصلی حالت آپ پر باطل مکتشف ہو گئی۔ اس واسطے مناسب ہوا کہ آپ ان امور کو منع کر دیں۔ جن سے قطع نسل ہوتی ہو یا ان سے وہ قوتیں معطل ہو جاتی ہوں جو نسل کے باعث ہوتی ہیں یا وہ قوتیں بے موقع امور کی جانب مائل ہوتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے لواطت سے نہایت سختی کے ساتھ منع کر دیا اور عزل (یعنی انزال کے وقت عورت سے عیحدہ ہو جانا تاکہ حمل نہ قرار پائے) کو مکروہ قرار دیا۔ جاننا چاہیے کہ لوگوں کا مزاج جب سلیم

ہوا کرتا ہے اور ان کے مادہ میں احکام نوعی کے ظہور کی قوت ہوا کرتی ہے تو اس کی ایک معین شکل اور صورت ہوا کرتی ہے قد سیدھا ہوا کرتا ہے۔ جلد کھلی ہوئی ہوتی ہے اور ایسے ہی سب امور ہوا کرتے ہیں۔ یہ امور لوگوں میں احکام نوعی کا مقتضا اور امر ہیں۔ اور خیر عالی کی بھی خواہش ہے کہ نوع اور اس کی صورتیں زمین پر باقی رہیں۔ اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے اولاد کو توں کے مار ڈالنے کا حکم کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو منع فرما دیا اور ارشاد کیا: **انما امة من الامم**۔ (کتاب بھی گروہوں میں سے ایک گروہ ہے) یعنی خداوند عالم کو نوع کا وجود مطلوب ہے زمین سے اس کی صورتوں کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اس قسم کی خواہش کا یہ اثر ہے کہ نوعی احکام تمام افراد نوع میں ظہور پذیر ہوں اس واسطے اس خواہش کے خلاف کرنا اور اس مرضی کو رد کرنا نہایت قبیح اور مصلحت کلی کے بالکل خلاف ہے اسی قاعدہ سے ان بدنی تصرفات کا حکم نکلتا ہے جو احکام نوعی کے اندازہ کے خلاف ہیں۔ جیسے خنسی کرنا، اگلے دانتوں کے بیچ میں بہ تکلیف کشادگی پیدا کرنا، عورتوں کے چہرہ سے بالوں کو چننا وغلہ ہذا۔ باقی رہا آنکھوں میں سرمہ لگانا یا بالوں میں شانہ کرنا تو ایسے امور سے تو احکام نوعی کے ظہور کو اور مدد ملتی ہے یہ سب امور ان احکام کے موافق ہیں۔

جب خداوند تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لیے ایک شریعت قرار دی جس سے ان کے تمام حالات منتظم ہوں۔ ان کے احوال درست ہوں۔ اور عالم ملکوت میں اس شریعت کے رواج اور ظہور کا قصد اور شوق ہوا۔ اس لیے شریعت کی حالت بھی نوعی احکام کی سی ہو گئی جیسے زمین پر نوع کی صورتیں پھیلنے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی اس شریعت کا ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے فروگزاشت کرنے میں سعی کرنا ملاء اعلیٰ کی ناخوشی کا باعث ہے اور بالکل ان کی مقتضا کے خلاف ہے ان کی سطح ہمت سے بعید ہے ایسے ہی وہ منافع اور تداویر بھی بمنزلہ امر طبعی کے ہو گئے ہیں جن پر لوگوں کے عام فرقوں نے عرب ہوں یا عجم۔ قریب ہوں یا دور اتفاق کر لیا ہے۔ اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے قسموں اور سندوں دستاویزوں کو مشروع فرمایا جن سے اصلی حالات اور واقعات کا انکشاف ہوا کرتا ہے تو اس سے یہ لازم ہو گیا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم اللہ کے نزدیک اور فرشتوں کی نظر میں ناخوشی کا باعث ہے۔

اور انہیں امور بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے اپنے پیغمبر کو کسی حکم شرعی کی اطلاع کرتا ہے اور اس کی حکمت اور سبب بھی بتا دیا کرتا ہے۔ تو نبی کو اختیار ہوتا ہے کہ اس مصلحت کو اخذ کر کے اس کی کوئی علت قرار دے اور اس حکم کا مدار علیہ اس علت کو ٹھہرائے یہ نبی کا قیاس ہے اور امت کے قیاس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی حکم منصوص مایہ کی معلوم کر کے جہاں علت پائی جائے وہاں اس حکم کو بھی پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صبح شام اور سوتے وقت خاص خاص ذکر معین فرما دیے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نماز کے شروع ہونے کی حکمت پر اطلاع کی تو اس سے آپ نے یہ اجتہاد کیا۔

انہیں امور میں سے یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کسی آیت سے سیاق کلام کی وجہ دریافت فرما لیتے تھے اُردچ اور لوگوں کو کو اس کلام کے وقت یا چند اقوال کے ہونے سے وہ معلوم ہو نہیں سکتی تھی تو اپنے فہم کے موافق حکم قرار دیتے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **﴿اِنَّ الضُّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾** (کوہ صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو مفہوم ہوا کہ صفا کا مردہ ہے پہلے ذکر کرنا اسی بیان کے لیے ہے اسی طرح سعی کرنا مشروع ہے کہ پہلے صفا کی سعی کی جائے۔ پھر مردہ کی اس قسم کی تعلیم بھی سوال وغیرہ کی موافقت کے لیے ہوا کرتی ہے کبھی بیان مشرومیت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے: ابداء وابداء اللہ بہ (جس چیز سے اللہ نے شروع کیا ہے اسی سے تم بھی شروع کرو) اور ایسے ہی اجتہاد کی مثال یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ﴾ (آفتاب اور چاند کو سجدہ مت کرو۔ بلکہ ان کے خالق کو سجدہ کرو) اور نیز اللہ کا قول ہے: ﴿فَلَمَّا أَفْلَقَ قَالَ لَا أَحِبُّ الْأَفْلِقِينَ﴾ (جب چاند ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا) ان دونوں آیتوں کے مضمون سے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ کسوف اور خسوف کی حالت میں عبادت الہی کرنا مستحب ہے اور آپ کو اللہ کے اس قول ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ (اللہ کے لیے ہے مشرق اور مغرب) سے معلوم ہوا۔ کہ استقبال قبلہ کی فرضیت عذر کی حالت میں ساقط ہو سکتی ہے اسی لیے اس شخص کا حکم مستحب ہوا جس نے شب تاریک میں تحیری سے نماز پڑھی۔ اور سمت قبلہ اس کو ٹھیک معلوم نہ ہوئی اور قبلہ سے دوسری سمت کی طرف کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی اور اسی سے سواری کی حالت میں شہر کے باہر نماز نفل پڑھنے کا حکم معلوم ہو گیا۔

اور انہیں امور سے ایک یہ بھی ہے کہ جب اللہ کسی شخص کو لوگوں سے معاملہ کرنے کے لیے مقرر کرے تو مناسب ہے کہ لوگوں کو اس کے احکام کی بجا آوری کا حکم دیا جائے جب قاضیوں کو حدود قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو سرکشوں کو حکم دیا گیا کہ ان کے احکام کی تعمیل کیا کریں اور جب مصدق کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کو یہ حکم کیا گیا کہ مصدق جب ان کے پاس سے واپس آئے تو ناخوش واپس نہ آئے اور جب عورتوں کو حکم دیا۔ تو لوگوں کو مامور کیا کہ اپنی نگاہیں ان سے نیچی رکھیں۔

اور انہیں امور میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شے منع کی جائے تو مناسب ہے کہ اس کے خلاف کا وجوہ یا استحباباً حکم کیا جائے جیسا موقعہ کے مناسب ہو اور جب کسی شے کے کرنے کا حکم کیا جائے تو اس کی ضد منع کر دی جائے۔ جب نماز جمعہ کے پڑھنے اور اس کی طرف سعی کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہے کہ اس وقت خرید و فروخت اور دیگر مشاغل کی ممنوعیت بیان کی جائے۔

اور انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شے کے ہونے کا وجوہاً حکم کیا جائے تو مناسب ہے کہ اس کے مقدمات اور دوائی وغیرہ کی ترغیب دی جائے اور جب کسی شے کو ضروری طور پر منع کریں تو ضروری ہے کہ اس کے ذرائع کی بندش کر دی جائے اور اس کے اسباب نابود کر دیئے جائیں اسی واسطے چونکہ بت پرستی گناہ تھی اور تصویروں اور بتوں سے میل ملاپ بت پرستی کا سبب ہو سکتا تھا۔ جب کہ اگلی امتوں میں اس کی آزمائش ہو چکی تھی اس واسطے مناسب ہوا کہ مصوروں کی دار و گیر کی جائے اور شراب پینا گناہ تھا اس واسطے ضرور ہوا کہ شراب بنانے والوں سے مواخذہ کیا جائے اور جس دسترخوان پر شراب ہو اس میں حاضر ہونا منع کر دیا جائے۔ اور چونکہ فتنہ کی حالت میں جنگ و جدال گناہ ہے اس واسطے ایسے وقت میں ہتھیار بھیجنے کی سخت ممانعت کر دی گئی اور سیاست مدن میں اس بات کی نظیر یہ ہے کہ جب اس امر کی خبریں معلوم ہوتی ہیں کہ لوگ کھانے اور پانی میں زہر ملا دیا کرتے ہیں اس بنا پر دوافروشنوں سے عہد لیا جاتا ہے کہ زہر کی اتنی مقدار کسی کے ہاتھ فروخت نہ کریں جس سے پینے والا ہلاک ہو سکے اور جب کسی قوم کی بد عہدی اور خیانت کا حال معلوم ہوتا ہے تو ان سے شرط کر لی جاتی ہے کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ اور ہتھیار نہ باندھیں اور ایسے ہی عبادات میں بھی ہے جب نماز تمام نیکی کے ذرائع میں بلند رہے تھی۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ جماعت کا لوگوں کو شوق دلائیں تاکہ نماز کی پابندی میں اس سے مدد ملے اور یہ بھی ضرور ہوا کہ اذان کی رغبت لوگوں میں پیدا کی جائے تاکہ سب لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہو

نکلیں اور ایسے ہی لوگوں کو مساجد کی تعمیر اور مساجد کے پاکیزہ اور مستحضر رکھنے پر آمادہ کرنا ضرور ہے اور جو کہ رمضان کی پہلی تاریخ کا معلوم ہونا ماہ شعبان کے دنوں کے شمار کرنے پر موقوف تھا۔ اس لیے مستحب قرار دیا کہ ہلال شعبان کو لوگ یاد رکھیں اور اس کی نظیر سیاست مدن میں یہ ہے کہ جب دیکھا گیا کہ تیر اندازی میں بڑی مشقت ہے اس واسطے بہت سی ممانیں بنانے اور تیر کے پیکان تیار کرنے کا اور ان چیزوں کی تجارت کرنے کا لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے۔

اور انہیں اصول بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے یا کسی شے کی ممانعت کی جائے تو مناسب ہے کہ فرمان پذیروں کی عزت و شان ظاہر کی جائے اور نافرمانوں کی حقارت بتادی جائے چونکہ یہ مطلوب تھا کہ تلاوت قرآن کی اشاعت ہو اس کو لوگ بالترام پڑھا کریں۔ اس واسطے مسنون قرار دیا گیا کہ لوگوں کی امامت کے لیے وہی شخص زیادہ مناسب ہے جو سب سے عمدہ قرآن پڑھتا ہو۔ اور حکم دیا گیا کہ مجالس میں قرآن پڑھنے والوں کی عزت و توقیر کی جائے اور چونکہ زمانہ کی تہمت اور بہتان بندی نہ تھی اس واسطے تہمت لگانے والے کی گواہی مقبول عدالت نہیں ہے۔ یہیں سے اس حالت کا حکم نکلتا ہے کہ مبتدع اور فاسق سے سلام اور سلام کی ابتداء نہ کی جائے سیاست مدن میں اس کی نظیر یہ ہے کہ تیر اندازوں کو نافذ زیادہ دیا جاتا ہے اور تقرر وغیرہ میں ان کو اور وہ پر تقدیم ہوا کرتی ہے۔

اور انہیں اصولوں میں سے یہ ہے کہ جب کسی شے کا حکم یا ممانعت کی جائے تو دونوں حکم سے دیا جائے کہ دلی قصد سے اس پر اقدام کریں اور عزیمت قلبی سے منہی عنہ سے باز رہیں اور کام کے موافق اس کی خواہش کو دل میں پوشیدہ رکھیں اسی واسطے نہایت سخت نہ زائش وارد ہوئی ہے کہ لوگ قرض اور مہر کے ادا نہ کرنے کا اپنے دلوں میں قصد کر لیں اور انہیں اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شے میں کسی خرابی کا احتمال ہو تو اس کو مردہ قرار دینا چاہیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فَلَا يَغْمِسُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَابُ يَدِهِ** (جو شخص سوتے سے اٹھے وہ اپنے ہاتھ کو ہر گز برتن میں نہ ڈالے اس کو کیا معلوم کہ شب کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا) حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو احکام عبادات اور منافع کی تعلیم دی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ان کو بیان فرمایا۔ اور ہر ایک باب کے متعلق بڑے بڑے احکام کو آپ نے مستنبط کیا۔ اس باب کے متعلق اور اس دوسرے باب کے متعلق جو ان باب کے بعد آتا ہے جو جو امور بیان کیے گئے ہیں ان سب کو امت محمدیہ کے رازداروں نے ان لوگوں نے نبی کریم کے علوم میں مندرج پایا ہے اور غور و تدبر سے ان کے دلوں نے اپنے اندر ان کو جمع کیا ہے جو اس قسم کے علوم ان کی تصانیف اور کتابوں میں موجود ہیں وہ انہیں علوم نبوی کا شعبہ ہے۔ واللہ اعلم



مبہم کے انضباط اور مشکل کی تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنے وغیرہ کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ مثال اور تقسیم سے تو ایسی اکثر چیزیں معلوم ہیں جن کا نام لے کر کوئی ان کا حکم بتایا گیا ہے لیکن کسی تعریف جامع مانع سے ان کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ جس سے ان اشیاء کے ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو کہ یہ فرد اس شے کا ہے یا نہیں مثلاً سرقہ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (چورانے والے اور چورانے والی کے ہاتھ کاٹ ڈالو) اس آیت میں حد کو چور پر جاری کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی ابیرق اور طعیمہ اور مخزومی عورت کے قصہ میں چوری ہی واقع ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ دوسرے کے مال لینے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ منجملہ ان کے ① چوری ② رہزنی ③ اچک لینا ④ بددیانتی ⑤ زمین سے پڑی ہوئی چیز کا اٹھا لینا ⑥ غصب ⑦ بے پرواہی ایسی صورتوں میں ضرورت پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ہر ایک صورت دریافت کی جائے کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں ایسا سوال خواہ زبانی ہو یا حالی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو ضرورۃً چوری کی ایسی حقیقت بتانی ہوگی۔ جو اور شریک چیزوں سے اس کو متمیز کر دے اور ہر ایک فرد کا حال اس سے بخوبی معلوم ہو جائے اس تمیز کا طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کے ذاتی امور دیکھے جائیں جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں اور ان کی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں امتیاز ہو جائے ایسے ہی چوری کی ذاتیات دیکھی جائیں۔ جن کو چوری کے لفظ سے اہل عرف سمجھ جاتے ہیں اس کے بعد امور معلومہ سے چوری کی منضبط تعریف کی جائے جن کی وجہ سے چوری متمیز ہو جائے مثلاً یہ معلوم کیا جائے کہ رہزنی اور جنگ اور ایسے ہی لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلومین کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی اور مخالفوں کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی ہے اور مخالفوں کے لیے ایک جگہ اور وقت ہوا کرتا ہے۔ جہاں لوگوں کی جماعت فریادری کے لیے نہیں پہنچ سکتی اور لفظ اختا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے سے کوئی شے اچک لے جائے اور خیانت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قسم کی شرکت یا بے تکلفی یا حفاظت اس کی گئی تھی۔ اور التقاط سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر محفوظ شے لے لی گئی اور غصب سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی نسبت غاصب میں علانیہ قوت زیادہ تھی۔ اس کو لڑائی میں غالب آنے پر اعتماد تھا۔ یا یہ خیال تھا کہ حاکموں تک یہ قصہ نہ پہنچے گا یا ان کو پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکے گی یا رشوت دے کر سچا فیصلہ نہ ہوگا اور بے پرواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ناچیزی شے تھی جس کو عرفاً خرچ کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جاسکتا ہے جیسے پانی اور ہیزم اور چوری سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ کوئی شے مخفی طور پر لے لی گئی ہو اس واسطے آنحضرت ﷺ نے چوری کا اندازہ چوتھائی دینار یا تین درہموں سے فرمایا تا کہ حقیر اور ناچیز سے تمیز ہو جائے اور فرمایا کہ خیانت کرنے والے اور لوٹنے والے اور چھیننے والے کا ہاتھ قطع نہ کیا جائے اور فرمایا کہ اس پھل میں بھی ہاتھ نہ کاٹنا چاہیے جو درخت پر لٹکتا ہو۔ اور نہ ایسی چیز میں جو پہاڑ میں محفوظ ہے ان میں اشارہ ہے کہ سرقہ میں حفاظت شرط ہے۔

اور مثلاً ہمیشہ پسندی نہایت درجہ کی ایسی حالت بھی نہایت خراب امر ہے لیکن وہ ٹھیک باقاعدہ نہیں ہے کہ اس کے مو

ظاہری نشانات سے متمیز ہوں جن کی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سی باز پرس کر سکیں اور اس میں کسی کو شبہ نہ رہے کہ انہیں امور میں عیش پسندی پائی جاتی ہے اور یہ امر معلوم ہے کہ عجمیوں کی عادات عمدہ سوار یوں بلند بلند ایوانوں کا خرواہا لباس قیمتی زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی تک پہنچ گئی تھیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یساں نہیں ہوا کرتی۔ بعض لوگوں کے سامان عیش اور روں کی نظر میں تنگی عیش ہوا کرتی ہے۔ اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اور روں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ منافع کا حصول جید شے سے بھی ہوتا ہے اور ردی سے بھی لیکن ردی شے کا استعمال کرنا عیش پسندی نہیں ہے اور باقاعدہ جودت کسی جید شے سے متفع ہونا یا اکثر اوقات میں کسی شخص کا جید اشیاء کا پابند نہ ہونا عیش پسندی نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیاں بیان کیں اور ان اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے لیے متفع ہوا کرتے ہیں اور ان سے عیش حاصل کرنے کی لوگوں میں عادت شائع ہو گئی ہے اور شرع نے مجم اور روم کو گویا ان اشیاء پر متفق پایا تھا۔ اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان امور کو قرار دے کر ان کو حرام کر دیا۔ اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں ان کی عادت ہے۔ ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا۔ اسی لیے حریر اور سونے چاندی کے برتن انہیں محرم ابواب سے شمار کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے عیش و آرام کی حقیقت اس کو پایا کہ ہر ایک امور تافع سے جید شے پسند کی جائے اور ردی سے اعراض کیا جائے۔ اور کامل عیش کا موقع اس کو پایا کہ ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف جید ہی کو اختیار کریں اور ردی کو بالکل ترک کر دیں اور معاملات میں اس قسم کے معاملات کو بھی موجب عیش قرار دیا جن میں ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف جید ہی اختیار کی جائیں اور ردی بالکل ترک کر دی جائیں۔ البتہ بعض بعض مادوں میں اس کا لحاظ نہ بھی کیا جاتا ہو لیکن قوانین شرع میں ایسے مادوں کا کچھ اعتبار دلحاظ نہیں ہے۔ اس واسطے شرع نے ایسے معاملات کو بھی حرام قرار دیا ایسے معاملات بھی عیش پسندی کی صورت اور مثال تھے ان کی تحریم بھی بمقتضائے طبع ہے۔ مقتضائے طبیعت کے لحاظ سے عیش پسندی مکروہ امر ہے اور جب اسی مقتضائے طبیعت کی وجہ سے اشیاء کے مواقع حرام ہیں تو ان مواقع کی صورتیں اور مثالیں بھی بطریق ادنیٰ حرام ہوں گے۔ نقد کو نقد کے بدلہ میں اور کھانے کی چیز کو اسی کی جنس کے بدلہ میں بڑھا کر فروخت کرنا اسی قاعدہ سے مستہد ہو کر حرام کیا گیا ہے۔ لیکن کسی جید شے کا زیادہ قیمت سے فروخت کرنا حرام نہیں ہے اس لیے کہ جب جنس ایک نہیں ہے تو زیادتی کے بدلہ میں اصل بیع ہوگی نہ بیع کا وصف۔ ایسے ہی ایک چھوکری کا دو چھوکریوں کے بدلہ میں اور ایک کپڑے کا دو کپڑوں کے بدلہ میں بھی خریدنا حرام نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ اشیاء ذوات القیم میں سے ہیں۔ اس واسطے قیمت ہی زیادتی اس شے خاص کے بدلہ میں قرار دی جائے گی اور یہ جودت بھی انہیں خواص میں مندرج ہو جائے گی۔ اس لیے بادی الرائے میں جودت کا کچھ اعتبار نہ رہے گا ہماری ان تمہیدات سے اس باب کے متعلق بہت سے نکتے منکشف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حیوان کے بدلہ حیوان کو خریدنا کیوں مکروہ ہے۔ وغیرہ ذالک

کبھی وہ چیزیں باہم ہر ایک معلوم ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں کوئی امور کی وجہ سے تمیز ہوا کرتی ہے جن کو صرف نبی ﷺ اور ان کی امت میں رائج العلم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس واسطے ضرورت پیش آتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ظاہری ملامت معلوم کی

جائے اور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے ان علامتوں کا کوئی حکم قرار دیا جائے اور ان میں باہم علیحدگی احکام بتائے جائیں۔ مثلاً نکاح اور زنا، نکاح اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ مصلحت ٹھیک ہو جائے جس پر انتظام عالم کا مدار ہے کہ زن و شوہر میں باہم ہمدردی ہو۔ نسل کی امید کی جائے۔ شرمگاہ محفوظ رہے اور سب امور پسندیدہ اور منجملہ مقاصد کے ہیں اور زنا کی حقیقت یہ ہے کہ نفسانی شورش فرو کردی جائے۔ خواہش نفسانی کا اتباع کیا جائے۔ حیاء کی پردہ دری کی جائے اُس سے نفس کو آزادی ہو اور مصلحت کلی اور نظم عالم سے گمراہی ہو اور یہ امور ناخوشی کے باعث اور ممنوعات سے ہیں۔ لیکن زنا اور نکاح اکثر امور میں یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں سے خواہش نفس دور ہوتی ہے۔ طبیعت کی سوزش جاتی رہتی ہے دونوں میں عورتوں کی جانب میلان ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہوئی کہ ظاہری علامات سے ایک کو دوسری سے بالکل تمیز ہو جائے اور طلب و منع کا اس پر مدار ہو۔ اس واسطے نبی ﷺ نے نکاح کی تعین چند امور سے قرار دی۔ ① یہ کہ نکاح عورتوں سے کیا جائے نہ مردوں سے۔ نسل کی امید صرف عورتوں سے ہو سکتی ہے ② یہ کہ اپنے قصد اور مشورہ اور اعلان سے ہو۔ اسی لیے گواہوں اور ولی کی موجودگی اور عورت کی رضامندی اس میں شرط کی گئی ہے۔ ③ وہ دونوں یہ قرار دیں کہ ایک دوسرے کے معاون رہیں گے اور یہ صورت اکثر اوقات جب ہی ہو سکتی ہے کہ عقد دائمی اور لازمی طور پر ہو اس کی کوئی میعاد معین نہ ہو اس واسطے نکاح پوشیدگی میں اور متعہ اور لواطت حرام قرار پائے۔

اور اکثر کوئی نیک کام کسی دوسرے نیک کام کے مشابہ ہوا کرتا ہے جو دوسرے کام کے مقدمات میں سے ہوا کرتا ہے اس واسطے ان دونوں میں فرق کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جیسے قومہ اس لیے مشروع ہوا ہے کہ رکوع اور سرنگوں ہونے میں جو سجدہ کے مقدمات میں سے ہے فرق ظاہر ہو جائے۔

کبھی کوئی رکن یا شرط حقیقت میں مخفی امر اور افعال قلبی میں سے کوئی کام ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے افعال بدنی میں سے کوئی فعل یا کوئی قول اس امر مخفی کے انضباط کے لیے علامت قرار دیا جاتا ہے جیسے کہ نیت اور اللہ کے حضور میں اخلاص کے ساتھ کوئی کام کرنا امر مخفی ہے اس لیے استقبال قبلہ اور نیت ان کی علامت مقرر کر کے نماز میں اصلی شے کہ دیئے گئے۔

جب نص میں کوئی لفظ مذکور ہو یا کوئی مقسم حکم کے لیے مدار علیہ قرار دی جائے اور پھر اس کے بعض مادوں میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو یہی مناسب ہے کہ اس لفظ کے معنی معلوم کرنے یا کسی قسم کی تعریف جامع اور مانع کے معلوم کرنے میں اہل عرب کی عرفی حالت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جیسے روزہ کے متعلق نص میں ماہ رمضان وارد ہوا ہے لیکن ابر کے وقت اس کی تعداد میں شبہ ہو جایا کرتا ہے اس لیے اس کا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روز پورے کر لینے چاہئیں۔ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے کبھی اسیس کا۔ آنحضرت ﷺ کا قول ہے: انا امة امیة لانکتب ولا تحتسب الشهر کذا۔ (ہم امی ہیں اس طرح پر مہینہ کو نہیں لکھتے اور نہ اس کا ایسا حساب کرتے ہیں)

ایسے ہی قصر میں قصر کا لفظ نص میں وارد ہوا ہے اور بعض مادوں میں سفر کے معنی معلوم کرنے میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے اس لیے صحابہؓ نے حکم کیا کہ سفر جب ہوتا ہے کہ مکان سے ایسی جگہ جائیں کہ جہاں پورے ایک روز اس شب کے شروع حصہ میں پہنچ سکیں اس کی مسافت ایک روز اور دوسرے روز کا کچھ حصہ ہو۔ اس طرح پر سفر کا اندازہ چار بردوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

بات چیت کہ جو حکم خاص آنحضرت ﷺ کی ذات کے لیے ہے اور لوگوں کے لیے وہ حکم نہیں ہے۔ اس وقت میں اس حکم کا مدار اس شے کی حقیقت کو قرار دینا نہیں چاہیے بلکہ امر مظنون و قرار دینا چاہیے۔ امام طائوس کا عصر کے بعد دو رکعتوں میں یہی قول ہے کہ ان کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے لیلا یتحد سلما اور نبی ﷺ اسلی حقیقت سے واقف تھے آپ کی شان میں امر مظنون کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ دریافت حقیقت کے بعد گمان کا کیا احتمال ہے مثلاً چار بیویوں سے زیادہ سے شادی کرنے میں احتمال تھا کہ بیویوں کی معاشرت میں کوئی قیامت پیدا ہو جائے اور ان کے حقوق میں کسی قسم کی فروگزاشت ہو۔ اور لوگوں کو اس کا شبہ ہو سکتا ہے اور نبی ﷺ کو خوب معلوم تھا کہ ان کی معاشرت میں دن سے امور پسندیدگی کے قابل ہیں اس لیے گمان کے موافق اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دے سکتے یا آنحضرت ﷺ کا بخش امور کو اپنے لیے خاص کر تہذیب نفس کے علاوہ کسی رسم کی تحقیق اور باقی رکھنا مقصود ہوا کرتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے بیع کے ساتھ کسی شرط کے لگانے سے منع فرمایا ہے پھر آپ نے ایک اونٹ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شرط پر خرید فرمایا کہ مدینہ تک وہ ان کی سواری میں رہے۔ یا آنحضرت ﷺ کے لیے کسی امر کی تخصیص اس لیے ہوا کرتی ہے کہ اس کام کے قابل وہ شخص نہیں ہوا کرتا۔ جس میں مادہ عصمت کا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روزہ دار کے بوسہ کے متعلق قول ہے ایکم یملک اربہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یملک اربہ (آنحضرت ﷺ کی طرح ان لوگوں کو انہیں انہیں پر غالب ہے یا وجہ تخصیص یہ ہوتی ہے کہ آپ کا نفس قدسی کسی خاص نیک امر کا مقتضی ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے آپ پر اس کا کرنا واجب کر دیا جاتا ہے جیسے کہ کسی قوی آدمی کو زیادہ غذا کی رغبت ہوتی ہے۔ ایسے ہی نفوس علیہ کو اللہ کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے مثلاً نماز تہجد نماز چاشت کی۔ واللہ اعلم

باب ۶۷

مذہبی آسانیوں کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَمَا رَخِمَهُ مِنَ اللَّهِ لَسْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَعَلًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَقُصُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (اللہ کی رحمت نے ساتھ لوگوں سے نرمی کرو۔ اگر تم سخت دلی سے بیش آؤ گے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (اللہ تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا) آنحضرت ﷺ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا ﴿إِسْرَا وَلَا تَعْسَرَا وَلَا تَشْرَا وَلَا تَنْفَرَا وَفَعَارَعَا وَلَا تَخَالَفَا﴾ (آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں لوگوں کو خوش کرنا متفرغ نہ کرنا اور ہلکا ہم ہمیشہ موافق رہنا۔ اختلاف نہ کرنا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

فانما بغثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين.

”تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو۔“

معلوم کرنا چاہیے کہ تیسیر کی چند صورتیں ہیں یہ کہ:

① طاعت کے لیے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط قرار نہ دی جائے جس کا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوة.** (اگر میں امت کے لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو میں ہر ایک نماز کے لیے سواک کرنے کا حکم کرتا)

② کہ بعض امور طاعت کو منجملہ رسوم کے قرار دینا چاہیے جن پر فخر و مباہات کی جایا کرتی ہے۔ ان امور کو ان امور میں داخل کرنا چاہیے جن کو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں۔ مثلاً عیدین، جمعہ، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تاکہ یہودی جان لیں کہ ہمارے مذہب میں کیسی وسعت ہے۔ بڑے بڑے مجموعوں میں اپنے آپ کو مزین کرنا اور عز و مباہات کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا اور مناقشہ کرنا لوگوں کا خاص طریقہ ہے۔

③ یہ کہ طاعات میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں۔ جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اس کی خواہاں رہے اور دونوں رغبتیں جمع ہو کر ایک دوسرے کی معاون رہیں۔ اسی وجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ اور ستھرا رکھنا روز جمعہ کو غسل کرنا۔ اس روز خوشبو لگانا مسنون ہے اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور اذان کا خوش آوازی سے پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

④ یہ کہ لوگوں کی طبیعتوں پر سے گرانی دور کی جائے جس سے وہ بالطبع متنفر ہوں۔ وہ ناپسند سمجھی جائے اسی لیے غلام اعرابی اور مجہول النسب کی امامت مکروہ خیال کی گئی ہے لوگ اس قسم کے لوگوں کی امامت سے دل گرفتہ ہوا کرتے ہیں۔

⑤ بعض وہ امور بحال خود باقی رکھے جائیں جو اکثر لوگوں کی طبیعت کے موافق ہوں یا ان امور کو ترک کرنے سے ان کو دل تنگی معلوم ہوتی ہو۔ جیسے سب سے زیادہ مستحق امامت کے لیے سلطان اور مالک خانہ قرار دیا گیا ہے اور جو شخص نئی عورت سے شادی کرے تو اس کے لیے اولاً سات روز یا تین روز خاص کر کے پھر اور بیویوں میں اپنی نوبت کو تقسیم کر دے۔

⑥ یہ کہ لوگوں میں یہ معمول قرار دیا جائے کہ ان کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ امور بھر جائیں اور بلا وقت وہ نوا میس کے مطیع رہیں۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے کہ کہیں ان میں ناگواری اور سستی نہ پیدا ہو جائے۔

⑦ یہ کہ نبی ﷺ بعض ان امور کو عمل میں لاتے رہیں جن کا لوگوں کو حکم کرتے ہوں یا ان کے کرنے میں لوگوں کو مجاز کرتے ہوں تاکہ آپ کے فعل پر لوگوں کا لحاظ رہے۔

⑧ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے رہیں کہ لوگوں میں تہذیب آجائے وہ کامل بن جائیں۔

⑨ یہ کہ پیغمبر کے ذریعہ سے اللہ کی جانب سے اطمینان اور تسکین نازل ہوتی رہے اور لوگ نبی کی حضوری میں ایسے ہو جائیں

گویا اُن کے سر پر پرند ہیں۔ (مردے)

جو شخص حق سے سرتابی کرے اس کو ذلیل اور محروم کر دینا چاہیے۔ جیسے قاتل کو درخشہ نہیں ملتا اور اکراہ کی صورت میں طلاق نافذ نہیں ہوتی۔ ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنے والوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر اور اکراہ کرنے سے باز رہیں گے۔

جن امور میں محنت اور مشقت ہو ان کو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسی کے متعلق قول ہے کہ قرآن میں اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت و دوزخ کا ذکر تھا۔ اور جب اسلام پر لوگ ٹوٹنے لگے تو حرام اور حلال کے احکام نازل ہوئے اگر شروع ہی سے لا تشربوا الخمر (شراب مت پیو) نازل ہوتا۔ تو لوگ کہہ بیٹھتے کہ ہم شراب کو کبھی ترک نہ کریں گے اور لا تزنوا (زنا مت کرو) نازل ہوتا تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کو ترک نہ کریں گے۔ یہ کہ آنحضرت ﷺ کو وہ فعل ترک کر دینا چاہیے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہونے کے لحاظ سے بعض مستحب امور ترک کر دینے چاہئیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: **لَنَنْقُضَ الْكَعْبَةَ وَبَنِيهَا عَلَى اسَاسِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ** (اُتریری قوم سے زمانہ کفر کا قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا)

شارع نے مختلف نیکیوں و نصوص غسل نماز زکوٰۃ روزہ حج وغیرہ کا حکم دیا۔ ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں رکھا۔ سب کے لیے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عشقوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی عقل سے ان لفظوں کے معانی اپنی عادات کے موافق خود سمجھ لیں یہ تو مثلاً بیان کر دیا **لَا صَلَوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ** (بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) لیکن حرفوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی۔ جن پر سورۃ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے۔ اس سورت کی تشدیدیں حرکات سکانات نہیں بیان کیے اور نیز شارع نے یہ بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے۔ لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا۔ جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے اور یہ بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا حساب دو سو درہم ہیں لیکن اس کا پیمودہ نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو انہیں امور سے جواب دے دیا جو ان کے خیال میں تھے۔ ماہ رمضان کے ہلال کی نسبت فرمایا کہ اگر ابرہہ تو ماہ شعبان کے تیس روز پورے کر لو اور اس پانی کی نسبت جو بیابان میں ہو درندے چہار پائے وہاں آتے جاتے ہیں فرمایا **اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ فَلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلْ خَبْنًا** (جب پانی بقدر قاتین کے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ عرب میں ان امور کی اصل موجود تھی)۔ پہلے ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سب اشیاء کی حقیقتیں بیان کی جائیں گی تو ان میں ظہور و خفا اور عدم انضباط و سیاہی ہوگا تو پھر ان کے بیان کی ضرورت پڑے گی اور ایسے ہی ضرورت پڑتی جائے گی اور اس سے بڑا حرج ہوگا اور چونکہ ہر ایک امر کی تعیین میں کسی قدر دقت ہی ہوا کرتی ہے جب بہت سے تعینات ہو جائیں گے تو دقتیں بہت زیادہ ہو جائیں گی اور نیز شرع کے امور ادنیٰ اور اعلیٰ سب ہی ہوا کرتے ہیں تو ان تفصیل میں سب حدود تعریفات کے محفوظ رکھنے

میں زیادہ دقت ہوگی۔

اور نیز اگر لوگ ان امور کا زیادہ اہتمام کریں جن سے نیکیاں محدود کی جاتی ہیں تو وہ ان نیکیوں کے فوائد معلوم نہ کر سکیں گے اور نیکیوں کے ارواح کی جانب ان کی توجہ نہ ہوا کرے گی۔ اکثر قراء کو دیکھ لو۔ ان کی دلی توجہ زیادہ لفظوں کی طرف ہوا کرتی ہے ان کو معانی قرآن کے غور کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے مصلحت یہی ہے کہ انضباط کے بعد اور امور کو ان کی ہی رائے پر چھوڑ دیں اور نیز شارع نے لوگوں کو انہیں امور سے خطاب کیا ہے جو فن حکمت اور علم کلام اور علم اصول کے دقائق میں غور کرنے سے پیشتر ہی سے ان کی عقلوں میں فطری طور پر ودیعت رکھے گئے تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جہت کو ثابت کیا۔ فرمایا: الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى۔ (اللہ عرش پر ٹھہرا ہوا ہے) اور آنحضرت نے ایک کالے رنگ کی عورت سے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ۔ (اللہ کہاں ہے) اس عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ عورت ایماندار ہے شارع نے استقبال قبلہ اور نماز اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لیے لوگوں کو علم ہیئت یا بندہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور اپنے قول: الْقِبْلَةُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِذَا اسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ۔ (قبلہ وہی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان کعبہ سامنے ہو جائے) میں سوال کی وجہ کی طرف اشارہ فرمادیا اور کہا: الْحَجَّ يَوْمَ تَحْجُونَ وَالْفِطْرَ يَوْمَ تَفْطَرُونَ۔ (جس روز تم حج کرتے ہو وہی حج کا دن ہے اور جس روز افطار کرتے ہو وہی یوم الفطر ہے) واللہ اعلم

باب ۶۸

ترغیب اور ترہیب کے اسرار میں

اللہ تعالیٰ و تبارک کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو ثواب اور عذاب بتا دیا جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں تاکہ انبیاء لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں اور ان کے دل بیم و رجاء سے مملو ہو جائیں اور اپنے ذاتی قصد اور ارادہ سے لوگ ان شرائع کی پیروی کریں جیسے کہ اور باقی امور کی بیم و امید کیا کرتے ہیں جن سے کوئی ضرر دور ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

”بے شک نماز ایک بڑی بھاری چیز ہے۔ لیکن نہ ان خوف کرنے والوں پر جن کو خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اسی کی طرف پھر جائیں گے۔“

ترغیب اور ترہیب کے متعلق قواعد کلی ہیں۔ تمام جزئی امور ترغیب اور ترہیب کے انہیں پر ختم ہوتے ہیں فقہاء سے صحابہؓ نے اگرچہ ان قواعد کو تفصیلاً منضبط نہیں کیا تھا۔ لیکن اجمالاً وہ خوب ان سے واقف تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

فرمایا ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی تمہارے لیے اجر ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا کوئی خواہش پوری کرے جب بھی ثواب ملتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں۔ اگر حرام میں خواہش کا استعمال کرتے تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں اس لیے صحابہؓ بوسہ کا اسی مسئلہ میں توقف کرنا اور اس کی وجہ کا مشتبه ہونا۔ اسی وجہ سے تھا کہ وہ اعمال اور اعمال کی جزاؤں کی مناسبت سے خوب واقف تھے اس کو خوب جانتے تھے کہ اعمال کے نتیجوں کی با معنی عقلی دلیل ہوا کرتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے سوال کرنے اور جواب میں ایک دلیل صاف کے لحاظ رکھنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور اس قول کی نظیر یہ بھی ہے کہ فقہاء نے حدیث: **لَوْ كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ مَا تَقَاتَلَ** (اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو تو اس کو ادا کرتا یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ادا کرتا آپؐ نے فرمایا پس اللہ کا قرضہ زیادہ ادا کرنے کے قابل ہے) میں نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کو قواعد کلیہ سے تعلق ہوا کرتا ہے صحابہؓ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں میں تہذیب نفس ہوا کرتی ہے مثلاً تسبیح، تہلیل، تکبیر یا شہرے انتظام میں ان سے کوئی مصلحت قائم ہوا کرتی ہے اور برائیوں میں ان دونوں کے خلاف امور ہوا کرتے ہیں۔ اور خواہش نفس میں طبیعت کی خواہش کی پیروی ہوتی ہے اس میں عادات سے زیادہ کوئی اور مصلحت نہیں ہوتی صحابہؓ کا منشاء سوال اسی کو سمجھنا چاہیے یا ایسا ہی کوئی اور امر خیال کر لینا چاہیے جس میں کسی امر کلی کا معلوم کرنا پڑے اور اس کی طرف سوال کے پھیرنے میں غرابت نہ ہو اور آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں خاوند اور بیوی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے اور اس میں اس سے نجات مل جاتی ہے کہ بے موقع خواہش نفس پوری کی جائے۔

ترغیب اور ترہیب کے طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اور ہر ایک طریقہ کا راز جدا ہوتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے طریقوں سے آگاہی کی جاتی ہے۔

ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ تہذیب نفس میں کسی کام کا جو اثر ہوتا ہے وہ بیان کر دیا جائے۔ نفس کی نیک و بد قوتوں میں سے ایک قوت غالب ہو جائے یا مغلوب اسی کو زبان شرع میں نیکیوں کا لکھا جانا اور برائیوں کا محو ہو جانا کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (روزانہ ایک بار پڑھ لیا کرے تو یہ دس بارہ آزاد کرنے کے برابر ہے اس کی سونکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں اس سے محو کی جاتی ہیں۔ اور اس روز شام تک وہ محفوظ رہتا ہے۔ ایسے شخص سے کسی شخص کا عمل مدد نہیں ہوتا مگر اس شخص کا جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ اس حدیث کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور انہیں طریقوں میں سے یہ ہے کہ اس عمل کا وہ انداز بیان کیا جائے جس کی وجہ سے شیطان وغیرہ سے حفاظت ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شام تک شیطان سے حفاظت رہتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بدکار لوگ اس کو نہیں کر سکتے یا اس عمل سے رزق میں زیادتی اور برکت کا ثبوت ہوا کرتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ سے سلامتی کو طلب کرتا ہے اور یہ اس کی درخواست قبولیت دعا کا سبب پڑتی ہے آنحضرت ﷺ نے اللہ کی جانب سے فرمایا ہے **وَلَنْ أَسْتَعِذَّ بِكَ وَلَا يَعْذُنِي وَلَنْ يَسْأَلَنِي وَلَا يَعْذِلْنِي** (اگر بندہ مجھ سے کسی امر سے پناہ پائے گا میں اس کو پناہ دوں گا اور اگر کسی امر کی مجھ سے درخواست کرے گا

میں اس کو پورا کروں گا) اور بعض اور حدیثوں میں وارد ہے کہ ذکر الہی میں فرو ہو جانے اور عالم جبروت کی طرف متوجہ ہونے اور ملکوت سے مدد طلب کرنے سے طالب اور مطلوب میں قطعی مناسبت ہو جایا کرتی ہے اور مناسبت پر تاثیر کا مدار ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جس کی ایسی حالت ہوا کرتی ہے تو ملائکہ اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے منافع حاصل ہونے اور مضرت کے دفع ہونے کے اکثر ذرائع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

موجبات ترغیب اور ترہیب سے ہے کہ عالم معاد میں اعمال کا اثر بتایا جائے۔ دو مقدموں سے اس کا اصلی راز معلوم ہوتا ہے: ① یہ کہ معاد میں کسی شے کو ثواب اور عذاب کا سبب قرار نہیں دے سکتے جب تک کہ جزا کے دو سببوں میں سے کسی سبب کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت نہ ہو۔ اس کو یا ان چاروں اخلاق میں سے کسی نہ کسی میں دخل ہو۔ جن کے ہونے نہ ہونے پر سعادت اور تہذیب نفس کا مدار ہے وہ اخلاق یہ ہیں۔ نظافت رب العالمین کے حضور میں نیاز مندی، نفس کی سماحت و فیاضی اس کی کوشش کرنا کہ لوگوں میں عدل قائم ہو یا ان کو ان امور کے اجراء میں دخل ہو جس پر ملأ اعلیٰ کا اتفاق ہوا کرتا ہے کہ شرائع کو استحکام ہو اور انبیاء علیہم السلام کی مدار ہو اور عمل اور سبب جزاء میں مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ اس عمل سے وہ سبب خود حاصل ہوتا ہو یا اس کو عادت لازم ہو یا اس کے لیے ذریعہ ہو مثلاً دور کعتوں کو اس طرح ادا کریں کہ کوئی نفسانی وسوسہ پیش نہ آئے تو اس سے ثبوت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے جلال کی یاد اور عاجزی کا اثر ہے اور بہیمیت کی پستی سے ایک قسم کی ترقی کا اس میں ظہور ہے اور ایسے ہی پورا پورا وضو کرنا پاکیزگی کا باعث ہے جس کا اثر نفس پر پڑتا ہے اور مال کثیر کا صرف کرنا جس میں معمولی طور پر بخیلی کی جایا کرتی ہے یا کسی کے ظلم کو معاف کر دینا اور اللہ کے حقوق میں ریا کو ترک کرنا نفس کی سماحت کی دلیل اور اس کو لازم ہے اور ایسے ہی بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا۔ قوموں میں آتش جنگ کے بجھانے میں کوشش کرنا۔ اصلاح عالم کی دلیل اور ذریعہ ہے اور عرب سے محبت رکھنا ذریعہ ہے کہ انہیں کی سی وضع اختیار کی جائے اور اس کی وجہ سے ملت حنفی کی پسندیدگی کا موقع ہو سکے گا۔ یہ شریعت عادات عرب کے ہی موافق معین کی گئی ہے اس پسندیدگی سے شریعت مصطفوی کی عزت اور شان حاصل ہوتی ہے اور افطار میں برابر غلٹ اختیار کرتے رہنا اور مذاہب کے اختلاط اور تحریف سے کنارہ کشی کی دلیل ہے لوگوں کے اکثر فرقے مثلاً حکماء اور باب ضاعت اطباء وغیرہ اشیاء کے مواقع کو مدار علیہ احکام قرار دیتے رہتے ہیں۔ اور خطبوں محاورات میں عرب کی بھی یہی روش رہی ہے۔ بعض بعض ایسی صورتیں ہم ذکر بھی کر چکے ہیں۔

یا وہ عمل شاق یا گمشدہ یا طبیعت کے مخالف ہو اس پر وہی شخص اقدام کر سکے جس میں کامل اخلاص ہو اس لیے ایسا عمل اخلاص دلی کا شارح ہوا کرتا ہے۔ مثلاً آب زمزم سے سیرابی حاصل کرنا اور حضرت علیؑ سے محبت رکھنا۔ اس لیے حضرت علیؑ اللہ کے احکام کی تعمیل میں نہایت سخت تھے اور انصار سے محبت رکھنا خاندان معاد اور یمن کی قومیں باہم ایک دوسرے سے متنفر تھیں۔ اسلام نے ان میں الفت پیدا کر دی تھی اس لیے ان سے محبت کرنا دلیل ہے کہ اس میں اسلام کی بشارت سرایت کر گئی ہے اور جیسے پہاڑ پر چڑھ کر دیکھنا اور اسلامی لشکروں کی نگرانی کرنا بتاتا ہے کہ کلمۃ اللہ کے اعلان اور دین الہی میں اس کی توجہ کامل ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے اور اس کو وہ نفسانی حالتیں پیش آتی ہیں جو نفس میں راسخ تھیں خواہ وہ

نفس کے موافق تھیں یا مخالف تو اس پر متغریب ہی تکلیف و آرام کی صورتیں ظاہر ہوں گی۔ ان نفسانی حالات اور تکلیف و آرام میں گو کہ کوئی عقلی مشابہت نہ ہو۔ لیکن یہ تلازمہ کی ایک دوسری قسم ہے جس سے نفس کے بعض امور کی بعض کی طرف کشش ہوتی ہے اور اسی طرح پر خواب میں بھی معافی خاص خاص صورتوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ جیسے شرمگاہوں اور مونہوں پر مؤذن کا مہر لگا نا دلالت تھا کہ وہ لوگوں کو مباشرت عورات اور کھانے وغیرہ سے باز رکھنا چاہتا ہے عالم مثال میں خاص خاص مناسبتیں ہوا کرتی ہیں جن پر احکام کا دوران ہوا کرتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جو وحیہ کلہیٰ ہی کی صورت میں آیا کرتے تھے وہ ایک خاص معنی کی وجہ سے تھا اور خاص وجہ ہی کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا ظہور ہوا تھا۔ جو شخص اس مناسبت کو بخوبی سمجھتا ہے وہ جان سکتا ہے کہ جزائے اعمال کی کیا صورت ہوگی۔

بہر حال نبی کریم کو اسی طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علم کو نفی رکھتا ہے اور تعلیم سے اپنے آپ کو روکتا ہے حالانکہ تعلیم کی ضرورت ہوا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ آگ کی لگام سے اس کو مذاب دے گا۔ یہ تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ ایسے بخل سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور بخل کا قالب اور صورت لگام کے مشابہ ہے اور جو شخص مال سے زیادہ محبت کرتا ہے ہمیشہ اس کا دل مال سے ہی متعلق رہتا ہے اس کی گردن میں گنچے سانپ کا طوق ڈالا جائے گا اور جو شخص درابم ذہن نیز چار پایوں کی حفاظت میں سخت تکلیف برداشت کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں ان کے خرچ میں بہت احتیاط کرتا ہے اس کو انہیں اشیاء کے ذریعہ سے مذاب دیا جائے گا۔ جیسے تکلیف دینے کا طریقہ ملائکہ اعلیٰ کی نظر میں مقرر ہے اور جو شخص لوہے کی چیز یا زہر وغیرہ سے اپنے آپ کو تکلیف دیتا ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو انہیں صورتوں سے اس کو مذاب دیا جائے گا اور جو شخص محتاج کو کپڑے پہنائے گا قیامت کے روز جنت کے سندس سے اس کے کپڑے بنائے جائیں گے اور جو شخص مسلمان کو آزاد کر دے اور غلامی کی مصیبت سے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے آزاد کر دے گا تو اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلہ میں اس مالک کا ہر ایک عضو و زخ سے آزاد کیا جائے گا۔

اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ عمل کو اس چیز سے مشابہت دیں جس کی خوبی یا برائی ذہنوں میں شرع یا عادت کی وجہ سے راسخ ہو جاتی ہے اور اس وقت میں ضرور ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی جامع امر چاہیے جو کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں بالاشتراك پایا جائے جیسے اس شخص کو جو نماز صبح سے طلوع آفتاب تک انتہائی حالت میں مغلغانہ بیٹھا رہے صاحب رخ اور ذہن کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ جو تہ کر کے پھر اس کو نگل جائے۔ یا اس عمل و معیوب لوگوں یا قابل نفرت لوگوں سے مشابہت دی گئی ہو یا اس عمل کے کرنے والے کے حق میں دُعا یا بدعا وارد ہوئی ہو۔ اس تشبیہ سے اس عمل کے عمدہ یا قبیح ہونے کی وجہ کا لحاظ بھی نہ کیا جائے تاہم اس سے اس عمل کی اہمائی حالت معلوم ہو جایا کرتی ہے۔ بیت شارع کا قول ہے تِلْكَ صَلَوةُ الْمَنَافِقِ (یہ منافق کی نماز ہے) اور بیت ارشاد ہے اَلَيْسَ مَنَافِقًا فَعَلْ كَذَا (جو شخص ایسا کام کرے گا وہ ہم سے نہیں ہے) یا فرمایا وَهَذَا الْعَمَلُ عَمَلُ الشَّيَاطِينِ اَوْ عَمَلُ الْمَلَائِكَةِ وَبِرَحْمَةِ اللَّهِ امْرَا، فَعَلْ كَذَا وَكَذَا (ایسا کام شیاطین یا فرشتوں کا سا ہے اور جو شخص ایسا کام کرے گا اللہ اس پر رحم کرے) اور اسی قسم کی اور مجاہدوں کو قیاس کر لینا چاہیے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ عمل کی حالت ہی ایسی ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشی یا ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے

ملائکہ کی دعایا بدعا کا اس سے تعلق ہوتا ہو جیسے شارع کا قول ہے: اِنَّ اللہ یحب کذا وکذا ویبغض کذا وکذا۔ (اللہ ایسے ایسے امور کو پسند کرتا ہے اور فلاں فلاں کو برا جانتا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللہ وملتکته یصلون علی میامن الصفوف۔ (دائیں جانب کی صفوں پر اللہ اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) اور اس کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

باب ۶۹

کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ کے طبقات اور درجات

اس باب کے متعلق اصلی حالت سورہ واقعہ میں مذکور ہے: ﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ﴾ آخر سورہ تکوین (تم تین تین جوڑے ہو اصحاب الیمین اور اصحاب الیمین کیا ہیں۔ اور اصحاب المشمہ اور اصحاب المشمہ کیا ہیں اور جو لوگ سب پر سبقت لے جانے والے ہیں وہی مقرب ہیں) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿كُم أَوْرَثْنَا الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْنِ اللَّهِ﴾ (پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا۔ پس بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔ بعض میانہ رو بعض نیکوں میں سب سے آگے بڑھنے والے اللہ کے حکم سے) تم نے معلوم کیا ہے کہ سب سے اعلیٰ درجہ کے نفوس مفہمین کے ہیں (ہم نے ان کا پہلے ذکر کیا ہے) اور مفہمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا سابقین نام ہے سابقین کی دو قسمیں ہیں: ① قسم اصحاب اصطلاح اور بلندی ہیں۔ ان کی استعداد بھی کمالات کے حاصل کرنے میں مفہمین کی سی ہی ہوا کرتی ہے لیکن ان کی کمالت اور سعادت مفہمین کے درجہ تک نہیں پہنچا کرتی ان کی استعداد خفیہ آدمی کی مانند ہوتی ہے ایک بیدار کرنے والے کی ان کو ضرورت ہوا کرتی ہے جب پیغمبروں کی خبریں ان کو بیدار کر دیتی ہیں تو وہ ان علوم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو مخفی مناسبت کی وجہ سے جو ان کے باطن نفوس میں موجود ہوتی ہے ان کی استعداد کے مناسب ہوا کرتی ہیں اس لیے وہ لوگ مجتہدین مذہب کے مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ ان کے الہامات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اجمالی اور کلی الہام کو اخذ کر لیتے ہیں۔ خطیرۃ القدس میں ان کو ایک قسم کی استعداد شامل ہوا کرتی ہے۔ اکثر سابقین میں یہ امر مشترک ہوا کرتے ہیں۔ پیغمبروں نے اس کو بیان کیا ہے: ② قسم اصحاب تجاذب اور علو کی ہے توفیق الہی سے وہ ایسی ریاضتیں اور توجہات میں مشغول رہتے ہیں جو ان کی طاقت بھسی کو مغلوب کر دیتی ہیں۔ کمال عملی اور کمال علمی کے ذریعہ سے حقانی امور ان کو حاصل ہوتے رہتے ہیں اپنے امور میں ان کو پوری بصیرت ہوا کرتی ہے اس واسطے ان کو خداوندی واقعات۔ راہنمائی اور اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے صوفیہ کرام کے طریقوں میں اکابر صوفیہ ایسے ہی ہوئے ہیں تمام سابقین میں دو امر ضرور جمع ہوا کرتے ہیں: ① وہ اللہ کی جانب متوجہ ہونے اور بارگاہ خداوندی میں قربت پیدا کرنے میں نہایت درجہ اپنی طاقت صرف کرتے ہیں۔ ② ان کی

فطرت نہایت قوی ہوا کرتی ہے۔ خود ملکات مقصود ہو بہو ان کے سامنے متمثل ہوا کرتے ہیں وہ ان ملکات کے قلب اور تصویروں کو نہیں دیکھا کرتے ان کو ان قالبوں کی ضرورت صرف ان ملکات تشریح کے لیے ہوا کرتی ہے وہ تو الب ان ملکات کے لیے ذرائع ہوتے ہیں۔ سابقین میں سے ایک قسم مفردین کی ہے یہ لوگ ہمیشہ عالم غیب کی طرف متوجہ رہتے ہیں ذکر الہی ان کی تمام گرائیوں اور وقتوں کو دور کر دیا کرتا ہے دوسری قسم صدیقین کی ہے یہ امور حقہ کا اس قدر اتباع کرتے ہیں کہ تمام لوگوں سے ان کو امتیاز ہوا کرتا ہے۔ تیسرے شہدایہ لوگ آدمیوں کی رہبری کے لیے معین ہوتے ہیں ملاء اعلیٰ کی طرح کافروں پر لعنت کرتے ہیں اور ایمان والوں سے خوش ہوتے ہیں نیک امور کی ہدایت کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے رہتے ہیں اور نبی ﷺ کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کرتے رہتے ہیں جب روز قیامت ہوگا تو یہی کافروں سے خصومت کرنے کو مستعد ہوں گے اور ان کے کفر کی شہادت دیں گے یہ لوگ پیغمبر ﷺ کی بعثت میں بمنزلہ اعضاء کے ہوا کرتے ہیں تاکہ جو بعثت سے مقصود ہے وہ ان کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچ جائے اسی وجہ سے ان کو اوروں سے افضل جاننا۔ ان کی عزت و توقیر کرنا ضرور ہے اور ایک قسم راسخین فی العلم کی ہے ان میں ذکاوت اور ہوشمندی کامل ہوتی ہے جب نبی ﷺ سے سراپا علم و حکمت کی باتیں سنتے ہیں تو سنتے سنتے ان میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور کتاب الہی کے ٹھیک ٹھیک معانی سمجھنے میں وہ استعداد ان کے باطن کی مدد کرتی رہتی ہے اسی کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: **اَوْفَهُمْ اَعْلِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ** (یا استنباط قرآنی کی طاقت جو مسلمان آدمی کو دی جاتی ہے) اور ایک قسم عبد کی ہے یہ لوگ عبادت کے فوائد کو برملا دیکھتے ہیں ان کے نفوس عبادت کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ایسا فہم حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ عبادت الہی نہایت بصیرت اور روشن ضمیری سے کیا کرتے ہیں اور ایک درجہ سابقین میں سے زیادہ کا ہے ان کو عالم معاد اور وہاں کے لذائذ کا کامل یقین ہوا کرتا ہے اور ان لذائذ کے مقابلہ میں ان کو دنیوی لذت نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے لوگ ان کی نظر میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اونٹ کی میٹکیاں اور انہیں سابقین میں سے بعض لوگ انبیاء کی جانشینی کے قابل ہوا کرتے ہیں۔ وہ وصف عدالت کے ساتھ موصوف ہو کر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس وصف عدالت کو احکام الہیہ میں صرف کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگوں میں حسن خلق کی صفت ہوا کرتی ہے۔ ان میں فیاضی تواضع، ظلم کرنے والوں کو معافی سے اوصاف ہوتے ہیں اور ایک فرقہ سابقین میں سے ہے ان لوگوں کا جن میں فرشتوں کے سے اوصاف ہوتے ہیں ان کو فرشتوں سے اختلاط رہتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ بعض بعض صحابہؓ پر فرشتے سلام کیا کرتے ہیں ان سابقین کے فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک توجہ جلی اور فطری استعداد ہوتی ہے جو اپنے مال کی خواہش متلاشی رہتی ہے اور انبیاء کی اطاعوں سے ان میں بیداری پیدا ہوتی رہتی ہے اور ایک استعداد کسی ہوتی ہے جو اپنا کمال حاصل کرنے کے شرائع کو قبول کرتی رہتی ہے ملہمین سے جو لوگ ہدایت کے لیے مبعوث نہیں ہوا کرتے وہ بھی شرائع میں سابقین میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔

سابقین کے بعد اس جماعت کا درجہ ہے جن کا اصحاب الیمین نام ہے۔ اصحاب الیمین کی بھی چند قسمیں ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے قلوب سابقین کے درجہ سے بہت قریب ہیں ان کو جلی امور کی تکمیل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے وہ اعمال کی اردان چھوڑ کر صرف اعمال کی صورتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں لیکن ان ارداح سے ان کو بالکل بچا لگی نہیں ہوتی اور ایک قسم

اصحاب جذب کی ہے ان کے نفوس میں قوت ملکی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ اور یہی قوت بھی ضعیف ہوا کرتی ہے اس وقت ان میں ذکر الہی ایک ولولہ پیدا کرتا ہے اور ان پر جزئی جزئی الہامات اور جزئی عبادت اور طہارت کا ترشح ہوتا ہے اور ایک قسم ارباب اصطلاح کی ہے۔ ان کی ملکی قوت نہایت ہی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ ان لوگوں کی یہی طاقت اگر قوی ہوتی ہے تو سخت سخت ریاستوں کا وہ اہتمام کرتے ہیں اگر قوت یہی ضعیف ہوتی ہے تو ہمیشہ وظائف کے پابند رہتے ہیں۔ ان تمام مہنتوں سے ان کو کچھ حس نہیں ہوتا اور کسی قسم کا انکشاف ان کو نہیں ہوا کرتا۔ البتہ اعمال اور وہ صورتیں جو عمدہ ملکات کے لیے لباس اور تصویر ہوتی ہیں۔ ان کے نفوس میں راسخ ہو جاتی ہیں۔ اکثر لوگوں کے اعمال میں کامل اخلاص اور طبیعت و عادت کے میلانوں سے بالکل آزادی اور علیحدگی ہوا کرتی ہے۔ وہ نیک کام کرتے ہیں لیکن طبیعت کی رغبت اور ثواب کی امید ان کی نیت میں شامل ہوا کرتی ہے۔ وہ نماز اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان کے خاندان میں نماز کا طریقہ جاری ہوا کرتا ہے اور ثواب کی امید بھی ان کو رہتی ہے زنا اور شرابخوری میں کسی قدر ان کو اللہ کا خوف ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کا اس لیے وہ ان سے اجتناب کرتے ہیں یا یہ لوگ اپنی مرغوب کے حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور لہو و دل لگی کی باتوں میں مال صرف نہیں کر سکتے تو ایسے لوگوں سے اس قسم کے اعمال اُسی صورت میں قابل قبول ہوتے ہیں کہ خالص اخلاص کی صفت کی وجہ سے ان کے دلوں کو تاب نہ ہو اور نفس اعمال ان کے نفوس سے سرزد ہوتے ہیں۔ نہ یہ وہ صرف کام کر لیتے ہیں جن میں ملکات کی کسی قدر تشریح ہوا کرتی ہے پیشتر زمانہ کی حکمت میں مندرج تھا کہ بعض صورت میں حیالیک امر ہے اور بعض صورت میں حیا عاجزی اور ضعف سے ہوا کرتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **الحیاء خیر کلمہ**۔ (حیاء صورتوں میں عمدہ ہی چیز ہے) اس حدیث میں ہماری مذکورہ بالا تقریر پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر بعض بعض وقتوں میں قوت ملکی کی بجلی چمک جاتی ہے خود ان کا ملکہ راسخ نہیں ہوا کرتا لیکن وہ ایسی تجلی سے بالکل ناواقف بھی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اللہ سے توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں برائیوں پر اپنے نفوس کو ملامت کرتے ہیں۔ یا تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں یا ضعف فطری کے سبب سے ان کے دلوں میں برائی جم نہیں سکتی ان کا دل پرندوں کا سا ہوتا ہے یا ان کے مزاج میں کوئی عسے قوت کی محلل عارض ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی کو شکم کی بیماری ہو یا مصیبتوں میں گرفتار ہوا ایسے لوگوں کی خطاؤں کو ان کی مصیبتیں دور کر دیا کرتی ہیں اور حاصل یہ ہے کہ اصحاب یمن کو سابقین کے خصائل میں سے ایک تو حاصل ہوتی ہے لیکن ایک دوسری حاصل نہیں ہوتی۔

اصحاب الیمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا نام اصحاب الاعراف ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے مزاج صحیح ان کی فطرت صاف و پاکیزہ ہوتی ہے۔ لیکن ان کو دعوت اسلام کی کچھ خبر نہیں ہوا کرتی اور اگر کسی قدر ہوتی بھی ہے تو نہ اتنی کہ الزام حجت کے قابل ہو یا اس سے ان کے دلوں کا شبہ دور ہو سکے اس واسطے ان لوگوں کو دلی ملکات اور مہلک اعمال میں انہماک نہیں ہوا کرتا اور نہ بارگاہ خداوندی کی جانب کسی قسم کی توجہ ان کو ہوتی ہے ان کی اکثری حالت یہ ہوتی ہے کہ مذابیر دنیوی میں سرشار رہتے ہیں مرنے کے بعد ایک کوراز حالت کی طرف وہ رجوع کرتے ہیں جب تک کہ ان کی یہی حالت بالکل ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتی وہ نہ ثواب کی حالت میں ہوتے ہیں نہ عذاب کی۔ البتہ بہیمیت کے آثار محو ہونے کے بعد ملکی طاقت کی درخشاں

بجلیوں میں سے بعض بعض ان پر چمکتی ہیں اور دوسری قسم ایسے لوگوں کی وہ ہے کہ ان میں سستی مادہ کم ہو جیسے اکثر لڑکے دیوانے کا شکار غلام وغیرہ وغیرہ۔

بعض لوگ محض بے معنی ہوتے ہیں اگر رسوم کی پابندی ان میں نہ ہو تو وہ خود محض بے عقل رہ جاتے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں مسلمان ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ نے کالی لونڈی کے لیے کافی سمجھا تھا اس سے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا اللہ کہاں ہے: (این اللہ) اُس نے آسمان کی جانب اشارہ کیا۔ ایسے لوگوں سے صرف یہی مقصود ہوتا ہے کہ کلہ کی تفریق نہ ہو اور سب مسلمانوں کے ہم شکل رہیں۔

جو لوگ رذیل عادات میں منہمک رہتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی کی جانب نامناسب طریقہ سے ان میں میلان ہوتا ہے تو یہ لوگ اصحابِ جاہلیت ہوتے ہیں اور مختلف صورتوں سے ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اصحابِ اعراف کے بعد منافقین کا درجہ ہے ان کا نفاق عملی ہوتا ہے۔ ان منافقین کو کامل سعادت حاصل نہیں ہوا کرتی جس سے کمال مطلوب ٹھیک طور پر حاصل ہو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبیعت کا پردہ ان پر پڑا ہوتا ہے رذیل ملک میں وہ از خود رفته ہوتے ہیں۔ کھانے عورتوں کینہ وغیرہ میں وہ محو ہوتے ہیں ان کے ان رذائل پر عبادت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں پر رسم کا پردہ غالب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رسومِ جاہلیت یا بھائی بندوں یا وطنوں کے ترک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی یا ان پر سوہ معرفت اور کج فہمی کا پردہ پڑا ہوتا ہے جیسے اللہ کے ساتھ اوروں کو تشبیہ دینے والے یا اعانت اور استعانت میں اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے والے اللہ کے حضور میں شرک خفی کرنے والے جو قائل ہیں کہ اس قسم کا شرک مبعوض نہیں ہے یہ شرک ان صورتوں میں ہوتا ہے جن کے مذہب میں پوری تصریح نہیں ہوتی اور بخوبی پردہ ان پر سے اٹھایا نہیں جاتا اور بعض لوگ ضعیف المزاج اور نحیف ہوا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ اور رسولؐ سے محبت بھی ہوتا ہم وہ معاصی سے باز نہیں آتے اس شخص کا قصہ ایسا ہی ہے جو شراب خور تھا اور اللہ رسولؐ سے اس کو محبت بھی تھی آنحضرت ﷺ نے اس کی شہادت دی ہے۔

اور ایک جماعت فاسقین کی ہے ان لوگوں میں رذیل ماکات کی نسبت زیادہ اعمالِ بد کا غلبہ ہوا کرتا ہے فاسقین میں سے بعض لوگوں میں یہ بھی قوت زیادہ ہوتی ہے درندوں اور بہائم کی خواہشوں میں وہ منہمک رہا کرتے ہیں اور بعضوں کے مزاج فاسد اور راکھیں ان کی بے ہودہ ہوتی ہیں وہ بمنزلہ اس مریض کے ہوتے ہیں جس کو مٹی اور چلی ہوئی روٹی کھانے کی عادت ہو جاتی ہے ان سے شیطانی امور سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

فاسقین کے بعد درجہ کفار کا ہے یہ لوگ سرکش اور مسترد ہوتے ہیں ان کی عقلیں کامل ہوتی ہیں اور احکامِ الہی کی تبلیغ بھی ان کو کی جاتی ہے تاہم وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کرتے ہیں یا ان مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں جو انبیاء کے احکام پھیلانے میں اللہ تعالیٰ کو منظور ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے باز رہتے ہیں۔ اور دنیوی زندگی پر قناعت کرتے ہیں دنیا کے مابعد زندگی کی کچھ پروا نہیں کرتے ایسے لوگ ابدی لعنت کے قابل ہیں وہ ہمیشہ مقید رہیں گے۔ ان میں ہی سے اہل جاہلیت ہیں اور منافق بھی ان میں ہی شامل ہے۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اس کے دل میں کفر خالص باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

اس بیان میں کہ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہوا کرتی ہے جو اور مذہب کا نسخہ ہو

جتنے مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں سب کی چھان بین کرو۔ ابواب سابق میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے خلاف نہ ہوگا کوئی مذہب ایسا نہ ہوگا جس میں بانی مذہب کی صداقت کا اعتقاد اور اس کی تعظیم دل میں نہ ہو۔ اس کی نسبت سب کا یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بڑا کامل اور بے نظیر ہوتا ہے اس اعتقاد کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ عبادات میں لوگ اس کے استقلال کو دیکھتے ہیں خلاف معمول امور اس سے ظاہر ہوتے ہیں اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور ایسے ہی مذہب میں ایک حصہ حدود اور شرائع اور تعزیرات کا ہوتا ہے جن کے بدون مذہب کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ ان کے بعد مذکورہ بالا امور میں آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔

ہر ایک قوم کا ایک طریقہ اور خاص شریعت ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بزرگوں کے عادات کا اتباع کرتے ہیں اپنے آئمہ دین اور حاکمین مذہب کی روش کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے اُس مذہب کی بنیادیں نہایت مستحکم ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اُس مذہب کے پیرو اس کے لیے پشت پناہ ہو جاتے ہیں اس کی حمایت میں جنگ آزمائیاں کرتے ہیں اور اپنی جانوں اور مالوں کو اس پر قربان کرتے ہیں یہ جانبازیاں نہایت مضبوط تدابیر اور پختہ مصلحتوں کی وجہ سے ہوا کرتی ہیں عوام لوگ ان کے نتائج کو نہیں سمجھ سکتے۔

اور جب ہر ایک فرقہ کا مذہب علیحدہ قرار پا جاتا ہے ان کے طریقے معین ہو جاتے ہیں اور زبان و سنان سے وہ ان کے حامی بنتے ہیں اور ان میں اس وجہ سے ایک ناراستی اور بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے کہ جو شخص مذہب قائم کرنے کے قابل نہیں ہوتا وہ اس کا سربراہ کار ہو جاتا ہے یا نئے نئے طریقے اس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں یا حاکمین دین اشاعت مذہب میں سست ہو جاتے ہیں تو ان اسباب سے وہ لوگ مذہب کے اکثر معتبر اور مناسب حصہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں: **فلوبتق الادمنہ لم تنکم من ام ادنی**۔ (صرف نشانات ہی نشانات ہیں جو ام ادنی کا کچھ حال نہیں بتاتے) اس وقت میں ہر ایک مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو برا بھلا کہتا ہے اس کا انکار کرتے ہیں اس سے قتل و قتال کرتے ہیں۔ تب ایک ایسے کامل رہنما اور امام کی ضرورت ہوتی ہے جو تمام مذاہب سے ایسا ہی معاملہ کرے جیسا کہ کج روادشاہوں سے خلیفہ معاملہ کرتا ہے اس کے متعلق تمام مذاہب کے خلط ملط ہونے کا قصہ دیکھو جس کو کتاب کلید و منہ کے مترجم نے ذکر کیا ہے مترجم نے قصہ کیا تھا کہ ٹھیک بات کا اندازہ کرے لیکن کچھ تھوڑا سا وہ اندازہ کر سکا ایسا ہی مورخین نے زمانہ جاہلیت کے حالات اور ان کے مذاہب کی ابتری بیان کی ہے۔

اس امام کو جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرنا چاہتا ہے ملا وہ اصول امامت مذکورہ کے اور اصول کی بھی ضرورت پڑتی ہے:

① یہ کہ وہ ایک حصہ کو پسندیدہ طریقہ کی طرف دعوت کرے۔ ان کے نفوس کا ترکیہ کرے ان کی حالت کو درست بنائے پھر ان کو اپنے اعضاء بنائے ان کو اپنے ساتھ لے کر تمام لوگوں سے جنگ کرے اور ان کی طاقتوں کو آفاق عالم میں متفرق کر دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی تکمیل کے لیے پیدا کیے گئے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اس لیے کہ وہ خود تنہا ہے

تعداد فرقوں سے جہاد نہیں کر سکتا ہے اس واسطے ضرورت ہے کہ اس کی شریعت کا مادہ وہی ہو جو تمام معتدل اقالیم کے باشندوں کے لیے بمنزلہ قدرتی طریقہ کے ہے پھر امام کو ان علوم و تدابیر پر نظر کرنی چاہیے جو اس کی قوم میں رائج ہوں۔ اوروں کی نسبت اپنی قوم کی مراعات حالات زیادہ کرنی چاہیے جب اس قوم کی شریعت مقرر ہو جائے تو تمام لوگوں کو اس کی پیروی پر آمادہ کرے۔ اس کا موقع نہیں ہوا کرتا۔ کہ ہر ایک قوم کی حالت اسی کو مفوض کر دی جائے یا ہر ایک زمانہ کے اماموں پر اس کو چھوڑ دیں۔ اس سے شریعت مقررہ بے سود ہو جاتی ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ امام ہر ایک قوم کے علوم کا اندازہ کر کے ہر ایک کے لیے جدا شریعت قرار دے۔ سب کے عادات اور ان کے تمام ذاتی امور کا احاطہ کرنا۔ حالانکہ ان کے شہر اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں ناممکن کے درجہ میں ہے اور جب شریعت کے نقل کرنے میں تمام ناقلین کو عاجزی پیش آتی ہے تو مختلف شرائع کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو اور نیز اکثر یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ مدت دراز کے بعد اور فرقے مطیع ہوا کرتے ہیں۔ جس کے لیے نبی کی عمر و فائز نہیں کیا کرتی موجودہ شرائع میں ہی دیکھ لو۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں سے اولاً معدود سے چند ہی ایمان لائے تھے پھر ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا تو اس سے زیادہ عمدہ اور آسان طریقہ نہیں ہے کہ شعائر حدود و تدابیر میں اپنی ہی قوم کا لحاظ کرے جن کی طرف وہ مبعوث ہوا ہے اور آئندہ فرقوں کے لیے بھی یہ امور باعث تنگی نہ ہوں۔ ان پر اس کو نظر رحم چاہیے اگلے لوگ تو اپنی دلی شہادت اور اپنی عادات کی راہنمائی سے اس شریعت کو اختیار کرتے ہیں۔ اور پچھلے لوگ اس مذہب کے آئمہ اور خلفاء کی سیرتوں کو مرغوب جان کر اتباع کیا کرتے ہیں ہر زمانہ میں قدیم و جدید ہر ایک قوم کا یہی شیوہ ہو گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں اکثر عمدہ ملک جن میں معتدل مزاجوں کی تولید ہوتی ہے دو بڑے شہنشاہوں کے تحت ہیں تھے ① کسری ملک عراق بن خراسان اور ان کے متصل ملک اس کے زیر حکومت تھے۔ اور ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ بھی اس کے منہم اور باجگزار تھے ہر سال وہ کسری کو خراج بھیجتے تھے۔ ② قیصر شام و روم ان کے اطراف شاہان مصر اور مغرب و افریقہ سب اس کے زیر فرمان اور باجگزار تھے اس وجہ سے ان دونوں شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور ان کے ممالک پر قبضہ کر لینا گویا تمام روئے زمین پر قبضہ کر لینا تھا۔ ان سلاطین کے عادات کا اثر جو آرام و آسائش کے متعلق تھیں تمام ان کے ماتحت شہروں میں پھیل گیا تھا۔ اس لیے ان عادات کو تبدیل کرنا ان کو ایسی حرکات سببے باز رکھنا گویا تمام ملک کے لیے تنبیہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب عجم کی لڑائیوں میں ہر مزان سے مشورہ لیا تھا تو کسی قدر اس حالت کا اس نے ذکر کیا تھا۔

ان کے مادہ اطراف دنیا جو اعتدال مزاجی سے دور تھے مصلحت کلی میں قابل لحاظ اور اعتبار نہ تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک وہ مشرک و کافر رہیں تم کو اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے تم بھی ان کو اپنے حال پر رکھو۔ اَنُرُكُ التَّوَلَّكُ مَا نُرُكُکُمْ و دَعُوا الْحَبْشَةَ مَا وَدَعُوکُمْ۔

حاصل یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارادہ کیا کہ مذہب کی کجی کو دور کر دے اور لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو لوگوں کو نیکو پر مامور کریں اور برائیوں سے روکیں اور لوگوں کی خراب رسوں کو بدل ڈالیں تو ایسا انتظام اس پر موقوف تھا کہ ان عادات کا زوال ہو جائے اس کی آسانی کے لیے ضرور تھا کہ ان سلطنتوں کی حالت سے تعرض کیا جائے ان ہی کی حالتیں تمام

عمدہ ملکوں میں سرایت کر گئی تھیں یا سرایت کرنے کے قریب تھیں۔ اس واسطے حضرت خداوندی نے مقدر کیا کہ یہ دونوں طاقتیں تباہ ہو جائیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اب کوئی کسریٰ اُس کے بعد نہ ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر اس کے بعد نہ ہوگا۔ **هَلِكُ كَسْرِيْ فَلَا كَسْرِيْ بَعْدَهُ وَهَلِكُ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ** اور اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا کہ تمام دنیا کی بے ہودگی کو بذریعہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عرب کی بے ہودگی دور کرنے سے دور کر دے اور بذریعہ عرب کے ان دونوں سلطنتوں کی بے ہودگی کو رفع کرے اور پھر ان کے ذریعہ سے تمام عالم کو دروغ اور ناراستی سے صاف و پاک کر دے۔

ایسے امام کا قاعدہ یہ بھی ہے کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خلافت عامہ کا بھی اہتمام اور انتظام کرتا رہے خلفاء انہیں لوگوں کو مقرر کرے جو اس کے ہموطن اور خاندان کے ہوں۔ جن کی نشوونما انہیں عادات اور طریقوں پر ہوئی ہے۔ اصل اور نقل میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے: **لَيْسَ التَّكْحُلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكُحْلِ** ایسے لوگوں میں خاندانی حمیت اور غیرت کے ساتھ مذہبی حمیت بھی ہوا کرتی ہے ان کی شان اور رتبہ کی بلندی صاحب مذہب کی بلندی درجہ کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے امام خاندان قریش سے ہونے چاہئیں: **الْاِثْمَةُ مِنْ قُرَيْشٍ** امام ہمیشہ خلفاء کو دین کے قائم کرنے اور شائع کرنے کی ہدایت کرتا رہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم دین پر جب تک ہے باقی رہو گے کہ تمہارے امام تمہارے ساتھ ساتھ ٹھیک رہیں گے: **الْقَاءُ كَمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ اِثْمَتُكُمْ**۔

امام کا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ اس اپنے مذہب کو سب مذاہب پر غالب کرے کسی شخص کو ایسا نہ چھوڑے جس پر دین غالب نہ ہو جائے خواہ اس میں کسی کی عزت ہو یا ذلت اس وقت میں تین درجہ کے لوگ ہو جائیں گے: ① وہ فرقہ جو ظاہر اور باطناً مذہب کا مطیع ہوگا ② جو مجبوراً ظاہر میں اس کی اطاعت کرے گا۔ اس سے مخالفت نہ کر سکے گا ③ کافر خوار و ذلیل اس سے وہ امام ذلیل ذلیل کام لے گا اور جیسے چار پائے کھیتی اور بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں ایسے ہی کھیت کاٹنے اناج نکالنے اور دستکاریوں کے اس سے کام لیے جائیں گے اور ذلیل سمجھ کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

اور مذاہب پر غلبہ دین کے چند اسباب ہوا کرتے ہیں ① تمام مذاہب کے شعاروں پر اپنے مذہب کے شعار کا اعلان اور اشاعت کرے مذہبی شعار ایک امر ظاہر ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے یہ مذہب والا اور مذاہب سے ممتاز ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ختنہ مسجدوں کی تعظیم اذان جمعہ جماعات ② یہ کہ لوگوں کو ممانعت کر دے اور مذاہب کے شعاروں کو ظاہر نہ کریں بر ملا ان کا استعمال نہ کریں ③ قصاص میں دیتوں میں نکاحوں میں ریاستوں کے انتظام میں کافروں کو مسلمانوں کے ہمسر نہیں کرنا چاہیے تاکہ یہ امور ان کو ایمان پر مجبور کریں ④ یہ کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کے اعمال ظاہری کی تکلیف دے سخت پابندی ان کی کرائے اعمال کے راز اور اراواح کی زیادہ تصریح ان کے سامنے نہ کیا کرے اور شریعت کی کسی بات میں ان کو خود مختار نہ کرے شرائع نے اسرار جو حسیلی احکام کے ماخوذ ہیں عام لوگوں سے مخفی رکھے جو راسخ العلم ہوں وہ ہی ان کا پتہ لگا سکیں اس واسطے کہ اکثر مکلفین کی حالت یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ مصالح کو جب ہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ان مصالح کے قواعد منضبط کر دیئے جائیں اور وہ بمنزلہ محسوسات کے ہو جائیں کہ ہر شخص ان کو برتاؤ میں لاسکے اگر کسی امر کے چھوڑنے کی اجازت ان کو دے دی جائے یا یہ بتایا جائے کہ مقصود اصلی ان ظاہری اعمال۔

سوا کوئی اور امر ہے تو ان کو خوض کرنے کے زیادہ موقع ملیں گے۔ اور ان کے اختلافات زیادہ ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مراد نا تمام رہ جائے گی۔ واللہ اعلم

اور چونکہ صرف تلوار سے غلبہ لوگوں کے شبہات اور حجابات کو بخوبی دور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد احتمال رہتا ہے کہ چند روز کے بعد پھر وہ لوگ کفر کی حالت پر عود کر جائیں اس واسطے امام کا یہ بھی فرض ہے کہ عام لوگوں کے ذہن میں برہانی اور نقیضی دلائل یا مفید مشہور امور سے ثابت کر دے کہ اور مذاہب اتباع کے قابل نہیں ہیں اور وہ کسی معصوم شخص سے منقول نہیں ہیں یا وہ مذہبی قواعد پر منطبق نہیں ہیں۔ یا ان میں تحریف اور تبدیلی واقع ہو گئی ہے اور ب موقع امور ان میں قرار دیئے گئے ہیں علی رؤس الاشباد ان سب امور کی تشریح و تصحیح کر دی جائے اور دین محکم کے مرجحات کو صاف صاف بیان کر دے کہ یہ دین آسان اور صاف ہے اس کے حدود واضح ہیں۔ جن کی خوبیاں قتل خوب معلوم کر سکتی ہے جو امر اس میں مشتبہ ہے دو بالکل صاف ہے ان لیلیا نهارھا اس کے طریقے عام لوگوں کو زیادہ نافع ہیں اور انبیائے سابقین کی سیرت سے جو امور باقی ہیں ان سے یہ زیادہ مشابہ ہے بہر حال ایسے ہی ایسے تفصیل ہونے چاہئیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۷

مذہب کو اس طرح پختہ کرنا کہ اس میں تحریف اور رد و بدل نہ ہو سکے

اس شخص کو جس کے ہاتھ میں نہایت بڑا انتظام ہو اور وہ اللہ کی جانب سے ایک ایسا مذہب الایا ہو جو تمام مذاہب کا ناسخ ہو۔ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اس طرح پختہ کرے کہ کسی قسم کی تحریف کا وہاں تک زور نہ ہو سکے ایسے مذہب میں متفرق جماعتیں شامل ہوتی ہیں ان کی استعدادیں اور اغراض مختلف ہوا کرتے ہیں اس لیے وہ لوگ ہوائے نفس یا اس مذہب کی اُلفت سے جس میں وہ پہلے رہ چکے ہیں یا اپنے فہم کی کوتاہی سے کہ کسی شے کو وہ سمجھ لیتے ہیں اور اس کی اکثر مصالحتیں ان کو معلوم نہیں ہوتیں مذہب کے منصوص مسائل میں فروگزاشت کرتے ہیں یا جو چیزیں اس مذہب میں شامل نہیں ہوتیں۔ ان کو مندرج کر دیا کرتے ہیں اس لیے اس مذہب میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں گزشتہ مذاہب کا یہی حال ہوا۔ چونکہ خرابیوں کے طریقے تمامہا معلوم نہیں ہو سکتے اور عصر میں نہیں آسکتے اور ان کی تعیین نہیں ہو سکتی وما لا یدرک کله لا ینرک کله یہ ضرور ہے کہ اجمالی طور پر تحریف کے اسباب سے ان کو خوب متنبہ کر دے۔ ان مسائل کو متعین کر دے جو ظن و تخمین سے ایسی باتری کے باعث ہوتے ہیں یا ان میں سستی اور تحریف کرنا لوگوں میں ایک اترا ری بیماری ہوا کرتی ہے ایسے راستوں کو نہایت اہتمام سے بند کر دینا چاہیے۔

تجملہ اسباب تحریف کے ایک سستی ہے اور اس سستی کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو جایا کرتے ہیں جو نمازوں کو تباہ کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں ان کو درس و تدریس یا عمل کے ذریعہ سے مذہب کے پھیلانے کی کچھ

پردہ نہیں ہوتی۔ نہ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں نہ برائی سے ان کو روکتے ہیں۔ اس وجہ سے بہت جلد مذہب کے بالکل خلاف رسمیں قائم ہو جاتی ہیں اور طبائع کا رخ ان امور کی طرف ہو جاتا ہے جو شریعتوں کے خلاف ہوا کرتے ہیں ان کے بعد اور ناخلف ایسے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اور بھی زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ علم مذہب کا بڑا حصہ نسیا و منسیا ہو جاتا ہے اور لوگوں کے حق میں نہایت ضرر رساں اور باعث فساد بزرگان قوم و مذہب کی سستی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ اب کوئی ایسا شخص نہیں جو ٹھیک ٹھیک ان مذاہب کا واقف ہو۔

سستی کے باعث چند امور ہوا کرتے ہیں:

① یہ کہ صاحب مذہب سے مذہبی امور کے نقل کرنے میں اور ان پر عمل کرنے میں سستی کی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ اس کا احتمال ہے کہ بعض آدمی اپنی مسند پر سیر اور بے فکر ہوں گے اور لوگوں سے کہیں گے۔ اس قرآن کو مضبوطی سے لو۔ پس جو چیزیں تم قرآن میں حلال پاؤ۔ ان کو حلال سمجھنا اور جو حرام پاؤ ان کو حرام سمجھنا اور جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے وہ ایسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ نے حرام کی ہیں:

الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال

فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله.

اور نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو اس طرح نہ دور کرے گا کہ لوگوں میں نہ رہے۔ بلکہ علماء کے نہ ہونے سے اس میں کمی ہو جائے گی جب اللہ کوئی عالم ہی باقی نہ رکھے گا۔ تب لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے۔ ان سے مسائل دریافت کیے جائیں گے بے علمی سے وہ ان کا جواب دیں گے۔ اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

② سبب تہادون اور سستی کے یہودہ اغراض ہوتے ہیں۔ جن سے لوگ جھوٹی تاویلیں کیا کرتے ہیں لوگ بادشاہوں کی خوشامد سے ان کی خواہشیں پوری کرنے کے لیے ایسا کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ کتاب الہی کے احکام کو جو منزل من اللہ ہیں۔ چھپاتے ہیں اور ان کے عوض میں کچھ قیمت لے لیتے ہیں۔ وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا. أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ﴾

③ سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں اور علماء ان سے لوگوں کو باز نہیں رکھتے:

﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْمَرْؤَاتِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ﴾

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوں گے تو علماء نے ان کو پہلے روکا۔ لیکن وہ باز نہ آئے تب علماء بھی خود ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو گئے تب وہ خلط ملط ہو گئے حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے اللہ نے ان پر لعنت ظاہر کی ان کی سرکشی کرنے سے ایسا ہوا وہ حد سے بڑھ گئے تھے۔

اور تحریف کے اسباب میں سے ایک تعق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی شے کا حکم کرتا ہے اور کسی چیز سے ممانعت کرتا ہے اور اس کی امت کا کوئی شخص اس کو سن کر اپنے ذہن کے موافق اس کو سمجھتا ہے اور اسی حکم کو وہ ان امور میں بھی تجویز کرتا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے اس اصلی حکم کے مشابہ ہو کر رہتے ہیں۔ یا اس میں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزاء پائے جایا کرتے ہیں۔ یا جو حکم شارع نے قرار دیا تھا یہ شخص اسی حکم کو اس شے کے اجزاء میں یا اس کے محتمل مواقع یا اس کے اسباب میں بھی تجویز کرتا ہے۔ روایتوں کے تعارض سے جب اس کو کسی امر میں شبہ ہو جاتا ہے تو وہ نہایت اشد کام کا پابند ہوتا ہے۔ اسی کو واجب قرار دیتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرتا ہے حالانکہ حق بات یہ ہے کہ آپ نے بہت سے امور کو عادی کیا تھا۔ اس واسطے ان امور عادیہ میں بھی اس کا یہی خیال ہوتا ہے کہ امر و نہی ان میں جاری ہے اور وہ صاف صاف کہتا ہے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اس چیز سے منع کیا ہے مثلاً شارع نے روزہ کو نفس کے مغلوب کرنے کے لیے مقرر کیا ہے اور عورتوں کی ہم بستری کو اس میں منع کر دیا اس سے بعض لوگوں کو گمان ہوا کہ سحر کا کھانا خلاف مشروع اور ناجائز ہے اس لیے کہ وہ نفس کی مغلوبیت کے خلاف ہے اور یہ بھی بعض لوگوں نے گمان کیا کہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا بھی روزہ میں حرام ہے بوسہ لینا ہم بستری کے اسباب میں سے ہے۔ جیسے ہم بستری سے نفس کی رغبت پوری ہوتی ہے ایسی ہی اس سے بھی پوری ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قول کی خرابی بیان فرمادی کہ یہ دین میں تحریف ہے۔

اور اسباب تحریف سے تشدد ہے یعنی اس شاق امور کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے ان کی پابندی کی جائے ہمیشہ روزہ رکھنا ہر وقت نماز پڑھنا دنیا سے آزادی اور شادی نہ کرنا یہ سب امور ایسے ہی ہیں۔ واجبات دین کی مانند مستحبات اور سنن کی پابندی کرنا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما نے جب نہایت سخت سخت عبادات کی پابندی کا قصد کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمایا کہ جس نے مذہبی امور میں زیادہ تعق کیا ہے دین اس پر غالب آ گیا ہے لن یثا والدين احدا لاغلبہ۔ جب ایسا سخت پابند آدمی کسی فرقہ کار بہر اور پیشوا ہوتا ہے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی سے ہے۔ یہود و نصاریٰ کے راہوں میں یہی بیماری تھی۔

اسباب تحریف سے اتقان بھی ہے یعنی جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ شارع ہر ایک حکم کے لیے موقع اور محل تجویز کرتا ہے اور امور شرعی کو منضبط کرتا ہے تب امور شرعی کے بعض بعض امور معلوم کر کے لوگوں کے لیے اپنے فہم کے موافق مصلحتیں قرار دیتا ہے مثلاً جب یہودیوں نے دیکھا کہ شارع نے حدود کو اس واسطے مقرر کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور وہ معاصی سے اجتناب کریں۔ اور پھر انہوں نے خیال لیا کہ رہیم سے انتہا فساد اور جنگ و جدال پیدا ہوتا ہے اور اس سے فساد کا اور زیادہ اندیشہ ہے۔ اس لیے انہوں نے رہیم میں منہ سیاہ کرنا اور تازیانے مارنا اختیار کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے صاف بیان فرمادیا کہ یہ مہرب میں تحریف ہے اور تو رات کے علم مخصوص کے یہ بالکل مخالف ہے۔ حضرت ابن سیرین نے منقول ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور آفتاب و چاند کی پرستش قیاسوں سے ہوئی ہے اور حضرت سہیل نے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَحَلِيسَةٍ مِنْ حَلِيسٍ﴾ (مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو تو نے سے) یہ آیت پڑھ کر انہوں نے کہا۔ ابلیس نے یہ قیاس کیا تھا

اور سب سے پہلے قیاس الہی نے کیا تھا اور امام شعی سے منقول ہے کہ اگر تم قیاسوں پر عمل در آمد کرو گے تو حلال کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لو گے۔

اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ قرآن لوگوں کے سامنے کھولا جائے گا۔ اس کو عورت بچہ آدمی سب پڑھیں گے۔ تب وہ آدمی کہے گا میں نے قرآن پڑھا لیکن کسی نے میری پیروی نہیں کی۔ واللہ میں لوگوں میں کھڑے ہو کر قرآن کو پڑھوں گا وہ لوگوں میں رہ کر اور کھڑے ہو کر بھی قرآن کو پڑھے گا تب بھی کوئی اس کی پیروی نہ کرے گا اور وہ یہی کہے گا کہ آدمیوں میں بھی قرآن کو پڑھا۔ اب بھی کسی نے پیروی نہ کی۔ اب میں مسجد میں ایک حجرہ بناؤں گا شاید کوئی میری پیروی کرے وہ ایسا ہی کرے گا اور یہی کہے گا کہ میں نے خود بھی قرآن پڑھا۔ لوگوں میں قیام کر کے بھی پڑھا مسجد میں حجرہ بنا کر بھی پڑھا۔ لیکن کوئی پیرو نہ ہوا۔ اب کوئی ایسی بات لوگوں سے کہوں جو کلام الہی میں ان کو نہ ملے اور نہ پیغمبر خدا سے انہوں نے اس کو سنا ہو اس سے شاید کوئی میرا اتباع کرے۔ پس اے لوگو! تم ایسی باتوں سے بچو جن کو یہ شخص بیان کرے۔ یہ چیزیں جن کو وہ بیان کرے گا سرتاپا گمراہی ہی ہوں گی۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے اسلام کو عالم کی غلطی منافق کا کتاب الہی کے ساتھ جھگڑنا گمراہ اماموں کا حکم کو زائل کر دیتا ہے۔ ان سب امور سے وہی مراد ہیں۔ جو کتاب الہی اور حدیث رسالت پناہی سے مستبط نہ ہوں۔

اور اسباب تحریف سے اجماع کی پیروی ہے یعنی حاکمین دین کا ایک فرقہ جن کی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوا کرتی ہے۔ کسی امر پر اتفاق کرے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لیے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے اس خیال کی قرآن و حدیث میں کچھ اصل نہیں ہے یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے لوگ سب اس اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستبط ہو لیکن لوگوں نے اس اجماع کو تسلیم نہیں کیا ہے جس کی سند قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ۔ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہیں باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے: **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَفْقَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا** ﴿۱۰۶﴾ یہودی حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے انکار میں بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے ان کے حالات کی چھان بین کی۔ لیکن انبیاء کے شرائط ان میں نہیں پائے۔ عیسائیوں کے بہت سے شرائع تورات و انجیل کے بالکل مخالف ہیں ان کے بزرگوں کا صرف اتفاق ہی ان کی دلیل ہے۔

اور اسباب تحریف سے غیر معصوم کی تقلید ہے یعنی نبی کے علاوہ جس کی عصمت ثابت نہیں ہوتی ہے کسی اور کا اتباع کرنا۔ اس تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں علماء امت میں سے کوئی عالم اجتہاد کرے اور اس عالم کے پیرو یہ خیال کریں کہ یہ اجتہاد بالکل صحیح ہے اور اس کے مقابلہ میں حدیث صحیح کو بھی رد کر دیں۔ اس قسم کی تقلید اس تقلید کے مخالف ہے جس پر امت مرحومہ نے اتفاق کیا ہے۔ اس لیے کہ سب کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی۔ اور ہر مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کے منصوص حکم پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس کا پورا عزم چاہیے کہ جب امر تقلیدی کے خلاف

کوئی حدیث ظاہر ہو تو تقلید کو ترک کر کے حدیث کا اتباع کرنا چاہیے آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے کہ: ﴿اتَّخِذُوا أَخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَزْنَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ یہود نے اپنے عالموں اور راہبوں کو بجز اللہ کے اور لوگوں کو اپنا رب قرار دیا) فرمایا ہے کہ یہودی ان علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ان کے نبی جس چیز کو جائز کر دیتے تھے وہ اسی کو جائز سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام بتاتے تھے وہ اسی کو حرام کر لیتے تھے۔

اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دوسرے میں ایسا خلط ملط کر دینا بھی ہے کہ ایک کی دوسرے سے کچھ تمیز نہ رہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مذہب کا پابند ہوا کرتا ہے تو اس کا دلی تعلق اُس مذہب کے علوم سے رہا کرتا ہے جب یہ شخص مذہب اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تب بھی اس کا میاں دلی انہیں امور کی جانب باقی رہتا ہے۔ جن کے ساتھ وہ پہلے سے مألوف تھا اس واسطے وہ متلاشی رہتا ہے کہ اس مذہب میں اس کی کوئی وجہ مل جائے اگرچہ ضعیف یا موضوع ہی وہ وجہ کیوں نہ ہو اکثر وہ حدیث کی وضع کو یا روایت وضعی کو اسی لیے تجویز کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہمیشہ اعتدال رہا کیا یہاں تک کہ ان میں مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی۔ تب انہوں نے اپنی رائے کو مذہب میں دخل دیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔ ایسے ہی ہمارے مذہب اسلام میں بھی بنی اسرائیل کے علوم خطبائے جاہلیت کے تذکرے۔ یونانیوں کا فلسفہ بابلیم کی دعوات پارسیوں کی تاریخ اور علم نجوم اور رمل اور علم کلام مخلوط ہو گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حضور میں توریت کا ایک نسخہ پڑھا گیا تو آپ غصہ ہوئے۔ اور جو شخص حضرت دانیال کی کتابیں تلاش کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مارا۔ واللہ اعلم

باب ۷۲

ہمارے مذہب اور یہودیت و نصرانیت کے مختلف ہو جانے کے اسباب میں

جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم میں مبعوث کرتا ہے تو پیغمبر اپنی زبان میں ان لوگوں کے لیے مذہب قائم کرتا ہے اس میں کسی قسم کی کجی اور غلوایت باقی نہیں رکھتا اس کے بعد اس مذہب کی روایتیں منتقل ہو کر اس پیغمبر کے حواریوں کو پہنچتی ہیں اور یہ حواری ایک مدت تک مناسب حالت میں ان علوم نبوت کے حامل ہوتے ہیں لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ان امور میں تغیر و تبدل کر ڈالتے ہیں اور ان میں سستی اور سب پر دہنی کرتے ہیں اس لیے اب وہ مذہب محض حق نہیں رہتا۔ بلکہ اس میں نبوت اور حق ملا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی جس کو اللہ نے اس کی امت میں بھیجا ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ اس نے حواری اور اصحاب نہ ہوں پیغمبر کے طریقے اختیار کرنے والے اور اس کے اہکام کی تعمیل کرنے والے لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف بائیسین ہوتے ہیں جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ ہیں علم کے خلاف ان کے افعال ہوتے ہیں۔

ان باطل امور میں جو مذہب میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ تو شرک جلی اور صریح تحریف کا ہوا کرتا ہے ایسا حصہ ہر حالت میں مؤخذ وئے قابل کرتا ہے اور ایک حصہ شرک نفی اور نفی تحریف کا ہوتا ہے۔ اس پر مؤخذ وذب ہی کیا جاتا ہے کہ پیغمبر کی بعثت ہو۔

پیغمبر ہر ایک شے کی دلیل قوی ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور ہر قسم کا شبہ رفع کر دیتا ہے: **لِيَحْيِيَ مَنْ حَيٍّ عَنْ بَيْنَتِهِ وَيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيْنَةٍ**۔ جب پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شے کو اپنی اصلی حالت پر پھیر لاتا ہے۔ پہلے مذہب کے شرائع میں خوض کرتا ہے۔ ان میں جو امور شعارِ الہیہ کے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں شرک کی کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوا کرتی یا جو طریقے عبادات اور تدابیر دنیوی کے متعلق اور مذہبی قوانین کے موافق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہو جاتے ہیں ان کا مہتمم بالشان ہونا بتا دیا جاتا ہے اور ہر شے کے ارکان اور اسباب مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور جن جن امور میں تحریف اور سستی ہوا کرتی ہے وہ دور کر دی جاتی ہے اور بیان کر دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں مذہب کی نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے اور اب عادات کے اختلاف سے ان مصلحتوں کا احتمال نہیں رہتا ہے۔ اس واسطے پیغمبر ان احکام کو بدل دیا کرتا ہے شرع میں مقصود اصلی مصلحتیں ہی ہیں جیسے موقع ہوتے ہیں ویسی ہی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کسی مصلحت کا احتمال ہوا کرتا ہے۔ لیکن دوسرے وقت میں اس مصلحت کا موقع نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً اصل میں بخار کا سبب خلطوں کا بیجان ہوا کرتا ہے۔ طبیب کو اسی کا گمان ہوا کرتا ہے اور اسی کی طرف وہ بخار کو منسوب کرتا ہے کہ آفتاب میں چلنے یا سخت حرکت کرنے یا فلاں غذا کھانے سے بخار آیا ہے اور ممکن ہے کہ ان اشیاء سے بخار نہ آیا ہو۔ اس وقت میں سب احکام بدل سکتے ہیں اور لوگوں کے اعمال اور عادات کے متعلق اور ان کی علمی اور نفسانی حالت کے متعلق ملاء اعلیٰ کا جس پر اتفاق اور اجماع ہو گیا ہو وہ امور نبی اور زیادہ کر دیا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے جو پیغمبر پہلے گزرے ہیں وہ چند باتیں اضافہ کر دیا کرتے تھے کچھ کم نہیں کیا کرتے تھے اور بہت ہی کم تبدیلی کرتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند عبادتیں اور اعمال فطری اور ختنہ کو بڑھا دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملت ابراہیمی پر چند امور اور زیادہ کر دیئے۔ اونٹوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔ اور سبت کے دن کو ضروری قرار دیا اور زانی کے لیے سنگساری زیادہ کر دی ایسے ہی بعض اور امور تھے۔ دقایق شریعت میں خوض کرنے والا جب اس زیادتی نقصان اور تبدیلی کی چھان بین کرے گا تو ان کو وہ کئی وجہوں میں پائے گا ❶ یہودی مذہب احبار اور رہبانوں کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے مذکورہ بالا طریقوں سے بالکل اس کو رد و بدل کر دیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے تو آپؐ نے ہر چیز کو اصلی حالت کے موافق کر دیا۔ اس واسطے شریعت محمدیہ اس یہودیت کی مخالف ہو گئی جو یہودیوں کے ہاتھ میں تھی اور یہودی اس سے کہنے لگے کہ اس شریعت میں کمی زیادتی اور تبدیلی ہے حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ تھی ❷ آنحضرت ﷺ کی بعثت میں ایک دوسری بعثت شامل تھی ایک تو آپؐ بنی اسمعیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ ہی نے اُمیوں کے لیے ان میں ہی سے ایک شخص کو پیدا کیا: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ اور فرماتا ہے تاکہ تو ان لوگوں کو ذرا سے۔ جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے اسی لیے وہ غفلت میں ہیں۔ ﴿لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ﴾ اس بعثت کا مقصد یہی تھا کہ شریعت محمدیہ کا مادہ وہی شعار اور عبادات کے طریقے اور تدابیر دنیوی کے اصول ہوں جو بنی اسمعیل کے پاس موجود تھے۔ اس لیے کہ شرع میں صرف ان امور کی درستی ہو جایا کرتی ہے جو لوگوں کے پاس ہوا کرتے ہیں ان کو ان امور کی تکلیف نہیں دی جاتی جن سے وہ محض ناواقف ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ شاید تم اس کو سمجھو ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ اور اللہ فرماتا

ہے اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو لوگ کہتے اس کی آیتیں جدا جدا مفصل نہ کی گئیں کیا یہ عجمی بھی ہے اور عربی بھی: ﴿لَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَغْجَبِيٌّ وَ غَرِيبٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے جو نبی بھیجا ہے اسی کی قوم کی زبان والا بھیجا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ﴾ دوسری بعثت آنحضرت ﷺ کی تمام عالم کی طرف تھی۔ اس میں عموماً وہ علوم و تدابیر بھی مندرج تھے جو تمدن سے متعلق ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اللہ نے تمام قوموں پر اہانت کی اور ان کی دولت عجم اور روم کے استیصال کو اس نے مقدر کیا اور حکم کیا کہ تمدن کی اصلاحات منتظم ہوں۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ کے درجہ اور غلبہ کو مقصود الامر کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا اور ان سلاطین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا کیں۔ اس کمالیت اور تمامیت کی وجہ سے علاوہ احکام تورات کے اور احکام بھی آپ کو حاصل ہوئے۔ خراج، جزیہ، مجاہدات اسباب تحریف سے احتیاط وغیرہ اور اس کے اسی قسم کے احکام ہیں۔

③ آنحضرت ﷺ کی بعثت زمانہ فترت میں ہوئی۔ اس وقت تمام مذاہب حقہ محو ہو گئے تھے ان میں تحریف و تبدیل ہو گئی تھی لوگوں کو تعصب اور اصرار نے دبا لیا تھا۔ جب تک ان عادات کی سخت مخالفت نہ کی جاتی وہ کسی طرح اپنے طریقہ باطل اور عادات جاہلیت کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ ان وقتوں سے بھی اختلاف اور شورشیں زیادہ ہو گئی تھیں۔ واللہ اعلم

باب ۷۳

اسباب نسخ میں

نسخ کے باب میں یہ آیت ہے: ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اس کو بھلاتے ہیں مگر اس کے بدلہ میں اس سے بھی بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ جاننا چاہیے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں: ① یہ کہ خفیہ مصلحت امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں خوض کر کے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر ان کو کر دیتے ہیں ایسا آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا بلکہ اس حکم کو آنحضرت ﷺ پر ظاہر کر دیتا ہے جو اللہ نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ وارد کیا جائے یا اس طرح پر کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد ہی میں تبدیلی ہو جائے اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بجز پھاگل کے ہر برتن میں نمید بنانے سے ممانعت کر دی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نمید بنانا لوگوں کے لیے جائز کر دیا۔ اور فرما دیا انش کی کوئی چیز مت پیو۔ اس کی لاشربوا مسکرا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دیکھا کہ نشہ پیدا ہونا ایک گھنی امر ہے اس لیے اس کی ملامت ظاہری بتادی کہ ان برتنوں میں نمید نہ بنائی جائے جن میں سامات نہیں ہوتے۔ مثلاً منی یا لکڑی

کے برتن یا جو کدو سے بنا لیے جاتے ہیں ان برتنوں میں وہ چیز بہت جلد مسکر ہو جاتی ہے جس کی نبیذ بنائی جائے اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپؐ نے خیال فرمایا کہ تین روز تک اس سے نشہ نہیں آتا ہے پھر آپؐ کے اجتہاد میں تبدیلی ہو گئی اور نشہ آور ہونے کو آپؐ نے حرمت کا مدار ٹھہرایا۔ نشہ آور ہونا کسی چیز کا جوش کرنے جھاگ لانے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم مسکر سے ہو یا اس میں شے مسکر کے صفات پائے جائیں موقع اور مظنہ اسکار کا قرار دینا کسی امر اجنبی کے موقع اسکار کا قرار دینے سے بہتر ہے اور ایک اور ذبیہ اس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دیکھا کہ لوگ نشہ آور چیزوں کے نہایت ہی شائق ہیں اگر صرف مسکر سے ہی ممانعت کر دی جائے تو اس کا احتمال ہے کہ کوئی شخص نشہ آور چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ میں نے خیال کیا تھا کہ وہ مسکر نہیں ہے یا مجھے اسکار کی ٹھیک ٹھیک علامتیں معلوم نہ تھیں اور نیز اس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشہ کی چیزوں سے آلودہ ہو رہے تھے ایسے برتنوں میں جو نبیذ تیار کی جاتی ہے اس میں فوراً نشہ آ جاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا اور اطمینان سے لوگوں نے نشہ کی چیزوں کو ترک کر دیا اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے تب نشہ آور ہونے کو مدار علیہ حرمت آپؐ نے قرار دیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے اس قسم کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام کلام الہی کو نسخ نہیں کر سکتا۔ اور کلام الہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الہی بعض اس کا بعض کو منسوخ کرتا ہے۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ و کلام اللہ ینسخ کلامی و کلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا۔

قسم نسخ کی یہ ہے کہ کسی شے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے۔ اسی کے موافق اس کا حکم متعین ہو جایا کرتا ہے اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے اس میں وہ حالت اس شے کی نہیں رہا کرتی اس واسطے وہ حکم بھی اس کا نہیں رہا کرتا اس کی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اور مسلمانوں اور ان کے قریبیوں میں کوئی طریقہ باہمی موافقت اور امداد کا نہ رہا اس وقت میں مصلحت ضروری کی وجہ سے صرف اخوت ہی ذریعہ ہمدردی کا تھی اس واسطے قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیئے جائیں اور اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اگر ایسا نہ کر دے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا۔ ﴿الْأَتَقْلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ اور جب اسلام کو قوت ہو گئی اور مہاجرین سے ان کے رشتہ دار آ ملے تو وہی طریقہ بستی وراثت کا متعین ہو گیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیاء میں ایسی حالت میں کہ نبوت کے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں ہوا کرتا کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پیشتر آپؐ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے پیشتر اور اب کہ نبوت کے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے تو ان اشیاء میں مصلحت پیدا ہو جایا کرتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو اگلی امتوں کے لیے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لیے جائز کر دیا۔

حدیث میں اس حلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں ❶ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھ کر مال غنیمت کو ہمارے لیے حلال کر دیا ❷ وجہ یہ ہے کہ اس حلت سے آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور انبیاء علیہم السلام پر اور امت محمدیہ کی فضیلت اور امتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے اور انبیاء کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے

ہوا کرتی تھی۔ جن کی تعداد محصور تھی کبھی کبھی سال دو سال میں نوبت جہاد کی آیا کرتی تھی اور نیز ان کی امتیں قوی اور زور مند تھیں۔ وہ جہاد بھی کر سکتے تھے اور کاشتکاری و تجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے ان کو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پروا نہ تھی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے عمل میں کوئی غرض دنیوی نہ ملے اور اس اخلاص عمل کی وجہ سے ان کو ثواب پورا پورا ملے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی بعثت عموماً تمام لوگوں کی جانب ہوئی۔ جن کا شمار حضر و اندازہ سے زیادہ تھا۔ اور زمانہ جہاد بھی ان کے لیے معین نہ تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد بھی کر سکیں اور سامان معیشت بھی کر سکیں اور کاشتکاری یا تجارت کر سکیں اس واسطے ان کو مال غنیمت کے جائز ہونے کی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوت اسلام عام تھی اس لیے اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جن کی غنیمت کمزور اور اعتقاد مست ہوا کرتے ہیں۔ انہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اللہ اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرے گا۔ **ان اللہ یؤید هذا الدین بالرجل الفاجر** اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ فائدہ دنیوی ہی کی وجہ سے جہاد پر مستعد ہوا کرتے ہیں۔ ان مجاہدات میں اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت و انعام سب کو عموماً شامل تھی جیسے کہ اعدائے اسلام پر نکا و غضب عموماً تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب و عجم سب سے وہ ناخوش ہوا۔ **ان اللہ نخر الی اهل الارض فمقت عربہم و عجمہم** اسی بیزاری اور ناخوشی کی وجہ سے ضروری قرار دیا گیا کہ ان کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہو جائے اور ان کے مالوں میں تصرف کر کے خوب ان کے دل جلائے جائیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو ہدینہ اس ہیئت سے بھیجا تھا کہ اس کے ناک میں چاندی کی کیل پڑی تھی۔ اس سے کافروں کا جلانا ہی منظور تھا۔ ایسے ہی آپ نے کافروں کے نخلستان کے کاٹ ڈالنے اور جلادینے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کو بچ و تاب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے لیے قرآن میں **غنائم** کی حلت کا حکم نازل ہوا۔

ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ ہدایت اسلام میں اس امت کے لیے کفار سے لڑائی کی اجازت نہ تھی اس وقت نہ لشکر تھا نہ خلافت۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آ گئے۔ خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنان خدا سے مقابلہ کی قوت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ اب ان لوگوں کو اجازت ہے (لڑنے کی) جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد دینے پر قادر ہے۔ **﴿اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِاَنفُسِهِمْ ظُلْمًا وَاِنَّ اللہَ عَلٰی نَجْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾** اسی قسم کے متعلق اللہ کا قول ہے۔ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں۔ ہم کوئی آیت بھلاتے ہیں تو اس سے بہتری یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں۔ **﴿مَا نُنسخ من آیة﴾** اور **﴿نُنسخها فَاَت بِخَیْرٍ مِنْهَا اَوْ مِثْلَہَا﴾** "بِخَیْرٍ مِنْهَا" کے دو صورت مراد ہے کہ نبوت سے خلافت شامل ہوئی تھی اور "مِثْلَہَا" وہ صورتیں مراد ہیں جن میں موقعوں کے مختلف ہونے سے حکم بدل دیا جابجا کرتا ہے۔ واللہ اعلم



اس کے بیان میں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کیا حال تھا جس کی اصلاح

آنحضرت ﷺ نے فرمائی

اکثر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حقائق میں غور کرنا مقصود ہو تو اولاً ان اُمیوں کی حالت کا اندازہ کرنا چاہیے۔ جن میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔ انہیں کے حالات آپ کی شریعت کے لیے بمنزلہ مادہ کے ہیں اس کے بعد اس حالت کی اصلاح کی کیفیت سمجھنا چاہیے اس اصلاح میں ان مقاصد کا کیسا لحاظ کیا گیا۔ جو باب تشریح اور تیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں۔ معلوم کرنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ اس واسطے مبعوث ہوئے تھے کہ ملت حنیفیہ اسمعیلیہ کی کجی کو دور کر دیں۔ اس کے تغیر و تبدل کی اصلاح فرمائیں اس کی روشنی کو پھیلائیں۔ اسی کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کرو۔ ﴿وَمِلَّةَ آبَائِكُمْ اِبْرَاهِيمَ﴾ اور جب ایسی حالت ہے تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اصول قابل تسلیم اور اس کے حالات مثبت اور مقرر ہوں اس واسطے کہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جن میں عمدہ مذہب اور سنت زائیدہ کے آثار باقی ہوں تو ان طریقوں میں تغیر و تبدل بے معنی ہے ان کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا چاہیے لوگ انہیں کو زیادہ مانیں گے اور دلیل پیش کرنے کے بھی اصول خوب پایہ ثبوت کو پہنچ سکیں گے۔ بنی اسمعیل کی نسلوں میں ان کے جدا کبر حضرت اسمعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسل بعد نسل چلا آتا تھا۔ تمام بنی اسمعیل اسی شریعت پر ثابت قدم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لُحی پیدا ہوا۔ اس شخص نے ملت اسمعیلی میں اپنی بے ہودہ رائے سے بہت سی چیزیں داخل کر دیں۔ فضل و اצל اسی نے بت پرستی اور شروع کی۔ ساندھ چھوڑے اور بحیرہ مقرر کیے۔ جب سے مذہب بالکل خراب ہو گیا اور صحیح باتوں میں غلط شامل ہو گئیں اور لوگوں پر جہالت اور شرک و کفر کی تاریکی چھا گئی تب خداوند عالم نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا۔ تاکہ آپ کی وجہ سے اس کی کجی دور ہو جائے اور اس کی خرابیوں کی اصلاح ہو جائے رسول اللہ ﷺ نے بنی اسمعیل کی شریعت میں غور کیا اس میں جو جو طریقے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے مسلک کے موافق منجملہ شعائر الہیہ کے تھے ان کو باقی رکھا اور جن میں تحریف ہو گئی تھی اور خرابیاں آ گئی تھیں اور جو امور علامات شرک و کفر سے تھے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کا بطلان خوب مستحکم اور مستحکم کر دیا اور جو امور عادات وغیرہ کے متعلق تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں جن سے لوگ رسمی لوٹوں اور غوائل سے احتراز کر سکیں۔ خراب رسموں کی آپ نے ممانعت فرمادی اور عمدہ کی جانب رہبری کی اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہو گئے تھے ان کو شاداب اور تروتازہ دیا جیسے کہ وہ تھے۔ اس طرح پر اللہ کا انعام مکمل اور اللہ کا دین مستقیم ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں اہل جاہلیت بعثت انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی سزا جزا کے قائل تھے اقسام نیکی کے تمام

اصول پر ان کا اعتقاد تھا جو امور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے وہ ان کے استعمال میں تھے ان اہل جاہلیت میں دو فرقے البتہ پیدا ہو گئے تھے اور یہ ہی زیادہ پھیل گئے تھے لیکن ایسے لوگوں کے ہونے سے ہماری تقریر سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان میں ایک فرقہ فاسقین اور زنادقہ کا تھا۔ فاسق لوگ چار پایوں اور دیگر درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملتِ اسلعل کے مخالف تھے۔ نفسانی حالتیں ان پر غالب تھیں۔ مذہبی امور کا ان کو پاس کم تھا یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے۔ فسق کی شہادت ان کے نفوس سے حاصل تھی اور زنادقہ میں پیدائشی طور پر ناقص فہم ہوا کرتا ہے۔ وہ پوری طرح پر ٹھیک اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے جو صاحب مذہب کا مقصود ہوا کرتا ہے۔ وہ صاحب امر کی خبروں کو تسلیم نہیں کیا کرتے اور ان کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ اپنے شبہ میں متردد رہتے ہیں۔ لیکن اپنے مجموعوں سے ان کو اندیشہ رہتا ہے لوگ ان کو برا جانتے ہیں۔ ان کو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ مذہب کی پابندی سے انہوں نے اپنے آپ کو آزاد کر دیا ہے جب ان کی حالت لوگوں کو ایسی ناگوار ہوتی ہے۔ اور اس میں ایسی ناپسندیدگی ہے۔ تو ان کا مذہب سے خارج ہونا کچھ مضرت نہیں ہوتا۔

دوسرا فرقہ جاہل اور غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے مذہبی امور کی جانب بالکل توجہ نہیں کی تھی۔ قریش میں اور ان کے قریب کے لوگ ایسے ہی اکثر تھے انبیاء کے عہد سے ان کو بعد تھا اس لیے ان کی ایسی حالت ہو گئی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے "تَاكُتُوْا اَیُّهٖ لَوْ كُنُوْا مُنَادِیْنَ كَرِهَ الْجَنُّ لَیْسَ اَیُّهٖ لَوْ كُنُوْا مُنَادِیْنَ دِیْنِیْ وَ اَلَا نَحِیْیْ اَیُّهٖ"۔ ﴿لَتَنْذِرُ قَوْمًا مَّا اَنْهٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ﴾ لیکن وہ راستہ سے اتنا دور نہیں ہٹ گئے تھے کہ ان کے سامنے دلیل بھی پیش نہ ہو سکے ان کو الزام نہ دیا جاسکے اور ان میں خاموشی پیدا نہ کی جاسکے۔

جو اصول اہل جاہلیت میں مسلم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان وزمین اور جو جو ہر آسمان وزمین کے درمیان ہیں ان سب کا خالق اللہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہہ دیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے ﴿وَلَبِیْنُ سَاَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَیْسُوْا۟ اِلٰہَ ۙ اِلَّا اللّٰہُ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بلکہ تم صرف اللہ ہی کو پکارتے رہو۔ ﴿بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گمراہ ہیں جن کو تم بجز اللہ کے پکارتے ہو ﴿حٰضِلٌ مِّنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِیَّاهُ﴾ لیکن ان کے زندیق ہونے کی ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے۔ کہ بعض فرشتے اور ارواح ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے امور اہل زمین کے مدبر ہوا کرتے ہیں اور اپنے پرستاروں کے واسطے کی حالت درست کرتے رہتے ہیں جس کا تعلق خاص اس کی ذات یا اولاد اور مال سے ہوتا ہے یہ مشرکین ان فرشتوں اور ارواح کا ایسا ہی حال سمجھتے ہیں جیسا بادشاہوں کا شہنشاہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا بحال فقیہوں اور مدعوں کی ایسے بادشاہ کے حضور میں ہوتی ہے جو اپنی حکومت سے تصرف کیا کرتا ہے اس کا منشا یہ ہوا کہ شریعتوں میں یہ وارد ہوا تھا کہ بہت سے امور فرشتوں کے تفویض کیے جاتے ہیں اور مقربانِ بارگاہِ الہی کی دعائیں مقبول ہو جاتی ہیں۔ اس سے انہوں نے خیال کیا کہ یہ تصرفات ذاتی ان کے لیے ہی ہیں۔ جیسے ملاطین کے ہوا کرتے ہیں۔ حاضر پر غائب کو انہوں نے قیاس کیا۔ اسی سے یہ ابتری ہوئی۔

اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ اللہ کی ذات اس سے منزہ ہے جو اس کی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور اس کے ناموں میں

الحاد کرنا حرام ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ بات زندقہ کی زیادہ کردی تھی کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں اور فرشتوں کو اللہ نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر اس کو معلوم نہ ہو وہ ان کے ذریعہ سے معلوم کر لے جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔

ان کے اعتقادات میں سے یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے تمام حوادث کو مقدر کر دیا ہے۔ امام حسن بصری کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شرع نے اور اس کو مؤکد کر دیا ہے۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے۔ وہاں بتدریج حوادث محقق ہوتے رہتے ہیں اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی کسی نہ کسی طرح سے وہاں دعائیں اپنا اثر کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کی صورت ان کے ذہنوں میں ایسی تھی جیسے شاہی ندیموں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلف کرتا ہے۔ بعض چیزوں کو حلال کرتا ہے بعض کو حرام کرتا ہے اعمال کی جزا دیتا ہے اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر اعمال برے ہوں تو جزا بھی بری ہوتی ہے۔ ان خیرا فخیرو ان شرا فشر۔ اللہ تعالیٰ کے پاک فرشتے ہیں۔ جو اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی بادشاہت میں بڑے درجہ والے ہیں اللہ کے حکم سے وہ اس عالم کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں۔ احکام الہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم ان کو ملتا ہے اسی کی تعمیل کرتے ہیں: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ وہ نہ کھاتے ہیں نہ کچھ پیتے ہیں نہ براز کرتے ہیں۔ نہ شادی کرتے ہیں کبھی کبھی وہ بزرگ کے سامنے ہو جاتے ہیں۔ ان کو بشارت اور خوف دلاتے ہیں۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ کبھی کبھی اللہ اپنی مہربانی اور فضل سے کسی آدمی کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا کرتا ہے۔ اس پر اللہ وحی نازل کرتا ہے۔ فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے۔ اس کی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے۔ بغیر اس کی تعمیل اور فرمان پذیری کے کوئی چارہ نہیں ہوا کرتا۔

ملاء اعلیٰ اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امیہ بن ابی الصلت کی دو بیتوں میں تصدیق کی ہے اس کا قول ہے:

رجل و ثور تحت رجل یمنہ و النسر للآخری و لیث مرصد

”آدمی، بیل، کرگس اور شیر غراں سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے یہ شعر سن کر فرمایا امیہ نے سچ کہا ہے۔ اس کے بعد امیہ کا یہ شعر پڑھا:

والشمس تطلع کل اخر لیلۃ حمراء یصبح لونہا یتورد

تابی فما تطلع لنا فی رسلہا الامعذبة والا تجلد

یعنی آفتاب رات کے ختم ہونے کے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اس کا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ وہ عذاب دیا جاتا ہے اور تازیانہ لگایا جاتا ہے (یعنی اپنے پروردگار کی قدرت سے مغلوب رہتا ہے) آنحضرت ﷺ نے اس شعر کو سن کر فرمایا

کہ سچ کہا اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا قول تھا کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے چار ہیں ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور یہ فرشتہ اللہ کے حضور میں آدمیوں کا شفیع ہے اور دوسرے کی صورت بیل کی ہے اور یہ چار پایوں کا شفیع ہے اور تیسرا کرگس کے ہم شکل ہے یہ پرندوں کی شفاعت کرتا ہے اور چوتھا شیر کے ہم شکل ہے درندوں کی شفاعت اس کے متعلق ہے۔ اس کے قریب ہی قریب شرع میں بھی آیا ہے شرع نے ان فرشتوں کا نام بڑ کو ہی رکھا ہے (دعول) عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں یہ سب باتیں اہل جاہلیت کو معلوم تھیں لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے۔ اور امور علمی اور یقینی کو اپنے مالوف خیالات سے خلط ملط کر دیتے تھے۔ اگر مذکورہ بالا تقریر میں شبہ ہو تو ان مضامین میں غور کرنا چاہیے۔ جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں اللہ تعالیٰ نے علم کے اسی حصہ میں جو ان میں باقی رہ گیا تھا ان کو کیسے کیسے الزام دیئے ہیں اور وہ شکوک کیسے رفع کیے جائیں۔ جو انہوں نے اپنی معلومات میں داخل کر لیے تھے جب اہل جاہلیت نے قرآن شریف کے نازل ہونے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ ﴿قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ﴾ اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اس پیغمبر کا حال کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے: ﴿مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَنْفُسِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ باتیں پیغمبروں سے کچھ قابل تعجب نہیں ہیں ﴿مَا كُنْتُ بِدُعَاةٍ مِنَ الرَّسُولِ﴾ ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل جاہلیت اگر چہ راہ راست سے دور ہٹ گئے تھے لیکن جو علمی حصہ ان میں باقی رہ گیا تھا اس کے ذریعہ سے ان کو الزام دیا جانا ممکن تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں ان کے خطبوں کو دیکھو مثلاً قس ابن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لُحی کے عہد سے پیشتر تھے ان میں جو حکماء اور کامل تھے وہ سب عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے شعر میں کہا ہے۔

و انت رب ملوک الناس طرا بکملک المسابا والحتوم

”تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے۔ موتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں۔“

اور نیز ان کا قول ہے۔ شعر

اربعا واحدا أم الف رب اربعین اذا تقسمت الامور

نہ کنت اللات والعری حمیفا كذلك بمعمل الرحل الصبر

”میں ایک پروردگار لو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو۔ میں نے تولات و عزائی سب کو چھوڑ دیا۔ ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔“

اور آنحضرت ﷺ نے امیہ بن الصلت کے حق میں فرمایا ہے اس کے شعر میں ایمان ہے لیکن اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔ یہ سب امور وہ تھے جو حضرت کے عہد سے وراثتہ ان میں چلے آتے تھے اور بعض امور اہل کتاب سے لے کر بھی انہوں نے داخل کر لیے تھے ان کو بغوی ظلم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے حضور میں سرنگوں ہو اور نہایت زیادہ کشش اور ہاشش سے اللہ کی پرستش لی جائے۔ عبادت کے ابواب میں سے ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی

طریقہ تھا۔ ختنہ اور تمام اوصاف و خصائل فطرت کا بھی بخوبی وہ اہتمام کرتے تھے تو رات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے ایک نشان قرار کر دیا تھا۔ ان اللہ جعل الختان میسمۃ علی ابراہیم و ذریتہ اور مجوسی و یہودی وغیرہ سب وضو کے پابند ہیں حکمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے۔ اہل جاہلیت میں نماز بھی تھی حضرت ابوذر غناری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر دو سال سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور قیس ابن ساعدہ ایادی برابر نماز پڑھا کرتے تھے یہود و مجوسی اور بقیہ عرب میں نماز کے اندر تعظیسی افعال کی پابندی تھی۔ خاصہ سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا و ذکر الہی کے متعلق بعض مقولے بھی تھے۔ ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ بھی تھی۔ اسی زکوٰۃ میں مہمان نوازی، مسافر نوازی، اہل و عیال کا نفقہ، مساکین پر خیرات کرنی، صلہ رحمی، ان حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنا جو حق ہوں۔ یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے یہ امور ان کے ہاں بڑے قابل تعریف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انہی امور سے انسان کامل ہوا کرتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا واللہ کہ اللہ آپ کو پسماندہ نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اہل و عیال کے متکفل ہیں۔ حقانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ فواللہ لایحزیک اللہ ان تصل الرحم و تقوی الضیف و تحمل الكل و تعین علی نوائب الحق۔ ایسا ہی ابن دغنے نے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اور بحر سے غروب آفتاب تک ان میں روزہ بھی معمول بہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ مسجد میں دعا و اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ نے ایک شب کی اعتکاف کی نذر کی اور آنحضرت ﷺ سے اس میں استفتاء کیا تھا۔ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے اتنے غلام آزاد کیے جائیں بہر حال اہل جاہلیت مختلف وجود سے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور بیت اللہ کا حج کرنا شعائر الہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے پاس کئی قسم کے منتر اور تعویذ بھی تھے لیکن ان میں شرک کی باتیں داخل کر دی گئی تھیں حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا ان کا طریقہ تھا وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے اور چھری سے پیٹ چاک نہیں کرتے تھے۔ ستاروں اور عام طبیعت کے دقائق ترک کرنے میں وہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو تھے البتہ ان میں سے جو بداعت معلوم ہوتے تھے ان کو مانتے تھے۔ پیش بینی کے لیے ان کے ہاں خواب اور گزشتہ انبیاء کے بشارات تھے۔ مدت کے بعد کہانت اور قمار کے تیروں سے آئندہ حالات کا اندازہ کرنا۔ اور فال ان میں پھیل گئے تھے ان کو معلوم تھا کہ یہ سب امور اصل ملت ابراہیم علیہ السلام میں مفقود تھے آنحضرت ﷺ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے قمار کے تیروں سے کبھی اندازہ نہیں کیا۔ لقد علموا انہا لم یتقسما قط۔ بنی اسمعیل برابر اپنی جد حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ہی روش پر ثابت قدم رہے۔ جب تک کہ ان میں عمرو بن لُحی پیدا ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے تقریباً تین سو برس قبل یہ عمرو پیدا ہوا تھا۔

ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں کھانے پینے لباس و عوتوں میں 'میلوں' مردوں کے دفن کرنے، نکاح، طلاق عدت، ماتم، خرید و فروخت اور تمام معاملات کے نہایت مستحکم طریقے معین تھے۔ جو ان کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ وہ قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔ محارم مثلاً بیٹیاں، مائیں، ہم شیریں وغیرہ سب ان کے ہاں حرام تھیں۔ ظلم و تعدی کے لیے ان کے ہاں تعزیرات معین تھیں۔

قصاص، دیت، قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے۔ ایسے ہی زنا اور چوری کی بھی سزائیں مقرر تھیں۔ ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ سے بہت سے منزلی اور تمدن کے علوم و مذاہب بھی ان میں اضافہ ہو گئے تھے لیکن ان میں فسق و فجور کی کثرت ہو گئی تھی۔ غارت گری لوٹ مار سے ظلم بہت کرتے تھے۔ زنا اور فاسد نکاح اور ربا بہت پھیل گیا تھا۔ نماز اور ذکر الہی کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ ان امور کی طرف کچھ توجہ نہ تھی۔ ایسی پر آشوب حالت میں آنحضرت ﷺ کی ان میں بعثت ہوئی تب آپؐ نے تمام ان علمی اور عملی امور میں خوض کیا۔ جو ان میں موجود تھیں۔ ان میں سے جو حصہ ٹھیک ملتِ ابراہیمی کا تھا اس کو آپؐ نے بحال رکھا۔ اس کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور عبادت کے طریقے معین فرمادیے۔ اسباب، اوقات، شروط و ارکان مستحباب و مفسدات، رخصت، عزیمت، ادا و قضا کے طریقے تعلیم کر دیے گناہوں کو منضبط فرما کر ان کے ارکان و شروط معین کر دیے۔ گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشروع کر دیے۔ ترغیب اور ترہیب کی تقریر سے دین کو ان کے لیے آسان کر دیا گناہ کے تمام ذرائع مسدود کر دیے اور ان امور کی مستعدی پیدا کر دی جن سے نیکی پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے ایسے ہی اس مجموعہ کو مرتب کر دیا۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ملتِ صنفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اس کے غالب کرنے کی نہایت کوشش کی ان کی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو نسیا منسیا کر دیا اور امور نافع کی ہدایت فرمائی۔ ان کی تمام رسوم فاسدہ کی روک کر دی اور خلافتِ کبریٰ کو ان میں قائم کیا اور اپنے ہمراہیوں کو لے کر غیر قوموں سے جہاد کیا: حتیٰ تم امر

اللہ و ہم کرھون۔

بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ”میں آسان صنفی روشن مذہب لایا ہوں“۔ بعثت بالملة السمحة الحنیفة البیضاء۔ سمجھ سے یہ مراد ہے کہ اس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی راہبوں نے گھڑ لیں تھیں بلکہ اس میں ہر ایک عذر کے لیے رخصت ہے۔ قوی اور عاجز اور کار بند اور بے کار سب اس پر عملدرآمد کر سکتے ہیں اور حنیفیہ سے مراد ملتِ ابراہیمی ہے۔ جس میں شعارِ الہیہ قائم کیے جاتے ہیں اور شرک کے شعارِ پست کیے جاتے ہیں۔ تحریف اور فاسد رسمیں بالکل باطل کی جاتی ہیں اور بیضا سے یہ مراد ہے کہ اس کی علمیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اس مذہب کی بنیاد قائم ہے نہایت صاف ہیں جو شخص ان میں تامل کرے گا اس کو کچھ شبہ باقی نہ رہے گا اور کوئی سلیم العقل ہٹ دھرمی نہ کرے گا۔



حدیث نبوی ﷺ سے احکام شرعی کے مستنبط ہونے کی کیفیت

باب ۷۵

علوم نبوی ﷺ کے اقسام میں

جاننا چاہیے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون کیا گیا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں ① وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پیغمبر جو تم کو بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اُس سے باز آؤ۔ ﴿مَا أُنْكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت کے عجیب عجیب حالات کا ہے۔ یہ سب امور بواسطہ وحی ہی کے ہوا کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور انہیں امور میں سے ایک حصہ احکام شرعی اور عبادات اور منافع کا وجود مذکورہ بالا میں سے کسی نہ کسی وجہ سے منضبط کرنے کا ہے۔ ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ آپ کی رائے خطا پر جم سکے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ کسی امر منصوص سے حکم مستنبط کر کے اجتہاد کرتے ہوں۔ جیسا لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اکثر یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد اور وہ قانون تعلیم کیے تھے۔ جس سے حکم شرعی یا آسانی کا طریقہ یا کسی امر کو مستحکم اس سے کر سکتے تھے اسی قانون سے آپ ان مقاصد کی توضیح فرما دیا کرتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو حاصل ہوتے رہتے تھے۔

انہیں امور تبلیغ رسالت سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں ان کا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا ہے نہ ان کی حدیں بیان کی گئی ہیں۔ جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان۔ یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے۔ اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تدابیر کے قوانین تعلیم کیے انہیں سے آپ نے کسی حکمت کو اخذ کر کے اس سے کوئی کلیہ بنالیا اور انہیں امور میں سے ایک حصہ اعمال کی خوبیوں اور ان اعمال کے کار بند ہونے والوں کے مناقب اور اوصاف کا ہے میری رائے میں اس میں سے بعض امور بوجی الہی معلوم ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی ہیں۔ اس قسم کے قوانین پہلے معلوم ہو چکے ہیں اور اسی حصہ کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کرنا ہم کو مقصود ہے۔

② قسم ان امور کی وہ ہے جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ”میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو۔ اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں۔ انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشیء من رائی فانما

انسان بشر۔ اور آنحضرت ﷺ نے درخت خرما کے گج بھاگنے میں فرمایا تھا کہ میں نے صرف گمان کیا تھا۔ اور تخمینی بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو لیکن میں اللہ کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اس لیے کہ میں نے اللہ پر جھوٹ نہیں بولا ہے انما ظننت ظننا ولا توأخذونی بالظن ولكن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا به فانی لم اکذب علی اللہ۔ اسی حصہ میں سے علاج وطب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق آنحضرت کا قول ہے کہ گھوڑا نہایت سیاہ جس کی بیٹانی پر مکی سی سپیدی ہوا اپنے پاس رکھا کرو۔ علیکم بالادھم الا قروح اور اس میں سے وہ امور بھی ہیں جن کو آپ ﷺ محض عادیہ کیا کرتے تھے یا اتفاقہ بلا قصد کرتے تھے۔ تعبدی طور پر ان کو عمل میں نہیں لاتے تھے اور اسی میں سے وہ امور بھی ہیں جن کو بسبیل تذکرہ بیان کیا کرتے تھے ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں آپ بھی فرمانے لگے۔ حدیث ام ذرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں۔ اس کو ہی حضرت زید ابن ثابتؓ نے فرمایا ہے۔ چند لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کچھ حدیثیں رسول اللہ ﷺ کی ہم سے بیان کیجیے حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا میں آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ میں تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو مجھ کو آپ ﷺ بلا بھیجتے تھے میں اس کو لکھ دیا کرتا تھا۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ بھی دنیا کا ذکر کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے۔ پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کو تمہارے سامنے ذکر کروں اور ایسی ہی بعض امور وہ ہوتے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایلیٰ جزئی مصلحت تھی۔ لیکن وہ تمام امت کے لیے لازمی اور حتمی نہ تھے ان کی مثل ایسی سمجھنی چاہیے جیسے کوئی بادشاہ لشکروں کی ترتیب کرتا ہے اور کوئی فوجی ملامت قرار دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ہم کو رطل (طواف میں سینہ نکالنا) سے کیا علاقہ ہم ان کو یہ حالت دکھایا کرتے تھے جن کو اللہ نے اب ہلاک کر دیا ہے۔ مالنا وللرمل کما نترایا به قوما قد اهلکهم اللہ اس اس کے بعد حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رطل کا کوئی اور سبب نہ ہو۔ اکثر احکام اسی مصلحت جزئی پر حل کیے گئے ہیں پنانچہ حضرت کا ارشاد ہے جو شخص اسی کو قتل کرے تو اس قاتل کا سامان مارنے والے ہی کو ملنا چاہیے۔ من قتل قتیلا فله سلبہ۔ اسی حصہ میں سے آپ کے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل اور قسموں سے جیسا کہ ثابت ہوا کرتا ہے ویسا ہی آپ حکم فرمایا کرتے تھے حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا۔ ان کو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقع پر موجود ہو۔

الشاہدیری مالا یراہ الغائب۔



مصلحتوں اور شریعتوں میں کیا فرق ہے

جاننا چاہیے کہ شارع نے ہم کو دو قسم کے علمی فائدے پہنچائے ہیں۔ ان دونوں قسموں کے احکام اور درجے مختلف اور جدا جدا ہیں ① مصالح اور مفاسد کا علم یعنی وہ امور جو تہذیب نفس کے متعلق ہیں کہ جو اخلاق دنیا و آخرت میں مفید ہیں وہ مکتسب کیے جائیں اور ان کے مخالف اخلاق دور کیے جائیں یا وہ امور جو تہذیب خانہ داری اور آداب معاش اور سیاست مدین سے علاقہ رکھتے ہیں۔ شارع نے ان امور کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے۔ ان میں جو امر مبہم تھے۔ اُن کو منضبط نہیں کیا اور جو قابل اشکال تھے۔ ان کو معلوم نشانوں سے ممتاز نہیں کیا ہے۔ جو چیزیں پسندیدہ تھیں ان کی جانب لوگوں کو مائل کر دیا ہے اور زائل سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرمادی۔ اپنے کلام کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ زبان دان اپنی سمجھ کے موافق اس سے مطلب سمجھ لیں اس نے صرف مصالح کو مد ار علیہ طلب یا باز رہنے کا قرار دیا ہے اس کے لیے مواقع اور نشانات نہیں بتائے جن سے ان کی رہبری ہو سکے مثلاً شارع نے زیر کی اور شجاعت کی تعریف کی ہے اور لوگوں کے ساتھ نرم دلی اور خلوص سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ امور معاش میں اعتدال چاہیے اور زیر کی کا کوئی ایسا اندازہ نہیں بتایا کہ اُسی حد تک اس کو طلب کرنا چاہیے اور اگر اس حد سے تجاوز ہو تو لوگوں سے مواخذہ کرنا چاہیے۔

جس مصلحت پر ہم کو شارع نے مستعد کیا ہے اور جس خرابی سے باز رکھا ہے۔ اس کی انتہاء تین اصولوں میں سے ایک نہ ایک پر ہوتی ہے ① اس سے ان چار اوصاف میں سے جو معاد میں مفید ہیں یا ان تمام خصلتوں میں سے جو دنیا میں سودمند ہیں کوئی نہ کوئی وصف نفس میں پیدا کرنا اور ان کو شائستہ اور مہذب بنانا ہے ② کلمہ الہی اور سچے مذہب کو غالب کرنا۔ شرائع کو خوب مستحکم کرنا۔ ان کی اشاعت میں کوشش کرنا ہوتا ہے ③ عامہ خلایق کی حالت کو منتظم کرنا ان کے امور نافع اور تہذیب مفیدہ کی درستی کرنا۔ ان کی رسموں کو مہذب صورت میں لانا۔ اور مصلحت و خرابی کی انتہاء ان اصول پر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان امور میں اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہوا کرتا ہے۔ خواہ یہ اصول اُس سے حاصل ہوتے ہیں یا منتفی ہوتے ہیں یہ امور ان اصول کی شاخ ہوں یا ان کے مخالف اصول کی۔ یا ان اصول کے ہونے نہ ہونے کا ان میں احتمال ہو۔ یا ان کو یہ امور لازم ہوں یا ان کے مخالف کو لازم ہوں یا ان اصول کے حصول اور اغراض کا ذریعہ ہوں۔

اصل رضا الہی کے باعث یہی مصالح ہوا کرتے ہیں اور انہیں مفاسد سے عتاب و خداوندی پیدا ہوتا ہے۔ پیغمبروں کی بعثت سے پہلے اور بعد کا زمانہ اس خوشی اور ناخوشی میں یکساں ہے اگر ان دونوں حصوں سے اللہ کی خوشی اور ناخوشی کا تعلق نہ ہوتا تو پیغمبروں کی بعثت بھی نہ ہوتی۔ اس لیے کہ یہ تمام شرائع اور حدود تو انبیاء کے پیدا ہونے کے بعد معین ہوا کرتے ہیں تو اگر پہلے ہی سے ان کو تکلیف دی جائے اور پکڑ جکڑ کی جائے تو خدا کی مہربانی اور لطف ہی کیا ہوا مصالح اور مفاسد کا۔ چونکہ تہذیب اور نفس کی ناپاکی پر اثر

ہوا کرتا ہے لوگوں کی انتظامی اور ابتری حالت پر انبیاء کی پیدائش سے پیشتر ہی اس سے پر تو پڑا کرتا ہے۔ اس واسطے لفظ الہی منتفی ہوتا ہے کہ امور مہتم کی لوگوں کو اطلاع دی جائے اہم اور ضروری امر کی ان کو تکلیف دی جائے اور اس لفظ الہی کی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر چیز کی مقادیر اور احکام نوعی مقرر ہوں۔

باب ۷۷

اُمتِ محمدیہ نے شریعت کو آنحضرت ﷺ سے کیسے اخذ کیا

معلوم کرو کہ آنحضرت سے شریعت دو طریقے سے اخذ کی گئی ہے ① ظاہر قول سے اس کو حاصل کیا اس میں ضروری ہے کہ اقوال نبوی نقل کیے جائیں خواہ بتواتر یا بلا تواتر متواتر کی نقل کبھی لفظاً ہوا کرتی ہے جیسے قرآن مجید اور چند احادیث مثلاً: انکم سترون ربکم... الخ۔ یقیناً تم اپنے رب کو دیکھو گے۔ اور کبھی تواتر معنوی ہوتا ہے۔ مثلاً طہارت نماز زکوٰۃ روزہ حج بیوع نکاح غزوات کے اکثر احکام جن میں اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقے نے اختلاف نہیں کیا اور غیر متواتر میں سے سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے۔ مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی تین صحابہ یا زیادہ نے روایت کی ہو۔ اور پانچویں طبقہ تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہے ہوں۔ اس قسم کی حدیثیں اکثر ہیں۔ اور مسائل فقہ کی ان پر بنیاد ہے مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت اور حسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہو گیا ہو ایسی حدیثوں کے بعد ان احادیث کا مرتبہ ہے جن میں محدثین نے اختلاف کیا ہو کسی نے ان کو قبول کیا لیکن اوروں نے ان کو قبول نہیں کیا۔ ایسی حدیثوں میں جو حدیثیں شواہد یا اکثر اہل علم کے اقوال سے یا عقل خاص سے مؤید ہوں۔ ان کا اتباع ضروری ہے ② طریقہ یہ ہے کہ احادیث کی دلالت اور راہنمائی سے احکام شریعت اخذ کیے جائیں اس کی صورت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کو کوئی امر فرماتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے کوئی علم کسی شے واجب وغیرہ ہونے کا مستحکم کر لیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کر دی اور کہہ دیا کہ فلاں شے واجب ہے فلاں جائز ہے پھر تابعین نے ان احکام کو اسی طرح حاصل کیا اور تیسرے طبقہ کے لوگوں نے اپنے فتوؤں اور فیصلوں کو اسی کے موافق عدون کر کے خوب اتنا کام کر لیا اس قسم کے طریقہ میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بڑے پایہ کے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ صحابہؓ سے ہر مسئلہ میں مشورہ و مناظرہ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس امر کا بالکل انکشاف ہو جایا کرتا تھا۔ اور یقینی امر معلوم ہو جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں کا تمام مہارق و غارب میں اتباع کیا گیا۔ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے علم کے اس حصوں میں سے نو حصے مفتور ہو گئے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی راستہ پر چلتے تھے تو ہم اس کو آسان پاتے تھے اور حضرت علیؓ جب اکثر اوقات کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے اور ان کے فیصلے صرف کوفہ میں محدود تھے اور صرف چند لوگوں نے ان سے احکام کو اخذ کیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قیام کوفہ میں تھا۔ اسی لیے صرف انہیں

اطراف میں لوگوں نے ان سے علم اخذ کیا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے پہلے لوگوں کے زمانہ کے بعد خود اجتہاد کیا اور اکثر احکام میں اگلوں کی مخالفت کی اور ان کے اصحاب نے جو مکہ میں تھے ان کی پیروی کی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے جمہور اسلام کے مسلک کو اختیار نہیں کیا۔ ان چاروں صحابہؓ کے علاوہ اور لوگ احادیث کی دلالت اور رہبری سے واقف تھے لیکن رکن و شرط اور مستحب و مسنون میں ان کو امتیاز نہ تھا اور ایسے بہت کم تھے کہ مختلف احادیث اور دلائل کی حالت میں ان کا کوئی خاص قول ہوتا عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور زید بن ثابتؓ اس درجہ کے قابل تھے کہ تابعین کے اکابر میں اسی روش کے لوگ مدینہ میں فقہائے سبعہ تھے خاصہ میں عبداللہ ابن مسیب اور مکہ میں عطاء بن رباح اور کوفہ میں ابراہیم شریح اور امام شعبیؒ اور بصرہ میں امام حسن بصریؒ رحمہم اللہ اور ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں ایک شگاف ہے بغیر دوسرے کے وہ نہیں بھرتا ہے اور ایک طریقہ کو دوسرے کی حاجت ہے پہلے طریقہ یعنی نقل ظاہر میں یہ نقصان ہے کہ کبھی روایت بالمعنی ہوا کرتی ہے اور اس سے تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور معنی کے بدل جانے کا خوف ہوا کرتا ہے دوسرا نقصان یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ میں کوئی حکم دیا جاتا ہے اور راوی اس کو حکم کلی سمجھتا ہے اور تیسرا نقصان یہ ہے کہ بعض احکام تاکیداً بیان کیے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کا بخوبی اہتمام کریں اور راوی اس سے اس کا واجب ہونا یا حرام ہونا سمجھتا ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہوا کرتا اس لیے جو خود فقہ اور فہیم ہو اور خود اس موقع پر موجود ہو وہ قرائن سے واقعی حالت کو مستنبط کر لے گا۔ جیسے کہ حضرت زیدؓ نے مزارعہ کے متعلق اور پھل آنے سے پیشتر پھلوں کی خرید و فروخت کی نسبت کہا ہے کہ یہ نبی بطور مشورہ تھی اور دوسرے طریقہ یعنی اجتہادی حالت میں یہ نقصان ہے کہ اس طریقہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے قیاسوں کا مجموعہ شامل ہوا کرتا ہے اس میں یہ امور مندرج ہوتے ہیں جو انہوں نے کتاب و سنت سے مستنبط کیے ہوتے ہیں اور اجتہاد ہر حالت میں یہ ضرور نہیں ہے کہ درست ہی ہوا کرے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قیاس کرنے والے کو حدیث نہیں ملا کرتی یا اس طرح ملتی ہے کہ اس قسم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔ اس لیے اس پر عمل نہیں کیا جاتا لیکن اس کے بعد کسی دوسرے صحابی سے پوری حالت منجلی ہو جاتی ہے۔ جیسے تیم جنابت کے متعلق حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے اور اکثر ممتاز صحابہؓ نے صرف عقلی راہبری سے کسی مصلحت پر اتفاق کر لیا اسی کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين**، حالانکہ یہ اتفاق اصول شریعت سے نہیں ہوا کرتا۔ اسی وجہ سے لغزشوں سے نجات پانے میں اسی شخص کو آسانی اور کامیابی ہوگی جو اخبار اور الفاظ حدیث میں تبحر اور کمال رکھتا ہو جب ایسی حالت ہے تو فقہ میں خوض کرنے والے کو ضروری ہے کہ دونوں مشربوں میں تبحر اور کمال پیدا کرے اور ملت اسلام میں تمام راستوں میں وہی عمدہ اور پسندیدہ ہے کہ جمہور روایات اور علماء نے اس پر اتفاق کر لیا ہو اور دونوں طریقے اس میں جمع ہو گئے ہوں۔



کتب حدیث کے طبقوں کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کی احادیث کے سوا کوئی ذریعہ شریعت اور احکام شریعت کے معلوم کرنے کا نہیں ہے۔ مصاحف کو تو تجربہ اور غور کامل اور حدیث وغیرہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ اور احادیث کا علم جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ روایتیں ہم پہنچیں جن کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے خواہ وہ حدیثیں آپ کے بیان سے حاصل ہوں یا موقوف احادیث ہوں کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان کی روایت کی ہو۔ ان سے یہ امر مستبعد ہے کہ بغیر نص اور اشارہ شارع کے ان احادیث کے قطعی ہونے پر اقدام کریں۔ اس قسم کی روایت بھی آنحضرت ﷺ سے ضمناً ماخوذ ہوا کرتی ہے اور ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ بجز اس کے نہیں ہے کہ جو کتابیں علم حدیث میں مدون کی گئی ہیں تلاش کی جائیں اس لیے کہ فی زمانہ ایسی غیر مدون روایتیں نہیں پائی جاتیں کہ اعتماد کے قابل ہوں۔

کتب حدیث کے طبقے و درجے مختلف ہیں۔ ان طبقوں کا معلوم کرنا اور لحاظ کرنا ضروری ہے۔ صحت و شہرت کے لحاظ سے کتب حدیث کے چار طبقے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حدیث کی قسمیں تین ہیں۔ اول وہ حدیثیں جن کا تواتر سے ثبوت ہے۔ امت محمدیہ نے بالاتفاق ان کو قبول کر لیا ہے اور ان پر عمل کیا ہے اس کے بعد دوسری قسم کی وہ ہیں جو چند طریقوں سے ثابت ہوئی ہیں اور کوئی معتد بہ شہ ان کے ثبوت میں نہ رہا ہو اور مختلف بلاد کے جمہور فقہانے ان پر عمل کیا ہو خصوصاً علمائے حریم نے ان میں اختلاف نہ کیا ہو۔ قرون اولیٰ میں خلفائے راشدین نے حریم میں قیام کیا تھا اور درجہ بدرجہ علماء وہاں کا سفر کرتے رہے ہیں اس لیے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ علمائے حریم ظاہری خطا کو تسلیم کر سکیں اور مستفیض کی ہی قسم یہ بھی ہے کہ کوئی قول مشہور ہو گیا ہو یا اسلام کے تیسرے حصہ میں اس پر عمل کیا گیا ہو اور صحابہ و تابعین کی بڑی جماعت نے اس کی روایت کی ہو اور تیسری قسم وہ ہے جو صحیح ہوں ان کی اسناد حسن ہو علمائے حدیث نے ان کی شہادت دی ہو اور ایسے متروک القول نہ ہوں کہ امت محمدیہ سے کسی نے اس کو اختیار نہ کیا ہو۔ لیکن جو حدیثیں کہ ضعیف یا موضوع یا منقطع یا مقلوب یا اسناد یا مقلوب الحسن یا مجہول لوگوں نے اس کی روایت کی ہو۔ یا اس قول کے مخالف ہوں۔ جو بالاتفاق سلف کے ہر طبقہ میں ثابت ہو گیا ہے۔ پس ایسی حدیثوں کا قائل ہونا ممکن نہیں۔ کتب حدیث کے تین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مؤلف کتاب نے اپنے اوپر اس بات کا التزام کر لیا ہو کہ وہی حدیثیں درج کروں گا جو صحیح یا حسن ہوں گی کسی طرح ان میں تغیر و تبدل نہ ہوا ہو اور نہ وہ قبیلہ شاذ سے ہوں اور ضعیف کا اس طرح پر ذکر کرنا اس کا ضعیف بیان کر دیا جائے تو کتاب میں موجب اعتراض نہیں ہے اور کتب حدیث کی شہرت کے لیے یہ معنی ہیں کہ جو حدیثیں ان میں مندرج ہیں وہ کتابوں کے مدون ہونے سے پہلے اور بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں۔ مؤلف سے پہلے ہی آئمہ حدیث نے مختلف طرق سے ان کی روایت کی ہو اور اپنے مندوں و مجموعوں میں ان کو بیان کیا ہو۔ مؤلف کے بعد اس کی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو اس کا

اشکال دور کر دیا ہو یا حدیث غریب کی شرح کر دی ہو اس کا اعراب بیان کیا ہو اس کے طرق بیان کیے ہوں۔ مسئلہ فقہی اس سے مستبعد کیا ہو۔ ہر درجہ و مرتبہ میں ہمارے زمانہ تک اس کے راویوں کے حالات کا سراغ لگایا گیا ہو یہاں تک کہ کوئی چیز جو حدیث سے تعلق رکھتی ہے ایسی باقی نہ رہے جس پر پورا غور کر لیا ہو۔ الا ماشاء اللہ۔ نقادان حدیث مصنف سے پیشتر اور اس کے بعد اس کے اقوال سے موافقت کرتے رہے ہوں ان کی صحت کو ثابت کرتے رہے ہوں۔ مصنف کی رائے کی تصدیق کریں اور اس کی کتاب کی ثنا خوانی کی ہو۔ آئمہ فقہ نے ان اقوال سے مسائل کو مستبعد کیا ہو۔ ان پر اعتماد کیا ہو۔ عام لوگوں کو ان اقوال سے عقیدت ہو ان کے دل میں ان کی عظمت ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جب کسی کتاب میں یہ دونوں اوصاف جمع ہوں وہ طبقہ اولیٰ کی سمجھی جائیں گی۔ ان اوصاف میں جتنا امتیاز ہو گا اتنی ہی فوقیت ہوگی اور اگر دونوں اوصاف بالکل مفقود ہوں گے اتنی ہی پایہ اعتبار سے ساقط ہوگی۔ جو کتاب طبقہ اولیٰ میں اعلیٰ درجہ کی ہوگی وہ تو اتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے ادنیٰ درجہ کی مستفیض کے مرتبہ تک پہنچتی ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو اور قطعی ہونے سے مقصود وہ حد ہے جو علم حدیث میں معتبر ہے کہ مفید عمل ہو جائے اور جو احادیث دوسرے طبقہ کی ہوتی ہیں ان میں سب سے بلند مستفیض کے قریب ہے اور اس کے بعد جو قطعی صحت کے قریب ہو اور اس کے بعد جو مفید ظن ہو۔ وہ کذا ینزل الامور۔

استقراء اور تلاش سے طبقہ اولیٰ کی صرف تین کتابیں ہیں ① مؤطا ② صحیح بخاری ③ صحیح مسلم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد کلام اللہ کے سب کتابوں میں زیادہ صحیح امام مالک کی مؤطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کی رائے کے موافق مؤطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور دیگر محدثین کی رائے میں اس میں کوئی حدیث مرسل اور منقطع ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اس کی سند متصل نہ ہوئی ہو اس وجہ سے اس کی تمام حدیثیں صحیح ہی ہیں۔ امام مالکؒ کے زمانہ میں اکثر مؤطائیں تصنیف کی گئیں۔ جن میں مؤطائے مالک کی تخریج کی گئی اور اس کی منقطع احادیث کا متصل ہونا ثابت کیا گیا۔ مثلاً ابن ابی ذیب، ابن عیینہ، ثوری، معمر وغیرہم کی کتابیں جن کے اساتذہ اور امام مالکؒ کے اساتذہ مشترک تھے امام مالکؒ سے بلا واسطہ ایک ہزار لوگوں سے زیادہ نے مؤطا کی روایت کی ہے دور دراز ملکوں سے سفر کر کے لوگوں نے مؤطا کو امام مالکؒ سے اخذ کیا۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا ذکر کیا تھا۔ امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے بعض ایسے لوگ تھے جن کی فقاہت مشہور و اعلیٰ درجہ کی تھی۔ جیسے امام شافعیؒ اور محمد بن حسن اور ابن وہب اور ابن قاسم اور بعض بڑے متبحر و محدثین تھے۔ جیسے یحییٰ بن سعید قطان اور عبد الرحمن بن مہدی اور عبد الرزاق اور بعض ان کے شاگرد امراء و سلاطین تھے۔ جیسے رشید اور ان کے دونوں بیٹے مؤطا کی شہرت امام مالکؒ ہی کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں منتشر ہو گئی تھی اس کے بعد جتنا زمانہ گزرتا گیا اسی قدر اس کی شہرت بڑھتی گئی اور اس کی طرف توجہ زیادہ ہوتی گئی شہروں کے فقہانے اپنے مذاہب کی بنیاد اسی پر قائم کی۔ بعض مسائل میں اہل عراق نے بھی اس کو مبنیٰ قرار دیا اور علماء برابر اس کی حدیثوں کی تخریج کرتے رہے اور اس کے شواہد و توابع کو بیان کرتے رہے۔ اس میں سے غریب حدیث کی شرح اور مشکل کا انضباط کرتے تھے اس کے مسائل میں مباحثہ کرتے تھے اور اس کے راویوں کی تحقیق اور ان امور میں لوگوں نے یہاں تک

غور کیا کہ اس کے بعد کوئی مرتبہ غور کا باقی نہیں رہا۔ اگر تجھ کو صاف حق کرنا منظور ہے تو کتاب مؤطا کا امام محمد کی کتاب الآثار اور امام ابو یوسف کی کتاب آمالی سے موازنہ کر لو۔ مؤطا میں اور ان دونوں کتابوں میں بعد المشرقین نظر آئے گا تم نے کسی محدث یا فقہی کو سنا ہے کہ ان دونوں کی طرف توجہ کی ہو۔

صحیحین پر تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثیں متصل مرفوع ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں ان دونوں کتابوں کا ثبوت مصنفین تک بالتواتر ہے اور جو ان کی حالت کو نگاہِ عظمت سے نہ دیکھے وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کے راستہ سے خد ف پیروی کرنے والا ہے اگر تم صحیحین کا ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کے مسندوں سے مقابلہ کرو گے تو ان میں بعد المشرقین پاؤ گے اور حاکم نے صحیحین کی احادیث پر ان دونوں کی شرط کے موافق دیگر حدیثوں کا اضافہ کیا ہے۔ جن کو شیخین نے ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے ان کو تتبع کیا ہے۔ ایک وجہ سے وہ درست ہیں حاکم نے ایسی حدیثیں دریافت کیں جو شیخین کے اساتذہ سے مروی تھیں اور صحیحین کی شروط یعنی حدیث کا صحیح اور متصل ہونا ان میں پایا جاتا تھا۔ اس لیے حاکم کا اس قسم کا اضافہ مقبول ہے لیکن شیخین صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جن میں ان کے اساتذہ نے خوب غور کر لیا تھا اور ان کے بیان کرنے اور صحت پر ان کا اتفاق ہو گیا تھا جیسے مسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میں یہاں صرف وہی حدیثیں بیان کروں گا۔ جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہے اور مستدرک حاکم میں جو احادیث صحیحین سے جیسا بیان کی گئیں ہیں وہ سب مستور الحال ہیں۔ صحیحین کے اساتذہ کے زمانہ میں وہ مخفی حالت میں تھیں اگرچہ ان کے زمانہ کے بعد ان حدیثوں کی شہرت ہو گئی تھی۔ اور جو حدیثیں ایسی ہیں کہ محدثین نے ان کے راویوں میں اختلاف کیا ہے ان میں شیخین اپنے اساتذہ کے طریقہ پر حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور کیا کرتے تھے کہ اصلی حالت کا بالکل انکشاف ہو جایا کرتا تھا اور حاکم نے اکثر موقعوں میں انہیں قواعد پر اعتماد کیا ہے جو شیخین کے اصول سے مستبط کیے گئے ہیں۔ جیسے کہ حاکم کا قول ہے۔ ائد راویوں کا زیادہ ہونا باعث قبولیت ہے اور جب حدیث کے موصول و مرسل ہونے یا موقوف اور مرفوع ہونے وغیرہ میں علماء کا اختلاف ہو تو جو شخص زیادہ حافظ ہو گا اس کے مقابلہ میں جو حافظ نہیں ہے اس کا زیادہ خنب ہو گا حالانکہ حق یہ ہے کہ حفاظ سے موقوف اور منقطع کے موصول کرنے میں فراہی ہو جایا کرتی ہے۔ خاص کر جب حفاظ کو متصل مرفوع کی طرف زیادہ میان و اہتمام ہوا کرتا ہے اسی لیے شیخین اکثر ان احادیث کے قائل نہیں ہیں جن کے حاکم قائل ہیں ان تینوں کتابوں کی طرف قاضی عیاض نے کتاب مشارق میں زیادہ توجہ کی ہے ان کی مشککات کا زیادہ انضباط کیا ہے ان کے رد و بدل کو دور کر دیا ہے۔

دوسرے طبقہ کی کتابیں مؤطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں ان کے مصنف ثقاہت اور عدالت و حفظ میں مشہور و معروف تھے۔ ان حدیث میں قبح تھے انہوں نے اپنی اس درجہ کی کتابوں میں ان کو بہ نظر قبول دیکھا محدثین فقہانے ان کی طرف درجہ بدرجہ توجہ کی لوگوں میں کتابیں مشہور ہو گئیں لوگوں نے ان کے غریب امور کی شرت کی ان کے راویوں کی تفتیش کی۔ فقہی مسائل کو تنہا لیا عام علوم کی بنا انہی احادیث پر ہے۔ اس طبقہ میں سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی اور نسائی ہیں اور زین نے تجرید صحاح اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں ان احادیث کا خاص اہتمام کیا ہے۔ غالباً مسند احمد بھی اس درجہ کی ہے۔ امام احمد نے اس کو کونامہ اللمعہ قرار دیا ہے اس سے صحیح و قییم کی شامت بھی ہو سکتی ہے اور فرمایا ہے جو حدیث اس میں نہیں

ہے اس کو قبول مت کرو۔

تیسرے طبقہ میں وہ مسندیں اور جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد تصنیف کی گئی ہیں اور ان میں صحیح اور حسن اور ضعیف و معروف اور غریب و شاذ اور منکر و خطا اور صواب اور ثابت و غیرہ ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں اور اگرچہ ان میں جہالت محض نہیں ہے تاہم ان کے علماء کی چنداں شہرت بھی نہیں ہوئی ان احادیث کا جو ان کتابوں میں منفرد ہیں فقہانے کچھ زیادہ استعمال نہیں کیا اور محدثین نے ان کی صحت و سقم سے زیادہ بحث نہیں کی۔ اور اس میں بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے ان کی غرابت کو نہیں دُور کیا اور کسی فقیہ نے سلف کے مذاہب پر ان کو منطبق نہیں کیا اور کسی محدث نے اس کا اشکال دور نہیں کیا اور کسی مؤرخ نے اسماء الرجال کو بیان نہیں کیا۔ میرا کلام ان آئمہ حدیث میں ہے جو زمانہ سلف میں تھے وہ متاخرین مراد نہیں ہیں جن کی نظر میں زیادہ تعمق ہے انہیں وجوہ سے یہ کتابیں خفاء اور گمنامی کی حالت میں باقی رہیں۔ اس طبقہ میں مسند ابو علی اور مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید اور طحاوی اور بیہقی اور طحاوی اور طبرانی کی کتابیں ہیں ان لوگوں کا یہ قصد تھا کہ جو پائیں جمع کر دیں۔ یہ غرض نہ تھی کہ خلاصہ کر کے مہذب صورت میں بیان کر کے عمل کرنے کے قابل بنائیں۔ چوتھے طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ صدیوں سے ان کے مصنفین نے قصد کیا کہ جو احادیث طبقہ اولیٰ اور طبقہ دوم کی کتابوں میں جمع نہیں ہیں اور وہ ایسے مجموعوں اور مسندوں میں جمع تھیں۔ جن کی شہرت نہ ہوئی تھی۔ ان مصنفین نے ان احادیث کی وقعت کی وہ ایسے لوگوں کے زبان زد تھیں کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ان کو جمع نہیں کیا تھا۔ جیسے اکثر واعظ مبالغہ آمیز باتیں کیا کرتے ہیں یا وہ حدیثیں کہ اہل ہوا اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں یا صحابہ و تابعین کے وہ آثار تھے یا اسرائیلیات کے قبیلہ سے تھیں یا حکما اور واعظوں کے مقولے تھے۔ جن کو راویوں نے آنحضرت ﷺ کی حدیث سے سہواً یا عمداً خلط ملط کر دیا تھا یا قرآن و حدیث کے احتمالات تھے جن کو نیک لوگوں نے کہ جو روایت کے غوامض سے واقف نہیں ہوتے بالمعنی روایت کیا تھا اور ان معانی کو احادیث مرفوعہ کر دیا تھا یا بعض معانی کتاب و سنت کے اشارات سے مفہوم ہوتے تھے۔ ایسے معانی کو عمداً مستقل حدیث سمجھ لیا تھا۔ یا چند احادیث میں چند مختلف جملے وارد ہوئے تھے ان کو ترتیب دے کر ایک حدیث بنا لیا۔ ایسی حدیث کا ظن غالب یہ کتابیں ہیں۔ ابن حبان اور کامل ابن کی کتاب الضعفاء اور ابونعیم اور جوزقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور دیلمی کی اور مسند خوارزمی بھی اسی پایہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ اس چوتھے طبقہ میں زیادہ درست وہ کتابیں ہیں جن میں ضعیف و محتمل حدیثیں ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جن میں موضوع حدیثیں ہیں یا جہالت و نکارت ان میں زیادہ ہے۔ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات اس طبقہ کا ذخیرہ ہے۔

پانچویں طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ فقہاء اور صوفیاء اور مؤرخین وغیرہ کی زبانوں پر ان کی شہرت ہے اور ان چاروں طبقوں میں ان کی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی۔ تو ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں کہ جن لوگوں نے مصنوع کر لیا ہے جو بد دین تھے لیکن زبان عربی میں خوب ماہر تھے انہوں نے ان احادیث کی اسناد بلغ لفظوں میں بیان کی اس لیے ان میں جرح نہیں ہو سکتی تھی اور آنحضرت ﷺ سے ان کا وارد ہونا مستبعد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے اسلام میں ایک سخت مصیبت کو پھیلا دیا۔ لیکن کبرائے حدیث ایسی حدیثوں کو شواہد حدیث پر پیش کرتے ہیں۔ اس وقت ان کی پردہ دری ہوتی ہے اور عیب ظاہر ہوتا ہے اور محدثین کا اعتبار طبقہ اولیٰ

اور طبقہ دوم کی حدیثوں پر ہے انہیں سے ہمیشہ ان کی وابستگی رہی ہے اور تیسرے طبقہ کی حدیثوں پر عمل کرنا اور ان کا قائل ہونا انہیں بقیہ محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال کو محفوظ رکھتے ہیں اور حدیث کی علتوں سے خوب واقف ہیں اس طبقہ کی حدیثوں سے اکثر شواہد وغیرہ ماخوذ ہوا کرتے ہیں۔ ﴿لَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ اور چوتھے طبقہ کی حدیثوں کو توجہ سے جمع کرنا اور ان سے احکام کا منضبط کرنا علماء متاخرین کی طرف سے ایک قسم کا تعمق ہوا کرتا ہے اور مبدا عین کے گردہ رافضی اور معتزلہ وغیرہ ادنیٰ توجہ سے ان حدیثوں سے اپنے شواہد مذہب کو ٹھنک کر سکتے ہیں۔ لیکن علماء حدیث کے معرکوں میں ان کے ذریعہ سے فتح نہیں پاسکتے۔ واللہ اعلم

باب ۷۹

اس بیان میں کہ کلام سے مقصود کیسے سمجھ میں آیا کرتا ہے

معلوم کرو کہ دلی مقصود کو جب متکلم بیان کرتا ہے اور سامع اس سے مطلب سمجھتا ہے تو اس کے بالحاظ وضوح اور خفا کے کئی درجے ہوا کرتے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ وضوح کا یہ ہے کہ موضوع لا معین کے لیے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے اور سمجھانے کو وہ کلام بولا گیا ہو۔ اور کسی دوسرے معنی کا اس میں احتمال نہ ہو سکے اور اس کے قریب اس کا درجہ ہے کہ جس میں ان تین قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ اس میں حکم کا ثبوت کسی عام عنوان کے لیے ہو جو چند مسمیات اور معانی کو شمولاً یا بدلاً شامل ہو جیسے الناس اور مسلمون اور قوم و رجال اور اسماء اشارہ جب ان کا صلہ عام کو یا کوئی موصوف جس کی صفت عام یا وہ لفظ جو لائے جنس سے نفی کیا گیا ہو۔ اس قسم کا ثبوت کامل اس واسطے نہیں ہوا کرتا کہ اکثر عام معنی میں خصوصیت بھی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ یا خاص اس فائدہ پہنچانے کے لیے وہ کلام نہ لایا گیا ہو بلکہ اس موقع سے وہ فائدہ لازمی طور پر معلوم ہو گیا ہو جیسے جاء فی زید الفاضل سے زید کا فصل اور یازید بن الفقیر سے زید کا فقر ضمنا اور لزوماً معلوم ہو جایا کرتا ہے یا اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو۔ مثلاً لفظ مشترک یا وہ لفظ جس کے حقیقی معنی بھی استعمال میں آتے ہوں اور اس کے مجازی معنی بھی متعارف ہوں یا وہ لفظ جن کا علم مثال اور تقسیم کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے لیکن وہ کسی تعریف جامع اور مانع سے معلوم نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً سفر اس کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ مدینہ سے نکل کر کوئی شخص مکہ کا قصد کرے اور یہ امر معلوم ہے کہ بعض حرکتیں سیر کے واسطے بھی ہوا کرتی ہیں اور کبھی ضرورت کے لیے حرکت ہوا کرتی ہے کہ اسی روز اپنے مکان کو واپس آ جایا کرتے ہیں اور کبھی حرکت چلنے کی غرض سے ہوتی ہے اور دوسرے معنی کا احتمال اس طرح ہوا کرتا ہے کہ ایک لفظ میں دو چیزوں کا احتمال ہو جیسے اسم اشارہ یا ضمیر۔ جب مختلف قرائن سے مرجع کی وجہ سے اس میں تعارض ہو گیا ہو۔ یا کسی صلہ کا مصداق دو چیزیں ہو سکتی ہوں اور اس کے قریب اس مفہوم کا درجہ ہے کہ بغیر ذریعہ کام لفظ کے کسی عبارت سے وہ امر مفہوم ہو سکتا ہے ایسے طریقے بڑے بڑے تین ہیں ① فوائے کلام یعنی کلام سے ایک وہ امر معلوم ہو جائے جس کا عبارت میں پلچہ ذکر نہ لیا گیا ہو۔ اور اس امر کا ثبوت ان معنی سے ہو جائے جن کی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے لا تفل لہما اب سے والدین نے مارنے کی حرمت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اور جیسے کہا جائے کہ ہونٹیں رمضان

کو کچھ دن میں کھالے تو اس پر قضا واجب ہے اور صرف کھانے کی صورت اس واسطے ذکر کی گئی کہ یہ صورت ذہن میں جلد آجایا کرتی ہے ② اقتضاء اس سے معنی اس طرح سمجھ میں آیا کرتے ہیں کہ عَادَةُ یا عَقْلًا یا شَرْعًا اس لفظ کو وہ معنی لازم ہوا کرتے ہیں جن کے لیے وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً اعتقت اور بعت کا مقتضایہ ہے کہ پہلے اس شے کا وہ مالک ہو چکا ہو اور مشی کا مقتضایہ یہ ہے کہ پاؤں سالم ہوں اور صلیٰ کا مقتضایہ ہے کہ اس کو طہارت حاصل ہو ③ ایما، مقصود کو ایسی عبارت میں ادا کیا کرتے ہیں۔ جو مناسب اعتبارات کی وجہ سے مذکور ہوا کرتی ہے اس سے بلغاء کا قصد ہوا کرتا ہے کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق لائی جائے۔ جو اصل مقصود پر زائد ہو اس واسطے اس کلام سے جو اعتبار اس کے مناسب ہو گا وہ مفہوم ہو گا مثلاً جب کسی شے کو وصف یا کسی شرط سے مقید کریں تو اس سے معلوم ہو گا کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائے جائیں گے تو یہ حکم بھی نہ ہو گا لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موقع ایسا ہو کہ سوال کے ہم شکل کلام کو ذکر کرنا یا اس صورت کا ذکر کرنا مبادرالی الذہن ہو۔ مقصود نہ ہو اور نہ اس سے یہ غرض ہو کہ حکم کا فائدہ بیان کیا جائے اور ایسے ہی استثناء اور بیان غایت اور بیان عدد کا حال ہے اور ایما کے اعتبار کرنے میں یہ شرط ہے کہ اہل زبان کے عرف میں اس ایما کی وجہ سے کلام میں تناقض ہو جایا کرتا ہو مثلاً جب کہا جائے گا۔ **على عشرة الاشیء انما علی واحد** اور جو امور ایسے ہیں کہ ان سے وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو علم معانی میں بخوبی خوض کر سکتے ہیں۔ ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے اس کے بعد ان مطالب کا درجہ ہے جن کی راہبری مضمون کلام سے ہوا کرتی ہے اس کے بھی تین بڑے حصے ہیں ① عموم میں کسی شے کو مندرج کرنا جیسے بھڑیا ذی ناب ہوا کرتا ہے اور تمام ذی ناب چیزیں حرام ہوا کرتی ہیں۔ اس کا بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ثواب کے باب میں مجھ پر صرف ایک یہی آیت جامع نازل کی گئی ہے۔ اب جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا۔ اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا۔ اور اسی بناء پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے استدلال کیا تھا۔ اللہ کے قول **فبہداهم اقتدہ** اور اس قول **خداوندی سے وطن داؤد انما فتنہ فاستغفر ربہ وخر راکعاً واناب** عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ تمہارے پیغمبر مامور تھے کہ ان کی پیروی کریں اور ایک استدلال ملازمت یا منافات کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جیسے کہ اگر دو تر واجب نہ ہوتے تو سواری پر اس کو ادا نہ کر سکتے لیکن ان کو سواری پر تو ادا کر سکتے ہیں اس استدلال کی صورت قیاس شرطی کی سی ہوا کرتی ہے۔ آیت **لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدتا** میں بھی ایسا ہی استدلال ہے اور ایک صورت قیاس کی ہے یعنی کسی علت جامع اور مشترک میں ایک صورت کی دوسری صورت سے مشابہت اور مثال قائم کرنی۔ جیسے گیسوں کی طرح چٹا بھی ربوی ہے یعنی اس میں بھی ربو ہوا کرتا ہے۔ ایسا ہی قیاس آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ہے کہ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو تو اس کو ادا کرتا یا نہیں اور اگر کرتا تو اس کی جانب سے ادا ہوتا یا نہیں اس شخص نے کہا ہاں ادا ہو جاتا تب آپؐ نے فرمایا کہ پھر باپ کی طرف سے حج کرو۔ واللہ اعلم

اس بیان میں کہ قرآن و حدیث سے احکام شرعیہ کو کیسے سمجھا کرتے ہیں

جن لفظوں سے رضائے الہی اور اس کی ناخوشی کا ثبوت ہوا کرتا ہے وہ لفظ حب اور بغض، رحمت و لعنت، قرب و بعد ہیں اور ایسے ہی رضا اور عدم رضا ہیں۔ جیسے مؤمنین اور منافقین اور ملائکہ اور شیاطین اور اہل جنت اور اصحاب العظیم اور اس سے بھی مفہوم ہوا کرتا ہے کہ کسی امر کو طلب کریں یا کسی امر کو منع کریں یا اس جزا کو بیان کریں جو کسی کام پر مرتب ہوا کرتی ہے یا کسی امر کو اس چیز سے تشبیہ دی جائے جو عرف میں محمود یا مذموم خیال کی جاتی ہے اور نیز اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس امر کے کرنے کا اہتمام فرمائیں یا باوجود ہونے و داعی کے اس سے اجتناب کریں۔

رہا رضائے الہی اور نارضا مندی خداوندی کے درجات کو ممیز کرنا اور وجوب اور استحباب اور حرمت و کراہت کا اندازہ کرنا تو اس کے لیے بہت صاف صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ اس کے مخالف کا حال بیان کیا جائے جیسے جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا قیامت کے روز گنہگار کی شکل اس کی ہوگی اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **وَمَنْ لَا فَلَاحَ رَجٍ** اور ان درجات کا اندازہ ایسے الفاظ سے بھی ہوتا ہے کہ کہا جائے فلاں چیز واجب ہے یا فلاں ناجائز ہے یا کوئی شے اسلام یا کفر کے لیے رکن قرار دی جائے یا اس کی بجا آوری یا ترک پر نہایت شدت کی جائے یا اس کی نسبت کہا جائے یہ امر مروت سے نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے یا صحابہ اور تابعین اس کا کوئی حکم معین کریں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے سجدہ و تلاوت کا واجب نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وتر واجب نہیں میں یا مقصود کی حالت دیکھی جائے کہ اس سے کس طاعت کی تکمیل ہوتی ہے یا کوئی گناہ کا ذریعہ اس سے ترک جاتا ہو یا اس عمل میں وقار اور حسن ادب کی شان معلوم ہوتی ہے۔

کسی فعل کی علت یا رکن یا شرط معلوم کرنا ہو تو ان امور کے لیے بہت صاف طریقہ یہ ہے کہ نص میں وہ وارد ہوا ہو جیسے ہر نشہ والی چیز حرام ہے کل مسکر حرام یا جیسے کوئی شخص سور و فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی لا صلوة لمن لم یقرأ، نام الكتاب اور بغیر وضو کے تم میں سے کسی کی نماز مقبول نہ ہوگی لا تقبل صلوة احدکم حتی يتوضا بذریعہ اشارہ اور ایماہ نے اس کا اندازہ کیا جائے جیسے ایک شخص نے کہا تھا کہ رمضان میں میں اپنی بیوی سے ہمستر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ایک بردہ آزاد کر۔ اور نماز کا نام قیام یا رکوع یا سجدہ رکھنا۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ امور نماز کے ارکان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے فانی او خلتہما طاہرین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موزہ پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط ہے۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک شے کے ہونے سے کسی شے کے ہونے کا یا نہ ہونے سے کسی شے کا نہ ہونا ثابت کیا جایا کرتا ہے اس سے ذہن میں صاف ہم جانتا ہے کہ فلاں شے طلت ہے یا رکن ہے یا شرط ہے جیسے کہ زبانِ عربی کی مشق کرتے کرتے اور قرآن کے موافق الفاظِ عربی کا استعمال کرتے کرتے ایک فارسی نے انھیں کے ذہن میں زبانِ عربی کے معانی موضوع متضمن ہو جایا کرتے ہیں۔

و انما میزانہ نفس تلک المعرفة جب ہم شارح کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نماز میں رکوع کرتے ہیں۔ سبہ دہرتے

ہیں اور اپنے بدن سے ناپاکی کو دور کرتے ہیں اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتے ہیں تو اصلی مقصود کا ہم کو یقین ہو جاتا ہے اگر تم کو حق معلوم کرنے کی خواہش ہے تو ہر جگہ ذاتی صفات معلوم کرنے کا مدار علیہ یہی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ لکڑیاں جمع کر کے ان سے ایسی چیز بنانا چاہتے ہیں جو نشست کے قابل ہو اور اس کا نام تخت رکھتے ہیں تو اس سے ہم کو تخت کے اوصاف ذاتی کا استخراج آسان ہوتا ہے۔ اس کے بعد کسی مناسبت کے اعتماد پر علت حکم اور مدار علیہ حکم کا ان اوصاف کو خارج کرتا ہے۔

ان مقاصد کا معلوم کرنا جن پر احکام کی بنا ہوا کرتی ہے نہایت دقیق علم ہے اس علم میں وہی شخص خوض کیا کرتا ہے جس کا ذہن نہایت لطیف اور اس کا فہم نہایت درست ہوتا ہے صحابہ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصول کو ان مشہور امور سے اخذ کر لیا تھا جن پر اس زمانہ کے فرقوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ مشرکین عرب، یہود نصاریٰ سب ان پر متفق تھے اس لیے صحابہ کو ان امور کی وجہ اور ان کے متعلق مباحث اور چھیڑ چھاڑ کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور شریعت کے قواعد اور آسانی کے اصول اور استحکام دین کے طریقوں کو انہوں نے امر و نہی کے موقع دیکھ دیکھ کر حاصل کر لیا تھا۔ جیسے طبیب کے ہم نشین مدت کی میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کیا کرتا ہے صحابہ کو ان امور کے متعلق اعلیٰ درجہ کی واقفیت تھی۔ یہی واقفیت تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی نسبت فرمایا تھا۔ جو نفل کو فرض سے ملا کر پڑھتا تھا کہ اسی سے وہ لوگ ہلاک ہوئے تھے جو تم سے پہلے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب تیری رائے کو اللہ نے درست کر دیا ہے۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ بیان کی کہ جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امر میں مجھ کو اللہ کے ساتھ موافقت ہوئی ہے اور منہی عنہ بیوع کی نسبت حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلوں میں مختلف بیماریاں پیدا ہو جایا کرتی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اگر ان امور کو جواب عورتوں نے نہ نئے ایجاد کر لیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ معلوم کرتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں ایسے ہی یہ عورتیں مسجدوں سے روک دی جاتیں۔ معافی شرعیہ کے معلوم کرنے کا صاف طریقہ یہ ہے جو قرآن و حدیث میں مصرح طور پر مذکور ہو جیسے فرمایا اللہ نے قصاص میں اے عظیمہ و تمہاری زندگی ہے اور فرمایا اللہ نے معلوم کیا کہ تم اپنے نفوس سے خیانت کرتے ہو۔ اس واسطے تو بہ تمہاری قبول کر کے تم کو معاف کر دیا۔ اور فرمایا اب اللہ نے تم کو آسانی کر دی اور جان لیا کہ تمہارے اندر ضعف ہے اور فرمایا کہ اگر اس کو نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا اور اللہ نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی راستہ سے بہک جائے تو ایک دوسرے کو یاد دلائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ کہاں سوتا رہا ہے اور فرمایا شیطان اس کی ناک پر شب کو رہا ان کے بعد ان معافی کا درجہ ہے جو ایما اور اشارہ سے معلوم ہوئے ہوں جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ لعنت کرنے والوں سے بچو۔ ان کے بعد ان کا درجہ ہے جن کو فقیہ صحابی بیان کرنے اس کے بعد علت حکم کے خارج کرنے کا درجہ ہے تخریج اس طرح ہو کہ اس کی انتہا ایسے امر مقصود پر ہوتی ہے جس کا ملحوظ ہونا یا اس کے نظیر کا ملحوظ ہونا ظاہر ہو اور چونکہ مذہبی امور میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس میں گزاف ہو تو اس واسطے ضروری ہے کہ مقادیر سے بحث کی جائے کہ ان کی نظائر کیوں معین نہیں کی گئیں۔ خاص خاص یہی مقادیر کیوں معین ہوئیں اور اس سے بحث ہو کہ حکم عام سے یہ امور کیوں خاص کیے گئے کیا اصلی مقصود اس عموم کا مفقود تھا یا کوئی مانع موجود تھا کہ تعارض کے وقت اس کو ترجیح دی گئی۔

مختلف حدیثوں میں فیصلے کے بیان میں

کلیہ یہ ہے کہ ہر ایک حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ البتہ اگر تناقض کی وجہ سے سب حدیثوں پر عمل نہ کر سکتے ہوں تو بعض کو ترک کرنا چاہیے اور واقع میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا۔ ہماری نظر میں اختلاف معلوم ہوا کرتا ہے۔

جب دو حدیثیں مختلف ظاہر ہوں تو وہاں دیکھنا چاہیے اگر وہ اس قسم کی ہیں کہ ان میں آنحضرت ﷺ کا کوئی فعل نقل کیا گیا ہے۔ اگر ایک صحابی نے یہ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا تھا اور دوسرے صحابی نے نقل کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی دوسرا کام کیا تھا تو اس صورت میں ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہوا اگر ایسی حدیثیں ان امور کے متعلق ہیں جو بطریق عادت کیے جاتے ہیں تو وہ دونوں مباح ہوں گی اور ایک میں عبادت کے آثار ہوں گے اور دوسری میں کوئی امر عبادت کا نہ ہوگا تو پہلی کو مستحب سمجھنا چاہیے اور دوسری کو جائز اور اگر دونوں حدیثوں کو عبادت سے تعلق ہوگا تو وہ دونوں امر مستحب یا واجب ہوں گے اور ہر ایک کافی ہو جائے گا۔ حفاظ صحابہؓ نے اکثر سنن میں ایسی ہی تصریح کی ہے مثلاً وتر میں گیارہ رکعتیں بھی وارد ہیں اور نو اور سات بھی۔ اور تہجد میں جہر بھی آیا ہے اور خفا بھی۔ اسی کے موافق رفع یدین میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے کہ کانوں تک اٹھائے جائیں یا شانوں تک اور ایسے ہی حضرت عمر اور عبد اللہ ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباسؓ کے تشہد میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے اور ایسے ہی وتر میں ان کی ایک رکعت مستقل ہے یا تین رکعتیں ہیں اور صبح و شام اور تمام اسباب اور وقتوں میں یہی کیفیت ہے۔

اور اگر ایسی حدیثوں سے پیشتر کہ امر کا وجوب معلوم ہو چکا ہو تو ان کی وجہ سے جرح اور تنگی رفع کرنی مقصود ہوا کرتی ہے۔ مثلاً وہ امور جن کا کفارہ سے تعلق ہے یا لڑنے والے کے معاوضہ کا فیصلہ ایک قول کے موافق۔ یا ان احادیث میں کوئی مخفی علت ہوا کرتی ہے جس سے ایک وقت میں کسی کام کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں ان کا مستحسن ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یا ایک وقت میں کسی شے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرے وقت میں اس میں رخصت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تفتیش کرنا ضروری ہوا کرتا ہے اور اگر ایک شے میں اصالت کا اثر معلوم ہوتا ہو اور دوسری میں جرح کا لحاظ کیا گیا ہو تو ایک کو عزیمت قرار دیں گے اور دوسری کو رخصت اور اگر کوئی دلیل منقطع ظاہر ہو جائے تو نسخ کے قابل ہوں گی اور اگر ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا کوئی فعل بیان کیا گیا ہو اور دوسری حدیث سے کسی حدیث قوی کا رفع ثابت ہوتا ہو تو اگر اس قول سے تحریم یا وجوب کسی امر کا قطعی طور پر معلوم نہ ہوتا ہو یا رفع ہی قطعی نہ ہو تو دونوں کا احتمال ہو سکے گا۔ یعنی حکم اول کا بھی اور حکم دوم کا بھی اور اگر قول میں تحریم و وجوب کی قطعیت ہوگی تو اس وقت میں کہا جائے گا کہ وہ فعل صرف آنحضرت ﷺ کے لیے خاص تھا یا دونوں فعل اور قول کی حالت تفتیش کرنے کے بعد نسخ کے قابل ہو جائیں گی اور اگر دونوں حدیثیں قوی دیکھیں گے کہ ان حدیثوں کی کیا حالت ہے اگر ایک حدیث سے کوئی معنی ظاہر معلوم ہوتے ہوں اور تاویل کرنے سے دوسرے معنی اس لیے ہو سکتے ہوں اور تاویل بعید بھی نہ ہو تو یہ قرار دیں گے کہ ایک معنی دوسرے معنی

کے لیے بیان ہیں اور اگر تاویل بعید ہوگی تو یہ معنی تاویلی جب ہی لیے جائیں گے کہ کوئی قرینہ نہایت قوی ہو۔ یا کسی فقیہ صحابی سے یہ تاویل منقول ہو۔ مثلاً ایک ساعت کے متعلق جس میں قبولیت دعا کی امید ہوا کرتی ہے۔ عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ وہ ساعت قبل مغرب ہوا کرتی ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے اعتراض کیا کہ یہ نماز کا وقت ہی نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے وقت میں کوئی مسلمان کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھے۔ تب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والا یہ تاویل بعید ہے۔ اگر ایک فقیہ صحابی نے اس کو نقل کیا ہوتا۔ تو ایسی تاویلیں قابل تسلیم نہ ہوتیں۔

لیکن یہ اقوال ذیل کے تم پر مردار حرام کیا گیا: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ یعنی مردار کا کھانا حرام کیا گیا۔ اور تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں یعنی ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نظر کا لگنا حق ہے یعنی نظر کا اثر ہوا کرتا ہے اور رسول حق ہے یعنی رسول کی بعثت اللہ کی جانب سے بے شک ہوا کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت سے خطا اور نسیان دور کر دی گئی۔ یعنی جو کام خطا و نسیان سے کیا جائے اس کا گناہ نہیں ہوا کرتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی اور بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوا کرتا۔ اور اعمال صرف نیتوں ہی سے ثابت ہوا کرتے ہیں۔ ان حدیثوں سے یہ مراد ہے کہ ان امور پر ان کے وہ اثر مرتبہ نہیں ہوا کرتے جو شارع نے قرار دیے ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوا کرو تو منہ وغیرہ دھویا کرو: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا یعنی اسی صورت میں کہ تم کو وضو نہ ہوا کرے تو اس قسم کے سب اقوال ظاہر ہیں۔ ان میں کوئی امر تاویلی نہیں ہے اس لیے کہ اہل عرب ہر ایک لفظ کو اپنے اپنے مواقع کے جو امر مناسب ہوتا تھا اس سے وہی مراد لیا کرتے تھے یہ ان کی زبان کا مقتضا تھا اس میں کوئی امر ایسا نہ تھا جس سے وہ سمجھتے ہوں کہ ظاہری معنی سے عدول کیا گیا ہے۔

اور اگر دو حدیثوں میں دو قسم کے فعل مذکور ہوں اور وہ کسی مسئلہ کا جواب یا کسی واقع کے فیصلے کے متعلق ہوں تو اگر ان دونوں میں کوئی علت دونوں کو جدا کرنے والی موجود ہو تو اسی کے موافق فیصلہ کریں گے۔ مثلاً ایک شخص جو ان کے روزہ دار کے بوسہ کا حکم دیا آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آپ نے اس کو منع کر دیا اور ایک بوڑھے شخص نے دریافت کیا تو آپ نے اس کو جائز قرار دیا۔ اور اگر سیاق حدیث سے ضرورت کا ہونا یا سائل کا اصرار یا تکمیل امر کی طرف توجہ کا نہ ہونا یا کسی ایسے شخص کی حالت کا رد کرنا مقصود ہو جس نے اپنی ذات پر نہایت سختی کی ہو اور دوسری حدیث میں یہ امور سیاق سے ثابت نہ ہوں تو یہ کہیں گے کہ ایک میں عزیمت ہے اور دوسری میں رخصت اور اگر ان احادیث سے حالت ابتلاء میں گلو خلاصی کسی کی معلوم ہوتی ہو یا ان میں کسی جنایت کرنے والے کی مقویات مذکور ہوں یا ان میں قسم توڑنے والے کے کفاروں کا ذکر ہو تو وہاں احتمال ہوگا کہ دونوں وجہیں صحیح قرار دی جائیں اور نسخ کا بھی احتمال ہوگا۔ اسی قاعدہ کے موافق استحاضہ والی عورت کا فتویٰ ہے کہ کبھی اس کو ہر ایک دو نمازوں کے لیے غسل کا حکم دیا گیا۔ اور کبھی یوم معتاد کے موافق حیض کی حالت میں رہنے کا یا ان ایام میں کہ خون کی زیادتی ظاہر ہو۔ یہ تقریر اس قول کے موافق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں امر کا ایسی عورت کو اختیار دیا ہے اور عادت اور خون کا رنگ دونوں اس کے قابل ہیں کہ حیض کا احتمال پیدا کر سکیں اور یہی حکم ایک قول کے موافق روزہ اور اس شخص کی طرف سے کھانا کھلانے میں ہے جو مرگیا ہو اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہو اور ایسے ہی ایک قول کے موافق ہے جس شخص کو نماز میں شک واقع ہوا ہو تو اس کا شک کس طرح رفع کیا جائے وہ ٹھیک رکعتوں کی

جانچ کر لے یا یقینی رکعتوں کو اختیار کرے اور یہی حکم نسب کے ثابت کرنے کا ہے اور قیافہ اور قمرہ میں بھی یہی حکم ہے ایک قول کے موافق۔

اور اگر احادیث میں نسخ ظاہر ہو تو نسخ کا قابل ہونا چاہیے اور نسخ کا علم کبھی رسول اللہ ﷺ کی تصریح فرمانے سے ہوا کرتا ہے جیسے آپؐ نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا لیکن اب ہوشیار ہو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا حکم جمع نہ ہو سکتا ہو اور ایک حدیث دوسری حدیث کے بعد وارد ہوئی ہو اور جب شارع نے کوئی حکم شروع کیا ہو اور اس کی جگہ دوسرا کوئی اور مشروع کر دیا ہو اور پہلے حکم سے سکوت کیا ہو تو فقہائے صحابہؓ اس سے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور جب مختلف احادیث میں کسی صحابی نے فیصلہ کیا ہو کہ ایک حدیث دوسری کی ناسخ ہے تو اس سے بھی نسخ ظاہر ہو گئی۔ لیکن ایسا ثبوت قطعی نہ ہو گا اور فقہاء کا ان احادیث و منسوخ کہہ دینا جو ان کے عمل مشائخ کے خلاف ہوں قابل قناعت نہیں ہے اور امور منسوخہ میں علماء یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اصلی حکم میں تبدیلی ہو جایا کرتی ہے۔ حقیقت میں یہ تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ علت حکم کے ختم ہونے سے وہ حکم بھی ختم ہو جایا کرتا ہے یا اس علت میں تصدو اصلی کا احتمال باقی نہیں رہا کرتا۔ یا علت کے ظاہر ہونے سے کوئی امر مانع پیش آ جایا کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے وحی میں یا اپنے اجتہاد سے کسی دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہو جایا کرتی ہے اس قسم کی ترجیح جب ہی ہوتی ہے کہ پہلا حکم اجتہادی ہو۔ حدیث معراج میں اللہ ارشاد فرماتا ہے میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ اور جب دو حدیثوں کا حکم ایک نہ ہو سکتا ہو اور تاویل کا بھی موقع نہ ہو۔ در منسوخیت حکم بھی معلوم نہ ہو تو ان احادیث میں تعرض ہو گا۔ اس صورت میں اگر ایک حدیث کی ترجیح ثابت ہوگی تو رائج کو اختیار کریں گے۔ ورنہ دونوں حدیثیں ساقط ہو جائیں گی۔ لیکن یہ اخیر صورت محض فرضی ہی ہے ایسی حدیثیں قریب قریب معدوم کے ہیں اور ترجیح کے وجوہ متعدد طور پر ہیں۔

کبھی حدیث کی سند میں رجحان کی قوت ہوا کرتی ہے اس طرح کہ اس حدیث کے راوی زیادہ ہوں یا اس کے راوی میں قناعت ہو یا اس حدیث میں اتصال کی قوت ہو۔ یا اس میں بصراحت مرفوع ہونا بیان کیا گیا ہو یا راوی سے خود اس حدیث کا تعلق ہو کہ اس نے خود قوی دریافت کیا ہو یا اس سے خطاب کیا گیا ہو یا اس فعل کو جو اس میں مذکور ہو وہ اپنے عمل میں لایا ہو۔ اور اس طرح بھی رجحان ہوتا ہے کہ حدیث کے متن میں کوئی وصف ہو کہ کسی امر کو تاکید اس میں بیان کیا ہو یا مصرح طور پر ذکر کیا ہو یا حکم اور علت کی وجہ سے حدیث میں قوت آ جایا کرتی ہے کہ وہ حکم ادا کام شرعی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوا کرتا ہے اور اس علت کو ان ادا کام سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور نارہی لحاظ سے بھی حدیث میں زور بڑھ جاتا ہے کہ اکثر اہل علم نے اس کو مستحب قرار دیا ہو۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپؐ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس سے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر مستنون ہے اور جس نے ایسا لیا اس نے ابوالقاسم (آنحضرت ﷺ) کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے ذیل کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو یا اس کا حکم خود تعین کیا ہو۔ کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت

ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔ ظاہر اس سے کسی کام کا چند بار کرنا معلوم ہوتا ہے اور اگر اس فعل کے متعلق کسی دوسرے شخص نے بیان کیا کہ نہیں دوسرا فعل کیا کرتے تھے تو یہ اس اوّل کے کچھ منافی نہ ہوگا۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا اور میں نے آپ کو منع کرتے نہیں دیکھا یا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایسا کیا کرتے تھے تو اس سے اس حکم کا ثبوت ظاہر طور پر ہے نہ بطریق نص کے۔

کبھی روایتوں اور طرق کے اختلاف سے احادیث کے الفاظ اور عبارات میں اختلاف ہوا کرتا ہے پس اگر کوئی حدیث وارد ہو۔ اور ثقات راویوں نے اس کے الفاظ میں کچھ اختلاف نہ کیا ہو تو یہ الفاظ بظاہر آنحضرت ﷺ کے ہی سمجھے جائیں گے اور ان الفاظ کی تقدیم و تاخیر و ادنیٰ کے لحاظ سے استدلال کرنا ناممکن ہوگا اور ایسے ہی اصل مقصود پر جن امور کا اضافہ ہوگا ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اور اگر راویوں نے اختلاف کیا ہو اور تمام راوی فقہت حفظ کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر یہ امر ظاہر نہ رہ سکے گا کہ یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہیں اور ایسے ہی احادیث میں صرف اس معنی سے استدلال کر سکیں گے جس کو بالاتفاق سب نے بیان کیا ہو گا عام راویوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ صرف اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے۔ زوائد اور حواشی کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے اور اگر ایسی حالت میں راویوں کے درجات مختلف ہوں گے تو جوان میں ثقہ ہوگا اور اس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہوگا اسی کو اختیار کریں گے اور اگر راوی ثقہ کے قول میں ضبط الفاظ کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا۔ جیسے وہ کہے کہ وثب کا لفظ وارد ہوا ہے۔ قام کا اور افاض علی جعلاء الماء آیا ہے۔ نہ اغتسل تو اس کو بھی اختیار کریں گے اور اگر روایت حدیث میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہو گا۔ آپ اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو تمام خصوصیتیں مختلف فیہا لغو ہوں گی۔

اور حدیث مرسل قابل سند اور حجت جب ہوا کرتی ہے کہ کوئی اور قرینہ اس میں شامل ہو گیا ہو مثلاً کسی صحابی کی حدیث موقوف ہے اس میں قوت آگئی ہو یا صحابی کی سند ضعیف نے یا کسی دوسرے راوی کی مرسل حدیث سے وہ قوی ہو گئی ہو۔ اور روایت دونوں کے مختلف ہوں یا اکثر اہل علم کے اقوال یا قیاس صحیح یا نص کے ایما سے اس کی تائید ہو گئی ہو یا یہ معلوم ہوا ہو کہ یہ راوی عادل سے ہی حدیث کو بطریق ارسال بیان کرتا ہے اگر مرسل کی یہ حالت ہے تو قابل حجت ہے اگر مستند سے اس کا درجہ کم ہے ورنہ قابل حجت نہیں ہے۔

اور جس حدیث کو کوئی قاصر الضبط راوی یا مجہول الحال نقل کرے لیکن وہ معتمد نہ ہو تو اگر اس کے ساتھ کوئی قرینہ بھی ہے مثلاً قیاس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہو تو وہ قابل قبول ہوگی۔ ورنہ اس کو قبول نہ کریں گے۔

اور اگر کوئی ثقہ راوی ایسا امر حدیث میں زائد کر دے کہ اور راوی اس پر سکوت کر سکتے ہوں مثلاً حدیث مرسل کی اسناد بیان کر دے یا اسناد میں کسی راوی کو زیادہ کر دے۔ یا حدیث کا شان نزول بیان کرے یا روایت اور اطناب کلام کا سبب بیان کرے یا کوئی مستقل جملہ ذکر کرے جس سے کلام کے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو تو ایسی زیادتی مقبول ہے اور اگر راوی اس کی زیادتی پر سکوت نہ کر سکتے ہوں۔ مثلاً کوئی ایسی شے زیادہ کر دے جس سے معنی بدل جائیں یا کوئی ایسی نادر شے زیادہ کر دے جس کو عادت ذکر کیا ہی کرتے ہیں تو وہ زیادتی مقبول نہ ہوگی۔

اور جب کوئی صحابی حدیث کو کسی محل پر حمل کرے تو اس میں اگر اجتہاد کو دخل ہو تو جب تک کوئی دلیل اس کے مخالف قائم ہو وہی عمل ظاہر خیال کیا جائے گا ورنہ قوی ہوگا جیسے کہ اس کا تعلق ان قرائن حالیہ یا مقالیہ سے ہو جس کو لغت کا واقف معلوم کر سکتا ہے۔
اود آثار صحابہ اور تابعین میں اگر اختلاف واقع ہو تو مذکورہ بالا وجوہ سے اگر اتفاق پیدا ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ اس مسئلہ کے دو جواب یا چند خیال کیے جائیں گے اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ کون سا زیادہ بہتر ہے اور مذاہب صحابہ کا ماخذ معلوم کرنا ایک مخفی عمل ہے اس کے معلوم کرنے میں خوب کوشش کرنی چاہیے بڑا فائدہ حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم

باب ۸۲

أَن اسباب کے بیان میں کہ صحابہ اور تابعین کے فروع میں کیسے اختلاف کیا

معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں فقہ کے احکام جمع نہیں ہوئے تھے۔ اور جیسے فی زمانہ فقہاء ہر مسئلہ میں بحثیں کرتے ہیں ایسے مباحث بھی نہ تھے۔ فقہانہایت کوشش سے ارکان و شروط ہر شے کے آداب دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں۔ نئی نئی صورتیں فرض کرتے ہیں اور ان صورتوں میں گفتگوئیں کرتے ہیں جو چیزیں قابل تعریف ہیں ان کی تعریفیں کرتے ہیں جو قابل دھرم ہیں ان کو دھرم کرتے ہیں اور ایسے ہی ان کے اور کام ہیں اور آنحضرت ﷺ کے عہد میں صحابہ آپ کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور اس کا طریقہ دیکھ لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اس کی تشریح نہیں فرماتے تھے کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے۔ ایسے ہی آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تھے اور صحابہ آپ کو جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے ویسے ہی خود بھی نماز پڑھتے تھے آنحضرت ﷺ نے بیچ کیا اور لوگوں نے بھی ویسے ہی آپ کے موافق اعمال حج ادا کیے اکثر یہ حالت رسول اللہ ﷺ کی تھی۔

اس کی تفصیل اور تشریح کچھ نہ تھی۔ کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص اپنے وضو کے وقت وضو کے رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے۔ الا ماشاء اللہ صحابہ اس قسم کے امور کو بہت کم دریافت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے صحابہ رسول اللہ ﷺ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک صرف تیرے مسئلہ دریافت کیے جو کہ قرآن میں مذکور ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ ہے کہ لوگ تجھ سے ماوراء میں نے کاسم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دے اس مہینہ میں لڑنا بڑا امر ہے۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ قتال فیہ قل فیہ کسروں اور تجھ سے نفس کا مال دریافت کرتے ہیں ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمُحَنِصِّ﴾ حضرت ابن عباسؓ فرماتے کہیں کہ صحابہ ہی امور دریافت کیا کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں قائم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور انہوں نے وہاں سے تو ان کا پیمانہ نام نہ تھا مگر ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ ﷺ میں جن سے ملے ہوں ان کی

تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے میں نے کسی قوم کو نہیں پایا جن کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عیادہ بن بسر کندی سے روایت ہے ان سے اس عورت کا حال دریافت کیا گیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اور اس کا کوئی ولی تھا۔ انہوں نے کہا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہ کرتے تھے۔ تمہارے مسائل کو وہ دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔ (ان تمام آثار کو داری نے روایت کیا ہے)

رسول اللہ ﷺ سے واقعات کے متعلق لوگ دریافت کیا کرتے تھے آپ اس کا جواب دے دیا کرتے تھے وہ لوگوں کو کوئی اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے ان کی تعریف کرتے تھے اور اگر برا کام کرتے ہوئے ان کو دیکھتے تھے تو اس کی برائی بیان فرما دیا کرتے تھے۔ اور اکثر موقع فتویٰ اور فیصلہ کرنے کا یا کام کرنے والے کی برائی بیان کرنے کا مجلسوں میں ہی ہوا کرتا تھا اور یہی حالت شیخین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تھی جو مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوتا اور لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث دریافت کر لیا کرتے تھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جدہ کے حصہ کے متعلق کوئی حکم نہیں سنا ہے لوگوں سے انہوں نے اس کو دریافت کیا ہے نماز ظہر کے بعد انہوں نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے جدہ کے حصہ کے متعلق پیغمبر خدا ﷺ سے کچھ سنا ہو۔ مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہا میں نے سنا ہے انہوں نے فرمایا کیا سنا ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلویا تھا آپؐ نے فرمایا تمہارے سوا اور کوئی شخص بھی اس کو جانتا ہے محمد بن سلمہؓ نے کہا یہ سچ کہتے ہیں تب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوا دیا۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرہ کی کیفیت لوگوں سے دریافت کی اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کی خبر پر آپؐ نے عمل کیا لوگوں سے دبا کے متعلق انہوں نے دریافت کیا اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبر کی جانب انہوں نے رجوع کیا۔ ایسے ہی مجوس کے قصہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کی خبر پر عمل کیا تھا اور جب عبد اللہ بن مسعود کی رائے سے معقل بن یسار کی خبر مطابق ہو گئی تھی تو ابن مسعود نہایت خوش ہوئے تھے اور ابو موسیٰؓ حضرت عمرؓ کے دروازہ سے واپس چلے گئے تھے اور حضرت عمرؓ نے ان سے حدیث دریافت کی تھی اور ابو سعید نے اس کی تصدیق کی تھی ایسے واقعات بکثرت ہیں اور صحیحین اور سنن میں ان کی روایت کی گئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت شریف تھی۔ ہر ایک صحابی نے توفیق کے موافق آپ کی عبادت اور فتاویٰ اور احکام کو دیکھا ان کو خوب محفوظ کر لیا اور سمجھ لیا اور قرائن کی وجہ سے ہر ایک کی وجہ بھی معلوم کر لی اور ان امارات اور قرائن کے سبب سے جو اس کو معلوم تھے بعض امور کی نسبت اندازہ کیا کہ جائز ہیں اور بعض کا اندازہ کیا کہ منسوخ ہیں ان کو استدلال کے طریقوں کی جانب زیادہ توجہ نہ تھی بلکہ ان کی نظر میں زیادہ پسندیدہ امر یہ تھا کہ اطمینان اور یقین حاصل ہو جائے ان کی یہی حالت تھی جیسے تم اغراب کی دیکھتے ہو۔ وہ بھی آپس میں تصریح یا اشارہ سے مقصود کلام کو سمجھ جایا کرتے ہیں اسی سے ان کو تسکین ہو جاتی ہے اور ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیسے ان کو اطمینان ہو گیا۔ صحابہ اسی حالت پر تھے کہ عہد بزرگ آنحضرت ﷺ کا ختم ہو گیا اور صحابہ آپ کے بعد اطراف ملک میں پھیل گئے۔ اور ہر شخص ایک ایک حصہ ملک کا مقتدا اور رہبر ہو گیا۔ واقعات زیادہ پیش آتے گئے اور اکثر مسائل دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی رہی ہر شخص نے اپنے محفوظات یا استنباط کی قوت سے ان کا جواب دیا اور اگر اپنے محفوظات یا استنباط میں کوئی امر جواب کے قابل نہ پایا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور اس علت کو معلوم کیا جس کو اپنے مصرح احکام کے لیے آنحضرت ﷺ نے مدار

علیہ قرار دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے جہاں اس علت کو پایا وہیں اس کا حکم متعین کر دیا اور اس امر میں نہایت کوشش کی کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کی غرض کے مطابق ہو جائے۔ اس وجہ سے اختلاف کے چند پہلو ہو گئے۔ اور اس طرح کہ ایک صحابی نے کسی واقعہ کے متعلق کوئی حکم نبوی سنا تھا اور دوسرے نے اس کو نہیں سنا تھا۔ اس لیے اس دوسرے کو اپنی رائے سے اجتہاد کی ضرورت پڑی اس اجتہاد کے بھی کئی طریقے ہو گئے۔ اولاً ایسا ہوا کہ اس کا اجتہاد اس حدیث کے موافق ہو گیا جیسے نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا ہے اور اس نے اس عورت کا کوئی حصہ مہر مقرر نہیں کیا ہے بتائے اس عورت کو کیا ملنا چاہیے انہوں نے کہا اس کے متعلق میں نے آنحضرت ﷺ کو کوئی فتویٰ دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن لوگ ایک ماہ تک ان کے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ اس کا حکم بتائے انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے جواب دیا کہ اس کو بلا کم و کاست اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر دینا چاہیے اس پر عدت ضروری ہے اور اس کو ورثہ ملے گا۔ اس کو سن کر قتیل بن یسار نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک عورت کے مقدمہ میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ اس سے عبد اللہ ابن مسعودؓ ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد وہ کبھی ایسے خوش نہیں ہوئے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو صحابیوں میں بحث و مناظرہ کے بعد ایسی حدیث ظاہر ہو جائے جس کے ہونے کا گمان غالب ہو اور اس حدیث مسوع کی جانب وہ صحابی رجوع کرے جیسے آئمہ حدیث نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا مذہب تھا کہ اس شخص پر روزہ نہیں ہے جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی تب حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچے لیکن اس سے گمان غالب نہ ہو اس لیے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے بلکہ حدیث میں لکھ نہ کرے جیسے علمائے اصول نے ذکر کیا ہے۔ فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیان کیا کہ اس کو تین سال قبل خانہ نے اپنی تھیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے نفقہ اور مکان قرار نہیں دیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے قول سے کتاب الہی کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ ہم کو کیا معلوم ہے کہ یہ عورت سچی ہے یا جھوٹی ایسی عورت لو نفقہ اور مکان ملے گا۔ اور حضرت عائشہؓ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ تو اللہ سے خوف نہیں کرتی۔ (یعنی اپنے قول میں)

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مذہب تھا کہ جس جب کو پانی نہ ملے اس کے لیے تیمم کافی نہیں۔ جب حضرت عثمانؓ نے ان سے روایت کی کہ ایک بار غز میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا اور میں نے اپنے سر پر اٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کو ایسا کرنا کافی تھا اور یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور ایک مٹھی اٹھائیں لی وہ سب سے بڑھ حدیث میں ان کو معلوم ہوا۔ اس حدیث کو قابلِ حجت نہیں قرار دیا۔ لیکن دوسرے طبقہ میں (تابعین کے) بہت سے ائمہ نے اس حدیث کی شہرت، دینی اور مقرر ضعیف ہو گیا اس لیے سب نے اس کو اختیار کر لیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں۔ جیسے مسلم نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ ابن عمرؓ نے غسل کے وقت

عورتوں کو حکم کیا کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنا کر فرمایا: ابن عمرؓ سے تعجب ہے عورتوں کو وہ سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے کا کیوں حکم نہیں دے دیتے۔ یقیناً میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ سر پر تین بار پانی بہا دیا کرتی تھی۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے جس کو امام زہریؒ نے روایت کیا ہے کہ ہند کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ کو نماز کی رخصت دی ہے۔ اس لیے کہ وہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے روایا کرتی تھیں۔

اور ایک نحو اختلاف کی یہ بھی ہے کہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو بعض یہ اندازہ کرتے تھے کہ ثواب کے لیے اس کو کیا ہے اور بعض خیال کرتے تھے کہ اس کو مباح طور پر کیا ہے۔ جیسے علمائے اصول نے حج کرنے کے بعد مقام ابطح میں قیام کرنے کے متعلق روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا۔ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ ابن عمرؓ کا مذہب یہ ہے کہ ثواب کے طور پر آپؐ نے قیام کیا تھا اس لیے ابطح میں ٹھہرنا ان کے نزدیک حج کی سنتوں میں سے ہے اور حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ یہ محض اتفاقی امر تھا۔ حج کی سنن میں یہاں ٹھہرنا داخل نہیں ہے اور جمہور کا مذہب ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک امر عارضی کی وجہ سے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے محض اتفاقی طور پر کیا تھا یہ سنت نہیں ہے۔

اور کبھی وہم کے اختلاف سے صحابہؓ میں اختلاف ہو گیا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ اور بعض صحابہؓ نے ان کو دیکھ کر خیال کیا کہ آپؐ نے نیت تمتع کی کی تھی اور بعض نے خیال کیا کہ قرآن کی اور بعض نے خیال کیا کہ حج افراد کی نیت کی تھی۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ابو داؤد نے حدیث نقل کی ہے کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا اے ابوالعباس مجھ کو تعجب ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کیسے اختلاف کیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے احرام کے افعال ادا کیے انہوں نے فرمایا میں سب لوگوں سے اس کی حقیقت زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حج کیا تھا۔ اس میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے باہر نکلے آپؐ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے اسی مجلس میں حج کے لیے پاؤں بلند لبیک کہا لوگوں نے اس کو سنا اور میں نے اس کو محفوظ رکھا پھر آپؐ سوار ہوئے اور جب آپؐ کی ناقہ نے آپؐ کو اٹھایا تب بھی آپؐ نے لبیک کہا لوگوں نے اس کو سنا لوگ متفرق طور پر آتے تھے۔ سب شامل نہ تھے کوئی ایک امر سے واقف تھا اور دوسرے سے ناواقف تھا۔ ان پچھلے لوگوں نے اس حالت میں لبیک کہتے ہوئے سن کر کہا کہ حضرت نے لبیک اس وقت کہا تھا جب ناقہ پر سوار ہو گئے تھے آگے بڑھ کر جب بیابان کی بلندی پر آپؐ پہنچے تب بھی لبیک کہا اور اس کو سن کر لوگوں نے کہا کہ جب آپؐ بیابان کی بلندی پر پہنچے تھے تب بھی لبیک کہا تھا اور قسم ہے اللہ کی کہ آنحضرت ﷺ نے لبیک کو اپنی نماز کی جگہ کہا تھا اور جب ناقہ پر آپؐ سوار ہو رہے تھے اس وقت بھی کہا تھا۔ اور جب بیابان کی بلندی پر چڑھے تھے اس وقت بھی کہا تھا۔

اور سہو و نسیان سے بھی صحابہؓ میں اختلاف ہو گیا ہے۔ مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے گواہوں سے فیصلہ کر دیا۔

اور کبھی خوب انضباط کے نہ ہونے سے اختلاف ہوا کرتا ہے۔ جیسے عبداللہ ابن عمرؓ نے یا حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ جب میت کے اہل اس پر روتے ہیں تو میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے فیصلہ کیا کہ ٹھیک طور پر ان کو حدیث معلوم نہیں ہے اصلی امر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک یہودیہ عورت پر گزر ہوا۔ اس عورت کے اہل اس پر رورہے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس عورت پر رورہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے اس طرح عبداللہ ابن عمرؓ نے خیال کیا کہ رونا عذاب کی علت ہے اور اس سے گمان کر لیا کہ ہر ایک امت کا یہی حکم ہے۔

کبھی حکم کی علت میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا بعض قائل ہیں کہ یہ قیام ملائکہ کی تعظیم کے لیے ہوتا ہے اس لیے مومن اور کافرو دونوں کے جنازہ کو دیکھ کر اٹھنا چاہیے اور بعض قائل ہیں کہ موت کے خوف سے کھڑے ہوتے ہیں تب بھی دونوں صورتوں میں کھڑا ہونا چاہیے اور حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار یہودی کا جنازہ آپؐ کے سامنے سے گزرا آپؐ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے آپؐ کو یہ خبر وہ معلوم ہوا اور کہیں آپؐ کے سر کے اوپر سے وہ نہ گزرے۔ اس صورت میں قیام جب ہی کرنا چاہیے کہ کافر کا جنازہ ہو۔

دو مختلف امور کے جمع کرنے میں بھی صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے سال خیبر میں متعہ کی اجازت دے دی تھی اس کے بعد سال او طاس میں اس کی اجازت دی اور سال او طاس کے بعد منع فرما دیا اس واسطے عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اجازت ضرورت کی وجہ سے تھی اور ضرورت جب باقی نہ رہی تو منع کر دیا۔ اور اب تک وہی اصلی حکم ممنوع ہونے کا باقی ہے اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ رخصت اباحت تھی اور منع کرنے نے اسی اباحت کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استنجا میں استقبال قبلہ سے منع فرمایا تھا۔ اس لیے ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوا۔ اور حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پیشتر آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپؐ نے قبلہ کی جانب پیشاب کیا تھا۔ اس واسطے ان کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وہ پہلے ہی منسوخ ہو گئے اور عبداللہ ابن عمرؓ نے آپؐ کو دیکھا تھا کہ قبلہ کی جانب پشت دے کر اور شام کی جانب ہو کر قضاے حاجت فرمائی تھی۔ اس سے انہوں نے جماعت کے قول کو رد کیا اور ایک جماعت نے ان دونوں قولوں کو جمع کیا ہے امام شعبی وغیرہ کا مذہب ہے کہ بیابان میں استقبال قبلہ استنجا میں منع ہے اور اگر پائٹھانوں میں استنجا کیا جائے تو اس صورت میں استقبال اور استنجا بار قبلہ کی طرف استنجا میں جائز ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ قول منع فرمانے کا عام اور محکم ہے۔ اور آپؐ کا فعل صرف آپؐ کی ذات سے لیے ہے اس واسطے نہ تاخیر ہو سکتا ہے نہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔

بہر حال ان طریقوں سے صحابہؓ کے مذاہب میں اختلاف ہو گیا تھا اور ان کے بعد تابعین نے توفیق کے موافق ان مذاہب کو اختیار کیا ہر شخص نے بقدر استطاعت احادیث رسول اللہ ﷺ اور مذاہب صحابہؓ کو سنا اور ان کو خوب سمجھ کر مختلف امور کو بہ قدر وسعت جمع کیا اور بعض اقوال بعض پر ترجیح دی اور ان کی نظر میں بعض بعض اقوال ضعیف معلوم ہوئے اگرچہ وہ کبار صحابہؓ سے ماخوذ اور مروی تھے جیسے عمر بن عبدالمطلب کا مذہب جب نے یتیم کرنے میں منقول ہوتا چلا آتا تھا جب ہمارا اور عمران بن حصین وغیرہ کی احادیث مشہور ہوئیں تو ان کی نظر میں وہ ضعیف معلوم ہوا۔ اس طرح تابعین میں سے ہر ایک عالم کا اپنے خیال کے موافق ایک خاص

مذہب ہو گیا۔ اور ہر شہر میں ایک امام قائم ہو گیا۔ مثلاً مدینہ میں سعید ابن مسیب اور سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ ہوئے اور ان کے بعد یہیں مدینہ میں قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمن وغیرہ ہو گئے مکہ میں عطاء بن رباح امامت کے درجہ کے تھے اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور امام شعی اور بصرہ میں امام حسن بصری اور یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں امام مکحول پیدا ہوئے لوگوں نے نہایت شوق اور سرگرمی سے ان کی جانب رغبت کی اور ان سے علم حدیث صحابہ کے مذاہب اور اقوال کو اور خود ان علماء کے ذاتی مذاہب اور تحقیقات کو اخذ کیا۔ مسائل میں لوگ ان سے فتویٰ لیتے رہے اور خوب مسائل کا ان میں تذکرہ رہا۔ اور تمام معاملات کے وہ مرجع رہے۔ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور ان کے ہم رتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کی ترتیب دے دی تھی اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس اصول اور قواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا۔ سعید بن مسیب اور ان کے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ حرمین کے علماء کو فقہ میں نہایت پختگی ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد عبد اللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں۔ ان سب علوم کو انہوں نے بہ قدر استطاعت جمع کیا۔ اور ان میں تفتیش اور نگاہ کی غور سے دیکھا جو مسائل انہوں نے علمائے مدینہ کے اجماعی پائے ان کو نہایت پختگی سے اختیار کیا اور اختلافی مسائل میں وہ اختیار کیے جو قوی اور مرجح پائے ان میں ترجیح یا اس لیے تھی کہ اکثر علماء نے اُس طرف میلان کیا تھا یا وہ کسی مصرح قیاس کے موافق تھے یا کتاب و حدیث سے مصرح طور پر مستنبط ہوئے تھے۔ علیٰ ہذا۔ اور اگر انہوں نے اپنے محفوظات میں جواب مسئلہ کا نہ پایا تو اس میں خود گفتگو نہ کی بلکہ کتاب و سنت کے ایماء اور اقتضاء کا تتبع کیا۔ اس کی وجہ سے ہر ایک باب میں بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے۔ ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا قول فقہ میں زیادہ قابل اعتماد ہے اس لیے علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قابل وثوق نہیں ہے اور ابو حنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت عبد اللہ ابن عمرؓ میں نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ ان کی نسبت علقمہ میں فقاہت زیادہ ہے لیکن عبد اللہ تو عبد اللہ ہی ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کا ماخذ عبد اللہ ابن مسعودؓ کے فتوے اور حضرت علیؓ کے فیصلے اور قاضی شریح اور دیگر قضاة کوفہ کے فتاویٰ ہیں۔ انہی میں سے امام ابو حنیفہؒ نے بقدر امکان مسائل فقہ کو مدون کیا اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے تخریجات کی تھیں۔ ایسے ہی اہل کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی۔ اس طرح ہر باب کے متعلق مسائل فقہ مرتب اور مخلص ہو گئے اس وقت میں حضرت سعید بن مسیب فقہائے مدینہ کی زبان تھی اور ان کو حضرت عمرؓ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث سب سے زیادہ ان کو یاد تھیں اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھی جب سعید بن مسیب اور ابراہیم کوئی بات بیان کریں اور کسی کی جانب اس کو منسوب نہ کریں تو وہ ان کا کلام غالباً سلف میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہی ہو گا۔ صریحاً یا اشارۃً انہو ذلک فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ان سے علوم کو حاصل کیا اور خوب سوچ سمجھ کر ان سے اور مسائل خارج کیے۔ واللہ اعلم

فقہاء کے مذاہب مختلف ہونے کے اسباب کیا تھے

معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تابعین کے زمانہ کے بعد حائین علم کی جماعت کو پیدا کیا ان کے پیدا کرنے سے وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ: **يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوْلُهُ**۔ بچھلی نسلوں میں سے عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کر لیں گے انہوں نے تابعین سے وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام کو اخذ کیا۔ احادیث نبوی کی روایت کی۔ مختلف شہروں کے مفتی اور قاضیوں کے فیصلے سے مسائل دریافت کرتے رہے ان تمام امور میں انہوں نے نہایت ہی کوشش کی۔ آخر وہ مسلمانوں کے مقتدا اور تمام امور مذہبی کے مرجع ہو گئے۔ ایماء اور اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں نہایت درجہ انہوں نے اہتمام کیا ہمیشہ مسئلوں کے جواب دیتے رہے۔ فیصلے کرتے رہے۔ علم کو نقل کیا۔ اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

اس طبقہ کے علماء کا کام ہم رنگ اور یکساں تھا۔ سب کا طرز عمل یہ تھا کہ احادیث سے تمسک کرتے تھے خواہ مسند ہوں یا مرسل اقوال صحابہ اور تابعین سے استدلال کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ ان صحابہ اور تابعین کی احادیث رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں انہوں نے کم درجہ سمجھ کر احادیث موقوفہ قرار دیا ہے۔

ابراہیم نے ایک بار اس حدیث کو نقل کیا جس میں آنحضرت ﷺ نے بیع محافلہ (پکنے سے پہلے کھیت کو فروخت کر دینا) اور بیع مزانہ (ترچھو ہاروں کو جو درختوں پر ہوں خشک چھو ہاروں سے فروخت کر دینا) منع فرمایا ہے۔ تب لوگوں نے ان سے کہا کہ اس حدیث کے علاوہ تم کو کوئی اور حدیث بھی یاد ہے انہوں نے جواب دیا یاد ہے لیکن مجھ کو یہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں کہو کہ عبد اللہ نے ایسا کہا ہے اور حاتم نے ایسا کہا ہے۔ اور امام شافعی سے ایک حدیث دریافت کی گئی اور لوگوں نے کہا کہ اس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھ کو اسناد میں وہی لوگ پسند ہیں جو آپ کے درجہ سے پست ہیں اگر حدیث میں کوئی زیادتی یا کمی ہو تو اس کا نقصان انہیں لوگوں کے ذمہ ہے جو آپ سے پست درجہ میں ہیں یا اس طبقہ کے لوگ حکم منصوص سے استنباط کرتے تھے یا اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے ان تمام امور میں آئندہ پیدا ہونے والے لوگوں سے بہت خوبی سے کام کرتے تھے ان کی رائے میں درستی زیادہ تھی۔ ان کا زمانہ بہت پہلے تھا۔ ان کے علمی محفوظات زیادہ تھے اس واسطے ان کے اقوال پر عمل کرنا معین ہو گیا۔ البتہ اگر ان میں باہم اختلاف ہو اور حدیث ظاہر اطور پر ان کے اقوال کے مخالف ہو۔

یہ بھی اس طبقہ کا باب تھا جب کسی مسئلہ میں احادیث مختلف وارد تھیں تو وہ صحابہ کے اقوال کی جانب رجوع کیا کرتے تھے اگر صحابہ قائل تھے کہ بعض احادیث منسوخ ہیں یا مصروف عن الظواہر ہیں یا اس نسخ وغیرہ کی تو صحابہ نے کچھ تصریح نہ کی تھی لیکن اس حدیث پر انہوں نے عمل نہ کیا تھا اور اس کے مضمون کے وہ قائل نہ ہوئے تھے۔ اس عمل نہ کرنے سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس

حدیث میں کوئی نہ کوئی علت تھی یا منسوخ یا مآول تھی ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے لوگ صحابہؓ کے اقوال کا اتباع کیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کے متعلق جو کتے کے پانی پینے کے متعلق ہے کہا تھا کہ یہ حدیث وارد تو ہوئی ہے لیکن مجھ کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے ابن حجب نے مختصر الاصول میں اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ میں فقہاء کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں۔

جب صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال مختلف ہوا کرتے ہیں تو اس وقت میں ہر ایک عالم کی نظر میں اپنے شہر کے علماء اور اپنے ہی اساتذہ کا قول پسندیدہ اور مختار ہوا کرتا ہے اس لیے کہ یہ شخص انہیں علماء کے اقوال میں صحیح اور سقیم اقوال سے بخوبی واقف ہوا کرتا ہے ان اقوال کے مناسب اصول خوب طرح سے اس کے ذہن نشین ہوا کرتے ہیں۔ ان کے فضل اور تبحر کی جانب اس کا میلان قلب زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ عبداللہ ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ ابن عباسؓ زید ابن ثابتؓ اور ان کے اصحاب مثل سعید ابن مسیب جن کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور عروہؓ سالمؓ عطاء ابن یسارؓ قاسمؓ عبید اللہ بن عبد اللہ زہریؓ یحییٰ بن سعیدؓ زید بن اسلمؓ ربیعہؓ یہ سب علمائے مدینہ کی نظر میں سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ ان کے ہی علوم اخذ کیے جائیں۔ مدینہ کے فضائل رسول اللہ ﷺ بیان کر چکے تھے ہر زمانہ میں وہ علماء اور فقہاء کا مرکز رہا تھا۔ اس واسطے امام مالکؒ کبھی اہل مدینہ کے مسلک کو نہیں چھوڑے تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگرد اور حضرت علیؓ شریحؓ شعبیؓ اور ابراہیم کے فتوے علمائے کوفہ کی نظر میں اوروں کی نسبت زیادہ اس کے قابل ہیں کہ مختار اور پسندیدہ سمجھے جائیں۔ اسی واسطے تشریک میں جب مسروقؓ نے زید ابن ثابتؓ کے قول کی طرف میلان کیا تو علقمہؓ نے ان سے کہا کہ تمہاری جماعت میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے زیادہ کوئی شخص وثوق کے قابل ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بے شک ان سے زیادہ کوئی قابل وثوق نہیں ہے لیکن میں نے زید ابن ثابتؓ اور علمائے مدینہ کو تشریک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب کسی شہر کے علماء کسی مسئلہ پر اتفاق کریں تو نہایت پختگی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی کے متعلق امام مالکؒ نے کہا ہے کہ متفق علیہ احادیث ہمارے پاس اتنی ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں علمائے شہر کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس قول کا اتباع کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ قوی اور مرجح ہو۔ اُس کے قائل زیادہ ہوں یا کسی قوی قیاس کے وہ موافق ہو یا کتاب و سنت سے اس کی تخریج کی گئی ہو۔ اس کے متعلق امام مالکؒ کا قول ہے **هَذَا أَحْسَنُ مِمَّا سَمِعْتُ** جو اقوال ہم نے سنے ہیں ان سب میں یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ جو اقوال یہ علماء اپنے اساتذہ سے سنتے تھے اور ان میں مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تھا۔ تو ایما اور اقتضا سے انہیں کے کلام میں سے جواب مسئلہ کا نکال لیا کرتے تھے۔

اس طبقہ میں علماء کو تصنیف اور تدوین کا الہام ہوا۔ امام مالکؒ اور محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذیاب نے مدینہ میں تصنیف کرنا شروع کیا۔ اور ابن جریجؓ اور ابن عیینہؓ نے مکہ میں اور ثوریؓ نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیحؓ نے بصرہ میں اور ان سب نے تصنیف میں وہ شیوہ اختیار کیا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ جب منصور عباسیؒ نے حج کیا تو امام مالکؒ سے کہا میرا قصد یہ ہے کہ تمہاری مصنفہ کتابیں لکھوا کر سب اسلامی شہروں میں ان کا ایک ایک نسخہ بھیج دوں اور لوگوں کو حکم کروں کہ انہیں کے مسائل پر عمل کریں ان کے علاوہ اور کسی جانب رُخ نہ کریں انہوں نے فرمایا اے امیر المؤمنین ایسا نہ کر دو لوگوں میں پہلے ہی سے اقوال مشتہر ہو گئے ہیں وہ احادیث کو سن

چکے ہیں۔ روایات کو نقل کر چکے ہیں جو مسائل معلوم ہو گئے ان پر انہوں نے عملدرآمد کر لیا ہے لوگوں میں اختلافات ہو گئے ہیں۔ اس واسطے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو جو انہوں نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اس پر رہنے دو اور یہ قصہ بعض نے ہارون رشید کی طرف منسوب کیا ہے اس نے امام مالکؒ سے مشورہ کیا تھا کہ میں موطا کو کعبہ میں لٹکا دینا چاہتا ہوں تمام لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کی ترغیب دوں گا۔ امام مالکؒ نے کہا ایسا نہ کرو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے فروع مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ بلاد اسلامی میں وہ متفرق ہو گئے احادیث مشہر ہو چکیں ہارون رشید نے کہا: **دَفَعْتُكَ اللَّهُ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ**۔ (سیوطی نے اس حکایت کو نقل کیا ہے) علمائے مدینہ کو جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچی تھیں ان سب علماء میں امام مالکؒ سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے ان کی حدیث سب سے زیادہ معتبر ہے۔ حضرت عمرؓ کے فیصلے اور عبد اللہ بن عمر اور حضرت عائشہؓ اور ان کے اصحاب فقہائے سبعہ وغیرہ کے اقوال پر امام مالکؒ کو سب سے زیادہ اطلاع تھی ایسے ہی علماء میں روایت اور فتویٰ کا علم قائم ہوا ہے۔ جب امام مالکؒ مرجع اور مقتدا ہوئے تو انہوں نے حدیث اور فنون کو پھیلایا لوگوں کو ان سے مکمل فائدے پہنچے اور انہیں پر رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی منطبق ہوئی۔ **يُوشِكُ أَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الْأَثَلِ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ قَرِيبَ هَيْكَلِ** علم کے لیے لوگ سفر کریں گے لیکن مدینہ کے عالم سے کسی کو زیادہ واقف نہ پائیں گے ابن عیینہ اور عبد الرزاق نے اس حدیث کا محمل امام مالکؒ ہی کو قرار دیا ہے ایسے دو شخصوں کی شہادت کافی ہے امام مالکؒ کے شاگردوں نے ان کی روایتوں اور پسندیدہ اقوال کو جمع کیا مخلص کیا۔ مہذب طور پر ان کو تحریر کر کے ان پر شروح لکھے اور ان سے مسائل کا اخراج کیا ان اقوال کے اصول اور دلائل میں "فتلو کی اور ان کے شاگرد ممالک مغرب اور روئے زمین پر پھیل گئے اور اس ذریعہ سے اللہ نے اپنی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اور امام مالکؒ کے اصول مذہبی معلوم کرنے ہوں تو کتاب موطا میں غور کرو ہمارے قول کی تصدیق ہو جائے گی اور امام ابو حنیفہؒ کو ابراہیم اور ان کے ہمہ علماء کی روش کی زیادہ پابندی تھی ابراہیم کے مذہب سے وہ بہت کم علیحدگی کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور ان کے مسلک کے موافق مسائل خارج کرنے میں ان کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے تخریج مسائل کے وجود دریافت کرنے میں نہایت وقت نظر سے وہ کام لیتے تھے فروعات کی جانب ان کی نہایت توجہ تھی ہمارے اس قول کی اگر صداقت منظور ہے تو امام محمدؒ کی کتاب الآثار اور جامع عبد الرزاق اور ابوبکر شیبہؒ کی تصنیف سے ابراہیم اور ان کے حاصرین کے اقوال کو مخلص کر کے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب سے ان کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ وہ کہیں ان کی روش سے تجاوز نہیں کرتے مگر نہایت محدودے چند موقعوں میں اور ان مواقع میں بھی فتہائے کونہ کے مذاہب کو پیش نظر رکھتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت امام ابو یوسفؒ کی ہوئی ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کا منصب ان کو حاصل ہوا۔ اس کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب پھیل گیا۔ اور تمام اطراف عراق خراسان ماوراء النہر تک اس کا قبضہ ہو گیا اور تمام شاگردوں میں تصنیف کی شاعلی اور اہتمام درس میں امام محمد بن حسنؒ کو فوقیت ہے ان کی حالت یہ ہوئی کہ اولاً امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے انہوں نے فقہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مدینے پہنچ کر امام مالکؒ سے موطا کو پڑھا پھر نو توجہ کر کے اپنے اصحاب کے مذہب کو موطا کے ایک ایک مسئلہ پر منطبق کیا۔ اگر موافقت پائی تو اس کو ختم کر دیا۔ ورنہ اس میں غرض لیا کہ صحابہ یا تابعین میں سے کسی جماعت کا یہ مسلک ہوا ہے یا نہیں اگر کوئی مسلک مل گیا تو اس سے ملحق کر دیا اور اگر کسی

ضعیف قیاس یا ضعیف تخریج پر فقہاء نے عمل کر لیا تھا اور اس کے مخالف کوئی صحیح حدیث پائی جاتی تھی اور اکثر علماء کا عمل بھی اس کے مخالف تھا تو اس وقت جس مذہب کو مذاہب سلف سے مرجع پایا اس کو متمسک بہ قرار دیا لیکن امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ بھی ابراہیم اور معاصرین ابراہیم کے طریقہ سے کنارہ کش نہیں ہوتے امام ابو حنیفہؒ کے وہ قدم بقدم ہیں ان تینوں ائمہ میں باہم اختلاف دو طرح پر ہوا۔ اولاً یہ کہ ابراہیم کے مذہب کے موافق امام ابو حنیفہؒ نے کسی مسئلہ کو خارج کیا اور اس تخریج میں صاحبین نے ان سے مخالفت کی۔ ثانیاً یہ ابراہیم اور ان کے ہر مرتبہ علماء کے کسی مسئلہ میں مختلف جوابات تھے تو امام ابو حنیفہؒ نے ان میں سے کسی قول کو ترجیح دی اور ان صاحبین نے کسی دوسرے قول کو ترجیح دی اس لیے امام محمدؒ نے اپنی تصنیفات میں ائمہ ثلاثہ کے راویوں کو جمع کر دیا۔ اور اکثر لوگوں کو نفع پہنچایا۔ اصحاب ابو حنیفہؒ نے ان تصنیفات کی طرف کافی توجہ کی۔ ان کے خلاصے کیے ان کے دلائل بیان کیے۔ شروح مرتبہ کیں۔ ان سے مسائل خارج کیے۔ ان کے مباحی اور دلائل میں تفتیش کی۔ اور ممالک خراسان، ماورالنہر وغیرہ میں متفرق ہو گئے اور حنفی مذہب اس کا نام ہو گیا جب مذہب مالکی اور حنفی شائع ہو چکا اس کے اصول و فروع مرتب ہو چکے تو امام شافعیؒ کا نشوونما ہوا۔ انہوں نے متقدمین کی روشوں میں جب خوض کیا تو بہت سے امور ایسے پائے جن کی وجہ سے وہ مقدمین کے طریقوں کا اتباع نہ کر سکے۔ امام شافعیؒ نے ان طریقوں کو کتاب الام کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے یہ امر تھا کہ مقدمین حدیث مرسل اور منقطع پر بھی عمل کرتے تھے۔ اس قسم کی احادیث خرابی سے خالی نہ تھیں جب حدیث کے طرق بتما مہاجع کیے جاتے تھے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ اکثر مرسل حدیثیں محض بے اصل ہیں اور اکثر مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں۔ اس وجہ سے امام شافعیؒ نے یہ قرار دیا کہ مرسل احادیث پر عمل جب ہی کیا جائے کہ ان کے شروط بھی موجود ہوں۔ کتب اصول میں یہ تمام شروط مذکور ہیں دوسرا امر یہ تھا کہ مختلف احادیث کے متعلق متقدمین کے زمانہ میں ایسے قول منضبط نہ تھے جن سے ان احادیث میں توفیق اور جمع ہو سکے اس لیے ان کے اجتہادی مسائل میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اس ضرورت کے رفع کرنے کو امام شافعیؒ نے اس قوم کی حدیثوں کے متعلق اصول کی بنا ڈالی۔ اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعیؒ امام محمد صاحبؒ کے پاس گئے۔ اس وقت وہ علمائے مدینہ پر اعتراض کر رہے تھے۔ کہ وہ ایک گواہ کے ساتھ جب قسم ہو تو فیصلہ کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سے قرآن پر زیادتی ہوئی جاتی ہے تب امام شافعیؒ نے کہا کہ کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خبر واحد سے کتاب الہی پر زیادتی جائز نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے کہاں ہاں جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا پھر تم کیسے قائل ہو کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا قول کہتے ہو کہ **اَلَا وَصِيَّةٌ لِّوَارِثٍ هَوْشِيَارٍ هَوْكَهْ وَارِثٍ** کے لیے وصیت درست نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَكُتِبَ عَلَيْكُمُ اِذَا خَـضَرَ اَحَدُكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ الْوَصِيَّةِ لِلْوَالدَيْنِ وَالْاَقْرَبِينَ** (تم پر مقرر کیا گیا کہ موت آنے کے وقت اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے اس میں وصیت کرنا چاہیے) اسی قسم کے اور چند اعتراضات امام شافعیؒ نے ان پر کیے اور امام محمدؒ ان کا کچھ جواب نہ دے سکے۔

اور ایک امر یہ تھا کہ بعض صحیح صحیح احادیث ان علمائے تابعین کو نہ پہنچی تھیں۔ جن پر فتویٰ کا مدار تھا۔ اس لیے ان کو اپنی رائے

سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا۔ اور گزشتہ صحابہ کی انہوں نے پیروی کی اسی کے موافق انہوں نے فتویٰ دیا لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہو گئی اور انہوں نے یہ گمان کر کے یہ احادیث ان کے علمائے شہر کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مخالف ہیں۔ ان احادیث پر عمل نہ کیا اس کی وجہ سے یہ احادیث مور و طعن ہو گئیں اور اس کی وجہ سے وہ قابل السقوط ہو گئیں۔ یا تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت نہ ہوئی تھی۔ لیکن محدثین نے احادیث کے تمام طرق روایت کو خوب غور سے دیکھا اور اطراف ملک میں سفر کر کے علمائے حدیث سے ان کی تفتیش کی گئی تو اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی گئیں کہ صحابہؓ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے ان کی روایت کی تھی اور ان صحابہؓ سے بھی صرف ایک دورادویوں نے ان کی روایت کی تھی وہلم جبراً اس لیے اکثر فقہاء کی نظر سے مخفی رہیں اور ان حفاظ حدیث کے وقت ان کی شہرت ہوئی جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا بہت سی احادیث مثلاً ایسی تھیں کہ بصرہ کے علماء ان کی روایت کرتے تھے اور باقی حصوں میں ان کی جانب سے غفلت تھی۔ اس وقت میں امام شافعیؒ نے اس کی توضیح کر دی کہ علمائے صحابہؓ اور تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کے متلاشی رہے جب کوئی حدیث ان کو نہ ملی تو انہوں نے کوئی اور استدلال اختیار کیا لیکن اس استدلال کے بعد جب ہی کہ کوئی حدیث ظاہر ہوئی تو انہوں نے اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا۔ اور حدیث پر عمل کیا۔ جب ان کی ایسی حالت تھی تو حدیث پر عمل نہ کرنا حدیث کے لیے موجب قدح نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں قدح جب ہی ہو سکتا ہے کہ کوئی علت قاذحہ بیان کی جائے۔ مثلاً حدیث قسطنطین صحیح حدیث ہے مختلف سلاسل روایت سے اس کا ثبوت ہے۔ ان سب میں بڑا سلسلہ اس کا یہ ہے جس کی سند ابوالولید ابن کثیر پر مبنی ہوتی ہے انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے اور ابن جعفر نے عبد اللہ یا محمد بن عباد بن جعفر سے بروایت عبید اللہ بن عبد اللہ اور ان دونوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے اور اس کے بعد طرق روایت متعدد ہو گئے اور یہ دونوں راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ مسائل میں مرجع اور معتمد علیہ نہ تھے اس لیے یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور نہ امام زہری کے زمانہ میں مشہور ہوئی۔ اسی واسطے مالکیہ اور حنفیہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔ اور ایسے ہی خیابار مجلس کی حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے طرق بکثرت ہیں۔ اور ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ نے صحابہؓ میں سے اس پر عمل کیا تھا لیکن فقہائے سب سے بعد اور ان کے معاصرین میں اس کی شہرت نہیں ہوئی تھی۔ اس طبقہ کے محدثین اس حدیث کے قائل نہ تھے اس وجہ سے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث میں قدح کی۔ اور امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا اور ایک امر یہ تھا کہ صحابہؓ کے سب اقوال امام شافعیؒ کے عہد میں جمع کیے گئے ان اقوال کی کثرت معلوم ہوئی ہے اور ان میں اختلافات پائے گئے اور امام شافعیؒ نے دیکھا کہ اس وجہ سے کہ صحابہؓ کو حدیث معلوم نہ ہوئی تھی وہ اکثر اقوال صحیحہ حدیثوں کے خلاف ہیں اور امام شافعیؒ نے سلف کو دیکھا تھا کہ ایسے وقت میں حدیث کی جانب رجوع کیا کرتے ہیں۔ اس واسطے امام شافعیؒ نے ان پر عمل نہیں کیا جو ان کے متفق مایہ نہ تھے اور کہا ہم رجال و نحن رجال صحابہؓ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔

اور ایک امر یہ تھا کہ امام شافعیؒ نے فقہاء کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اس قیاس میں جن کو شرع نے تجویز کیا ہے ایسی رائیں مقلوہ لراہتی ہیں جن کو شرع کی نظر میں وقعت نہیں ہو سکتی وہ فقہاء اس قیاس اور رائے میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس اپنی رائے کو وہ اقدام نام رکھتے ہیں رائے سے مراد یہ ہے کہ اس موقع پر جرح یا مصلحت کو حکم کی علت قرار دیں اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ حکم مخصوص

سے کوئی علت نکالی جائے اور حکم کا مدار علیہ قرار دی جائے۔ اس رائے کو امام شافعیؒ نے نہایت اہتمام سے باطل کیا۔ اور کہا جو استحسان کا مجوز ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے (ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس کو نقل کیا ہے) اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک مخفی امر ہے اس لیے فقہا نے اپنی رائے سے پچیس سال زمانہ رشد کے لیے قرار دیے اور کہا کہ جب یتیم پچیس سال کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال دے دینا چاہیے۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ یہ استحسان ہے حالانکہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ اس عمر میں اس کو مال دینا نہ چاہیے۔

حاصل یہ ہے کہ جب امام شافعیؒ نے مقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو از سر نو فقہ کو مرتب کیا اس کے اصول و فروع کی ترتیب دی۔ نہایت رزانت سے کتابیں تصنیف کیں۔ تمام فقہا ان کی خدمت میں جمع ہوئے۔ ان کتابوں کا اختصار کیا ان پر شرح لکھیں۔ ان کے دلائل بیان کیے۔ ان سے مسائل کو خارج کیا اور پھر تمام شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے اور مذہب شافعیؒ اس طریقہ کا نام ہو گیا۔ واللہ اعلم

باب ۸۴

اہل حدیث اور اصحاب الرائے کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور زہری کے عہد میں اور امام مالکؒ اور سفیان ثوری کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ایسے علماء تھے کہ وہ مسائل دین میں رائے سے خوض کرنے کو برا جانتے تھے اور فتویٰ دین اور مسئلہ کے استنباط کرنے میں بہت خائف رہتے تھے۔ جب نہایت ہی ضرورت پیش آتی تھی اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا جب ہی استنباط کیا کرتے تھے ان کو بڑا اہتمام اس کا یہ تھا کہ حدیث کی روایت کر دیں۔ ایک بار عبد اللہ بن مسعودؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے لیے اس شے کو جائز کر دوں جس کو اللہ نے حرام کیا ہو۔ یا وہ چیز حرام کر دوں جس کو اس نے حلال کیا ہو۔ معاذ بن جبل نے کہا ہے۔ اے لوگو! بلا کے نازل ہونے سے پہلے اس کی تفتیش کرنے میں جلدی مت کرو۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہی ہوتے رہیں گے کہ جب ان سے کوئی امر دریافت کرو تو اس کو مسلسل بیان کرتے چلے جائیں ایسے ہی ان امور میں خاموش رہنے کے لیے جو ابھی تک فعلیت میں نہیں آئے ہیں۔ اس کے قریب قریب ہی حضرت عمر اور حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے اور جابر بن زید سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا تھا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو اس لیے ہمیشہ فتوے قرآن و حدیث کے ہی موافق دینا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود بھی ہلاک ہو گے۔ ابو نصر کہتے ہیں کہ جب ابو سلمہ بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصری ان کی ملاقات کو گئے۔ انہوں نے حسن بصریؒ سے فرمایا حسن بصری تم ہی ہو بصرہ میں تمہاری ملاقات سے زیادہ کسی سے ملنے کا مجھ کو شوق نہ تھا۔ اشتیاق اس واسطے زیادہ تھا کہ مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ تم اپنی رائے سے مسئلہ کا جواب دیتے ہو۔ آئندہ بجز قرآن

وحدیث کے اپنی رائے سے فتوے نہ دینا۔ ابن المنکدر کا قول ہے کہ عالم اللہ اور بندگانِ الہی میں واسطہ ہوا کرتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے لیے کوئی طریقہ نجات کا پیدا کرے۔ امام شعبی سے دریافت کیا گیا کہ جب تم سے مسائل دریافت کیے جایا کرتے تھے تو تم کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا تم نے اس کے واقف سے یہ بات دریافت کی۔ جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جایا کرتا تھا تو وہ اپنے ہمرتبہ عالم سے کہتا تھا اس مسئلہ کا جواب دو۔ ایسے ہی یہ شخص دوسرے سے ایسا ہی کہتا تھا۔ رفتہ رفتہ پہلے ہی عالم کی جانب انجا ہو جایا کرتی تھی۔ امام شعبی کا قول ہے یہ علماء جو حدیث رسول اللہ ﷺ کی تم سے بیان کریں اس پر عمل کرو اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اس کو پاخانہ میں پھینک دو (داری نے ان آثار کو نقل کیا ہے) اسی اہتمام حدیث کی وجہ سے حدیث کا مدون کرنا اطراف میں شائع ہو گیا بلا واسلام میں جا بجا کتابیں اور نسخے حدیث میں مرتب ہونے لگے۔ اہل روایت میں سے ایسے علماء کم تھے جن کی کوئی تصنیف نہ ہو۔ اس وقت کی ضرورت نے ایسی حالت پیدا کر دی تھی۔ اس زمانہ کے بلند پایہ علماء نے تمام ممالک حجاز، شام، عراق، مصر، یمن، خراسان میں سفر کیا۔ اور کتابوں اور نسخوں کو متفرق موقعوں سے فراہم کیا۔ غریب حدیث اور آثار نادروہ کی تلاش میں بہت خوض کیا۔ ان کے اہتمام سے وہ احادیث اور آثار مجتمع ہو گئے جو پیشتر جمع نہ ہو سکے تھے۔ ان کے لیے وہ سامان مہیا کیا گیا جو پہلے کسی کے لیے مہیا نہ ہوا تھا۔ اور بکثرت ایک ایک حدیث کے طرق خاصہ ان کو معلوم ہو گئے حتیٰ کہ ان کے پاس ایسی حدیثیں بکثرت تھیں جو سو مطریقوں سے مروی تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بعض طریقوں سے ان امور کا انکشاف ہو گیا۔ جو اور طرق میں نامعلوم تھے۔ ان علماء نے ہر ایک حدیث کا درجہ معلوم کر لیا۔ کہ کون سی غریب ہے اور کون سی مستفیض ہے اور حدیث کے متابعات اور ان کے شواہد میں غور کرنے کا ان کو خوب موقع ملا۔ اور بکثرت صحیح حدیثوں کا ان کو پتہ چل گیا۔ جو اگلے مصنفوں کے وقت میں ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ امام شافعی نے امام احمدؒ سے کہا کہ صحیح احادیث کا علم تم کو ہم سے زیادہ ہے جو حدیث صحیح ہوا کرے وہ ہم کو بتلادیا کرو تا کہ میں اسی کو اپنا مذہب قرار دوں خواہ وہ حدیث کوئی ہو یا شامی یا بصری (ابن ہمام نے اس کو نقل کیا ہے) امام شافعی نے امام احمدؒ سے یہ اس واسطے کہا کہ بہت سی احادیث ایسی ہی تھیں۔ جن کو صرف ایک ایک شہر کے راوی نقل کیا کرتے تھے مثلاً وہ احادیث جن کی صرف شام یا عراق سے ہی محدثین روایت کرتے تھے۔ بعض ایسی حدیثیں بھی تھیں کہ صرف ایک ہی خاندان کے لوگ ان کی روایت کرتے تھے۔ جیسے بزیہ کا نسخہ ابو بردہ کی روایت سے ابو بردہ نے اس کو ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے اور عمرو بن شعیب کا نسخہ اپنے باپ کی روایت سے اور ان کے باپ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور بعض صورتیں ایسی تھیں کہ بعض صحابہ قلیل الروایت اور کم نامی کی حالت میں تھے ان سے بہت کم لوگوں نے حدیثوں کو اخذ کیا۔ اس لیے ایسی حدیثوں سے عام مفتی علماء نے خبر دی ہے ان کے پاس احادیث کا وہی مجموعہ تھا جو ہر شخص کے فقیر، سناپہ اور تابعین سے منقول تھا۔ مقدمین کی حالت ہی یہ تھی کہ صرف اپنے شہر اور اپنے درجہ کے لوگوں کی حدیثوں کو جمع کر سکتے تھے۔ اور نیز اگلے علماء اسماء الرجال اور راویوں کے درجہ عدالت کا اندازہ ان امور سے کر لیا کرتے تھے جو ان کو حالات کے مشاہدہ اور قرائن سے تتبع سے معلوم ہو جایا کرتے تھے لیکن اب اس طبقہ کے علماء نے اس فن میں نہایت غور کیا۔ اور اس کو مدون کر کے اور بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا اور احادیث کے صحیح اور غیر صحیح قرار دینے میں باہم منظرے کیے گئے۔ اس طرح اس مذہب اور مباحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حدیثوں کا فیصلہ ہو گیا۔ جن کا متصل یا منقطع ہونا پہلے غلط تھا۔ پہلے یہ حالت تھی کہ امام

سفیان اور کعب وغیرہم نہایت اہتمام اور اجتہاد کرتے تھے۔ لیکن صحیح احادیث ایک ہزار سے کم ہی ان کو بہم پہنچتی تھیں (ابوداؤد سجستانی نے اس کو اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے جس کو انہوں نے اہل مکہ کو بھیجا تھا) اور اب اس طبقہ میں محدثین تقریباً چالیس ہزار تک احادیث کی روایت کرتے تھے امام بخاریؒ کی نسبت یہ امر صحیح ہے کہ انہوں نے چھ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا ہے اور ابوداؤد کی نسبت بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ پانچ ہزار احادیث سے انہوں نے اپنے سنن کو منتخب کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند کو احادیث نبوی کے معلوم کرنے کے لیے ایک میزان قرار دیا ہے۔ جو حدیثیں اس مسند میں موجود ہیں اگرچہ ان کی روایت ایک ہی طریقہ سے ہو ان کے لیے کوئی نہ کوئی اصل ہے ورنہ ان کو بے اصل سمجھنا چاہیے۔

اس طبقہ کے اساطین علماء یہ ہیں: عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید قطان، یزید بن ہارون، عبدالرزاق ابو بکر بن ابی شیبہ، مسدد ہناؤد احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، فضل بن دُکین، علی مدینی اور ان کے دیگر ہم رتبہ محدثین طبقات محدثین میں یہ طبقہ طراز اور پہلا نمونہ ہے۔ جب محققین اہل حدیث نے فن روایت اور درجات حدیث خوب مکمل کر لیے۔ تو اس کے بعد ان کی توجہ فقہ کی طرف مائل ہوئی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بہت سی احادیث اور آثار فقہاء کے ہر ایک مذہب کے مخالف ہیں۔ اس واسطے متقدمین میں سے خاص کسی امام کی تقلید پر اتفاق نہیں کیا بلکہ انہوں نے احادیث نبوی، صحابہ، تابعین اور مجتہدین کے آثار کا تتبع کرنا شروع کیا اور اوروں کے لیے انہوں نے ایسے قواعد کی بنا ڈالی۔ جن کو اپنے ذہنوں میں انہوں نے خوب راسخ کر لیا تھا۔ ان قواعد کو چند تقریروں میں ہم بیان کرتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن میں حکم مسئلہ کا مختلف الوجوہ ہو تو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہیے اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم نہیں ملتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرتے تھے۔ خواہ وہ حدیث مستفیض ہوتی جس پر فقہاء عملدرآمد کر چکے تھے یا کسی خاص شہر کے علماء یا کسی خاص خاندان کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوتی خواہ صحابہ اور فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ عمل کیا ہو۔ کسی مسئلہ میں جب ان کو کوئی حدیث مل جایا کرتی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مخالف کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہیں کیا کرتے تھے اور جب نہایت کوشش اور تتبع احادیث کے بعد بھی اس مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے ایک جماعت کا اقتداء کرتے تھے اور ان کے اقوال پر عمل کر لیا کرتے تھے اس میں ان کو کسی قوم یا کسی شہر کی خصوصیت اور قید نہ تھی۔ ان سے قدما کا طریقہ بھی یہی تھا۔ ایسی صورت میں اگر اس مسئلہ میں جمہور خلفاء اور فقہاء کا اتفاق تھا تب وہ اطمینان کافی کے قابل ہوتا تھا اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تھا تو ایسے شخص کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ جو علم، ورع، ضبط اور اس کو شہرت کی وجہ سے فوقیت ہوا کرتی تھی اور اگر اس مسئلہ میں ایک ہی قوت کے دو قول ہوا کرتے تھے تو وہ مسئلہ ذات القولین رہتا تھا اور اگر ان امور کی تنقیح معذور ہوا کرتی تھی تو اس وقت کتاب و قرآن کی عام تعبیروں میں ان کے ایماء اور اقتضاء میں غور کیا کرتے تھے۔ اور جب دو مسئلوں کی ایک سی حالت ہوئی تھی تو مسئلہ کو نظیر مسئلہ پر حمل کر لیا کرتے تھے۔ اس میں وہ قواعد اصولی کے پابند نہ تھے بلکہ جس طریقہ سے ایک اطمینانی حالت پیدا ہو جایا کرتی تھی اسی سے فیصلہ کیا کرتے تھے جیسے کہ تواتر کے لیے راویوں کی تعداد ان کی حالت کے لیے میزان نہیں ہے بلکہ اس کے لیے میزان وہ یقین ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ صحابہ کے حالات میں ہم اس معیار کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور ایسے تمام

اصول متقدمین کے برتاؤ اور ان کی تصریحات سے مستخرج تھے۔ میمون ابن مہران سے منقول ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی دعویٰ پیش ہوتا تھا تو وہ قرآن میں اس کے دعویٰ کا جواب تلاش کیا کرتے تھے اگر اس میں جواب مل جاتا تو پہلے قرآن سے تلاش کرتے قرآن میں اس کا جواب نہ ملتا اور اس کے متعلق کوئی حدیث ان کو معلوم ہوتی تو ویسا ہی فیصلہ کرتے اور اگر قرآن و حدیث سے وہ حکم مسئلہ کا معلوم نہ کر سکتے تو باہر جا کر مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ ایسا ایسا دعویٰ میرے سامنے پیش ہوا ہے تم میں سے کسی کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ تمام جماعت بول اٹھتی تھی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا یہ فیصلہ کیا تھا تب وہ فرماتے الحمد للہ! ہمارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے اقوال محفوظ ہیں۔ اور جب کسی طرح حدیث سے بھی حکم مسئلہ کا معلوم نہ ہوتا تب معتمد اور عمدہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے۔ جب کسی امر پر سب کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اس کے موافق فیصلہ کرتے تھے۔

اور قاضی شریع سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تحریر کیا تھا کہ قرآن میں سے جو حکم تم کو معلوم ہو تو اس کے موافق فیصلہ کرنا ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو اس سے باز رکھیں۔ اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم قرآن میں نہ ملے تو حدیث کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا۔ اور اگر قرآن اور حدیث میں اس کا حکم نہیں ہے تو اس قول پر نظر کرنا جس پر لوگوں نے اتفاق کیا ہو اور اس کے موافق فیصلہ کرنا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں اس مسئلہ سے خاموشی ہو اور تم سے اگلے لوگوں نے بھی اس میں سکوت کیا ہو تو دوامروں میں سے ایک کو اختیار کرنا اگر چاہو تو اجتہاد کرنا اپنی رائے سے اور اگر چاہو تو اجتہاد میں تاخیر کرنا۔ اور میں تمہارے لیے اسی تاخیر کو پسند کرتا ہوں۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ ہم پر ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں فتویٰ نہ دیتے تھے۔ ہم اس درجہ تک نہ پہنچے تھے۔ اور اللہ نے مقدر کیا تھا کہ ہم کو اس درجہ تک پہنچا دیا جس کو تم دیکھتے ہو اس لیے آج سے جس کے سامنے کوئی فیصلہ پیش ہو تو وہ کتاب الہی کے موافق اس کا فیصلہ کرے اگر کتاب الہی میں اس کا جواب نہ ہو تو جیسے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو اس کے موافق حکم دے اور اگر کتاب الہی میں اس کا جواب نہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو جیسا صالحین امت نے حکم دیا ہو اس کے موافق حکم دے۔ اور اپنی طرف سے یہ نہ کہے کہ میں اس میں خوف کرتا ہوں اس کو پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ امور حرام و حلال صاف صاف ہیں اور حرام و حلال کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں اس واسطے مشتبہ کو ترک کر کے یقینی کو اخذ کرے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا قاعدہ تھا کہ جب اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا۔ اور اس کا حکم قرآن میں ہوتا تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے تھے اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملتا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا حکم ثابت ہوتا تو وہی بیان کر دیتے ورنہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے جو حکم اس کا دیا ہوتا وہ بیان کر دیتے۔ اور ان سے بھی کوئی حکم متفق نہ ہوتا۔ تب اپنی رائے سے اس کا جواب دیتے۔ عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ تم کو اللہ عذاب دے۔ یا زمین میں تم کو اذیت دے۔ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا تھا۔ اور فلاں شخص نے ایسا کہا ہے۔ قنادہ سے روایت ہے کہ ابن سیرین نے ایک شخص کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو اس شخص نے کہا فلاں شخص ایسا ایسا کہتے ہیں تب ابن سیرین نے کہا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں۔ اور تم اس پر کہتے ہو کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا ہے اور امی سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیزؓ نے لکھ دیا

تھا کہ کتاب الہی میں کسی کو رائے دینے کا حق نہیں ہے۔ ائمہ صرف انہیں امور میں رائے دے سکتے ہیں جن کا حکم قرآن میں نازل نہ ہوا ہو اور نہ حدیث میں اس کا حکم دیا ہو۔ جس امر کو آنحضرت ﷺ نے قرار دیا ہو اس میں بھی کسی رائے کو دخل نہیں ہے اعمش سے روایت ہے کہ ابراہیم کا قول تھا کہ مقتدی امام کی باتیں جانب کھڑا ہوا کرے۔ میں نے سمیع زیات سے بروایت عبداللہ ابن عباسؓ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتدی کو دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ ابراہیم نے اسی کو اختیار کر لیا۔ شععی سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر ایک مسئلہ دریافت کیا۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اس کا یہ جواب دیا کرتے تھے اس نے کہا آپ نے مجھ کو اپنی رائے بتائی۔ شععی نے کہا تم اس شخص پر تعجب نہیں کرتے۔ میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف سے خبر دے رہا ہوں اور یہ کہتا ہے کہ تم مجھ کو اپنی رائے بتاؤ۔ واللہ مجھ کو راگ کا گانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کہ میں اپنی رائے ظاہر کروں (دارمی نے یہ تمام آثار بیان کیے ہیں۔ ترمذی نے ابوسائب سے روایت کی ہے کہ ہم امام وکیع کے پاس حاضر تھے انہوں نے ایک شخص کے سامنے جو رائے کو دخل دیا کرتا تھا بیان کیا کہ رسول اللہ نے اشعار (اونٹ کے کوہان پر دائیں جانب سے لوہے کے چیز سے زخمی کرنا) کہا ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ اشعار مثلاً ہے اس شخص نے کہا۔ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اشعار مثلاً سے ابوسائب کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں نے وکیع کو دیکھا کہ اس شخص پر انہوں نے بہت غصہ کیا اور کہا میں تجھے کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم کا یہ قول ہے تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے۔ اور جب تک اپنے قول سے باز نہ آئے رہا نہ کیا جائے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور عطاء اور مجاہد اور مالک بن انسؒ سے مروی ہے کہ ان سب کا یہی قول ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے قول کو اختیار اور رد نہ کر سکیں بجز قول رسول اللہ ﷺ کے۔

جب علماء نے ان قواعد کے لحاظ سے فقہ کو مہمد اور مرتب کیا تو ان مسائل میں سے جن میں قدماء نے کلام کیا تھا۔ یا جو موجودہ اس زمانے میں پیش آئے تھے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا قابل اعتبار بہم نہ پہنچی ہو۔ یا شیخین اور دیگر خلفاء یا قضاة اور فقہاء سے بلاد کے کسی اثر کا پتہ نہ لگا ہو۔ یا عموم وایما، واقضاء سے اس کا سراغ نہ لگایا گیا ہو اس طرح پر علماء کے لیے اللہ نے مذہب پر عمل کرنا آسان کر دیا تھا۔ اس زمانہ کے علماء میں سے نہایت عظیم الشان وسیع الروایت حدیث سے زیادہ واقف فقہ میں سب سے زیادہ غائر النظر امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ اور امام احمدؒ کے بعد اسحاق بن راہویہ اس ڈھنگ پر فقہ کو ترتیب دینے کے لیے بکثرت احادیث اور آثار جمع کرنے کی ضرورت تھی۔ یہاں تک کہ امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ فتویٰ دینے کے لیے ایک لاکھ حدیثیں کافی ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے کہا اتنی کافی نہیں ہیں پھر کہا گیا کہ پانچ لاکھ کفایت کر سکتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا مجھ کو امید ہے کہ اتنی کفایت کر سکیں۔ غایت السنہی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام احمدؒ کی مراد اس قول سے یہی ہے کہ فقہاء کے ساتھ فتویٰ دینے کے لیے اتنی حدیثیں کافی ہیں۔

اس حالت کے بعد ایک دوسرے زمانہ کی پیدائش ہوئی انہوں نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ حدیث کی محنتوں سے انہوں نے اور لوگوں کو فارغ کر دیا ہے۔ فقہاء کا سامان کر چکے ہیں۔ انہیں کے اصول کا تفقہ میں انہوں نے لحاظ رکھا ہے۔ اس واسطے ان پچھلے لوگوں نے اور فنون کی جانب اپنا رخ کیا۔ مثلاً ان صحیح حدیثوں کو بالکل میتر کر دیا جو کبریٰ حدیث کے نزدیک متفق علیہ صحیح تھیں۔

مثلاً زید بن ہرون، یحییٰ بن سعید قطان احمد اسحاق اور ان کے ہم رتبہ لوگوں نے ان کو صحیح مانا تھا۔ فقہ کے متعلق ان احادیث کو جمع کیا۔ جن پر بلاد اسلامی کے علماء اور فقہاء نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیاد قائم کی تھی۔ اور جو حدیث حسن درجہ کی مستحق تھی۔ اس پر وہی حکم لگایا۔ اور ان شاذ و نادر احادیث کو جمع کیا جن کی سابقین نے روایت نہ کی تھی۔ اور ان طرق کا انکشاف کیا جن کو قدما نے طرق کے اندازہ سے بیان نہیں کیا تھا۔ ایسی احادیث میں وہ حدیثیں بھی خابر ہوئیں جن میں اتصال یا حلو اسناد کا وصف تھا۔ یا ان کی روایت فقیہ نے فقیہ سے یا حافظ حدیث نے حافظ حدیث سے کی تھی۔ یا اس کے علاوہ اور مطالب علمی ان میں مندرج تھے۔ اس منصب کے محدثین بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبد بن حمید، دارمی، ابن ماجہ، ابویعلیٰ، ترمذی، نسائی، دارقطنی، حاکم، بیہقی، خطیب، ویلی، ابن عبد البر اور ان کے ہم پایہ لوگ ہیں۔ اور میرے نزدیک وسعت علمی میں سب سے زیادہ نافع مصنف سے سب سے مشہور تر چار شخص ہیں جن کا زمانہ قریب قریب ہے سب سے اول ابو عبد اللہ بخاری ان کی غرض یہ تھی کہ تمام ایسی احادیث کا مجموعہ خالص کر دیں۔ جن میں صحیح، مستفیض اور متصل ہونے کے اوصاف ہوں اور ان احادیث سے فقہ، سیرت، تفسیر کو مستنبط کریں۔ اس لیے انہوں نے اپنی جامع صحیح کو تصنیف کیا اور جس شرط سے تصنیف کی تھی۔ اس کو پورا کر دیا۔ ہم کو معلوم ہوا ہے ایک صالح شخص نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ محمد بن اور لیس کی فقہ میں تو مشغول ہے اور میری کتاب کو تو نے چھوڑ رکھا ہے اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کون سی ہے آپؐ نے فرمایا صحیح بخاری اور مجھ کو اپنی زندگی کی قسم ہے کہ صحیح بخاری کو شہرت اور مقبولیت ایسی حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔

اور دوسرے مصنف مسلم نیشاپوری ہیں انہوں نے بھی یہی قصد کیا کہ متفق علیہ صحیح حدیثوں کو خالص کر دیں جن پر محدثین نے اتفاق کیا ہو۔ اور وہ متصل مرفوع کے درجہ کی ہوں۔ ان سے مذہبی احکام مستنبط ہو سکیں اور یہ بھی انہوں نے قصد کیا کہ احادیث کو قریب الفہم کر دیں۔ استنباط مسائل میں ان سے آسانی ہو سکے۔ اس لیے انہوں نے نہایت مکمل ترتیب دی اور ایک ہی موقع پر ہر ایک حدیث کے تمام طرق کو بیان کر دیا۔ تاکہ نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف اور تفرق اسانید کا اظہار ہو جائے تمام مختلف احادیث، شبانہ و نوبانہ کے واقف کو کوئی موقع غدر کا باقی نہ رہے اور پھر وہ حدیث سے اعراض کر کے اور طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

اور تیسرے مصنف ابوداؤد بخاری ہیں۔ ان کا قصد یہی تھا کہ ایسی احادیث کو جمع کریں جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں۔ فقہاء میں ان کا تذکرہ رہتا ہے اور علمائے بلاد نے احکام کی بنیاد ان احادیث کو قرار دیا ہے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے اپنی سنن کو تصنیف کیا۔ اس میں صحیح، حسن اور قابل عمل حدیثیں جمع کر دیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں ایسی حدیث جمع نہیں کی ہے جس کے ترک کرنے پر سب کا اتفاق ہو جو حدیث ضعیف تھی اس کا ضعف اور جس حدیث میں کوئی غلطی یا حسد کی بات تھی۔ اس لیے وہ نے حالت صاف بیان کر دی۔ علم حدیث میں غرض کرنے والا اس وجہ کو خوب سمجھ سکتا ہے ہر حدیث میں انہوں نے اس مسئلہ کو بیان کر دیا جس کو کسی عالم نے مستحکم کیا تھا اور کسی کا وہ مذہب قرار پایا تھا۔ اس لیے غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ مجتہد کے لیے یہ کتاب کافی ہے۔

چوتھے مصنف ابو عیسیٰ ترمذی ہیں انہوں نے شیخین امام بخاریؒ اور مسلم کے طریقوں کو پسندیدہ صورت میں کر دیا۔ انہوں نے صاف بیان کیا تھا یا کہیں ابہام دیکھا تھا۔ دونوں کو عمدہ شکل میں کر دیا اور اس لیے کہ ہر ایک صاحب مذہب کے مسائل کو مفصل بیان کر دیا ہے ابوداؤد کی مقاصد کی بھی تکمیل کر دی ہے۔ دونوں طریقوں کی جامعیت کے بعد ان پر یہ اضافہ کر دیا کہ صحابہ اور تابعین اور فقہائے امصار کے مذاہب کو پورا بیان کر دیا ہے۔ اس لیے ایک جامع کتاب کو انہوں نے ترتیب کر دیا ہے اور لطیف شکل میں طرق حدیث کو مختصر کر دیا ہے۔ ایک طریقہ کا ذکر کر کے دوسرے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ہر ایک حدیث کی حالت بتا دی ہے کہ کون سی صحیح ہے کون سی حسن ہے ضعیف اور منکر کون سی ہے اور ہر ایک حدیث کی وجہ ضعیف بیان کر دی ہے تاکہ طالب حدیث کو اپنے مقصود میں پوری بصیرت حاصل ہو جائے اور جو احادیث قابل اعتماد ہیں ان کا پورا اندازہ کر سکے۔ حدیث شائع اور غریب کی تصریح کر دی ہے ہر ایک صحابی اور فقیہ کا مذہب نقل کر دیا ہے اور جس شخص کا نام معلوم کرنے کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کنیت کی ضرورت تھی اس کی کنیت بتا دی ہے اور علماء میں سے کسی کی نسبت کوئی امر مخفی نہیں رکھا ہے اس واسطے علماء کا قول ہے کہ یہ کتاب مجتہد اور مقلد دونوں کو کفایت کرتی ہے۔

امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے زمانہ اور مابعد میں اُن محتاط لوگوں کے مقابلہ میں ایسے علماء بھی تھے جن کو مسائل بیان کرنے میں کوئی ناگواری نہ تھی۔ فتویٰ دینے میں ان کو کچھ باک نہ تھا وہ کہتے تھے کہ دین کی بنا فقہ پر ہی ہے اس لیے اسی کی اشاعت ضروری ہے ان علماء کو حدیث کے بیان کرنے اور آنحضرت ﷺ تک سلسلہ روایت کے پہنچانے میں اندیشہ معلوم ہوتا تھا۔ شععی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ورے کے لوگ روایت کے لیے مجھ کو زیادہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر حدیث میں کوئی کمی بیشی معلوم ہوگی تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ رہیں گے جو آنحضرت ﷺ سے ورے ہیں۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ مجھ کو یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ نے یہ کہا اور علقمہ کا یہ قول ہے اور عبد اللہ ابن مسعودؓ جب کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے تو ان کا چہرہ بدل جایا کرتا تھا۔ اس وقت وہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی یا اس کی مثل فرمایا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے انصار کی ایک جماعت کو کوفہ کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا تم کوفہ کو جاتے ہو۔ وہاں تم ایسے لوگوں سے ملو گے جو قرآن کو رقت سے پڑھتے ہیں وہ تمہارے پاس آ کر کہیں گے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آئے ہیں۔ تب وہ تم سے حدیثیں دریافت کریں گے۔ تم رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت بہت کم کرنا شععی کے پاس جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ بہت ہی احتیاط کرتے تھے اور ابراہیم برابر اس میں گفتگو کیا کرتے تھے (دارمی نے ان آثار کو بیان کیا ہے)

اس وجہ سے حدیث اور فقہ اور مسائل مدون کرنے کی دوسری طرز کی ضرورت پڑی ان کے پاس اتنی احادیث اور آثار نہ تھے جن سے وہ لوگ فقہ کو ان اصول کے موافق مستنبط کر سکتے جن کو اہل حدیث نے پسند کیا تھا۔ اور علمائے بلاد کے اقوال غور اور بحث میں ان کو کشادہ دلی نہ تھی اور اپنے اپنے اماموں کے متعلق انہوں نے اعتقاد کیا تھا کہ ان کا پایہ تحقیق میں بہت بلند ہے اور سب سے زیادہ ان کو میلان اپنے اساتذہ کی طرف ہی تھا جیسے علقمہ کا قول ہے کہ کوئی عالم عبد اللہ سے زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے اور ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر صحابیت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ ابن عمرو سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان علماء کے

دین میں فطانت اور سرعت انتقال ایسا تھا جس سے وہ مسائل کا استخراج بخوبی کرتے تھے اور اپنے اصحاب کے اقوال سے اس کو خوب پیوند لگاتے تھے اور جو چیز جس کی پیدائش میں ہوا کرتی تھی وہی اس کے لیے آسان ہو جایا کرتی ہے۔ وکل حزب بما لدیہم فرحون۔ اس طرح پران علماء نے تخریج کے قاعدہ پر فقہ کی ترتیب دی ہر شخص اس کی کتاب کو محفوظ رکھتا تھا جو ان کے اصحاب کی زبان اور اقوال علماء کا زیادہ واقف اور ترجیح میں زیادہ درست رائے ہوا کرتا تھا اس لیے وہ ہر مسئلہ میں حکم کی وجہ میں غور کر سکتا تھا جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اپنے اصحاب کے مصرح اقوال میں غور کرتا جو اس کو محفوظ ہوتے تھے اگر ان میں جواب مل جاتا تو فہماور نہ ان کے عموم کلام کو دیکھتا اور اس عموم سے حکم مسئلہ کا اخذ کر لیتا یا کسی کلام کے اشارہ ضمنی سے حکم کو مستنبط کر لیتا۔ اکثر بعض میں کوئی اشارہ یا اقتضاء ہوا کرتا تھا اس سے امر مقصود مفہوم ہو جایا کرتا تھا۔ اکثر کسی مصرح مسئلہ کی کوئی نظیر ہوا کرتی تھی اس ہی نظیر پر اصل مسئلہ کو حمل کر لیا کرتے تھے کبھی انہوں نے مصرح حکم کی علت میں تخریج یا سیر و حذف غور کیا اور اسی علت کو غیر مصرح حکم میں ثابت کر دیا اور کبھی اس عالم کے دو قول ہوا کرتے تھے۔ اگر ان کو قیاس اقترانی یا قیاس شرطی کے ہم شکل کر لیتے۔ تو جواب مسئلہ کا اس سے حاصل ہو جاتا۔ اکثر قداماء کے کلام میں ایسے امور تھے جو مثال اور تقسیم سے معلوم تھے۔ لیکن ان کی تعریف جامع اور مانع معلوم نہ تھی۔ اس واسطے ان فقہاء نے اہل زبان کی طرف رجوع کیا اور اس شے کے ذاتیات حاصل کرنے میں کوشش کی اور اس کی تعریف جامع اور مانع مرتب کر دی۔ اس میں جوابہام تھا۔ اس کو ضبط میں لے آئے۔ اور مشکل کو مینز کر دیا۔ اکثر ان کے کلام میں چند وجوہ کا احتمال تھا انہوں نے دو احتمالوں میں سے ایک کو متعین کر دیا۔ کبھی دلائل طرز ادا ایسا نہ ہوتا تھا۔ جس سے نتیجہ صاف نہیں نکلتا تھا۔ یہ فقہاء ان دلائل کو خوبی سے بیان کر دیتے ہیں بعض اصحاب التخریج اپنے آئمہ کے فعل اور ان کے سکوت وغیرہ سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ان طرق مذکورہ کا نام تخریج تھا۔ اور اسی کے متعلق کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص نے قول کو اس طرح خارج کیا ہے یا فلاں مذہب کے موافق یا فلاں شخص کے قاعدہ کے موافق یا فلاں شخص کے قول کے موافق مسئلہ کا جواب ایسا ہے اور ان کے تخریج کرنے والوں کو مجتہدین فی المذہب کہا کرتے تھے اور جس کا یہ قول ہے کہ جس نے مبسوط کو یاد کر لیا وہ مجتہد ہے۔ اس سے وہی اجتہاد مراد ہے جو تخریج سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کو روایت کا مہم بالکل نہ ہو اور ایک حدیث بھی اس کو نہ آتی ہو۔ اس طرح ہر ایک مذہب میں تخریج واقع ہوئی۔ اور اس کی کثرت ہو گئی۔ اس کے بعد جس مذہب کے پیرو زمانہ میں مشہور ہو گئے اور قضا اور فتویٰ ان پر منفعض ہو ان لوگوں میں ان کی تصانیف مشہور ہو گئیں۔ انہوں نے عام طور پر درس دینا شروع کیا۔ وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا۔ اور بیشمار اس کی شہرت بڑھتی گئی اور جس مذہب کے پیرو گم نام ہوئے اور قضا اور فتویٰ کی خدمت ان میں نہ رہی۔ لوگوں نے ان میں کافی رغبت نہ کی وہ چند روز کے بعد نابود ہو گیا۔



اس بیان میں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور پیچھے لوگوں کا کیا حال تھا

معلوم کرنا چاہیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب معین پر متفق نہ تھے۔ قوت القلوب میں ابو طالب کی نے بیان کیا ہے کہ یہ کتابیں اور مجموعی نئی چیزیں ہیں۔ قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ اور لوگوں کے اقوال کے قابل نہ تھے کسی مذہب معین کے موافق فتویٰ دینے کا طریقہ معین نہ تھا خاص کسی شخص کا قول اختیار نہ کیا جایا کرتا ہر ایک قسم کے امر میں اسی کے قول کو نقل نہیں کیا کرتے تھے اسی کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم نہیں ہوتی تھی۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ دونوں قرونوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہو گیا تاہم چوتھی صدی کے لوگ مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے کسی ایک مذہب کی فقہ کی پابندی نہ تھی کہ اس کا قول نقل کیا جائے۔ جیسے کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ① علماء ② عامی۔ عوام کی حالت یہ تھی کہ اتفاقی مسائل میں جو مسلمانوں اور جمہور مجتہدین میں مختلف فیہ نہ تھے۔ وہ صرف صاحب شرع کی ہی تقلید کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ کا طریقہ وہ اپنے باپ دادوں یا اپنے شہروں کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے اسی روش پر وہ چلتے تھے اور جو کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو جو کوئی مفتی مل گیا اس سے مسئلہ دریافت کر لیا۔ کسی مذہب معین کی تخصیص نہ تھی اور خاص درجہ کے لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے محدثین علم حدیث میں مصروف تھے ان کے پاس احادیث نبوی اور آثار صحابہ میں ضروری حدیثیں موجود تھیں کہ مسئلہ میں اور کسی چیز کی ان کو حاجت نہ تھی۔ وہ حدیثیں مستفیض یا صحیح قسم کی جمع تھیں جن پر فقہاء عمل کر چکے تھے جو ان پر عمل نہ کرے وہ قابل عذر نہیں ہے اور نیز ان کے پاس ایک مجموعہ ان قولوں کا تھا جو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اپنے مؤید تھے کہ ان کی مخالفت نازیبا نہ تھی اگر تعارض نقل یا وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا تو گزشتہ فقہاء میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر فقہاء کے دو قول اس مسئلہ میں ان کو ملتے تھے اور ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا اس کو اختیار کر لیا کرتے تھے۔ خواہ وہ فقیہ اہل مدینہ سے ہوتا یا اہل کوفہ سے۔ اور ایک فرقہ ان خاص لوگوں میں اصحاب التخریج کا تھا جس مسئلہ کو وہ مصرح نہ پاتے اس میں وہ تخریج کرتے تھے اور مذہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور یہ لوگ اپنے اصحاب کے مذہب کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں حنفی اور اہل حدیث بھی جس مذہب سے زیادہ موافق ہوا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اس مذہب سے منسوب ہوتے تھے۔ جیسے کہ نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب ہوتے تھے اور بجز مجتہد کے کسی کو قضاء اور فتویٰ کی خدمت نہیں ملتی تھی اور صرف مجتہد ہی کو فقیہ کہتے تھے ان قرونوں کے بعد لوگ دائیں بائیں آوارہ ہو گئے اور چند امور ان میں بالکل نئے پیدا ہو گئے ① علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع اور خلاف پیدا ہو گیا۔ اس کی تفصیل جیسے کہ غزالی نے بیان کی ہے یہ ہے کہ جب خلفاء راشدین مہدین کا زمانہ گزر گیا۔ اور خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو اس کے قابل اور مستحق نہ تھے۔ اور فتوے اور احکام دین کا مستقل علم ان کو نہ تھا اس واسطے ان کو ضرورت ہوئی کہ فقہاء سے مدد لیں اور ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھیں۔ اس زمانہ میں ایسے

علماء باقی تھے جن کی روش قدیمی تھی۔ وہ ہمیشہ صاف دین کے پابند تھے اس لیے جب وہ حریم خلافت میں طلب کیے جاتے تھے تو اس سے گریز کرتے تھے اور خلفاء کی محبت سے اعراض کرتے تھے تب اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا کہ علماء کی بڑی عزت ہے یہ لوگ سلاطین سے اعراض کرتے ہیں اور وہ ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان لوگوں نے اعزاز اور مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں نہایت شوق سے علم کی طلب میں توجہ کی اور اب فقہاء مطلوب ہونے کے بعد طالب ہو گئے اور پہلے جیسے سلاطین کی بے اتفاقی کی وجہ سے معزز تھے ویسے ہی اب ذلیل ہو گئے۔ سلاطین کی طرف توجہ کرنے سے **الامن وفقہ اللہ** اور ان لوگوں سے پہلے لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے اور اس فن میں بہت قیل و قال ہو چکی تھی۔ اعتراضات و جوابات مقابلہ اور جدل کا طریقہ مہند ہو چکا تھا اب افسروں اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب مائل ہوئیں۔ اور مذہب شافعی اور ابوحنیفہ کے مذاہب کی اولویت ظاہر ہونے کی خواہشیں ان میں پیدا ہو گئیں۔ اس لیے اس علم کلام کی ترتیب ان علماء کے لیے ناموقع ہو گئی۔ لوگ علم کلام اور علمی فنون کو چھوڑ کر خاصہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے خلاف مسائل کی طرف متوجہ ہو گئے اور جو اختلافات باہم امام مالک اور سفیان اور احمد بن حنبل وغیرہم کے تھے ان کا بخوبی اہتمام نہیں کیا۔ اور یہ لوگ سمجھے کہ اس تفتیش سے ہماری غرض شرع کے دقیق مسائل کا مستبط کرنا اور مذاہب کی ملتوں اور وجوہ کا بیان کرنا اور اصول و فنون کی تمہید ہے ان اختلافات میں تصانیف استنباطات بکثرت ہو گئیں اور رنگ برنگ مجادلوں اور تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور اب تک برابر وہ اسی حالت میں معروف ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر کیا ہے۔ ابھی حاصل

جیسے یہ خرابی لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی ایسے ہی یہ خرابی بھی پیدا ہوئی کہ ان کو تقلید کا پورا اطمینان ہو گیا اور آہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کرتی گئی اور ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ اثر کیونکر پھیلتا جاتا ہے اس تقلید کی پختگی کا ❶ سبب تو یہ تھا کہ فقہاء میں باہم مزاحمت اور مجادلہ ہونے لگا لوگ فتوؤں میں روک ٹوک کرنے لگے جو شخص فتویٰ دیتا تھا فوراً اس کے فتویٰ پر اعتراضات کیے جاتے تھے۔ اس کا رد کیا جاتا تھا۔ انجام کار غن کا سلسلہ مقدمہ من سے کسی شخص کے مصرع قول پر ختم ہوتا تھا ❷ سبب حکام اور قضاة کا جو رو تعدی بھی تقلید کا باعث ہوا۔ اکثر حکام کی طبیعت میں جور ہو گیا تھا ان میں تدین اور امانت کی صفت مفقود تھی۔ ان کے فیصلے جب ہی مقبول سمجھے جاتے تھے کہ عام لوگوں کو ان میں اشتباہ باقی نہ رہے اور اس کا قول کسی شخص سابق کے مطابق ہو ❸ سبب سر تاج لوگوں کی جہالت اور بے علموں سے فتویٰ لینا تقلید کا باعث ہوا۔ یہ مفتی علم مدیث اور تخریج کے طریقہ سے ناواقف ہوتے تھے۔ جیسے کہ اکثر متاخرین کی ظاہر اعمال ایسے ہی تھیں۔ ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے اس زمانہ میں فقیہ ان لوگوں کا نام تھا جو مجتہد کے پایہ پر نہ تھے ❹ وجہ تقلید کی یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ہر فن میں عمیق باتوں کی جانب زیادہ توجہ کی بعض نے خیال کیا کہ ہم علم اسماء الرجال لی بنیاد تمام کر رہے ہیں۔ جرح اور تعدیل کے مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قدیم اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی۔ بعضوں نے نا درناز خبروں اور غرائب آثار میں تفحص کیا اگرچہ وہ خبریں موضوع کے درجہ کی تھیں کسی نے اصول فقہ سے متعلق زیادہ گفتگو کی۔ ہر ایک شخص نے اپنے اپنے اصحاب کے مناظرہ کے اصول مستطاب کیے۔ اور انتہائی درجہ تک اعتراضات کی بھرمار کی۔ اور ان کے جوابات دے کر گلو غلامی کی۔ ہر ایک امر کی تعریفات اور تقسیم کا اہتمام کیا۔ کبھی طول کلام کیا۔ کبھی اختصار کیا۔

بعض نے اس میں یہ روش اختیار کی کہ مسائل کی وہ مستعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل تھیں کہ کوئی عاقل ان کے درپے نہ ہوتا۔ رجین اور ان سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی کلام سے ایسے عموماً اور ایماءات کی تفتیش کی۔ کہ جن کا سننا عالم بلکہ جاہل کو بھی گوارا اور پسند نہیں ہوا کرتا اس جدل و مخالفت اور تعمق کا ضرر اور فتنہ اس فتنہ اولیٰ کے قریب قریب تھا۔ جب لوگوں نے ناک کے متعلق فساد اور جھگڑے برپا کیے تھے۔ ہر شخص نے اپنے اپنے ہمرای کی امداد کی تھی۔ جیسے ان فسادوں کا یہ انجام ہوا کہ آخر کو گزندہ حکومت قائم ہو گئی اور نہایت کوروتا ایک واقعات پیش آئے ایسے ہی ان اختلافات نے جہالت اور اختلاط اور شکوک و اوہام کو ہر جانب پھیلا دیا۔ اس لیے ان قرون کے بعد صرف خالص تقلید شائع ہو گئی۔ حق و باطل اور مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی۔ فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہو گیا کہ جو بے احتیاطی سے زیادہ بک بک کر کے فقہاء کے قوی و ضعیف بلا تمیز محفوظ کرے اور منہ زوری سے ان کو بیان کرتا جائے۔ اور محدث اس شخص کا نام ہو گیا جو صحیح سقیم حدیثیں شمار کرے اور قصہ گو یوں کی طرح ان کو بے سمجھے پوچھے بیان کرتا جائے۔ میں کلیتہً یہ بیان نہیں کرتا ہوں۔ اس لیے کہ بندگانِ الہی میں ایسی جماعت ہمیشہ ہوا کرتی ہے جن کو کوئی رسوا کرنے والا مضرت نہیں پہنچا سکتا: **وَهُمْ حُجَّةُ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ**۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ اب جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے دم بہ دم تدین دور ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ امور دین میں خوض کرنا انہوں نے ترک کر دیا اور وہ مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے: **إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ**۔ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے۔ ہم انہیں کے نشانوں کے پیرو ہیں۔ **وَاللَّهُ الْمُسْتَكِي وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَبِهِ الثَّقَاتُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانُ**۔

فصل

مناسبت مقام یہ ہے کہ ان مسائل پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے جن میں فہموں کو حیرت اور قدموں کو لغزش اور قلموں کو گمراہی ہوا کرتی ہے: ① مسئلہ یہ ہے کہ امت محمدیہ یا ان لوگوں نے جو اس امت میں قابل اعتبار ہیں اس پر اتفاق کیا ہے کہ ان مذاہب اور بوعہ کی تقلید جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریروں میں آچکے ہیں فی زمانہ جائز اور درست ہے اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں **مَالَا يَخْفَى** خاصۃً اس زمانہ میں جس میں لوگ نہایت ہی قاصرہ الہمت ہو گئے ہیں اور نفسوں میں خواہشیں جم گئی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہے۔ پس ابن حزم نے جو تقریر کی ہے کہ ”تقلید بالکل حرام ہے کسی کو جائز نہیں ہے کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے بلا دلیل کسی شخص کے قول کو اختیار کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہیں امور کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور اللہ کے علاوہ اور مقررین کا اتباع مت کرو۔ **وَاتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ**۔ اور نیز اللہ فرماتا ہے جب مشرکین سے کہا جاتا ہے ان احکام کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے ہیں تو وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو انہیں چیزوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے: **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا**۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح میں جو تقلید نہیں کرتے فرمایا ہے میرے ان بندوں کو مژدہ سنادو جو بات کو سن کر اس کا اتباع کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ انہیں کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور وہی

عقل والے ہیں۔ ﴿قَبَشُرُ عِبَادِي الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَ

أُولَٰئِكَ لَهُمْ أُولُو الْآلِبَابِ﴾ اور نیز فرمایا ہے اگر تم کسی بات میں نزاع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم کو اللہ اور

روز قیامت پر ایمان ہے۔ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ

الْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ خدا تعالیٰ نے منازعت کے وقت بجز قرآن و حدیث کے کسی امر کی طرف متوجہ ہونے کو جائز نہیں کیا ہے اور اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ منازعت کے وقت بجز قرآن و حدیث کے کسی شخص کے قول کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ قول

قرآن و حدیث کے غیر ہے اور تمام صحابہ اور تمام تابعین اور تمام تبع تابعین کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے زمانہ یا زمانہ

سابق کے کسی شخص کے قول کی طرف توجہ اور قصد نہ کرے اس لیے وہ شخص خوب سمجھ لے جو امام ابو حنیفہؒ یا مالکؒ یا شافعیؒ یا احمدؒ یا حنبلؒ

کے تمام اقوال کی پیروی کرتا ہے اور ان میں سے اپنے پیشوا کے سوا کسی کی بھی پیروی نہ کرے اور جب تک قرآن و حدیث کے احکام

کو کسی شخص خاص کے قول کی جانب نہ پھیر لے۔ ان پر بالکل اعتماد نہ کرے کہ وہ تمام امت کا اول سے آخر تک مخالف ہے یقیناً اس

میں کچھ شبہ نہیں ہے وہ اپنے ہمراہ تینوں مبارک زمانوں میں سے کسی کو نہ پائے گا۔ اس لیے ایسے شخص نے وہ راستہ اختیار کیا۔ جو

مسلمانوں کا نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من هذه المنزلة

اور نیز ان تمام فقہاء نے غیر سلف کی تقلید سے منع کیا ہے۔ اس واسطے ایسا شخص ان کے مخالف ہے جن کی وہ تقلید کرتا ہے۔ اور

نیز وہ کون شخص ہے جس نے مذکورہ بالا لوگوں یا ان کے ملاوہ کسی اور کی تقلید کو حضرت عمر بن خطاب یا حضرت علی ابن ابی طالب اور

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر یا عبداللہ ابن عباس یا حضرت عائشہ ام المؤمنینؓ کی تقلید سے اولیٰ قرار دیا

ہو۔ پس اگر تقلید جائز ہی ہو تو اوروں کی نسبت یہی حضرات مقتداہ اور پیشوا ہونے کے زیادہ قابل ہیں۔ ابھی یہ تقریر ابن حزم کی اس

شخص کے حق میں پوری ہو سکتی ہے جس کو اجتہاد کا کچھ بھی مرتبہ حاصل ہو۔ اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو۔ یا اس شخص کے حق میں

ہو سکتی ہے جس کو صاف معلوم ہو سکے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں امر کا حکم فرمایا ہے اور فلاں امر کو منع فرمایا ہے اور یہ حکم آنحضرت ﷺ

کا منسوخ نہیں ہے اس کو یہ علم احادیث کے تتبع سے ہوا ہو۔ ہر مسئلہ میں مخالف اور موافق اقوال کی جانچ کی ہو۔ ان اقوال کا کوئی نسخہ

اس نے نہ پایا یا اس نے علمائے متاخرین کی ایک جماعت کثیر کو متفق پایا ہو۔ اس نے اس کے مخالف کو دیکھا کہ حدیث کے مقابلہ میں

قیاس یا استنباط وغیرہ کو پیش کرتا ہو ایسی حالت میں حدیث کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ الاتفاق خفی او حقی جلی

اسی کی طرف شیخ عزالدین ابن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے

بعض کو اپنے امام کا ضعف ماضی معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کے ضعف کو کوئی چیز دفع نہیں کرتی۔ اس پر بھی وہ اس امام کی تقلید ہی کیے جاتا

ہے اور جس شخص کے مذہب پر قرآن و حدیث اور کتب قیاسات کی شہادت ملتی ہے۔ اس کو بالکل ترک کر دیتا ہے اس کو ان ہی امام کے

مذہب سے وابستگی راتی ہے بلکہ ایسے ایسے مایہ کرتا ہے جن سے ظاہر قرآن و حدیث کو دفع کر دے اور بعید و باطل تاویل میں ان میں

گزرتا ہے تاکہ اپنے مقتداہ کی حمایت کرے اور نیز وہ شیخ کہتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے جو عالم ان کو ملا اس سے مسئلہ دریافت کرتے

رہے کسی خاص مذہب کے وہ مقید نہ تھے کسی سائل پر وہ انکار نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مذہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا

اب ہر شخص اپنے امام کی ایسی پیروی کرنے لگے گویا وہ نبی مرسل ہے اگرچہ اس کا مذہب دلیلوں سے کیسا ہی دور ہو۔ ایسا شخص حق اور صواب سے بالکل دور ہٹ گیا: لا یرضی بہ احدا من اولی الالباب۔

امام ابو شامہ کا قول ہے کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو اس کو یہی مناسب ہے کہ کسی خاص مذہب امام پر نظر کو قاصر نہ کرے۔ ہر ایک مسئلہ میں اسی امر کی صحت پر اعتقاد رکھے جو قرآن و حدیث کی رہبری سے معلوم ہوتا ہو۔ جب کوئی شخص ابتداء ہی سے اہم علوم کو خوب پختہ کر لے گا اس کو یہ امر سہل ہوگا اور تعصب اور متاخرین کے طرق اختلافات میں غور کرنے سے احتراز کرنا چاہیے یہ امور وقت کو ضائع کرتے ہیں اس سے صاف طبیعتیں مکدر ہو جاتی ہیں۔ امام شافعیؒ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور کسی دوسرے کی تقلید سے لوگوں کو منع کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے صاحب امام مزیٰ نے اپنے مختصر کے شروع میں بیان کرتے ہیں۔ کہ اس میں میں نے امام شافعیؒ کے علم اور ان کے اقوال کے معانی بالا اختصار بیان کیے ہیں۔ تاکہ جو شخص ان کے معلوم کرنے کا قصد کرے اس کا ذہن ان سے قریب ہو جائے میں اس شخص کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ امام شافعیؒ نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کر دیا ہے تاکہ آدمی اپنے دین اور احتیاط نفس کے لیے ان کے قول میں غور کرے یعنی میں اس شخص کو جو علم شافعیؒ کے حاصل ہونے کا قصد کرے یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعیؒ نے اپنی تقلید اور اوروں کی تقلید سے لوگوں کو منع کر دیا ہے۔ انتہی

اور نیز ابن حزم کا قول اس شخص کے حق میں درست ہے جو محض عامی ہے اور وہ کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کے تقلید کرتا ہو کہ ایسے شخص سے خطا ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی جو بات ہوتی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہی ہوتی ہے اور خوب اپنے دل میں جمالے کہ اس کے خلاف دلیل کیسی ہی ظاہر ہو۔ میں اس کی تقلید کو ترک نہ کروں گا۔ اسی حالت کے متعلق ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے علماء اور رہبانوں کو علاوہ اللہ کے اپنا رب قرار دے لیا تھا: **اِتَّخَذُوا اٰخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ**۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ عیسائیوں نے ان کو معبود قرار نہ دیا تھا بلکہ وہ جس چیز کو حلال کہتے تھے اسی کو یہ حلال سمجھ لیتے تھے اور جس چیز کو وہ حرام ٹھہراتے تھے یہ بھی اسی کو حرام سمجھ لیتے تھے۔ اور نیز اس شخص کے حق میں بھی یہ تقریر درست ہے کہ جو حنفی ہو کر شافعی سے فتویٰ دریافت کرنے کو جائز نہ جانتا ہو اور اس کو تجویز نہ کرتا ہو کر حنفی مثلاً امام شافعی کا اقتداء کر سکے۔ اس لیے کہ ایسا خیال قرونِ اولیٰ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اجماع اور اتفاق سے بالکل خلاف ہے۔

ابن حزم کا قول اس شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا ہے کہ جو شخص صرف آنحضرت ﷺ کے قول کا مطیع ہے اسی چیز کو وہ حلال سمجھتا ہے جس کو اللہ اور رسول نے حلال اور حرام کیا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں جان سکتا کہ آنحضرت ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے مختلف اقوال کو جمع نہیں کر سکتا آپ کے کلام سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ کسی رہنما عالم کی پیروی کر لیتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا قول درست ہوا کرتا ہے۔ وہ بر ملا فتویٰ دیا کرتا ہے اور طریق رسول اللہ ﷺ کا متبع ہے۔ اور اگر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ تو فوراً اس کی متابعت ترک کر دیتا ہے اس میں کچھ جھگڑا اور اصرار نہیں کرتا اس قسم کی حالت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے مسلمانوں میں برابر فتویٰ دینے اور فتویٰ لینے کا طریقہ جاری ہے۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے

کہ ایک شخص سے ہمیشہ مسئلے پوچھا کر دیا کبھی اس سے دریافت کر لیا کبھی اس سے۔ لیکن حالت مذکورہ کا ثابت رہتا چاہیے۔ ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فقہ کی وحی بھیجتا ہے۔ اور اللہ نے اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے۔ اور وہ بالکل معصوم ہے۔ اگر ہم کسی فقیہ کا اتباع کرتے ہیں تو صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث سے واقف ہے اس کا قول یا قرآن و حدیث کا صریح حکم ہو گا یا کسی طریقہ سے اس نے قرآن و حدیث سے اپنے قول کو مستنبط کیا ہو گا۔ یا اس نے قرآن سے معلوم کیا ہو گا کہ فلاں سورت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ فلاں وجہ سے دیا گیا ہے۔ یا اطمینان قلب سے اس کو اس حکم کی علت معلوم ہو گئی تھی۔ اس واسطے اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کر لیا یا وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خوب سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت ہوگی وہاں فلاں حکم پایا جائے گا اور اس عموم میں وہ شے بھی مندرج ہے جس کو قیاس کہا ہے اس واسطے یہ قول بھی گویا آنحضرت ﷺ کی طرف ہی منسوب ہو گا لیکن اس طریقہ میں امور ظنی شامل ہیں اور اگر یہ احتمال نہ ہوتا تو کون سا مسلمان کسی مجتہد کی پیروی کیا کرتا اس وقت میں اگر ہم کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بسند صحیح معلوم ہو جائے جن کی اطاعت ہم پر خدا نے فرض کی ہے اور اس حدیث سے ہم کو معلوم ہو جائے کہ امام کا مذہب اس کے خلاف ہے اور اس کے بعد ہم حدیث کو ترک کر کے اس مجتہد کی تقلید کا اتباع کریں۔ تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے اور جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے پیش ہوں گے تو ہمارا کیا عذر ہو گا۔

ان مسائل مشکلہ میں سے ایک امر یہ ہے کہ کلام فقہاء میں سے تخریج کرنا اور لفظ حدیث کا تتبع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دین میں مضبوط اصل ہے ہر زمانہ کے علمائے محققین دونوں کو اختیار کرتے رہے ہیں بعض کا زیادہ اہتمام تخریج کی طرف تھا اور لفظ حدیث کے تتبع کا لحاظ وہ کم کرتے تھے اور بعض لفظ حدیث کا زیادہ اہتمام کرتے تھے اور تخریج کی جانب ان کا التفات نظر کم تھا لیکن جیسے فریقین سے عام لوگوں کا شیوہ ہے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر ایک امر کا اہتمام پورا پورا نہ کیا جائے۔ حق الامر یہ ہے کہ اس طرح بحث کرنا چاہیے جس سے ایک کی مطابقت دوسرے سے ہو جائے اور جو ایک میں خرابی ہو وہ دوسرے سے نکل جائے امام حسن بصری کا قول ہے۔ بخدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ افراط تفریط کے بیچ میں تمہاری سنت کا درجہ ہے مفرط اور مفرط کے درمیان اس لیے جو شخص اہل حدیث سے ہو اس کو مناسب ہے اپنے مختار کردہ اور مذہب کو تابعین میں سے مجتہدوں کی رائے پر پیش کرے۔ اور جو اہل تخریج سے ہو۔ اس کو مناسب ہے کہ احادیث میں سے وہ حدیثیں اختیار کرے۔ جن میں صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت سے وہ احتراز کر سکے۔ جس امر میں حدیث یا کوئی اثر وارد ہوئی وہاں اپنی رائے کو بقدر طاقت دخل دینا نہیں چاہیے۔ محدث کو یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ان قواعد میں زیادہ تعمق کرے جو اباب حدیث نے مستحکم کیے ہیں لیکن شارع نے ان کی کچھ تصریح نہیں کی ہے اور اس وجہ سے وہ محدث کسی حدیث یا سنن قیاس کو رد کر دے جیسے ان حدیثوں کو رد کر دیں۔ جن میں ارسال یا انقطاع کا افنی ثابت بھی ہو جیسے ابن حزم نے تحریم حازف کی حدیث کو صرف اس خیال سے رد کر دیا کہ بخاری کی روایت میں اس کے انقطاع کا ثابہ تھا حالانکہ وہ حدیث فی نفسہ متصل اور صحیح ہے ایسے امور کا لحاظ تعارض کے وقت کیا کرتے ہیں۔ اور مثلاً محدثین کا قول ہے کہ فلاں شخص حدیث کا زیادہ حافظ ہے۔ اس وجہ سے محدثین اسی شخص کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر ترجیح دیا کرتے ہیں گو کہ دوسرے میں ترجیح کی ہزار وجہیں کیوں نہ ہوں۔ اور نیز روایت بالمعنی کے وقت جمہور راویوں کو اس کا اہتمام ہوتا تھا کہ اصلی معنی

ادا ہو جائیں۔ وہ ان اعتبارات کا کچھ لحاظ نہیں کرتے تھے جن کا کہ اہل عربیت میں سے زیادہ خوض کرنے والے کیا کرتے ہیں۔ اس واسطے اہل تخریج کا مثلاً فایا داؤ سے یا کسی کلمہ کی تقدیم و تاخیر وغیرہ سے استدلال کرنا محض تعمق اور زیادتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرا راوی اکثر اس قصہ کو جو ایک راوی نے بیان کیا تھا بدل دیا کرتا ہے۔ اور بجائے ایک حرف کے دوسرا حرف لایا کرتا ہے اور حق اور ظاہر یہی ہے کہ راوی جو حدیث بیان کیا کرتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ہی کلام ہوا کرتا ہے اس کے بعد اگر کوئی حدیث یا دلیل ظاہر ہوگی تو اس کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

اور صاحب تخریج کو مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے قول کو خارج کرے جو اس کے اصحاب کے صرف کلام سے مفہوم نہ ہوتا ہو۔ اور اہل عرف اور علمائے لغت اس سے معلوم نہ کر سکتے ہوں کسی مسئلہ کے ماخذ سے یا کسی مسئلہ کی ایسی نظیر سے خارج کیا ہو جس میں اہل رائے مختلف ہوں اور باہم اس میں رائیں مختلف ہوں اگر اس مسئلہ کو اس صاحب تخریج کے اصحاب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ خود ہی کسی مانع کی وجہ سے نظیر کو نظیر پر حمل کرتے یا اس کی کوئی ایسی علت بیان کرتے جو اس علت کے خلاف ہوتی جو اس نے خارج کی ہے۔ تخریج کا جواز محض اسی لیے ہے کہ اس میں حقیقت مجتہد کی تقلید ہوا کرتی ہے اور یہ تقلید جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ مجتہد کے کلام سے مفہوم بھی ہوتی ہو اور صاحب تخریج کو یہ بھی نازیبا ہے کہ اپنے یا اپنے اصحاب کے مستخرج قاعد سے کسی حدیث یا اثر کو جس پر محدثین کا اتفاق ہو رد کر دے۔ جیسے کہ حدیث مصرات کو رد کر دیا ہے یا ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا ہے اس لیے کہ اس مستخرج قاعدہ کی نسبت اس حدیث کا لحاظ زیادہ اہم اور ضروری ہے اس معنی کی طرف امام شافعیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ میں جب کوئی بات کہوں۔ یا کسی قاعدہ کو قائم کروں۔ اور اس کے بعد میرے قول کے مخالف رسول اللہ ﷺ سے حدیث معلوم ہو تو اس وقت آنحضرت ﷺ کا ہی قول معتبر ہے۔

اور مسائل مشککہ میں سے یہ بھی ہے کہ احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے تتبع کرنے کے کئی مرتبے اور درجے ہیں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو بالفعل یا بقوة قریبہ اتنے احکام معلوم ہوں جس سے اکثر واقعات کے جواب دینے کی اس کو قدرت حاصل ہو۔ اس کا جواب اکثر اس درجہ کا ہو کہ اشکال کی وجہ سے قابل توقف ہو۔ اور ایسے علم کی آمادگی اجتہاد سے ہی ہوا کرتی ہے۔ ایسی استعداد مختلف طرح پر حاصل ہوتی ہے کبھی اس طرح کی روایتوں کے جمع کرنے میں خوض کیا جائے۔ روایات شاذہ و نادرہ کا پورا تتبع کیا جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے ساتھ عاقل ہو۔ لغت کا عالم ہو۔ کلام کے مواقع کو خوب سمجھتا ہو۔ آثار سلف سے اس طرح واقف ہو کہ مختلف اثرات کو جمع کر سکے اور دلائل کو مرتب کر سکے اور علیٰ ہذا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ مشائخ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب پر تخریج کے طریقوں کو نہایت پختہ کر لیا ہو اور اس کے ساتھ احادیث اور آثار کے ایک معقول مجموعہ سے بھی خوب واقف ہو اس طرح پر کہ اتنا معلوم کر سکے کہ اس کا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔ یہ طریقہ اصحاب التخریج کا ہے۔

اور اس تتبع کا اوسط درجہ یہ ہے کہ اس کو قرآن و حدیث کا اتنا علم ہو۔ جس کی وجہ سے فقہ کے مجمع علیہا روشن مسائل معلوم کر سکے۔ ان مسائل کے تفصیلی دلائل سے واقف ہو۔ بعض مسائل اجتہاد یہ کو دلائل کے ساتھ نہایت درجہ تک اس نے معلوم کر لیا ہو۔

بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے سکے۔ مابقی تخریجات کی خوب تقاضی کر سکے۔ ان میں سے کامل اور ناقص کو سمجھ سکے یہ معلوم کر سکے کہ اس کا قول اس قابل نہیں ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اس میں نافذ نہ ہو سکے یا قاضی اس کا حکم نہ کر سکے۔ اور کوئی مفتی اس کے موافق فتویٰ نہ دے سکے۔ اور ان بعض تخریجات کو ترک کر دے۔ جس کو سابقین نے خارج کیا تھا۔ جب اس کو اس قسم کی تخریجات کے صحیح نہ ہونے کا علم ہو جائے اسی وجہ سے وہ علماء جو اجتہاد کے مدعی نہ تھے ہمیشہ سے تصنیفات اور ترتیبات کرتے رہے ہیں۔ برابر وہ تخریجات کرتے رہے ہیں اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتے رہے ہیں اور مقصود مسائل میں یہی ہے کہ غالب گمان حاصل ہو جائے اور اسی گمان غالب پر تکلیف کا مدار ہے۔ تو امور بالا کچھ مستبعد نہیں ہیں۔

اور جو لوگ ادنیٰ درجہ کے ہیں۔ اُن کا مذہب کثیر الوقوع امور میں وہ ہے جو وہ اپنے اصحاب یا اپنے آباء اجداد اور اپنے اس شہر سے اخذ کرتے ہیں۔ جس مذہب کا وہ اتباع کرتے ہیں اسی کا یہ پیرو ہوتا ہے اور نادور نادور واقعات میں جو شہر کے مفتی فتویٰ دیں اور معاملات قاضی جو فیصلہ کر دے ہم نے ہر مذہب کے علماء سے محققین کو قدیماً و حدیثاً اسی دطرہ پر پایا ہے۔ وہو الذی وصی بہ ائمة المذاهب و اصحابہم۔ بواقیت و جواہر میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ جو شخص میرے قول کی دلیل کو نہ جانے۔ اُس کو مناسب نہیں ہے کہ میرے قول پر فتویٰ دے کہ امام صاحب فتویٰ دینے کے وقت فرمایا کرتے تھے کہ یہ نعمان ابن ثابت کی رائے ہے اور جہاں تک ہم کو قد رت ہوئی۔ اس میں یہ قول بہت اچھا ہے اور جو شخص اس سے عمدہ کوئی اور قول پیش کرے تو وہی بہت درست ہے اور امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ سوار رسول اللہ ﷺ کے سب کا کلام اختیار کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے حاکم اور بیہقی نے امام شافعیؒ رحمہ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ میرا قول حدیث کے مخالف ہے تو حدیث پر ہی عمل کرنا اور میرے کلام کو دیوار پر مارنا امام شافعیؒ نے ایک روز امام مزنی سے فرمایا اے ابراہیم میرے ہر قول میں تم میری تقلید نہ کرنا۔ یہ مذہب ہے اپنے نفس کے لیے خوب بہتری کا خیال کر لینا۔ اور نیز امام شافعیؒ رحمہ فرمایا کرتے تھے کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے کسی کا قول قابل حجت نہیں ہے اگرچہ لوگ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اور نہ قیاس میں حجت ہے نہ کسی شے میں رضا و تسلیم ہے۔ صرف اللہ اور رسول کی اطاعت مکمل ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے مقابلہ میں گفتگو کر سکے امام احمدؒ نے ایک شخص سے کہا کہ ہرگز میری تقلید نہ کرنا۔ اور نہ ہرگز امام مالکؒ اور نہ اوزاعیؒ اور حنفیؒ اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا جہاں سے اوروں نے ادا کام اخذ کیے ہیں وہیں سے اخذ کرنا۔ یعنی قرآن و حدیث سے اور کسی شخص کو فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی فتوؤں میں علماء کے اقوال سے واقف نہ ہو۔ اور ان کے مذاہب کو نہ جانتا ہو۔ اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ واقف ہو کہ جن علماء کا مذہب اختیار کیا جایا کرتا ہے انہوں نے اس پر اتفاق لیا ہے تب تو مضائقہ نہیں ہے اگر وہ کہہ دے کہ یہ امر جائز ہے اور یہ ناجائز ہے شخص نقل کے طور پر بیان کر دینا چاہیے اور اگر کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو یہ کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کے قول کے موافق جائز ہے۔ اور فلاں کے ناجائز یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک قول کو خود اختیار کر کے کسی کے قول کے موافق فتویٰ دے دے۔ جب تک کہ اس کی دلیل کو بخوبی نہ سمجھ سکے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ ہمارے قول کے موافق فتویٰ دے جب تک کہ یہ نہ

سمجھے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔ عصام ابن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ تم امام ابوحنیفہ کی مخالفت بہت کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس واسطے ان کی مخالفت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فہم دیا تھا کہ ہم کو ویسا نہیں دیا ہے۔ انہوں نے اپنے فہم سے وہ باتیں معلوم کیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور جب تک ہم ان کے قول کو خوب سمجھ نہ لیں ان کے قول کے موافق فتویٰ نہیں دے سکتے۔ امام محمد بن حسنؒ سے دریافت کیا گیا کہ فتویٰ دینا کب جائز ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب خطا سے اس کا صواب زیادہ ہو۔ ابوبکر اسکاف بلخی سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا۔ ایک شہر میں سب سے زیادہ ایک عالم ہے کیا یہ ممکن ہے کہ فتویٰ نہ دے انہوں نے کہا اگر وہ اہل اجتہاد سے ہے تب تو ممکن نہیں ہے پھر دریافت کیا گیا کہ اہل اجتہاد سے وہ کیسے ہوا کرتا ہے کہا جب تمام مسائل کے دلائل سے واقف ہو اور مخالفت کے وقت اپنے تمام ہمسروں سے مناظرہ اور مقابلہ کر سکے کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے ادنیٰ شرط یہ ہے کہ کتاب مبسوط حفظ ہو۔ انتہی

بحر الرایق میں ابولیث کی روایت سے ہے کہ ابونصر سے ایک مسئلہ کے متعلق جو ان کے سامنے پیش ہوا تھا۔ سوال کیا گیا کہ اللہ تم پر رحمت کرے تم کیا کہتے ہو۔ تمہارے پاس چاروں کتابیں کتاب ابراہیم بن رستم اور خصاف کی روایت سے ادب القاضی اور کتاب النجر داود ہشام کی روایت سے نو اور ہیں۔ ہم کو ان کتابوں کے موافق فتویٰ دینا درست ہے یا نہیں یہ سب کتابیں تمہاری نظر میں پسندیدہ ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اصحاب سے جو صحیح طور پر معلوم ہو گیا ہے وہ پسندیدہ اور قابل رغبت و تسلیم ہے۔ لیکن فتویٰ دینا بے سمجھے کسی کے لیے میں پسند نہیں کرتا۔ ایسے شخص کو لوگوں کا بار اٹھانا نہیں چاہیے۔ لیکن جو مسائل ہمارے اصحاب سے مشہور اور صاف ہو گئے ہیں۔ ان میں مجھ کو امید ہے کہ ان پر میں اعتماد کر سکوں۔ اور نیز بحر الرایق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے پچھنے لگائے یا غیبت کی اور یہ گمان کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا۔ یہ سمجھ کر اس نے کچھ کھالیا تو اگر اس شخص نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت نہیں کیا تھا۔ اور نہ اس کو حدیث معلوم ہوئی تھی۔ تب تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے محض جہالت سے روزہ توڑ دیا۔ اور جہالت دارالسلام میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اور اگر فقیہ سے دریافت کر کے اس نے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اس لیے کہ عامی پر عالم کی تہلیل واجب ہے جب اس کے فتویٰ پر اس کا اعتماد ہو۔ اس واسطے وہ اپنے فعل میں معذور ہوگا۔ اگرچہ مفتی سے خطا ہی کیوں نہ ہو جائے اور اگر اس شخص نے کسی مفتی سے تو دریافت نہیں کیا لیکن اس کو حدیث معلوم ہو گئی تھی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے گئے ہیں۔ دونوں روزہ کو توڑ ڈالیں۔ افطر الحاجم والمحجوم اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے: الغیبة تفطر النائم۔ اور اس شخص کو حدیث کے منسوخ ہونے کا یا حدیث کی تاویل کا کچھ علم نہ تھا۔ ان دونوں پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اس واسطے کہ حدیث کا ظاہری مضمون واجب العمل ہے لیکن امام ابو یوسف کا قول اس کے مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب تک ناخ منسوخ کا علم نہ ہو۔ عامی کو حدیث پر عمل نہ کرنا چاہیے۔

اور اگر کسی شخص نے عورت کو چھو لیا۔ یا شہوت سے اس کا بوسہ لیا یا سرمہ لگایا اور اس نے سمجھ کر کہ یہ چیزیں روزہ کی مفطر ہیں۔ روزہ کو توڑ دیا تو اس پر کفارہ ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت کیا تھا اور اس نے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا تھا یا اس کو کوئی حدیث معلوم ہو گئی تھی تو کفارہ نہ ہوگا۔ اگر کسی شخص نے زوال سے روزہ کی نیت کی تھی تو پھر روزہ کو اس نے توڑ دیا تو امام

ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔ کذا فی المحیط اس سے معلوم ہوا کہ عامی کا مذہب وہی ہے جو اس کا مفتی فتویٰ دے اور نیز محیط میں باب قضاء القوائت میں ہے کہ اگر کسی عامی کا کوئی مذہب معین نہیں ہے تو جو مفتی فتویٰ اس کو دے گا۔ وہی اس کا مذہب ہوگا۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے پس اگر کسی حنفی نے فتویٰ دیا تو اس کے موافق عصر اور مغرب کا وہ اعادہ کرے گا۔ اور شافعی کے فتویٰ کے موافق وہ عصر اور مغرب کی نماز کا اعادہ نہ کرے گا۔ اور اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر وہ کسی سے فتویٰ نہ لے یا اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مجتہد کا مذہب صحیح ہے تو یہی اس کو کافی ہوگا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صلاح کا قول ہے کہ جو کوئی شافعی المذہب کسی حدیث کو اپنے مذہب کے مخالف پائے تو دیکھنا چاہیے اگر اس شخص کو اجتہاد مطلق یا خاص اس باب یا مسئلہ میں اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہے تو وہ مستقل طور پر اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور اگر پایہ اجتہاد اس کو حاصل نہیں ہے اور حدیث کی مخالفت کا بحث و فکر کے بعد جواب شافی اس کو ملتا نہیں تو اگر اس حدیث پر علاوہ امام شافعیؒ کے کسی امام مستقل نے عمل کیا ہو تو اس کو بھی اس حدیث پر عمل کر لینا چاہیے اپنے امام کے مذہب ترک کرنے میں وہ معذور ہوگا۔ امام نوویؒ نے بھی اس کو سند کیا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اور مسائل مشککہ میں سے یہ بھی ہے کہ فقہاء میں اکثر مختلف فیہ صورتیں اور خاص کردہ مسائل جن میں صحابہؓ کے اقوال دونوں جانب وارد ہوئے ہیں۔ ایسے ہیں کہ ان میں نفس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اولویت میں اختلاف ہے۔ مثلاً تشریق اور عیدین کی تکبیرات احرام باندھنے والے کا نکاح۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کی التحیات بسم اللہ اور آمین کو اخفا سے پڑھنا۔ تکبیر اقامت میں دو دو بار ایک ایک بار کلموں کا ادا کرنا۔ و علیٰ ہذا امور بالا میں دو قولوں میں سے ایک کی ترجیح میں کلام ہے۔ ان کی اصل مشروعیت میں سلف کو کچھ اختلاف نہ تھا قراءت کے طریقوں میں اختلاف قراءت کا بھی یہی حال ہے۔ ایسے اکثر ابواب میں یہی توجیہ کی گئی ہے کہ صحابہؓ ان میں مختلف تھے اور یقیناً وہ سب راہ راست پر تھے اسی واسطے مسائل اجتہاد یہ میں علماء ہمیشہ مفتیوں کے فتوؤں کو تجویز کرتے رہے ہیں اور قاضیوں کے ادا کام کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور کبھی کبھی اپنے مذہب کے خلاف قول پر بھی وہ عمل کر لیا کرتے تھے۔ ائمہ مذہب کو تم ایسے موقعوں میں دیکھو گے کہ صاف دوسرے قول مخالف کو ظاہر کر کے کہہ دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اسی قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ یا یہی قول ممتاز ہے یا یہ قول ہم کو زیادہ پسند ہے۔ اور کہتے ہیں ہم کو یہی قول معلوم ہوا ہے کتاب مبسوط اور آثار محمدؐ کے کلام میں ایسا اکثر جگہ ہے۔ ان لوگوں کے بعد ناخلف پیدا ہو گئے۔ انہوں نے فقہاء کے اقوال کو مختصر کر ڈالا۔ اور مخالف پر زیادہ زور دیا اور اپنے اماموں کے اختیار پر ہی جم گئے اور زمانہ سلف سے جو نقل کیا جاتا ہے کہ اپنے اپنے اصحاب کے مذہب کو خوب مضبوطی سے اخذ کرتا چاہیے۔ اور کسی حال میں اس سے ٹکنا نہ چاہیے تو اس قسم کی تقریر فطری امر ہے ہر شخص اسی بات کو پسند کرتا ہے جو اس کے اصحاب اختیار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ لباس اور کھانوں میں ہی اس پسندیدگی کا اثر ہوا کرتا ہے۔ یا دلیل کی قوت ہے جو صولت پیدا ہوتی ہے وہ اس کا باعث ہوتی ہے۔ یا ایسے ہی اسباب اور ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کا نام تعصب رکھتے ہیں۔ حاشا ہم عن ذلک۔

زمانہ صحابہؓ اور ان کے مابعد زمانہ میں بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے۔ بعض نہیں پڑھتے تھے بعض لوگ اس کو جبر سے

پڑھتے۔ بعض اُس میں جہر نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے۔ بعض نکسیر اور پچھنے اور تے کے بعد وضو کیا کرتے تھے۔ بعض وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ آلہ تناسل کے چھونے اور عورتوں کو خواہش نفسانی سے مس کرنے سے وضو کرتے تھے۔ بعض نہیں کرتے تھے بعض لوگ ان اشیاء کے تناول سے جن کو آگ لگی ہو وضو کیا کرتے تھے۔ بعض وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ اونٹوں کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے۔ بعض نہیں کیا کرتے تھے۔ باوجود ان سب امور کے ہر شخص دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ مثلاً امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم مدینہ شریف کے مالکی المذہب وغیرہ آئمہ کے پیچھے نماز میں اقتداء کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بسم اللہ کو نہ آہستہ پڑھتے تھے نہ آواز سے۔ خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار پچھنے لگو کر نماز پڑھائی۔ اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

امام مالکؒ نے ان کو فتویٰ دیا تھا کہ پچھنے سے وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب تھا کہ نکسیر اور پچھنے سے وضو کرنا چاہیے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ اگر امام کے بدن سے خون خارج ہو تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں گا۔ روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تکبیریں پڑھا کرتے تھے اس لیے کہ خلیفہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے مقبرہ کے قریب صبح کی نماز پڑھی اور ان کے ادب اور تعظیم کے لیے دعائے قنوت کو نہ پڑھا۔ اور نیز امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ہم اکثر اہل عراق کے مذہب کی طرف جھک جاتے ہیں اور امام مالکؒ نے منصور اور ہارون رشید سے وہ بات کہی تھی۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور فتاویٰ بزاز یہ ہیں امام دوم یعنی امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار انہوں نے حمام میں نہا کر جمعہ کے دن نماز پڑھی اور امامت کی۔ لوگ نماز پڑھ کر جب متفرق ہو گئے تو معلوم ہوا کہ حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا چوہا تھا۔ یہ معلوم کر کے امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول کو اختیار کر لیں گے کہ پانی جب قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں ناپاکی نہیں ہوتی۔ (اذا بلغ الماء قلتین لم يحمل خبثا) انتھی۔ امام بخاریؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شافعیؒ المذہب نے ایک سال یا دو سال کی نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد وہ حنفی ہو گیا اب وہ نماز قضا امام شافعیؒ کے موافق ادا کرے یا امام ابو حنیفہؒ کے موافق انہوں نے جواب دیا کہ جس مذہب کے موافق قضا کرے گا۔ نماز جائز ہو جائے گی۔ لیکن نماز کے جواز پر اس کو اعتقاد بھی ہو۔ اتھی

جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے کہا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر تین مرتبہ طلاق ہے اس کے بعد اس نے کسی شافعیؒ سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ اس عورت پر طلاق نہ ہوگی اور یہ قسم باطل ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر یہ شخص شافعیؒ کی اقتداء کر لے اس لیے اکثر صحابہؓ اسی جانب ہیں۔ امام محمدؒ نے اپنے امالی میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر البتہ طلاق ہے۔ اور یہ فقیہ اس طلاق کو البتہ تین مرتبہ خیال کرتا تھا۔ اس کے بعد کسی قاضی نے اسے طلاق کے رجعی ہونے کا حکم دیا تو رجعی ہی ہونا با موقع ہوگا۔ ایسے ہی تحریم اور تحلیل یا اعتاق یا مال وغیرہ لینے کے فیصلوں میں جہاں جہاں فقہاء کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔ ان موقعوں میں اس فقیہ کو جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہو۔ یہی مناسب ہے کہ اپنی رائے کو ترک کر دے۔

قاضی کے فیصلے کو اختیار کرنا چاہیے۔ جو قاضی نے اس پر لازم کر دیا ہو۔ اسی کا پابند رہنا چاہیے۔ جو اس نے دیا ہو۔ وہی۔ لیکن چاہیے امام محمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ اور ایسے ہی ایک شخص تا وقت تھا۔ اور اس کو کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس کو فقہاء سے اس نے دریافت کیا۔ اور فقہاء نے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا۔ لیکن مسلمانوں کے قاضی نے ان کے خلاف حکم دیا اور وہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فرما رہا تھا۔ تو اس شخص کو یہی مناسب ہے کہ فقہاء کے فتویٰ کو ترک کر کے قاضی کے فیصلے کو اختیار کرے۔ اچھی

اور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو پایا۔ اُن کا یہ قول ہے کہ جتنے مسائل ان بڑے بڑے شروح اور صحیح صحیح کتابوں میں مندرج ہیں۔ وہ تمام امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے اقوال ہیں۔ ایسے لوگ ان قولوں میں جو تخریج کیے گئے ہیں۔ اور جو حقیقت اور اصلی قول ہیں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس کے معنی کچھ نہیں سمجھتے کہ فقہاء کہا کرتے ہیں کہ کرنی کی تخریج کے موافق مسئلہ کا یہ حکم ہے۔ اور طحاوی کی تخریج کے موافق یہ حکم ہے اور نہ یہ فقہاء کے اس قول میں کچھ فرق سمجھتے ہیں۔ کہ ابو حنیفہؒ نے ایسا کہا ہے اور ابو حنیفہؒ کے مذہب یا ان کے قاعدہ کی بنا پر مسئلہ کا یہ حکم ہے اور ایسے لوگ ان اقوال کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے جو محققین حنفیہ مثل ابن الہمام اور ابن النجیم نے وہ درود مسئلہ میں اور ایسے ہی تیم کے لیے پانی کے ایک میل دوری کے شرط میں و امثالہا بیان کیے ہیں کہ یہ سب امور اصحاب حنفیہ کی تخریج سے ہیں۔ حقیقت میں یہ مذہب نہیں ہے اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ مذہب کی بنیاد ان جملہ کی باتوں پر ہے۔ جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں مذکور ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ اول اول ان باتوں کو فقہاء میں معتزلہ نے ظاہر کیا تھا۔ اس پر مذہب مبنی نہ تھا۔ بعد کو متاخرین نے بھی ذہنوں کے مانجھنے اور تیز کرنے کے لیے اچھا سمجھ لیا یا کسی اور وجہ کے لیے ان کو پسند کیا۔ واللہ اعلم

ایسے ایسے شکوک و شبہات اکثر ان تہات سے حل ہو جاتے ہیں جو اس باب میں بیان کی گئیں۔ اور نیز مسائل مشکلہ سے ایک امر یہ ہے کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی مخالفت کی بنیاد ان اصول پر ہے جو بزودی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ اصول اکثر ان کے اقوال سے خارج کر لیے گئے ہیں میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص مبین ہوا کرتا ہے پھر اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہوا کرتی الخاص مبین لا یلحقہ البیان اور آیت پر زیادہ نسخ ہوتی ہے وان الزیادۃ نسخ اور یہ کہ خاص کی طرح عام بھی قطعی ہوا کرتا ہے۔ ان العام قطعی کا لخاص اور ادویوں کی کثرت کوئی ترجیح کو با مٹ نہیں ہوتی۔ ولا ترجیح بکثرة الرواة اور جو راوی فقیہ نہ ہو اور رائے قائم کرنے کا موقع ہو تو ایسے شخص کی روایت واجب العمل نہیں ہے اور یہ کہ شرط اور وصف کے مفہوم کا کچھ لیٹا نہیں ہوا کرتا ہے لا عبرۃ بمفہوم الشرط والوصف اور امر سے واجب ثابت ہوا کرتا ہے موحب الامر هو الوحوب البتہ اور ایسے ہی اور اصول تمام ائمہ کے کلام سے مستخرج اور مانوڈ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین سے نقل روایت صحیح ثابت نہیں ہیں ان اصول کا محفوظ رکھنا اور متقدمین نے جو جو امور مستحکم کیے ہیں اور ان پر جو ہر امت اضافت وارد ہوتے ہیں۔ ان کے جواب دینا ان اصول مخالف اصول اور ان اعتراضات واردہ کے جواب دینے سے زیادہ اہم نہیں مثلاً ان علماء نے قاعدہ بنایا ہے کہ الخاص مبین لا یلحقہ البیان ان قاعدہ کو مقدمین کی تقریر سے پیدا کیا ہے۔ نہ قول البی واسعدوا وارکعوا میں کی ہے کہ یہاں رکوع و سجود مبین ہیں اور آنحضرت

ﷺ کے قول کہ کسی کی نماز پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنی پشت کو رکوع و سجدہ میں ٹھیک نہ کرے گا: لَا تَجْزِي صَلَاةَ الرَّجُلِ حَتَّى يَقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ. میں متقدمین فرضیت اطمینان کے قائل نہیں ہوئے ہیں۔ اور حدیث کو آیت کے بیان میں انہوں نے قرار نہیں دیا ہے۔ اس لیے ان پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ قولہ تعالیٰ: **وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ** میں بھی لفظ مسح خاص ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی پیشانی پر مسح کرنے کو پھر انہوں نے بیان کیوں قرار دیا۔ اور ایسے ہی قولہ تعالیٰ: **﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا﴾** اور نیز قولہ تعالیٰ **﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا﴾** اور قولہ تعالیٰ **﴿حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾** وغیرہ میں جو بیانات بعد کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان کے جوابات میں بہت تکلفات کیے گئے ہیں: کما هو المذكور فی کتبہم۔ اور ایسے ہی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ العام قطعی کا لخاص اس کو انہوں نے متقدمین کی تقریر سے اس طرح اخذ کیا ہے کہ انہوں نے حدیث: **لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ** کو آیت **﴿فَاقْرَأْ وَآمَّا تَيْسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾** کا مخصوص قرار نہیں دیا ہے اور ایسے ہی آنحضرت ﷺ کے قول: **لَيْسَ فِيْمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ** کو حدیث: **فِيْمَا سَقَتِ الْعِيُونَ الْعَشْرَ** کا مخصوص قرار نہیں دیا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قسم دوم

آنحضرت ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں بالتفصیل ان کے اسرار کے بیان میں

اس جگہ ہم کو تھوڑی سی ان احادیث کا ذکر کرنا منظور ہے جن کا اہل حدیث اور علماء میں زیادہ چرچا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے ان کی روایت کی ہے علاوہ ان کے اگر کوئی حدیث بیان کی ہے تو اس کو بالتبع ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے ہر حدیث کی نسبت اس کے راوی کی طرف نہیں کی ہے اور اکثر حدیث کے حاصل معنی یا اس کے ایک ٹکڑے کو بیان کر دیا ہے اس واسطے کہ ان کتابوں میں سے حدیث کا تلاش کر لینا چنداں دشوار نہیں ہے۔

ان احادیث کا ذکر جو ایمان کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

چونکہ سرور کائنات کی رسالت تمام روئے زمین کے واسطے عام تھی تاکہ تمام ادیان پر آپؐ کے دین کو غلبہ ہو۔ اس غلبہ سے خواہ کسی معزز کی عزت یا کسی ذلیل کی ذلت پر اثر پڑے اس لیے آپؐ کے دین میں کئی طرح کے لوگ داخل ہوئے لہذا ان میں باہم تمیز کی ضرورت ہوئی کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں ہے اور مسلمانوں میں سے بھی اس ہدایت سے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہے کس کو رہبری ہوئی اور کس کے دل میں اس کی خوبی نے سرایت نہیں کیا اس واسطے شارع نے ایمان کی دو قسمیں کیں ایک تو وہ جس پر دنیاوی احکام کا دار و مدار ہے اور اسی وجہ سے جان و مال کی حفاظت ہو سکتی ہے اس ایمان کو شارع نے چند امور میں جن سے بظاہر فرمانبرداری ثابت ہوتی ہے منضبط کیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مجھ کو حکم ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پوجا کے قابل نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کا فرستادہ ہے اور نماز کے پابند نہ ہوں۔ اور زکوٰۃ نہ دیں اور جب یہ سب باتیں انہوں نے کر لیں تو یہاں تو اپنی جان و مال انہوں نے مجھ سے بچا لیے بجز حقوق اسلام کے اور پھر ان کا حساب کتاب اللہ کے متعلق ہے:

((امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و
يقبضوا الصلوة و يؤتوا الزكاة فاذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم و اموالهم الا بحق
الاسلام و حسابهم على الله)).

اور فرمایا ہے جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارا ہی قبلہ اس کا قبلہ ہو اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ اے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کا رسول

اس کا ذمہ دار ہے۔ پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ میں داخل نہ دینا:

((من صلى صلواتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله و
ذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمة))

اور فرمایا ہے اصول ایمان تین ہیں۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس سے کچھ مداخلت نہ کرنا کسی گناہ سے اس کو کافر مت بنا
اور کیسا ہی کچھ کرے اُس کو اسلام سے خارج مت جان اخیر حدیث تک:

ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تَكْفُرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تَخْرُجُهُ مِنَ
الْإِسْلَامِ بِعَمَلِ الْحَدِيثِ.

ایمان کی دوسری وہ قسم ہے کہ جس پر نجات اخروی اور فوز بالدرجات کا مدار ہے اور اس میں تمام عقائد حقہ اور اعمال صالحہ اور
اُن کا ملکہ داخل ہے۔ اس ایمان میں کمی اور بیشی ہو سکتی ہے اور شارع کا دستور ہے کہ ان اعمال کو ایمان کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے تاکہ
ان اعمال کے جزو ایمان ہونے پر تنبیہ بلغ ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو امانتدار نہیں ہے وہ بے ایمان ہے اور
جس کو عہد کا پاس نہیں ہے وہ بے دین ہے: لَا إِيْمَانُ لِمَنْ لَهُ أَمَانَةٌ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ. اور فرمایا ہے مسلمان وہ
شخص ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ.
الحديث. اس ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور اس کا حال درخت کا سا ہے کہ درخت کے اندر پھول اور پھل اور شاخیں اور پتے اور
اس کا تناسب داخل ہیں اور سب کو درخت کہتے ہیں مگر جب اس کے پھل و پھول توڑ لیے جائیں اور پتے گھسوٹ ڈالے جائیں اور
شاخیں کاٹ ڈالی جائیں تو اس درخت کو درخت ہی کہتے ہیں۔ مگر وہ درخت خراب کہلاتا ہے۔ اور جب اس درخت کو جڑ سے کاٹ
ڈالیں تو درخت کا نام اس وقت اس سے جاتا رہتا ہے یہی معنی ہیں۔ اللہ جل جلالہ کے اس کلام کے کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ
جس کوئی اللہ کا ذکر کرے تو ان کے دلوں میں خوف طاری ہو جائے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ
قُلُوبُهُمْ. اور چونکہ یہ سب اعمال ایک قسم کے نہ تھے۔ اس واسطے شارع نے اس کے دو حصے کیے۔ ایک تو ارکان یہ تو وہ ہیں جو سب
اعمال میں زیادہ تر معتمد علیہ اور مہتمم بالشان ہیں۔ جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے
ایک تو اس بات کی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی پوجا کے قابل کوئی نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں گواہی دینا اور نماز کی پابندی
اور ادائے زکوٰۃ اور حج اور صیام رمضان: بَنِيَ الْإِسْلَامَ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَا الزَّكَاةَ وَحَجَّ الْحَجَّ وَصَامَ رَمَضَانَ. دوسرے اس سے علاوہ سب شعبے جن کی
نسبت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایمان کے کچھ اُپر تر شعبے ہیں جن میں سے سب سے بڑھ کر کلمہ لا الہ الا اللہ اور سب سے ادنیٰ
جس خبر سے لوگوں کو تکلیف ہو اس سے راستہ کا صاف کر دینا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے:

الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً وَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَدْنَاهَا أَمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ
الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ.

ایمان کے پہلی قسم کے مقابل کا نام خربہ اور دوسری قسم کے مقابل میں دو صورتیں ہیں اگر تصدیق قلبی نہیں ہے بلکہ صرف کھوار کے زور سے احکام شریعہ کی فرمانبرداری کرتا ہے تب تو وہ خالص نفاق ہے۔ اور اس قسم کا منافق اور کافر آخرت کے نذر و نزل برابر ہیں بلکہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں اور اگر تصدیق قلبی ہے تب اس کے ساتھ تمام باتیں ہیں یا عمل بھی کرتا ہے مگر اس کا دل اس میں نہیں لگا تو یہ اور قسم کا منافق ہے۔ بعض سف نے اس نفاق کا نام نفاقِ نائم رکھا ہے اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم یا بدعتیگی کا حجاب اس کے قلب پر چھا جاتا ہے اور پھر مال اور اولاد اور کنبے کی محبت میں بہرتن مصروف رہتا ہے اس باعث سے اس کے قلب میں جزا و سزا کے مستعد سمجھنے اور معاصی پر جرأت کرنے کی ایک نامعلوم حرکت پیدا ہو جاتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلام کے سخت سخت حکم اس کو ناگوار گزرتے ہیں اور کبھی بعض کفار کی محبت اعلائے کلمہ اللہ سے اس کو مانع ہو جاتی ہے۔

ان دو معنی سے علاوہ ایمان کے دو معنی اور بھی آتے ہیں ایک تو ضروری تصدیق چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا۔ جس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے ایمان اس کا نام ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر یقین رکھے: **الایمان ان تؤمن بالله وملائکته**۔ الحدیث دوسرے ایک دل کی تسلی اور اندرونی کیفیت کا نام ہے دو قرین کو حاصل ہوا کرتی ہے۔ جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا **دوا ایمان کا جزو ہے۔ الطهور و شطو الایمان**۔ اور فرمایا ہے جب کوئی بندہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل کر سائبان کی طرح اس کے سر پر آ جاتا ہے اور جب وہ اس کو ترک کر دیتا ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے۔ **اذا زنی العبد خرج منه الایمان فکان فوق راسه کالظلة فاذا خرج من ذلك العمل رجع الیه الایمان** اور حضرت معاذ فرماتے ہیں آؤ کچھ دیر ہم اہل یقین بن جائیں۔ تعالٰیٰ تو من ساعۃ پس ثابت ہوا کہ ایمان کا عظم شرع میں چار معنی کے اندر مستعمل ہوتا ہے۔ اب ایمان کے باب میں جو احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں اگر ہر حدیث اپنے آپ کل پر محمول کی جائے تو تمام شکوک اور شبہے مندرج ہو سکتے ہیں۔ اسلام کے لفظ ایمان کے پہلے معنی بہ نسبت ایمان کے لفظ زیادہ تر قریب الفہم ہوئے ہیں۔ لہذا جل جلالہ نے فرمایا ہے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ **قُلْ لِّمَن تُوْمِنُوْا وَلٰکِن قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا** اور ایک مرتبہ (حضرت معاذ نے کسی شخص کی نسبت کہا تھا کہ میں اس کو ایماندار جانتا ہوں) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا بلکہ مسلمان کہو۔ **او مسلمنا**۔

ایمان کے چوتھے معنی پر بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ صاف دلالت کرتا ہے۔

چونکہ نفاق فی العمل اور اس کا مقابل یعنی اخلاص ایک اندرونی چیز ہے۔ لہذا اشارع کو اس کے علامات بیان کرنے پڑے اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا چار خصائیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ سب پائی جائیں وہ تو پکا منافق ہے اور جس میں سے ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ جب تک اس کو ترک نہ کر دے جب اس کے پاس کوئی امانت رکھے تو خیانت کرے۔ اور جب کہیں کا گزرے تو بھوٹ بولے اور کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے اور کسی سے لڑے تو گالیں بکے

اربع من کن فیہ کأن ماضیا حالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منہن کانت فیہ خصلۃ من

النفاق حتى يدعها اذا اتمن خان واذا احدث كذب واذا عاهد غدروا اذا خاصم فجر۔
اور فرمایا ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں گی ان کے سبب سے اس کو حلاوتِ ایمانی حاصل ہوتی رہے گی۔ جس شخص کو اللہ
اور اس کے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ اور جو شخص خالصۃً اللہ کسی سے محبت کرتا ہو اور جو شخص کفر سے نکل آنے کے بعد کفر کی
طرف اس کو اعادہ کرنا اس قدر ناگوار ہو جس قدر آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہوتا ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنْ فِيهِ وَجَدْنَهَا مِنَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا
وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لِأَحِبِّهِ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا
يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ۔

اور فرمایا ہے کہ جب تم کسی شخص کو بالالتزام مسجد کی طرف آتا جاتا دیکھا کرو تو اس کے ایمان کے گواہ رہو: اذا رايتهم لعبد يلزم
المسجد فاشهدوا له بالایمان۔ اور ایسے ہی آپ نے فرمایا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی دلیل
ہے: حب علی آية الايمان و بغض علی آية النفاق۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں
بہت سختی سے پیش آیا کرتے تھے یہ ان کی سختی وہی شخص گوارا کر سکتا ہے جس کے طبعی قوی ضعیف ہو گئے ہوں اور اس کی عقل کو خواہش
نفسانی پر غلبہ ہو۔ اور فرمایا ہے انصار کی محبت ایمان کی دلیل ہے: حب الانصار آية الايمان۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ عرب
کے قبائل معدی اور یمنی میں ہمیشہ نزاع درپیش رہتا تھا۔ اسلام نے آ کر اس نزاع کو دور کر کے انہیں یکجا کر دیا۔ اب جس نے دل
سے اعلائے کلمۃ اللہ کا عزم بالجزم کر لیا اس کا دل تو ان جھگڑوں سے پاک ہو گیا اور جس نے یہ ارادہ نہیں کیا اس کے دل میں وہی
نزاع بدستور قائم رہا۔

ایک حدیث میں تو آنحضرت ﷺ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیادی چیزوں پر ہے۔ اور ضمام بن ثعلبہ اور اس اعرابی
کی حدیث میں جس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی تھی کہ مجھ کو ایسا عمل بتا دیجیے جو میرے واسطے دخولِ جنت کا موجب ہو جائے بیان
فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں اسلام کی ستون ہیں جس نے ان کو کر لیا پھر چاہے اس نے کچھ اور عبادت نہ کی ہو۔ دوزخ کے عذاب سے اپنی
گردن کو اس نے رہا کر لیا اور جنت کا مستحق ہو گیا۔

ان هذا الاشياء الخمسة اركان الاسلام و ان من فعلها ولهم يفعول غيرها من الطاعات
قد خلص رقبته من عذاب واستوجب الجنة۔

ایسے ہی یہ بیان کیا ہے کہ نماز کا ادنیٰ درجہ کیا ہے اور وضو کا ادنیٰ درجہ کیا ہے۔

تمام عبادات میں خاص کر کے ان پانچ چیزوں کو اس واسطے رکن قرار دیا ہے کہ انسان کی تمام عبادات میں سے انہیں پانچ کی
زیادہ شہرت ہے اور تمام ملتوں نے سب عبادتوں سے زیادہ تر التزام اور اہتمام انہیں پانچ کا کیا ہے تمام یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور
بقیہ عرب کو انہیں کا اہتمام ہے البتہ ہر ایک کا طریقہ ادا کرنے کا جدا گانہ ہے علاوہ بریں یہ پانچ عبادتیں اور عبادتوں کے بدلہ کافی ہو
سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو ان کے بدلہ کافی ہو سکے اس واسطے کہ تمام نیکیوں کا اصل الاصل توحید الہی اور

تصدیق نبی کریم اور احکام الہی کا مان لینا ہے اور چونکہ آنحضرت کریم کی بعثت تمام روئے زمین کے لیے مام تھی اور فوجیں کی فوجیں لوگوں کی دین الہی میں داخل ہوتی چلی جاتی تھیں۔ اس لیے لامحالہ ایک ظاہری شناخت کی حاجت پڑی جس سے مخالفین اور موافقین میں باہم تمیز کر سکیں اور اسلامی احکام کا اس پر دار و مدار ہو اور لوگوں سے اس کی باز پرس کی جائے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس تمیز کے لیے مدتوں تک میل جول کی ضرورت ہوتی۔ اور اس کے بعد بھی صرف ظنی تفریق ہو سکتی تھی جس کی بنا قرآن پر ہوتی۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کو مسلمان کا حکم دینے میں سب کی رائے مختلف ہوتی اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں اسلام کے احکام جاری کرنے میں کس قدر وقت واقع ہوتی۔ اب دلی اعتقاد اور تصدیق کے معلوم کرنے میں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے اختیار اور خوشی سے ایک بات کا اقرار کر لے اور یہ بات ہم بیان ہی کر چکے ہیں کہ انسانی سعادت اور اخروی نجات کا مدار چار خصلتوں پر ہے اور نماز اور اس کے ساتھ طہارت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے ان چار میں سے وہ یعنی فرمانبرداری اور تقدس کی صورت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور ان اوصاف کا اس کے کرنے والے میں گمان کر سکتے ہیں اور زکوٰۃ کا بشرطہ اس کے مستحقین کو دینا ایسا ہے کہ اس کے ادا کرنے والے میں ان اخلاق چہارگانہ میں سے دو اوصاف یعنی سخاوت اور عدل کا گمان غالب ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ طہی حجاب دور کرنے کے لیے ایک ایسی عبادت کی حاجت ہے جس سے نفس کے اوپر ایک قسم کا دباؤ رہے۔ اور اس باب میں روزہ سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ تمام شرائع کا اصل الاصول شعائر الہی کی تعظیم ہے اور چار چیزیں شعائر الہی ہیں۔ از انجملہ کعبہ بھی ہے اور اس کی تعظیم کا نام حج ہے اور سابقاً جو ہم بیان کر چکے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ عبادات نمبرہ اور عبادتوں کے بدلے کافی ہو سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو ان کے بدلے کافی ہو سکے۔

شرع کے اعتبار سے گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں صفائر اور کبائر کبائر گناہ ان وقت صادر ہوتے ہیں جب قوائے بھیمہ باسویہ یا شیطانہ کا پورے طور پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس میں حق کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے اور شعائر الہی کی حرمت کا جھگ لازم آ جاتا ہے یا تاہیہ الہی کی جن میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے مخالفت یا بندوں کا اس میں ضرر و تعظیم پایا جاتا ہے اور باہمہ شرع کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کا کرنے والا شرع کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ شرع نے اس سے کرنے سے سخت نفی کی ہے اور اس کے کرنے والے کو بہت شدت سے تہدید کی ہے اور اس کا کرنا ایسا بیان کیا ہے جیسا کہ اس دین سے خارج ہونا اور جو گناہ اس درجہ کے تو نہیں ہیں مگر ان کے واپسی اور اسباب ہیں۔ اور شارع نے لازمی طور پر ان سے منع بھی کیا ہے مگر اس قدر شدت نہیں کی ہے جس قدر کبائر میں کی ہے۔ ایسے گناہوں کو صفا کہتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کبائر گناہ محدود نہیں ہیں کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی تعریف یہی ہے کہ یہ تو قرآن اور حدیث صریح میں اس نے کرنے والے پر وہیہ تعلق ہوئی ہو یا شرع میں اس گناہ پر حد مقرر ہو یا شارع نے اس کا نام کبیرہ بیان فرمایا ہے اور ان کے مرتکب ہونے والا فرعون من الدین بیان کیا ہو۔ یا جس چیز کو نبی کریم نے کبیرہ بیان فرمایا ہو۔ کوئی اور شے بھی فساد اور خرابی میں اس سے بھی زیادہ یا ان کے برابر ہو۔ یہ گناہ سب کھار ہیں۔ اور جو آنحضرت کریم نے بیان فرمایا ہے کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان نہیں رہتا۔ لایزسی حس برنی و هو مومن اللہ یثاب اس کے یہی معنی ہیں کہ یہ افعال ای وقت صادر ہوتے ہیں کہ جب قوائے

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں کسی نے عرض کی کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات ارشاد فرمادیجیے کہ پھر مجھے کسی سے آپ کے بعد یا یہ کہا کہ کسی اور سے اس کے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ کہہ کہ اللہ پر میں ایمان لایا اور پھر اس پر جمارہ: قیل یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسأل عنه احداً بعدک و فی روایتہ غیرک۔ قال قل آمنت باللہ ثم استقم۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے سامنے اسلام اور فرمانبرداری کے حالات کا نقشہ رکھا کرے اور جو کام اس کے موافق ہوں وہ تو کیا کرے اور جتنے کام اس کے خلاف ہوں ان سے دست بردار ہو جائے اور یہ ایک دستور العمل ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کو اگرچہ بالتفصیل علم بشرائع نہیں ہوتا۔ مگر اجمالاً اس کو ایک علم حاصل ہو جاتا ہے۔ جو اس کے لیے موجب بصیرت اور سبقت کا باعث ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو سچے دل سے اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمداً عبده و رسولہ کہے۔ مگر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ پر اس کو حرام کر دے گا۔ مامن احد يشهدان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ صدقاً من قلبہ الاحرمہ اللہ علی النار۔ اور فرمایا ہے اگرچہ وہ چوری کرے اور اگرچہ زنا کرے۔ و ان زنی و ان سرق اور ایک حدیث میں فرمایا چاہے وہ کچھ کرے۔ علی ماکان من عمل۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد ہے کہ اس سخت آگ پر جو ہمیشہ کے واسطے ہے۔ اور کافروں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ کلمہ گو کو خدا تعالیٰ حرام کر دے گا۔ اگرچہ وہ کبار کا مرتکب ہوا ہو اور اس طور سے جو

آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ گناہوں کے درجوں میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ کہنے کو سب گناہ کہلاتے ہیں اب اگر کبار کو کفر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے سامنے ان کی کچھ ہستی نہیں معلوم ہوتی اور نہ ان کا کچھ معتد بہ اثر معلوم ہوتا ہے اور نہ دخول نار کے واسطے وہ ایسے سبب ہو سکتے ہیں جو ان کو سبب کہا جائے یہی حال کبار کے اعتبار سے صغائر کا ہے۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں اسی فرق کو نہایت استحکام کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس طرح صحت اور مرض میں فرق ہے۔ جس طرح اُمرِ اعراض خارجیہ مثلاً زکام یا قہ بدنی کو سوء مزاج کے ساتھ جو جو ہر بدن میں متمکن ہو جائے۔ جیسے جذام یا سل یا استسقاء قیاس کریں تو اوّل کو بمقابل دوسرے کے صحت کا اطلاق کر سکتے ہیں اور زکام یا قہ بدنی والے کو بہ نسبت ان امراض والے کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مریض نہیں ہے اور اس کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصیبت کے سامنے دوسری مصیبت کا خیال بھی نہیں رہتا۔ مثلاً ایک شخص کے کانٹا لگ جائے اور پھر اس کے بعد اس کا گھر اور مال لوٹ کر لے جائے تو وہ بیان کرتے وقت یہ کہہ دیتا ہے کہ پہلے مجھ پر بالکل کوئی مصیبت نہ تھی۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو لوگوں کے فتنے میں ڈالنے کو روانہ کر دیتا ہے: ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سراہاہ یفتنون الناس۔ الحدیث: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو پیدا کیا ہے اور ان کی جبلت میں یہ بات رکھی ہے کہ لوگوں کو اغوا کریں۔ جس طرح کوئی کیزا ہوتا ہے اور جو اس کے مزاج کا مقتضی ہوتا ہے اس کے موافق وہ کام کرتا رہتا ہے۔ جس طرح پانچخانہ کا کیزا اپنے مقتضی طبع سے غلاظت میں لوٹا پوتا کرتا ہے اور ان شیاطین کا ایک سردار ہے جو اپنا تخت پانی کی سطح پر بچھاتا ہے اور اپنے ماتحت کو اس کام کی تکمیل کے لیے جس کے دودھ پے میں بلاتا ہے اور پوری پوری شقاوت اور گمراہی کا مستحق ہوتا ہے۔

ہے نوع اور صنف میں اللہ تعالیٰ کا یہی قاعدہ جاری ہے اور اس میں کچھ مجاز نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ بات ایسی محقق ہوئی ہے جیسے کوئی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ کا شکر ہے جس نے اس کی بات و سوسہ ہی تک رہنے دی۔ الحمد للہ الہی روامرہ الی الوسوسۃ اور فرمایا ہے شیطان اس بات سے کہ جزیرہ عرب میں مسلمان اس کی پرستش کریں، یوں ہو گیا مگر ان میں باہم بری باتوں کی رغبت والے کی اس وامید ہے الشیطان قد الیس من ان یعبده المسلمون فی حریرۃ العرب ولكن فی التحریش سہیم (اور آنحضرت ﷺ نے جب بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ ہمارے دل میں ہش باتیں ایسی آتی ہیں جن سے زبان سے بے پر ہم کو جرات نہیں ہوتی) تو آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔ ذالک صریح الایمان جاننا چاہیے کہ جس قدر کسی شخص میں وہ سب کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اسی قدر اس کے دل میں وسوسہ کی تاثیر ہوتی ہے بڑی سے بڑی تاثیر وسوسہ شیطان کی یہ ہے انسان کو کافر بنادے اور دین سے اس کو خارج کر دے اور جب اللہ تعالیٰ اس کا ثمر سے بندے کو مفلول کر لیتا ہے تو ان وسوسوں کی تاثیر دوسری صورت میں بدل جاتی ہے۔ یعنی مقاسلات اور تدبیر میں بکاؤ ڈال دے اور گمراہی و فساد پر پال کر تا پھر جب اللہ تعالیٰ اس سے بھی کسی کو مفلول کر لیتا ہے تو پھر وسوسہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور دل ہی دل

میں پیدا ہو کر جاتا رہتا ہے اور چونکہ اس کا اثر اس شخص کے قلب میں ضعیف ہوتا ہے اس لیے یہ وسوسہ کسی کام پر اس کو آمادہ نہیں کر سکتا اس وسوسہ سے اس شخص کو کچھ مضرت نہیں پہنچتی۔ بلکہ جب اس وسوسہ کے ساتھ اس شخص کو قباحت کا بھی علم ہوتا ہے تو یہ اس کی صریح ایمان کی دلیل ہو جاتا ہے۔

البتہ نفوس قدسیہ میں ان باتوں کا کھٹکا بھی نہیں ہوتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے (اس جن پر جو میرے ساتھ رہتا ہے) میری اعانت کی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ بجز بھلائی کے مجھے وہ کچھ نہیں تعلیم کرتا الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یا مرنی الا بخیر۔ اور ان تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاع کا سا ہے کہ لوہے اور قلعی دار چیزوں پر جو اس کا اثر ہوتا ہے دوسری چیز میں وہ اثر نہیں ہوتا علی حسب مراتب۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے دل کے اندر شیطان بھی اپنا اثر کرتا ہے اور فرشتہ بھی ان للشیطان لمة وللملك لمة۔ الحدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ملائکہ کے قلب کے اندر کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ انس الہی اور اعمال صالح کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور شیاطین کی تاثیر کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بجائے انس کے وحشت اور اضطراب اور اعمال صالح کی رغبت کے بدلہ افعال قبیحہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس کسی کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو اس کو اس وقت یہ کہہ دینا چاہیے کہ مجھ کو اللہ اور رسول کا یقین ہے۔ من وجد ذلك شيئا فليقل آمنت بالله ورسوله۔ اور آپ نے فرمایا ہے اس کو چاہیے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور اپنی جانب چپ کو تھوک دے۔ فليستعذ بالله وليتفل عن يساره۔ اس میں یہی نکتہ ہے کہ اس کہنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف التجا اور توجہ اور اس کی یاد اور شیاطین کی تنقیح اور ذلت پائی جاتی ہے اور جب نفس کے اندر اس کی ذلت سما جائے گی اور پھر ان کی طرف نفس کی توجہ اور اس کا رخ ہٹ جائے گا اور ان کا اثر قبول کرنے سے یہ بات اس کو مانع ہوگی۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے تحقیق جو لوگ ہم سے ڈرتے ہیں جب ان پر شیطان کا گزر ہوتا ہے تو چونک جاتے ہیں۔ اور جھٹ ان کو توجہ آ جاتی ہے: ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فاذا هم مبصرون۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے سامنے جھگڑا کیا: اجتمع آدم وموسى عند ربهما۔ میں کہتا ہوں رب کے سامنے جھگڑا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح خطیرۃ القدس کی طرف منجذب ہو گئی اور وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اس نے ملاقات کی اور اصل بھید اس میں یہ تھا کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی معرفت موسیٰ علیہ السلام کو ایک علم کا انکشاف کر دیا۔ جس طرح کوئی شخص حالت خواب میں کسی فرشتہ یا کسی بزرگ کو دیکھتا ہے اور اس سے کچھ بات کرتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے حتیٰ کہ ایک بات جو پہلے سے اس کو معلوم نہیں ہوتی، اس شخص کے ذریعہ سے اس کو معلوم ہو جاتی ہے اور یہاں ایک علم تھا جس کی موسیٰ علیہ السلام کو خبر نہ تھی اس علم کا خدائے تعالیٰ نے اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام پر انکشاف کر دیا۔ اس واسطے کہ اس قصے میں دونوں ہی ہیں۔ ایک تو خاص آدم علیہ السلام کی ذات کے متعلق وہ تو یہ ہے کہ جب تک انہوں نے وہ درخت نہیں کھایا تھا نہ ان کو پیاس لگتی تھی نہ دھوپ نہ بھوکے رہتے تھے نہ ننگے اور فرشتوں کی طرح رہتے تھے اور جب

انہوں نے درخت کو کھایا تو بہیمیت کا غلبہ ہوا اور ملکیت اس کے نیچے پست ہو گئی۔ پس لامحالہ درخت کا کھانا گناہ شمار کیا گیا اور اس سے استغفار ضروری ہوا اور دوسری تدبیر کلی کے متعلق ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے قبل ارادہ کر لیا تھا اور پہلے ہی سے فرشتوں کو اس کی وحی ہو چکی تھی اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کو حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے یہ منظور تھا کہ نوع انسانی زمین میں خلیفہ ہو کر رہے اور پھر اس سے گناہ صادر ہوں۔ اور وہ اپنے گنہوں سے مغفرت چاہیں۔ اور ان کی مغفرت کی جائے۔ اور ان واکام کے ساتھ مکلف کیا جائے۔ اور ان میں رسول کی بعثت ہو۔ اور پھر ثواب اور عذاب اور مراتب کمال اور گمراہی یہ سب چیزیں وقوع میں آئیں۔ اور یہ سب علیحدہ ایک بڑی خلقت ہے اور اس درخت کا کھانا ارادہ الہی اور اس کی حکمت کے موافق تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو فنا کر کے اور لوگ نہ رہنے والے پیدا کرتا کہ گناہ کر کے اس سے مغفرت مانگا کریں اور وہ ان کے گناہ معاف فرمایا کرتے۔

اول بہیمیت کا غلبہ حضرت آدم علیہ السلام پر ہی ہوا ہے کہ علم ربانی کی توان کو کچھ خبر نہ ہوئی اور اول نے چاروں طرف سے ان کا احاطہ کر لیا اور دل ہی دل میں ان پر سخت عتاب کیا گیا۔ پھر اس سے ان کو خلاصی ہوئی اور علم ربانی کی ایک جھلک ان پر پڑی اور جب علیہ السلام تک وہ پہنچ گئی تو سب حال صاف صاف ان پر روشن ہو گیا۔

دو گمان حضرت آدم علیہ السلام کو تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گمان میں تھے۔ حتیٰ کہ اللہ جل جلالہ نے علم ربانی کا ان پر انکشاف فرمایا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح خواب کی تعبیر ہوتی ہے وہ قانع خارجیہ کی بھی تعبیر ہوا کرتی ہے اور امر و نہی میں ظن و تخمین کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے لیے استعداد ہوا کرتی ہے کہ جب وہ پائی جاتی ہے تو اس امر یا نہی کے موجب ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جس طرح دیوانہ کے گھجے سالم تاک تاک کا درست بچہ پیدا ہوتا ہے کہیں سے تم اس کا تاک تاک نہ ہواد کہتے ہو۔ کل مولود یولد علی الفطرة ثم ابواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه کما تنح البہیمة جمعا، هل تحسین فیہا من جدعاء۔

بانا پانیہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قدمہ جاری کر رکھا ہے کہ بات بات میں ان بات اور ان سے سوا ہر ایک چیز کے نوع کو خاص خاص طور پر پیدا کیا ہے۔ مثلاً انسان کی نوع کو اس خاص طور میں بنایا ہے کہ اس کا پورا وجود اس کے لیے اور قد سیدھا اور نائین چھپے ہوئے ہیں اور بات بات میں ان باتوں سے تمام ملذذات میں سے وہ قہر ہو جاتا ہے۔ پس مثلاً انسان کے خلاف جو بات ہے مثلاً بجائے تاک تاک سے وہ نہ پھوٹتا ہے یا اس نے لہر سے پیدا ہو جائیں انی طرح سے خدا کے تعین نے یہ قدمہ بھی جاری رکھا ہے کہ ہر نوع کو تمیز اقوز اس علم اور ادراک مدد و ہدای کے واسطے خاص مگر اس سے تمام افراد میں عام نہی کے رکھا ہے۔ مثلاً شہد کی قسم ہے۔ اس ونبی اور اس کے رکھا ہے کہ جو اس کے مطالب کے درمست ہیں ان کو مہم و بریہ کرے اور اپنے پیچھے رہے اور ان میں شہد بننے پر اسے اب قسمی کا ولی فوائد نہیں نکل پڑتا جس میں یہ ادراک نہ ہو اور بہتر تو یہی ادراک اس کے رکھنے کے لیے اس طرح رکھا ہے۔ پھر ان کے لیے اور آشیانہ بناتا ہے اور اپنے بچہ کو دکھاتا ہے۔ اسی طرح انسان و اللہ پاک نے اپنے بہت اور انواع سے زیادہ تر مہم اور

ادراک کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور پوری پوری عقل دی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کی شناخت اور اس کی عبادت اس کے دل میں رکھی ہے اور اسی طرح دنیا کے اندر جو اس کی بہبودی کے سامان ہیں ان کا ادراک اس کو دیا ہے۔ اس کا ہی نام فطرت ہے اگر انسان کو اس فطرت سے کوئی مانع پیش نہ آئے تو اسی حالت پر انسان بڑی عمر تک رہ سکتا ہے۔ مگر بسا اوقات اس کو عوارض پیش آ جاتے ہیں۔ جیسے ماں باپ کا اس کو گمراہ کر دینا اس کی وجہ سے اس کا علم بعینہ جہل ہو جاتا ہے۔ جس طرح راہب لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کر کے عورتوں کی خواہش اور کھانے کی خواہش اپنے آپ سے بالکل کھود دیتے ہیں۔ باوجودیکہ فطرت انسانی میں یہ چیزیں داخل ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اس وقت میں ان کو اس لیے پیدا کیا ہے۔ **خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ** اور فرمایا ہے وہ اپنے آباء سے ہیں۔ **هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ** اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کرنے والے تھے اللہ کو اس کا پورا علم ہے۔ **اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ** اور آپ نے اپنے ایک بڑے خواب میں بیان فرمایا ہے بنی آدم **ذُرِّيَّةُ اللَّهِ** کی اولاد کی ارواح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہوتی ہیں: **نَسَمُ ذُرِّيَّةِ بَنِي آدَمَ تَكُونُ عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ** میں کہتا ہوں اکثر تو بچے کی پیدائش فطرت پر ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا مگر کبھی کوئی بچہ اس حالت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ بلا کسی عمل کے وہ اعنت الہی کا مستوجب ہوتا ہے۔ جس طرح وہ بچہ کو جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا اس کی فطرت میں کفر داخل تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے آباء سے ہیں یہ احکام دنیا کے متعلق ہے شرائع میں توقف اس وجہ سے نہیں ہوا کرتا کہ وہ معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی واضح موقع سے احکام منضبط نہیں ہوا کرتے یا ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا ان میں اشکال ہوا کرتا ہے۔ جس کو مخاطب نہیں سمجھ سکتے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان کے ہاتھ میں میزان ہے وہ اس کو جھکا دیتا ہے اور اٹھ دیتا ہے۔ **بِيَدِهِ الْمِيزَانُ** **نَخْفِضُ وَنَرْفَعُ** میں کہتا ہوں یہ تدبیر کی طرف اشارہ ہے اس واسطے کہ اس کا بننا اس بات پر ہے کہ جو موافق مصلحت کے ہے اس کو اختیار فرماتا ہے اس کے حال میں ہے: **كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ** اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سب لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگشت میں ہیں۔ **أَنْ قُلُوبُ بَنِي آدَمَ فِي أَصْبَعَيْنِ مِنَ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ** اور فرمایا ہے قلب کا حال ایک پر کا سا ہے جو چنیل میدان میں ہے اور اس کو ہوا لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہے۔ **مِثْلُ قَلْبٍ كَرِيشَةٍ بَارِضٍ فَلَاةٌ يَقْلِبُهَا الرِّيحُ** **ظَهَرَ الْبَطْنُ** میں کہتا ہوں بندوں کے افعال اختیاری ہیں مگر اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اور اس کا حال اس شخص کا سا ہے جو ایک پتھر کو پھینکنے کا قصد کرے اگر یہ پھینکنے والا قادر اور حکیم بھی ہوتا تو اس پتھر کے اندر یہ بات پیدا کر سکتا تھا کہ وہ پتھر خود بخود حرکت کرتا۔ اس پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ جب افعال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اختیار بھی اس نے ہی پیدا کیا تو پھر جزا سزا کس بات پر دی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ جزا و سزا فی الحقیقت بعض افعال الہی کے بعض پر مرتب ہونے کا نام ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ بندے کے اندر ایک حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کی حکمت کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک دوسری حالت راحت یا تکلیف کی پیدا کی جائے جس طرح پانی کے اندر حرارت پیدا کر کے حکمت کا مقتضی ہوتا ہے کہ اس کو ہوا کا جامہ پہنایا جائے۔

اور جزا و سزائے اندر جو بندے کا اختیار اور کسب شرط کیا گیا ہے وہ بالذات شرط نہیں کیا گیا بندہ صرف اس وجہ سے کہ جو اعمال

کسب اور اختیار سے نہیں صادر ہوتے تھے یعنی نفس ناطقہ کے کسب اور اس کے اختیار اور قصد کی طرف ان کی نسبت نہیں ہوتی نفس ناطقہ کے اندر ان کا کچھ رنگ اور اثر نہیں پیدا ہوتا اور حکمت الہی کا مقتضی یہ نہیں ہوتا کہ جن ائمال سے نفس ناطقہ نے کچھ اثر قبول نہیں کیا۔ ان پر بھی بندے کو جزا و سزا دی جائے۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ اختیار غیر مستقل ہے جس کی وجہ سے عمل کا اثر آ سکتا ہے اور یہ کسب جس کی وجہ سے خاص یہی بندہ حالت ثانیہ کے پیدا ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے جزا و سزا کی شرطیت کے لیے کافی ہے۔ یہ ایک نفس تحقیق ہے جو صحابہ اور تابعین کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے۔ فاضلہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اولاد ایک تاریکی کی حالت میں پیدا کیا اور پھر اپنا نور ان کی اولاد پر ڈالا ان میں سے جس کسی کو وہ نور کچھ پہنچ گیا اس کو توبہ دایت ہوگئی اور جس پر اس نور کا پرتو نہیں پڑا وہ گمراہ رہا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ علم الہی پر قدم خشک ہو چکا۔ ان اللہ خلق فی ظلمة فالشی علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اهتدی ومن اخطاه ضل فلذلک اقول جف الظلم علی علم اللہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے سے پہلے ان کا اندازہ کیا تو وہ سب کے سب فی حد ذاتہ کمال سے بالکل ماری تھے اس واسطے مناسب ہوا کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں اور ان پر کتابیں نازل کی جائیں۔ بعضوں کو تو اس سے رہبری ہوگئی اور بعض گمراہ کے گمراہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مرتبہ یہ سب اندازہ کر لیا۔ مگر جو ان کی ذاتی حالت ہے اس کو اس حالت پر جو بعثت رسل کے بعد پیدا ہوتی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی میں حکایت عن رب تعالیٰ بیان فرمایا ہے۔ تم سب کے سب بھوکے ہو۔ سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلا دوں۔ اور تم سب کے سب گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت ر دوں۔ کلکم جائع الامن اطعمة وکلکم ضال الامن هدیہ میں کہتا ہوں یہ بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت کا لے کا واقعہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی خاص زمین میں کسی بندے کے مرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کو وہاں جانے دینا ضرورت پیدا فرمادیتا ہے اذ اقضى الله لعبدان يموت بارض جعل له اليها حاجة اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض حوادث کا وقوع اس لیے ہوتا ہے کہ اسباب کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوق کے مقدر لکھ رکھے ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ کتب اللہ مفادیر الخلائق قل ان یخلق السموات والارض خمیس الف سنة وکان عرشه علی الماء میں بتا ہوں کہ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے لوہ و قلم کو پیدا کیا پھر جتنی چیزوں کا موجود ہونا اس نے پابا عرش کے قوی میں سے ایک قوت میں ہونا اور دوسری قوتوں میں سے نیاں کی قوت کے مثلاً ہے اور جو معتبر منہ بالذکر ہے اس کو پیدا کیا۔ جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے۔

اس کوئی نفس یہ نہ مانے۔ یہ بیان حدیث کے مخالف ہے اس واسطے کہ جو لوگ حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں ان سے نزائیل لوہ اور قلم کی صورت ہیں۔ ان کو امثال ان جانتے ہیں ان کے نزائیل کوئی مہتمم بہ حدیث اس کے بیان میں نہیں وارد ہوتی اور وہ جو روایتیں بیان کر دیتے ہیں وہ اصل کتاب قرآنی ہوتی ہیں۔ حدیث محمدی ان کو نہ بگھٹنا چاہیے اور اصل حدیث میں سے متفرقین جو ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں ان کا مخالف سے خالی نہیں ہے اور متحدہ میں سے اس باب میں کچھ متوال نہیں ہے۔ ان سب

تمام کائنات کا سلسلہ اس وقت میں وہاں پایا جاتا ہے جس کی کتاب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہاں کتابت کا اطلاق ایسا ہی ہے جس طرح سیاست مدینہ میں اس کا اطلاق تعین اور ایجاب پر آیا کرتا ہے اسی معنی میں یہاں بھی مستعمل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں ہے کہ لکھے گئے تمہارے اوپر روزے۔ کتب علیکم الصیام۔ اور اس کلام میں جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو تمہارے اوپر یہ بات لکھی گئی: کتب علیکم اذا حضر احدکم۔ الخ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے: ان الله كتب علی عبده خطه من الزنا۔ الحدیث اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں لڑائی میں لکھا گیا۔ حالانکہ وہاں مجاہدوں کے لیے کوئی دفتر نہ تھا جیسا کہ کعب بن مالکؓ نے بیان کیا ہے اور اسی طرح عرب کے اشعار میں بہت کثرت سے آیا ہے۔ پچاس ہزار سال کا ذکر کرنا یا تو اسی قدر مدت کی تعین ہے اس سے طول مدت مراد ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور پھر اپنا دانا بنا ہا تھا ان کی پشت پر پھیرا۔ ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه۔ الحدیث میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ابوالبشیر بنایا تو ان کے وجود میں تمام ان کی اولاد کی حقیقت داخل کر دی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی وقت میں تمام ان ذریات کا علم جن پر بمقتضائے ارادہ الہی ان کا وجود مشتمل تھا۔ عطا فرمایا اور ان سب کا ایک صورت مثالیہ میں ان کو مشاہدہ کر دیا اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور اور ظلمت کی صورت میں ظاہر کر دیا اور ان کی جبلت میں تکلیف کی قابلیت کو سوال و جواب اور اپنی جانوں پر لازم کر لینے کی صورت میں دکھا دیا پس ان سے جو کچھ مؤاخذہ کیا جاتا ہے ان کی اصلی استعداد ہے اس کا منشاء ہے اس کی نسبت اگرچہ ظاہری صورت انسانی کی طرف کر دی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ چالیس روز تک تمہاری خلقت ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ ان خلق احدکم یجمع فی بطن امه اربعین یوماً۔ الحدیث میں کہتا ہوں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر دفعتاً نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت کی حالت اپنی حالت سابقہ اور لاحقہ کے مغائر ہوتی ہے اور جب تک صورت دموی سے اس کو پورا پورا تغیر نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا نام نطفہ رہتا ہے اور جب اس میں خفیف سا انجماد ہو جاتا ہے تو اس کا نام علقہ ہو جاتا ہے اور جب پورا پورا اس کو انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ملائم ملائم ہڈیاں بھی بن جاتی ہیں اور جس طرح ایک خاص وقت میں زمین میں کھجور کی گٹھلی کو داب دیں اور ایک تدبیر خاص اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس خرما کے نوع اور اس زمین اور اس پانی اور اس وقت کی خاصیت جانتا ہے وہ جان جاتا ہے کہ یہ خوب اُگے گی۔ اور اس کے حال سے اور بعض بعض باتیں اس کو معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بچہ کا حال جو اس کی سرشت کا تقاضا ہے۔ بعض فرشتوں پر کھول دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانا دوزخ اور جنت میں سمجھا ہوا نہ ہو۔ مامنکم من احدا لا وقد کتب له مقعده من النار و مقعده من الجنة۔ میں کہتا ہوں یہ لوگوں کے اصناف کے متعلق ہے اور کوئی صنف ایسی نہ ہوگی جس میں کمال اور نقصان اور عذاب و ثواب نہ ہوگا۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ٹھکانا دوزخ یا جنت میں سے اور اللہ پاک کا یہ کلام کہ جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت پر ہاتھ پھیر کے ان کی اولاد کو نکالا۔ واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم الخ اس حدیث کے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیر کے ان کی اولاد کو نکالا ثم مسح ظهره بيمينه واستخرج

منہ ذریعہ مختلف نہیں ہے اس واسطے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد نکلا۔ اور ان کی اولاد کی پشت سے اولاد کی اولاد نکلا۔ اسی طرح قیامت تک جس ترتیب سے وہ موجود ہوتی گئی ان کی پشتوں سے اولاد نکال نکال کر ان سے عہد لیتے رہے قرآن میں اس کا قصہ پورا پورا مذکور نہیں تھا۔ حدیث شریف نے اس کا قصہ بیان کر دیا اور اللہ پاک فرماتا ہے پس جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور اچھی بات کی اس نے تصدیق کی: **فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى** یعنی جو رے علم میں جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے تو خارج میں ہم آہستہ آہستہ اس کو ان اعمال کی طرف اب پہنچا دیں گے۔ اس توجیہ سے حدیث اس کے اوپر منطبق ہوئی۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے قسم ہے جان کی اور جو اس کو ٹھیک کیا اور پھر اس کی نافرمانی اور پرہیز گاری اس کو بتا دی۔ میں کہتا ہوں الہام سے یہاں نفس کے اندر فجور کی صورت کا پیدا کر دینا ہے۔ جس طرح ابن مسعود کی حدیث میں گزر چکا۔ اس واسطے کہ الہام اصل میں ایک صورت عالیہ کے پیدا کرنے کا نام ہے جو علم کا منشا ہوتی ہے۔ اور مجزا اس سے ایک صورت اجمالیہ جو مبداء آثار ہوتی ہے اگرچہ اس کی وجہ سے عالم نہیں کہہ سکتے مراد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

ان احادیث کا بیان جو کتاب و سنت سے دلیل پکڑنے کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

جس قدر تحریف کے راستے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان سب سے اپنی امت کو ذرا یا اور ان سے سخت نہیں فرمائی ہے اور اس کے متعلق اپنی امت سے مہد و بیان لے لیے ہیں سب سے بڑا سبب تہاؤن کا یہ ہے کہ لوگ سنت پر عمل چھوڑ دیں اس کے باب میں آپ فرماتے ہیں مجھ سے قبل اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی کسی امت میں ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی امت میں سے کچھ لوگ اس کے حواری اور دوست اس سنت پر عمل کرنے والے اور اس کے قسم کے فرمانبردار پیدا نہ کیے ہوں۔ پھر ان کے بعد اہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو وہ سنت میں لڑتے نہیں ہیں۔ اور جن باتوں کا تعلم ان کو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ ایماندار ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے:

مَامِنْ نَسِي بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي اَمْتِه قَبْلِي الْاَكَانَ لَهُ مِنْ اَمْتِه حَوَارِيُونِ وَاَصْحَابُ يَاخِذُوْنَ
سُنَّتَهُ وَيَنْتَدُوْنَ بِاَمْرِهِ ثُمَّ اِنْهَا تَخْلَفُ مِنْ بَعْدِهِمْ حُلُوفٌ يَقُولُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ
مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ حَاوَدَهُمْ بِيَدِهِ فَبُهِمَ مَوْمِمْ وَمِنْ حَاوَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَبُهِمَ مَوْمِمْ وَمِنْ
حَاوَدَهُمْ بَعْلِهِ فَبُهِمَ مَوْمِمْ وَلَيْسَ وِرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حِصَّةٌ حَرْدَلٌ

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میں تم میں سے کسی کو اپنے تحت پر تہاؤن نہ کرے گا۔ جو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ جس بات کا میں نے علم دیا ہے یا اس سے نہیں لی ہے وہ امر ہو یا نہی ہو اس کو معصوم نہ اور وہ بدعت ہے میں ان باتوں کو نہیں جانتا۔ جو قرآن میں مودود ہیں ہم لوگ تو ان باتوں پر کرتے ہیں لا الفیس احدکم منکمنا علی اریکنہ یاتنہ الامر من امری مما امرت به او یسب عند فیلول لا ادری ما وحدثناہ فی کتاب اللہ ابتعاہ اور آنحضرت ﷺ نے عمل ہاتھ پر خاص کر جب کہ لوگ مختلف ہوں بہت ترفیع دی ہے۔

اور منجملہ اسباب تہا ان کے تشدد بھی ہے جس کی نسبت آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو پھر اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اوپر سختی کرے گا۔ لا تشدوا علی انفسکم فی شدد اللہ علیکم اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبادت شاقہ کا قصد کیا تو آپؐ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور اسی طرح کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ کی عبادت و سی سبھا اور خود اعمال شاقہ کا قصد کیا تو آپؐ نے ان کو منع فرمایا۔ اور منجملہ ان کے ایک ہر چیز کی زیادہ تحقیق اور اس میں بہت مبالغہ کرنا ہے۔ اس کی نسبت آپؐ نے فرمایا ہے۔ لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ ایک بات کو میں تو کر لیتا ہوں اور وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا پیچانے والا ہوں: ما بال اقوام یتنہون عن الشیء افعلہ انی لا علمہم باللہ واشدھم خشیتہ لہ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ہدایت پر ہونے کے بعد جو قوم گمراہ ہوئی ہے اس کی وجہ ان کا نفاق باہمی اختلاف اور جھگڑا ہوا ہے ما اضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ لا او تو الجدل اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اپنی دنیا کی باتوں سے تم خوب واقف ہو۔ انتم اعلم بامور دنیاکم اور بعض صحابہؓ نے یہود سے کچھ باتوں کے سیکھنے کا ارادہ کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا جس طرح یہود و نصاریٰ مذہب بذب ہو رہے ہیں کیا تم بھی اسی طرح اپنے دین میں مذہب بذب ہونا چاہتے ہو۔ میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لے کر آیا ہوں۔ اور اگر حضرت موسیٰؑ زندہ ہوتے تو سوائے میری تابعداری کے ان کو چارہ نہ ہوتا۔ وامتھو کون انتم کما تھوکت الیہود و النصاری لقد جئتکم بہا بیضاء نقیة و لو کان موسیٰ حیالما وسعہ الا اتباعی اور جو شخص اسلام کے اندر جاہلیت کے برتاؤ کو پسند کرے آنحضرتؐ نے اس کو بغض الناس میں داخل کیا ہے۔

از انجملہ ایک استحسان ہے اس کی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ہمارے اس دین میں جو کوئی ایسی بات ایجا کرے جو اس میں نہیں ہے وہ رد ہے۔ من احدث فی امرنا هذا مالیس منہ فہورد اور ملائکہ نے آنحضرتؐ کی مثال اس شخص کی سی بیان کی ہے کہ اس نے ایک مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ مثل رجل بنی دار او جعل فیہا مادبہ وبعث داعیا۔ الحدیث میں کہتا ہوں اس میں لوگوں کے مکلف کرنے کی طرف اشارہ ہے پورے طور پر سمجھا دینے کے لیے ایک محسوس چیز کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ہے۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے میرا حال اس شخص کا سا ہے کہ اس نے آگ کو روشن کیا: مثلی کمثل رجل استوقد نارا۔ الحدیث اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے میری اور اس چیز کی مثال جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی مثال ہے کہ وہ شخص ایک قوم کے پاس آئے اور ان سے کہے میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے انما مثلی و مثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رايت الجیش بعینی۔ الحدیث یہ حدیث اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ بعض اعمال قبل از بعثت بھی بذاتہ مستوجب مذاب ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور علم کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کی ایک مثال ہے جیسے بہت زور کا پانی زمین پر برستا ہے مثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل الغیث الكثير اصاب ارضا۔ الحدیث یہ اصل میں اس ہدایت کا جواب قلم کو آنحضرتؐ سے حاصل ہوئی۔ خواہ سراحتہ روایت کے ذریعہ سے یاد آئے

بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کر کے لوگوں کو مطلع کیا انہوں نے شرع کا اتباع کیا اور لوگوں نے ان کی اقتداء سے رہبری حاصل کی اور جہلاء کے اس ہدایت کے قبول نہ کرنے کا بیان ہے۔ اور ایک مرتبہ جب آپؐ نے بہت ہی تاکید سے لوگوں کو نصیحت کی تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ میرے اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے طریقے کو اپنے اوپر لازم کر لینا۔ **فعلیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدين المہدیین**۔ میں کہتا ہوں دین کا انتظام آنحضرتؐ کی سنت پر موقوف ہے اور سیاست بشری کا انتظام اسی وقت ہو سکتا ہے کہ خلیفہ جس بات کا مذاہیر ملکی یا جہاد کے متعلق اپنے اجتہاد سے حکم دے لوگ اس کے حکم کو مانیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کا یہ حکم خلاف نص یا بدعت کے قبیلہ سے نہ ہو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس خط کے ادھر ادھر اور خط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستہ ہیں ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے۔ جو لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے اور آپؐ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِیْ۔ (تحقیق یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر تم چلو اور راستوں پر مت چلو۔ ورنہ اللہ کے راستے سے پھڑکاؤ گے) **خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطانہما قال ہذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینہ و عن شمالہ و قال ہذہ سبل علی کل سبیل منہا شیطان یدعوا الیہ**۔ میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ وہی ہے جو تمام عقائد اور اعمال کے اندر کتاب اور سنت اور جمہور صحابہؓ پر اورتابعین کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اگرچہ تابعین میں ان باتوں کے اندر جن میں کوئی نص مشہور نہیں ہے اور نہ صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا مختلف ہیں اور اپنے اپنے قول پر بعض بعض امور سے استدلال کرتے ہیں یا کہیں مجمل کی تفسیر کر دیتے ہیں اور جو فرقہ عقیدہ سلف کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے عمل کے خلاف کوئی عمل کا لے وہ غیر ناجیہ ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔ **لا یجتمع امتی علی الصلاۃ** اور فرمایا ہے ہر صدی کے بعد اللہ تعالیٰ اس امت میں ایک ایسے شخص کو پیدا کرتا رہے گا۔ جو اس امت کے امین و نیا کرتا رہے گا۔ **یبعث اللہ لہذا الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدو لہا دینہا**۔ اس حدیث کی آنحضرتؐ نے دوسری ایک حدیث میں تفسیر فرمادی ہے اور فرمایا ہے ہر خلف کے عادل و گمراہ اس صم کا پار اٹھائیں گے اور ان سے آمیزش کرنے والوں کی تحریف بھونوں کی بہتان بندی جہلوں کی تاویل کو دور کر دیں گے۔ **بحمل ہذا العلم من کل حلف عدولہ یفون عنہ تحریف الذلین و انتحال المبطلین و تاویل الحاہلین**۔ بنا پانیہ کہ جب لوگوں نے دین میں اختلاف اور ملک میں فساد پیدا کیا تو اس نے سب سے جو دالہبی کے دروازہ کو کھلتی ہوئی اور اسہ قتالی نے دین کی کئی سے درست کرنے کے لیے ہم کو مدد و روانہ کیا۔ پھر جب آنحضرتؐ نے اس عالم سے وفات پائی تو جینہ یہ عنایت الہی امت میں آنحضرتؐ کے بعد اسے علم اور ہدایت کے منقولہ رشتے کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کو الہامات اور تمایلات کا فیضان شروع ہو گیا۔ یہ وہ ذلیفۃ القدس نے اس ہدایت کے قیامت تک ان میں برقرار رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس لیے مجاہدینے لوگوں کا پیدا کرنا ضروری ہوا جو دین الہی کے پابندوں اور دوسرے سب کسی گمراہی کی بات پر اتفاق نہ کر سکیں اور قرائن ان کے اندر منقولہ روئے یلین باتوں سے واقف ہو جائیں۔ بعد ازیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے کسی قدر رد و بدل بھی لوگوں کی وجہ سے ہو جاتا ممکن ہے

اس واسطے مستعد لوگوں میں جو بیدار ہوتے ہیں علم کی رغبت پیدا کی جاتی ہے وہ تحریف غامض جس سے دین میں سختی مراد ہے اور جھوٹوں کی تبدیلی جس سے مذہب کا خلط ملط کرنا مراد ہے اور جابلوں کی تاویل جس سے سستی مراد ہے دور کر دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین۔ اور فرمایا ہے علماء لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔ ان العلماء ورثہ الانبیاء۔ اور فرمایا ہے عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم۔ اور اسی قسم کی اور حدیثیں فرمائی ہیں۔

معلوم کرو کہ جب کسی شخص پر عنایت الہی کا ورود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو تدبیر الہی کا اہل بناتا ہے تو یہ بات لا بدی ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور فرشتوں کو اس کے ساتھ محبت کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا حکم ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہوتا ہے اور زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی تو وہی عنایت خاصہ اس دین کی حفاظت کی حیثیت سے علماء اور روایات اور پیروی کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان میں بے شمار فوائد اور برکات پیدا کر دیئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے خوش رکھے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور محفوظ کر لے اور پھر جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دے۔ نصر اللہ عبد اسمع مقالتی فحفظها وادعایا کما سمعها۔ میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب یہ ہوا کہ ایسا شخص اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت نبویہ کو خلق کی طرف پہنچائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ بولے اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانا چاہیے۔ من کذب علی متعمداً فلیتبؤا مقعده من النار۔ اور فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں دجال اور کذاب پیدا ہوں گے۔ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون۔ میں کہتا ہوں اخیر زمانوں تک دین کے پہنچنے کا ذریعہ روایت ہی ہے اور جب روایت ہی کے اندر فساد داخل ہو جائے تو اس کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنا سخت گناہ ہوا۔ اور روایت کے اندر بڑی احتیاط کرنی ضرور ہوئی تاکہ کذب لازم نہ آئے اور فرمایا ہے بنی اسرائیل سے روایت کرو اور کچھ مضامین نہیں ہے۔ حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج۔ اور فرمایا ہے کہ ان کی نہ تو تصدیق کرو۔ اور نہ تکذیب کرو۔ ولا تصدقوہم ولا تکذبوہم۔ میں کہتا ہوں اگر اعتبار کرنے کے لائق ہو تو اہل کتاب سے روایت کا کرنا درست ہے جہاں احکام دینی میں اختلاف کا اندیشہ نہ ہو ورنہ درست نہیں ہے۔

ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ بہت سے بنی اسرائیل کے قصے جو کتب تفسیر میں اور اخبار میں مذکور ہیں اکثر وہ علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ کسی حکم شرعی یا اعتقاد کی بناء ان کو قرار دیا جائے۔ فتدبر

اور فرمایا ہے جس علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مطلوب ہوتی ہو اور پھر اس کو کوئی شخص متاع دنیا کے حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی اس تک نہ پہنچے گی: من تعلم علما مما یتبغی بہ وحہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة۔ میں کہتا ہوں دنیا کے لیے علم دین کا سیکھنا حرام

ہے جس کی غرض یہی معلوم ہوتی ہے بدو وجہ اول تو یہ کہ ایسا شخص غالباً غرض دنیوی کے واسطے دین کے اندر ایک ضعیف سی تاویل کر کے تحریف کر سکتا ہے لہذا اس راستہ کا بند ہی کر دینا ضرور ہوا دوسرے یہ کہ اس میں قرآن و حدیث کی بے حرمتی اور اس کی جھٹک ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب کسی شخص سے کوئی علمی بات جس کو وہ جانتا ہو دریافت کی جائے پھر وہ چھپائے تو قیامت کے روز اس کے آگ کی لگام دی جائے گی۔ میں کہتا ہوں جب بیان کرنے کی حاجت ہو تو اس وقت مسئلہ کا بیان نہ کرنا اور چھپالینا حرام ہے اس واسطے کہ اصل تباہی اور احکام دینی کے نسیان کا سبب یہی ہے اور اعمال کی جزا و سزا کچھ کچھ اعمال کے مناسب ہوا کرتی ہے نہ کہ یہاں پر نہ مسئلہ کا چھپالینا اور بیان نہ کرنا تھا۔ اس واسطے کہ میں لگام دینے سے اس کو سزا دی گئی جو بات نہ کرنے اور رک جانے کے مناسب ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے علم تین ہیں آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے۔ العلم ثلثہ آية محکمہ او سنتہ قائمہ او فریضہ عادلہ و ما کان سوی ذلک فهو فضل میں کہتا ہوں یہ آنحضرت ﷺ نے جس قدر لوگوں پر سیکھنا و ادب بالکفایہ ہے اس کی حد بیان فرمائی ہے۔ اب ایک تو قرآن کا لفظاً سیکھنا واجب ہے اور آیات معانی کے اندر الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول اور جو اس میں سے وقت ضرب ہے اس کی توجیہ اور تالیخ و منسوخ و معرفت ضروری ہے۔ باقی رہا قشہ اس کا حکم یا تو توقف ہے یا حکم کی طرف اس کا رجوع کر لینا ہے اور سنت قائمہ وہ ہے جو مبادیات یا معاملات میں شرائع اور سنن ہوں جن پر علمائے مشتمل ہے اور قمر کی یہ تعریف ہے کہ جو منسوخ نہ ہوئی ہو اور نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹے یا ہو۔ اور جمہور سنا ہے اور تابعین کا اس پر عملدرآمد رہا ہوا ان میں سے سب سے بڑھ کر وہ ہے کہ جس پر فقہاء مدینہ اور وفاء کا اتفاق ہو اور اس کی پہچان یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہو۔ اور اس کے بعد وہ ہے کہ اس میں جمہور صحابہ سے اتفاق یا قیمن قول ہوں اور ہر قول پر اہل علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہو۔ اور اس کی یہ شناخت ہے کہ موصح اور جامع عبدالرزاق و فیہ و میں ان کی روایات پائی جاتی ہوں اور اس کے سوا بڑھ چھ ہے وہ بعض فقہاء کا استنباط ہے اور بعض کا نہیں ہے اور فریضہ عادلہ وراثت کے معنی کا معلوم کرنا ہے۔ اور ابواب فقہاء جو مسلمانوں کے اندر انصاف سے قبیح منازعت کرنے کے متعلق ہیں وہ بھی اسی کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہ قیمن پینے ایسی ہیں کہ شہر کا ان چیزوں کے واقف سے خالی رہنا حرام ہے۔ کیونکہ ان پر دین کا مدار ہے۔ جو ان کے سوا ہیں وہ افضل اور زیادتی کے قبیلہ سے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے مفاہات یعنی ان باتوں سے جو لوگوں کے امتنان لینے کے لیے تلاش کی ہیں اور جو اب دینے والے اس میں غلطی واقع ہوئے فرمایا ہے اور ان کی وہ ہیں ایک تو یہ کہ ایسی باتوں میں مسئول ہو کر دینا اور پہچاننا اور تاویل کرنا مفسور ہونا ہے اور اپنا محبوب اور بڑائی مقصود ہوا کرتی ہے دوسرے یہ کہ اس میں قبیح بات پایا جاتا ہے اور سنتی اس میں ہے جو سنا ہے یا راستے سے۔ کہ جو ہنگام سنت میں موجود ہے اس پر توقف کرنا چاہیے یا جو منزل ظاہر کے ہے ایماء اقتضا ہو اے کلام کے قبیلہ سے اور بہت امعان مناسب نہیں ہے اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ جب تک ایک حدیث وقوع میں نہ آئے اور اجتہاد کرنے کی حاجت نہ ہو خواہ مخواہ اس میں اجتہاد کر رکھنے میں غلطی کا ظن غالب ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص اپنی عقل سے قرآن میں کوئی بات نہ پائی ہمدانہ میں نہ پائی پائے میں قال

فی القرآن براہیہ فلیتنبؤا مقعدہ من النار میں کہتا ہوں جو شخص اس زبان سے جس میں قرآن نازل ہوا ہے واقف نہ ہو اور نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے ذریعہ سے اس کو الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول اور تاریخ اور منسوخ کا پتہ نہ ہو اس شخص کو تفسیر کا لکھنا حرام ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے قرآن کے اندر جھڑا کرنا کفر ہے المرء فی القرآن کفر میں کہتا ہوں قرآن کے اندر مجادلہ حرام ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ کوئی شخص ایک حکم کو جو قرآن کے اندر منصوص ہے کسی شبہ سے جو اس کے دل میں واقع ہوا ہے رد کرے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ تم سے پہلے لوگ تو اسی واسطے تہہ ہو گئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو بعض کو بعض سے لایا۔ انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض میں کہتا ہوں قرآن کے ساتھ مدافع کرنا حرام ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے اثبات مذہب کی غرض سے استدلال کرے اور دوسرا شخص اپنے مذہب کے ثابت کرنے کے لیے اور دوسرے مذہب کے ابطال یا بعض ائمہ کے بعض پر تائید کرنے کی غرض سے دوسری آیت پیش کرے اور اس کا پورا پورا قصد اس بات کا نہ ہو کہ حق ظاہر ہو جائے اور حدیث میں بھی مدافع کرنے کا یہی حال ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے آیات قرآنی میں سے ہر ایک کے لیے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر حد پر اطلاع کا جدا ذریعہ ہے لکل آية منها ظہر و بطن ولكل حد مطلع میں کہتا ہوں زیادہ تر قرآن کے اندر صفات الہی اور اس کے آیات اور احکام اور قصص اور کفار سے اجتماع اور جنت و نار کے ساتھ موعظت کا ذکر ہے قرآن کا ظاہر تو یہ ہے کہ جس کے لیے سوق کلام ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہو جانا اور اس کا باطن آیات صفات میں نعمائے الہی میں فکر اور مراقبہ کرنا اور آیات احکام کے اندر اس کے ایماء اور اشارہ اور فحوائے اور اقتضاء سے اور مسائل کا استنباط کرنا جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیت وَحَمَلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا سے اس بات کا استنباط کیا ہے۔ کہ مدت حمل کی کبھی چھ ماہ کی بھی ہوتی ہے۔ لقوله تعالى حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور قصص کے اندر اس کا باطن یہ ہے کہ ثواب اور مدح یا مذاب اور ذم کا مدار کن کن باتوں پر ہے اور موعظت کے اندر رقت قلب اور خوف و رجاء کا ظاہر ہونا اور اسی قسم کی اور باتیں اور حد کے اوپر اطلاع کا ذریعہ استعداد ہے جس سے وہ حد معلوم ہو سکتی ہے جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور ذہن کی صفائی اور سمجھ کی پختگی۔

اللہ پاک فرماتے ہیں ﴿آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ میں کہتا ہوں بظاہر محکم کے معنی یہ ہیں کہ جس میں ایک وجہ کے سوا دوسری وجہ کا احتمال نہ ہو جیسے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ﴾ اور متشابہ وہ ہے جس میں کئی وجوہ کا احتمال ہو۔ جیسے ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعُمُوا﴾ کائنات فہموں نے تو اس آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ جب تک کسی پر ظلم یا زہم میں چوفسا نہ ہو شراب کا پینا درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حرام ہونے سے پیشتر شراب پی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے عمل تو نیت کے ساتھ ہیں انما الاعمال بالنیات میں کہتا ہوں اصل تو نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں مگر یہاں اس کی ملت غائیہ مراد ہے جس کا آدمی کے دل میں اول تصور آتا ہے اور پھر وہ ایک فعل کا منشا ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ سے ثواب یا اس کی رضا مندی کا طالب ہونا اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ نفس کی تہذیب اور اس کی کجی کے دور کرنے

میں اعمال کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب تک ان کے صادر ہونے کا باعث کسی ایسی شے کا تصور نہ ہو جس کا مال تہذیب ہوتی ہے۔ اور عادت یا لوگوں کی موافقت یا ریاضہ یا جبلت کا تعلق نہ ہو جس طرح ایک شجاع آدمی سے قتال کا صادر ہونا جو بغیر قتال کے نہیں رہ سکتا ہے اگر وہ وقت کفار کے ساتھ بہادری کا نہ ہوتا تو وہ اس اپنی شجاعت کو مسلمان کے قتال میں صرف کرتا جس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ ایک مرد کھادے کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک بہادری سے ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے وہ قتال کرتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کی بات سب سے اونچی رہے تو اس کا لڑنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے **من قاتل لنکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ** اور اس میں مجید یہ ہے کہ دل کا ارادہ تو عمل کی روح ہے اور عمل اس کی صورت اور شبہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو بچ لیا **الحلال بین والحرام بین و بینہما مشتبہات فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ دنیا و عرضہ** میں کہتا ہوں ایک مسئلہ کے اندر کبھی وجوہ مختلف ہو جاتی ہیں تو اس وقت میں احتیاط اور اس سے بچنا سنت ہے۔ تعرض کی ایک شکل تو یہ ہے کہ صراحۃً اس کے اندر روایات مختلف ہوں جیسے ذکر کے چھو لینے سے وضو نوتا ہے یا نہیں بعض نے اس کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے اور ہر ایک حدیث سے شبہات پیش کرتا ہے۔ یا حرم کے لیے نکاح ہے کہ بعض نے تو تجویز کیا ہے اور بعض نے منع کیا ہے اور روایتیں مختلف ہیں اور ایک شکل یہ ہے کہ وہاں ہولند استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی کو کچھ غیر منضبط ہیں یعنی فقط تقسیم یا مثال سے اس کے معنی معلوم ہوئے ہیں مگر ایک جامع اور مانع ترریف سے اس کے معنی معلوم نہیں ہیں تو وہاں تین مادے پیدا ہو جاتے ہیں ایک تو وہ مادہ کہ جہاں اس لفظ کا یقیناً اطلاق ہو سکتا ہے اور ایک وہ کہ جہاں یقیناً اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور ایک وہ کہ وہاں اس کے اطلاق کا صحیح ہونا یا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اور ایک شکل یہ ہے کہ ایک جملہ غم کا مدار ایک ملت پر ہے جس میں ایک مقصود کا یقینی گمان ہوتا ہے اور ایک نوع اس کی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہاں سے تو بے گروہ مقصود وہاں نہیں پایا جاتا۔ جیسے ایک لونڈی کو ایسے شخص سے خرید لیا کہ اس میں جماع کی قیادت نہیں ہے تو وہاں اتنا اثر ہے چاہیے یا نہیں۔ پس یہ صورت اور اس قسم کی جس قدر صورتیں ہیں سب کے اندر احتیاط بہت ضروری ہے آنحضرت ﷺ نے باب پانچ طرح سے قرآن نازل ہوا ہے۔ حرام اور حلال اور محکم اور مکش ہے اور امثال رسول اللہ ﷺ علی حمہ او حہ حلال و حرام و محکم و متناہ و امثال میں کہتا ہوں یہ پانچوں حصہ کتاب کی قسمیں ہیں اگر قیامات مختلف ہیں لہذا ان میں نمانع اتقی اور متناہ نہیں ہے اس لیے یہ قسم بھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے اور دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ آیات قرآنی یا احادیث نبوی قیامات کے قیام سے ہیں ان میں قتل کو قتل نہ دیا جائے اور اسی قسم کے اور بہت سے امور ہیں۔ کہ وہاں معلوم نہیں ہوتا کہ ہام کے معنی قیامی مراد ہیں یا کوئی معنی مجازی جو حقیقت کے قریب ہیں۔ اور مراد ہیں۔ اور یہ وہاں ہے کہ بابت متناہ نہیں پایا جاتا اور اس سے شبہ مرتفع نہیں ہوا ہے۔ واللہ اعلم

ان احادیث کا بیان جو لہجہ بارت کے باب میں وارد ہوئی ہیں

مفسرین نے اس میں ایک تو حدیث سے طہارت دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کے ساتھ جو بارت متعلق

ہو اس سے طہارت تیسرے بدن سے جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے طہارت جیسے موئے زیر ناف یا ناخن یا میل کچیل طہارت عن الاحداث کا مدار اصول پر ہے جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیت کا ظہور ہو گیا ہے وہ ناپاکی اور طہارت کی روح کو خوب متمیز کر سکتے ہیں ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے نفرت اور اس حالت سے جس کا نام طہارت ہے۔ سرور اور ایک قسم کا انشراح محسوس ہونے لگتا ہے اور طہارت کی صورتوں اور ان کی موجبات کے تعین ملل سابقہ یعنی یہود و نصاریٰ و مجوس اور بقایا ملت اسمعیلیہ کے دستور سے خوب معلوم ہو سکتی ہے ان کے نزدیک ناپاکی اور ایسے ہی اس سے طہارت دو طرح کی ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ سابقہ ہم بیان کر چکے ہیں اور عرب کا قدیمی دستور تھا کہ جنابت سے وہ غسل کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی دونوں قسم کے حدث کے مقابل میں دو قسم کی طہارت کو مقرر فرمایا طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنابت کے لیے اس واسطے کہ جنابت قلیل الوقوع اور کثیر الثبوت ہے تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں واقع ہونے سے ایک عمل شاق (یعنی غسل) سے جس کا آدمی کو بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ تنبیہ ہو جائے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر کے لیے مقرر فرمایا اس واسطے کہ وہ اکثر الوقوع اور قلیل الثبوت ہے اور اس میں نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جانی کافی ہے۔

فی الحقیقت وہ امور کہ جن میں حدث یعنی ناپاکی کے معنی پائے جاتے ہیں بہت کچھ ہیں جن لوگوں کا ذوق سلیم ہوتا ہے وہ اس کو معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر وہ حدث کہ جس سے تمام دنیا کو مخاطب کر سکیں چند خارجی اور کے اندر منضبط ہے جن کا ظاہر میں نفس کے اوپر اثر پڑتا ہے تاکہ ظاہر میں لوگوں سے اس کی باز پرس ہو سکے اسی واسطے اگر پیٹ کے اندر ہی اندر کچھ حرکت ہوتی رہے اس پر حدث کا مدار نہیں رکھا گیا۔ بلکہ جب سبیلین یعنی پیشاب پانچخانہ کے راستے سے کوئی چیز نکلے اس پر حدث کا مدار رکھا گیا۔ کیونکہ پہلی صورت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا اور اگر معدے کے اندر ہی اندر کچھ حرکت ہو تو خارج میں وضو کر لینے سے کچھ اس کا ارتفاع نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت یعنی سبیلین سے کسی چیز کا باہر نکلنا یہ ایک محسوس چیز ہے اور یہ بھی ہے کہ نفس کے انقباض کے لیے یہاں ایک ظاہری صورت اور اس کا قائم مقام یعنی نجاست بدن کا آلودہ ہونا پایا جاتا ہے۔ اور نیز نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب بدن سے کوئی چیز باہر کی جانب خروج کرے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اس کلام میں کہ جس وقت اضبان یعنی پیشاب پانچخانہ کی تم میں سے کسی شخص کو حاجت معلوم ہوتی ہو تو وہ ایسے وقت میں نماز کو کھڑا نہ ہو جائے۔ لایصلی احدکم وهو بدافعہ الاخبثان۔ تنبیہ فرمادی ہے کہ صرف نفس کے مشغول ہونے میں بھی حدث کے ایک معنی پائے جاتے ہیں۔

جن امور میں طہارت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ بہت سے امور ہیں جیسے خوشبو لگانا اور اسی طرح سے وہ اذکار جو پاکی کو یاد دلاتے ہیں۔ جیسے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین اور آنحضرت ﷺ کا یہ قول اللھم نقنی من الخطایا کما نقیت الثوب الابيض من الدنس اور پاکیزہ مکان میں جانا اور اسی قسم کی باتیں بہت سی ہیں مگر تمام خلقت کو ایسی چیز کے ساتھ مکلف اور مخاطب کر سکتے ہیں جو ایک منضبط اور معین چیز ہو اور ہر وقت اور ہر جگہ اس کا کرنا اس کے واسطے دشوار نہ ہو اور بظاہر بھی اس کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہو۔ اور لوگوں میں اس قسم کا کچھ پہلے سے بھی دستور رہا ہو۔

وضو کے اندر اصل اطراف بدن کا دھونا ہے اس لیے شارع نے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا مقرر کیا۔ کیونکہ اس سے کم کا نفس پر کچھ اثر محسوس نہیں ہو سکتا۔ اور پیروں کا ٹخنوں تک دھونا مقرر کیا۔ اس واسطے کہ اس سے کم عضو نا تمام ہے اور سر کے واسطے صرف مسح کر لینا مقرر کیا۔ کیونکہ اس کا دھونا خالی از وقت نہیں ہے اور غسل کے اندر تمام بدن کا دھونا ہی اصل ہے اور وضو کا اصل موجب وہی ہے۔ جو بول و براز کے راستے سے خارج ہو۔ اور باقی موجبات وضو اس پر قیاس کر لیا ہے اور اصل غسل کا موجب جماع اور حیض ہیں اور یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وجود باوجود سے پہلے عرب بھی ان غسل کا موجب مانتے رہے ہیں۔

طہارت کی دونوں اخیر قسمیں ارتفاقات سے ماخوذ ہیں کیونکہ دونوں طبیعت انسانی کا متفقہ اصل ہیں۔ کوئی قوم اور کوئی ملت اس سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اس کے اندر شارع نے اسی درمیانی حالت کا اعتبار کیا جو خالص عرب کے اندر دستور تھا۔ جس طرح اور باقی ارتفاقات درست کرنے میں انہیں کا اعتبار کیا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا صرف یہی کام تھا کہ آداب متعین کر دیئے اور جہاں کہیں اشکال تھا اس کو صاف کر دیا۔ اور جہاں ابہام تھا اس کو دور کر دیا۔

وضو کی فضیلت کے بیان میں

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: **الطهور شطر الایمان** میں بہت ہوں یہاں ایمان سے ایک ہیئت نفسانیہ مراد ہے جو نور طہارت اور خشوع سے مرکب ہے اور بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ اس ہیئت نفسانیہ پر زیادہ صاف دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وضو اس کا ایک جزء ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے بدن سے تمام اس کی خطائیں نکل کر نائغوں کے نیچے سے ہو کر باہر ہو جاتی ہیں۔ **من تَوَضَّأَ فَحَسَنَ الْوُضُوءِ، خَرَجَتْ خُصَائِيَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ** میں کہتا ہوں جس پاکیزگی کا خاص نفس کے اندر اثر پڑتا ہے۔ وہ پاکیزگی تو نفس کو مقدس کر کے ملحق بالمالائکہ کر دیتی ہے اور بہت سے حالات دنیہ اور لوازم بشریہ کو محو کر دیتی ہے جو خاصیت اس پاکیزگی کی ہے وہی وضو کی خاصیت ہے جو اصلی طہارت کا نقشہ اور مظہر اور اس کا عنوان ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میری امت کو جب پکارا جائے گا تو وضو کے آثار سے ان کے دست و پا اور چہرہ روشن ہوگا۔ **اس لیے تم میں جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھالے ان امتی یوم القیامۃ غرا محجلین من آثار الوضوء، فمن استطاع مکرم ان یغسل غرہ فلیفعل** اور فرمایا ہے جہاں تک وضو پانی پینے کا ہے وہیں تک مومن کو بہت کا زیور پہنایا جائے گا۔ **تسلع الحبلۃ من المومن حیث تسلع الوضوء** میں بتاؤں جب کہ اصلی طہارت کی صورت اعضا و اجزاء میں پانی کا استعمال رہتا ہے۔ اسی طرح ان اعضا میں زیور اور روشنی کا بہاؤ نفس سے سمع اور بینش کی صورت مثالیہ ہے جس طرح بڑائی کی صورت مثالیہ و بر اور ثبات کی صورت مثالیہ شیر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وضو کی وہی مداومت کر سکتا ہے جو ایمان والا ہے۔ **لا یحافظ علی الوضوء لامومن** میں کہتا ہوں جب ہمیشہ با وضو رہنا ایک دشوار کام ہے تو اس کو وہی شخص کر سکتا ہے جس کو طہارت کے امر میں مصیبت حاصل ہوگئی ہے اور اس سے نفع ﷺ اس دین میں ہے ہذا اس کی مداومت ایمان کی دلیل ہوتی۔

وضو کرنے کی ترکیب

وضو کرنے کی صورت جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم نے آئینہ حضرت ﷺ سے بیان کی ہے، مکہ آنحضرت ﷺ سے بالتواتر ثابت ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے یہ ہے کہ اول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے اور کلی کرے۔ اور ناک میں پانی ڈالے اور اس کو پھر صاف کرے اور پھر منہ اور پھر پیٹے کو کہنیوں تک دھوئے اور پھر سر کا مسح کرے بعد ازاں پیروں کو ٹخنوں تک دھوئے۔

جوابل ہوا ظاہر آیت سے استدلال کر کے پیروں کے دھونے سے انکار کرتے ہیں ان کا قول قابل اعتبار نہیں ہے میرے نزدیک جو شخص ایسی بات کہے اور وہ شخص جو جنگ بدر یا جنگ احد سے جو: کَالشَّمْسِ فِي رَابِعَةِ النَّهَارِ ثابت ہے مگر دونوں برابر ہیں ہاں اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ احتیاطاً پیروں پر مسح بھی کر لینا چاہیے اور ان کو دھو بھی لینا چاہیے یا یہ کہ ادنیٰ فرض کا مسح کرنا ہے اگرچہ دھونا بھی ایسی چیز ہے کہ جس کے تارک پر سخت ملامت کرنی چاہیے تو یہ بات البتہ ایسی ہے کہ علماء اس کے اندر جب تک انکشاف حق نہ ہو توقف کر سکتے ہیں۔ اور میں نے کسی صحیح روایت میں آنحضرت ﷺ سے اس بات کی تصریح نہیں پائی کہ آنحضرت ﷺ نے بغیر مضمضہ اور ناک میں پانی ڈالنے اور ترتیب کے وضو کیا ہے پس وضو کے اندر ترتیب نہایت ضروری امر ہے اور مضمضہ اور استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا یہ دونوں خصال فطرت سے مستقل دو طہارتیں ہیں وضو کے ساتھ ان کو ملا دیا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ایک وقت معین رہے۔ علاوہ بریں یہ دونوں اس قبیلہ سے ہیں جہاں بہ تکلف پانی پہنچ سکتا ہے اور وضو کے اندر ایسی جگہوں میں پانی پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ان دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا بہ نسبت جدا جدا ہونے کے زیادہ تر اصح ہے۔

آداب وضو کا حاصل کرنا کئی باتوں میں منحصر ہے ایک تو تعبد مغا بن یعنی جن جن جگہ میں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے ان میں اچھی طرح سے پانی کا پہنچانا۔ جیسے مضمضہ اور استنشاق اور دست و پا کی انگلیوں میں اور داڑھی میں خدال کرنا اور انگوٹھے کو حرکت دینا اور ایک پاک کرنے میں کوشش کرنا یعنی تین تین مرتبہ دھونا۔ اور اسباغ یعنی خوب اوپر تک ہر عضو کا دھونا جو فی الحقیقت روشنی کا قیامت کے دن بڑھاتا ہے اور ایک صفائی یعنی بدن کا ملنا اور سر کے ساتھ کانوں کا بھی مسح کرنا اور وضو پر وضو کرنا اور ایک امور مہمہ کے اندر جو ان کی عادت جاری تھی اس کے موافق اس میں برتاؤ کرنا۔ یعنی داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے کہ داہنے عضو کو بائیں پر اولویت اور قوت ہے۔ مذاہب چیزیں دونوں جانب میں استعمال کی جاتی ہیں ان میں تو داہنے عضو کو مقدم رکھنا اور جو ایک جانب میں مستعمل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ وہی سن اور طہیات کے قبیلہ سے ہوں ان کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا من سب ہے اور ایک دل کی کیفیت کو زبانی اغاظ سے جو صراحتہ مقصود پر دلالت کرتے ہیں قبو میں رکھنا اور ذکر لسانی کا قلبی کے ساتھ ساتھ پایا جانا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے اللہ کا ذکر نہیں کیا اس کا وضو نہیں ہوا۔ لا وضوء لمن لم يذكر الله۔ میں کہتا ہوں، اقصین حدیث کا اس حدیث کی سبب پر اتفاق نہیں ہے اور اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو یہ ان مواضع میں سے ہے کہ جہاں آنحضرت ﷺ سے سیکھنے کے طریقے میں اختلاف واقع ہوا ہے اس واسطے کہ اہل اسلام ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے وضو کی نقل کرتے رہے اور انہوں کو وضو کا طریقہ سکھاتے

رہے ہیں اور بسم اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے جب تک کہ اہل حدیث کا زمانہ ظاہر ہوا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی ہے کہ بسم اللہ یا تو وضو کا رکن ہے یا اس کی شرط ہے اور دونوں صورتوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں جو ذکر کا لفظ آیا ہے اس سے ذکر قلبی مراد ہے کیونکہ بدون نیت کے اعمال مقبول نہیں ہوا کرتے اس لیے یہاں وضو سے صرف ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ وضو کے اثر سے نفس کا رنگین ہونا مراد ہے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ تسمیہ یعنی بسم اللہ کہنا منجملہ آداب کے ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو مہتمم بالشان کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ کل امر ذی بال لم یبدا باسم اللہ فہو بتر۔ اور بہت سے مواضع پر قیاس کرنے سے اس کا آداب میں داخل ہونا ثابت ہو سکتا ہے اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا مگر اس قسم کی تاویلیں میرے پسند نہیں ہیں کیونکہ یہ ایک بعید تاویل ہے جس کا حاصل اصل لفظ کی مخالفت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو کیا معلوم ہے کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا ہے فانہ لا یدری ابن بسات یدہ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے ہوئے بہت دیر ہو جانے اور بہت دیر تک بوجہ نیند کے ان سے بے خبر رہنے میں ظن غالب ہوتا ہے کہ ضرور کسی قسم کی نجاست یا میل کچیل کا اثر ان تک پہنچا ہو جس کی وجہ سے پانی میں ان کا ڈال دینا اس کا ناپاک یا مکدر کر دینا یا بے تمیزی میں داخل ہے اور آنحضرت ﷺ نے پینے کی چیز میں جو پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے اس کی علت بھی یہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اس واسطے کہ شیطان اس کے نعتوں پر رات کو رہتا ہے فان الشیطان یبیت علی خیشومہ میں کہتا ہوں نعتوں میں مواد غلیظ اور باطن کا جمع ہو جانا ذہن کی بلاوت اور فکر میں نقصان کا باعث ہے۔ اور ایسے وقت میں شیطان کو دوسرے ڈالنے اور تہہ براہ کار سے اس شخص کو روکنے کا خوب موقع ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو وضو کرے اور پورا پورا کرے۔ اور پھر اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھے اخیر تک اور ایک روایت میں ہے۔ اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین۔ اور اس کے لیے جنت کے آنکھوں دروازے کھل نہ جائیں اور وہ جس میں چاہے چاہے۔ مامنکم احد یتوضؤا فیلغ الوضوء ثم یقول اشہد بحی وفی روایۃ اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین الا فتحت لہ ابواب الجہۃ الثمانیۃ بدخل من ابہا شاء میں کہتا ہوں۔ طہارت کی روح اسی وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب عالم غیب کی طرف نفس کی توجہ پائی جائے اور پورے طور پر اس عالم کی طرف اس کی خواہش ہو۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے ایک ذکر کو مقرر فرمایا اور ہواصلی طہارت کا فائدہ تھا وہ اس پر مرتب فرمایا اور ایک شخص نے پورے طور پر بالاستیحاب پانی کا استعمال نہیں کیا تو اس سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کو آگ کی طرف ویل عذاب من النار میں کہتا ہوں اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کا دھونا واجب کیا ہے تو دھونے کے معنی پایا جانا ضروری ہے اور جب ایک شخص نے ایک عضو کا کچھ دھویا اور پورے اس عضو کو نہیں دھویا تو حرف میں یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس نے عضو کو دھویا اور دوسرے آپ کے اس فرمانے میں باب تہون کا بند کر دینا ہے اور ایڑیوں سے آگ کا تعلق اس واسطے ہوا کہ برابر ایک جگہ کو ناپاک رکھنا اور اس پر اصرار کرنا ایسی خست ہے جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے اور طہارت ایسی چیز ہے جو باعث نجات اور باعث تکفیر خطیات ہے اور جب ایک عضو کے اندر طہارت کے معنی

نہ پائے گئے اور اس عضو میں حکم الہی کی تعمیل نہ ہوئی تو بلاشبہ یہ اس بات کا سبب ہو سکتا ہے کہ نفس کا اس خصلت کی وجہ سے ملال ظاہر ہو جو اس کے نفس کے اندر فساد اور خرابی پیدا کرنے والی ہے اور اس عضو کی طرف سے یہ خصلت اس کو حاصل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

موجبات وضو کے بیان میں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص حدث کی حالت میں ہے جب تک وہ وضو نہ کر لے اس کی نماز قبول نہیں ہے لا تقبل صلوٰۃ من احدث حتی يتوضا۔ اور فرمایا ہے بغیر وضو کے نماز مقبول نہیں ہوتی: لا تقبل صلوٰۃ بغیر طہور۔ اور فرمایا ہے نماز کی کنجی وضو ہے۔ مفتاح الصلوٰۃ الطہور۔ میں کہتا ہوں ان سب احادیث میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ نماز کے لیے وضو شرط ہے اور وضو تو خود ایک مستقل عبادت ہے نماز کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مقرر کر دیا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک فائدہ دوسرے پر موقوف ہے علاوہ بریں اس میں نماز کی تعظیم پائی جاتی ہے جو شعائر الہی میں داخل ہے۔ ہماری شریعت میں موجبات وضو تین طرح کے تین طرح کے ہیں ایک اس قسم کے ہیں کہ جن پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے اور روایتیں اس میں متفق ہیں اور اس پر برابر عمل جاری ہے وہ تو یہ چیزیں ہیں بول اور براز اور ریح اور ندی اور گہری نیند اور اس کے قریب چیزیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سرین کا بندھن آنکھیں ہیں۔ وكاء الة العینان۔ اور فرمایا ہے پس جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ فانہ اذا اضطجع استرحت مفاصلہ۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی کو خوب گہری نیند آ جاتی ہے تو ضرور اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے اور میں اس کا ایک سبب اور بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو بات حدث کے سبب سے ہوتی ہے وہ نفس کے اندر سونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے یعنی بلاوت اور ندی میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنے آلہ کو دھو لے اور وضو کر لے۔ يغسل ذکرہ ویتوضا۔ میں کہتا ہوں ملاعبث کرنے سے جو ندی باہر آ جاتی ہے اس میں بھی شہوت کا پورا کرنا ہے۔ مگر شہوت جماع کے پورا کرنے سے اس کا درجہ کم ہے۔ اس لیے اس کی طہارت بھی طہارت کبریٰ یعنی غسل سے کم درجہ کی ہونی چاہیے جس کسی کو ریح کے نکلنے کا شک ہو اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ وہ شخص مسجد سے باہر نہ جائے۔ جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ معلوم کرے۔ لا یخرج من المسجد حتی یسمع صونا او یبجد ریخا۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس کو ریح نکلنے کا یقین نہ ہو جائے۔ جب وضو کے ٹوٹنے کا مدار سمیلین سے کوئی چیز خارج ہونے پر ہو تو یہ بات لابدی ہے کہ فی الحقیقت کسی چیز کے خارج ہونے اور فقط شبہ خروج میں کہ اس میں فی الواقع خروج نہیں ہے تمیز کی جائے اور مقصود یہ ہے کہ: یاہ تعقیق اور ہر بات میں فکر اور تردد نہ کیا جائے اور دوسرے موجبات وضو اس قسم کے ہیں جن کے موجبات وضو ہونے میں فقہاء صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے اور نبی ﷺ سے ان میں روایات مختلف مروی ہیں جیسے مس ذکر سے وضو کا واجب ہونا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے آلہ تاسل کو چھو لے اس کو وضو کرنا چاہیے: من مس ذکرہ فلیتوضا۔ حضرت ابن عمر اور سالم اور عروہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اور حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور فقہاء کوفہ نے اس کا رد کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ تو اس کے بدن کی ایک بوٹی ہے ہل ہوا لا بضعه منہ۔ اور دونوں

میں ایک کا منسوخ ہونا یقینی نہیں ہے۔ اور عورت کو چھو لینا جیسا کہ حضرت عمر اور ابن مسعود اور ابراہیمؓ کے نزدیک ہے۔ اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے یا عورتوں کو تم نے چھوا ہو۔ **اولا مستم النساء**۔ اور کوئی حدیث اس کی شاہد نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث اس کے خلاف دلالت کرتی ہے مگر اس میں شبہ ہے اس واسطے کہ اس کی اسناد منقطع ہے اور میرے نزدیک اس قسم کی وجہ یعنی حدیث کی اسناد کا منقطع ہونا وہاں معتبر ہو سکتا ہے کہ جہاں ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی جائے اور جہاں ایک ہی حدیث ہے اور دوسری کوئی حدیث اس کے معارض نہیں تو اس انتظام اسناد کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اور حضرت عمر اور ابن مسعودؓ جیسا چونکہ جنابت میں تقیم تجویز نہیں کرتے ہیں اس واسطے ان کے نزدیک تو آیت خواہ مخواہ لمس پر محمول ہوگی مگر عمر ان اور عمار اور عمر بن العاصؓ کے نزدیک جنابت میں تقیم درست ہے اور اس پر اجتماع منعقد ہو گیا ہے اور ابن عمر احتیاط پر عمل کرتے تھے اور ابراہیم حضرت ابن مسعودؓ کی پیروی کرتے تھے حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ پر اس دلیل کا حال ظاہر ہو گیا۔ جس سے حضرت ابن مسعودؓ نے تمسک کیا تھا اس لیے ان کے قول کو انہوں نے ترک کر دیا۔ باوجودیکہ ابراہیمؓ کے وہ بہت پیرو ہیں۔ الحاصل ان دونوں چیزوں یعنی مس ذکر اور لمس میں صحابہ اور تابعینؓ کے بعد فقہاء کے تین طبقے ہو گئے ایک طبقہ نے تو ظاہر پر عمل کیا اور ایک نے بالکل ہی ترک کر دیا۔ اور ایک نے شہوت اور عدم شہوت کا فرق کیا اور ابراہیمؓ کے نزدیک جتنے ہوئے خون کے نکلنے اور قے کثیر سے وضو لازم آتا ہے اور حسن کے نزدیک نماز میں قہقہہ اگانے سے وضو لازم آتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں لازم آتا اور ان سب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مگر علمائے حدیث نے ان کی صحت پر اتفاق نہیں کیا مگر اصح قول یہی ہے کہ جو احتیاط کرے گا اس کا دین اور عزت محفوظ رہے گی۔ ورنہ خالص شرع میں اس سے کچھ رقت نہیں ہے اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ عورت کو ہاتھ اگانے سے شہوت کو بیان ہوتا ہے اور اس میں ایک شہوت کا جو شہوت بجماع سے کمتر ہے پورا کرنا ہے اور عضو تناسل کا چھونا بھی ایک یہود و فعل ہے لہذا استنجا کے وقت واسطے ہاتھ سے ذکر کے چھونے سے آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے اور جب ذکر کو ہاتھ میں بھر لے تو وہ احوال ایک شیطانی کام ہے اور بہتہ خوانوں اور قے شے بھی بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیز ہے اور ان طریق نماز میں قہقہہ اگانا ایک قسم کا جرم ہے۔ جس کا گناہ نہ ناپا ہے۔ اس میں چیزوں سے شرع وضو کا حکم دے تو کچھ حرج نہیں ہے اور نہ یہ تعجب ہے کہ حکم نہ دے اور نہ یہ تعجب ہے کہ وضو کی رغبت اسے بدو ان بات سے کہ وضو واجب ہو اور تیسری قسم وہ بات وضو کی وہ ہے کہ جہاں حدیث کے الفاظ سے واجب ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ جیسے اور فقہاء میں ہے اور تابعین کا اس کے خلاف پر اجتماع ہے آگ کی پٹی ہوئی چیز ممانے سے وضو کرنا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ظہرؓ وغیرہمؓ نے فرمایا کہ اس سے خلاف ہے اور حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس وضو کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ ان ارتعاعات کا مقام ہے نہ وضو کا۔ اس عمل میں نہیں آتا اس واسطے آگ کی پٹی ہوئی چیز ممانے میں وضو کرنا ہے۔ ہاتھ مثلاً بہت منقطع ہو جاتی ہے۔ ممانے میں آگ سے پٹی ہوئی چیز کا جرم کو یاد دلاتی ہے۔ لہذا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وضو کرنا سے منع فرمایا ہے ان واسطے آدمی و انہاء اس میں نہ مشغول کرنا چاہیے۔

ابن عباسؓ سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں۔ اس میں وقت سے فقہاء میں ہے اور تابعین میں سے ولی اس کا قائل نہیں

ہوا اور اس کے منسوخ ہونے کا بھی حکم نہیں دے سکتے لہذا جس کسی کو تخریج نے مجبور کیا ہے وہ تو اس کا قائل نہیں ہے اور احمد اور اسحاق اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک آدمی کو اس میں احتیاط کرنی بہت ضروری ہے۔ واللہ اعلم جس کسی کے نزدیک اونٹ کے گوشت سے وضو لازم آتا ہے تو اس میں بھید یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت تو رات کے اندر حرام کیا گیا تھا۔ اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق رہے اور ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کر دیا تو اس کے ساتھ دو وجہ سے وضو بھی مقرر فرمایا۔ ایک تو یہ کہ یہ وضو اس بات کا کہ پہلے لوگوں پر اس کا کھانا حرام تھا اور ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا۔ شکر یہ ہو جائے دوسرے یہ کہ اس کے حلال ہونے میں بعد اس کے کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل پر حرام رہا اس بات کا احتمال تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے حلال ہونے سے ایک طرح کا کھکا گزرے اس کے علاج کے لیے وضو کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ اس کی حرمت سے اس حلت کی طرف جس کے استعمال سے وضو لازم آجائے۔ انتقال کرنا کسی قدر سہل اور باعث تسکین خاطر ہے اور میرے نزدیک تو شروع اسلام میں نہ تھا اور بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

موزوں پر مسح کا بیان

چونکہ وضو کا ان اعضاء ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پیر چونکہ موزوں کے پہننے سے اعضاء باطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور بہ نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا ساقط کر دیا گیا اور چونکہ تیسیر میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آسانی کر دی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جائے لہذا شارع نے اس بات کے حاصل کرنے کے لیے تین باتیں اس کے ساتھ مقرر کر دیں ایک تو مسحت کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات مقرر فرمائے اس لیے ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا انتظام اور التزام ہو سکتا ہے بہت سی چیزوں کو جس کا التزام کرنا چاہتے ہیں اس مدت کے ساتھ ان کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے۔ یہ دونوں مدتیں مسافر اور مقیم پر ان کے دفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئیں اور دوسری اس میں شارع نے یہ شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہوتا کہ پہننے والے کے دل میں اسی وقت کی طہارت کا نقشہ ہمارا ہے اس لیے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے اس طہارت کو وہ اس طہارت پر قیاس کر لیتے اور اسی قسم کے قیاسات کا نفس کی تنبیہ میں پورا پورا اثر ہوتا ہے اور تیسرے یہ حکم دے دیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یا آجائے اور یہ اس کے لیے بطور نمونہ کے ہو جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اگر دین میں عقل کو دخل ہوگا تو موزے سے مسح کرنا اور پرانے مسح کرنے سے زیادہ مناسب تھا۔ میں کہتا ہوں جب کہ مسح پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے اور اس سے اس کے ساتھ رچکچو متصور نہیں ہے اور نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چپے وقت موزوں کے طوٹ ہونے کا گمان غالب ہے تو عقل کا متنبہ یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسرار شرعی سے بڑے واقف تھے جیسا کہ ان کے کلام اور ان کے خطبوں سے معلوم ہوتا ہے مگر ان کا مقصود یہ تھا کہ دین میں لوگ رائے کو دخل نہ دیں۔ ایسا نہ ہو کہ عوام الناس اپنا دین بگاڑ لیں۔

غسل کرنے کا بیان

غسل کرنے کی ترکیب جیسی کہ حضرت عائشہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل ان کو دھو لے بعد ازاں اپنے بدن اور شرمگاہ سے نجاست کو دھو ڈالے پھر جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اس طرح سے وضو کرے اور سر کے بالوں میں خوب پانی پہنچائے اور پھر تمام بدن پر پانی ڈالے فقط ایک بات میں اختلاف ہے کہ پیروں کو بعد میں دھوئے یا پہلے دھو لے اور بعضوں نے فرق کیا ہے کہ اگر اس جگہ غسل کا پانی اکٹھا ہوتا ہے تو پیر بعد کو دھوئے ورنہ پہلے دھو لے۔ غسل کے اندر پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ تو وہی ہے جو ہم وضو میں بیان کر چکے۔ اور بدن سے نجاست کا دھونا اس واسطے ہے کہ اگر اس کو پہلے نہ دھولیا اور تمام بدن کے ساتھ اس نجاست پر بھی پانی بہایا تو پانی کے بہنے سے وہ نجاست بدن پر پھیل کر اور زیادہ ہو جائے گی اور پھر اس کے دھونے میں دقت بھی ہوگی اور پانی بھی زیادہ خرچ ہوگا اور نیز یہ غسل محض طہارت حدث کے لیے نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ اسی لیے موضوع ہے اور وضو اس لیے کیا جاتا ہے کہ طہارت کبریٰ کا طہارت صغریٰ پر مشتمل ہونا بہت مناسب ہے تاکہ دو قسم کی طہارت کرنے سے نفس کو اور زیادہ تر تنبیہ ہو جائے اور نیز اول وضو کر لینے سے ان مواضع میں پانی خوب پہنچ جاتا ہے جن میں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے کیونکہ سر کے اوپر پانی ڈالنے سے پھر اطراف پر اچھی طرح سے بہ تکلف ہی پانی پہنچتا ہے اور پیروں کے بعد میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بااقتدار ایک عضو کا بار بار دھونا لازم نہ آئے۔ مگر وضو کی صورت پورا کرنے کے لیے تو پیروں کو بھی پہلے دھولینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پھر غسل کے مستحبات ہیں جن سے غسل کامل ہو جاتا ہے یعنی تمام بدن کا تین مرتبہ دھونا اور بدن کا ملنا اور مغابن یعنی جہاں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے ان میں خوب پانی پہنچانا اور پردہ کا خوب اہتمام کرنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ بڑی حیا اور پردہ والا ہے۔ ان اللہ حی ستیر۔ اس کی تفسیر آنحضرت ﷺ کا دوسرا یہ قول ہے کہ وہ حیا کو اور پردہ کو پسند کرتا ہے۔ یحب الحیا والستر۔ اور لوگوں سے تو پردہ کرنا واجب ہی ہے اور تنہائی میں بھی اس کو اس طرح ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ہو بہ مقدار اس کے پاس سے گزر جائے تو اس کا ستر نہ دیکھے مستحب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مشک میں ایسی دھواں ایک صافی لے کر اس سے صاف کر لے یعنی حیض کے اثر کو پونچھ ڈال۔ خذی فرصة من ملک فتعصری ہما میں کہتا ہوں۔ یہ علم آپؐ نے کئی وجہ سے دیا۔ ایک تو اس میں پاکی زیادہ پائی جاتی ہے اس لیے کہ خوشبو بھی بذات طہارت کا کام لیتی ہے اور بیحد خوشبو کا علم اس واسطے نہیں دیا کہ اس میں لوگوں پر دقت ہے اور ایک اس خوشبو کی وجہ سے ایک طرح کی بدبو جو حیض میں ہوتی ہے وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک یہ کہ حیض کا گزرنا اور طہر کا شروع ہونا ادا کے لیے کوشش کرنے کا وقت ہے اور خوشبو ایسی چیز ہے۔ جو اس قوت کو ابھارتی ہے۔

غسل کے لیے پانی کی مقدار ایک صاع سے پانچ مد تک اور وضو کے لیے ایک مد مقرر فرمائی ہے۔ کیونکہ درمیانی بدن کے لیے یہ ایک مقدار کافی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہر ہر ہال کے نیچے بنات ہے۔ اس لیے بالوں کو دھوؤ۔ اور بدن کا میل اتارو۔ ونحت کل شعر جبابہ فاغسلوا الشعر وانفوا الشرة اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اگر بنات کی حالت

میں ایک بال کی جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دے گا تو اس جگہ کے ساتھ ایسا کیا جائے گا۔ من ترك موضع شعرة من الجنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے وضو کی استیعاب کے اندر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایک بال کی جگہ دھونے میں غسل کے معنی کو ثابت کرتا ہے اور جنابت پر باقی رہنا اور اس پر اصرار کرنا دخول ناس کا سبب ہے اور جس عضو سے نفس کے اندر اثر پیدا ہوگا اسی عضو کی طرف سے نفس کو تکلیف اور الم ظاہر ہوگا۔

موجبات غسل کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب عورت کے چاروں ہاتھ پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا اور پھر اس سے جماع کیا تو غسل واجب ہوگا اگرچہ اس کو انزال نہ ہو۔ اذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وان لم ينزل۔ میں کہتا ہوں اس بات میں روایتیں مختلف ہیں کہ اکسال یعنی جماع بدون انزال کو قضاء شہوت کے معنی میں اس جماع پر جو انزال کے ساتھ ہو محمول کر سکتے ہیں یا نہیں صحیح روایت جس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے یہ ہے کہ جماع کرنے سے دونوں مرد و عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ پانی تو پانی ہی سے لازم آتا ہے۔ یعنی غسل انزال سے لازم آتا ہے۔ انما الماء من الماء۔ تطبیق کیوں کر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حدیث انما الماء من الماء۔ احتلام کے متعلق ہے مگر اس میں کچھ کلام ہے اور حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ انما الماء من الماء۔ حکم شروع اسلام میں تھا۔ پھر یہ حکم نہیں رہا۔ اور حضرت عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور ابی بن کعب اور ابو ایوبؓ سے اس شخص کے باب میں جو اپنی بیوی سے محبت کرے اور اس کو انزال نہ ہو مروی ہے کہ ان کا قول یہ ہے کہ اپنے ذکر کو دھو ڈالے اور جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اسی طرح وضو کر لے۔ اور آنحضرت ﷺ تک یہ مرفوع ہے اور میرے نزدیک یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے مباشرت فاحشہ مراد ہو۔ اس لیے کہ مباشرت فاحشہ پر جماع کا اطلاق آ جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کو اپنے کپڑے پر تری معلوم ہو اور اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو تو اس کو کیا حکم ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو غسل کرنا چاہیے اور اس شخص کا حکم دریافت کیا گیا کہ اس کو احتلام کا ہونا یاد ہے مگر کپڑے پر تری نہ معلوم ہو تو آپؐ نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں حکم کا مدار تری کے اوپر رکھا۔ خواب کے اوپر نہ رکھا۔ اس واسطے کہ خواب کبھی خیالی ہوتا ہے اور اس کا کچھ اثر نہیں اور کبھی خواب قضا شہوت ہوتی ہے اور وہ بغیر تری کے نہیں ہوتی پس غسل کا مدار تری پر ہی ہو سکتا ہے۔ مادہ بریں تری تو ایک خاص چیز ہے۔ جس کی تعیین اور انضباط ہو سکتا ہے اور خواب کو اکثر آدمی بھول جاتا ہے۔

اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ طہر اور حیض کی مدت کی زیادتی اور کمی کا مدار مزاج اور غذا وغیرہ کے اختلاف پر مبنی ہے اور اس کی کمی و بیشی اس طرح پر منضبط نہیں ہو سکتی کہ کسی میں اس کے خلاف پایا ہی نہ جائے لہذا صبح یہی ہے کہ عورتوں کی مدتوں پر اس کا مدار کیا جائے جس کو وہ یہ سمجھیں کہ یہ حیض ہے وہ حیض ہے اور جس کو استحاضہ سمجھیں وہ استحاضہ ہے اور مہیہ اور تا بعین میں جو اس کے اندر اختلاف واقع ہوا ہے اس کا سبب ہر ایک کا استقرار اور اندازہ ہے۔ اور ایک مرتبہ منہ بنت جحش نے آنحضرتؐ سے استحاضہ کا مسئلہ

دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ان کو گدی کے رکھنے اور اس کے اوپر پٹی کے چڑھانے کا حکم دیا اور دو باتوں میں ایک بات کا ان کو اختیار دیا آخر حدیث تک: استفتت حمنة في الاستحاضة فامرها بالكسوف والتلجم وخيرها بين امرين ان میں کہتا ہوں اصل اس باب میں یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا کہ استحاضہ صحت کے خلاف ایک امر ہے اور اس میں نماز کا ترک کرنا ایک مدت دراز تک مطلق العنانی کا باعث ہو سکتا ہے تو آپ نے چاہا کہ جو ان لوگوں میں مشہور ہے اسی پر اس کو معمول کرنے چاہیے تو آپ کو دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ بات ان سے معلوم ہوئی کہ یہ کوئی رگ ہے۔ یعنی کوئی بیماری ہے جس کا سبب دشواری سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس کا حال نکسیر کا سا ہے تو جس طرح حالت صحت میں اس کو ہر ماہ کے اندر حیض اور طہر ہوا کرتا ہے اسی پر آپ نے اس کو بھی قائم رکھا مگر اس وقت میں حیض کی استحاضہ سے تمیز ضروری ہے تو ان میں یا تو رنگ سے تمیز ہو سکتی ہے جس کا رنگ گہرا ہو مثلاً سیاہ و وہ حیض ہے اور یا ان ایام سے کہ جو عورت کا معمول تھے تمیز ہو سکتی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ حیض فاسد ہے پس اس کا حیض ہونا اس بات کا متقاضی ہوا کہ اس کو ہر نماز کے لیے غسل کا حکم دیا جائے اور اگر ہر نماز کے لیے غسل کرنے میں دشواری ہو تو دو نمازوں کے لیے ایک غسل تو ضرور کرے اور چونکہ وہ فاسد حیض ہے اس واسطے نماز کی اس سے ممانعت نہ کی گئی اور گدی کے رکھنے اور اس پر لٹکونی باندھ لینے میں یہ نعمت ہے کہ وہ خون ایسا ہی تصور کیا جائے کہ جیسے اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور باہر نہیں آتا ہے اور تاکہ اس کے کپڑے اور بدن اس سے آلودہ نہ ہو یہو رفتہ ہوا نے پہلی بات پر فتویٰ دیا ہے جس صورت میں کچھ دشواری نہ ہو۔

اس بات کا بیان کہ بوضو کو اور جب کو کس چیز کا کرنا جائز ہے اور کس چیز سے اس کو ممانعت ہے:

چونکہ شعائر الہی کی تعظیم ضروری ہے اور جملہ شعائر کے نماز اور کعبہ اور قرآن بھی ہیں اور بڑی تعظیم ایک یہ ہے کہ بدون طہارت کاملہ اور بدون ایک نئے کام کے جس سے نفس کو تنبیہ ہو جائے آدمی ان چیزوں کے پاس نہ جائے اس لیے یہ امر ضروری ہو گیا کہ جب تک آدمی پورے طور سے پا نہ ہو۔ ان چیزوں سے علیحدہ رہے مگر قرآن کی تلاوت کے لیے وضو شرط نہیں کیا گیا اس واسطے کہ اگر ہر وقت قرآن سے پڑھنے سے ساتھ وضو کا ہونا شرط کر دیا جاتا تو قرآن کے یاد کرنے اور آنحضرت ﷺ سے یلینے میں بڑی مشکل پڑتی اور اس دروازہ کا حوالہ دینا اور اس میں رغبت دلانا اور جو نفس قرآن کو یاد کرنا چاہے اس کے لیے آسانی کا رونا بہت ضروری تھا مگر جنابت سے اندر زیادہ تاخیر ضروری ہوئی اور جنابت کی حالت میں قرآن کا پڑھنا بھی ناجائز قرار دیا گیا اور کعبہ اور مائٹس کو مسجد کے اندر جانا بھی جائز نہ ہوا۔ یہ وہ مسجد نماز اور ذکر الہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر اسلام سے ہے اور کعبہ کا ایک نمونہ ہے اور آنحضرت ﷺ سے پاس سے ٹپکنے میں طہارت شرط نہیں کی گئی کیونکہ ہر شے کی تعظیم اس کے مناسب ہوتی ہے اور حضور ﷺ ایک نبی تھے اور لازم تھا کہ ان کے ساتھ جنابت وغیرہ نہ ہو اور ان کی طرح آپ پر بھی طہاری ہوتے تھے اس لیے آپ سے پاس ٹپکنے میں طہارت کا شرط کرنا قبہ و منبر میں داخل تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس مکان میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے اور نہ اس میں تہوار نہ اس میں مذبح نہ۔ لا یدخل الملائكة بنا فیہ صورة ولا کلب ولا حمار میں بتا رہا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ طہارہ والے چیزوں سے نفرت ہے۔ اور فرشتوں سے اندر ہر صفت پائی ہوئی ہیں جن صفات اور بات پر تو ان کی صفات کی ضد میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے بارے میں نہ

جس کو رات میں نہانے کی ضرورت ہو جائز فرمایا ہے کہ وضو کر اور اپنے آلہ کو دھو پھر سو جائیں کہتا ہوں چونکہ جنابت کی حالت فرشتوں کی شان کے منافی ہے تو مسلمان کو مناسب ہے کہ ناپاکی کے ساتھ اپنی ضروریات میں مثل سونے اور کھانے کے شغل نہ ہوئے اور اگر غسل نہ کر سکے تو وضو ہی کر لے کیونکہ وہ بھی غسل کی طرح ایک قسم کی طہارت ہے فرق یہی ہے کہ شارع نے ان دونوں کا محل جدا جدا کر دیا ہے۔

تیمم کا بیان

چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ ان پر سہل فرما دیتا ہے اور تیسیر کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے میں دقت ہے اس کو ساقط کر کے اس کا بدل مقرر کر دیا جائے تاکہ ان کے دل ٹھکانے سے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے دفعتاً اس کے ترک کر دینے سے ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے مرض اور سہ کی حالت میں وضو اور غسل کو ساقط فرما کر اس کی جگہ تیمم کو مقرر فرمایا اور جب ایسا ہوا تو ملاء اعلیٰ میں تیمم کے وضو اور غسل کی جگہ قائم مقام کر دینے کا حکم سن دیا گیا اور منجملہ طہارات کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا یہ حکم بھی منجملہ ان بڑے بڑے امور کے ہے جن کی وجہ سے ملت مصطفویہ تمام میں سابقہ میں ممتاز ہے۔ جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب ہم کو پانی نہ ملے تو اس کے عوض (یعنی زمین کی خاک) ہمارے لیے باعث طہارت بنا دی ہے: **جَعَلْتُ تَرَبَّتْهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ** میں کہتا ہوں اس کے واسطے زمین اس لیے خاص کی گئی کہ زمین کہیں ناپید نہیں ہوتی تو ایسی ہی چیز اس قابل ہے جس سے لوگوں کی دقت دفع ہو سکتی ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض چیزیں بجائے پانی کے مٹی سے ہی پاک ہو جاتی ہیں۔ جیسے تلوار یا موزہ وغیرہ اور نیز اس کے استعمال کرنے میں خاکساری اور دقت پائی جاتی ہے جیسے منہ پر خاک ڈال لی اور ذلت کی شان طالب حق کے مناسب ہے اور غسل اور وضو کے تیمم میں کچھ فرق نہ کیا گیا اور غسل کے تیمم میں تمام بدن پر خاک ملنا نہیں مقرر کیا گیا کیونکہ جس چیز کا مقصود بطن برکت میں نہ آئے اس کو بالائی صیت مؤثر سمجھنا مناسب ہوتا ہے نہ بالمقدار اور ان کا اطمینان خاطر اس تیمم سے ایسے موقع پر ہو سکتا ہے اور دوسرے تمام بدن کا خاک میں بھر لینا بھی دقت سے خالی نہیں ہے اس کے مقرر کرنے سے پورا جہنم رفع نہ ہو سکتا تھا۔ اس قدر سردی بھی کہ جس میں وضو کرنے سے مضرت کا یقین ہو مرض کے حکم میں ہے عمرو بن عاص نے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس پر دلیل ہے اور سفر میں اصل میں تیمم کی قید نہیں ہے بلکہ وہ پانی کے نہ ملنے کی ایک صورت ہے کہ سفر میں پانی کا نہ ملنا بظاہر سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تیمم کے اندر پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس واسطے کی پیر تو خود ہی گرد و غبار میں بھر جاتا ہے اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تاکہ نفس کو اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔

اب تیمم کرنے کی ترکیب منجملہ ان چیزوں کے ہے جن میں آنحضرت ﷺ سے معصوم کرنے کا طریقہ مختلف واقع ہوا ہے۔ طریقہ محدثین کے مکمل ہونے سے قبل فقہاء تابعین وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تیمم دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ منہ کے

لیے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک اب باقی رہیں احادیث جو اس باب میں آئی ہیں سوان سب میں اس حدیث وہ ہے جو عمارؓ نے روایت کی ہے کہ تجھ کو اسی قدر کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان میں پھونک مار کر دونوں ہاتھ منہ پر اور ہاتھوں پر پھیر لے۔ **انما كان يكفيك ان تضرب بيدك الارض ثم تنفخ فيهما ثم تمسح بهما وجهك وكفيك**۔ اور حدیث ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ تیمم دو ضربے ہیں ایک ضربہ منہ کے لیے اور ایک ضربہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک **التيمم ضربتان ضربته للوجه وضربته لليدين الى المرفقين**۔ اور دونوں طرح پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل مروی ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ ظاہر ہے **انما يكفيك** کا لفظ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی ادنیٰ درجہ تیمم کا ایک ضربہ ہے اور دو ضربی سنت کا مرتبہ ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے فعل کی یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے حضرت عمارؓ کو یہ بات تعلیم فرمائی ہو کہ تیمم کے اندر زمین پر ہاتھ مارنے سے جو ہاتھوں کو لگ جائے اس کا بدن پر ملنا مقرر کیا گیا ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ خاک میں بدن کو بھریا جائے اور آنحضرت ﷺ کا مقصود اس سے مقدار اعضاء یا عدد ضربی کا بیان کرنا نہ ہو اور اسی طرح آنحضرت ﷺ نے عمارؓ سے فرمایا ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہو سکتا ہے اور بہ نسبت ترمیم یعنی بدن کے خاک میں بھر لینے کے آپؐ کو دھوا کرنا مقصود ہو اور ایسے مسئلہ میں انسان کو اس قول پر عمل کرنا چاہیے جس کی وجہ سے یقیناً وہ بری الذمہ ہو جائے۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک جنابت سے تیمم درست نہیں ہوتا اور وہ آیت **اولا مستم النساء** کو مس پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو جائز رہتا ہے۔ مگر عمرانؓ اور عمارؓ کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔

اور میں نے کسی حدیث صحیح میں اس بات کی تصریح نہیں دیکھی کہ ہر وقت کی نماز فرض کے لیے جدا تیمم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ کہ غلام آبق کو تیمم درست نہیں ہے۔ اور اسی قسم کی باتیں اور یہ فقط خریجات کے قبیلہ سے ہیں۔ اگر کوئی شخص زخمی ہو تو اس کے واسطے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کو اسی قدر کافی ہے کہ تیمم کرے اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لے اور اس پر ہاتھ پھیر لے اور باقی بدن کو دھو ڈالے **انما كان يكفيه ان تيمم و يعصب على جرحه خرقا ثم يمسح عليها و يغسل سائر جسده**۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم جس طرح تمام بدن کا بدل ہے اسی طرح ایک عضو کا بدل ہے۔ ان واسطے کہ اس کا حال ایسا ہے جیسے کوئی موثر بالخاصیت شے کا حال ہوتا ہے اور اس میں مسح کرنے کا حکم ہے اور اس کی وجہ ہاتھوں کے مسح میں ہم بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا سقری مٹی مسلمان کے لیے وضو کا پانی ہے اگر اس پر کھجور کا پانی نہ ملے۔ **ان العصباء الطيب وضوء المسلم ولولم يجد الماء عشر سببين** میں کہتا ہوں حضور ﷺ نے اس فرماتے سے تردد اور وہم کے دروازہ کا بند کرنا ہے ایسی باتوں میں بہت سے وہی لوگ فکر اور تردد کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رخصت کو نہیں مانتے۔

پانچخانہ میں جانے کے آداب کا بیان

یہ آداب کئی باتوں میں منحصر ہیں ایک تو قبلہ کی تعظیم جس کی نسبت آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جب تم جائے ضرور کے لیے آؤ تو قبلہ کو منہ مت کرو اور نہ پشت: **اِذَا اَنْتَمُ الْغَائِطُ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا** اور اس میں ایک حکمت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے۔ شرائع متقدمہ میں تو عبادت خانوں کے اندر جو اللہ کی عبادت کے لیے بنائے جاتے تھے اور وہ شعائر الہی اور شعائر دین میں سے ہوتے تھے جانا اس کا ظاہری قرینہ اور پہچان تھی ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف کھڑے ہونے اور تکبیر کو اس کا قرینہ اور علامت مقرر فرمایا پس جب کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہیئت اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے۔ اس واسطے حضور نبی ﷺ نے اس حکم سے اس بات کا استنباط فرمایا کہ یہ ہیئت تعظیم الہی کے لیے مخصوص رہے۔ اور جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے (یعنی پانچخانہ کی ہیئت) اس میں قبلہ کو منہ نہ کیا جائے مگر آنحضرت ﷺ کو بعض دفعہ لوگوں نے قبلہ کو رخ مبارک یا پشت مبارک کیے دیکھا ہے اور دونوں میں تطبیق یا نیطور کی گئی ہے کہ میدان میں تو پانچخانہ کرنے کی حالت میں قبلہ کو رو یا پشت کرنا منع ہے۔ اور مکانات میں منع نہیں ہے اور بعضوں نے یہ تطبیق کی ہے کہ یہاں نہیں کرنا ہیئت کے لیے ہے اور یہی تطبیق بظاہر مناسب معلوم ہوتی ہے۔

مجملہ آداب کے ایک پورے طور پر صفائی کا کرنا اس واسطے تین پتھروں سے کم یعنی تین دفعہ سے کم استنجا کرنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ بطن غالب جب تک تین دفعہ نجاست صاف نہ کی جائے نجاست دور نہیں ہوتی اور پتھر سے استنجا کرنے کے ساتھ پانی سے بھی استنجا مستحب ہے۔ اور ایک ایسی جگہ جائے ضرور کو جانے سے احتراز کرنا چاہیے کہ جس میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ جیسے سایہ کی جگہ ہے اور وہاں لوگ آرام پاتے ہیں۔ یا لوگوں کا اس طرف راستہ ہے یا ان کی باتیں کرنے کی جگہ ہے یا رُکا ہوا پانی ہے ایسی جگہ پانچخانہ کو بیٹھنا خلافِ ادب ہے اور ہڈی سے استنجا کرنا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ جنات کی نذا ہے اور ایسے ہی جتنی لوگوں کے انتفاع کی چیزیں ہیں ان کا یہی حکم ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ لعنت کرنے والوں سے ڈرو۔ **اتَّقُوا لِلْاَعْيُنِ** اس بات کو سمجھا دیا کہ اس کے اندر حکمت لوگوں کی لعنت ملامت اور ان کی ایذا پہنچنے سے بچنا ہے یا اس میں لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچتی مگر خود اپنی ذات کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے جیسے سوراخوں میں پیشاب کرنا کیونکہ آشرہ و سانپ وغیرہ کا سراغ ہوتا ہے اور وہ اس میں سے نکل کر کاٹ کھاتا ہے اور مجملہ آداب کے ایک محاسن عادات کو عمل میں لانا ہے کہ اپنے دانے ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے مقام کو داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے اور گوبر سے استنجا نہ کرے اور استنجا کرنے میں عدد و طاق کو اختیار کرے۔ از انجملہ ایک پردہ کا اہتمام ہے کہ لوگوں سے دور ہو کر استنجا کو جائے کہ کسی قسم کی آواز کو لوگ نہ سنیں اور بدبو کا اثر ان تک نہ پہنچے اور اس کا ستر نہ دیکھیں اور جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے بدن نہ کھولے اور جہاں درخت وغیرہ اٹھنے کھڑے ہوں جن سے اس کا نیچے کا بدن لوگ نہ دیکھ سکیں وہاں پانچخانہ کے لیے بیٹھے اگر کچھ چیز پردہ کی نہ ہو تو ریت کی ایک ڈھیری اٹھا لے اور اس کی طرف پشت کر

کے بیٹھ جائے کیونکہ شیطان انسانوں کے استغنی کرنے کی جگہ شیطنت کرتا رہتا ہے۔ اس واسطے کہ شیطان کی جبلت میں افکار فسادہ اور افعال ناشائستہ داخل ہیں۔ از انجملہ کپڑے اور بدن کا نجاست سے بچانا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لیے جگہ تلاش کر لے۔ اذا اراد احدکم ان یبول فلیرتد لبوله از انجملہ وسواس کا دور کرنا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پس کوئی شخص تم میں سے اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے ہوتے ہیں۔ فلا یبولن احدکم فی مستحمة فان عامة الوسواس منه اور حضرت عمرؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ۔ ہو کر پیشاب کرنا اس واسطے مکروہ ہے کہ اول تو اس سے چھینٹیں بدن اور کپڑوں پر پڑتی ہیں دوسرے بے تہذیبی ہے اور مادات حسہ سے بالکل خلاف ہے اور ستر کے کھلنے کا بھی اس میں احتمال قوی ہے اور فرمایا ہے پاخانے شیطا طین وغیرہ کے موجود رہنے کی جگہ ہیں اس لیے جب کوئی پاخانہ میں آیا کرے وہ یہ کہہ لیا کرے۔ اعوذ باللہ من الخبث والخبائث ان الخسوس محتضرة فاذا اتی احدکم الخلا فلیقل اعوذ باللہ من الخبث والخبائث اور جب آنحضرت ﷺ پاخانہ سے باہر آیا کرتے تو یہ کہتے تھے غفرانک میں کہتا ہوں پاخانہ کو جاتے وقت اعوذ باللہ من الخبث والخبائث پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ اس جگہ شیطا طین مجتمع رہتے ہیں۔ اس لیے کہ نجاست ان کو بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلنے وقت غفرانک کہنا مستحب ہے کیونکہ پاخانہ میں ذکر الہی ترک ہو جاتا ہے اور شیطا طین سے مخالفت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے دو قبروں میں عذاب ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ ان دونوں میں ایک تو پیشاب کرتے ہی کھڑا ہو جاتا اور استبراء نہ کرتا تھا اما احدہما فکان لا یستبری من البول الحدیث میں کہتے ہیں استبراء واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کر کے کچھ دیر زکا رہے اور زور کر کے ذرا ذرا پیشاب نکال دے۔ یہاں تک کہ اس کو بات کا یقین ہو جائے کہ اب کوئی قطرہ پیشاب کا اس کے بدن میں باقی نہیں رہا اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نجاست سے احتیاط نہ کرنا اور نہ پاؤں میں رہنا اور ایسے کام کرنا جس سے لوگوں میں بگاڑ پڑے عذاب قبر کا باعث ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کا ایک شاخ کو بیچ میں سے چیر کر ایک قبر میں اس کو گاڑ دینا یہ ان مردوں کے حق میں شفاعت مفید تھی کیونکہ ان کے لیے کافر ہونے کی وجہ سے شفاعت مطلقہ ناممکن تھی۔

فصل فطرت اور ان کے متعلق اور باتوں کا بیان

مذکورہ پانی نہانے کا دیا ہے اس بات میں فطرت میں داخل ہیں وہ پنچوں کا ترشوانا اور داڑھی کا بڑھانا اور سواک کرنا اور نہانے کے پانی چڑھانا اور نہانے کے ترشوانا اور جہاں میل اکھاڑا جاتا ہے ان مواضع کا دھونا اور بغل کے بال اکھاڑنے اور موئے زہر دانا اور ان کے پانی سے اتنا لہنا۔ راوی کہتا ہے وہیں بات مجھ سے بھول گئی مگر شاید وہ مضمضہ ہو عشر من المسطرة ففی الشوارب واعماء اللحد والسواک والاستنشاہ بالماء، وفعی الاطمار وعسل الراحم وسم الاسط وحلق العاسہ واساسی الماء، یعنی الاستنجا، وقال الراوی وسمت العاسرہ الا ان

تكون المضمضة میں کہتا ہوں۔ یہ طہارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفہ میں برابر جاری ہیں اور ان کے دلوں کو بھانگی ہیں اور یہ باتیں ان کے صمیم اعتقاد میں داخل ہو گئی ہیں انہیں پران کی زندگی ہے اور انہیں پران کی موت ہے قرآن بعد قرن لہذا ان کا نام فطرت رکھا گیا ہے اور ملت حنیفہ کے یہ شعائر ہیں اور ہر امت کے لیے شعائر ہونے بھی ضروری ہیں تاکہ ان سے اس امت کی شناخت ہو سکے اور لوگوں سے ان باتوں پر مواخذہ کر سکیں تاکہ ان کی نافرمانی اور فرمانبرداری بظاہر معلوم ہو جائے اور شعائر بھی اس قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کہ جو کثرت سے پائی جائیں اور بار بار وقوع میں آتی رہیں اور ظاہر میں معلوم ہو سکیں اور اس میں بہت سے فوائد ہیں کہ لوگوں کے ذہن ان فوائد کو پورے طور پر مانتے ہیں یہاں پر اجمالاً ان فوائد کا بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ آدمی کے بدن سے جو بعض مواضع میں بال نکلتے ہیں تو ان کا قلب پر وہی اثر پڑتا ہے جو احداث سے پیدا ہوتا ہے یعنی انتباہ قلب اور بلاغت وغیرہ اور اسی طرح سر اور داڑھی کے بالوں کا پراگندہ اور خراب خستہ ہونا۔ اس باب میں انسان کو اطباء کے کام پر نظر کرنی چاہیے کہ انہوں نے پتہ اور خارش اور اسی قسم کے امراض جلدیہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ایسی بیماریوں سے قلب کے اندر ملال اور حزن رہتا ہے اور اس کا نشاط جاتا رہتا ہے اور داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے کی تمیز ہو سکتی ہے اور مردوں کے لیے ایک قسم کا جمال اور ان کی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری امر ہے اور اس کا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الہی کی تغیر بھی پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیل لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ چمکھاتا ہے یا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا ہے مشرکوں کی مخالفت کرتے رہو مونچھیں تو ترشاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ خالفوا المشرکین قصو الشوارب واعفوا للحي۔ اور مضمضہ کرنے اور تاک میں پانی پہنچانے اور مسواک کرنے سے بدبو اور میل وغیرہ دور ہو جاتا ہے اور ختنہ کی کھال ایک زائد عضو ہو جاتا ہے اس میں میل اکٹھا ہو جاتا ہے اور پیشاب کے قطرے اس میں رک جاتے ہیں۔ ملاوہ بریں جماع میں خوب لذت نہیں آتی اور تورات میں لکھا ہے کہ ختنہ اللہ تعالیٰ کے ابراہیم اور ان کی اولاد پر نشانی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جن غلاموں کا آزاد کرنا ان کو منظور نہیں ہوتا یا جو ان کی خاص خاص گھوڑے وغیرہ ہوتے ہیں ان کے اوپر چمکھامست کر دیتے ہیں تاکہ اوروں سے وہ متمیز ہو جائیں اسی طرح سے ختنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر علامت ہے اور سب شعائر ایسے ہیں کہ ان میں تغیر اور شبہ ہونا بہت مشکل ہے اور انتقاض الماء سے پانی سے استنجا کرنا مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے رسولوں کے طریقے میں سے چار باتیں ہیں حیا اور ایک روایت میں ختنہ کرنا آیا ہے اور خوشبو لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا اربع من سنن المرسلین الحیا و یروی الختان والتعطر والسواک والنکاح میرے نزدیک یہ سب باتیں طہارت کے قبیلہ سے ہیں حیا تو بے عزتی اور بے ہودگی اور فواحش کے ترک کرنے کا نام ہے اور ان باتوں سے نفس میں پلیدی اور تکدر پیدا ہو جاتا ہے اور خوشبو لگانے سے نفس کے اندر سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے اور طہارت پر اس نے بہت بڑی تنبیہ ہوتی ہے اور نکاح سے عورتوں کی طرف سے نفس کو طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور عورتوں کے دوسرے جو نفس کو اس شہوت کے پورا کرنے کی طرف براہیختہ کرتے ہیں۔ دل سے جاتے رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک عند کل صلوٰۃ میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ اگر حرج کا ڈر نہ ہوتا تو مسواک کو وضو کی طرح نماز کے لیے شرط کر دیتا۔ اور طور کی بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کو حدود شرعیہ میں دخل ہے اور حدود شرعیہ کی مقدار مقاصد پر ہے اور امت سے حرج کا رفع کرنا۔ منجملہ ان اصول کے ہے جن پر شرائع کی بناء ہے آنحضرت ﷺ کے مسواک کرنے کی کیفیت راوی بیان کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مسواک کرتے وقت اُغ اُغ کی آواز آیا کرتی تھی جیسے تے کرنے میں آواز آیا کرتی ہے میں کہتا ہوں آدی کو چاہیے کہ خوب اچھی طرح منہ کے اندر مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا باقم خوب نکالے اور خوب طرح مسواک کرنے سے قلاع جاتا رہتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک روز نہالیا کرے اور اس میں اپنا بدن اور سر دھو ڈالا کرے۔ حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام یوما یغسل فیہ جسده وراسه میں کہتا ہوں ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرنا خود ایک مستقل سنت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میل کچیل سے پاک رہنے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور تاکہ نفس کو صفت طہارت پر تنبیہ ہوتی رہے اور جمعہ کی نماز کے ساتھ ساتھ اس کو اس واسطے مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ ہر ایک دوسرے سے مکمل ہو جائے۔ علاوہ بریں جمعہ کی نماز کی اس میں عظمت پائی جاتی ہے۔ حضور ﷺ چار چیزوں سے غسل فرمایا کرتے تھے ایک تو جنابت سے اور ایک جمعہ کے روز اور ایک پچھنے لگوانے کے بعد اور مردے کے نہانے کے بعد۔ میں کہتا ہوں کہ پچھنے لگوانے میں تو یہ وجہ ہے کہ اس میں خون اکثر بدن کو لگ جاتا ہے اور خون کے ایک ایک نقطہ کا جدا جدا ہونا دشوار ہوتا ہے دوسرے یہ کہ سینگوں سے خون کا چوسنا خون کو ہر طرف سے پھینچ لاتا ہے اور اس خاص عضو سے خون کے کم ہونے کا نفع نہیں ہوتا اور غسل کر لینے سے خون کو ایک قسم کا انجماد ہو جاتا ہے۔ اور اطراف سے اس کا انجذاب موقوف ہو جاتا ہے اور غسل میت سے نہانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نہانے والے کے بدن پر خمیں بہت سی پڑ جایا کرتی ہیں۔ اور میں ایک شخص کے پاس جان کنڈنی کے وقت بیٹھا تو جو طائفہ ارواح کے قبض کرنے کے لیے متعین ہیں حاضرین کی رون پر بھی ایک عجیب قسم کی تکلیف ان سے پہنچتے ہوئے معلوم ہوئی اس سے میں سمجھ گیا کہ عات کا بدل دینا جس سے نفس کو ایک دوسری حالت پر ہو پہلی کے مخالف ہے تنبیہ ہو جائے بہت ضروری ہے (اور غسل سے یہ تنبیہ ہوتی ہے) ایک شخص اسلام آیا تو اس کو آنحضرت ﷺ نے پانی اور پیہ کی پتوں سے نہانے کا حکم دیا۔ اور دوسرے کسی شخص سے فرمایا کفر کی عات اپنے آپ سے دور کرے۔ میں کہتا ہوں اس میں بھی یہ ہے کہ اس کو ظاہر میں ایک چیز سے باہر آجائے متحمل ہو جائے۔ واللہ اعلم



پانیوں کے احکام کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ رُکے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے پیشاب کرے اور پھر اس میں غسل کر لے۔ لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ۔ میں کہتا ہوں اس میں دونوں باتوں سے نہی ہے یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے بھی اور پھر اس میں غسل کرنے سے بھی جیسے حدیث شریف میں آیا ہے دو شخص پانچ خانہ کے لیے اپنا ستر کھول کر باتیں کرتے ہوئے نہ بیٹھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے اور فقط اس پانی میں غسل کرنے سے نہی مروی ہے اس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو باتوں میں سے ایک بات سے خالی نہیں ہے یا تو اس میں اسی وقت پانی کا تغیر لازم آتا ہے اور یا وہ پانی کے متغیر ہونے کا سبب ہوتا ہے کہ جب اس کو لوگ پیشاب کرتا ہوا یا نہاتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے اور وہ بھی منجملہ انہیں صورتوں کے ہے جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لعنت کرنے والے سے ڈرو مگر جب کہ وہ پانی جاری کیا ہوا یا خود جاری ہو تو اس کا حکم جدا ہے مگر بہتر وہاں بھی یہی ہے کہ ان باتوں سے پرہیز کرے۔

اور آبِ مستعمل کہ جس کو کوئی قوم طہارت میں استعمال کیا کرتی تھی اور وہ مہجور اور متروک سا ہو گیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کو اسی حال پر رکھا کہ جیسا ان کے نزدیک تھا اور اس کی طہارت میں شک نہیں ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب پانی قلتین تک پہنچ جاتا ہے تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا ہے۔ اذا بلغ الماء قلتین لم خبثا۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے معنوی ناپاکی مراد ہے کہ جس کو شرع ناپاک کہتی ہے۔ عرف اور عادت کے اعتبار سے ناپاکی مراد نہیں ہے اور جب کہ نجاست کی وجہ سے پانی کی کسی بات میں فرق آجائے۔ اور کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے نجاست کا اس پر غلبہ ہو جائے تو وہ اس سے خارج ہے اور قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے اندر حد فاصل ایک ضروری امر کی وجہ سے کیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں اور تحکماً یا انکل سے یہ حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اور تمام مقادیر شرعیہ کا حال ایسا ہی کسی کے اندر تخمینے اور انکل کو دخل نہیں دیا گیا اور وہ ضروری امر یہ ہے کہ پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں ایک تو معدن اور ایک برتن معدن تو کنوئیں اور چشمے ہیں اور جمیل بھی انہیں میں شامل ہے اور برتن مشک اور قلہ اور طشت اور خضب اور ارادہ اور معدن تو ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے سے بڑا ضرر ہو جاتا ہے اور اس کے پانی کھینچنے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے اور برتن تو روزمرہ بھرے جایا کرتے ہیں اور ان کا پانی اٹھیلنے میں کچھ دقت نہیں ہو سکتی علاوہ بریں معاون کے لیے ڈھکن نہیں ہوتا اور اس پانی کو جانوروں کے گوبر اور درندوں کے منہ ڈالنے سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اور برتنوں کے محفوظ رکھنے اور ڈھکنے رہنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہے۔ بجز ان جانوروں کے جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور نیز معاون میں پانی کثرت سے ہوتا ہے بہت سی نجاست کا بھی اس میں پتہ نہیں لگتا اور اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا بخلاف برتنوں کے اس واسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ معدن کا حکم اور ہو اور ظروف کا اور حکم ہو۔ اور معاون میں ان چیزوں کی معافی دی جائے کہ ظروف میں جن سے معافی نہیں ہے اور معدن اور ظروف میں سوائے قلتین کے کوئی چیز حد فاصل نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ کنواں اور چشمہ قلتین سے تو کسی طرح کم ہو ہی

نہیں سکتا اور جو پانی قلتین سے کم ہو اس کو نہ حوض کہتے ہیں نہ تالاب کہتے ہیں بلکہ اس کو ٹھا کہتے ہیں اور اگر دو قلعہ پانی ہموار زمین میں ہو تو غالباً پانچ باشت چوڑی اور سات باشت لمبی جگہ میں آتا ہے اور وہ حوض کا ادنیٰ درجہ ہے اور عرب میں سب سے بڑا برتن پانی رکھنے کا قلعہ ہوتا ہے۔ اور ان میں اس سے بڑا کوئی برتن نہیں معلوم ہوتا اور قلعے بھی سب برابر نہیں ہوتے۔ بعض ڈیڑھ قلعہ کے برابر ہوتے ہیں اور بعض سوا کے بعض ایک تہائی کے لیکن ایک قلعہ دو کے برابر نہیں ہوتا۔ پس قلتین یعنی دو قلعہ کی مقدار ایسی ہے کہ کوئی برتن اس مقدار کو نہیں پہنچتا۔ اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہوتا ہے اس واسطے آب قلیل اور آب کثیر کے اندر قلتین کی مقدار حد فاصل قرار پائی اور جو قلتین کا قائل نہیں جیسے مالکیہ اس نے بھی آب کثیر کا اندازہ قلتین کے قریب قریب مقدار سے کیا ہے۔ یا جنگل کے کنوؤں میں اونٹ کی میٹھی کے برابر نجاست کا معافی کا حکم دیا ہے۔ یہاں سے انسان کو معلوم کرنا چاہیے کہ حدود شرعیہ ایسی ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں کہ ان کے بغیر لوگوں کو چارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے سوا کسی کی عقل میں آتی نہیں سکتا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پانی پاک کرنے والا ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ الماء طهور لا ینجسہ شیء۔ اور فرمایا ہے پانی ناپاک نہیں ہوا کرتا۔ الماء لا یجنب۔ اور فرمایا مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ المومن لا ینجس۔ اور اسی قسم کی اخبار احاد مروی ہیں کہ بدن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی۔ ان البدن لا ینجس والارض لا ینجس۔ میں کہتا ہوں ان سب سے نجاست خاص کی نفی مراد ہے جو قرآنِ حالیہ اور مقالیہ سے مفہوم ہوتی ہے۔ پانی کے ناپاک نہ ہونے سے تو یہ مراد ہے کہ معاون نجاست کے پڑنے سے جب نجاست ان میں سے نکال کر پھینک دی جائے اور پانی کی کوئی صفت بھی نہ بدلے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو ناپاک نہیں رہتے اور بدن کو کیسے ہی ناپاک کی لگ جائے جب دھواں ناپاک کا پاک ہو جاتا ہے ناپاک نہیں رہ سکتا۔ اور زمین بھی ایسی ہی ناپاک ہو مینہ کے برتنے اور دھوپ کے پڑنے اور خلقت کے اس پر چھنے پھرنے سے صاف ستھری ہو جاتی ہے۔ نجاست کا نام بھی نہیں رہتا اور پیر بضائع میں کوئی گمان کر سکتا ہے کہ ان میں نجاستیں پڑی رہا کرتی تھیں کسی طرح یہ گمان نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ ایسی چیز سے بنی آدم کو ذاتی اعتقاد ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ اس طرح اس کا پانی پی سکتے تھے بلکہ جس طرح ہمارے زمانہ میں لوگوں کے اندر نجاستیں پڑ جاتی ہیں اور قصد ا کوئی ان کو نہیں ڈالتا اسی طرح اس میں بھی نجاستیں پڑ جاتی تھیں اور پھر نکال کر پھینک دیا کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو انہوں نے طہارت شرعیہ کا جو ان کی طہارت سے طاہرہ و آنحضرت ﷺ سے سوال آیا تو آپ نے فرمایا پانی پاک کرنے والی چیز ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر سکتی یعنی اس کا ناپاک ہونا وہی ہے جو تم بھی جانتے ہو اور آنحضرت ﷺ کے ہاں میں یہ بولی تاویل یا صرف عن الظاہ نہیں ہے بلکہ عرب کا کام اسی طرح ہوتا ہے دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لہذا یرید منکم ان تاتوا الذی الیہ انتم کائنات منکم فیکونوا منکم فیکونوا منکم فیکونوا منکم۔ مگر اخیر آیت تک قل لا اجد فیما اوحی الی محرمًا علی طاعمہ ینلعمہ الا اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں میں تم بھڑکتے رہتے ہو ان میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا مگر ان اور جب کوئی شخص کسی طبیب سے کسی چیز کے استعمال کرنے کو اور یافت کرے اور وہ کہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کی مراد صحت بدنی سے اعتبار سے اس کے استعمال کا ناجائز ہونا ہے اور نہ اس فقیہ سے کسی امر کی بابت دریافت کیا جائے اور وہ اس کا ناجائز ہونا بیان کرے تو اس کی مراد عدم جواز سے عدم جواز

شرعی کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أَمْهَتُكُمْ** تو اس سے حرمت نکاح مراد ہے اور فرماتا ہے **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ** اس سے حرمت اکل مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بدون ولی کے نکاح نہیں ہوتا لکن نکاح الابولی تو اس سے مراد یہی ہے کہ شرع میں وہ جائز نہیں ہوتا یہ مراد نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ اور اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں اور وہ ماؤل نہیں ہیں۔

جب پانی کے اوپر سے پانی کا اطلاق جاتا رہے اور اس میں کوئی قید لگ جائے اس سے وضو کرنے سے بادی الرائے میں شرع منع کرتی ہے البتہ ناپاکی کے اس سے دور ہو جانے کا احتمال ہے بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ نجاست اس سے رفع ہو سکتی ہے پھر لوگوں نے بہت سے فروع کنوئیں کے اندر جاندار چیز کے مرجانے اور درہ درہ اور آب جاری کے متعلق نکال لیے اور آنحضرت ﷺ سے ان سب مسائل میں احادیث مروی نہیں ہیں اور صحابہ اور تابعین سے جو اس میں آثار مروی ہیں جیسے ابن زبیرؓ سے زنگی کے بارے میں اور حضرت علیؓ سے چوہے کے بارے میں اور نخعی اور شعبی سے بلی کے قریب قریب جانور میں سو یا آثار نہ تو محدثین نے ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور نہ قرون اولیٰ کے جمہور کا ان پر اتفاق ہے اگر وہ آثار صحیح بھی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ حکم دلوں کی تطہیب اور پانی کی نظافت کے لیے ہو اور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ کتب مالکیہ میں مذکور ہے اور اگر یہ احتمال صحیح نہیں ہے تو بہت دقت پڑتی ہے الحاصل اس باب میں کوئی معتد بہ اور واجب العمل حدیث نہیں ہے اور بلاشبہ قلعین کی حدیث ان سب سے زیادہ تر ثابت ہے اور یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل میں اپنے بندوں کے لیے ان تدابیر کے اوپر جو ان کے واسطے لازم ہیں کچھ بڑھایا ہو اور باوجود ان چیزوں کے کثرت وقوع اور عموم بلوئے کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو۔ اور صحابہ اور تابعین کو اس سے استفادہ نہ ہوا ہو۔ اور جزو واحد بھی اس میں مروی نہ ہو۔ واللہ اعلم

نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں

نجاست اس چیز کا نام ہے جس کو سلیم الطبع لوگ ناپاک سمجھیں اور اس سے پرہیز کریں اور ان کے کپڑے کو لگ جائے تو ان کو کپڑا دھونا پڑے۔ جیسے پیشاب پانچا نہ اور خون نجاستوں کا پاک کرنا ان کے دستور سے مستحب اور ماخوذ ہے اور گو بر ناپاک ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث اس پر دلیل ہے اور ما کول اللحم کا پیشاب بلاشبہ نجس ہے طبائع سلیمہ اس کو نجس جانتے ہیں بعض بیماریوں کے لیے مفید ہونے کی وجہ سے اس کے پینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اس کی طہارت یا خفت نجاست کا دفع حرن کی غرض سے حکم دیا گیا ہے۔ شارع نے شراب کو بھی نجاست ہی میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ناپاک شیطان کا فعل ہے۔ **دَخَسَ مَنْ عَمِلَ الشَّيْطَانِ** اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے۔ اس واسطے حکمت الہیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ اس کو پیشاب اور پانچا نہ کے برابر کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متشکل ہو جائے اور اس سے خود بخود ان کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہو جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان سات دفعہ میں سے اول دفعہ مٹی سے دھوئے۔ اذا شرب

الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبع مرات و فی رواية اولهن بالتراب میں کہتا ہوں آنحضرتؐ نے کتے کے تھوٹھے کو بھی نجاسات میں شامل کیا اور نجاستوں میں سے بھی اس کو شدید نجاست کا حکم دیا کیونکہ کتا ایک ملعون چیز ہے فرشتوں کو اس سے نفرت ہے اور اس کا بلا وجہ گھر میں رکھنا اور اس کے ساتھ مخالفت کرنا ہر روز اس کے اعمال میں ہے بقدر ایک قیراط کے اجر کم کرتا ہے اور اس میں ہمید یہ ہے کہ وہ اپنی جبلت ہی میں شیطان کے مشابہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی عادت میں شیطنت اور غصہ اور نجاست میں متلطع ہونا اور لوگوں کو سنا نا داخل ہے اور شیطان کی طرف سے بھی اس کو کچھ تعلیم ہوتی رہتی ہے۔ جب آنحضرتؐ نے لوگوں کو دیکھا کہ کتوں سے خلط ملط رکھتے ہیں۔ اور کچھ ان کو پرواہ نہیں ہوتی اور بالکل نمی کر دینے کا بھی موقع نہ تھا کیونکہ کھیتی اور مویشی اور نگہبانی اور شکار کے واسطے اس کی ضرورت ہے اس واسطے آپؐ نے اس سے بچانے کی یہ تدبیر کی کہ پوری پوری پاکی کی اس کے اندر آپؐ نے شرط کی اور ایسا حکم دیا کہ کسی قدر ان کو اس میں دقت بھی پڑا کرے تاکہ اس قدر پاک کرنا روک ٹوک میں کفارہ برابر ہو جائے اور بعض حاملین علم کو یہ آگاہی ہوئی ہے کہ سات دفعہ دھونا اصل میں کوئی حکم نہیں ہے بلکہ اس سے تاکید مقصود ہے اور بعض نے ظاہر حدیث کا لحاظ کیا ہے مگر احتیاط ہی افضل چیز ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہا دو۔

هریقو علی بوله سجلا من ماء میں کہتا ہوں زمین پر خوب سا پانی ڈالنے سے پیشاب کی ناپاکی دور ہو جاتی ہے اور یہ اس دستور سے ماخوذ ہے جس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ بہت سا مینہ پڑنے سے زمین سٹھری ہو جاتی ہے اور بہت سا پانی پڑنے سے بدبو کا اثر بھی جاتا رہتا ہے اور پیشاب پر آگندہ ہو کر کا اعدام ہو جاتا ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے تم عورتوں میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جایا کرے تو اس کو چاہیے کہ چٹکی سے اس خون کو رگڑ دے۔ پھر اس کو چاہیے کہ پانی سے بار بار اس کو دھوے پھر اس کپڑے سے اس کو نماز پڑھ لینی چاہیے اذا اصاب ثوب احدا کن الدم من الحبضة فلتنصره ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه میں کہتا ہوں خود نجاست اور اس کے اثر کے جاتے رہنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور ان تمام خصوصیات سے فی الحقیقت اس کے زوال کی ایک صورت کا بیان کرنا مقصود ہے جو زوال کے لیے کافی ہو جاتی ہے اور اس پر آگاہ کرنا مقصود ہے طہارت کے واسطے یہ شرط نہیں ہے اب باقی رہی منی سو بظاہر وہ بھی نجس چیز ہے کیونکہ نجاست کی تعریف جو ہم بیان کر چکے ہیں اس میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور کمرچ دینے سے خش منی سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ گاڑھی ہونے کی وجہ سے کمرچنے کے قابل بھی ہو اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے لڑکی کے پیشاب سے تو کپڑے کو دھونا چاہیے اور لڑکے کے پیشاب سے اعمار دیا جائے۔ یفسل من البول الجارية و یرش من البول العلام میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں یہی دستور تھا آنحضرتؐ نے بھی اسی کو برقرار رکھا اور اس کی کئی وجہ ہیں اول تو لڑکے کا پیشاب منتشر ہوتا ہے اور اس کا ازالہ کسی قدر دقت سے ہوتا ہے اور لڑکی کا پیشاب ایک ہی جگہ رہتا ہے اور بہت زائل ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ لڑکی کا پیشاب لڑکے کے پیشاب سے گاڑھا اور بدبودار زیادہ ہوتا ہے تیسرے لڑکوں سے لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اور لڑکیوں سے نہیں ہوتی اور اہل مدینہ اور ابراہیمؑ نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے اور امام محمدؒ نے اس میں ذومنی بات کہی ہے لوگوں نے جو مشہور کر رکھا ہے اس سے دھو کے میں پڑنا نہ چاہیے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چڑا ب پکالیا کیا تو پاک ہو گیا اذا دبع الہاب فقد طهر میں کہتا ہوں حیوانات

کے پکے ہوئے چمڑوں کا استعمال کرنا تمام فرقوں کے نزدیک مسلم اور جاری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پکا لینے کی وجہ سے چمڑے کی بدبو اور اس کا گناہن جاتا رہتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے نجاست کے اوپر کسی کا جوتا پڑ جائے تو مٹی اس کے لیے پاک کرنے والی ہے: **اِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهْرٌ**۔ میں کہتا ہوں جوتا اور موزہ اگر نجاست جسم دار ہو تو رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سخت چیزیں ہیں نجاست کا ان میں نفوذ نہیں ہوتا ظاہر یہی ہے کہ چاہے وہ نجاست ان کے اوپر خشک ہو جائے یا تر رہے مٹی سے رگڑنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے مٹی کے لیے فرمایا ہے کہ وہ گھر گھر پھرنے والی اور پھرنے والوں میں سے ہے: **إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِينَ وَالطَّوَافَاتِ**۔ میں کہتا ہوں اس کے معنی ایک قول کے موافق یہ ہیں کہ اگرچہ وہ نجاستوں میں منہ ڈال دیتی ہے اور چوبھوں کا شکار کرتی ہے مگر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے جوٹھے کی پاکی کا حکم دیا جائے کیونکہ حرج کا دفعہ کرنا اصول شرعیہ میں سے ہے اور ایک قول کے موافق اس سے ہر جاندار چیز پر رحم کرنے کی رغبت دلانا آپ کو مقصود ہے اور سائلین اور سائلات کے ساتھ آپ نے اس کو تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم

ان احادیث کا ذکر جو نماز کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

معلوم کرو کہ نماز تمام عبادتوں میں بڑی عظیم الشان اور سب سے زیادہ قیمتی اور لوگوں میں مشہور اور سب عبادتوں سے زیادہ نفس کے اندر مؤثر اور نافع عبادت ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارع نے اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کے اوقات کی تعیین اور اس کے شروط اور ارکان اور آداب اور خصلتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے اور دین کا اس کو ایک عظیم الشان شعار گردانا ہے اور تمام یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور بقایا ملت استعیلہ اس کو مانقی رہی ہیں اور ان کے جماہیر کا ان پر اتفاق ہے اور جو باتیں انہوں نے تحریف کر کے اپنی طرف سے بنا رکھی تھیں۔ جیسے یہودی مثلاً موزے اور جوتے کے ساتھ نماز کو مکروہ جانتے تھے اور اسی طرح کی باتیں نکال رکھی تھیں اس لیے ان باتوں کا لوگوں سے ترک کرانا نہایت لازم ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ مسلمانوں کا طریقہ ان کے طریقے کے خلاف ہو۔ اسی طرح مجوسیوں نے اپنا دین بگاڑ رکھا تھا اور سورج کو پوجنا اختیار کیا تھا اس لیے ملت اسلام کو ان کی ملت سے نہایت تمیز کی ضرورت ہوئی۔ اور مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ ان کی نمازوں کے وقت نماز پڑھیں۔

چونکہ نماز کے احکام کثرت سے ہیں اور اس کے اصول کو جن پر نماز کی بناء ہے بہت ہیں اس واسطے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہم نے اصول کا ذکر نہیں کیا جس طرح اور کتابوں میں ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ ہر فصل کے اصول کو اس فصل کے اندر ہی بیان کر دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سات برس کی عمر کے ہو جائیں اور جب وہ دس دس برس کے ہو جائیں تو نماز کے اوپر ان کو مارا کرو اور ان کو جدا جدا لٹایا کرو: **مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ**۔ میں کہتا ہوں بچے کے بلوغ کی دو قسمیں ہیں ایک تو اس حد کو پہنچنا کہ وہ اس میں ادراک کے صحیح یا سالم ہونے کے ساتھ متصف ہو سکے اور یہ صرف عقل سے ہوتا ہے اور عقل کا

ظاہر ہونا سات سال کی عمر سے معلوم ہو جایا کرتا ہے سات برس کی عمر میں لڑکا یقیناً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جایا کرتا ہے اور عقل کے پورے ہونے کی علامت دس سال ہیں دس برس کا لڑکا اگر اس کا مزاج درست ہو تو پورا ہوشیار ہوتا ہے اور اپنے نفع و نقصان کو خوب پہچاننے لگتا ہے۔ تجارت اور دیگر معاملات میں اس کی ہوشیاری ظاہر ہوتی ہے دوسرا درجہ بلوغ کا چند امور کے لیے ملحوظ ہوتا ہے اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ جہاد اور سزاؤں کے قابل ہو یا نہیں۔ بلوغ کے ایسے درجے سے وہ ان آدمیوں میں شامل ہو جاتا ہے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں اور انتظامات تمدن اور مذہب میں ان لوگوں کی حالت لحاظ کے قابل ہوتی ہے اور جو لوگ زبردستی راہ راست چلنے پر مجبور کیے جاتے ہیں بلوغ کے اس درجے میں پوری عقل اور پورے جش پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کا اندازہ اکثر لوگوں میں پندرہ سال ہے اس بلوغ کی علامتیں یہ ہیں کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور زیر ناف بال نکل آئیں۔ نماز میں دو لحاظ کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ نماز بندہ اور اللہ تعالیٰ میں ایک ذریعہ ہو جائے اور بندے کو ایک نہایت پست تر حالت میں گرنے سے باز رکھے اس لحاظ سے بلوغ کے پہلے درجہ کے وقت نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہو اور اس پر مؤاخذہ کیا جائے اور لوگ اس پر مجبور کیے جائیں خواہ ان کی خود مرضی ہو یا نہ ہو جیسے اور امور کا حکم ہے ویسے ہی نماز کا بھی ہے اور چونکہ دس سال کی عمر بلوغ کی دونوں حدوں کے بیچ میں ایک برزخ کی حالت تھی اس میں بلوغ کی دونوں جہتیں جمع تھیں۔ اس لیے دونوں حالتوں سے اس کو حصہ دیا گیا اور علیحدہ علیحدہ سونے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ یہ زمانہ آغاز جوانی کا ہوتا ہے کچھ بعید نہیں ہے کہ یک جا سونے سے خلاف فطرت خواہشیں پیدا ہوں اس لیے ضرور ہوا کہ واقع ہونے سے پہلے خرابی کا ذریعہ بند کر دیا جائے۔

نماز کی فضیلت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لیے فرمایا ہے جس نے پہلے ایک گناہ کیا تھا اور پھر اس نے جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھ لی کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ کو بخش دیا۔ فان الله قد غفر لك ذنبتك اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر ہو اور اس میں روزانہ وہ پانچ مرتبہ نہایا کرے تو کیا اس سے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے لوگوں نے کہا نہیں رہ سکتا آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہی حال نماز ہے گناہ کا نہایت بھی اللہ تعالیٰ غطاؤں و باکل دور کر دیتا ہے لو ان نهرا بساب احدكم يغسل فيه كل يوم حملا هل يبقى من درنه شيء قالوا لا قال فذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بها الخطايا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پانچوں نمازیں اور جمعہ ہفتہ اور رمضان رمضان تک اگر کھارے پر بیز کیا جائے تو یہ اپنے درمیان کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں الصلوة الخمس والجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بسهن اذا جتسب الكبائر میں بہت ہوں نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ تزکیہ نفس اور اخبات اور اس کی وجہ سے نفس و پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ اس سے ہٹ جاتا ہے اور وہ صفت اس

تہ ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا اب جس شخص نے نمازوں کو پورے پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع اور سجود اور خشوع اور اس کے اذکار اور اشکال کو کامل طور پر ادا کیا اور ان صورتوں سے معافی اور ان اشباح سے ارواح کا اس نے ارادہ کیا تو ضروری ہے کہ وہ شخص رحمت الہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو فرما دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بندے میں اور اس کے کافر ہونے میں نماز چھوڑنے کی دیر ہوتی ہے۔ **الْعَبْدُ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ** میں کہتا ہوں نماز اسلام کا بہت بڑا شعار ہے اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے اگر اسلام کے جاتے رہنے کا حکم کر دیا جائے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بہت ہی ملاہست اور موانست ہے۔ اور نیز اسلام کے معنی کو کہ اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے نماز ہی خوب ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے حصہ نہ ملا اور محروم رہا تو وہ اسلام سے کیا لے چلا بجز اسلام کے نام کے جس کا کچھ عند اللہ اعتبار نہیں ہے۔

نماز کے اوقات کا بیان

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی کرنا اور ملائکہ کے ساتھ مجاہدت پیدا کر لینا بدوں نماز پر مداومت اور اس کے التزام اور کثرت کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور نماز کی کثرت سے ہی اشغال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتے ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تدابیر ضروریہ کے ترک کرنے اور احکام طبعیہ سے بالکل خارج ہو جانا پڑے اس واسطے حکمت الہی کا مقتضی ہوا کہ ان کو زمانے کے ہر ایک حصہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے۔ تاکہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لیے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اس کے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے اور اس کی طاعت میں دل معلق رہے اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سار ہوتا ہے جس کی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے وہ ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر وہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں جھنکتی حقیقتاً مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں اسی طرح کی مداومت ہو سکتی ہے اب آخر کار چونکہ نمازوں کے لیے اوقات کے تعین ضروری ہونے اور کوئی وقت نماز کے لیے زیادہ تر چار وقتوں سے نہ تھا۔ جن میں روحانیت کا عالم میں ظہور اور ملائکہ کا نزول اور بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور گویا یہ امر تمام ان لوگوں نے جو ملائکہ سے فیضان حاصل کرتے ہیں مان لیا ہے مگر یہ بات ظاہر ہے کہ تمام لوگوں کو آدھی رات کے نماز پڑھنے کے ساتھ مکلف کرنا ممکن نہیں ہے اس واسطے فی الحقیقت نماز کے وقت تین ہیں صبح اور شام اور شب کی تاریکی چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے قائم کر نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک اور قرآن پڑھنا فجر کا بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنا روبرو ہے: **أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ** اس واسطے فرمایا ہے شام کی نماز حکماً شب کی تاریکی سے مل جاتی ہے کیونکہ ان میں کوئی فصل پایا ہی نہیں جاتا۔ اس وجہ سے عن الضرورت ظہر اور عصر مغرب اور عشاء کو ساتھ ساتھ پڑھ لینا درست ہے پس یہ ایک اصل ہے اور یہ

مناسب بھی تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت سا فصل رکھا جاتا اس واسطے کہ اس صورت میں انتظار اور التزام کے معنی میں فرق آ جاتا اور جو حالت نفس کو پہلی نماز سے حاصل ہوئی تھی دوسری نماز تک نسیا منسیا ہو جایا کرتی اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت تھوڑا سا فصل رکھا جاتا اور نہ ان کو معاش کے حاصل کرنے کی فرصت نہ ہوا کرتی اور ایسی ظاہر اور محسوس ان کے واسطے حد کا مقرر کرنا ضروری تھا جس کو خاص و عام سب معلوم کر لیا کریں اور وہ کہ اسی جز کو کہ خاص و عام اوقات کا اندازہ کرنے میں اس کا استعمال کیا کرتے ہیں کسی قدر زیادہ کر دیا ہے اور بہت نہیں بڑھایا ہے دن کا چوتھائی حصہ اس قابل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تین ساعت ہو اور رات اور دن کا بارہ اجزاء کی طرف منقسم ہونا تمام اقالیم کے نزدیک جن میں یہ تجربہ ممکن ہے متفق علیہ ہے اور اہل زراعت اور تجارت اور اہل صنعت وغیرہم کا اکثر یہی دستور ہے کہ صبح سے دوپہر تک اپنے اپنے مشغل میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ ان کے معاش کا اکثر یہی وقت ہوتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے اور بنایا ہم نے دن کو روزگار **وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا** اور فرماتا ہے تاکہ تم سے اس کے فضل کے طالب ہو **لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ** اور بہت سے اشغال اس قسم کے ہوا کرتے ہیں کہ ان کے کرنے کے لیے ایک مدت طویل کی حاجت ہوتی ہے اور سب لوگوں کا ایسے وقت میں نماز کے لیے تیار ہونا اور باقی کاموں سے یکسو ہو جانا موجب جرج عظیم کا ہوتا ہے۔ اسی واسطے شارع نے دن چڑھے کی نماز کو ان کے اوپر فرض نہیں کیا مگر اس کی طرف رغبت پوری پوری دلاتی ہے پس یہ بات ضروری ہوئی کہ شام کی نماز کے دو حصے ہو جائیں اور ان کے درمیان میں قریب دن کے ایک ربع کا فصل ہو اور وہ ظہر اور عصر کی نماز ہے اور اسی طرح رات کی نماز کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور اسی کے قریب وقت کا ان دونوں میں بھی فصل رہے اور وہ مغرب اور عشا کی نماز ہے اور یہ بات بھی ضروری کی بلا ضرورت کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔ ایک وقت کے دونوں حصوں کو جمع نہ کیا جائے ورنہ وہ مصلحت کے تعین اوقات میں جس کا لحاظ کیا گیا ہے فوت ہوئی جاتی ہے اور یہ دوسری اصل ہے اور تمام اقالیم صالحی کے باشندے اور جن کا مزاج حالت اعتدال پر ہے جو شرائع سے مقصود بالذات ہیں ہمیشہ ان کا یہ دستور ہے کہ اپنے حوائج میں جب سے صبح کی روشنی ہوتی اور جب تک شب کی تاریکی آتی ہے اپنے حواس اور فکر کو مصروف رکھتے ہیں۔ اور نماز کے ادا کرنے کے لیے مناسب وقت یا تو دو ہے جس وقت آدمیوں کا نفس اشغال معاشیہ کے اثر اور ان کے رنگ سے خالی ہو۔ جن سے آدمی اللہ تعالیٰ کو بھول جایا کرتا ہے ایسے وقت میں عبادات کو چونکہ خالی دل مل جاتا ہے تو اس میں جگہ کر لیتی ہے اور نفس کے اندر اس کا پورا اثر پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے **﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾** اور یادہ وقت مناسب ہے کہ جب آدمی نے کے قریب ہوتا ہے تاکہ جو کچھ کدورتیں اس کے قلب میں ان کے اشغال سے پیدا ہو گئی ہیں ان کے لیے اس وقت کی نماز اللہ اور اول کے واسطے منزل مقبل کے ہو جائے۔ چنانچہ مفسر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ شب کے نصف اول میں قیام کرنے کے برابر ہوا۔ اور جس شخص نے عشا اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ رات بھر قیام کرنے کے برابر ہوا **من صلى العشاء في جماعة كان لقيام نصف الليل الاول ومن صلى العشاء والفجر في جماعة كان كقيام ليلة** اور ایک وہ وقت ہے کہ جب وہ کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں جیسے دن چڑھے کا وقت ہے۔ تاکہ ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے دنیا کے اندر انہماک میں کمی ہو جائے اور اس کے واسطے تریاق کا کام دے اگر اس میں یہ بات ہے کہ

تمام لوگوں کو اس سے مکلف نہیں کر سکتے کیونکہ اس وقت میں یا تو ان سب کو اپنے کاروبار چھوڑنے پڑیں گے یا نماز چھوڑنی پڑے گی۔ اور یہ بھی ایک اصل ہے اور نیز تعین اوقات کے اندر اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ جو انبیاء سابقین سے ماثور ہے اس طریقہ کو اختیار کیا جائے اس واسطے کہ اس طریقہ کا اختیار کرنا ادائے طاعت پر نفس کے لیے خود ایک بڑا اور متنبہ اور ہوشیار کرنے والا ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر عبادت الہی میں ترقی چاہیں گے اور جو ان میں سے صالح ہوں گے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل جاری ہوگا۔ جس کی نسبت حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا ہے یہ آپؐ سے پیشتر گزرے ہوئے انبیاء کا وقت ہے۔ **هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ.**

الحاصل اوقات کے مقرر کرنے میں بڑے بڑے اسرار عمیقہ ہیں اس واسطے حضرت جبرائیلؑ آدمی کی صورت میں تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور نماز کے اوقات آپؐ کو سکھلائے اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے جمع بین الصلوٰتین کے جواز کی وجہ فی الجملہ اور نبی ﷺ پر نماز تہجد اور نماز چاشت کا واجب ہونا اور ایسے ہی اور انبیاء پر واجب ہونے کی وجہ جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے اور لوگوں کے لیے اس کا نفل ہونا اور نمازوں کے ان کے اوقات پر ادا کرنے کی تاکید کا سبب معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم

اور اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی ساعت کے اندر نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم تھا۔ اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور چونکہ وہی قرآن جو عرب کے نزدیک ظاہر تھے اور ادنیٰ و اعلیٰ اس کو معلوم کر سکتے تھے اس قابل تھے کہ ان کے موافق احکام مقرر کیے جائیں اس واسطے اوقات کے اوائل اور ان کے اواخر کے لیے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں اور ان اسباب کے مجتمع ہونے کی وجہ نمازوں کے اوقات چار قسم کے ہو گئے ایک تو اختیار یہ تو وہ وقت کہ اس میں بلا کراہت نماز ہو جاتی ہے اور زیادہ معتبر اس میں دو حدیں ہیں ایک تو وہ حدیث کہ جس میں حضرت جبرائیلؑ کے آنحضرت ﷺ کو دور و زنگ نماز پڑھانے کا بیان ہے اور ایک بریدہ کی حدیث جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کے اوقات دریافت کرنے والے کو یہ جواب دیا کہ دور و زنگ آپؐ نے نماز پڑھ کر اس کو دکھا دیا اور ان دونوں میں سے جو مفسر ہے دوسری حدیث پر جو مبہم ہے اس کا حکم ناطق ہوگا اور جو حدیث خلاف ہوگی اس میں بریدہ کی حدیث پر عمل کیا جائے گا کیونکہ وہ مدنی ہیں اور متأخر ہیں اور پہلے مکی ہیں اور ان سے متقدم ہیں اور متأخر کا ہی اعتبار ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا اخیر وقت شفق کے غائب ہونے سے قبل ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے دوسرے روز قحوظی ہی دیر کر کے مغرب کی نماز پڑھی ہو کیونکہ اس کا وقت کم ہوتا ہے اور راوی نے خواہ چوک سے یا اپنے نظن سے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں روز مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھی یا غایت قمت کے بیان کرنے کی غرض سے اس نے یہ کہا ہو۔ واللہ اعلم

اور بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر کا اخیر وقت اس وقت تک ہے کہ جب تک سورج میں تغیر آجائے اور اسی پر فقہاء کا اتفاق ہے پھر شامہ مثلیٰ اخیر وقت مختار یا مستحب کا بیان ہو یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اول شرع کی نظر اس بات پر پڑی ہو کہ عصر کی شق نکالنے سے مقصود یہ ہے کہ ہر دو نمازوں میں بتدریج دن کے فصل ہو اس لیے اس کا اخیر وقت مثلیٰ تک مقرر فرمایا ہے

اور پھر ان کے حوائج اور اشغال پر نظر ڈالنے سے اس وقت کا بڑھا دینا ضروری ہو اور نیز اس حد کے معلوم کرنے میں ایک قسم کی غور اور سایہ اصلی کے یاد رکھنے اور رصد کی ضرورت ہے اور لوگوں کو ایسی باتوں میں ان چیزوں کا حکم دینا منسب تھا۔ جو محسوس اور ظاہر ہوں اس لیے حضرت ایزدی نے آنحضرت ﷺ کے دل میں اس بات کا القا فرمایا ہو کہ آفتاب کے جسم یا اسی کی روشنی کے بغیر کو وقت کی انتہا گردانا جائے۔ واللہ اعلم

اور ایک وقت استحباب کا یہ ہے یہ وہ وقت ہے کہ اس میں نماز کا پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے اور وہ وقت سب نمازوں کے لیے اول کا وقت ہے بجز عشا کی نماز کے کہ اس کا اصل مستحب وقت دیر کر کے پڑھنا ہے اس کی وجہ وہی طبعی ترتیب ہے جس کو ہم بیان کر چکے جس کی نسبت حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو ان کو حکم دے دیتا کہ عشا کو دیر سے پڑھا کریں۔ **لَوْلَا اَنْ اَشَقَّ عَلٰی اُمَّتِيْ لَامَرْتَهُمْ اَنْ يُّؤَخِّرُوْا الْعِشَاءَ**۔ علاوہ بریں عشا کی نماز کو دیر سے پڑھنے سے باطن کا ان اشغال سے جو اللہ کی یاد سے مائل کرتے ہیں خوب تنفیہ ہوتا ہے اور آدمی کو پھر عشا کی نماز کے بعد قصے کہانیاں کہنے کی فرصت نہیں ہوتی مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر دیر سے نماز پڑھی جایا کرے تو جماعت میں کمی ہوتی چلی جائے اور لوگوں کو نماز سے بے رغبتی ہونے لگے اور بات الٹی ہو جائے اسی وجہ سے حضور پر نور ﷺ کی عادت تھی کہ جب لوگ کثرت سے آجاتے تب تو تعجیل کیا کرتے اور جو کم ہوتے تو دیر کر کے نماز پڑھا کرتے اور موسم گرما میں ظہر کی نماز میں بھی عشا کی طرح تاخیر مستحب ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو غنڈا کر کے پڑھا کر دو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا اوپھان ہے **اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَابْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَاِنْ شَدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ** میں کہتا ہوں اس سے یہ مقصود ہے کہ جو جنت اور جہنم کا خدائے تعالیٰ کے یہاں خزانہ ہے اس خزانہ سے اس عالم میں انبیاء مناسبت اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور کاسنی وغیرہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے اس کی بھی یہی تاویل ہے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے فجر کی نماز اجالا کر کے پڑھا کر واس لیے کہ اس کا اجر بڑا ہے۔ **اسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَانَّهُ اعْظَمُ لَلْاَجْرِ** میں کہتا ہوں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جن کو اسفار کے وقت لوگوں کا انتقار کرنے سے تعجیل جماعت کا خوف تھا یا بڑی بڑی مسجدوں سے نماز پڑھنے والوں کو یہ حکم ہے جن میں ضعیف لوگ اور بچے وغیرہ اکٹھے ہو جاتے ہیں جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھاے پس اس کو تنفیہ کرنی چاہیے کیونکہ اس میں ضعیف بھی ہوتے ہیں۔ اخیر حدیث تک **اَيْكُمُ صَلٰى النَّاسِ فَلْيُحْفَفْ فَاِنْ فَهِمُ الضَّعِيفُ الْحَدِيثَ**۔ یا یہ معنی ہیں کہ صبح کی نماز اتنی لمبی پڑھا کر دو کہ اسفار کے وقت تم ہوا کرے۔ اور ابو ہریرہ کی حدیث اس پر قرینہ ہے کہ آنحضرت ﷺ صبح کی نماز میں اس وقت سلام پھیرا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنے پاس سے ٹیٹھوے کو پہچانتے لگتا تھا اور سائنڈ آیت سے سو آیت تک پڑھا کرتے تھے۔ **كَانَ يَسْمَعُ فِي صَلٰوةِ الْعِدَاةِ حَسَنَ يَّعْرِفُ الرَّجُلَ حَلِيْبَهُ وَيَقْرَأُ بِالسُّبْحِ اِلَى الْمِائَةِ** اب اسفار کی حدیث میں اور ظہر کی حدیث میں ہجرت منافات نہیں رہی اور ایک ان چار اوقات میں سے ضرورت کا وقت ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ بلا حذر شرعی اس وقت تک نماز میں دیر کرنا ممنوع ہوتا ہے پناہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اس شخص کو صبح کی نماز سورج کے نکلنے سے پہلے ایک رکعت مل گئی اس کو صبح کی نماز مل گئی اور اس کو آفتاب کے غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت مل گئی اس کو عصر کی نماز مل گئی اور اس کو آدھ رکعت

من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ نماز منافق کی ہے اتار بتا ہے اتار بتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے۔ اخیر تک تلك الصلوة المنافق يرقب حتى اذا اصفرت الحديث اور حضرت ابن عباسؓ نے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشا کی نماز کے جمع کرنے کی حدیث روایت کی ہے وہ بھی اس قبیلہ سے ہے اور غدر شرعی یہ ہیں جیسے سفر یا بیماری یا مینہ اور عشا کی نماز کو ضرورت کے وقت طلوع فجر تک مؤخر کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

اور ان چاروں میں ایک قضاۓ نماز کا وقت ہے اس وقت کا وہی وقت ہے کہ جب اس کو نماز یاد آ جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی وقت کی نماز کو بھول جائے یا اس کے وقت سو جائے تو جب اس کو نماز یاد آئے اسی وقت پڑھ لے من نسی صلوة او نام عنها فليصلها اذ ذكرها میں کہتا ہوں ساری بات اس میں یہ ہے کہ اس کے تھوڑے سے نفس کو مطلق العنانی نہ ہو جائے اور جو کچھ نماز کا فائدہ اور اس کا اثر اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس کو وہ پھر مل جائے علماء نے نماز کو خود فوت کرنے کو بھی فوت ہو جانے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے اس نظر سے کہ جب اس نے خود نماز کو فوت کیا ہے تو اس کے پورا کرنے کی حاجت اور بھی زیادہ ہے اور حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جب ان پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو نماز کو بے جان کر کے یعنی اخیر وقت پڑھا کریں یہ وصیت فرمائی تو نماز کے وقت پر نماز پڑھا کرنا پھر اگر ان کے ساتھ بھی تجھ کو نماز مل جائے تو ان کے ساتھ پڑھ لیا کرنا اس لیے کہ وہ تیرے لیے نفل ہو جائے گی۔ میں کہتا ہوں حضور نے نماز کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا ایک تو اس کے بندے اور اس کے خالق میں وسیلہ ہونے کا۔ اور دوسرے اس بات کا کہ وہ اسلام کے شعائر میں سے ہے اور اس کے تارک پر ملامت کی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے برابر میری امت خیریت سے رہے گی۔ اس وقت تک کہ وہ مغرب کی نماز کو ستاروں کے چمکنے تک دیر کر کے نہ پڑھیں گے۔ لاتزال امتی بخیر ما لم یوخر والمغرب الی ان یشتبک النجوم میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدود شرعیہ کے اندر سستی کرنا دین کے اندر تحریف اور بگاڑ کا سبب ہو جایا کرتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے سب نمازوں کا دھیان رکھو اور درمیان کی نماز کا۔ خَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ درمیان کی نماز سے نماز عصر مراد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس نے دونوں ٹھنڈک کے وقت یعنی صبح و شام کی نماز پڑھی جنت میں داخل ہو گیا۔ من صلی البردین دخل الجنة اور فرمایا ہے جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ من ترک الصلوة العصر حبط عمله اور فرمایا ہے جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کی اولاد اور مال غارت ہو گیا۔ الذی تفوته صلوة العصر فکانما وتراہلہ و مالہ اور فرمایا ہے منافقین کے اوپر کوئی نماز فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں نہیں ہوتی اور جو کچھ ان نمازوں کے اندر ہے ان کو اگر معلوم ہوتا تو ان کے لیے بتایا کرتے چاہے ٹھنڈے کیوں نہ ہوتے۔ لیس صلوة اتقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو يعلمون ما فیہا لانہما ولوحبوا میں کہتا ہوں ان تین نمازوں کا زیادہ تر اہتمام اور ان کے متعلق ترہیب و ترغیب اس واسطے کی گئی ہیں کہ ان نمازوں میں سستی اور کمالی کا مظنہ ہے اس واسطے کہ فجر اور عشا کا وقت تو لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر اپنے بستر اور گدے کو خود گی اور نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہیں اٹھ کر کھڑا ہو

جائے گا۔ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین اور اس کا خوف ہے۔ اور عصر کی نماز کا وقت وہ ہے جو ان کی دوکانوں کے چلنے اور خرید و فروخت کرنے کا وقت ہے اور کسان لوگ جب تھک کر چور ہو جاتے ہیں تو اسی وقت اپنے گھروں میں آ کر پڑتے ہیں اور یہ وقت ان کے آرام کرنے کا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ایسا نہ ہو کہ تمہاری مغرب کی نماز کے نام میں گنواروں کی بات تمہارے اوپر چل جائے اور ایک حدیث میں عشاء کی نماز کے نام پر آیا ہے: لَا يَغْلِبُنْكُمْ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَوتِكُمُ الْمَغْرِبِ فِي وَفِي حَدِيثٍ آخَرَ عَلَى اسْمِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ. میں کہتا ہوں کتاب سنت میں جو ایک چیز کا ایک نام آیا ہے اس کا دوسرا اس قسم کا نام رکھ لینا جس کے باعث سے پہلے نام کے متروک ہونے کا خوف ہو ممنوع ہے اس واسطے کہ اس سے دین میں التباس اور کتاب آسمانی کا اُن پر دشوار ہونا لازم آتا ہے۔

اذان کا بیان

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت ایک ضروری اور مقصود چیز ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدو ان اہل ایمان اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے تو اب انہوں نے باہم گفتگو کی کہ ایسی چیز کیا ہو جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کسی نے آگ روشن کرنے کا ذکر کیا تو مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ کسی نے زنگہ بجانے کی کہا تو آپ نے یہود کی مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو نا منظور فرمایا اور کسی نے ناقوس کے لیے کہا تو آپ نے نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو نا منظور فرمایا۔ یہ گفتگو کر کے بلا کسی بات کی تعیین کے لوگ اپنے اپنے کلمہوں کو آگے۔ اس عرصہ میں حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان اور اقامت کو دیکھا اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے خواب کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا اچھی خواب ہے۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار مصلحتوں پر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتماع کو بھی ان میں دخل ہے اور آسانی تو ایک اصل اسیل چیز ہے ہی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شعائر دین میں ان لوگوں کی مخالفت بھی شارع کو منظور ہے جو کمرابی میں صد سے گزر گئے ہیں اور نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کے سوا کوئی اور بھی بذریعہ خواب یا الہام سے اللہ تعالیٰ کی مراد پر مطلع ہو سکتا ہے مگر لوگ اس حکم کے مکلف نہیں ہو سکتے یا وہ حکم یقینی نہیں ہو سکتا جب تک کہ نبی ﷺ نے اس کو بقرآن نہ رہا نہ اور حکمت الہیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ اذان کے اندر صرف اطعام تنبیہ نہ پائی جائے۔ بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعائر نمبر ایا جائے ان لوگوں کے سروں پر اس کے لفظ پکارے جائیں جو مساجد سے ملکہ وہ ہیں۔ اور اس نشان مذہب کی عزت کی جائے اور اس کا قبول کر لینا لوگوں کے دین الہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اس لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الہی اور شہادتین سے اس کی ترتیب ہو اور نماز کا باوجود ابھی اس میں پایا جائے تاکہ جو چیز اس سے منظور ہے وہ اس سے صراحتاً سمجھ میں آجائے اور اذان کی طریقت مروجہ میں مگر سب سے زیادہ صحیح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے تو آنحضرت ﷺ کے عہد میں اذان دو دو مرتبہ ایک ایک طرہ سے کہنے سے ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ کے کہنے سے مگر قدامت الصلوٰۃ کو مؤذنین دو مرتبہ کہا کرتے تھے اس کے بعد ابی مخذوم کا طریقہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اذان اور اقامت اس طرح تعلیم فرمائی کہ اذان میں تو انیس کلمے اور

اقامت میں سترہ کلمے اور میرے نزدیک تو اس کا حال قرآن کی قراءتوں کا سا ہے کہ سب کافی اور شافی ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پھر اگر صبح کی نماز کا وقت ہے تو تجھے یہ بھی کہنا چاہیے الصلوة خیر من النوم میں کہتا ہوں چونکہ یہ سونے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لیے زیادہ تر تنبیہ کی حاجت ہے۔ لہذا اس لفظ کا بڑھا دینا مناسب ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اذان کہے تو وہی اقامت بھی کہے من اذن فهو یقم۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے اذان شروع کی تو اس کے بھائی مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس نے جو منافع کا حاصل کرنا چاہا ہے اور وہ اس کے لیے مباح ہیں کسی کی ملک نہیں ہیں اس میں اس سے مزاحمت نہ کریں جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا ہے کوئی شخص اپنے بھائی کی متغنی ہوتے پر اپنی متغنی نہ کرے۔ لا یخمل الرجل علی خطبة اخیه اذان کے فضائل اس سے سمجھو کہ ایک تو وہ اسلام کا شعار ہے اور اس کی وجہ سے کسی ملک کو دارالاسلام ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ لہذا حضور اکرم ﷺ کا قاعدہ تھا کہ اگر آپ اذان سن لیا کرتے تب تو کچھ نہ کرتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو اس شہر کو غارت کر دیتے ایک یہ کہ وہ نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اس میں اسلام کے بڑے عظیم الشان رکن پر اور اس عبادت پر جو سب کی اصل ہے لوگوں کی ترغیب ہوتی ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور شیطان عین کو سوزش اس نیکی میں ہوتی ہے اور جو اوروں کی طرف متعدی ہو اور اس میں اللہ کی بات اُدچی رہے کسی چیز میں نہیں ہوتی چنانچہ آپ نے فرمایا ہے شیطان کے اوپر ایک فقیہ کا دباؤ بہ نسبت ہزار عابد کے زیادہ ہوتا ہے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب نماز کے لیے لوگوں کی پکار ہوتی ہے تو شیطان وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے۔ اذا نودی للصلوة ادبر الشیطان له ضراط اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مؤذن لوگ سب لوگوں سے لمبی لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ المؤذنون اطول الناس اعناقاً اور فرمایا ہے جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے اسی قدر اس کے لیے بخشش ہوگی اور جن انسان اس کی گواہی دیں گے۔ المؤذن یغفر له مدی صوته و یشہد له الجن والانس میں کہتا ہوں جزا و سزا کا معاملہ معافی کی صورتوں کے ساتھ تناسب اور ارواح کے اشباح کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے اس لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ مؤذن کی اوروں کے اوپر اس کی گردن اور آواز کے اعتبار سے عو شان کا ظہور ہو۔ اور جس طرح اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف کو پکار لوگوں میں پھیل جاتی تھی اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے اوپر پھیل جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے طلب ثواب کی غرض سے سات سال تک اذان دی تو آگ سے اس کے لیے رہائی لکھ دی گئی۔ من اذن سبع سنین محتسباً کتبت له براءۃ من النار اور یہ اس واسطے کہ اس کے اس سے دل کے اندر تصدیق کا ہونا ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی سات سال تک وہی شخص اذان دے سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اتنے عرصہ تک اذان دیتے دیتے اس نے اپنے آپ کو اس قابل بنالیا کہ رحمت الہی اس پر چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دعا ہے کہ لیے جو پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چراتا تھا فرماتا ہے میرے اس بندے کو تو دیکھو اذان کہتا ہے اور نماز کی پابندی کرتا ہے مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اس کو بخش دیا اور اس کو میں نے جنت میں داخل کر دیا۔ انظروا الی عبدی هذا یؤذن و یقیم الصلوة بخاف منی قد غفرت له و ادخلته الجنة اللہ پاک کا یہ فرمانا کہ مجھ سے ڈرتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ

اعمال کا اعتبار اس کے دوائی پر ہوتا ہے۔ جو ان اعمال پر ابھارتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اعمال اشباح ہوتے ہیں اور ان کی ارواح ان کی دوائی ہوا کرتی ہیں پس خدائے تعالیٰ سے اس کا خوف کرنا اور اس کا اخلاص مغفرت کا سبب ہو گیا اور چونکہ اذان شعائر دین میں سے ایک شعائر ہے اور اس شناخت کے لیے بنائی گئی ہے کہ لوگوں کا ہدایت الہیہ کا قبول کر لینا اس سے پہچان لیا کریں اس واسطے اذان کے جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا تاکہ ان سے جو مقصود ہے جواب دینے میں سے اس کی تصریح ہو جائے پس جب مؤذن ائمہ اکبر کہے سننے والا بھی جواب میں کہے اور جب وہ شہادتین کو ادا کرے یہ بھی ادا کرے اور جب وہ وحی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے تو جواب دینے والا ان الفاظ کے ساتھ اس کا جواب دے جن پر عمل کی قوت دینے اور گنہ سے باز رکھنے کی نسبت خاص الہی طرف پائی جائے۔ بلا شرکت غیرے یعنی لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہے تاکہ عبادت کرتے وقت عجب کے پیدا ہونے کا احتمال جاتا رہے جو شخص خصوص قلبی سے ایسا کرے گا جنت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ یہ اس کا فعل ظاہری دلی تابعداری اور اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے کا عنوان اور اس کی صورت ہے اور پھر اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ نبی کریم کے واسطے دعا کرے یعنی اللہم رب هذه الدعوة۔ اخیر تک پڑھے تاکہ آنحضرت کریم کے دین کا قبول کر لینا۔ اور آپ کی محبت اس سے ظاہر ہوئے اور حضور کریم نے فرمایا ہے اذان اور اقامت کے درمیان میں دعا رخصت ہوتی۔ لا یورد الدعاء بین الاذان والاقامة میرے نزدیک اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رحمت الہیہ کا اس وقت میں شمول ہوتا ہے اور بندے کی طرف سے امتیاد اور تابعداری کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور آنحضرت کریم نے فرمایا ہے بلال تو رات سے اذان دے، یا کرتا ہے اس واسطے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہا کرو جب تک کہ ابن مکتوم اذان نہ دے۔ ان بلا لا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن مکتوم میں کہتا ہوں امام کے لیے مستحب ہے کہ اگر اس کو ضرورت معلوم ہو تو وہ مؤذن مقرر کرے۔ جن کی آوازوں کو لوگ پہچانتے ہوں۔ اور لوگوں کو جتلا دے کہ فلاں مؤذن تو کچھ رات سے اذان دے دیتا ہے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہو۔ جب تک کہ وہ اسرا مؤذن اذان نہ کہہ دیا کرے اس میں یہ ہو گا کہ پہلی اذان سے جو شخص اٹھ بیٹھا ہے اور نہ نیند میں ہے وہ تو آگے کو چلا اور نہ کرے گا اور جو سو رہا ہے وہ نماز کے لیے اٹھ بیٹھا گا اور اگر سحری اس نے نہیں کھائی تھی تو اس کو جنت پٹ ملے گا اور آنحضرت کریم نے فرمایا ہے جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تم نماز کے لیے بھاگ کر مت آؤ۔ بلکہ اپنی جگہ پر آؤ۔ اذ اقممت الصلوٰۃ فلا تاتوها تسعون و انوها تمشون میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ بہت سے اندر ترقی اور تکلف نہ کرنا چاہیے۔

مساجد کا بیان

مسجد کے نام کی فضیلت اور اس کا احترام اور مسجد میں نماز کا انتظار کرنا ان سب باتوں کا مدار ای پر ہے کہ وہ شعائر اسلام ہیں۔ پس جب بنانے پر حضور کریم نے فرمایا ہے جب تم کو مسجد نظر آ جائے یا کسی کو اذان کہے ہوئے سن لو تو پھر کسی کو مت قتل کرو۔ ادا راسم مسجدا او سمعنیہم مؤذنا فلا تہلوا احدا اور مسجد کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نماز کی جگہ ہے۔ مسجدوں کے اہتمام

کرنے کا گھر ہے اور اللہ کی رحمت اس میں اُترتی رہتی ہے اور من وجہ کعبہ کے ساتھ اس کو مشابہت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے گھر سے پاک نبو کر نماز فریضہ کے لیے نکلا تو اس کا اجر ایسا ہے جیسے حج کرنے والے جو حالت احرام میں ہوں اور جو شخص چاشت کی نماز کے لیے نکلا مگر خاص اسی لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ من خرج من بيته متعلها الى صلوة مكتوبة فاجره كاجر الحاج المحرم ومن خرج الى تسبيح الضحى لا ينصبه الا اياه فاجره كاجر المعتمر اور فرمایا ہے جنت کے باغوں میں جب تمہارا گزر رہا ہو کرے تو اس میں چرا کر دیکھی نے عرض کیا اور جنت کے باغ کیا ہیں آپ نے فرمایا مساجد: اذا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا قِيلَ وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ اور نماز کے اوقات میں اپنے کاروبار اور اہل و عیال کے سامنے مسجد کی طرف دل کا لگانا صرف نماز کی خاطر اس شخص کے اخلاص اور اپنے پروردگار کے سامنے دلی انقیاد اور تابعداری کی دلیل ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب ایک شخص نے وضو کیا اور اچھے طور پر کیا پھر مسجد کو صرف نماز کی خاطر چلا تو اس کا جو قدم پڑتا جاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند اور ایک گناہ کم ہوتا چلا جاتا ہے پھر جب اس نے نماز پڑھی تو جب تک وہ اپنی نماز میں رہتا ہے برابر فرشتے اس کے لیے دعا مانگتے رہتے ہیں کہ خدایا اس پر فضل کر خدایا اس پر رحم کر اور تم میں سے جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے۔ اذا تَوَضَّأَ فَاحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يَخْرُجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رَفَعَتْ بِهَا دَرَجَتَهُ أَحْطَ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي صَلَاةِ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ اللَّهُمَّ أَرْحَمِهِ وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انتظر الصَّلَاةَ اور مسجد کا بنانا اعلاء کلمۃ اللہ میں تائید کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کو مسجد کو جاتا ہے یا رات کو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی مہمانی ہر صبح کے جانے اور رات کے جانے پر تیار کرتا ہے۔ من غدا الى المسجد اور اح اعد الله له نزله من الجنة كلما غدا اور اح میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ہر صبح اور رات کے جانے میں بسمیہ کی ملکیہ کے لیے تابعداری پائی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ من بنی لله مسجدا بنی الله بیتا فی الجنة اس کی وجہ میرے نزدیک یہی ہے کہ اعمال کی جزاء ان کی صورت پر ہوتی ہے اور وضو کے جاتے رہنے سے نماز کے انتظار کا ثواب اس واسطے نہیں رہتا کہ جب اس کا وضو نہیں رہتا کہ جب اس کا وضو نہیں رہتا تو نماز کے لیے اس کی تیاری باقی نہیں رہی۔ اور آنحضرت ﷺ کی مسجد اور مسجد حرام کو ثواب کے زیادہ ہونے میں فضیلت حاصل ہونے کی کمی وجہ ہیں۔ ایک تو ان مواضع میں خاص خاص فرشتے مقرر ہیں۔ جو وہاں کے باشندوں پر صبر سے رہتے ہیں۔ اور جو وہاں آتا ہے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے ان مواضع کی آبادی شعائر الہی کی تعظیم اور اعلاء کلمۃ اللہ میں داخل ہے تیسرے ان مواضع میں آنے سے آمد دین کا حال یاد آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے بجز تین مسجدوں کے کہیں کو کجاوے نہ کھینچے جائیں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد میں کہتا ہوں اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنے زعم میں جن مقامات کو وہ واجب التعظیم جانتے تھے ان مقامات کی زیارت کرنے اور برکت کے لیے سفر کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دین کی تحریف اور اس کا بگاڑ تھا آنحضرت ﷺ

نے اس فساد کے مٹانے کے لیے یہ فرمایا تا کہ جو چیزیں شعائر الہی نہیں ہیں وہ شعائر میں داخل نہ کر لی جائیں اور عبادت غیر اللہ کا یہ ذریعہ نہ بن جائے اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کی قبر یا اس کی عبادت کرنے کی جگہ اور کوہ طور سب اسی کے اندر داخل ہونے میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم

مسجد بے آداب کے کئی طور ہیں ایک تو نفس مسجد کی عظمت کا لحاظ کرنا اور اپنے نفس کو زبردستی اس بات پر مجبور کرنا کہ اور خیالات اس سے دور ہوں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد مطلق العنانی کے طور پر نہ رہنا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کو بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھ لینی چاہئیں۔ اِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ۔ اور ایک مسجد کو ان چیزوں سے جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان کو ناپاک جانتے ہیں نفاقت اور پاکی کا خیال رکھنا چاہیے جس کی نسبت راوی کہتا ہے کہ حکم دیا نبی ﷺ نے مسجد کے بنانے اور اس کے پاک صاف اور معطر رکھنے کا۔ اَمْرُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَانْ يَنْتَخِفَ وَيَتَغَلِّبَ۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوڑے کا اجر جس کو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے عرضت علی اجور امتی حتی القذاة يخرجها الرجل من المسجد۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوڑے کا اجر جس کو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے۔ عرضت علی اجور امتی حتی القذاة يخرجها الرجل من المسجد۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے مسجد میں تھوکنے کا ایک خطا ہے اور اس کا کفار وہ یہ ہے کہ اس پر خاک ڈال دے۔ البزاق فی المسجد خلیئة و کفارتھا دفنھا۔ اور ایک یہ ہے کہ ایسی بات کوئی نہ کرے جس سے عبادت کرنے والوں کا دل اچاٹ ہو جائے اور بازار کا سا شور وغل نہ کرے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اس کا ترکش روک لے۔ اَمْسِكْ بِنَصَالِهَا۔ اور فرمایا ہے جو کسی شخص کو مسجد کے اندر اپنی گندہ چیز کے لیے آواز دیتا ہو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تیرے پاس لوٹا کر نہ لائے۔ اس واسطے کہ مسجد میں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ صَالَةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَوْحًا لِلَّهِ الْبَلَكُ فَانِ الْمَسَاجِدَ لِمَنْ تَبَنَ لِهَذَا۔ اور فرمایا ہے جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید یا فروخت کرنا دیکھو تو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ اِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَتَبَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا رِيحَ اللَّهُ تِجَارَتُكَ۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مسجد سے اندر شہر خوانی اور قہر خوانی اور حدود کے قائم کرنے سے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں کہ مسجد کے اندر گم شدہ چیز کے لیے آواز دینے والے اس واسطے منع کیا ہے کہ وہ ایک قسم کا شور اور نمازیوں کا اور ان لوگوں کا جوع تکاف کے اندر ہیں دل اچاٹ کرنے والا ہے۔ اس لیے اس سے منع کرنے کے واسطے یہ بددعا کرنا مناسب ہو جس میں شور کرنے والے کی ذلت سمجھی جاتی ہے اور بدعا میں اس کے مطلوب سے نفاق امر ذکر کیا گیا اور نبی ﷺ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ مسجد میں اس واسطے نہیں بنائی گئی ہیں یعنی وہ تو نماز کے لیے اور اللہ کی یاد کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں اور مسجد کے اندر خرید و فروخت کرنے سے اس واسطے منع فرمایا تا کہ مسجد کو لوگ بازار نہ بنالیں اور اس میں خرید و فروخت کیا کریں اور اس کی عظمت اور عزت و فہم سے نکل جائے اور نمازیوں اور مفسلین کا دل ہٹ جائے اور اشعار سے منع کرنے کی بھی یہی وجہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ حالانکہ ہر اشعار کے پڑھنے میں ذکر الہی سے اعراض اور نیز

اور دس کو اعراض کی ترغیب پائی جاتی ہے اور قصہ گوئی اور حدود قائم کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شور و غل اور رونے پینے کا اور نمازیوں کے دل ہٹنے کا احتمال ہے مگر وہ اشعار کہ جن میں ذکر الہی یا حضور نبی کریم ﷺ کی نعت وغیرہ اور کفار کا جلانا پایا جائے اس سے مستثنیٰ ہیں اس واسطے کہ وہ غرض شرعی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان بن علیؓ کو یہ دعا دی کہ خدایا روح القدس سے اس کی تائید کرے۔ **اللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کسی حائض اور جب کے واسطے میں مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ **اِنِّیْ لَا اَحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جَنْبٍ** میں کہتا ہوں اس کی وجہ مسجد کی تعظیم ہے اس واسطے کہ بڑی تعظیم ایک چیز کی یہ ہے کہ بغیر طہارت کے آدمی اس کے پاس نہ جاسکے مگر بے وضو مسجد میں آنے سے ممانعت کرنے میں حرج تعظیم تھا اور جب اور حائض کی ممانعت کرنے سے کچھ دقت نہیں ہے دوسرے یہ کہ جب اور حائض کو نماز سے بہت بعد ہے اور مسجد نماز ہی کے لیے موضوع ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اس بد بودار درخت کو کھائے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کیونکہ جس چیز سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ **مَنْ اَكَلَ هَذِهِ الشَّجَرَةَ الْمَتْنَنَةَ فَلَا يَقْرَبُ مَسْجِدًا فَانَ الْمَلَائِكَةُ تَنَادِي مَا يَتَادِي مِنْهُ الْاَنَسُ** میں کہتا ہوں وہ بد بودار درخت پیاز یا لہسن ہے اور ہر بد بودار چیز کا حکم یہی ہے اور فرشتوں کی تکلیف پانے کے معنی یہی ہیں کہ ان کو وہ چیز بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کی اضداد چیزوں سے ان کو نفرت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کو یہ کہنا چاہیے **اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ** پھر جب مسجد سے باہر آئے تو کہے **اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ** میں کہتا ہوں جانے والے کے لیے طلب رحمت کی تخصیص اور باہر آنے والے کے لیے طلب فضل کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں رحمت نفسانی اور اخروی نعمتیں مراد ہوا کرتی ہیں جیسے ولایت اور نبوت چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَ رَحْمَةٌ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ** اور تیرے رب کی رحمت اس چیز سے جو جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔ اور فضل سے دنیاوی نعمتیں مراد ہوتی ہیں۔ جیسے فرماتا ہے **فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** پھر جب نماز ہو چکے تو پھیل جاؤ زمین میں اور اللہ کے فضل کے طالب ہو اور جو شخص مسجد میں جاتا ہے اس کی غرض قرب الہی کا حاصل ہونا ہوتا ہے اور مسجد سے نکل کر پھر روزی تلاش کرنے کا وقت ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اِذَا دَخَلَ احَدَاكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَجْلِسَ** تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے اس کو دو رکعت پڑھ لینی چاہئیں میں کہتا ہوں یہ اس واسطے مقرر کیا گیا کہ جو مکان نماز کے لیے وضع کیا ہے اس کے اندر جاتے ہی نماز نہ پڑھنا باعث حسرت ہے۔ دوسرے اس میں ایک امر محسوس ہے نماز کی طرف رغبت تحبب نمیک ہو جاتی ہے اور اس میں مسجد کی تعظیم بھی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **الارض کلھا مسجد الا المقبرة والحمام** مقبرہ اور حمام کے تمام زمین مسجد و گاہ ہے اور سات جگہ میں نماز پڑھنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ **وَرُزْءُ مَقْبَرَةٍ** نہ نماز راستہ تمام انہوں کے رہنے کی جگہ اور باطل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو چکی ہے میں کہتا ہوں رُزْءِ اور مذبح میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے اولیاء اور صالح کی قبروں کی بتوں کی

طرح پرستش شروع نہ کر دیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ تر قربت الہی کا سبب سمجھتے ہیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور ﷺ کی مراد اس کے فرمانے سے یہی ہے **لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ انبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ**۔ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور آنحضرت ﷺ نے سورج کے غروب اور طلوع اور استعلاء کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی کی نظیر ہے اس واسطے کہ کفار ان اوقات میں آفتاب کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور تمام میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان باتوں سے نمازی کا دل ہٹ جائے گا اور حضور ﷺ سے وہ اپنی التجا نہ کر سکے گا اور جہاں اونٹ باندھے جاتے ہیں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر چھوڑتا نہیں اور پھر اس کی عادت بھی یہ ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ وہاں کھڑا ہو کر نمازی کا دل نماز میں نہ لگے گا بخلاف ان مواضع کے جہاں بمریاں بند ہوتی ہیں اور بیچ سڑک میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی کہ اول تو راہ چھنے والوں سے اس کا دل بٹے گا۔ اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا۔ دوسرے درندے وغیرہ ادھر کو ہو کر نکلتے ہیں جیسا کہ وہاں اترنے سے نہی صریح وارد ہے اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ بلا ضرورت بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اس میں ایک طرح کی بے حرمتی ہے اور اس کا بھی یقین نہیں کہ ایسے وقت میں استقبال الی القبلہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور جس زمین پر حسف وغیرہ یا پتھر برسائے سے اللہ کی لعنت ہو چکی ہے اس میں نماز پڑھنے سے ان چیزوں کا ہکا بکنا پایا جاتا ہے دوسرے جو مقام غضب کے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور میتوں کے دور رہنا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **وَلَا تَدْخُلُوا الْبَاكِينَ** اور وہاں جب جاؤ روتے ہوئے جاؤ۔

نمازی کے کپڑوں کا بیان

معلوم کرو کہ کپڑوں کا پہننا ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو تمام بہائم سے امتیاز حاصل ہے۔ اور کپڑے کا پہننا انسان کے لیے بہترین حالات میں سے ہے اور اس میں ایک قسم کی تلہارت بھی پائی جاتی ہے اور نماز کی بھی اس میں تقسیم ہے اور رب العالمین کے رو برو عرض کرنے سے آداب میں شامل ہے اور وہ خود ایک واجب چیز ہے مگر نماز کے اندر اس کو شرط کر دیا یہ ہے اس واسطے کہ نماز کے معنی کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور شارع نے اس کی دو حدیں قرار دی ہیں ایک تو دوحہ ہے کہ اس کے بغیر پادشیں اور نماز صحیح نہیں ہو سکتی اور ایک آفتاب کی حد ہے پہلی حد مرد کے لیے پوشا ب اور پائنا کا مقام ہے اور ان دونوں میں بھی پوشا ب کا مقام بہت ہی زیادہ ضروری ہے اور دونوں رائیں بھی انہیں کے ساتھ ملحق ہیں اور عورت کے لیے اس کا تمام بدن سترنے اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لَا تَنْفِلُ صَلَوةَ حَائِضٍ إِلَّا بِحِمَارٍ** عائف یعنی بالغ عورت کی نماز بدون اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی اور ان کو دونوں مقاموں سے ساتھ اس واسطے ملحق کر دیا ہے کہ وہ بھی دونوں مل شہوت ہیں اور ایسے ہی تمام بدن عورت کا مل شہوت ہے اس وجہ سے وہ بھی انہیں کے ساتھ ملحق ہے۔ اور اب اس مقب کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لَا يَصْلُحُ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لِسَى عَلَى نَتْنِهِ مَهْ شَيْءٍ** وقال اذا كان واسعا فحالف بس طرفه ثم

میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں جس وقت کہ اس کے کاندھے پر وہ کپڑا بالکل نہ ہو نماز نہ پڑھے اور فرمایا ہے اگر کپڑے میں گنجائش ہو تو اس کے دونوں طرف ادھر ادھر ڈال لے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ تمام عرب اور عجم اور تمام وہ لوگ جن کا مزاج ٹھیک ٹھیک انسانیت پر ہے۔ علی اختلاف الاوضاع سب کا پورا لباس اور پوری ہیئت کی درستی اس میں ہوتی ہے کہ ان کی پشت اور کاندھے کپڑے سے ڈھک جائیں خواہ ان کے لباس کی چھ ہی وضع کیوں نہ ہو قبا ہو یا قمیص ہو یا حلیہ ہو یا کچھ ہو۔ اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے ایک کپڑے کے اندر نماز پڑھنے کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کیا سب کے لیے دو کپڑے ہوا کرتے ہیں پھر حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا جب اللہ گنجائش دے تو گنجائش دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث کی نسبت دریافت کیا گیا تھا اور حضرت عمرؓ کا قول حدیثی کا بیان ہے اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے حدیثی کا ہی سوال کیا گیا ہو مگر آپؓ نے اس لحاظ سے کہ دو کپڑوں کا حکم دینے میں اگرچہ استحباب کے لیے ہے وہ شرط ہوں ایک قسم کا حرج ہے دو کپڑوں کا حکم نہیں دیا۔ اور یہ بھی تھا کہ جس شخص کو دو کپڑے میسر نہ ہوتے اپنے زعم میں نماز کے مکمل نہ ہونے کا اس کو خیال رہتا اور اس واسطے اس کی نماز غیر مکمل ہوتی اور جب حضرت عمرؓ نے یہ بات معلوم کر لی کہ احکام کے مقرر کرنے کا وقت تو گزر گیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نماز کے اندر لباس کی تکمیل مستحب ہے اس واسطے اس کے موافق یہ جواب دے دیا۔ واللہ اعلم رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی نسبت جس کا نماز پڑھنے میں ستر پیچھے کی جانب کو بندھا ہوا ہو۔ انما مثل هذا مثل الذی یصلی وهو منکوف۔ اس شخص کا حال ایسا ہے جس کے شانے بندھے ہوئے ہوں میں کہتا ہوں اس سے آپؓ نے یہ بات بتلا دی کہ صورت اور لباس اور شکل کا بگاڑ لینا کراہت کا موجب ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں نمازی کے واسطے ضروری ہے کہ جو چیز اس کی نماز میں خلل ڈالے اور اس سے دل بٹا ہو خواہ اس چیز کی خوبصورتی بے یافنس کے اترانے کی وجہ سے اس کو آپؓ سے علیحدہ کر دے تاکہ جو نماز سے مقصود ہے وہ پورے طور پر حاصل ہو سکے اور یہودی لوگ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھنے کو برا جانتے تھے اس لیے اس میں ایک قسم کی ترک تعظیم ہے کیونکہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت جوتوں کو اتار لیا کرتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **فَاَخْلَعْنَا نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالنَّوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى**۔ اپنے جوتے اتار دے تو پاکیزہ میدان طوی میں ہے اور جوتے اور موزے کے اندر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ لباس کی تکمیل اس پر موقوف ہے اس لیے حضور ﷺ نے یہود کی مخالفت کی وجہ سے قیاس اول کو ترک کر کے اور دوسرے قیاس کو ہمیشہ کے لیے جاری رکھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **خَالِفُوا الْيَهُودَ فَاَنْهِيهِمْ لَا يَصْلُحُونَ فِي نَعَالِهِمْ وَخَفَافِهِمْ**۔ یہود کی مخالفت کرو اس لیے کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ہیں پس صحیح یہ ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنا اور نعل پہن کر نماز پڑھنا برابر ہے اور آنحضرت ﷺ نے نماز کے اندر سدل کرنے سے منع فرمایا ہے اور سدل کے معنی میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ایک کپڑا اس طرح اوڑھ لے کہ ہاتھ بھی اس کے اندر ہی رہیں اور عنقریب آتا ہے اشتغال العما، یعنی بدن پر اس طرح کپڑا پیٹ لینا کہ ہاتھ اندر رہیں بدترین لباسوں کا ہے کیونکہ ہاتھوں کا چھونا ہوا رکھنا عادت انسانی اور اس کی طبیعت میں داخل ہے اور یہ ہیئت بالکل اس کے خلاف ہے۔ دوسرے اس کے اندر ستر کے کھلنے کا بد وقت اندیشہ ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی کو ہاتھ کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے

اور اس سے ضرور ستر کھل جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک سدل کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر کوئی کپڑا ڈال لے اور اس کے دونوں جانب چھٹے رہیں اس سے بھی وضع اور شکل میں نقصان ہوتا ہے اور بیت کے پورا اور مکمل ہونے سے ہماری یہ مراد ہے کہ جس کو عرف اور عادت میں یہ کہہ سکیں کہ جو چیز لباس وغیرہ میں ہونی چاہیے اس میں وہ سب موجود ہے کسی کی کمی نہیں ہے۔ اور سب کے لباس کی وضع جداگانہ ہے مگر سب لباسوں میں تلاش کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پورا لباس ہر ایک فرقہ کے لیے ضرور ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے تو عرب کے دستور پر جو اس زمانہ میں ان کے لباس کا دستور تھا حکم دیا ہے۔

قبلہ کا بیان

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چھ یا سات مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے رہے پھر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا اور یہ حکم ہمیشہ کے لیے مقرر ہو گیا میں کہتا ہوں اس کے اندر یہ بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کے آئمہ و ان کی لوگوں پر چونکہ تعظیم کرنی واجب تھی خاص کر اس عبادت میں جو سب عبادتوں اور سب ارکان اسلام کے اصل اور شعائر دین میں سب سے زیادہ نامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے طالب ہونے کے لیے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے کسی ایسی چیز کی طرف نماز میں توجہ کرنا جس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت ہے باعث اجتماع خاطر اور خشوع کی حالت پر رغبت پیدا ہونے کا سبب ہے اور اقرب بحضور قلب ہے کیونکہ اس کی صورت ایسی ہے جیسے بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو کر اپنی عرض معروض کر رہا ہے اس واسطے حکمت الہیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ تمام شرائع کے اندر نماز میں قبلہ رخ کھڑا ہونا شرط کیا جائے خواہ کوئی قبلہ ہو اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اور جو ان کے دین کے لوگ تھے کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب اور ان کی اولاد کا قبلہ بیت المقدس تھا یہ اصل تمام شرائع کے اندر مسلم ہے پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور اس وقت خزرین اور یہود کے جو ان کے حایف تھے آپ نے تالیف قلوب چاہی اور انہیں لوگوں نے آپ کی مدد کی اور وہی اول ایک امت غمہ کی جن سے ارواں کو نفع پہنچا اور مضر اور ان کے قریب کے لوگ بڑے دشمن تھے اور تمام دنیا سے زیادہ ان کو آنحضرت ﷺ سے بعد تھا۔ اس واسطے حضور ﷺ نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا اس واسطے کہ عبادت میں اصل یہ ہے کہ اس امت میں رسول بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کی معاونت کی ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے نواہ مقرر کیا ہے ان کے احسان اور المایقوں کا لحاظ یا جائے اور وہ لوگ اس وقت میں اس خزرین ہی تھے اور یہود کے جو یہود بہت ہی مانتے تھے ان باتوں نے آیت **فَانُوا حُرِّثْکُمْ اِنِّیْ سَنُثْبِتْکُمْ** کی تفسیر میں اس کو بیان کیا ہے اور کہا ہے یہ انصار کا نواہ وقت پرست تھا اور جن لوگوں سے وہ ساتھی تھے یعنی یہود نے وہ اہل کتاب تھے تو یہ لوگ یہودیوں کو اپنے اوپر انبیاء سمجھتے تھے اور بہت سے کاموں میں ان کی اقتداء کرتے تھے انہی حدیث تک اور نیزہ شرائع کے اصول سے یہ بات ہے کہ مل متد کے موافق ہوں بجز ان باتوں کے جو لوگوں نے اپنی طرف سے تحریکات اور تمکقات کر کے تمنا بڑھالی ہیں اگر ایک ملت باقی اور مل متد کے موافق ہوتی ہے تو لوگوں کے قبائل سے امتزاج نہیں ہیں اور ایسے وقت میں ان کے اوپر اقامت بہت پورے پورے طور پر ملتی ہے اور یہودی برابر آسانی

کتاب کو بیان کرتے رہتے اور اس پر عمل کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم اور مضبوط کیا اور اس کی نسبت جو چیز زیادہ تر مصلحت کے موافق تھی اور قوانین تشریح کے اعتبار سے زیادہ تر پائیدار تھی نبی ﷺ کو اولاً قلب کے اندر القا فرما کر اس سے مطلع کر دیا اور اس کی وجہ سے آپ کو اس بات کی تمنا پیدا ہو گئی کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو جائے اور آپ اسی آرزو میں تھے کہ حضرت جبرائیل یہ حکم لائیں۔ آسمان کی طرف منہ کر کے ادھر ادھر دیکھا کرتے تھے اور پھر دوبارہ اللہ پاک نے قرآن کے اندر نازل فرما کر اس سے مطلع کر دیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں میں مبعوث ہوئے جو ملت اسماعیلیہ پر چلتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ امر پہلے سے ہی مقدر تھا کہ وہی لوگ اس دین کے حامی اور مددگار ہوں گے اور رسول کے بعد لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گواہ وہی لوگ ہوں گے اور اس کی امت کے خلیفہ وہی بنیں گے اور یہودیوں سے قدر قلیل ہی ایمان لائیں گے اور عرب کے نزدیک کعبہ شعار الہی میں سے ایک شعار ہے ان کے ادنیٰ اور اعلیٰ کے دل میں یہ بات ساری ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کا طریقہ برابر چلا آتا ہے پھر اس سے منہ پھیرنے کی کیا وجہ اور چونکہ قبلہ کو رخ کرنا نماز کی صرف تکمیل کے لیے شرط ہے اور ایسی شرط نہیں ہے کہ نماز کا اصل نفع بدون اس شرط کے حاصل ہونا غیر ممکن ہو اس واسطے حضور ﷺ نے اس شخص کے متعلق جو تاریک رات میں انکل سے قبلہ کو کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے اور فی الحقیقت اس کا منہ قبلہ کو نہ ہو اللہ پاک کا یہ فرمان پڑھ لیا۔ **فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فِئْتُمْ وَجْهَ اللَّهِ** جس طرف تم متوجہ ہو اللہ کی ذات وہیں ہے جس سے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ضرورت کے وقت اس طرح ان کی نماز جائز ہو جاتی ہے۔

سترہ کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لَوْ بَعِلِمَ الْمَارِبِينَ يَدِي الْمَصْلَى مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ ان يَشْفِ اَرْبَعِينَ خَيْرًا لِّهِ مِنْ اَنْ يَمْرِبِينَ** یدِہ نماز پڑھتے ہوئے کے سامنے ہو کر جو شخص گزر رہا ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا وبال لازم آتا ہے تو چالیس تک یعنی چالیس سال تک اس کو کھڑا رہنا اس کے سامنے ہو کر گزرنے سے بہتہ معصوم ہو میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ نماز شعار الہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اس حالت کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے جو غلام کو اپنے مولیٰ کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کے لیے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی کہ کوئی گزرنے والا نمازی کے سامنے ہو نہ گزرے کیونکہ آقا اور اس کے خداموں کے درمیان سے جو دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گزرنا سخت بے ادبی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان احدکم اذا قام فی الصلوۃ فانما ینا جی ربہ بین القبلة والحدیث** جب تم میں سے نماز کے لیے کوئی کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کیا کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہ نماز کے سامنے سے گزرنے سے اس کا دل اکثر ہٹ جاتا ہے۔ اسی واسطے نماز کو اس کے ہٹا دینے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ **فلیقاتلہ فانه شیطان** تو اس کو مار دینا چاہیے میں کہتا ہوں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ منجملہ اور شروط کے نماز کی صحت کے لیے

ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے سے وہ جگہ عورت اور گدھے اور کتے سے خالی ہو کیونکہ وہ شیطان ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **تَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ** عورت اور گدھا اور سیاہ کتا نماز کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس میں یہ بھید ہے کہ نماز سے مناجات اور رب العالمین کے روبرو کھڑا ہونا منظور ہوتا ہے اور عورت کے پاس ہو کر گزر جانا اور عورت کے ساتھ صحبت اور اختلاط ایسی چیزیں ہیں جو اس حالت کے بالکل خلاف حالت پیدا کرنے کے اکثر باعث ہوتی ہیں اور کتے کے شیطان ہونے کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں خاص کر سیاہ کتا کیونکہ اس کا مزاج تو اور کتوں سے بھی خراب ہوتا ہے اور گدھا بھی بمنزلہ شیطان کے ہی ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کے سامنے اپنے مہرے سے وہ مشغول ہو جاتا ہے اور کبھی خود بھی اس کے آلہ کو حرکت ہوتی رہتی ہے۔ ہذا نماز کے اندر اس کا دیکھنا غائبانہ اس حالت کے اندر نقل ہو گا۔ جو نماز سے مقصود ہوتی ہے مگر حفاظت صحابہ اور فقہاء صحابہ نے جن میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوسعیدؓ وغیرہم بھی ہیں اس حدیث پر عمل نہیں کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے اگرچہ اس کی منسوخیت پر جو انہوں نے استدلال قائم کیا ہے اس میں کچھ کلام ہے اور یہ ان مواضع میں سے ایک ہے جن میں آنحضرتؐ سے دریافت کرنے کے مختلف طریقے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مَوْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يَبَالُ بِمَنْ وَرَاءَ ذَلِكَ** تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کچلے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھے۔ اور اس سے پرے جو کوئی گزرے اس کی کچھ پروا نہ کرے میں کہتا ہوں چونکہ مطلقاً گزرنے سے ممانعت کرنے میں حرجِ تعلیم تھا اس واسطے آپؐ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نماز کی زمین سے علیحدہ ہو جائے اور پاس سے گزرتا بھی ایسا سمجھا جائے جیسے دور سے گزرتا۔

اُن امور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں

معلوم کرو کہ نماز کے اندر تین چیزیں اصل ہیں اول سے اللہ کے سامنے پست ہو جانا۔ اور زبان سے اس کا ذکر کرنا اور بدن سے غایت درجہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ تمام امتوں کا اس بات پر کہ یہ چیزیں نماز کے اندر ہوتی ہیں اتفاق کر لیا ہے۔ اگرچہ ان کے ماسوا اور باتوں میں ان کے اندر باہم اختلافات ہیں اور نبی ﷺ نے ان کے احوال کے وقت جہاں کہیں معافی دی ہے ان کے سوا میں دی ہے اور ان کے اندر تین معافی نہیں دی اور وتر کے اندر آپؐ نے فرمایا ہے **وَأَنْ لِّمُ تَسْتَعْمِ فَاوْمَ ابْمَا** اور اگر تمھ کو طاقت نہ ہو تو اشارہ کر لے اشارہ۔

اور آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ نماز میں ان کے واسطے دو حصے مقرر کی جائیں ایک تو وہ حصہ کی اس کے اندر رکھی کر کے نماز کے مہرہ و برائی نہ ہو سکے اور ایک وہ حصہ کہ جس سے نماز کامل اور پوری پوری مفید ہو سکے حد ازل میں تو وہ باتیں ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی باقی رہ جائے تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہو اور وہ باتیں کہ ان سے ترک کرنے سے نماز میں نقص پیدا لازم آتا ہے اور اگر وہ واجب نہیں ہوتا اور وہ باتیں کہ ان سے ترک کرنے سے عار و خست طاعت کا اتفاق ہوتا ہے اگرچہ نماز کے اندر نقص ہونے کا نہیں نہیں ہوتا اور تینوں مراتب کے اندر فرق بہت بڑا ہے اور اس سے اوپر کوئی نص صریح یا اجماع نہیں ہے مگر کہیں براہِ عام یہی وجہ

ہے کہ فقہاء کے اندر بہت بڑا اختلاف ہو پڑا اور اصل اس میں اسی شخص کے متعلق جس نے برے طور پر نماز پڑھی تھی تو آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا ارجع فصل فانك لم تصل مرتين او ثلثا لوٹ جا اور پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی دوسرے ایسا ہوا یا تین مرتبہ پھر آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا اذا قمت الى الصلوة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع رأسك حتى تستوى قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تطمئن جالساً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تطمئن جالساً ثم افعل ذلك في صلوٰتك كلها جب تو نماز کے لیے اٹھے تو پورا پورا وضو کر پھر قبلہ رو کھڑا ہو کر تکبیر کہہ۔ پھر تجھے جس قدر میسر ہو قرآن پڑھ پھر رکوع کراتا کہ اطمینان سے رکوع ہو جائے پھر اپنا سر اوپر کوانٹھا اتنا کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جا اور اپنی تمام نماز میں اسی طرح کر اور ترمذی کی روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ: فاذا فعلت ذلك فقد تمت صلوٰتك و ان انتقصت منها انتقصت من صلوٰتك پس تو نے جب یہ کیا تب تو تیری نماز پوری ہوئی اور اگر اس سے کچھ گھٹایا تو اپنی نماز میں سے تو نے گھٹا دیا۔ ترمذی نے بیان کیا ہے یہ نسبت پہلی روایت کے جس میں یہ زیادتی نہیں ہے اس روایت میں ان کے لیے آسانی ہے کیونکہ اس روایت کے موافق ان باتوں میں سے کسی بات کی کمی کرنے سے اگرچہ نماز ناقص ہوئی مگر ہو تو گئی یہ نہیں کہ بالکل نماز نہیں ہوئی۔

اور ایک حد اول میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کو آنحضرتؐ نے رکعت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے جیسے آپؐ نے فرمایا ہے لا صلوة الا بفاتحه الكتاب بغير فاتحه الكتاب کے نماز نہیں ہوتی اور فرمایا ہے۔ لا یجزی صلوة الرجل حتی یقیم ظہرہ فی الركوع والسجود جب تک رکوع سجود میں آدمی کی پشت سیدھی نہ ہو جائے آدمی کی نماز پوری نہیں ہوتی اور ایک وہ باتیں داخل ہیں کہ جن کے ساتھ شارع نے نماز کو تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس سے ان چیزوں کے نماز کا رکن ہونے پر تنبیہ بلغ پائی جاتی ہے جیسے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے من قام رمضان اور فرمایا ہے فلیرکع رکعتین اور اللہ پاک فرماتا ہے: وازکفوا مع الزاکعین اور فرماتا ہے: واذنار الشجود اور فرماتا ہے قوموا لله قانتین اور ہر ایک وہ باتیں جن کو اس طور سے بیان کیا ہے کہ ان کا ضروری ہونا مفہوم ہوتا ہے جیسے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے تحریمها التکبیر والتحلیها التسليم اور آپؐ نے فرمایا ہے فی کل رکعتین التحیة اور تشہد کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے اذا فعلت ذلك نمت صلوٰتك اور اسی طرح کی بہت سی احادیث ہیں اور ایک وہ امور اس میں داخل ہیں کہ نماز کے اندر ان کے ضروری ہونے میں مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے اور برابر وہ امور ان میں جاری رہے اور ترک کرنے والے پر مذمت ہوتی رہی۔ الحاصل نبیؐ سے نماز کے اندر جو باتواثر ثابت ہے اور امت کو برابر پہنچتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ طہارت کرے اور ستر عورت کرے اس کے بعد کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور خالص دل سے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر زبان سے اللہ اکبر کہے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر بجز فرض کے تیسری اور چوتھی رکعت میں کوئی سورت اور اس کے ساتھ نہ پڑھے پھر رکوع کرے۔ اور اس قدر جب تک جائے کہ انگلیوں کی پوروں

سے گھٹنوں کو تپو سکے اور اطمینان سے رکوع کرے پھر رکوع سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو جائے پھر اعضائے مفضیگاندہ کے ساتھ اطمینان کے ساتھ سجدہ کرے یعنی دونوں ہاتھ اور دونوں پیر اور دونوں گھٹنے اور منہ پھر سجدے سے سر اٹھی کر بیٹھ جائے پھر اسی طرح دوبارہ سجدہ کرے یہ سب ایک رکعت ہوئی پھر ہر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر اتحیات پڑھا کرے اور پھر جب اخیر رکعت ہو تو نبی ﷺ پر اتحیات کے بعد رو د پڑھے اور اس کے بعد کوئی دعا جو اس کو پسند ہو پڑھے اس کے بعد جو اس کے قریب فرشتے یا آدمی ہیں ان کے اوپر سلام کہے نبی ﷺ کی نماز یہ ہے بلا حذر کسی نماز فرض کے اندر یہ بات ثابت نہیں کہ ان امور میں سے آنحضرت ﷺ نے کوئی امر نماز میں ترک کیا ہو اور تمام صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد جتنے ائمہ مسلمین گزرے ہیں سب اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور برابر سب یہ لوگ انہیں افعال کا نام نماز اور اس کو ضروریات دین میں سے کہتے چلے آئے ہیں۔ البتہ نقبہ کا چند امور میں اس بات کے اندر اختلاف ہو یہ ہے کہ وہ آیا نماز کے ارکان ہیں۔ کہ بدون ان کے نماز کا کچھ اعتبار نہیں ہے یا نماز کے واجبات ہیں جن کے ترک کرنے سے نماز میں نقصان آ جاتا ہے یا اس کے اجزاء میں سے ہیں جن کے ترک کرنے سے تارک طاعت کا مستحق ہوتا ہے اور سجدہ ہوتا ہے اس کا نقصان پورا ہو جاتا ہے اور اصل اس کی یہ ہے کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع کا ہونا اور اس کی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے خارج میں اس کے واسطے کوئی امر ہوتا ہے جیسے جس سے اس کا انضباط ہو سکے اس لیے وہ چیزیں ہیں۔ اندر نبی ﷺ نے اس کو منضبط کیا ایک تو یہ کہ اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کرے کھڑا ہوئے اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اس کی زبان اور تمام اعضاء اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان فی جسد آدم مضغۃ الحدیث آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اخیر تک۔ اس لیے زبان اور باقی اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قیہ قویہ اور اس کا قیہ مقام ہوتا ہے ایسی ہی چیز سے ولی حالت کا انضباط ہو سکتا ہے اور چونکہ جناب باری تعالیٰ بہت وغیرہ سے پاک ہے اس واسطے اس کے گھر کی طرف اور اس کی طرف جو اس کا بڑا شعار ہے توجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا قیہ مقام ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **مقبلاً الی اللہ بوجه وقلبہ ورائہ** یہ اپنے من اور دل سے اللہ کی طرف توجہ ہو اور چونکہ اللہ اکبر کا لفظ ولی افتیاء اور ولی تعلیم پر بہت صاف صاف دلالت کرتا ہے۔ اس واسطے توجہ قلبی کے قیہ مقام کرنے سے یہ ولی افتیاء اس سے زیادہ تر من سب سے تمیز اور اس کے اندر اور وجود بھی پائے جاتے ہیں ازجملہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعلیم کی بہت سے اس کی طرف دلالت و ادب ہے مگر نماز کے ساتھ ساتھ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ نماز سے اس کی تعمیل ہو جائے اور نماز کی اس سے راہنمائی ہے کہ قبلہ کو منہ کرتا دین حنیفی کی بڑی شہرہ پہچان ہے جس کی وجہ سے آدمی اوروں سے تمیز ہو سکتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ایسی چیز اسلام کے اندر داخل نہ ہونے کی حالت مقرر کی جائے اس وجہ سے ایک بڑی نامی اور عظیم الشان عبادت سے ساتھ اس کو تمیز کیا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **میں صلی صلوٰتنا واستقل فلتنا واکل ذبحنا فذلک المسلم الذی لہ ذمہ اللہ وذمہ رسولہ** جو ایسی عبادت کی نماز پڑھے اور نماز کے بعد وضو کرے اور نماز کے فیہ وضو کرے تو وہ مسلمان ہے ذمہ اللہ اور اس کا رسول ذمہ دار ہے۔ ازجملہ یہ کہ نماز اللہ کا ادب ہے ہی تعلیم بھی جاتا ہے ذمہ سائے وہ نماز کے

کھڑا ہو۔ از انجملہ یہ ہے کہ ہر حالت کے لیے جو اور حالتوں سے احکام کے اندر جدا حالت ہو ایک ابتداء اور ایک انتہاء ہوا کرتی ہے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ** نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے جسماں تعظیم کے اندر اصل تین باتیں ہیں ایک تو سامنے کھڑا ہونا ایک رکوع اور ایک سجدہ اور ثلثہ تعظیم وہ ہے جو سب کی جامع ہو اور خضوع کے لیے نفس کی تنبیہ مناسب طور پر اسی طرح ہو سکتی ہے کہ تعظیم کی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف بتدریج انتقال کیا جائے اور اعلیٰ درجے کی تعظیم سجدہ کرنا ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ متعدد بالذات سجدہ ہے اور باقی قیام اور رکوع اس کے لیے واسطہ ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کو مکمل ادا کیا جائے اور اس کی صورت یہی ہے کہ دو مرتبہ اس کو ادا کریں اور ایک ذکر الہی تھا اس کے اندر بھی وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے اس لیے کہ وقت کی تعیین سے لوگوں کے دل اس چیز کو خوب مان لیتے ہیں اور دلوں کو جمعیت رہتی ہے اور پھر یہ جھگڑا بھی نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے کے موافق چلے۔ خواہ اس میں بہتری ہو یا قباہت ہو اور ان کے حوالے اگر کیا ہے تو ادعیہ نافذ کو کیا ہے جن سے علی العموم لوگ مخالف نہیں ہیں بلکہ جو سبقت چاہے وہ اسی کے لیے ہیں ملاوہ بریں نبی ﷺ نے بدون تعیین اوقات کے ان کو بھی نہیں چھوڑا ہے اگرچہ وہ تعیین بطور استحباب کے ہے اور جب تعیین اوقات ضروری ٹھہری تو فاتحہ سے بڑھ کر کوئی چیز اس کے لیے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ایک جامع دعا ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا ان کو اس بات کی تعلیم کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد و ثناء اس طرح کیا کرتے ہیں اور اس طرح خاص ہم سے استعانت اور خاص ہمارے لیے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اس طرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہو مانگا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو ہمراہ ہیں پناہ مانگتے ہیں اور بہتر دعا وہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی ہے اور چونکہ دین کے اندر قرآن کی تعظیم اور اس کی تلاوت واجب ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی تعظیم کی صورت نہیں کہ جو اسلام کا رکن اعظم اور عبادات میں اصل اور شعائر دین میں بڑا نامی شعائر ہے اس کے اندر قرآن کو معین کیا جائے اور اس کی تلاوت خود ایک مستقل عبادت تھی جس سے نماز کی تکمیل اور اس کا اتمام متصور تھا۔ اس وجہ سے قرآن کی کسی سورت کا پڑھنا ان کے واسطے کیا گیا اس لیے کہ سورت ایک پورا کلام ہے جس کی بلاغت سے رسول اللہ ﷺ نے مفسرین نبوت کو عاجز کر دیا دوسرے یہ کہ ہر صورت اپنی ابتداء اور انتہا کی وجہ سے ایک جدا کلام ہوتا ہے اور ہر سورت کا اسلوب جدا جدا ہے اور چونکہ نبی ﷺ نے بعض مرتبہ سورت کے آیات ٹکڑے کو بھی نماز میں پڑھا ہے اس لیے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کو بھی اس کے قسم میں داخل کیا ہے اور چونکہ کھڑا ہونا بھی قسم قسم کا ہے اور سب لوگ ایک طرح سے کھڑے نہیں ہوتے کوئی نیچے پکڑا ہوا ہے کوئی اچھک رہا ہوتا ہے اور عرف میں سب یہ کھڑے ہونے میں داخل ہے اس واسطے شارع کو جو انکسار یعنی جھکنا مقصود ہے اس کو قیام سے متمیز ہونے کی حاجت ہے ہذا رکوع کے ساتھ اس کو متمیز کر دیا جو اس قدر جھکنے کا نام ہے کہ انگلیوں کی پوریں انگوٹوں تک پہنچ جائیں اور چونکہ رکوع و سجدہ اسی وقت میں تسلیم پر دلالت کر سکتے ہیں کہ کچھ اور آدمی اس حالت پر ٹھہرا رہے اور پرہیزگار نہ کہے رو برو اپنے آپ کو پست کر لے اور اس کا دل اس حالت کے اندر اس تعظیم سے خراب ہو جائے اس واسطے اس کو ایک رکن لازم قرار دیا گیا اور چونکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ جانا اور جو بیٹھیں اس کے قریب قریب ہیں سب کے اندر سر کا زمین پر رخنہ پایا جاتا ہے مگر تعظیم صرف سجدہ کے اندر ہی پائی جاتی ہے اس واسطے کوئی مابالفرق مقرر کرنا

ضروری ہوا اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا امرت ان اسجد علی سبعة ادا اب الحدیث مجھ کو سات اعضا سے سجدہ کرنے کا حکم ہے اخیر تک۔ اور چونکہ جب آدمی سجدہ کرتا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کے لیے اس کو جہنم ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہیں ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدے میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے ان کے بیچ میں لایا جائے تاکہ رکوع سجدے سے اور سجدہ رکوع سے تیسرے ہو کر ہر ایک مستقل عبادت ٹھہرے۔ اور ہر ایک کے لیے نفس کا ارادہ جدا ہوتا کہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ بھی جدا نہ پائی جائے اور دو تیسرا فعل قومہ ہے۔ اور دو سجدے بھی آپس میں اسی وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں حائل ہو جائے اس لیے دو سجدوں کے درمیان میں جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدو ان اطمینان کے ایک طرح کا ٹھیکل ہے اور آدمی کے ہکا پن پر دلالت کرتا ہے جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے لہذا ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور چونکہ نماز سے طہارت کو زائل کر کے باہر آنا یا اور کوئی اس قسم کا فعل کر کے نماز سے باہر آنا جو نماز کا فاسد اور باطل کرنے والا ہو ایک قبیح اور مستنکر اور تعظیم کے منافی تھا اور ایسے فعل کا ہونا بھی ضرور تھا جس پر نماز کا اتمام ہو جائے اور جو افعال نماز کے اندر حرام تھے وہ حلال ہو جائیں اور اگر وہ کوئی خاص فعل مقرر نہ کیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش پر چلنے لگتا ہذا ضرور ہوا کہ ایسے ہی کلام سے نماز سے باہر آیا کریں جو لوگوں کے یکساں میں بہترین کلام ہو یعنی سلام اور یہ بات واجب کر دی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **و تحلیبا التسليم**۔ اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے اور صحابہؓ نے اس بات کو پسند کیا تھا کہ سلام سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے **السلام علی اللہ قل عبادہ السلام علی جبرائیل السلام علی فلان اللہ کے اوپر اس کے بندوں سے پہلے سلام جبرائیل کے اوپر سلام فلاں کے اوپر سلام تو آنحضرت ﷺ نے اقیات کے ساتھ اس کو بدل دیا اور اس بدلنے کی وجہ بھی آپؐ نے اس طور پر بیان فرمائی **لا تقولوا السلام علی اللہ فان اللہ هو السلام** یہ مت کہو کہ اللہ کے اوپر سلام کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تو نام ہی سلام ہے یعنی سلامتی کی دعا اس شخص کے لیے مناسب ہے کہ با مقبار ذات کے مدم اور اس کے لاحق سے دوسرا لم نہ ہو پھر نبی کے واسطے آپؐ نے سلام کو مقرر کیا تاکہ نبی کی یا اول سے نہ جہلا میں اور اس کی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور پھر پھر اس کا حق بھی ان سے ادا ہو جائے پھر اس قول میں **السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین** ہم پر سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام سلام کی قییم کر دی اور آپؐ نے فرمایا ہے جب بندہ علی یہ زبان سے نکلا تو ہر نیک بندہ کو ہوا آسمان وزمین میں سے یہ پہنچ جائے گا پھر تشبہ کا حکم دیا کیونکہ وہاں ان کا ذکر ہے اور فرمایا کہ پھر جو اس کو پسند ہو وہ کہے۔ یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت ادا کرنے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الہی اس پر پہنچ جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مقرب ہے اور اللہ کے آداب میں سے پہلے بننا باری علیٰ حد و شمار اور نبی کریم کا تو اسل کرنا ہے تاکہ مقرب ہو جائے۔ پھر اس پر تعین فرمایا اور تشبہ نماز کے لیے رہن ٹھہر گیا کیونکہ اگر یہ امر نہ پاسے جائیں تو نماز سے آدمی ایسے فارغ ہوا کہ اس طرح کی کام سے اعراض کرنے والا تمام کر چکا ہے یا اس کے تمام کرنے سے اس کو ندامت ہوتی ہے اور اس مقام سے متعلق بہت سے وہ وہ ہیں جنہیں نہ ہم اور انہیں پوشیدہ نہیں وہ مذکورہ کو کافی مجھ پر ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ان اصل ہونے سے ہمارے کام میں فائدہ ہے اور جو قواعد و تقاضا ہم نے بیان کیے ہیں ان کا خیال کرنے**

گا تو اس کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ نماز اس طرح ہونی مناسب تھی اور اس کے سوا کوئی بہتر اور کامل صورت نماز کی عقل کے تصور میں نہیں آ سکتی اور یہ اس کو یقین ہو جائے گا کہ غنیمت حاصل کرنے والے کے لیے نماز ایک غنیمت کبریٰ ہے اور چونکہ تھوڑی سی نماز کا کچھ معتد بہا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور بہت سی نماز لوگوں پر بہت گراں ہوتی اور ان کو ادا کرنا دشوار پڑ جاتا ہے اس واسطے سنت النبی کا مقتضی ہوا کہ کم از کم دو رکعت ان کے لیے مقرر کی جائیں۔ پس دو رکعت نماز کا کم درجہ قرار پایا اسی واسطے نبی ﷺ نے فرمایا ہے فی کل رکعتین التحیۃ۔ ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے اور یہاں ایک بڑا بھاری بھید ہے وہ یہ ہے کہ تمام حیوانات اور نباتات کے اشخاص اور افراد کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ ہر فرد کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور وہ دونوں ملا کر ایک شے کر دی جاتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ **والشفع والوتر** اور جفت کے اور طاق کے حیوان کی دو طرفین تو معلوم ہی ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایک طرف کو کچھ مرض وغیرہ لاحق ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس سے محفوظ رہتی ہے جیسے فالج کے اندر اور نباتات کے اندر گھٹلی اور تخم کی دو طرف ہوتی ہیں اور جب شروع شروع کوئی درخت اُگتا ہے تو دو ہی پتے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ ہر ایک پتے انہیں دونوں گھٹلی اور تخم کی ایک ایک طرف کی میراث ہوتا ہے پھر اسی طور سے ان کا نشوونما ہو جاتا ہے جناب باری کا یہی قانون عالم خلق سے عالم تشریع کی طرف خطیرۃ القدس کے اندر منتقل ہوا کیونکہ تدبیر خلق کی فرع ہے اور پھر خطیرۃ القدس سے نبی ﷺ کے قلب میں اس کا انعکاس ہوا۔ پس اصل نماز ایک رکعت ہے اور تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم کوئی نماز نہیں مقرر کی گئی اور وہ دو رکعتیں باہم بمنزلہ ایک چیز کے کر دی گئی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ نبویہ کا قول ہے۔ **فرض اللہ الصلوۃ حین فرضھا رکعتین** **رکعتین فی الحضر والسفر** فافرت صلوۃ السفر وزید فی صلوۃ الحضر و فی روایۃ **الا المغرب فانھا كانت ثلثا** اللہ پاک نے جب نماز کو مقرر فرمایا ہے حضر و سفر میں دو دو رکعت مقرر فرمایا ہے پھر سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی بڑھادی گئی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کے کہ وہ تین ہی رکعت تھیں۔ میں کہتا ہوں عدد رکعات کے اندر اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی صورت میں ساقط ہی نہ ہو سکے وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہ اس واسطے کہ حکمت الہیہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن و رات میں کوئی عدد مبارک متوسط درجہ کا مقرر ہونا چاہیے کہ نہ تو وہ بہت ہو جو تمام مکلفین پر اس کا ادا کرنا دشوار ہو جائے۔ اور نہ بہت کم ہو کہ جس کے سبب سے نماز کا فائدہ حاصل نہ ہو سکے۔ اور سابق میں یہ بات تم کو معلوم ہی ہو چکی ہے کہ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد وتر حقیقی کے ساتھ زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے۔ پھر جب نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی اور اسلام و استقامت کا کام ہو گیا اور بہت سے لوگ اس کے خادم ہو گئے اور عبادات کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تو چہرہ رکعتیں اور بڑھادی گئیں اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادتی اگر کسی چیز کی کی جائے تو اصل شے کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتا اس کا بالکل غیر مناسب ہے اس لیے یہ نہ سب ہوا کہ اول عدد پر اس کا نصف بڑھادیا جائے مگر یہ رہ کا نصف پورا عدد نہیں ہو سکتا اس لیے یا تو پانچ کی زیادتی کی جاتی یا چھ کی مگر گیارہ پر پانچ زیادہ کرنے سے پورا عدد طاق نہیں رہتا بلکہ جفت ہوتا ہے اس لیے چھ کی زیادتی لامحالہ کرنی ضرور ہوئی اب باقی رہا اوقات کے اوپر اس پورے عدد کا تقسیم کرنا تو اس کا انبیاء سابقین کے آثار پر مدار رکھا گیا ہے جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے اور نیز مغرب چونکہ سب نمازوں سے آخر کی نماز ہے اس لیے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شام کیا کرتے ہیں اس واسطے مناسب ہے کہ وہ

ایک عدد جس نے پورے عدد کو طاق بنا دیا ہے وہ اسی میں پایا جائے اور مغرب کے وقت میں چونکہ گنجائش کم ہوتی ہے اس واسطے مغرب کے اندر بڑھانا مناسب نہ تھا اور فجر کا وقت سونے کا اور کسل کا وقت ہے اس لیے عدد رکعات میں اس کے اندر زیادتی نہیں کی گئی بلکہ جس سے ہو سکے اس کے لیے طویل قرأت مستحب کر دیا گیا۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں **وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا** اور فجر کو قرآن کا پڑھنا بلاشبہ فجر کا قرآن پڑھنا رو بہ رو ہوتا ہے۔

نماز کے اذکار اور اس کی بینات مستحبہ کا بیان

معلوم کرو کہ نماز کی اس حد کو جس سے نماز پورے طور پر کامل ادا ہوتی ہے اس حد پر جو نماز کے اندر ضروری ہے دو وجہ سے زیادتی ہے۔ بالکلیف اور بالکلیفیت سے ہماری مراد اذکار اور بینات ہیں اور اپنے نفس کو اس بات پر مجبور کرنا کہ حضور مقب کے ساتھ باظہور کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے نماز پڑھے اور دوسو سو کو پاس نہ آنے دے اور جو کمزور و بیستیں ہیں ان سے احتراز کرے اور اسی قسم کی اور باتیں ان سب سے نماز کو بالکلیفیت اور نماز پر زیادتی ہوتی ہے اور بالکلیفیت زیادتی کی صورت یہ ہے کہ نماز سے ساتھ نوافل اور زیادہ کر دے اور ان شاء اللہ تعالیٰ بعد کو ہم نوافل کا ذکر کریں گے اور اصل اذکار کے اندر فی الجملہ حضرت علی مرتضیٰ کی حدیث ہے اور استفتاح یعنی قرآن پڑھنے سے قبل کچھ دعا پڑھنے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور جبیر بن مطعم اور ابن عمر وغیرہمؓ کی احادیث اصل ہیں اور باقی مواضع میں حضرت عائشہ صدیقہ اور ابن مسعود اور ابو ہریرہؓ اور ثوبان اور کعب بن عجرہؓ سے احادیث مروی ہیں اور ان کے سوا اور لوگوں سے بھی جن کا ہم مفصلاً ذکر کریں گے احادیث مروی ہیں اور نماز کی ہیئت کے اندر اصل ابی حمید ساعدی کی حدیث ہے جس کو انہوں نے دس اصحاب نبیؐ کے رد بروایت کیا۔ اور انہوں نے اس کو تسلیم کیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور وائل بن حجرؓ سے بھی فی الجملہ اس میں روایت ہے اور ابن عمرؓ سے رفع یدین کی حدیث ہے اور ان کے سوا اور لوگوں سے بھی حدیثیں مروی ہیں جن کا عنقریب ہم ذکر کرتے ہیں۔ بینات مستحبہ کا دار و مدار پند باتوں کے اوپر ہے ایک تو وضو سے معنی کا تحقق ہونا اور تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سوز لینا اور نفس کو ایسی حالت پر متنبہ کرنا جو ادنیٰ لوگوں کو باشاہدوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست باریک رکھنا اور انگلیوں کو پٹ کرنا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا۔ اور ایک اللہ تعالیٰ سے ذرا دور ماسوا پر اس کے اختیار کر لینے کی حالت کو اپنے ہاتھ انگلیوں کے ال میں آتے وقت اور زبان سے کہتے وقت اور انشت شہادت سے اشارہ کرنا کہ ایک دوسرے کے لیے معاون ہو جائے اور ایک ان باتوں کا عمل میں لانا ہو قدر اور عادات سے پرہیز کرتی ہیں اور ان کی مثل لوگ ان کو پسند کرتے ہیں اور فی ذی القہول کی طرف ان کیگوں کو منسوب کرتے ہیں۔ احتراز کرنا۔ جیسے مرغ کی طرح غصوبہ کرنا اور کتے کی طرح بیضنا اور لومڑی کی طرح زمین پر لیٹ رہنا اور اونٹ کی طرح ہاتھ زمین پر چبھ دینا اور ایسی ہی وہ بیستیں جو تعمیر لوگوں یا ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن پر مذاب نازل ہوا ہے ان سے بھی احتراز کرنا مثلاً کمر پر ہاتھ رکھنا اور ایک یہ کہ عبادت الدینان اور کعبہ اور آسمانی کے ساتھ ادالی جائے۔ جیسے دونوں جہوں سے جدا جائے اور استقامت یا قدم والی میں رہنے کا کھڑا کرنا

اور بائیں کان لینا کیونکہ کھڑے ہونے کے لیے اس میں آسانی ہے اور قعدہ ثانیہ کے اندر چوتھوں ٹیک کے بیٹھنا اس واسطے کہ آرام اس میں زیادہ ہے۔ اذکار کا مدار بھی چند باتوں پر ہے ایک تو اس خضوع پر جس کے لیے اعضاء کا فعل موصوع ہے نفس کو متنبہ کرنے کے لیے بیدار کرنا جیسے رکوع اور سجود کے اذکار اور ایک آواز سے اللہ کا ذکر کرنا تاکہ لوگوں کو امام کا ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا معلوم ہو جائے جیسے ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے اللہ اکبر کہنا اور ایک یہ کہ نماز کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہ رہے جیسے تکبیرات اور قنوت اور جملہ کے اذکار ہیں۔

پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خیر منجبات میں آگیا اور کانوں تک خواہ موٹندھوں تک ان کو اٹھائے اور ہر ایک سنت ہے اس کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھے اور دونوں قدم برابر برابر رکھے اور سجدہ کی جگہ پر قنیلینا اپنی نگاہ جھکائے رکھے تاکہ اجتماع خاطر کے ساتھ اجتماع اعضاء کا بھی پایا جائے اس کے بعد دعا سے استفتاح پڑھے تاکہ حضور قلب پیدا ہو اور منجبات کی طرف اس کا میان ہو اور کئی طرح سے یہ دعا صحیح و وارد ہوئی ہے از انجملہ یہ ہے: **اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنْقَى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ** میں کہتا ہوں برف اور ازلے سے دھونے سے مراد گنہوں کا دور کرنا اور اس کے ساتھ اطمینان اور تسکین کا کرنا مراد ہے اور عرب کہا کرتے برف و قلبہ یعنی اس کا دل مطمئن ہو گیا اور اتناہ الثلج یعنی اس کو یقین آگیا۔ اور از انجملہ یہ ہے: **وَجْهَتْ وَجْهِي لِلذِّي فُطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ ضَلُوتِي وَنُكُي وَمَخْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ** اور ایک روایت میں: **وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ** ہے۔ از انجملہ یہ ہے۔ **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ** اللہ اکبر کثرتاً تین دفعہ **وَالْخُفَّةُ لِلَّهِ كَثِيرًا** تین دفعہ **وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا** تین دفعہ۔ اس کے بعد شیطان سے پناہ مانگے اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** پھر جب تو قرآن پڑھے تو اللہ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ میں کہتا ہوں مجھ پر اس میں یہ ہے کہ شیطان جو آدمی کو ضرر پہنچاتا ہے سب سے زیادہ اس کا یہ ضرر پہنچاتا ہے کہ کتاب الہی کے اندر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تاویلات کرنے کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یا اس کتاب کے اندر اس کو فکر نہیں کرنے دیتا اور تعوذ کئی طرح سے مروی ہے از انجملہ **أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** اور از انجملہ **استعبد بالله من الشيطان الرجيم** اور از اس بسم اعوذ بالله من الشيطان من نفحه و نفته و همزه اور اس کے بعد آیت سے بسم اللہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے سے پہلے اپنے نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا ہے علاوہ بریں بسم اللہ کے پڑھ لینے میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اس کے جزا فتح ہونے میں مختلف روایتیں آئی ہیں اور آنحضرت ﷺ سے حدیث صحیح اس بات میں مروی ہے کہ آپ نماز کو یعنی قرات کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز سے نہ پڑھتے تھے میرے نزدیک اگر آپ نے بعض اوقات میں اس ارادہ سے بسم اللہ کو بالجہر پڑھا ہو کر لوگ نماز کی سنت کو

فاتحہ اور آمین کے درمیان میں ایک سکتہ لطیفہ تھا تا کہ غیر قرآن کا قرآن کے ساتھ اشتباہ لازم نہ آئے یا یہ سکتہ اس لیے تھا کہ دم ٹھکانے سے آجائے اور علی سہیل التزل ہم کہتے ہیں کہ قرن اول کا اس کوئی بات سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنت مستقر نہیں ہے اور نہ ان سنن میں ہے کہ جمہور نے اس پر عمل کیا ہو۔ واللہ اعلم

فجر کی نماز کے اندر ساٹھ سے سو آیت تک پڑھنا اولیٰ ہے تا کہ رکعت کی قی کا طول قرات سے تدارک ہو جائے دوسرے یہ کہ بنو ز اشغال معاشیہ کی کدورت کا اس کے دل میں اشتکام نہیں ہے پس اس وقت میں قرآن کے اندر فکر اور تدبیر کرنے کو بہت قیمت جانے اور عشا کی نماز میں سُبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی اور ان کے قریب قریب سورتیں پڑھنی چاہئیں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ اور آنحضرت ﷺ کا لوگوں کے نفرت لانے سے ناراض ہونا مشہور ہی ہے اور بعض روایات کے موافق تو ظہر کی نماز فجر پر اور عصر کی عشا پر محمول ہے اور بعض کے موافق نہی کی عشا پر اور عصر کی مغرب پر محمول ہے مغرب کی نماز میں قصار متصل کا پڑھنا چاہیے کیونکہ وقت میں گنجائش کم ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بعض اوقات میں خاص خاص نصیحتوں کے لحاظ سے نماز میں کبھی طول قرات اور کبھی تخفیف کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تخفیف کرنے کا آپ نے اس واسطے حکم دیا ہے کہ ان میں کوئی ضعیف بھی ہوتا اور کوئی مریض ہوتا ہے اور کسی کو کچھ ضروری کام ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بعض اوقات کے لیے بعض سورتوں کو اور بعض کے لیے کو پسند فرمایا ہے اور اس میں حکمتیں ہیں مگر ان نمازوں میں انہیں سورتوں کا پڑھنا واجب یا سنن مؤکدہ کے قبیلہ سے نہیں ہے جو ایسا کرے تو بہت ہی اچھا ہے۔ ورنہ کچھ حرج نہیں ہے مثلاً میداشقی اور عید الغطر میں آپ سورۃ ق اور اقتربت پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان کا اسلوب بہت ہی عجیب ہے اور باوجود نہایت اختصار کے ماحولیت صد قرآنی پر یہ سورتیں مشتمل ہیں۔ اور لوگوں کے اجتماع کے وقت ایسی ہی چیز کی ضرورت ہے یا کبھی تخفیف کے قصد سے سبح اسمہ اور ہل انک پڑھا کرتے تھے اور دوسرے ان کا اسلوب بہت ہی نادر ہے اور جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان سورتوں میں ایک طرح کی مناسبت اور تھخیر پائی جاتی ہے اور جمعہ کے اندر منافقین اور ہر قسم کے لوگ اکٹھے ہوا ہی کرتے ہیں جو اور روزوں میں نہیں ہوتے اور جمعہ کے روز نماز فجر میں الم تنزیل اور بل اتی پڑھا کرتے تھے تا کہ قیامت اور اس کے واقعات لوگوں کو یاد آجائیں اور چار پائے جمعہ کے روز قیامت کے انتظار میں کان کھڑے رکھتے ہیں اسی طرح بنی آدم کو بھی مناسبت ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہیں اور جب قرآن پڑھنے والا سُبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ الْاَعْلٰی اور جَوْشَنِ النَّبِیِّ اللّٰہِ سَاخِکُمُ الْخَاطِیِّینَ پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ اور جَوْشَنِ النَّبِیِّ ذٰلِکَ بِشَادِدٍ عَلٰی اَنْ یُّخِیِّیَ الْمَوْتُیَ پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے بَلٰی اور جَوْشَنِ پڑھے فتاویٰ حدیث بعددِ یَوْمُنُونَ اس کو کہنا چاہیے اٰمِنًا بِاللّٰہِ اور ظاہر ہے کہ اس میں ادب اور مسارعۃ الی الخیر پائی جاتی ہے۔

پھر جب رکوع میں جانا چاہے تو اپنے دونوں ہاتھ موٹھوں تک خواہ کافوں تک اٹھائے اور اسی طرح اس وقت جب رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہوئے رفع الیدین کرے اور سجدے میں ایسا نہ کرے۔ میرے نزدیک اس میں یہ جید ہے کہ رفع الیدین ایک تعظیمن فعل ہے جس سے نفس کو ان اشغال کے چھوڑنے پر جو نماز کے منافی ہیں اور حیز منجات میں داخل ہونے پر تنبیہ ہو جاتی ہے اس

من شیء بعد اور ایک اس کے آگے یہ آیا ہے۔ اہل الثنا والمجد احق ما قال العبد وکلنا لك عبد اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجدمنك الجدمنك الجدمنك اور ازاجملہ یہ ہے اللهم طهرني بالثلج والبرد والماء البارد اللهم طهرني من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس۔

صبح کی قنوت کے بارے میں احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہیں مگر میرے نزدیک قنوت بھی سنت ہے اور اس کا ترک بھی سنت ہے اور میرے نزدیک سب سے اچھا وہ ہے کہ یا تو کسی بڑے حادثہ کے وقت پڑھے یا قنوت کے چند کلمات آہستہ سے پڑھ لیا کرے ورنہ نہ پڑھا کرے اس واسطے کہ احادیث برابر اس بات پر شاہد ہیں کہ ابتداءً رطل اور ذکوان پر بددعا کی گئی پھر ترک کر دی گئی اور اس سے اگرچہ مطلقاً قنوت کا نسخ معلوم نہیں ہوتا مگر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہے کہ قنوت سنت مستقرہ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں ایسی چیز نہیں ہے جو ہمیشہ کرنی پڑے۔ چنانچہ ابو مالک اشجع رضی اللہ عنہ نے جب اپنے باپ سے جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے تھے قنوت کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ای بنی محدث بیٹا یہ نئی چیز ہے یعنی پہلے اس پر ہمیشگی نہ تھی یہ بعد کو ہو گئی ہے اور نبی ﷺ اور آپ کے خلفاء کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو قبل از رکوع یا بعد از رکوع مسلمانوں کے لیے دعا اور کافروں پر بددعا کیا کرتے تھے اور اس کو کبھی ترک نہیں کیا بایں معنی کہ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی حادثہ پیش آیا ہو اور ایسا نہ کیا ہو اور سجدہ کے کرنے کی یہ صورت ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھنے سے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے اور کتے کی طرح اپنے بازو زمین پر نہ بچھائے اور کہنیوں کو بدن سے ہٹائے رکھے کہ اس کی بغلوں کی سفیدی نظر آ سکے اور پیروں کی انگلیوں کی پوریں قبلہ کی طرف کھیں سجدہ کے اذکار یہ ہیں: سبحان ربی الاعلیٰ۔ تین مرتبہ یا سبحنک اللهم ربنا وبحمدک اللهم اغفر لی۔ یا یہ اللهم لك سجدت وبك امنت ولك اسلمت سجد وجهی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره فتبرک الله احسن الخالقین۔ یا یہ سبوح قدوس ربنا ورب الملائکة والروح۔ یا یہ اللهم اغفر لی ذنبی کله دقه وجله واوله واخلره وعلائیة وسره۔ یا یہ اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصى ثناء علیک انت کما اثبتت علی نفسک۔

اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے: فاعنى على نفسك بكثرة السجود. کثرت سجود سے اپنے نفس پر میری مدد کر اس کی یہ وجہ ہے کہ سجدہ غایت درجہ کا تعظیسی فعل ہے اور ایمان والے کے حق میں معراج ہے اور سجدہ کا وہ وقت ہے کہ ملک کی کو اس وقت میں قید بہیمیت سے خلاصی کا مرتبہ ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اپنے آپ کو رحمت الہی کے نزول کا مستحق بنالیا تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی مدد کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا امتی یوم القيامة غر من السجود محجلون من الوضوء، قیامت کے دن سجدے کے سبب سے میری امت کے منہ اور وضو کے سبب سے ان کے دست و پا روشن ہوں گے میں کہتا ہوں عالم مثال کا منبع ارواح اور اشباح کی مناسبت پر ہے جس طرح عالم مثال میں روزہ داروں کو کھانا کھانے اور جماع سے روکنے کی مثال فرجوں اور مونہوں پر مہر لگانے سے ظاہر ہوتی ہے اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی یہ ہیئت ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں کو بچھا لے اور دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں کے اوپر رکھ لے اور اس کے اذکار میں سے یہ ہے۔ اللھم اغفر لی وارحمنی

واھدنی وعافنی وارزقنی اور قعدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا کر لے اور بائیں کو بچھالے اور قعدہ و اخیرہ کے اندر ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں باہر نکال کر سرین لگا کے بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ لے اور ترمین کی صورت بنا کر آشت شہادت سے اشارہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ کن انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو سوز کر درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لے اس میں یہ مجید ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قول و فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متماثل ہو جاتے ہیں اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک آشت شہادت سے اشارہ نہ کرنا چاہیے وہ شخص خطا پر ہے اور اس کے قول پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں دلائت کرتی۔ ابن ہمام نے اس کو بیان کیا ہے۔ البتہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں اس کے متعلق نہیں ذکر کیا مگر موطا میں اس کو بیان کیا ہے اور مجھ کو بعض ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے جن کو اس بات کی بھی تمیز نہیں کہ ظاہر المذہب میں اشارہ نہیں ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ اشارہ نہیں ہے تشہد کے اندر کئی روایتیں آئی ہیں مگر سب سے زیادہ ترجیح حضرت ابن مسعودؓ کا ہے بعد ازاں حضرت ابن عباسؓ اور عمرؓ کا تشہد ہے۔ مگر وہ سب قرآن کی قراتوں کی طرح ثانی اور کافی ہیں اور صلوٰۃ کے کلمات میں سے سب سے زیادہ ترجیح یہ کلمے ہیں اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید اللھم صل علی محمد و ازواجہ و ذریئہ کما صلیت علی ابراہیم و بارک علی محمد و ازواجہ و ذریئہ کما بارکت علی ابراہیم و ازواجہ و ذریئہ کما بارکت علی ابراہیم انک حمید مجید۔ اور تشہد کے بعد مختلف دعائیں مروی ہیں از انجملہ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم اور از انجملہ اللھم اغفر لی ما قدمت و ما اخرت و ما اسررت و ما اعلنت و ما اسرفت و ما انت اعلم بہ منی انت المقدم و انت المؤخر لا اله الا انت اور نماز کے بعد کے بعض وظیفے یہ ہیں استغفر اللہ تین مرتبہ اور اللھم انت السلام و ملک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام لا اله الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللھم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الحد منك الحد لا اله الا اللہ ولا نعبد الا اياه وله النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔ اللھم انی اعوذ بک من الجبن واعوذ بک من البخل واعوذ بک من اردل العمر واعوذ بک من فتنة الدنيا وعذاب القبر تین مرتبہ سبحان اللہ اور تین مرتبہ الحمد للہ اور پانچ مرتبہ اللہ اکبر اور بعض روایات میں ہر ایک کا تین مرتبہ پڑھنا آیا ہے اور اس کے بعد سونے پر اللہ تبارک و تعالیٰ لا اله الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اخیر تک اور ایک روایت میں ہر ایک کا پچیس پچیس مرتبہ پڑھنا آتا ہے تیس تو اور پندرہ لا اله الا اللہ اخیر تک اور ایک روایت میں ہر مرتبہ کے

بعد سبحان اللہ دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ منقول ہے اور ایک روایت میں ہر ایک کا سو مرتبہ پڑھنا منقول ہے اور تمام وظائف کا حال قرآن کی قرأت کا سا ہے ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص پڑھے گا اس کے واسطے جس قدر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ملے گا اور بہتر یہ ہے کہ نوافل سے پہلے ان وظیفوں کو پڑھ لیا کرے کیونکہ بعض وظائف کا قبل از نوافل پڑھنا نص حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مَنْ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ وَيَتَنَى رَجُلِيهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** الخ جو کوئی نماز مغرب اور صبح کے بعد اور نشست بدلنے اور پھر جانے سے پہلے کہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** الخ تک۔ اور جس طرح راوی نے بیان کیا ہے کان اذا سلم من صلوته يقول بصوته **لا إله إلا الله** الخ آنحضرت ﷺ جب کہ نماز سے سلام پھیرا کرتے تھے تو بآواز بلند **لا إله إلا الله** الخ تک پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھ کو آنحضرت ﷺ کی نماز کا ختم ہونا اللہ اکبر کی آواز سے معلوم ہو جاتا تھا اور بعض حدیثوں سے یہ بات ظاہر ثابت ہوتی ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے۔ **دبر كل صلاة** ہر نماز کے پیچھے اور حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تھے تو صرف **بقر اللہم انت السلام** کے پڑھنے کے بیٹھا کرتے تھے اس کی توجیہ کئی طرح پر ممکن ہے ایک تو یہ کہ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھے رہا کرتے تھے مگر جب دا بنے یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف کو منہ کر کے بیٹھتے تھے تو اور وظیفے پڑھتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ وظیفے بھی نماز میں داخل ہیں اور ایک یہ کہ کبھی کبھی سوائے ان کلمات کے اور اذکار کو ترک کر دیتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کا فرض نہ ہونا معلوم ہو جائے۔ اور کان کا مقتضی یہ ہے کہ آپ اکثر ایسا کیا کرتے تھے اس سے نہ تو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ کرنا اس فعل کا ثابت ہوتا ہے۔

نوافل کے لیے یہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں پڑھا کرے اور سارا بھید اس میں یہ ہے کہ فرائض و نوافل میں کسی ایسی چیز سے جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہے فصل ہو جائے اور پھر وہ فصل بھی قابل اعتبار ہو جو بظاہر معلوم ہو سکے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے جو بعد نماز فرض کے نفل پڑھنا چاہتا تھا یہ فرمایا کہ بیٹھ جا اہل کتاب اسی سبب سے ہلاک ہو گئے کہ ان کی نمازوں میں فرق نہ تھا ورنہ ہلاک نہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا **إصاب الله بك يا بن الخطاب** اے ابن خطاب تجھ کو اللہ تعالیٰ خطا سے بچاتا رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اجعلوها في بيوتكم** من کو یعنی نوافل کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ واللہ اعلم

سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت اور ان چیزوں کا بیان جن کا ذکر کرنا نماز میں ناجائز ہے

معلوم کرو کہ نماز کا بنی اعضاء کے خشوع اور قلب کے حضور اور بجز ذکر الہی کے اور چیزوں سے زبان کے روکنے اور قرآن پاک کے پڑھنے پر ہے لہذا جو ہیئت خشوع کی ہیئت کے خلاف ہے یا جو کلمہ ذکر الہی کی جنس سے نہیں ہے وہ نماز کے منافی ہے کہ بغیر اس سے باز رہنے کے نماز پوری نہیں ہوتی مگر یہ چیزیں متفاوت ہیں اور ہر طرح کا نقصان نماز کو بالکل فاسد نہیں کرتا اور اس بات کی تمیز کہ کس چیز سے نماز بالکلیہ باطل ہو جاتی ہے اور کس چیز سے اس میں فی الجملہ نقصان آ جاتا ہے نص شرعی سے ہو سکتی ہے۔ اور فقہاء کے درمیان اس میں بہت کچھ کلام ہے اور احادیث صحیحہ کی ان کے کلام پر تطبیق مشکل ہے اور اس باب میں حدیث کے ساتھ سب

مذہب میں سے وہ مذہب زیادہ تر موافق ہے جس میں گنجائش زیادہ ہے اور یہ بات ضرور ہے کہ فعل کثیر جس سے مجلس بدل جائے اور قول کثیر جو بہت زیادہ ہو بلاشبہ نماز کے نقصان کا موجب ہے۔ قول کثیر کے متعلق یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان هذا الصلوة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس انما هي التسيب والتكبير وقرأة القرآن اس نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے وہ تو تسیب اور تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ فرمائی ان في الصلوة لشغلان: بلاتك نماز میں دل ہٹتا ہے اور ایک شخص اپنی سجدہ کی جگہ سے مٹی کو صاف کرتا تھا تو آپؐ نے اس سے فرمایا ان كنت فاعلا فواحدة اگر تجھ کو کرنا ہے تو ایک مرتبہ۔ اور آنحضرت ﷺ نے خضر سے منع فرمایا ہے اور وہ کمر پر ہاتھ رکھتا ہے کیونکہ وہ دوزخیوں کی راحت ہے یعنی یہ متحیر اور مدہوش اور ان لوگوں کی ہیئت ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اچکنا ہے کہ بندہ کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا ہے یعنی اس سے نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اور نماز کامل نہیں ہوتی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اذا تشاء بحدكم في الصلوة فليكنظم ما استنماع فان الشيطان في فيه نماز کے اندر جب تم سے کسی کو جمائی آئے پس جہاں تک ممکن ہو ضبط کرے اس لیے کہ شیطان اس کے منہ میں ٹھس جاتا ہے میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جمائی لینے سے اکثر کبھی وغیرہ اس کے منہ میں پڑ جاتی ہے اس وجہ سے اس کا دل ہٹ جاتا ہے اور جس چیز کے وہ درپے ہے یہ اس سے مانع ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اذا قام احدكم الى الصلوة فلا يمسح الحصى فان الرحمه تواجتهه جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے اس لیے کہ رحمت اس کے رو برو ہوتی ہے اور فرمایا ہے لا يزال الله تعالى مقبلا على العبد وهو في صلوة مالم يلتفت فاذا التفت اعرض عنه جب تک کہ بندہ نماز میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ برابر اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا ہے۔ جب تک وہ ادھر ادھر نہ دیکھے پھر جب وہ ادھر ادھر نہ دیکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توجہ اس سے ہٹ جاتی ہے اور اسی طرح وہ حدیث ہے جو نماز کے اندر بندہ کو اللہ تعالیٰ کے جواب دینے کے بارے میں وارد ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش تمام فلاح پر فائز و عام ہے اور تفاوت صرف مخلوقات کی استعداد جبلی یا کسی کے اعتبار سے ہے اس لیے جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے صرف محروم ہی نہیں رہتا بلکہ اپنے اعراض کی وجہ سے عذاب الہی کا مستحق ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے العطاس والسعاس والنشاء في الصلوة والحصى والقى والرعاف من الشيطان اور جماعی نماز کے اندر اور بعض اور تے اور قے شیطان کی طرف سے ہے میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ یہ چیزیں نماز کے معنی اور اس کے منشا کے منافی ہیں۔ اب رہا فعل شہابیؒ نے نماز کے اندر بہت سی چیزیں جو لوگوں کے سکھانے کی غرض سے کی ہیں یا جو فعل نماز کے اندر لوگوں کو کرتے دیتے ہیں۔ اور آپؐ نے ان سے منع نہیں کیا ہے وہ سب افعال یا جو ان سے کم ہیں ان سے نماز نہیں باطل ہوتی ہے اور حاصل یہ ہے کہ کائنات سے یہ معلوم ہوا کہ تمہارا کام میرے العنک بلعہ اللہ تین مرتبہ تک اور بروحمت اللہ اور ماشاںکم تسلمون

السی اور تھوڑا سا گرفت کرنا اور تھوڑا سا ہاتھ سے کوئی کام کرنا جیسے بچے کو کندھے سے اتار لینا یا اس پر بٹھالینا یا پاؤں کا دبانا اور جیسے دروازہ کا کھولنا اور مٹی تھوڑا چلنا جیسے منبر پر سے اس جگہ ہٹ آنا کہ جو وہاں سے منبر کے نیچے سجدہ ہو سکے اور امام کی جگہ سے صف میں آجائے اور وہ دروازہ جو اس کے سامنے ہے اس کی طرف بڑھ جائے تاکہ کھل جائے اور رونا اللہ کے خوف سے اور ایسا اشارہ کرنا جو اس سے کچھ سمجھا جائے اور سانپ بچھو کا مار ڈالنا اور داہنے بائیں اس طرح دیکھنا جو گردن نہ پھر سکے ان میں سے کسی چیز سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کے بدن یا کپڑے کو ناپاکی کا لگ جانا جو اس کے فعل سے نہیں ہے یا اس کو ناپاکی لگنے کا علم بھی نہیں تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

حقیقۃ الحال جب انسان سے نماز میں کوئی تصور ہو جائے تو آنحضرت ﷺ نے اس کی کمی کے پورا کرنے کو دو سجدے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قضاء کے ساتھ بھی مناسبت ہے اور کفارہ کے ساتھ بھی مناسبت ہے مگر وہ مواضع جن میں نص حدیث سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چار ہی ہیں ایک تو وہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ وَلَمْ يَدْرِكْ صَلَاةَ ثَلَاثًا وَارْبَعًا فَلْيَصْرَحْ الشَّكَّ الْبَيْنَ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ الخ تم میں سے جب کسی کو اپنی نماز میں شک ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تین یا چار پس جس میں شک ہوا ہے اس کو الگ کرے اور جس قدر پر یقین ہے اس پر نماز کی بنا کر کے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے کیونکہ اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں تب تو ان دو سجدوں سے اس کا شفع پورا ہو جائے گا اور اگر پوری چار پڑھیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی سرزنش کے لیے زیادتی حسناات کا موجب ہوں گے اور رکوع اور سجدے کے اندر شک کرنا بھی اسی قبیلہ سے ہے دوسرے یہ کہ نبی ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔ نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا بھی ایسا ہی ہے جیسے رکعت کا پڑھنا۔ (تیسرے) یہ کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ چار کی جگہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو بعض صحابہؓ نے آپ سے اس کو بابت عرض کیا تو جو رکعتیں رہ گئی تھیں وہ بھی پڑھیں اور دو سجدے کر لیے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آپ کی ایک رکعت باقی رہی تھی کہ آپ نے سہوا سلام پھیر دیا پھر اس کی بابت کسی نے عرض کیا تو بھی آپ نے ایسا ہی کیا جس فعل کے قصد کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے نماز کے اندر اس کا سہوا کرنا اس پر محمول ہے۔ (چوتھے) آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ دو رکعت کے بعد بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہو گئے پھر آپ جب نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے آپ نے دو سجدے کر لیے قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا بھی اسی پر محمول ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَأَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ السَّهْوِ یعنی اگر دو رکعتوں کے اندر کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اس کو یہ یاد آجائے تب تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے۔ سیدھا کھڑا ہو جائے تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کر لے میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کھڑا ہو گیا تو قعدہ فوت ہو گیا پھر اگر وہ لوٹ آئے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر سیدھا ہونے کے قریب ہو گیا ہے مگر ہنوز سیدھا نہیں ہوا ہے تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے بخلاف عامہ فقہاء کے۔

اور آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لیے جو قرآن کی وہ آیت پڑھے جس میں سجدہ کرنے کا حکم ہے یا سجدہ کرنے والے کے

ثواب اور اس کے منکر کے عذاب کا بیان ہے یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے کلام کی تعظیم اور مسارعۃ الی الخیر کے قصد سے سجدہ تلاوت کرے اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم ہے وہ ان سے علیحدہ ہیں کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرنے میں ہے جن آیات میں نص سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چودہ یا پندرہ آیتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ یہ سجدے واجب نہیں ہیں مستحب ہیں۔ تو کسی نے سامعین میں سے انکار نہیں کیا بلکہ سب نے اس کہنے کو مانا اور حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ نجم کے اندر سجدہ کیا اور وہاں جس قدر مسلمان اور مشرک اور جن حاضر تھے سب نے سجدہ کیا۔ میرے نزدیک اس کی یہ توجیہ ہے کہ اس خاص وقت میں حق اس قدر ظاہر اور روشن ہو گیا تھا کہ کسی کو بجز نیاز مندی اور تابعداری کچھ چارہ نہ رہا۔ پھر جب لوگ اپنی حالت پر آئے تو جو کافر اور جو مسلمان تھے وہ مسلمان رہے بجز ایک بوڑھے قریشی کے اس کے دل پر ایسی مضبوط مہر لگی ہوئی تھی کہ وہ اس رحمت عامہ سے محروم رہا اور اس کے دل میں اس کا اثر نہ ہوا۔ اور بجائے سجدہ کرنے کے تھوڑی سی مٹی زمین پر سے اٹھا کر پیشانی کو لگالی اس کی سزا بہت جلد اس کو یہ ملی کہ جنگ بدر میں مارا گیا۔ سجدہ تلاوت کے اذکار میں سے یہ ہے۔ سجد وجہی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ اور از انجملہ یہ ہے اللھم اکتب لی بها عندک اجر وضع بها عنی وزرا واجعلها لی عندک ذخرا و تقبلها منی کما تقبلها من عبدک داؤد۔

نوافل کا بیان

جس رحمت کا شرائع کے اندر لحاظ کیا گیا ہے اس کا یہ مقتضی ہے کہ لوگوں کو ضروری چیزیں اور نیز وہ چیزیں جن سے طاعت الہی کا پورا پورا فائدہ ان کو حاصل ہو سکے بیان کر دی جائیں تاکہ ہر شخص اپنا اپنا حصہ اس سے حاصل کر سکے پھر ان میں سے جو شخص کاروبار دنیوی میں مصروف رہتا ہے وہ تو صرف ان ضروری باتوں کو اپنے ذمہ لازم کر لے اور جو شخص دنیاوی کاروبار سے فارغ ہو اور اس نے تہذیب نفس اور اصلاح آخرت کا متمم ارادہ کر لیا ہے وہ کامل طور پر ان عبادات کے ادا کرنے کی کوشش کرے اس واسطے غایت شرمی کی توجہ اس امر کی طرف ہونی کہ ان سے لیے نوافل نماز اور ان کے اوقات مناسبہ اور اسباب کے ساتھ تعیین اوقات بیان کی جائے اور لوگوں کو اس پر ابھارا جائے اور ترغیب دائی جائے اور ان کے فوائد بیان کیے جائیں اور اجمالاً اس نماز نفل کی بھی ترغیب دی جائے جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے مگر جب کہ کوئی مانع موجود ہو جیسے وہ اوقات جن میں نماز کا پڑھنا منع ہے ان نوافل میں سے ایک تو وہ نوافل ہیں جو فرائض کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ اشغال دنیویہ چونکہ لوگوں کو اللہ کی یاد سے ہٹاتے ہیں اور اذکار کے اندر تہذیب اور فرائض کی عبادات کا ثمرہ حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ہیئت بے حیہ کا جنود اور ہیئت ملکہ میں ایک قسم کا دباؤ و قساوت پیدا ہوتی ہے لہذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اس کا احوال کیا کریں تاکہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع پایا جائے کہ تمام شغلوں سے قلب خالی ہو اور سب سے خاطر جمع ہو اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھتا ہے کہ نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح سے نہیں حاصل ہوتا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس قول میں اس کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے کم من محصل لیس له من صلوٰتہ الا نصفها ثلثها

ربیعہا بہت سے نمازیوں کو ان کی نماز سے صرف نصف تہائی چوتھائی ثواب ملتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد اس مقصود کے پورا کرنے کے لیے کچھ نماز اور مقرر کی جائے ان نوافل میں سے زیادہ ضروری شب و روز میں سے دس یا بارہ رکعت ہیں جو تمام اوقات پر منقسم ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بنی لہ بیت فی الجنة اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص نے اپنی جماعت کو رحمت کے ایک بہت بڑے حصہ کا مستحق بنالیا اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: **رُكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا** یعنی صبح کی دو رکعت دین اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں میں کہتا ہوں بہتر ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں رنج اور مصیبت کی کدورتوں سے خالی نہیں رہ سکتی ہیں اور ان رکعتوں کا ثواب ایسا باقی ہے جس میں نام کو بھی کدورت نہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ جَمَاعَتَهُ ثُمَّ قَعَدَ بِذِكْرِ اللَّهِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حُجَّةٍ وَعُمْرَةٍ** جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی پھر طلوع آفتاب تک یاد الہی کرتا رہا پھر دو رکعت پڑھیں اس کو مثل حج و عمرہ کے ثواب ملے گا۔ میں کہتا ہوں یہ وہ ثواب ہے جو ہر دن کے لیے آپ نے مسنون فرمایا ہے۔ اور اعتکاف کے فوائد ہم پہلے بیان کر چکے اور قبل از ظہر چار رکعت کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **تَفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ** ان کے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور فرمایا ہے **إِنَّهَا سَاعَةٌ تَفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاحْبِ انْ يَصْعَدْ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ** وہ یہ (بعد زوال) ایسی گھڑی ہے کہ اس وقت آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی عمل صالح آسمانوں پر صعود کرے اور فرمایا ہے **مَنْ شِئْتَ الْإِسْبَحَ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ كَوْنِي أَيْكِي شَيْءٍ نَبِيٍّ** جو اس گھڑی تسبیح نہ کرتی ہو میں کہتا ہوں پہلے ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ کے لیے جس کی ذات اوقات کی قید سے برتر ہے خاص خاص اوقات میں اس کی تجلیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور بعض اوقات میں تمام عالم کے اندر روحانیت پھیل جاتی ہے اس لیے اس ہی فصل کو دیکھنا چاہیے اور جمعہ کے بعد اگر مسجد میں پڑھے تو چار رکعتیں اور مکان پر پڑھے تو دو رکعتیں اس لیے مسنون کی گئی ہیں تاکہ ایسے وقت میں لوگوں کا مجمع عظیم ہے اور وہی جمعہ کا وقت اور وہی جگہ ہے جمعہ کی نماز کے مثل کوئی اور نماز نہ پائی جائے کیونکہ اس سے عوام کو جماعت سے اعراض کرنے کا گمان اور اسی طرح کے اوہام پیدا ہوتے ہیں لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی نماز کسی نماز کے ساتھ نہ ملائی جائے جب تک کہ کلام نہ کر لے یا باہر نہ آ جائے اور قبل از عصر چار رکعتیں اور بعد از مغرب چھ رکعتیں بھی مروی ہیں اور فجر کی نماز کے بعد سنتیں مقرر نہیں کی گئیں کیونکہ اس میں نماز کی جگہ اشراق کی نماز تک بینہ مسنون کرنے سے وہ مقصود حاصل ہو گیا اور نیز اس کے بعد نماز پڑھنے سے مجوس کے ساتھ مشابہت کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور ایسی مشابہت کے پیدا ہونے کے سبب سے بعد عصر بھی سنتیں نہیں مقرر کی گئیں اور از انجملہ شب کے نوافل ہیں جاننا چاہیے کہ شب کا اخیر وقت ایسا ہے کہ تمام اشغال مشوشہ سے قلب کو صفائی اور دلجمعی ہوتی ہے۔ اور شور و غل سے سکون ہوتا ہے اور آدمی سوئے ہوتے ہیں اور یاد و سمعہ سے بعد ہوتا ہے اور افضل ترین عبادت کے لیے وہ ہی اوقات ہیں جن میں قلب کو فراغ ہو اور متوجہ الی اللہ ہو جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسِ نِيَامٍ** اور رات کو نماز پڑھا کرو کہ آدمی سوتے ہوتے ہیں اور اللہ پاک بھی قرآن میں

ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وُضَاءً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيْلًا۔ البتہ رات کے وقت زیادہ گرانی ہوتی ہے اور تو دن کے وقت تسبیح زیادہ کرتا ہے اور بھی یہ وقت وہ ہے کہ رحمت الہیہ نازل ہوتی ہے۔ اور بھی اس وقت میں اللہ پاک کو بندہ کے ساتھ زیادہ قربت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور بھی اس وقت کے جاگنے میں قوتِ بھیمہ کے ضعیف کرنے کے لیے ایسی عجیب خاصیت ہے کہ یہ بمنزلہ تریاق کے ہے اور اس لیے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ درندے جانوروں کو تابع مسخر کرنا چاہتے ہیں اور ان کو شکاری بناتے ہیں تو ان کو بھوکا رکھتے ہیں۔ اور نیند سے باز رکھنے کے ذریعہ سے وہ اس بات کو حاصل کر سکتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ هَذَا السَّهْرَ جَهْدٌ وَ ثَقْلٌ۔ الحدیث یعنی اس جاگنے میں مشقت اور گرانی ہے اس لیے تہجد کی نماز کی طرف شارع کو بہت اہتمام ہوا۔ اور نبی ﷺ نے اس کے فضائل لوگوں کو بتائے اور اس کے آداب اور وظائف منضبط کیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تَبَعْدُ الشَّيْطَانُ عَلٰی قَافِيَةِ رَاسٍ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عَقَدَتِمَ تَمَّ مِنْ سَاعَةِ جِبِّ كُوْنِيْ اَدْمٰی سَوَاتٍ هُوَ تَوَشَّيْطَانِ اس کے سر کے قافیہ میں تین گروہ لگا دیتا ہے اخیر حدیث تک میں کہتا ہوں شیطان اس کے دل میں نیند کی لذت ڈال دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے اور اس کا یہ وسوسہ بہت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے جب تک کوئی ایسی تدبیر نہ کی جائے کہ جس سے نیند دفع ہو سکے اور اللہ کی طرف توجہ کا دروازہ اس پر کھل جائے وہ وسوسہ دل سے نہیں اٹھتا اس لیے یہ بات مسنون کی گئی کہ جس وقت آدمی کی سوتے سے آنکھ کھلے اور اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھے تو اللہ کا نام لے کہ پھر وضو اور مسواک کر کے چھوٹی چھوٹی دو رکعت پڑھے بعد ازاں اذکار اور آداب سے جتنا چاہے پڑھتا رہے اور میں نے ان تین عقود کا تجربہ کیا ہے اور ان کا لگانا اور پھر ان کی تاثیر کا مشاہدہ کیا مگر مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس وقت مجھ کو یہ حدیث بھی یاد آئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے رَبُّكَ كَاسِيَةٌ فِي الدُّنْيَا عَارِبَةٌ فِي الْآخِرَةِ۔ بہت سی دنیا میں لباس پہنے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی یعنی دنیا میں جو طرح طرح کے لباس پہنتی ہیں آخرت میں اس کے بدلے ننگی ہوں گی۔ کیونکہ فضائلِ نفسانیہ سے دنیا کے اندر وہ ننگی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَاذَا اَنْزَلَ اللَّيْلَةُ مِنَ الْخَزَائِنِ الحدیث آج کی رات میں آسمان سے کیا کیا خزانے اتارے گئے ہیں کہتا ہوں اس بات پر صاف دلیل ہے کہ معانی صورتوں میں متماثل ہیں اور اپنے وجودی سے بیشتر ان کا زمین پر نزول ہوتا رہتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حَتَّى يَبْقَى ثَلَاثَ اللَّيْلِ الْاٰخِرَةِ الْحَدِيثُ۔ شب کا اخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حضور قلب کے مانع ہوتی ہیں اور اشغالِ موشغہ سے دل کے صاف ہونے اور ریاء کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے نفس کو رحمت الہیہ کے نزول کی جو قابلیت حاصل ہوتی ہے اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور میرے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو قرب کے اندر رہتا ہوتی ہے اس کو نزول سے تعبیر کرتے ہیں اس کا اس سے پہلے ہم کچھ بیان کر چکے ہیں۔ انہیں دو اسرار کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَمَدِ فِي حَوَافِ اللَّيْلِ الْاٰخِرَةِ سَبَّحْ رَبَّكَ زَيْدًا وَ اللّٰهُ يَاقُ۔ اور اس کے بندہ میں جو قربت ہوتی ہے وہ شب کے اخیر میں ہوتی ہے اور فرمایا ہے۔ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يَدْعُو فَتَهَا عَمَدُ

مسلم يسئل الله فيها خيرا الا اعطاه. البتہ شب میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ کوئی عبد مسلم اپنی بھلائی کی دعا نہیں کرتا مگر اللہ پاک اس کو عطا فرماتا ہے اور نیز فرمایا ہے: علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصالحین قبلکم وهو قرۃ لکم الی ربکم مکفرة السيئات منهاة عن الاثم. التزام کرو شب کے انٹنے کا اس لیے کہ یہ دستور ہے تم سے پہلے صالحین کا اور وہ تمہارے رب کی جانب قربت کا موجب اور تمہاری برائیوں کا دور کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا ہے اور گناہوں کے دور کرنے اور ان سے باز رکھنے وغیرہ کے اسرار ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہاں ان کو دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: من اوی الی فراشه طاهرا یذكر الله حتی یدرکہ الناس لم ینقلب ساعة من اللیل یسئل الله شیئا من خیر الدنیا والاخرۃ الا عطاہ. جس شخص نے طہارت کے ساتھ اپنے بستہ پر خدائی یاد کے ساتھ سہارا پکڑا اور اسی حالت پر اس کی آنکھ لگ گئی تو کسی وقت رات کو کروٹ بدلتے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی سی بھلائی کا وہ سوال نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتا ہے میں کہتا ہوں جو شخص احسان کی حالت پر جو تشبیہ بالملکوت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر متنب کو جامع ہے سو جاتا ہے تو تمام رات اسی حالت پر رہتا ہے اور اس کا نفس اللہ تعالیٰ کی طرف مقربین کے زمرہ میں متوجہ رہتا ہے اور تہجد کے وقت یہ مسنون ہے کہ جب آدمی سونے سے فارغ ہو کر اٹھے تو وضو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی یاد کرے اور وہ دعائی طرح سے آئی ہے ازاں جملہ یہ دعا ہے اللھم لك الحمد انت قیم السموات والارض ومن فیہن ولك الحمد انت نور السموات والارض ومن فیہن ولك الحمد انت ملك السموات والارض ومن فیہن ولك الحمد وانت الحق ووعدك الحق ولقاءك وقولك حق والجنة حق والنار حق والنبیون حق ومحمد حق والساعة حق اللھم لك اسلمت وبك امنت وعلیک توكلت والیک انبت وبك خاصمت والیک حاكمت فاغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت ولا اله غیرك. اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اللہ اکبر دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ کہے اور سبحان اللہ و بحمدہ دس مرتبہ اور استغفر اللہ دس مرتبہ اور لا اله الا اللہ دس مرتبہ بعد ازاں پڑھے اللھم انی اعوذ بك من ضیق الدنیا وضیق یوم القيامة. دس مرتبہ اور ازاں جملہ لا اله الا انت سبحانك اللھم وبحمدك استغفرک لدینی واسئلك رحمتك اللھم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد اذ هدیتنی وھب لی من لدنك رحمة انك انت الوھاب. اور ازاں جملہ یہ کہ یہ آیات پڑھے۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار آیات لا ولی الا للباب. اخیر سورت تک بعد ازاں مسواک کرے اور وضو کر کے مع وتر کے یارہ رکعتیں پڑھے اور نماز تہجد کے آداب اور اذکار پر جو آنحضرت ﷺ نے مسنون کیے ہیں التزام کرے اور دو رکعت پر سلام پھیرے اور ہاتھ اٹھا کر یارب یارب کہتا رہے اور جہاں تک ہو سکے دعا میں مبالغہ کرے اور آپ کی دعاؤں میں یہ دعا بھی داخل تھی۔ اللھم اجعل لی فی قلبی نورا وفی بصری نورا وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا وفوقی نورا وتحتی نورا وامامی نورا وجعل لی نورا. اور آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقوں سے تہجد کی نماز پڑھی ہے۔ اور سب

طریقے سنت ہیں اور اصل یہ ہے کہ شب کی نماز وتر ہے اس کو تم مابین عشاء سے صبح تک پڑھ لیا کرو اور نبی ﷺ نے اس کو حق اس غرض سے فرمایا ہے کہ یہ طاق عدد مبارک ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ان الله يحب الیوتر فاوتر وایا اهل القرآن الله تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے اس لیے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو مگر چونکہ نبی ﷺ نے شب کے انٹنے میں مشقت ہوتی ہے اور اس کی برداشت وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو اس لیے قیام لیل و تمام امت پر لازم نہیں کیا اور شروع شب میں وتر کے پڑھنے کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ ہی تاخیر سے پڑھنے کی رغبت دلاتے رہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے من خاف ان لا یقوم آخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع ان یوتر آخره فان صلوة اللیل مشہودہ وذلك افضل جس شخص کو اخیر شب میں نہ انٹنے کا اندیشہ ہو تو وہ اول شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اخیر شب میں پڑھنے کا دلچسپی ہو تو وہ آخر میں وتر پڑھے کس لیے کہ شب کی نماز میں حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے اور حق یہ ہے کہ وتر سنت جی مگر سب سنتوں سے زیادہ موکدہ ہیں حضرت طلحہ اور حضرت ابن عمر اور عبادہ بن صامت نے اس کو بیان کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے۔ امدکم بصلوة ہی خیر لکم من حمر النعم اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک ایسی نماز بڑھادی جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر نماز فرض کی ہے جو ان سے ادا ہو سکے کیونکہ شروع شروع میں شب و روز میں گیارہ رکعتیں فرض کیں بعد ازاں حضرت کے اندر کچھ اور بڑھادیں بعد ازاں جو لوگ محسنین کے زمرہ میں ہیں ان کے لیے وتر بڑھادی گئی کیونکہ آنحضرت ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ جو لوگ احسان کے درجے کی قابلیت رکھتے ہیں ان کو اس سے زیادہ مقدار کی حاجت ہے اس لیے اصل نماز کے برابر گیارہ رکعت ان کے لیے اور زیادہ کر دی گئیں چنانچہ حضرت ابن مسعود نے ایک اعرابی سے فرمایا ہے تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے یہ نہیں ہیں۔

اور بعد وظائف وتر سے وہ کلمات ہیں جو آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سکھائے تھے وتر میں یہ کہتے تھے اللہم اھدنی فیمن ھدیت و عافنی فیمن عافیت و تولنی فیمن تولیت و بارک لی فیما اعطیت و قنی شر ما قضیت فانک تقضی و لا یقضی علیک انه لا یدال من والیت و لا یعز من عادیت تسارکت رسا و تعالیت اور از اہل یہ ہے بعد ازاں یہ پڑھے اللہم انی اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافانک من عقوبتک و اعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثبت علی نفسک اور بعض وظائف سے یہ بعد تمام پھیرنے کے پڑھے یہ ہیں سبحان الملک القدوس و مرتبہ آیت تیسری مرتبہ آواز بلند اور بے آپ تین رکعت پڑھتے تھے تو ازل رکعت میں سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ الذی دوسری میں سورۃ قل یا ایہا الکفرؤن تیسری میں قل ھو اللہ اور قل اعوذ برب الملق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے اور از اہل قیام رمضان شریف کے مہینے میں اور اس کے شروع ہونے میں یہ ہمید ہے کہ مقصود شارع کا رمضان سے یہ ہے کہ امت امت محمدیہ کو بسبب اس اوصاف نبویہ کے طاعت کے ساتھ مناسبت ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو تشبیہ ہو جائے اسی لیے آپ نے مسلمانوں کے اوپر یہ کیا ایک ہر مہینہ ان میں فقط ایک کافی ہے کہ رمضان کے روزے رکھیں اور فرائض پر اتنا لڑیں دوسرے روزے رکھیں اور وہ روزے

اس سے عبارت ہے کہ روزہ رمضان شریف کا اور اس کی راتوں میں قیام اور تنزیہ زبان باوجود اعتکاف کے اور عشرہ اخیرہ میں کمر بند کا خوب استحکام سے باندھنا اور چونکہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ تمام امت اس درجہ علیاء کے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتی اور یہ بھی ضرور تھا کہ ہر شخص بقدر اپنی طاقت کے اعمال کو کرے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: مَا ذَالِ بِكُمْ الذی رایت من صَنِيعِکُمْ حَتّٰی خَشِیتَ انْ یَّکْتُبَ عَلَیْکُمْ وَاَوْکْتُبَ عَلَیْکُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ۔ جس چیز کو تم ہمیشہ کرتے ہو میں اس کو دیکھتا رہتا ہوں اور تمہارے ہمیشہ کرنے کی وجہ سے مجھے خوف ہے کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہو جائے تو تم نہ رہو گے اس پر معلوم کرو کہ عبادات کی توقیت بندوں پر ایسی چیز سے ہوا کرتی ہے جس سے ان کے دل مطمئن رہیں اس لیے آنحضرت ﷺ کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ان عبادات کے عادی ہو جائیں اور ان سے ان کا دل مطمئن ہو جائے اور جس وقت ان امور میں ان سے کسی قسم کی کوتاہی ہو تو بوجہ اس کوتاہی کے احکام الہی کے اندر اس کو کوتاہی جانیں یا وہ عبادت شعائر دین میں سے ہو کر ان پر فرض ہو جائے اور اس کے متعلق قرآن نازل ہو جائے اور پھر پچھلے لوگ اس کی برداشت نہ کر سکیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ جس کی نے ایمان کے ساتھ بہ طلب قصد ثواب کے رمضان کے اندر قیام کیا اس کے سب پہلے گنہ بخشے گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس درجہ کے حاصل کرنے سے اس نے اپنی جان کو برکات الہیہ کا جو ظہور ملکیت اور گناہوں کے نحو ہو جانے کا باعث ہیں مورد بنایا۔

صحابہ اور تابعینؓ نے قیام رمضان میں تین چیزیں اور زیادہ کی ہیں ایک تو مساجد میں اس کے لیے جمع ہونا کیونکہ اس میں خاص و عام کے لیے آسانی ہے دوسرے اول شب میں اس کا پڑھنا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے رہے کہ اخیر شب میں نماز پڑھنے سے حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی آسانی پر جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متنبہ کیا ہے تیسرے بیس رکعت کے ساتھ اس کی تعداد مقرر کرنا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اس بات کا خیال کر کے کہ آنحضرت ﷺ نے تمام سال کے اندر ان لوگوں کے لیے جو محسنین کے زمرہ میں ہیں گیارہ رکعت مقرر کی ہیں یہ فیصلہ کر دیا کہ رمضان کے اندر جب مسلمان تشبیہ بالملکوت کے دریا میں اپنی جان کے ڈالنے کا قصد کرتا ہے تو اس کا حصہ گیارہ رکعت کے دو چند سے بہر صورت کم نہ ہونا چاہیے اور از انجملہ چاشت کی نماز ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ حکمت الہیہ کا منتفی ہو کہ دن کے چار حصوں میں سے کوئی حصہ نماز سے جو یاد الہی پر آدمی کو متنبہ کرتی ہے خالی نہ ہو کیونکہ ربع تین ساعت کا نام ہے اور تمام عرب عجم میں دن کے حصوں کے لیے جو مقدار مستعمل ہے اس مقدار کی کم از کم تین ساعت ہوتی ہے لہذا آنحضرت ﷺ سے قبل چاشت کے نماز صلحاء کی سنت رہی ہے اور نیز ان کے پہلے حصہ میں آدمی اپنی روزی اور معاش کی تلاش میں مصروف رہا کرتے ہیں اس لیے ایسے وقت میں ایک نماز مسنون کی گئی تاکہ اس غفلت کے زہر کے لیے جو اس وقت میں نفس پر طاری ہوئے ہیں بمنزلہ تریاق کے ہو جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے بازار میں جانے والے کے لیے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ اخیر تک مسنون کیا ہے چاشت کی نماز کے لیے تین درجہ ہیں تم درجہ اس کا دو رکعتیں ہیں اور اس میں یہ نکتہ ہے کہ آدمی کے ہر عضو پر جو صدقہ واجب ہے یہ نماز اس کا بدلہ ہو جاتی ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر جوڑ کا اس کی صحت پر جو اس کے منسوب ہے باقی رکھنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے سب کے شکر یہ میں حسنت کا ادا کرتا اور اس کی حمد کرتا

واجب ہے اور تمام اعمالِ صالحہ سے بڑھ کر ہے جس کے ادا کرنے میں تمام اعضاءِ ظاہری اور قوائے باطنی مصروف ہوتے ہیں اور دوسرا درجہ اس کا چار رکعت ہیں اور اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے حکایت عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے اے ابن آدم میرے لیے شروع دن میں چار رکعت پڑھ۔ اخیر دن تک میں تیرے لیے کافی ہوں گا میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ تہذیب نفس کے لیے یہ کافی مقدار ہے اگرچہ اخیر دن تک ایسا کوئی اور کام نہ کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ چار رکعت سے زیادہ پڑھے مثلاً آٹھ رکعت یا بارہ رکعت اور چاشت کا کامل وقت وہ ہے کہ جب دن چڑھ جائے اور اونٹنیوں کے بچے گرمی کے سبب سے بیٹھ جائیں اور ریت پر نہ چل سکیں اور از انجملہ استخارہ کی نماز ہے اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ ان کو جب کوئی حاجت سفر یا نکاح یا بیع وغیرہ کی پیش آیا کرتی تو وہ تیر ڈال کرتے تھے آنحضرت ﷺ ان کو اس حرکت سے منع فرمایا کیونکہ وہ ایک بے بنیاد اور بے اصل اور صرف ایک اتفاقی چیز تھی اور نیز اس کے اندر اللہ تعالیٰ پر افتراء پایا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس وقت کہا کرتے تھے ہمارے پروردگار کا ہم کو حکم ہو گیا یا ہمارے پروردگار نے اس سے منع کر دیا اور بجائے اس کے آنحضرت ﷺ نے استخارہ کو مقرر فرمادیا کیونکہ جب آدمی اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کے علم کا فیضان چاہتا ہے اور اس کی مرضی کا اس امر میں انکشاف چاہتا ہے اور دل سے اس کے دروازہ پر نیاز مندی سے قیام کرتا ہے تو فوراً حکمت الہیہ کا اس کے دل پر فیضان ہو جاتا ہے اور نیز استخارہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس وقت اپنے نفس کی مراد سے قہ ہو جاتا اور اس کے قوائے بہیمیہ ملکیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے اس کی وجہ سے اس کا حال بمنزلہ حال ملائکہ کے ہو جاتا ہے وہ بھی اس طرح الہام ملائکہ کے منتظر رہتے ہیں اور الہام ہو جانے کے بعد اپنے ارادہ سے وہ ہمہ تن اس کام میں متوجہ ہو جاتے ہیں ان کے نفسانی ارادہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا اور میرے نزدیک اپنے امور میں کثرت سے استخارہ کرنا ملائکہ کے ساتھ تشبیہ حاصل کرنے کے لیے تریاقِ مجرب ہے نبی ﷺ نے استخارہ کی دعا اور اس کے آداب منضبط کر دیئے ہیں اور یہ دعا تعظیم فرمائی ہے۔

اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلتک من فضلك العظیم فانک تقدر ولا اقدر تعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان هذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری یا آپ نے یہ کہا فی تاحل امری واجله فاقدره لی وبسره لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان هذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری یا یہ کہا فی اجل امری واجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حسن کان ثم ارضنی به اور اپنی حاجت کا ذکر کرے۔

اور از انجملہ صلوٰۃ حاجت ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ متوق سے مدد چاہئے اور ان سے اپنی حاجت کے طلب کرنے میں ان بات کا غلط نہ تھا کہ یہ شخص غیر اللہ تعالیٰ سے مدد و توجیز کرتا ہے پس یہ صورت تو یہ استعانتِ محل تھی فلہذا ان کے لیے ایک نماز اور دعا مسنون کی گئی تاکہ ان سے یہ شر دور ہو۔

پھر مسنون ہوئی ان کو یہ کہ دو رکعت پڑھیں اللہ لی ثناء اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں پھر کہیں لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسئلتک موحبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلاۃ من کل اثم لاتدع لی دنا الا شغرتہ ولا هما الا

فرجته ولا حاجته هي لك رضا الا قضيتها يا ارحم الراحمين. اور از انجملہ صلوٰۃ توبہ ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا خاص کر گناہ کرنے کے بعد اور قلب کے اندر اس گناہ کے زنگ جمنے سے پہلے اس گناہ کا باعث ہوتا ہے اور از انجملہ صلوٰۃ وضو ہے اور اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا ہے انی سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنة. کہ جنت میں میں نے اپنے سامنے تیری جوتیوں کی آواز سنی ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ مجید ہے کہ طہارت پر التزام کرنا اور اس کے بعد نماز پڑھنا احسان کے درجے کے لیے کافی مقدار ہے جو بڑے بانصیب سے ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا ہے۔ بما سبقتنی الی الجنة. کس چیز کی وجہ سے جنت میں تو مجھ سے سبقت لے گیا اور از انجملہ صلوٰۃ تسبیح ہے اس کا مجید یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نماز ہے کہ جس میں اللہ کی یاد کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے بمنزلہ اس کامل نماز کے ہے جو رسول اللہ ﷺ نے محسنین کے لیے اذکار کے ساتھ مقرر فرمائی ہے جو شخص اس سے یہ نماز اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی فضیلت میں دس خصلتیں ارشاد فرمائی ہیں اور از انجملہ صلوٰۃ الایات ہے جیسے کسوف اور خسوف اور تاریکی کی پرمی جاتی ہے اس میں اصل یہ ہے کہ جب آیات الہی میں سے کسی آیت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور لوگوں کے نفوس اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور ملتجی ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کو دنیا سے ایک قسم کی علیحدگی ہو جاتی ہے لہذا ایمان والے کے لیے یہ وقت بہت نفیست ہے اس کو ایسے وقت میں دعا اور نماز اور تمام اعمال صالحہ میں کوشش کرنی چاہیے اور نیز یہ ایسا وقت ہے کہ عالم مثال میں حوادث کے پیدا کرنے کی طرف حکم الہی متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو خود بخود ان کے دلوں میں اس وقت بے چینی ایک طرح کی معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ اسی لیے ایسے وقت میں گھبرا جاتے تھے اور نیز ان اوقات میں زمین پر روحانیت کا نزول ہوتا ہے لہذا صاحب احسان کے لیے ان اوقات میں اللہ کے ساتھ قربت حاصل کرنا بہت مناسب ہے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: فاذا تجلی اللہ لشیء من خلقه خضع له. پھر جب اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی ہوتی ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور نیز کفار لوگ چاند سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ لہذا مسلمان ایماندار کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا عبادت کے لیے مستحق ہونا ثابت ہو تو اللہ کی طرف نیاز مندی سے التجا کرے اور اس کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ پاک اس کو ارشاد فرماتے ہیں: لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ. آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ قمر کو اور جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے اس کو ہی سجدہ کرو۔ یہ سجدہ کرنا دین کے لیے شعار اور منکرین کے لیے جوابِ ساکت کرنے والا ہے اور نبی ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ اپنے دو قیام اور دو رکوع ان دونوں کو سجدہ پر قیاس کر کے کیے ہوں کیونکہ ایسے وقت میں رکوع اور قیام بھی خضوع کے اندر مثال سجدہ کے ہیں لہذا ان کی بھی تکرار مناسب ہوئی اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اپنی اس نماز کو جماعت سے پڑھا اور اس بات کی منادی کرنے کا حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ. اور آواز سے قرآن پڑھا۔ جس نے اتباع کیا وہ درجہ احسان پر پہنچا اور جس نے وہ نماز پڑھی جو شرع میں معتبر ہے سو اس نے آنحضرت ﷺ کے اس قول پر عمل کیا۔ فاذا رايتکم ذالک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا. پھر جب تم اس کو دیکھو تو اس کو یاد کرو اور اس کی بڑائی کرو اور اس کے لیے نماز پڑھو اور اس کے لیے صدقہ کرو اور از انجملہ صلوٰۃ استسقاء

ہے آنحضرت ﷺ نے کئی مرتبہ مختلف طرق سے اپنی امت کے لیے باران کی طلب کی ہے مگر وہ طریقہ جو اپنی امت کے لیے مسنون کیا ہے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر عید گاہ کی طرف نہایت نیاز مندی اور تواضع اور تضرع کے ساتھ گئے اور جماعت سے دو رکعت نماز بالجہر پڑھی بعد ازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کی اپنی چادر مبارک کو پھیرا اور یہ اس لیے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز کی آرزو میں نہایت اہتمام اور گناہوں کی مغفرت طلب کرتے اور اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو دعا کے قبول ہونے میں نہایت کامل اثر ہے اور نماز بندہ کے لیے سب عبادات سے قرب الہی کی موجب ہے اور ہاتھوں کو اٹھانا نہایت تضرع اور نیاز مندی کی صورت ہے جس سے نفس کو خشوع اور فرمانبرداری متنبہ ہوتا ہے اور چادر کا لوٹنا ان کے احوال کے متغیر ہونے کی نقل ہے جس طرح مستفیث آدمی بادشاہوں کے حضور میں عمل میں لاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ استسقاء میں یہ دعا مانگا کرتے ہیں۔ **اللھم اسق عبادک وبھیمنتک وانشر رحمتهک واحی بلدک المیت** اور ایک یہ دعا ہے **اللھم استقنا غیثا مغیثا مرثیا نافعا غیر ضارعا جلا غیر اجل** اور از انجملہ صلوٰۃ العیدین ہے اور اس کی نماز کا بیان عنقریب آتا ہے اور ذوالفیل کے قبیلہ سے کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی تکلیف کے دور ہونے یا ان دونوں میں سے کسی کے معلوم ہونے کے وقت سجدہ شکر کا کرنا ہے کیونکہ شکر تو دل کا فعل ہے اور ظاہر میں اس کے کوئی عنوان ضرور ہونا چاہیے تاکہ ہر ایک کو دوسرے سے قوت حاصل ہو جائے ملاوہ بریں نعمتوں کا حاصل ہونے سے ایک طرح کا تکبر پیدا ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ منعم کے سامنے اپنے کو ذلیل اور خاکسار بنائے یہ وہ نمازیں ہیں جو آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے لیے جن میں درجہ احسان اور مسامحت الی الخیر کی قابلیت ہے فرائض نماز پر جس کا کرنا تمام خاص و عام پر لا بدی ہے زیادہ کر کے مسنون فرمایا ہے۔

نماز ایسی چیز ہے جو لوگوں کی بھلائی اور بیہودگی کے لیے وضع کی گئی ہے جس سے جہاں تک اس کی کثرت ہو سکے کرنی چاہیے مگر پانچ وقتوں میں آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے ان پانچ میں سے تین وقت ایسے ہیں جن میں یہ نسبت ان دو وقت کے نماز پڑھنے سے تاکید منع فرمایا ہے اور وہ تین وقت یہ ہیں ایک تو جب آفتاب برآمد ہو اور نکل کر اونچا ہو۔ دوسرے خاص وقت دو پہر کے جب تک نہ اچلے۔ اور ایک جب آفتاب قریب افروب ہو غروب تک کیونکہ یہ اوقات مجوس کی نماز کے ہیں اور مجوس وہ فرقہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین مناع کر دیا اللہ تعالیٰ و پھر زکراً آفتاب پرستی کرتے ہیں اور ان کے اوپر شیطان کا تصرف ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے **انہا تطلع حس تطلع سن قرنی الشیطان** جب آفتاب برآمد ہوتا ہے تو درمیان دونوں شیطانوں کے برآمد ہوتا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ اس وقت میں کافر لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں لہذا ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو سب عبادتوں میں بڑی عبادت ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور ملت کفر میں بھی تمیز اور فرق کیا جائے اور دوسرے دو وقت وہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا صلوٰۃ بعد الصبح حتی تروغ الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس** بعد نماز صبح تک آفتاب برآمد نہ ہو اور نہ عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب نہ ہو۔ تین باتیں ہیں کہ ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنے سے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی ان دو وقتوں میں نماز پڑھی کیونکہ آپ کو اگر

قباحت کے پیدا ہونے کا خوف نہ تھا۔ اور ایک روایت میں جمعہ کے دن دو پہر کو ان سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور نیز اس حدیث سے مسجد حرام کے اندر ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یا بنی عبد مناف من ولی منکم من امر الناس شیئاً فلا یمتن احدا طاف بهذا لیت وصلی ای ساعة شاء من لیل او نهار ای بنی عبد المناف تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا حاکم ہو تو وہ اس گھر کے کسی طواف کرنے والے کو اور نماز پڑھنے والے کو کسی وقت نہ روکے عام ہے کہ رات میں ہو یا دن میں اور اس تقدیر پر اس میں یہ بعید ہے کہ جمعہ کا وقت شعار دین کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور مسجد حرام شعار دین کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اس سبب سے وہ دونوں نماز کے مانع کے معارض ہیں۔

اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان

معلوم کرو کہ عبادت کے اندر بڑی بیماری نفس کا ملال ہی ہو جاتا ہے تو خشوع کی صورت پر اس کو تنبیہ نہیں ہوتی اور پھر وہ مشقت عبادت کے معنی سے خالی رہ جاتی ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کی حرص ہوتی ہے اور حرص کو کمی ہوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ جب کسی عمل صالح کا لوگوں سے رواج جاتا رہتا ہے اور اس کے کرنے میں لوگ سستی کرنے لگتے ہیں تو اس کے کرنے والے کا اجر چند در چند ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس عمل کو آدمی اس وقت کر سکتا ہے کہ جب اس کے نفس کو سخت تنبیہ ہو اور اس کے دل میں ایک مستحکم ارادہ پایا جائے اس لیے شارع نے طاعت کی مقدار مقرر کی ہے جس طرح مریض کے حق میں دوا کی طرح ایک خاص انداز میں مقرر ہوتی ہے جس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی اور نیز مقصود صفت احسان کا اس طرح پر حاصل کرنا ہے کہ اس میں تدابیر ضرور یہ کا ترک یا حقوق میں سے کسی حق کا تلف نہ لازم آئے چنانچہ حضرت سلمانؓ نے ایک مرتبہ کسی سے یہ فرمایا کہ تیری آنکھوں کا یہی تجھ پر حق ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انا اصوم و افطر واقوم وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس کسی نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور نیز مقصود عبادات سے نفس کا راستی پر لانا اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے اور یہ مطلوب نہیں ہے کہ تمام اقسام کی عبادات کو وہ عمل میں لائیں کیونکہ تمام خلق کے اعتبار سے یہ بات دشوار معلوم ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے استقیموا ادنیٰ تحصوا واثوبین الاعمال بما یطیقون راستے سے چلو اور کبھی نہ گمہ سوئے تم اور بجا لاؤ اعمال جس قدر طاقت رکھتے ہو تم اور استقامت ایک مقدار معین سے ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے نفس کو منہیہ کے لذات سے لذت پاتے اور یہیہ کے خباثتیں رنجیدہ ہونے پر متنبہ ہو۔ اور یہیہ کے ملکیہ کے تابع ہونے کا ادراک پیدا ہو اور جب کسی نے اس کے کرنے کی کثرت کی تو نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس عبادت کے ثمرہ پر اس کو متنبہ نہیں ہوتا اور نیز شارع کا مقصود اعظم یہ ہے کہ دین کے اندر تعمق اور ذکر کا دروازہ مسدود ہو جائے تاکہ وہ ایک عمل کو اپنے ذمہ پر ضروری نہ کر لیں پھر ان کے بعد کچھ وہ لوگ پیدا ہوں اور ان کو اس بات کا ظن پیدا ہو کہ یہ اعمال عبادات سادہ سے ہیں اور ہمارے اوپر فرض ہیں بعد ازاں اور لوگ پیدا ہوں اور ان کو ان اعمال کے فرض ہونے کا

یقین ہی ہو جائے اور پہلے تو اس کے فرض ہونے کا احتمال ہی تھا۔ اب ان لوگوں کو ان کی فرضیت پر اطمینان ہی ہو جائے اور اس سے دین کی تحریف لازم آتی ہے اللہ پاک فرماتے ہیں: **وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوا هَا الْآيَةَ** اور درویشی جو انہوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے اور نیز جس شخص کے دل میں یہ گمان پیدا ہو گیا اگر چہ زبان سے اس کے خلاف کہتا ہے کہ بدون ان عبادت شائقہ نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی نہیں ہوتی اور اگر ان میں سے کوئی ہی کی تو میرے اور میرے غس کی تہذیب میں ایک حجاب عظیم حائل ہو جائے گا اور میں اللہ تعالیٰ کا خطا وار ہوں گا تو اس شخص سے اس کے ظن اور اعتقاد کے موافق مواخذہ لیا جائے گا اور اس کو تا ہی کی اس سے باز پرس ہوگی اور اس میں کوتاہی کرنے سے اس کے علوم اس کے حق میں مضر اور موجب خلعت بن جائیں گے اور اس سستی کی وجہ سے اس کے اور اعمال بھی مقبول نہ ہوں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **ان الدين يسرون يشاد الدين احد الا غلبه** دین آسان ہے اور کوئی شخص دین میں سختی نہ کرے گا مگر دین اس کو تھکا دے گا۔ انہیں معنی کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت پر اہم کر دیا کہ وہ عمل میں اعتدال ملحوظ رکھا کریں اس میں اتنی زیادتی نہ کریں جس میں ملال پیدا ہو اور امر دینی مشتبه ہو جائے یا تدبیر نافع بیکار ہو جائیں ان امور کو آنحضرت ﷺ نے صراحتاً یا اشارۃً بیان فرما دیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **احب الاعمال الى الله اذومها وان قل** اللہ کو وہ اعمال پسند ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگرچہ ان کو مقدار قلیل ہی ہو۔ میں کہتا ہوں ان اعمال کا زیادہ محبوب ہونا اس لیے ہے کہ ہمیشہ کام کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کام کی دل میں خواہش اور رغبت ہے اور نیز طاعت کا اثر نفس جب ہی قبول کرتا ہے۔ جب اس کے فائدے سے مستفیض ہوتا ہے کہ جب عرصہ تک اطمینان کے ساتھ اس کو ہمیشہ کرتا ہے اور ایسے وقت مل جائیں کہ نفس میں ان اعمال کے لیے فرصت اور تخیل ہو اسی قسم کا تخیل جیسے خواب میں ہوتا ہے اور اس کے سبب سے طلاء اعلیٰ کے علوم نفس میں منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا اندازہ معلوم نہیں ہے کہ نفس کے لیے کتنی فرصت درکار ہے اس واسطے اس کے حاصل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ کام ہمیشہ اور بکثرت کیا جائے اتمان ﷺ کے اس قول کے یہی معنی ہیں **وعود نفسك كثرت الاستغفار فان الله ساعته يرد فيها سائلا** نفس میں زیادہ استغفار کرنے کی عادت ڈال اس لیے کہ اللہ کے پاس بعض ایسے وقت ہوتے ہیں جس میں وہ سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا آنحضرت ﷺ کا قول ہے۔ **خذو من الاعمال ما تعلقون فان الله لا يمل حتى تملو** یعنی وہ اعمال اختیار کرو جن کو تم کر سکتے ہو اس لیے کہ اللہ جب ہی رنجیدہ ہوتا ہے جب تم رنجیدہ ہو یعنی اللہ کسی عمل پر ثواب اسی وقت نہیں دیتا ہے جب تک لوگ اس کے کرنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اللہ پر مال کا اطلاق شافعیہ کر دیا گیا ہے آنحضرت ﷺ کا قول ہے۔ **ان احدكم اذا صلى وهو ناعس لا بدري اولعله يستغفر فيسب نفسه** یعنی تم میں سے بعض لوگ سونے کی حالت میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ استغفار کے وقت اپنے نفس پر بددعا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ شدت ملال سے ایسے وقت میں طاعت وغیر طاعت میں تمیز نہیں رہا کرتی پھر حقیقت طاعت پر نفس کو کیونکر توبہ حاصل ہوگی اور آنحضرت ﷺ کا قول ہے۔ **فسددوا** یعنی میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو جس کی گہرائی ہوئے اور اس کو ہمیشہ عمل میں آئیں۔ **وفاربوا** یعنی یہ خیال مت کرو کہ تم اس قدر اللہ سے دور ہو کہ بغیر اعمال شاقہ کے اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ **وابشروا** یعنی امید اور ہر حال حاصل کرتے رہو۔ **واستمسوا بالعدوة والروحة وشبنا من**

الدَّبْحَةِ یعنی صبح شام اور اخیر شب کے ایک حصہ سے مدد حاصل کرو کہ ان اوقات میں رحمت الہی نازل ہوتی ہے اور دل نفسانی تذکروں سے خوب صاف ہوتا ہے اس کے متعلق ہم نے پہلے ایک فصل بیان کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَنْ فَامَ عَنْ حَزْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَوةِ الْفَجْرِ وَصَلَوةِ الظُّهْرِ كَتَبَ لَهُ كَانِ قَرَأَ مِنْ اللَّيْلِ. جو شخص اپنے وظیفہ یا اس کے حصہ کو نہ پڑھے اور سوتا رہے پھر اس کو نماز صبح اور ظہر کے درمیان میں پڑھے تو اس کے لیے اس کا ثواب ایسا لکھا جاتا ہے کہ گویا اس کو رات کے پہلے حصہ میں پڑھا تھا یا میں کہتا ہوں کہ قضا کے باب میں دوا امر اصلی ہیں اول یہ کہ طاعت کے ترک کرنے میں نفس کو بے پروا ہی نہ ہو اور وہ اس کے ترک کرنے کا عادی نہ ہو جائے اگر ایسا کیا تو نفس پر ترک کرنے کے بعد اس کی بجا آوری مشکل ہوگی دوسرے یہ کہ نفس اس کو ادا کر کے ذمہ داری سے باہر آ جائے یہ امر دل میں نہ رکھے کہ اس نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ علم اور بے علمی کی حالت میں اس سے مواخذہ کرے گا۔

معذور لوگوں کی نماز کا بیان

شریعت مقرر کرنے کی تکمیل کے لیے یہ امر ضروری تھا کہ عذر پیش آنے کے وقت لوگوں کے لیے رخصتیں بیان کی جائیں تاکہ مکلفین اپنے مقدور کے موافق طاعت بجا آوری کر سکیں انہیں رخصتوں کا انداز شارع کے بیان پر موقوف رکھا جائے تاکہ شارع اس میں اعتدال کا لحاظ کر سکے لوگوں پر اس کا موقوف ہونا نہیں چاہیے۔ اس لیے وہ ان میں کبھی افراط کریں گے کبھی تفریط اس لیے رسول اللہ ﷺ نے رخصتوں اور عذروں کے پیمانہ مقرر کرنے کی توجہ فرمائی رخصتوں کے اصول سے یہ مراد ہے کہ طاعت کی اصلی حالت اسی طرح پر دیکھی جائے۔ جس کا حکمت حکم دیتی ہو ہر حال میں اس حالت کو مضبوطی سے اختیار کرنا چاہیے اور ان حدود اور قواعد کا لحاظ کرنا چاہیے جن کو شارع نے مقرر فرمایا ہے تاکہ اصلی نیکی کا اختیار کرنا آسان ہو سکے اور ضرورت کے موافق ان حدود میں سے بعض ساقط اور بعض کو بعض سے مبدل کر سکیں عذروں میں سے ایک سفر ہے سفر کرنے میں جو حرج ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس میں چند طرح سے رخصتیں مقرر فرمائی ہیں ایک قصر کی اجازت فرمائی۔ رکعتوں کی اصلی تعداد یعنی گیارہ کو باقی رکھا اور جو ان سے زیادہ تھیں ان کو ساقط کر دیا۔ لہذا اطمینان اور اقامت کو اس کے لیے مشروط ردانا۔ گیارہ رکعتوں میں چونکہ عزیمت کا احتمال تھا اس لیے مناسب نہ تھا کہ صرف ضرورت سے ان کا اندازہ کیا جائے اور رخصت دینے میں زیادہ تنگی کی جائے اس لیے آنحضرت ﷺ نے بیان کیا ہے کہ آیت میں خوف کی شرط صرف بیان فائدہ کے لیے ہے اور اس کا کوئی اصلی مفہوم نہیں ہے اور فرمایا کہ یہ خداوند تعالیٰ کا صدقہ ہے اس نے تم پر اس کو خیرات یہ ہے اس کے صدقہ کو قبول کرو اس کے صدقہ کی یہ حالت ہے کہ بامروت لوگ اس میں تنگی نہیں کیا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ پوری رکعت پڑھنے کو کسی قدر تجویز فرمایا ہے لیکن ہمیشہ آپ نے نماز بالقصر ہی پڑھی۔ لہذا نماز میں قصر کرنا سنت موکدہ ہو گیا ہے اور اس روایت میں جس سے پوری نماز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس روایت میں کہ سفر میں دو رکعت پوری ہیں بلا قصر کوئی اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اصلی واجب دو رکعتیں ہوں اس کے ساتھ پورا پڑھنے سے اولیٰ پر کفایت ہو جائے جیسے مریض اور غلام اگر جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط

ہو جاتی ہے یا جیسے کسی شخص پر زکوٰۃ میں نیت مخاض واجب ہو وہ اپنا تمام مال خیرات کر دے اسی لیے قصر وہاں تک ہوتا ہے کہ جب تک مکلف کو مسافر کہہ سکیں جب اس سے یہ نام بالکل زائل ہو جائے گا تب قصر موقوف ہوگا قصر میں کوئی اور ہرج پیدا ہو گیا اور پوری نماز نہ ادا کر سکا تو اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ صرف مسافرت کا لحاظ ہوگا۔ اس لیے کہ ابتداء ہی سے مسافر کے لیے دو رکعت قرار دی گئی ہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر میں دو ہی رکعت نماز مقرر فرمائی تھی اور یہ دو رکعتیں فی نفسہ پوری ہیں یعنی قصر کی اور معلوم کرو کہ سفر اور اقامت اور زنا اور سرقہ اور تمام وہ امور جن پر شارع نے احکام کا دار و مدار کیا ہے ایسے ہیں کہ اہل عرف اپنے محاورات میں ان کا استعمال کرتے ہیں اور ان کے معنی سمجھتے ہیں مگر ان کی تعریف جامع و مانع جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک قسم کا اجتہاد اور تامل کیا جائے اور اجتہاد کا طریقہ معلوم کرنا بھی دشوار امر ہے ہم نمونہ کے طور پر سفر کے اندر کچھ بیان کرتے ہیں دیکھو کہ سفر ایسی چیز ہے جو تقسیم سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اور مثال سے بھی معلوم ہو سکتا ہے تمام اہل زبان جانتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ منورہ اور مدینہ سے خیبر کو جانا لامحالہ سفر ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے مکہ سے جدہ کو یا طائف یا عفاں اور تمام ان مواضع کو جو وہاں سے چار برید یعنی سولہ فرسنگ (یعنی اڑتالیس میل) کے فاصلے پر واقع ہیں سفر ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام دوسرے پر نہیں بولا جاتا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وطن سے نکلنے کی کئی قسمیں ہیں ایک تو اپنی زراعت و باغات کی طرف آمد و رفت کرنا اور ایک بغیر تعیین مقصد اور سفر کے چلنا پھرنا اور اجتہاد کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جن مثالوں پر عرفاً اور شرعاً ایک کا نام اطلاق کیا جاتا ہے ان کی تلاش کی جائے اور جن اوصاف میں سے بعض کو بعض سے تمیز ہو سکتی ہے ان کی جانچ کی جائے اور ان میں سے جو عام ہے اس کو جنس کی جگہ اور جو خاص ہے اس کو فصل کی جگہ رکھا جائے اس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے مکان سے باہر جانا سفر کا ایک جزو ذاتی ہے اس سے اس واسطے کہ اگر ایک شخص اپنے محل اقامت ہی میں چکر لگا رہا ہے اس کو مسافر نہ کہیں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خاص مقام کو جانا بھی سفر کا جزو ذاتی ہے ورنہ وہ پھرنا بدحواسی کا پھرنا سمجھا جائے گا اس کو سفر نہ کہیں گے اور نیز یہ کہ وہ مقام اس قدر دور ہو کہ اسی روز یا اس دن کی اول شب میں آدمی وہاں سے اپنے محل اقامت کو واپس نہ آ سکے ورنہ وہ آنا جانا ایسا سمجھا جائے گا جیسے اپنی کھیتی باڑی سے آنا جانا اور اس کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وہ پورے ایک دن کا راستہ ہو اور مالم کا قول یہی ہے۔ مگر سولہ فرسنگ کی مسافت تو یقیناً سفر بھی جاتی ہے اور اس سے کم مسافت کو سفر کا حکم ہونے میں تردد ہے اور سفر کا اطلاق شہر یا گاؤں یا کافوں سے آنے یا مکانات سے باہر آنے اور ایسی جگہ کے جانے کا ارادہ کرنے سے ہو وہاں سے سولہ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے سب سے زیادہ اور ایک کافی اور معتد بہ مدت تک اس شہر یا گاؤں میں اقامت کا ارادہ کرنے سے سفر کا نام زائل ہو جاتا ہے۔ از اجماع ظہر و مصر اور مغرب و مشرق کا جہنم لڑنا اصل اس میں یہی ہے کہ جس کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں کہ اصل اوقات نماز کے تین ہیں فجر اور ظہر اور مغرب اور عشاء اس لیے نکالی گئی ہے کہ دو نمازوں کے اندر زیادہ مدت کا فصل نہ پایا جائے۔ اور غلات کی حالت پر لوگ نہ سہا کر یں اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے قیدیہ و تانیہ کا جہنم کرنا شروع کیا مگر آپ نے اس پر وہ اعلیٰ نہیں فرمائی اور نہ اس کا علم دیا جس طرح قصر کا علم دیا ہے۔ اور از اجماع سنوں کا ترک پنچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی سنوں اور وتر کے اور نہ پڑھتے تھے۔ اور از اجماع سواری پر بیٹھ کر بعد

سواری چلے اشاروں سے اُدھر کو ہی نماز پڑھنا ہے مگر یہ غدر نوافل اور سنت فجر اور وتر ہی کے لیے ہے نہ فرائض میں اور منجملہ اُذار کے ایک خوف ہے آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اپنی قوم کی دو صفیں بنائیں اور ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ ان میں سے ایک صف نے دو سجدے پورے کر لیے اور ایک صف نمہبانی پر رہی پھر جب صف اولیٰ کھڑی ہوئی تو جو نمہبانی پر تھے انہوں نے سجدہ کیا اور نماز میں شریک ہو گئے اور جنہوں نے اول نمہبانی کی تھی انہوں نے دوسری رکعت میں آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور دوسری صف نمہبان رہی۔ جب آپ بیٹھے تو جو صف نمہبان تھی اس نے سجدہ کیا اور آپ نے دونوں صفوں کے ساتھ التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیا مگر یہ طریقہ اس وقت کے مناسب ہے کہ جب دشمن قبلہ کی طرف ہو یا اس طرح سے دونوں رکعتوں کو تقسیم کرے کہ ان کو مشکل ہو اور سب لوگ اس طریقے سے واقف ہوں اور ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک ٹکڑی آپ کے سامنے کھڑی ہوئی اور ایک ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت پڑھی پھر جب آپ دوسری رکعت پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو اس ٹکڑی نے آپ سے جدا ہو کر اپنی نماز تمام کی اور دوسری ٹکڑی کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر کھڑی ہوئی اور جو وہاں کھڑی تھی اس نے آ کر اپنا اقتداء کیا اور آپ نے اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی پھر جب آپ نے التحیات کو نشست کی تو وہ مقتدی کھڑے ہو گئے اور اپنی دوسری رکعت پوری کر کے آپ سے مل گئے اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا اور یہ صورت اس وقت کے مناسب ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف نہ ہو اور دو رکعتوں کی تقسیم کرنے سے ان کا دل پر اگندہ نہ ہو اور از انجملہ یہ ہے کہ آپ نے ان میں سے ایک ٹکڑی کے ساتھ نماز پڑھی اور ایک ٹکڑی دشمن کے مقابلہ پر رہی اور اس ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت نماز پڑھی تھی جا پہنچی اور وہ نماز کے لیے ان کی جگہ آ پہنچی ان کے ساتھ بھی آپ نے باقی ایک رکعت پڑھی پھر دونوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی اور از انجملہ یہ ہے کہ ہر ایک جس صورت سے ممکن ہو سوار یا پیدل کی طرف یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس طریقہ کی روایت کی ہے مگر یہ طریقہ اس وقت مناسب ہے کہ جب سخت خوف ہو یا تلوار چل رہی ہو۔ الحاصل ہر طریقہ سے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے درست ہے مگر انسان کو چاہیے کہ جو اس سے بسہولت ہو سکے اور اس وقت کی مصلحت کے مناسب ہو اس طریقہ کو عمل میں لائے۔ منجملہ اُذار کے ایک مرض ہے اس کے باب آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلًى** جنب کھڑے ہو کر نماز پڑھ اور اگر یہ تجھ سے نہ ہو سکے تو بیٹھ کر اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کروٹ لیٹ کر اور نفل نماز کے باب میں آپ نے فرمایا ہے۔ **مَنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ** جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اس کو قائم سے نصف اجر ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ نماز اس قابل ہے کہ اس کی کثرت کی جائے اور اصل نماز کھڑے ہو کر بھی ادا ہو سکتی ہے اور بیٹھ کر بھی جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور صرف شارع نے قیام کو واجب کر دیا ہے اور جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے تو یہ بھی نہ ہو کہ بالکل متروک ہو جائے اسی لیے رحمت الہی کا متحییٰ ہوا کہ نماز نفل بیٹھ کر ان کے لیے جائز کر دی جائے اور ان دونوں درجوں میں جس قدر فرق ہے حدیث شریف میں بیان کر دیا گیا ہے۔ **صَلَاةُ الْعَالِبِ أَوْ صَلَاةُ الْمُعْطَرِ أَوْ صَلَاةُ الرَّحْلِ** کا بیان حدیث شریف میں آیا اور صحابہؓ میں سے کسی نے ضوابط اور حدود کے اندر کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے جس سے آدمی مجبور ہو کبھی آنحضرت سے اجازت نہیں مانگی مگر آپ نے ان کو اجازت عطا فرمائی بشرطیکہ اس اجازت کے مانگنے میں انکار اور سستی کا

لَكَؤُنْهَ هُوَ اَوْ رَا نَحْضَرْتُمْ كَايَ اَرشَادِ فَاِذَا اَمَرْتُمْ بِاَمْرِ فَاَتُوا مِنْهُ مَا سَطَعْتُمْ كُلُّهُ جَامِعٌ هُوَ جَبَّ مِثْلُ قَوْمِ كَوْكَبِي اَمْرُكَ
بِجَالَانِ كَا حُكْمِ دُوْنِ تُوْجِهَانِ تَكْمَلُ مِثْلُ هُوَا سِ كِي بِجَا اَوْرِي كُرُو۔ وَاَللّٰهُ اَعْلَمُ

جماعت کا بیان

معلوم کرو کہ رسوم کی خرابی دور کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ ایک عبادت کو عام رسم مقرر کیا جائے اور ہر ایک خبردار اور بے خبر کے سامنے اس کو ادا کیا جائے اور تمام شہری اور دیہاتی اس میں برابر ہوں اور باہم ان میں اس عبادت کے ذریعہ سے فخر اور عزت جتانے کا موقع ہوتا کہ وہ عبادت ان کی تداویر ضروریہ میں ہو جائے جس کی وجہ سے پھر وہ اس عبادت کو نہ چھوڑ سکیں اور نہ اس میں تاخیر کر سکیں تاکہ عبادت الہی کی اس میں تائید ہو اور حق کی طرف لوگوں کو بلائیں اور جس چیز سے ان کو ضرر کا خوف تھا وہی حق کی طرف ان کو کھینچ کر لائے اور تمام عبادات میں سے کوئی عبادت نماز سے زیادہ عظیم الشان اور عظیم البرہان نہیں ہے اس لیے ان میں اس کی اشاعت اور لوگوں کو اجتماع اور موافقت اس پر لازم ہے اور نیز ملت اسلام کے اندر کئی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک علماء جن کا اقتداء کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ لوگ کہ ان کو احسان کا درجہ حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ دعوت اسلام کی حاجت ہے اور تیسرے وہ لوگ جو ضعیف البینہ ہیں کہ اگر ان کو سب کے سامنے عبادت کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو بلاشبہ عبادت کے اندر ان سے کابلی ہونے لگے اس لیے کوئی چیز ان سب کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور زیادہ تر مصلحت کے موافق نہیں ہے کہ ان سب کو خلق کے روبرو عبادت الہی کرنے کا حکم دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون ان کی بجا آوری کرتا ہے۔ اور کون نہیں کرتا اور کون رغبت سے بجا لاتا ہے اور کون بے رغبتی سے اور جو عالم ہے اس کا اقتداء کیا جائے۔ اور جاہل کو تعلیم دی جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی ان کے حق میں خرچ کے مثال ہو جائے جو انکار کے قابل بات ہے اس سے انکار کیا جائے اور جو بات قابل کرنے کے ہو وہ بتائی جائے اور کھرا اور کھونا معلوم ہوتا ہے اور نیز اللہ کی طرف رغبت اور امید اور خوف کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو جب وہ اپنی جانوں کو اللہ کے حوالے کر دیں برکات سے نازل ہونے اور رحمت الہی کے جھک پڑنے میں ایک عجیب خاصیت ہے جس کو ہم استقامت اور تہمت میں بیان کر چکے ہیں اور نیز اس امت کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اسی کا بول بالا رہے اور روئے زمین پر کوئی دین اسلام پر غالب نہ رہے اور یہ بات اسی وقت متصور ہو سکتی ہے کہ ان میں دستور مقرر کیا جائے۔ تاکہ تمام خواص و عام اور شہری و دیہاتی اور چھوٹے بڑے اس عبادت کے لیے جو دین کا بڑا شعار اور عبادات میں سے بڑی نامی عبادت ہے بنج ہوں۔ اس سبب سے عنایت شرمی جمعہ اور ہنگامات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہونی اور اشاعت و اہم کی ہے ایک تو کسی قوم نے اندر اشاعت اور ایک تمام شہر کے اندر اشاعت قوم کے اندر تو اشاعت ہوئی ہے لیکن شہر کے اندر کچھ زمانہ چھپے ہوئے ہے مثلاً ہفتہ میں قوم کے اندر اشاعت کے ہی اعتبار سے ہنگامات مقرر کی گئی۔ اور اس کے باب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے صَلَوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضِلُ صَلَوةَ الْفَذِّ بِسْمِ وَ تَشْرِبْنِ دَرَجَةً اَوَّلَیْ رَاٰیْتِ مِثْلَ سَخْمِیْنِ وَ عَشْرَیْنِ دَرَجَةً اَیَا بَ جَمَاعَتِ كِي نَمَاز كُوَا كِیَ كِي نَمَاز پَر تَا مِثْلِیْنِ

فضیلت ہے اور ایک روایت میں پچیس درجہ آیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے یا تو اس بات کی تصریح فرمادی ہے یا اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ ان باتوں سے نماز کو ترجیح ہوتی ہے کہ جب کسی نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا پھر صرف نماز کی خاطر مسجد کی طرف چلا تو اس کا یہ چلنا نماز کے حکم میں ہے اور اس کے قدم اس کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی دعا پیچھے سے ان کو گھیر لیتی ہے اور نمازوں کے انتظار میں اعتکاف اور رباط کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی قسم کے اشارے حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یعنی آپؐ نے دونوں عدد میں سے (ستائیس اور پچیس) ایک عدد کے ساتھ فضیلت کے درجات کی تعیین کی ہے اس کا مدار ایک بڑے نکتہ پر ہے جو آپؐ کے سامنے متشکل ہوا ہے اور ہم پہلے اس کو بیان کر چکے ہیں اس کو دیکھ لینا چاہیے اور اس دین حق کے اندر جس کے باطل اور رد ہو کر نہیں نکلتا نیز بوجہ من الوجہ کسی طرح سے تخمینہ و اٹکل کو دخل نہیں ہے اور نیز جماعت کے باب میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ایسے نہیں رہتے کہ جن میں نماز قائم نہیں ہوتی پر شیطان ان پر غالب رہتا ہے میرے نزدیک اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جماعت کے ترک سے دین کے اندر سستی کا دروازہ کھلتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَمُرَ بِحُطْبٍ يَحْتَلِبُ الْخ. اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس بات کا مہم قصد کر لیا ہے کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکٹھی کر دی جائیں۔ آخر تک میں کہتا ہوں جماعت سنت موکدہ ہے اور چونکہ دین کا شعار ہے اس لیے اس کے ترک کرنے سے ملامت متوجہ ہو جاتی ہے مگر چونکہ آنحضرت ﷺ نے وہاں کے بعض لوگوں میں تاخیر اور دیر دیکھی اور آپؐ نے معلوم کیا کہ اس کا سبب ضعف اسلام ہے اس لیے سخت وعید ان پر متوجہ کی اور ان کے دلوں کو خوف دلایا پھر چونکہ جماعت کے حاضر ہونے میں ضعیف اور مریض اور ذی حاجت لوگوں کے لیے ایک قسم کی دقت تھی لہذا حکمت الہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان کو اس وجہ سے جماعت کے ترک کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ افراط و تفریط میں اعتدال ہو جائے۔ اقسام ہرج میں ایک یہ صورت بھی ہے کہ شب کا وقت ہو اور مینہ برستا ہو یا پالا پڑتا ہو تو ایسے وقت میں مؤذن کو یہ کہنا مستحب ہے کہ اے لوگو! خبردار تم اپنی اپنی جگہ پر نماز پڑھو **الصلوا فی الرحال** اور اسی قبیلہ سے وہ حاجت ہے کہ جس سے رکنا دشوار ہو۔ مثلاً شب کا کھانا جب موجود ہو کیونکہ بسا اوقات تو دل پڑا رہتا ہے اور کبھی کھانا ہی ہاتھ سے ضائع ہو جاتا ہے اور جیسے پیشاب پانچنانہ کی حاجت کا ہونا کیونکہ جب نفس اس میں مشغول رہے گا تو اس کو نماز کا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اور **لا صلوة بحضرة طعام** کی حدیث اور اس حدیث میں کہ **لا توفروا الصلوة بحضرة طعام** اور ان کے ملاوہ اور احادیث میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث کا ایک صورت خاص یا معنی خاص پر قائم رہنا ممکن ہے کیونکہ پہلی حدیث میں باب تعقیق کے اسناد کے لیے کھانے کے تیار ہونے سے نفی وجوب مراد ہے اور جو شخص تعقیق کی قیامت سے امن میں ہے اس کے لیے عدم تاخیر نماز کا حکم ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے روزہ دار کے لیے افطار اور عدم افطار کا حکم دو وقتوں کے ساتھ متعلق ہے یا یہ معنی ہیں کہ اگر نمازی کو کھانے کا شوق یا اس کے ضائع ہونے کا خوف ہے تب تو نماز میں تاخیر کرنی چاہیے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو تاخیر نہ کرنی چاہیے اور علت کے حال سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ کسی فتنہ کا خوف ہو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے۔ **اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها** تم میں

سے جب کسی کی بیوی مسجد میں آنے کی اجازت چاہے تو نہ روکنا چاہیے اس میں اور جمہور صحابہؓ نے عورتوں کے مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ اختلاف نہیں ہے کیونکہ جو غیرت تکبر اور غرور کی وجہ سے پیدا ہوا اور فتنہ کے خوف سے نہ ہونشی عنہ سے اور وہ غیرت جائز ہے جو خوف فتنہ ہو چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الغيرة غيرتان**۔ الحدیث غیرتیں دو ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا ہے **ان النساء احدثن**۔ الحدیث اور از انجملہ خوف و مرض ہیں اور ان کا اقسام ہرج میں ہونا ظاہر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو ایک تا مینا ت فرمایا **تسمع النداء بالصلاة قال نعم قال فاجب** تو اذان سنتا ہے اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا اس کی تعمیل کر اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا سوال عزیمت میں تھا پس آپ نے اس کو رخصت نہ دی پھر اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی کہ امامت کے قابل کون شخص ہے اور اجتماع کی کیا ضرورت ہے اور امام کو اس بات کی وصیت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ مختصر نماز پڑھا کرے اور مقتدیوں کو اس بات کے حکم دینے کی کہ پورے طور سے اس کا اتباع کریں اور حضرت معاذ جلیل کا قصہ نماز کے طویل کرنے میں مشہور ہی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے نہایت تاکید کی طور پر ان امور کو بیان فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا **يام القوم اقراهم بكتاب الحديث** یعنی امامت قوم کی وہ شخص کرے جو ان سب سے زیادہ قرآن کو اچھا پڑھتا ہو اور اگر قراءت میں برابر ہیں تو جو شخص سنت کا زیادہ واقف ہو پھر اگر علم سنت میں بھی برابر ہیں تو وہ شخص جو ہجرت میں مقدم ہو پھر اگر ہجرت میں بھی برابر ہیں تو جو عمر میں زیادہ ہو اور کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں اس کا امام نہ بنے اقرء کے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے علم کی ایک حد معین کر دی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور شروع شروع صحابہؓ کے اندر قرآن کا علم تھا کیونکہ وہ تمام علوم کی اصل ہے اور نیز وہ شعائر الہی میں سے ایک شعار ہے لہذا اس شخص کا مقدم کرنا ضروری ہوا اور اس کی تعظیم و ادب ہوئی تاکہ اس وجہ سے لوگوں کے دل میں قرآن کے سیکھنے کی حرص پیدا ہو اور بعض نے جو یہ گمان کیا ہے کہ اس کے مقدم کرنے کی صرف یہ وجہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس میں لوگوں کا شوق اور حرص ابھرتا ہے اور باہم حرص کرنے کے سبب سے کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ اور نماز میں قراءت کا ضروری ہونا خود نماز کے اعتبار حرص کے ساتھ مخصوص ہونے کا سبب ہے۔ **فلیتدبر**۔

بعد ازاں سنت کا علم ہے کیونکہ سنت کا درجہ کتاب کے بعد ہے اور اس سے دین کا قیام ہے اور نبی ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہی ورثہ چھوڑا ہے اور بعد ازاں ہجرت کا لحاظ کیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کو عظیم الشان جانا ہے اور لوگوں کو اس کی رغبت دلائی ہے اور اس کو عظیم امور میں سے سمجھایا ہے امامت کے اندر بھی مہاجر کو مقدم رہنا اسی ترغیب اور تادیب کا قہر ہے اس کے بعد مہاجر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا کیونکہ تمام باتوں میں بڑوں کی تعظیم اور توقیر کرنے کا دستور جاری ہے عداوتیں کبیر السن آدمی کا تجربہ اور علم لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے اور صاحب سلطنت کا اس سلطنت میں کسی کو امام بننے سے منع فرمایا ہے اس کا یہ سبب ہے کہ یہ بات اس صاحب سلطنت پر شاق و زور ہے کی اور اس کی سلطنت میں اس بات سے نقصان پیدا ہوگا تو صاحب سلطنت کو سلطنت سے باقی رہنے سے اس کا علم فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا صلى احدكم ايها الناس فليخفف** الحدیث جب تم میں سے جو کوئی لوگوں کا امام بنے تو اس میں اختصار کرے کیونکہ ان میں مریض اور ضعیف اور بوز حاکمی ہوتا ہے اور

جب تم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو نماز میں جتنا چاہے طول کرے۔ میں کہتا ہوں کہ دعوت الی الحق کا فائدہ بدوں آسانی کے پورے طور سے نہیں حاصل ہو سکتا اور لوگوں کو نفرت دلانا دین کی مراد کے خلاف ہے اور جس چیز سے تمام دنیا کو منجھٹا گیا جائے اس میں تخفیف ضروری ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول سے ان منکم منفردین۔ بعض تم میں سے بدکانے والے ہیں اس بات کی تصریح فرمادی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ انما جعل الامام لیوتیم بہ۔ الحدیث امام تواقدا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے پس تم اس پر مت جھگڑو پس جب رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے اس کے بعد جب وہ ولا لصالین کہے تم آمین کہو۔ میں کہتا ہوں جماعت کی ابتداء حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اجتہاد عقلی سے ہوئی آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کو برقرار رکھا اور اس کو درست بتایا اور انہوں نے یہ اجتہاد اس لیے کیا کہ جماعت کے سبب سے ان سب کی نماز ایک نماز ہو جاتی ہے اور بغیر جماعت کے مسجد میں جمع ہونے سے اگر چہ اتفاق بالمكان ہو جاتا ہے مگر نماز سب کی جدا جدا رہتی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنی اخیر عمر میں بیٹھ کر اور لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور اس کے منسوخ ہونے میں یہ بھی ہے کہ امام کا بیٹھا بنا اور لوگوں کا اس کے پیچھے کھڑا ہونا عجمیوں کے فعل کے ساتھ مشابہ ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم حد سے زیادہ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث کی بعض روایتوں میں اس کی تصریح پائی جاتی ہے مگر جب کہ اسلام کی بنیاد پایہ استحکام کو پہنچی اور بہت سے احکام میں عجمیوں کے ساتھ مخالفت ظاہر ہو گئی تو اس قیاس پر ایک دوسرے قیاس کو ترجیح دی گئی کہ قیام نماز کا رکن ہے جو بلا عذر شرعی متروک نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں مقتدی کسی صورت سے معذور نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لبسني منکم اولی الاحلام والنہی۔ الحدیث تم میں سے جو لوگ فہیم اور دانا ہیں وہ میرے پاس رہا کریں پھر جو ان کے قریب بیٹھے اس کو آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ بازاروں کی طرح شور و شغب سے اجتناب کرو۔ میں کہتا ہوں یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ ان کے دلوں میں بڑوں کی عظمت پیدا ہو اور شرفاء کی عادت اختیار کرنے کی ان کو حرص پیدا ہو اور تاکہ عقلاء کو اپنے کم درجے کے لوگوں کا مقدم ہونا ناگوار نہ گزرے اور شور و غل سے جو منع فرمایا ہے اس سے ان کا ادب دینا منظور ہے اور تاکہ وہ قرآن کے اندر غور اور فکر کر سکیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو بادشاہ کے روبرو التجاء کرتے ہیں مشابہت پیدا کریں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: الا تصف کما نصفت الملائکة عند ربها جس طرح ملائکہ اپنے پروردگار کے سامنے صف باندھے ہوئے برابر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر فرشتہ کے لیے ایک درجہ مقرر ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق ان کو پیدا کیا ہے اس لیے ان میں فرقہ نہیں نکلتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انی لاری الشیطان بدخل من خلل الصف کانیها الحذف۔ میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ صفوں کے فرقہ سے نکلتا ہے گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے صفوں میں مل مل کر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہو جاتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر

کسی بات میں کمی ہوتی ہے اسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے اسی وجہ سے صف کے اندر شیطان کو داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس خاص صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مادات کے اعتبار سے بھیڑ کا بچہ اکثر ایسی جگہ جگہوں میں گھسا پھرتا ہے اور پھر اس کو سیاہی کی صفت کے ساتھ دیکھنا جو ایک شے کی بدطینتی پر دلالت کرتی ہے اسی وجہ سے شیطان اس صورت میں آپ کے سامنے متماثل ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **التسون صفوفکم اولیٰ مخالفن اللہ بین وجوہکم** یا تو اپنی صفوں کو برابر کر دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ پھیر دے گا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ** راس حمار امام سے پہلے جو شخص اپنا سر اٹھاتا ہے کیا اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سا کر دے میں کہتا ہوں کہ آپ کا یہ حکم ان کے لیے تسویہ اور اقتداء میں تھا۔ لیکن انہوں نے اس میں تفریط کی آپ نے تہدید فرمائی جب اس پر بھی باز نہ آئے تب آپ نے تغلیظ کے ساتھ تہدید فرمائی اور ان کو خوف دلایا اس بات کا اگر اب مخالفت پر اصرار کریں گے اور اس پر بھی باز نہ آئیں گے تو اللہ کی لعنت میں مبتلا ہوں گے کیونکہ مخالفت احکام الہیہ کے مستوجب لعنت کے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے تو بلاشبہ اس کا اثر احد الامرین میں سے ایک ضرور ہوتا ہے۔ مسخ یا واقع ہونا خلاف کا اس قوم میں اور لعنت کی تشبیہ میں یہ ہے کہ یہ جانور اپنی حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے لہذا ایسے مامی نافرمان نے جب امام سے سر اٹھانے میں سبقت لی تو اس پر بھی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہو کر گدھا بن گیا اور تخصیص سر کی اس لیے ہوئی کہ سر ہی نے خداوند تعالیٰ کی تابعداری میں سوادہی کی تھی اس لیے جس عضو سے یہ تصور ہوا اسی عضو کو یہ سزا دی گئی۔ جس طرح منہ کے داغ دینے کی سزا ظاہر میں انہوں نے آگے پیچھے ہو کر یہ اختلاف کیا تھا اس لیے اختلاف معنوی اور باہم مخالفت سے یہ سزا دی گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا حستم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوہ شیئا** الحج جب کہ ہم سجدہ میں ہوں اور تم نماز کے لیے آؤ تو تم سجدہ میں شریک ہو جاؤ اور اس کو معتد بہامت سمجھو اور جس کو رکوع مل گیا اس کو نماز مل گئی۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع قیام کے قریب قریب ہے اور رکوع میں مل جانا گویا قیام میں مل جانا ہے اور نیز سجدہ نماز میں اصل الاصول ہے اور قیام و رکوع اس کے لیے منزل تہبید اور واسطہ کے ہیں اور نیز آپ نے فرمایا ہے **اذا صلیتما فی رحالکم ثم آتیتما مسجد حمانہ فصلیا معہم فانہما لکمنا نافلۃ** جب کہ تم دونوں نے اپنی قیام کو پر نماز پڑھ لی تو پھر آؤ تم اس مسجد میں جس میں نمازت ہو رہے تو ان کے ساتھ نماز پڑھو کیونکہ دو تمہارے لیے نفل ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو اس عذر کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنے مکان پر نماز پڑھ لی ہے پس اس کے لیے انکار کرنا درست نہ ہو اور دوسرے یہ ہے کہ سلمان کی بات میں افتراق نہ پڑے اگرچہ وہ افتراق ظاہری ہی کیوں نہ ہو۔



جمعہ کا بیان

اصل بات یہ ہے کہ ہر روز نماز کی اس طرح پر اشاعت کہ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ اُن کے لیے جمع ہوں یہ امر محذرت ہے اُس لیے ضروری ہوا کہ اُن کے لیے ایک حد مقرر کی جائے کہ اس حد کا دوران نہ تو بہت جد جہد ہو جس کی وجہ سے اُن کے اوپر شہارتی ہو جائے اور نہ بہت مدت میں ہو کہ جس کے سبب سے مقصود ہاتھ سے نکل جائے اور ہفتہ ایسی مقدار ہے کہ تمام عرب و عجم اور اشاعت میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں اس بات کی قابلیت ہے کہ اس کو حد بنایا جائے اس لیے اُسی کو نماز کا وقت معین کیا گیا اب اس بات کے اندر کہ ان دنوں میں سے کون سا دن ایسی عبادت کے لیے مخصوص کیا جائے یہود نے ہفتہ کے دن واد نصاریٰ نے اتوار کو اپنی اپنی رائے کے موافق ان دنوں کو اور دنوں پر ترجیح دے کر پسند کیا اور اس امت کو اللہ پاک نے عظمیٰ کے ساتھ خاص کیا کہ شروع شروع آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے دلوں میں اس کا القاء فرمایا جس کی بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے سے پیشتر خود بخود جمعہ کے دن کو قیام کیا بعد ازاں آنحضرت ﷺ پر اس کا انکشاف فرمایا اس طرح پر کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک آئینہ لے کر جس کے اندر ایک سیاہ نقطہ تھا تشریف لائے اور اس مثال سے جو مراد تھی وہ آپ ﷺ کو بتا دی آنحضرت ﷺ نے اس کو معلوم کر لیا اور اس علم کا حاصل یہ ہے کہ اداے طاعت کے لیے بہترین اوقات میں سے وہ وقت ہے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور اس وقت میں ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں رحمت کے قبول ہونے میں بہت سرعت ہوتی ہے اور خاص دن کے اندر اُس کا اثر ہوتا ہے اور ایک عبادت بہت سی عبادتوں کا نتیجہ بنتی ہے دوسرے یہ کہ اللہ پاک کو اپنے بندوں کے ساتھ تقرب کا ایک وقت مقرر ہے جو ہفتوں کی گردشوں سے اُس کی بھی گردش ہوتی ہوتی ہے اس وقت میں جنت الشف میں اپنے بندوں کے لیے تجلی فرماتا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ وہ وقت جمعہ ہی کا دن ہوتا ہے کیونکہ اس میں اور بہت سے عظیم الشان امور واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ((خبر يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة)) الحدیث بہترین دنوں کا جس میں آفتاب کا طلوع ہوتا ہے دن جمعہ ہی کا ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی روز اُس سے باہر کیے گئے اور جمعہ ہی کے دن قیامت برپا ہوگی اور تمام بہائم جمعہ کے دن گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں جتنی پریشانی اور خوف ہوتا ہے جس طرح کسی سخت مہیب آواز سے ڈرتے ہیں اور اُس کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ اس دن مہربانوں سے اُن کے دلوں پر اس حیرت کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور مہربانوں میں مہربانی سے جب اُن کے نفوس میں حکم الہی کے نازل ہونے سے یہ گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے یہ اثر پیدا ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ((كسلسلة على صفوان حتى اذا فزع عن قلوبهم)) الحدیث یعنی جس طرح سخت پتھر پر لوہے کی زنجیر مار دی جاتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے یہ نعم فرمادے

اور آنحضرت ﷺ نے اس نعمت کا حسب احکام جناب باری تعالیٰ کے ذکر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے ہم ایسے آخر میں پیدا ہونے والے اور قیامت کے دن سابق رہنے والے یعنی جنت میں داخل ہونے یا حسنت کے پیش ہونے میں بجز اتنی بات کے کہ ان کو ہم سے پیشتر کتاب دی گئی ہے اور ہمیں ان سے بعد کو عطا ہوئی ہے تو صرف اُس کے لحاظ سے وہ ہم سے عدم ہیں پھر ایک دن ہے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے انہوں نے اس دن میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق ہم کو بتایا ہے اور آنحضرت ﷺ کی مراد اس دن کے کہنے سے دن کا ایک فرد منتشر مراد ہے جو ہمارے لیے وہ جمعہ کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے اور ان کے حق میں اتوار اور ہفتہ کے دن سے الحاصل وہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اللہ پاک نے خاص اسی امت کو عطا کی ہے اور شرع کے اندر جو چیز اصل ہونی چاہیے یہود و نصاریٰ بھی اُس سے محروم نہیں۔ اور آسمانی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے کوئی قانون شرعی اس میں باقی نہیں رہتا ہے اگرچہ بعض کو بعض سے زیادہ فضیلت سے امتیاز ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس گھڑی کا نہایت اہتمام فرمایا ہے اور اس کا بڑا مرتبہ بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے۔ ((لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ لَيْسَ اللَّهُ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا اعْطَاهُ إِيَّاهُ)) اس گھڑی میں کوئی مسلمان بندہ خدائے تعالیٰ سے بہتری کا سوال نہیں کرتا ہے مگر اللہ پاک اس کو عطا فرماتا ہے اب اس گھڑی کی تعیین میں روایات مختلفہ آئی ہیں بعض تو کہتے ہیں یہ گھڑی اُس وقت ہوتی ہے کہ جب امام بیٹے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کیونکہ اس گھڑی میں آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایمان والے اس وقت خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس وقت میں آسمان و زمین کی برکات مجتمع ہو جاتی ہیں۔ بعض نے نزدیک وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے کیونکہ وہ وقت احکام الہیہ کے نازل ہونے کا ہے اور بعض کتب الہیہ میں اس بات کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی اُسی گھڑی میں پیدا کیے گئے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ سب تعین ہے تعیین نہیں ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے لیے جمعہ کا وقت واجب ہونا بیان کیا جائے اور ان کو اس کی تائید کی جائے۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((لَيَنْتَهِيَنَّ اقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ)) الحدیث۔ یا تو لوگ جمعوں کے ترک سے باز رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ بے خبر ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ ترک نہ کریں گے اندر باب تھا ان کھول دینا ہے اور یہ شیطان کے غالب ہونے کا سبب ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

((تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ الْأَمْرَاءُ أَوْ حَسْبَى أَوْ مَمْلُوكٌ))

”بجہ عورت اور بچے اور غلام کے ہر ایک مسلمان پر جمعہ واجب ہے۔“ اور فرمایا ہے

((الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ))

”جس نے کان میں اذان کی آواز پہنچی اس پر جمعہ واجب ہے۔“

میں بتاتا ہوں اس میں افادہ تمہاریا اسے اندر اعتدال رحایت معذورین اور ان لوگوں کے لیے جن کو نماز جمعہ تک پہنچنا دشوار ہے یا ان کے وہاں جانے میں قیہ و خوف ہے ان کے لیے تخفیف ہے اور نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ ان کے لیے نہانے اور مسواک کرنے اور نوشہہ اکانے اور پناہوں سے پہننے سے پائیز کی توجہ کیا جائے کیونکہ یہ اشیاء طہارت کا تہہ ہیں ان کے سبب

سے نفس کو پاکیزگی کی مفت پر۔ اور زیادہ تنبیہ ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوٰۃ))

”اگر میں امت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔“

اور نیز لوگوں کے واسطے نہانے اور خوشبو لگانے کے لیے کوئی بات ضرور ہونی چاہیے کیونکہ بنی آدم میں نماز کی عمدہ عادات میں سے یہ باتیں ہیں اور چونکہ ہر دن ان چیزوں کا التزام دشوار تھا۔ اس لیے جمعہ کا دن اس بات کے لیے مقرر کیا گیا کیونکہ جمعہ کا دن مقرر کرنے سے جمعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور نماز بھی کامل ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ايام یوم یغسل فیہ راسہ و جسدہ))

”ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کیا کرے اور غسل میں اپنا سر اور بدن دھویا کرے۔“

اور نیز وہ لوگ اپنا کام کاج خود کرتے تھے اور جب جمع ہوتے تھے تو ان میں سے بھیڑوں کی سی بدبو نکلتی تھی اس لیے ان کو نہانے کا حکم دیا گیا تاکہ تنفر کا سبب دفع ہو اور ان کا باہم جمع ہو کر بیٹھنے کو دل چاہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو خاموش رہنے اور امام سے قریب ہونے اور انویات کے ترک کرنے اور سویرے آنے کا حکم دیا جائے تاکہ وعظ و نصیحت کے سننے اور ان میں تدبیر کرنے کا ان کو پورا پورا موقع ملے اور نیز اس بات کا حکم دیا جائے کہ جمعہ کی نماز کو پیادہ پا آئیں اور سواری میں نہ آئیں کیونکہ تواضع اور خاکساری کے وہ قریب ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے اندر تنگدست اور غنی سب طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اس سبب سے یہ احتمال ہے کہ جس شخص کے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہاں آنے سے جواب آئے لہذا اس دروازے کا بند کر دینا مناسب ہو اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ خطبہ سے پہلے کچھ نماز کا پڑھنا مستحب کیا جائے جس کی وجہ نماز پنجگانہ کی سنتوں میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اگر کوئی شخص امام کے خطبہ پڑھنے میں مسجد میں آیا تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت چھوٹی چھوٹی پڑھ لے کیونکہ اس میں بقدر امکان سنت کی بھی رعایت ہے اور خطبہ کا بھی ادب ہے اس مسئلہ میں تیرے شہر کے لوگ جو شور کرتے ہیں ان کے دھوکے میں نہ آؤ کیونکہ اس کے حق میں حدیث صحیحہ وارد ہے جس کا اتباع واجب ہے اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو لوگوں کے اوپر ہو کر گزرنے اور دو شخصوں کو علیحدہ کرنے اور کسی واپسی جگہ پر اس غرض سے بٹھا جانا کہ کوئی اور وہاں نہ بیٹھ جائے منع کیا جائے کیونکہ جہلا لوگ اس قسم کی حرکت اکثر کیا کرتے تھے اور ایسے امور سے باہم فساد پیدا ہوتا ہے اور عادات کا تخم ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ پورے طور پر ادا کرنے والے کا ثواب بیان فرمایا کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سب گناہ صاف ہو جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ نور الہی اور مومنین کی دعا اور ان کی صحبت برکات اور وعظ اور ذکر الہی وغیرہ کی برکت کے دریا میں غرض ہونے کے لیے یہ نماز کافی مقدار ہوتی ہے اور پھر آپ نے اس نماز میں سویرے آنے کے درجات اور ان کے اوپر جو ثواب مترتب ہوتا ہے اونٹ اور گائے اور دنبہ اور مرغی کے ساتھ مثال دے کر اس کا بیان فرمایا ہے اور جمعہ کے وجوب کے وقت سے خطبے کے لیے کھڑے ہونے تک یہ سات عتیں تموزے تموزے اوقات ہیں۔ اور معلوم کرنا چاہیے کہ جس نماز میں تمام ادنیٰ و اعلیٰ لوگ جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دورعت) کی مقرر کی گئی ہے تاکہ ان پر گراں نہ

نہ نہ ملا وہ بریں اُن میں ضعیفاء اور مرئیش اور صاحب حاجت سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسی نمازوں میں قرآن پاک ہم اپڑھنا مقرر کیا گیا تاکہ اُن کو قرآن کے اندر تدبیر کا موقع حاصل ہو اور اس میں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے اور ایسی نمازوں میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تاکہ جو لوگ تاواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور جو لوگ باوجود واقفیت کے غافل ہیں اُن کے لیے یاد دہانی ہو جائے اور آنحضرت ﷺ نے جمعہ کے اندر دو خطبوں اور ان کے درمیان میں جلسہ کرنے کو مسنون فرمایا تاکہ مطلوب پورا پورا حاصل ہو جائے اور خطیب کو آرام بھی مل جائے اور نیز اس کا اور سامعین کا نشاط از سر نو تازہ ہو جائے اور خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور آپ پر درود بھیجے اور تو حید و رسالت کی شہادت ادا کرے اور بیچ میں کلمہ فصل (اما بعد) پڑھے اور لوگوں کو پسند و نصیحت و اتقویٰ کا حکم کرے اور اُن کو دنیا و آخرت کے مذاب الہی سے ڈرائے اور کچھ قرآن پاک پڑھے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرے اس کا سبب یہ ہے کہ اس طریقہ نصیحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ و رسول و قرآن پاک کی عظمت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے۔ اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضرور ہونی چاہئیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے:

((كل خطبة ليس فيها تشهد فهو كاليد الجزماء))

”جس خطبہ میں کلمہ شہادت نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔“

معنا یہ بات بدون الفاظ کے امت کو برابر پہنچتی چلی آئی ہے کہ جمعہ کے اندر جماعت اور ایک قسم کی شہریت شرط ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ ان سب کی یہی عادت تھی کہ جمعہ شہروں ہی میں کرتے تھے اور اہل قرنی نے پختہ قرض نہ کرتے تھے اور ان کے عہد میں قریہ کے اندر جمعہ نہ ہوتا تھا اس بات سے لوگ قرنا بعد قرن یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے لہذا شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری ہے اور صحیح تر قول میرے نزدیک یہ ہے کہ کم از کم جس پر قریہ کا اطلاق آتا ہو جمعہ کے لیے کافی ہے کیونکہ مختلف طریقوں سے جو انفس انفس کی تائید کرتے ہیں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اور اس بار یہ کو بھی آپ نے انہیں میں شمار کیا ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے

((الجمعة على خمسين رجلا))۔ ”جمعہ پچاس لوگوں پر واجب ہے۔“

میں بتاؤں گا کہ پچاس آدمیوں سے قریہ بن جاتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے

((الجمعة واحدة على كل قرية))۔ ”ہر گاؤں والوں پر جمعہ واجب ہے۔“

اور اس سے مراد جماعت کہہ سکتیں میرے نزدیک جمعہ کی صحت کے لیے کافی ہیں اور حدیث انفصاض اس پر دال ہے اور بقا ہر وہ لوگ متفق ہو کر پڑھائیں نہیں آئے۔ واللہ اعلم باب ابتداء جماعت کے لوگ موجود ہوں تو جمعہ واجب ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ نہ ہونے کے واسطے نہ ہونا اور پالیس آدمیوں کی تعداد شرط نہیں ہے اور نیز اس علم کا دین ضروری تھا کہ نماز کے قائم کرنے کے لیے امام ہونا ان سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے ((اربع الامام))۔ یعنی سوائے امام کے یہ چار ہوں اور امام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا بیان

اصل ان میں یہ ہے کہ ہر ایک قوم کے لیے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اُس میں اپنا تہل کرتے ہیں۔ اور خوب زیارت کے ساتھ اپنے شہروں سے نکلتے ہیں اور یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی خالی نہیں عرب اور عجم میں اور جب کہ آپ مدینہ میں تشریف لائے تو اُن کے لیے دو دن ایسے تھے کہ ان میں وہ لہو و لعب کرتے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں انہوں نے عرض کی کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے تب آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے بجائے ان دو دنوں کے دو اور دن اس سے بہتر بدلہ میں دیئے وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں اور یوں مشہور ہے کہ وہ دو دن یوم نیروز اور یوم مہرجان تھے اور ان کے تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا مگر مقصود اس سے اظہار شعار دین یا آئمہ مذہب کے موافقت یا کوئی اسی قسم کی اور بات ہوتی ہے اس سے آنحضرت ﷺ کو اس بات کا خیال ہوا کہ اگر اُن کو آپؐ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ جاہلیت کی رسم باقی رہ جائے یا بچپلوں کے طریقہ کی ترویج ان میں پائی جائے۔ پس اسی لیے آپؐ نے بجائے ان دو دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا اور ان میں ملت حنفیہ کے شعار کی عظمت ہے اور باوجود تہل کے ان میں ذکر خدا اور ابواب بندگی کو ملایا یہ اس لیے تاکہ اجتماع مسلمانوں کا صرف لعب نہ ہو اور تاکہ اُن کا باہم اکٹھا ہونا خدا کے کلمہ کے بلند ہونے سے خالی نہ ہو اور ان دنوں میں سے ایک تو وہ دن ہے کہ جب وہ اپنے روزوں سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس لیے اس دن دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس لیے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے اور فرحت عقلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی اُن کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو دوسرے سال تک باقی رکھنے کا اُن پر انعام کیا اور دوسرا وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم میرٹھ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی جان کے بدلے میں جنت کا دنبہ عنایت کیا اس لیے کہ اس میں ملت ابراہیمی کے آئمہ کے حالات کی یاد دہانی اور جان و مال کی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کے غایت درجہ کے صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلانا ہے اور نیز اس میں حاجیوں کے ساتھ تشبیہ ہے اور اُن کی عظمت ہے اور جس کام میں مشغول ہیں اس کی طرف ترغیب دلانا ہے لہذا تکبیر کا کہنا مسنون کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلْتُكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدٰهُمُ ۖ وَاللَّهُ تَعَالٰی نے جو اُن کو ہدایت فرمائی ہے اس کے بدلے اس کی بڑائی بیان کرو یعنی تم کو جو روزوں کے ادا کرنے کی توفیق دی ہے اس کے شکر میں ایسا کر اس لیے قربانی اور تکبیر باوازا کہنا ایام منیٰ میں مسنون کیا اور جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لیے سر کا نہ منہ دانا (یعنی حجامت نہ کروانا مستحب کیا گیا اور نماز اور خطبہ مقرر کیا گیا تاکہ اُن کا کوئی اجتماع ذکر الہی اور شعار دین کی عظمت سے خالی نہ ہو اور اُس کے ساتھ شارع نے منجملہ مقاصد شرعیہ کے ایک اور مقصد کو بھی شامل کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر ملت کے لیے ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہیے

جس میں اس ملت کے لوگ اپنے انجیل بارشوات اور مجمع کی کثرت ظاہر کرنے کی غرض سے باہر نکل کر جمع ہوں اس لیے سب کا جانا عید کے لیے مستحب ہو جاتی کہ بچے اور عورتیں پردہ نشین اور بے نماز عورتوں کا ٹکٹنا بھی مستحب کیا گیا ہے لیکن حائضہ عورتیں عید گاہ سے منع و ہو کر ایک طرف کو بیٹھ جائیں مگر دعا میں شریک ہو جائیں۔ لہذا آنحضرت ﷺ آنے اور جانے کا راستہ بدل دیتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں کو مسلمانوں کی شوکت و عظمت ظاہر ہو جائے اور چونکہ اصل عید سے زینت مقصود ہے لہذا اچھا لباس پہننا اور دف کا بجانا اور ایک راستہ سے عید گاہ کو جانا اور دوسرے سے پھرنا مستحب کیا گیا عیدین کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ بغیر اذان و اقامت کے نماز شروع کرے اور بالجہر قرآن پڑھتے اگر تخفیف کا موقع ہو تو سورہ ص اسم ربک الاعلیٰ الذی اور سورہ حل احاک پڑھے۔ اور اُتر طوائف کے ساتھ پڑھنا ہو تو سورہ ق اور سورہ اقتربت الساعۃ پڑھے۔ اور پہلی رکعت میں قراءۃ سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری میں بھی قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہے اور اہل کوفہ کے نزدیک مثل نماز جنازہ کے قراءت سے پہلے پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری میں بھی قراءت کے بعد چار تکبیریں کہے مگر دونوں طور سے سنت ہے اتنا ضرور ہے کہ جس پر اہل حرمین کا عمل ہے اس کو ترجیح ہے نماز کے بعد پھر خطبہ پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے کا لوگوں کو حکم دے اور وعظ و نصیحت کو بیان کرے مگر عید الفطر کے لیے یہ بات خاص ہے کہ جب تک چند تہوہارے نہ کھائے نماز کو نہ جائے اور ان کو طاق کھانا چاہیے اور نماز سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دے تاکہ ایسے روز مساکین کی حاجت دفع ہو جائے اور دلچسپی سے نماز کو جائیں اور چونکہ ماہ صیام کے گزرنے پر اطلاق دینا منظور ہے اور ان باتوں کے کرنے میں روزے کے خلاف باتیں پائی جاتی ہیں اور عید اشقیٰ میں یہ بات خاص ہے کہ نماز سے واپس ہونے کے بعد کچھ کھائے اور قربانی میں سے کھائے اس میں قربانی کی عظمت اور اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اس کا متبرک ہونا ثابت ہوتا ہے اور قربانی بعد نماز کے کرے کیونکہ قربانی کا لڑنا حاجیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے عبادت مقرر کیا گیا ہے اور نماز کے لیے اتباع سے یہ مشابہت ان کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اور قربانی کے لیے بھیڑ کا سال بھر کا بچہ یا بکری کا چھ مہینے کا بچہ بہ کھڑ والے کے لیے ہونا چاہیے اور قربانی کو بھری پر قیاس کر کے کائے اور اونٹ کی سات قربانیوں کی طرف کافی سمجھا ہے اور چونکہ قربانی اللہ تعالیٰ کے لیے مال خرچ کرنے سے قبل ہے۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں

﴿لَنْ يُبَالِيَ اللَّهُ لَحُومَهَا وَوَلَدِهَا وَدَمِهَا وَلَكِنْ يُبَالِيهِ النَّفْسُ مِنْكُمْ﴾

”اُن سے نہ مہلت و نہ ان اللہ نے پاس بھی نہیں پہنچتے مگر تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔“

اس لیے قربانی کا خون نہ لے اور اپنا جانور پندرہ سے قربانی کرنا مستحب ہوا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کی طور سے عدم ہوتی ہے اس واسطے چار قسم کے جانوروں کی قربانی نہ کرنی چاہیے ایک تو غنما جانور جس کا لنگڑا پن کھلا ہوا ہو اور دوسرا وہ جانور جس کی آنکھیں سفید ہوئی ہو اور تیسرے وہ جانور جس میں کوئی مٹی ہوئی بیماری ہو۔ چوتھے ایسا جانور جس کی ہڈیوں کا مغز بھی تحلیل ہو گیا ہو اور نہ اس کا ہڈیاں یا سینک نہ ہو تو اس کی بھی قربانی کرنا منع ہے اور آنکھوں کا کد کچھ لینا مستحب ہے اور جس جانور کا سانس سے کان نہ ہو اس کی بھی قربانی منع ہے اور نہ اس کا کان چھپے۔ مثلاً اس کی بھی نہیں درست ہے اور نہ اس جانور کی کہ جس کا کان چھاندا ہو اور نہ اس سے کان میں حیران ہو اس کی بھی قربانی درست نہیں اور نہ قوی سینک دار و نہ کی قربانی کرنا جس کی آنکھیں اور

پیٹ اور سینہ اور پاؤں سیاہ ہوں مسنون ہے کیونکہ یہ سب باتیں اس کی جوانی بھرنے کی علامتیں ہیں اور جو وظیفہ قربانی کرنے میں پڑھا جاتا ہے یہ ہے۔

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ... الخ﴾... اللَّهُمَّ مِنْكَ وَالْيَكُ وَ
لَكَ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ..

جنازوں کا بیان

معلوم کرو کہ مریض کو دیکھنے جانا اور تعویذوں مبارک سے اُس کا تمسک کرنا اور مرتے وقت اُس کے ساتھ نرمی کی باتیں کرنا اور کفن و دفن میت کا اور اس کے ساتھ نیکی کرنا اور اس پر رونا۔ اس کے پسماندوں کی دلجمعی کرنا اور قبور کی زیارت کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ تمام عرب کے لوگ ان پر قائم ہیں اور اپنے ہاں اُن کو برتتے ہیں اور اہل عجم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور یہ ایسی رسوم ہیں کہ کوئی ذی شعور اس سے خالی نہیں اور یہ غیر مناسب ہے کہ یہ رسوم اُن سے چھڑادی جائیں پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تب آپؐ نے اُن کی عادات و رسوم کا جن کو وہ کرتے تھے ملاحظہ فرمایا اور اُن کی اصلاح فرمائی اور جو نقصان تھے ان کو دور کیا اور مصلحت میں دنیا و آخرت کے اعتبار سے تو خاص اُس مریض ہی کا لحاظ ہوتا ہے یا اس کے اہل و عیال کا ہوتا ہے۔ انہیں دونوں اعتباروں میں سے ایک اعتبار سے یا ملت کا ہوتا ہے پس دنیا کے اعتبار سے مریض اس بات کا حاجت مند ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف و مصیبت میں اس کو تسلی دیں اور اس کے دکھ درد میں شریک ہوں اور اس کے ساتھ پیار و محبت کی باتیں کریں اور جس بات سے وہ عاجز ہے اس میں اس کی امانت کی جائے اور یہ امر بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ اُس کے بھائی بند اور اُس کے شہر کے دوست و آشنا اور لوگوں کو اُس کے ہاں آنا سنت لازمہ گردانا جائے اور آخرت میں اس کو اس بات کی حاجت ہے کہ بیماری میں وہ صبر کرے اور بیماری کی تکلیفیں اس کے سامنے مثل دوا تلخ کے معلوم ہوں جس کا ذائقہ ناگوار ہوتا ہے لیکن اُس میں نفع کی امید ہوتی ہے تاکہ بیماری اُس کے حق میں حب دنیا اور بعد الہی کا سبب نہ ہو بلکہ اس کی جان کے اجزاء تحلیل ہونے کے ساتھ وہ بیماری اُس کے گناہوں کی کمی کا باعث ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو اس تکلیف کی حالت میں صبر کے فوائد اور تکالیف کے اجر پر آگاہ کیا جائے اور جب آدمی کا دم نکلتے لگتا ہے تو یہ دن اس کے حق میں دنیا کا اخیر اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات ضروری ہے کہ اُس کو یاد الہی اور توجہ الی اللہ پر ترغیب دلائی جائے تاکہ اس کی جان ایمان کے جامہ میں اس جہان سے مفارقت کرے اور آخرت میں اس کا ثمرہ اس کو حاصل ہو اور انسان بشر طیکہ اُس کا مزاج صحیح ہو جس طرح اُس کی سرشت میں مال اور اوابہ کی محبت داخل ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی اُس کو عزیز ہوتی ہے کہ حالت زندگی اور نیز مرنے کے بعد بھلائی سے اُس کو یاد کریں اور اس کا کوئی عیب ان پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ حتیٰ کہ ہر گروہ کے بڑے بڑے ہوشمند اور صحیح العقل اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی بلند عمارت مال کثیر صرف کر کے تیار کی جائے جس سے اُن کا ذکر باقی رہے اور صرف اس غرض سے لوگ اُن کو بہادروں کے زمرہ میں شمار کریں۔ جان جو کھوں کی جگہ حص پڑتے ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ میری قبر بلند کی جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ فداں شخص اپنی زندگی میں بھی صاحب

نصیب رہا اور بعد وفات بھی۔ حتیٰ کہ ان کے عطا کا یہ قول ہے کہ جس کا ذکر لوگوں میں موجود ہے وہ مرد نہیں ہے اور چونکہ یہ ایسا امر ہے کہ اسی پر ان کی پیدائش اور اسی پر ان کی موت ہوتی ہے لہذا ان کے اس خیال کی تصدیق اور ان کے وعدوں کا پورا کرنا مرنے کے بعد ان کے حق میں ایک قسم کا احسان ہوا۔ اور نیز جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اُس کی حس مشترک وغیرہ وحس اور اُراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور عہوم زندگی میں اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی اس کے ہمراہ رہتے ہیں۔ اور پھر عالم بالا سے اس پر اور عہوم کا ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے میت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے اور خدا کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کے لیے وہ رُزق اکرام کرتی ہیں یا میت کے لیے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو قسم الہی سے میت کے حق میں نافع پڑتا ہے اور اس عالم سے جب اُس پر فیضان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہو کر اس میت کی درستی حالت کا سبب ہو جاتا ہے اور میت کے ہمراہ والوں کو اس کی موت سے سخت غم اور رنج ہوتا ہے لہذا دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں بھلائی یہ ہے کہ لوگ اس کی تعزیت کے لیے آئیں تاکہ ان کا رنج چھٹم ہو اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر ان کی مدد کریں اور ان کو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت کے لحاظ سے ان کے لیے بہتری یہ ہے کہ ان کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ ہمہ تن اس کی پریشانی میں وہ مصروف نہ ہوں اور اللہ کی طرف ان کی توجہ ہو اور چلانے اور کھڑے پھاڑنے اور تمام اُن چیزوں سے جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی ہیں۔ اور ان کا غم اور پریشانی برساتی ہیں منع کریں کیونکہ اس وقت میں وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں اُن کے مرض کا علاج کرتا چاہیے نہ یہ کہ ان کا مرض اور بڑھایا جائے الہی جہالت نے کچھ رسمیں اپنی جانب سے ایجاد کر لی تھیں جن سے شرک لازم آتا تھا اس لیے مصلحت شرعی کا یہ مقتضی ہوا کہ اس دروازہ کو بند کیا جائے۔

جب تم کو یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنی چاہتے ہیں جو اس بات میں وارد ہوئی ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من مسلم يعصيه ادى من مرض فما سواه الا حط الله به سئاته كما تحط الشجرة ورقها))

”وہی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ جس کو کوئی مرض اور کسی طرح سے کوئی تکلیف پہنچے مگر اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ کم کر دیتا ہے۔ جیسے درخت سے پتے گر جاتے ہیں۔“

میں سمجھتا ہوں کہ جو اس کے ذمہ ہونے کے اسباب کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مثلاً ان اسباب کے ایک سبب بوب نفسانی کا مژور ہو جانا اور اس سے اس کا اخلاق رذیلہ کے عمل ہے۔ تخلیل ہو جانا ہے اور مصیبت کے سبب سے انسان کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور اس عائدوں کے ایک قسم کی بیماری ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((مثل المؤمن كمثل الحمامه ومثل المنافق كمثل الدرزة)) الحدیث

”مومن کی مثال ان پر ہے کہ شروع شروع زمین سے اُترتے اور منافق کی مثال درخت صوبہ کے

میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بیکہ دوسری ملکی اور آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ کبھی تو اُس کو قوت بیکہ دی جاتی ہے اور ملکی ظاہر ہو جاتی ہے تو اس وقت میں وہ انسان ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی قوت ملکی دی جاتی ہے اور قوت بیکہ کا ظہور ہو جاتا ہے اس وقت میں وہ انسان مثل بہائم کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے قدر ہو جاتا ہے اور جب آدمی قوت بیکہ کے قبضہ سے نکل کر قوت ملکی کی عملداری میں داخل ہوتا ہے تو اس کے حالات مختلف ہوتے ہیں اُن حالات میں باہم ان دونوں قوتوں کا مقابلہ رہتا ہے کبھی قوت بیکہ ملکی پر غلبہ کرتی ہے کبھی ملکی بیکہ پر دنیا میں جزا و سزا دینے کے یہی مواقع ہوتے ہیں اور دنیا کے اندر جزا و سزا کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اُس کو دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا مَرَضَ الْعِيْدُ اَوْ سَافَرَ كَتَبَ لَهُ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ صَحِيْحًا مَّقِيْمًا))

”جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لیے اسی قدر اعمال کا اجر لکھا جاتا ہے جو حالت صحت و اقامت میں وہ کرتا تھا۔“

میں کہتا ہوں جب آدمی کسی کام کرنے پر ہمت باندھتا ہے اور بجز مانع عارض کے کوئی اس کو اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا تو جو کام قلب کا ہے وہ اس سے ادا ہو جاتا ہے اور تقویٰ کا دار و مدار قلب ہی پر ہے اور باقی اعمال تقویٰ کا عنوان اور اس کی دلیل ہیں کہ قدرت کے وقت اُن کا کرنا ضرور ہوتا ہے اور مجبوری کے وقت متروک کر دیئے جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الشَّهَادَةُ خَمْسَةٌ اَوْ سَبْعَةٌ)) شہید پانچ لوگ ہیں یا یہ فرمایا ہے کہ سات شخص ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ وہ سخت مصیبت جو بندہ کی طرف سے نہیں ہوتی گناہوں کے ذور کرنے اور اس شخص پر رحمت الہی کے نازل کرنے میں شہادت کا کام دیتی ہے اور فرمایا ہے:

((اِنْ الْمُسْلِمَ اِذَا اَعَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي نَحْرَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ))

”کوئی مسلمان جب اپنے بھائی مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے جب تک واپس آتا ہے برابر جنت کے پھل چننا رہتا ہے۔“

میں کہتا ہوں شہر والوں میں میل جول جب ہی رہ سکتا ہے کہ جب باہم ایک دوسرے کی حاجت کے وقت مدد کریں اور اللہ تعالیٰ کو وہ چیز پسند ہے جس میں اُن کے شہر کی بھلائی ہو اور باہم میل جول پیدا کرنے کے لیے عیادت کرنا کامل سبب ہے قیامت کے دن اللہ پاک فرمائے گا۔ یابن آدم مرضت فلم تعدنی... الخ ”اے آدمی میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت بھی نہ کی۔“ میں کہتا ہوں اس جملے کا حال بہ نسبت روح اعظم کے جس کا ((تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحُ فِيْهَا)) کے اندر بیان ہے اس صورت کا حال ہے جو انسان کو خواب میں بہ نسبت اس انسان کے ظاہر ہوتی ہے پس جس طرح انسان کا اپنے رب اور اس کے حکم اور اس کی رضا مندی کے ساتھ اعتقاد اس کی خواب میں اللہ تعالیٰ کی مثال ہے ظاہر ہوتا ہے اور اسی لیے مومن کامل کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہایت عمدہ صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دروازہ کی دہلیز میں اپنے چپے لگاتے ہوئے دیکھا تو اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس دہلیز میں اس نے اللہ تعالیٰ کا کوئی قصور کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حق اور اُس کا حکم اور اس کی رضا مندی اور اس کی تدبیر اور افراد انسان کے لیے اس کے قیومیت اور اس کا ان کے لیے سبب وجود

ہونا یا اپنے رب کی نسبت ان کے اعتقاد کا درجہ بشرطیکہ ان کا مزاج صحیح ہو اور ان کے نفوس راستی پر ہوں اور جس طرح صورت نوعیہ سے افراد انسان پر ان نفوس کا فیضان ہوا ہے یہ سب چیزیں آخرت میں مختلف صورتوں کے ساتھ متشکل ہو کر ظاہر ہوں گی جیسا کہ نبی کریم نے اس کو بیان کیا ہے اور یہ سب تجلیات روح اعظم کی تجلیات ہیں جو افراد انسان کے جامع اور ان کی کثرت کا مبداء اور ان کی دنیاوی اور اخروی ترقی کا منتہی ہے اس سے میری یہ مراد ہے کہ وہاں پر اللہ تعالیٰ کے لیے باعتبار اس کی قومیت اور اس کے حکم کی ایک شان کلی ہے جس کو آخرت میں اپنے دلوں کی بینائی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے رہیں گے اور کبھی جب کسی صورت مناسبت میں اس شان کا ظہور ہوگا۔ آنکھوں سے اس کا معائنہ کریں گے الحاصل اسی لیے یہ تجلی اللہ تعالیٰ کے حق اور اس کے حکم سے صورت نوعیہ کے فیضان کے موافق افراد انسانی میں ظاہر ہوتی ہے جیسے باہم ان کا مانوس ہونا اور کمال انسانی کا جو اس کے نوع کے ساتھ خاص ہے حاصل کرنا اور مصلحت مناسبہ کا اپنے اندر قائم کرنا اس لیے جو چیز بندوں کے حالات میں سے ہے اس علاقہ کی وجہ سے اپنی طرف اس کا منسوب کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت کریم نے حکم فرمایا ہے کہ جو منتر پورے اور کامل ہیں جن کے اندر ذکر الہی اور اس سے استغاثہ پایا جاتا ہے ان کو لوگ پڑھا کریں جب کوئی ضرورت پیش آئے اس سے آپ کو یہ منظور ہے کہ ان کلمات طیبات کے پڑھنے سے رحمت الہی ان پر چھا جائے اور ان کے مصائب دور ہو جائیں۔ اور تیز ایام جاہلیت میں لوگ جو اپنے ٹھا کڑوں سے مدد چاہا کرتے تھے اس بات سے آپ کو ان کا روکنا مقصود تھا۔ اور اس کے بدلے میں ان کے لیے عمدہ عوض مقرر کر دیا وہ رقبے بہت ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ پڑھنے والا اپنا دانا ہوتا ہوا تھو مریش پر پھیرتا جائے اور یہ پڑھتا جائے۔

اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءك شفاء لا يغادر سقما

اور ازاں جملہ یہ ہے:

بسم اللہ ارقبک من کل شیء یوذیک من شر کل نفس
یا نفس کی جگہ میں حاسد کہے۔

اللہ یشفیک بسم اللہ ارقبک

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ سات مرتبہ

استئال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک

پڑھے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قل اعوذ برب السقواء قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم کرے اور جس جگہ مریش کے بدن پر تکلیف ہے اس پر ہاتھ پھیرتا جائے اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ اعوذ بعزۃ اللہ و قدرته من شر ما احدثو احادہ۔ پڑھے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ پڑھے۔

بسم اللہ الکبر اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار و من شر حر النار

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ پڑھے:

ربنا اللہ الذی فی السماء ندس اسمک امرک فی السماء والارض کما رحمک فی

السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ أَشْفِرْ لَنَا حُوبَنَا وَخَطَايَانَا أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَى هَذَا الْوَجْعِ.

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ)) . الْحَدِيثُ "تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے۔"

میں کہتا ہوں بارگاہِ الہی میں منجملہ آداب کے انسان کے لیے ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو جو نعمت عنایت فرمائی ہے اس بات کی جرأت نہ کرے کہ اس کا جاتا رہنا چاہیے اور زندگی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کیونکہ نیکی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لیے کہ جب انسان مر جاتا ہے اس کے اکثر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور بجز طبعی ترقی کے کچھ ترقی نہیں کر سکتا اور نیز موت کی آرزو کرنا نہایت بے باکی ہے اور بے اطمینانی کی دلیل ہے اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ.

"جو کوئی اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے اور جس شخص کو اللہ سے ملنا ناگوار معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا ملنا ناگوار ہوتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی ہیں کہ ایمان بالغیب سے ایمان بالمشاہدہ کی طرف اس کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بسمیہ کے گاڑھے گاڑھے پردے اُس سے دور ہو کر ملکیت کا نور اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور عالم قدس سے اس پر یقین کا ترشح ہو جاتا ہے اور جتنی چیزوں کا ذکر اُس نے صرف زبان سے سنا تھا۔ سب وہ چیزیں اُس کو مشاہدہ ہو جاتی ہیں اور مومن بندہ جو ہمیشہ بسمیہ سے مدافعت کرتا اور ملکیت کا ساتھ دیتا رہا ہے اس حالت کا اسی طرح مشتاق ہوتا ہے جس طرح ہر عنصر اپنے مکان طبعی کا مشتاق ہوتا ہے جس طرح ہر ذی حس ان چیزوں کی طرف جن سے اس کی حس کو لذت حاصل ہوتی ہے مشتاق ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر متبار نظام بدنی کے اُس کو موت اور اُس کے اسباب سے تکلیف اور رنج ہوتا ہے اور جو بندہ نافرمان ہے ہمیشہ اس کی کوشش بسمیہ کے فریب کرنے میں رہتی ہے اور دنیا کی زندگی اس کو پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی کی طرف اس کے دل کو لگاؤ ہوتا ہے اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی کراہیت کا جو ذکر ہے وہ بطور مشکتہ کے وارد ہوا ہے اگر مراد اس سے آرام یا تکلیف کی چیزوں کا موجود و مبہا کرنا اور اس کی گھٹات میں ہوتا ہے۔ اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہ دونوں چیزیں باہم مشتبہ تھیں اس لیے رسول اللہ ﷺ نے محبت کے حالات میں سے زیادہ تر ظاہر حال کا جس کا علم بالا سے فیضان ہوتا ہے اور جس کو دوسرے حال سے اشتباہ یعنی ملائکہ کے ظاہر ہونے کی حالت بیان فرما کر اس کی مراد پر مطلع کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يَحْسُنُ ظَنَّهُ بَرَبِهِ)) . اپنے رب سے حسن ظن کیے بغیر ہم میں سے کوئی نہ مرے معلوم کرو کہ کوئی عمل صالح ان ضروریات کے ادا کرنے کے بعد جس سے نفس کی کجی دور ہوتی ہے اور وہ راستی پر آتا ہے۔ یعنی فرائض کی بجا آوری اور کبار سے اجتناب کرنا انسان کے حق میں اُس سے زیادہ تافع کوئی عمل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کو بھلائی کی امید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھنا نزولِ رحمت الہی کے سبب ہونے میں بمنزل نہایت مضبوط ارادہ اور کمالِ رغبت سے دعا کرنے کے ہے اور خوف

الہی تو ایک تلواری ہے جس کے ذریعہ سے دشمنانِ خدا سے کہ قوتِ شہوانیہ اور قوتِ سبعیہ اور وساوسِ شیطانیہ کے بڑے بڑے حکم پر دے میں مقابلہ کیا جاتا ہے اور جس طرح کوئی شخص لڑائی کی مہارت نہیں رکھتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ تلواری چلاتا ہے تو وہ تلواری الٹی اسی کے لگتی ہے اسی طرح جو آدمی اپنے نفس کے مہذب کرنے کا کمال نہیں رکھتا بسا اوقات وہ خوفِ الہی کو بے موقع استعمال کرتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمالِ صالحہ کو عجب دریا، اور اسی طرح کے بہت سے عیوب و آفات سے خود بخود متہم کر لیتا ہے یہاں تک کہ اپنے گمان میں اللہ کے ہاں اپنے اعمال کو رائیگاں سمجھنے لگتا ہے اور اُس سے جو کچھ گناہِ صغیرہ اور بلا قصد خطائیں ہو جاتی ہیں ان کا وقوع اس کے نزدیک یقینی ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے تو اُس کے گمان میں وہ گناہ اس کو کاٹتے رہتے ہیں اور اُن خیالی صورتوں میں اُس کے سبب سے قوتِ مثالیہ کا فیضان ہو جاتا ہے جس کے سبب سے وہ ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان شکوک اور خیالات کی وجہ سے اُس شخص کو اپنے اعمالِ صالحہ سے معتد بہ نفع نہیں پہنچتا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکایتِ عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: **انسان عند ظن عبدی بسی** یعنی میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے اور چونکہ انسان اپنی مرض اور ضعف کی حالت میں خوف کی تلواری کو اس کے موقع پر بسا اوقات نہیں استعمال کرتا یا اس کو استعمال کرنے کی تمیز نہیں رہتی لہذا اُس کے حق میں یہ مسنون کیا گیا کہ بہ نسبت خوف کے اس کو اُمید زیادہ رکھنا چاہیے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے: **((اکثروا ذکرھا ذم اللذات))** یعنی جو چیز لذتوں کے کھونے والی ہے اُس کا ذکر کیا کرو۔ میں کہتا ہوں حجابِ نفسانی کے دور کرنے اور طبیعت کو لذتِ دنیا سے باز رکھنے میں ذکرِ موت سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے۔ موت کے یاد کرنے سے دنیا سے مفارقت اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کی صورت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور اس کا عجیب اثر ہوتا ہے اس کا بیان ہم تھوڑا سا پہلے کر چکے ہیں اس کو وہاں دیکھ لینا چاہیے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنة))** جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں گیا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں جو اس کی جان پر بن رہی ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل سے اُس نے نہیں بھولنے دیا۔ یہ اُس کے ایمان کی صحت اور اُس سے دل میں ایمان کی محبت کے سرایت کر جانے کی دلیل ہے اور نیز اس کا مرتے وقت یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ احسان کی صفت سے ساتھ اس کا دل رنگا ہوا ہے۔ پس جو شخص ایسی حالت پر مر گیا لامحالہ جنت اس کے لیے واجب ہوگئی۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((لنصوا موفکم لا الہ الا اللہ))** اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تمثیل کیا کرو۔ اور فرمایا ہے: **((افروا علی اموالکم یس))** اپنے مرنے والوں کے پاس یسین پڑھا کرو۔ میں کہتا ہوں مرنے والے نے حق میں باعتبار اس کی آخرت کی درستی سے یہ بہت بڑا احسان ہے اور لا الہ الا اللہ کو اس لیے خاص کیا ہے کہ وہ افضل الذکر اور توحید اور انبی شرک پر مشتمل ہے اور تمام اذکارِ اسلام میں اس کی فضیلت ہے اور سورہ یسین کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اور اس کا بیان اقرب آتا ہے اور اس سے یہ کہ وہ نصیحت کے لیے بہت کافی مقدار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((ما من مسلم نعیمہ مصیبة))** (یعنی) کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس پر کوئی مصیبت پڑے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق وہ **((اے اللہ وانا الیہ راجعون اللہم احرمی فی محسنی واحلصی حرمی امہا))** پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں اس سے بہتر مٹا ف ماتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس حکم میں یہ مزید ہے کہ اُس شخص کو اُس کے پڑھنے سے مصیبت کا ثواب اور اللہ تعالیٰ کا

اُس سے بہتر عطا فرمانے پر قادر ہونا یاد آ جائے اور اُس کا رنج کم ہو جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((اذا حضرت المیت فقولوا خیراً))۔ مردہ کے پاس جب تم جاؤ تو کلمہ خیر اُس کے حق میں کہو جیسے آنحضرت ﷺ نے کہا ہے ((اللہم اغفر لی لابی سلمة و ارفع درجہ... الخ))۔ میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے اوپر بددعا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ کفری قبولیت کی ہوتی تھی اور اُن کو وہ بددعا لگ جاتی تھی آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کے لیے عورتوں سے ارشاد فرمایا: ((اغسلنها وتراً... الخ))۔ یعنی اس کو طاق طاق نہلاؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ۔ پانی اور پیری کے پتوں سے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگاؤ اور فرمایا کہ اُس کے داہنے اعضا سے شروع کرو۔ میں کہتا ہوں کہ مردہ کے نہلانے میں اصل یہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسے ہی نہاتے ہیں اس لیے میت کی تعظیم کے لیے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے اور پیری کے پتے اور کئی مرتبہ بدن کے دھونے کا اس لیے حکم دیا کہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن پر میل ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگانے کا اس لیے حکم دیا کہ جس چیز کو کافور لگایا کرتے ہیں وہ چیز جلد نہیں بگڑتی ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کافور لگانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کوئی موزی جانور اُس کے قریب نہیں آتا اور داہنے اعضا سے شروع کرنے کا اس لیے حکم دیا تاکہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے غسل کے ہو اور تاکہ ان اعضا کی عزت معلوم ہو اور شہید کے اندر جو غسل نہ دینے اور اپنے کپڑوں اور خون کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اُس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ بظاہر اُس کے بقاء عمل کی صورت متحمل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو اُن کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو اُن چیزوں کا بھی ادراک ہو جاتا ہے جو اُن کے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جائے تو ضرور اُن کو اس کے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور اُن کے سامنے وہ عمل متحمل ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے ((جروھہم تدمی اللون لون دم و الريح ریح مسک))۔ اُن کے زخموں سے خون جاری ہوں گے رنگ تو خون کا سا اور خوشبو مشک کی سی اس سے یہی مراد ہے اور محرم کے باب میں بھی حدیث صحیح وارد ہے:

((کفونہ فی ثوبہ و لا تمسوه بطیب ولا تخمروا راسہ فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبیا))۔
 ”یعنی اس کو دونوں کپڑوں میں لپیٹ دو اور اس کے خوشبو مت لگاؤ اور اس کے سر کو مت ڈھکوا اس لیے کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔“

اُس میں اُس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسی نکتہ کی طرف آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا
 ((المیت یبعث فی ثیابہ الذی یموت فیہا))۔
 ”یعنی جن کپڑوں میں وہ مرتا ہے انہیں میں وہ مردہ اٹھتا ہے۔“

اور اصل کفن پہنانے میں کپڑا اوڑھ کر سونے والے کے ساتھ مشابہت کا ہونا ہے مرد کا پورا پورا کفن تہ بند اور کرتا اور چادر لپیٹنے کی یا صرف حلہ یعنی دو کپڑے ہیں اور عورت کے لیے اُن سے کچھ زیادہ ہیں کیونکہ اس کے لیے زیادہ ستر من سب ہے اور آنحضرت ﷺ

نے فرمایا ہے: ((لا تغالوا فی الکفن فانہ یسلب سلباً سریعاً)) زیادہ قیمتی کفن مت دو کیونکہ وہ بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا اس سے افراط و تفریط میں اعتدال مراد ہے تاکہ جاہلیت کی عادت کو قیمتی کفن دینے میں اختیار نہ کریں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((اسرعوا بالجنازہ)) الحدیث جنازہ کے لے جانے میں جلدی کرو۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ دیر کرنے میں مردہ کے بدن کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے دوسرے قرابت والوں کو اس کے دیکھنے سے بے قراری ہوتی ہے کیونکہ جب وہ میت کو دیکھتے ہیں تو اضطراب زیادہ ہو جاتا ہے اور جب اُن کی نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے تو ان کو خیال نہیں رہتا اور آنحضرت ﷺ نے دونوں سبب کی طرف ایک ہی کلمہ سے اشارہ فرمایا ہے:

((لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان یجلس بین ظہر انی اہلہ))

”یہ بات مناسب نہیں کہ کسی مسلمان کی نعش اس کے گھر والوں کے روبرو کی جائے۔“

اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے ((فان كانت صالحة... الخ)) کہ اگر وہ جنازہ نیک ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہ اپنے معنی حقیقی پر محمول ہے اور بعض نفوس جب اپنے بدن کو چھوڑتے ہیں تو ان کے بدن کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اُن کو اُس کی حس ہوتی ہے اور روحانی کام کے ساتھ کلام کرتے ہیں وہ ان کے نفوس پر مترشح ہونے سے سمجھا جاتا ہے ان کا کلام معمولی نہیں ہوتا جو کانوں سے سنا جائے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے: ((الا الانسان)) یعنی بجز انسان کے اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((من اتبع جنازة مسلم ايماناً واحتساباً... الخ)) یعنی جو شخص ایمان و احتساب کے ساتھ مسلمان کے جنازہ کا پیچھا کرے اور اس کی نماز پڑھے اور دفن سے بھی فارغ ہو کر واپس آ جائے تو دو قیراط کے برابر ثواب لے کر آتا ہے۔ میں کہتا ہوں جنازہ کے ساتھ جانے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ اس میں میت کی عزت اور اس سے اس کے پسماندوں کے دل شکنی کی تسلی ہے اور تاکہ اس ذریعہ سے مومنین صالحین کا ایک گروہ اس کے لیے دعا کرنے اور دفن کرنے میں معاونت کے لیے شریک ہو جائے لہذا آپؐ نے دفن کے وقت تک کھڑا رہنے کی رغبت دلائی ہے اور جب تک جنازہ اتار کر نہ رکھا جائے لوگوں کو بیٹھنے سے منع کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((ان الصوت فرع فاذا رايتهم الجنازة فقوموا)) کہ البتہ صوت پریشانی کی چیز ہے پس جب تم کسی کے جنازہ کو دیکھو کھڑے ہو جایا کرو میں کہتا ہوں چنانچہ لذتوں کے دور کرنے والی کا ذکر اور عزیز و آشنا کے انتقال سے نصیحت پارتا منور تھا اور یہ ایک باطنی امر تھا کہ اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے میں تمیز نہ ہوسکتی تھی اس لیے شارع نے اس کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا تاکہ اس مظلوم کا اضطراب ہو جائے۔ مگر آپؐ نے اس کو لوگوں پر واجب نہیں کیا اور نہ وہ سنت قائم ہے اور بعض سے نزاع یہ حدیث منسوخ ہے اور اگر منسوخ ہے تو اس کے منسوخ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اہل جاہلیت ایسے امور کیا کرتے تھے جو کھڑے ہونے کے مشابہ تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ یہ کھڑا ہونا بکمال نہ کیا جائے کہ جس کے سبب سے مومنات کا جنازہ دفن نہ ہو جائے اور جنازہ کی نماز اس لیے مقرر کی گئی کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کے لیے شریک ہونا اس پر رشتہ الہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے اور نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ جنازہ اس کے اور قبلہ کے مابین ہو اور امام کے پیچھے قوم صف باندھ کر کھڑی ہو اور امام چار تکبیریں کہے اور میت کے لیے دعا کرے

اُس کے بعد سلام پھیر دے یہ طریقہ ایسا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم رہا اور تمام صحابہؓ اور تابعینؓ کا اتفاق اگرچہ احادیث اس باب میں مختلف طریقوں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی اس نماز میں سنت ہے کیونکہ وہ سب دعاؤں سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ تر جامعیت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں بندوں کو اس کی تعلیم فرمائی ہے آنحضرت ﷺ سے میت پر جو دعا ماثور ہے یہ ہے:

((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَانْثَانَا اللَّهُمَّ مِنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمِنْ تَوَفَيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَقْنَا بَعْدَهُ.

اور

اللَّهُمَّ إِنْ فُلَانٌ بِنِ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلُ جِوَارِكَ فَتَنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ أَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

اور

اللَّهُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاعْرِضْهُ لَكَ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالتَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَابْدِلْهُ دَارًا خَيْرَ مِنْ دَارِهِ وَاهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَادْخُلْهُ الْجَنَّةَ وَاعْزِهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ.

اور ایک روایت میں ((وقه فتنة القبر وعذاب النار)) آیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها وان احد بنورها لهم بصلواتي
”یہ قبریں اہل قبور پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور میری دعا سے اللہ پاک ان کی قبروں کو نورانی کر دیتا ہے۔“

اور فرمایا ہے:

ما من مسلم يموت فيقوم جنازته اربعون رجلا لا يشركون الله شيئا الا شفيعهم الله فيه. و
فی رواية یصلی علیہ امتہ من المسلمین یبلغون ماتہ

”کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر چالیس لوگ کھڑے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں اُن کی سفارش قبول فرماتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ سو مسلمانوں کا گروہ اس پر نماز پڑھے۔“

میں کہتا ہوں چونکہ ان لوگوں کی دعاؤں کا پورا پورا اثر ہوتا ہے کہ جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ہے وہ دعا پردہل کو پھاڑ کر اس شخص کو نزول رحمت الہی کے قابل بنا دیتی ہے جس طرح استقاء میں اس لیے ضروری ہوا کہ دوا مردوں میں ایک طرف رغبت

دلالتی جائے یا تو نفس اس درجہ کا ہونا چاہیے کہ وہ تنہا بمنزلہ ایک گروہ شمار کیا جائے یا ایک بڑی جماعت ہونا چاہیے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

((هَذَا اثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَحِبَّتْ لَهُ الْجَنَّةُ))۔ الحديث

”تم نے اس کی بھلائی بیان کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔“

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ سے محبت ہوتی ہے ملاء اعلیٰ کو بھی اس کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ پھر ملاء سافل میں اسی کی قبولیت نازل ہو کر نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ سے نفرت ہوتی ہے تو ان سب کو اس سے نفرت ہوتی ہے پس جس بندہ کے لیے صلحاء کا ایک گروہ اپنے خاص دل سے بلا ریا و بغیر اتفاق عادت کے اس کی نیکی کی گواہی دے تو وہ اس شخص کے ناجی ہونے کی دلیل ہے اور جب کسی کو وہ دل سے برا جانیں تو اس شخص کے ہلاک ہونے کی علامت ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے تم خدا کے گواہ ہو زمین میں اُس کے یہ معنی ہیں کہ تم مورد الہام اور ترجمان غیب ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَانْهَيْمُ قَدْ أَفْضُوا مَا قَدَّمُوا))۔

”مردوں کو برا مت کہو کیونکہ جو وہ کر گئے تھے اس کو وہ پہنچ گئے۔“

میں کہتا ہوں چونکہ مردوں کو برا کہنا زندوں کی رنجیدگی اور اذیت کا سبب ہے اور یہ لغو کام ہے اور نیز بہت سے لوگوں کا حال بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اس لیے مردوں کے برا کہنے سے نبی کی گنی اور آنحضرت ﷺ نے اس سبب کو اہل جاہلیت کے ایک مردہ کو برا کہنے اور حضرت عباسؓ نے اس کے سبب سے رنجیدہ ہونے کے قصہ میں اس کا بیان کیا ہے اب رہی یہ بات کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہیے یا پیچھے اور اس کو چار آدمی اٹھائیں یا دو۔ اور اس کو پیروں کی طرف سے اتاریں یا قبلہ کی طرف سے اس میں قول مختار یہ ہے کہ ان سب باتوں میں گنجائش ہے اور ہر ایک میں حدیث صحیح یا اثر صحابہ وارد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا

((اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لغيرنا))۔

”یعنی ہم لوگوں کے لیے قبر ہے اور غیہ ملکوں کے لیے شق ہے۔“

میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ لحد میت کی عزت کے مناسب ہے اور بلا ضرورت اس کے اوپر مٹی ڈالنا اس کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو اس بات کے لیے بھیجا کہ کوئی تصویر منائے بغیر اور کوئی اونٹنی قبر پر ایسے بغیر نہ چھوڑیں اور قبر کو ہانتہ کرنا اور اس پر گنبد وغیرہ بنانا اور اُس پر بیٹھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ قبروں کی طرف نماز مت پڑھو کیونکہ اس ذریعہ سے قبروں کی پرستش کرنی یا حد سے زیادہ تعظیم کرنے کا اور اس کے سبب سے دین میں تحریف ہونے کا احتمال ہے جیسا اہل کتاب نے کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

((لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))

”یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

اور قبروں پر بیٹھنے سے جو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے تو بعض کے نزدیک اس سے زیارت کرنے والوں کا قبروں پر ٹھہرنا مراد ہے اور بعض کے نزدیک قبروں پر پیر رکھنا مراد ہے اور اس تصویر پر یہ حکم آپؐ نے میت کی عزت کے لحاظ سے دیا ہے پس حق یہ ہے کہ نہ تو مردہ کی اس قدر تعظیم کرے جو شرک کے قریب ہو جائے اور نہ یہ چاہیے کہ اس کی اہانت اور اس کے ساتھ عداوت کرے اور چونکہ میت پر رونا اور اس کے لیے غم کرنا ایک طبعی امر تھا جو اُن سے چھوٹ نہیں سکتا اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اتنی زیادتی نہیں کی کہ اُن کو رونے سے بالکل منع کیا جاتا اور یہ ہونا بھی نہیں چاہیے۔ کیونکہ رونا اور غم کرنا ہم جنس ہونے کے سبب سے رقت پیدا کرتا ہے اور وہ ایک عمدہ صفت ہے کیونکہ لوگوں کا باہم مالوف و مانوس ہونا اس پر موقوف ہے اور نیز مزاج انسانی کا بشرطیکہ وہ سالم ہو یہ مقتضی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((انما یرحمہ اللہ من عبادہ الرحماء)) اللہ تعالیٰ اپنے انہیں بندوں پر رحم فرماتا ہے جو رحم دل ہیں۔ اور فرمایا ہے:

((ان اللہ لا یعذب بدمع العین ولا بحزن القلب ولا کن یعذب بهذا و اشار الی لسانہ او یرحمہ)).

”اللہ تعالیٰ آنکھوں آنسوؤں اور دل کے غمگین ہونے سے نہیں عذاب دیتا اور زبان کی طرف اشارہ فرما کے ارشاد کیا کہ اس کے سبب سے عذاب دیتا ہے۔“

اور فرمایا ہے:

((لیس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوی الجاہلیۃ)).

”جو شخص رخسارے پیٹنے اور گریبان پھاڑنے اور جاہلیت کی باتیں اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

اس میں بھی یہ ہے کہ ان باتوں سے غم بڑھتا ہے اور جس وقت جس کا کوئی مر جاتا ہے وہ بمنزلہ مریض کے قابلِ علاج کے ہوتا ہے تاکہ اس کا مرض کم ہو اور یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کی بیماری بڑھانے میں کوشش کی جائے اور نیز جب اُس پر مصیبت پڑ چکی تو وہ اُس سے فارغ ہو گیا اب اس کو قصد اُس مصیبت میں نہ پڑنا چاہیے اور نیز اس بے قراری کے بڑھنے میں احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہونے کا سبب ہو اور نیز اہل جاہلیت لوگوں پر اپنا نمائشی و ردِ ظاہر کرنے کے لیے رویا کرتے تھے اور یہ خبیث اور نہایت مضر عادت ہے اس لیے آپؐ نے ان کو اس سے منع کیا اور آپؐ نے نوحہ کرنے والی عورت کے باب میں فرمایا ہے۔ ((تقام یوم القیامۃ و علیہا سربال من قحطران و درع من جرب)). میں کہتا ہوں یہ اس لیے ہوا کہ اس کے گناہ نے اُس کو خیر یا تو اسی صورت میں اس کو سزا دی گئی کہ تمام اس کا بدن بدبو بھرا ہوا ہے اور کھڑی اس لیے کی جائے گی تاکہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو یا اس واسطے کہ نوحہ اس نے کھڑے ہو کر کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((اربع فی امنی من امر الجاہلیہ لا یتروا... الخ)). چار باتیں میری امت میں جاہلیت کی ایسی ہیں کہ اُن کو نہ چھوڑیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو ان باتوں سے اُن لوگوں کا نہ چھوٹنا اس وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ باتیں طبیعت بشریہ کی حد سے بڑھ جانے سے پیدا ہوتی ہیں جس طرح حد سے زیادہ شہوت کا ہو جانا کیونکہ نفوس کے اندر ایک قسم کی غیرت و عار ہے جو انساب میں ظاہر ہوتی ہے اور مردوں کے ساتھ جو ان

کو محبت ہے وہ آدمی کو روئے پیٹنے پر آمادہ کرتی ہے اور ایک انکل ہے جس کے سبب سے خواہ مخواہ ستروں سے بارش چاہتے ہیں۔
 ہذا کسی قسم کے لوگ ہوں اہل عرب ہوں یا اہل عجم سب کا یہ دستور ہے اور آنحضرت ﷺ نے اُن عورتوں کے باب میں جو جن زدہ کے
 ساتھ جاتی تھیں فرمایا ہے ((ارجعن موزورات غیر ماجورات)) گنہگار ہو کر نہ ماجور ہو کر لوٹ جاؤ۔ میں کہتا ہوں ان کو
 اس لیے منع کیا گیا کہ ان کے جانے سے شور اور روئے پیٹنے سے اور صبر کے نہ کرنے اور ستر کے کھلنے کا احتمال ہے اور آنحضرت ﷺ
 نے فرمایا ہے ((لا يموت بمسلم ثلاثة من الولد فيلح النار)) ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مر جائیں اور پھر
 وہ دوزخ میں جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے طلب ثواب کر کے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا ہے اس کے
 علاوہ اور کئی وجہ ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اُن کو وہاں دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((من غرمصا بافله مثل
 اجره)) جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تسلی کرتا ہے تو اس کو بھی مثل اس کے ثواب ملتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ
 جس قدر مصیبت زدہ کو رقت ہوتی ہے ایسی ہی اس تسلی دینے والے کو اور دوسرے یہ کہ عالم مثال کا مدار معانی مناسبہ کے ظاہر ہونے
 پر ہے پس مصیبت زدہ کے تعریف کرنے میں مصیبت کی صورت معوم ہوتی ہے ہذا مثل اسی کے جزا پائے گا اور آنحضرت ﷺ نے
 فرمایا ہے ((اصنعوا لال جعفر طعاما فقد اتاهم ما شغلهم)) جعفر کے کنبہ کو کھانا تیار کرو کیونکہ اُن کو ایسا حادثہ پیش ہوا
 ہے جس سے وہ اور کام نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ اہل مصیبت کو کھانا کھانا بہدردی کا باعث اور بھوک مرنے سے اُن کی حفاظت
 ہے اور بھی آپؐ نے فرمایا ہے ((نهيتكم عن زيارة القصور فزوردها)) میں نے تم کو زیارت کرنے سے منع کر دیا تھا مگر اب
 ان کی زیارت کیا کرو۔ میں کہتا ہوں آپؐ نے ان کو قبروں کی زیارت سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ اس کے سبب سے قبر پرستی کا
 دروازہ مفتوح ہوتا تھا پھر جب اصول اسلام و اتکام ہو گیا اور عبادت بغیر اللہ ہونے پر اُن کے دلوں کو اطمینان ہو گیا اس لیے بعد کو
 اُن کے لیے زیارت کرنے کی اجازت دے دی اور اس اجازت وہی کی علت بھی بیان فرمادی کہ اس کا بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ
 قبروں کی زیارت کرنے سے موت یاد آتی ہے۔ اور دنیا کے تغیرات سے عبرت حاصل ہونے کا سبب ہے۔

جب قبر کی زیارت کے لیے جائے تو اہل قبور کے حق میں یہ دعا کرنی آئی ہے

السلام علیکم یا اهل الديار من المومنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون
 نسال اللہ لنا ولكم العافیة۔

اور ایک روایت میں ہے:

السلام علیکم یا اهل القصور یغفر اللہ لنا ولكم و انتم سلمنا و نحن بالاثر۔ واللہ اعلم۔



اُن احادیث کا بیان جو زکوٰۃ کے باب میں آئی ہیں

معلوم کرنا چاہیے زکوٰۃ میں جن امور کی رعایت کی گئی ان میں سے زیادہ مہتمم باشان دو مصلحتیں ہیں۔ ایک مصلحت کا انجام نفس کا شائستہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل بدترین اخلاق میں سے ہے اور آخرت کے اندر نہایت ضرر پہنچانے والی صفت ہے اور بخل جنب مر جاتا ہے تو اس کا قلب مال کی محبت میں الجھ رہتا ہے اور اس وجہ سے وہ مذاب میں مبتلا رہتا ہے اور جب انسان زکوٰۃ کا عادی ہو جاتا ہے اور بخل کی صفت کو اپنے دل سے دور کر دیتا ہے آخرت میں اس سے اس کو بہت نفع پہنچتا ہے اور آخرت کے اندر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد سب اخلاق میں زیادہ تر نافع دل کی سخاوت ہے جس طرح فرمانبرداری سے نفس کے اندر اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر اطلاع پانے کی صفت حاصل ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح سخاوت کی وجہ سے دنیاوی اخلاق رذیلہ سے پاک ہونے کی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سخاوت فی المیتات ملکیت کے ہیمنہ پر غالب ہونے اور اس کے ملکیت کے رنگ میں رنگ جانے اور اس کا حکم قبول کر لینے کا نام ہے اور ان اوصاف پر نفس کو ان باتوں سے تنبیہ ہوتی ہے اور اپنی ضرورت کے وقت مال کو اللہ کے لیے خرچ کرے اور جو اس پر ظلم کرے اس کو معاف کرے اور حوادث کی سختیوں پر برداشت کرے بانی طور کہ آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے دنیا کی تکلیف اس کو سہل معلوم ہو اس واسطے آنحضرت ﷺ نے ان سب باتوں کا حکم فرمایا اور جو ان سب میں زیادہ دشوار امر تھا یعنی مال کا صرف کرنا اور اس کو چند حدود کے اندر منضبط فرمایا اور نیز قرآن کے اندر بہت سے مقامات میں نماز و ایمان کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے حال کی حکایت میں فرمایا ہے:

﴿لَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُصْلِينَ وَلَمْ يَكُنْ يُطْعِمُ الْمَسْكِينِ وَكُنَّا نَخْشَوْهُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾

”یعنی ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بکنے والوں کے ساتھ بکا کرتے تھے۔“ اور نیز جب کسی مسکین کو سخت حاجت پیش آتی ہے اور تدبیر الہی کا مستثنیٰ ہوتا ہے کہ اس کی یہ تکلیف اس طرح پر دور کی جائے کہ کسی شخص کے دل کے اندر اس پر کچھ مال صرف کرنے کا الہام ہو تو یوں ہی ہو کر رہتا ہے یعنی کسی شخص کا دل الہام کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کے سبب سے ایک روحانی انکشاف ہوتا ہے اور رحمت الہی کے نازل ہونے کا سبب اور اس کے نفس کی تہذیب میں نہایت نافع ہو جاتا ہے اور احکام شریعہ کے اندر جو لوگوں کی طرف بالا جمال الہام متوجہ ہوتا ہے الہام کے فوائد میں الہام تنصیلی سے وہ کم درجہ کا ہوتا ہے اور نیز مزاج سلیم کی سرشت میں اپنے ہم جنس کے ساتھ ہمدردی داخل ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہونا موقوف ہوتا ہے جس شخص میں ہمدردی نہیں ہوتی اس کے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے جس کی اصلاح اس پر واجب ہے اور نیز صدقات گناہوں کے دور ہونے اور برکات کے زیادہ ہونے کا سبب ہوتی

ہیں۔ چنانچہ سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور دوسری مصلحت شہر کے حق میں ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کے اندر لامحالہ ہر قسم کے لوگ ناتوان اور حاجت مند وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر فقراء اور اہل حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ لوگ ہلاک ہو جائیں اور بھوکے مر جائیں اور نیز شہر کے انتظام کے لیے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے جس کے اندر اُس کے محافظین اور مدبرین اور کام کی معاش کا مدار ہو اور چونکہ وہ لوگ اس شہر کے کارکن اور اس کے حق میں نفع پہنچانے والے ہیں اور اس کے سبب سے آج اور روزگار نہیں کر سکتے لہذا ضروری ہوا کہ اُن کی معاش اس شہر سے حاصل کی جائے اور خاص خاص لوگ اُن کے خرچ کے بسہولت مشغول نہیں ہو سکتے یا تحمل ہی نہیں کر سکتے اس لیے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصیبت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے شل کر دیا جائے لہذا شارع نے ایک دوسرے میں داخل کر دیا پھر اس بات کی ضرورت پڑی کہ ہر طرح کے مال کے لیے زکوٰۃ کی مقدار مقرر کی جائے اس لیے کہ اگر مقدار مقرر نہ ہوتی تو جو کمی سے دینا چاہتا تو وہ کمی سے دے سکتا تھا اور جو زیادتی سے لینا چاہتا تو زیادتی سے لے سکتا تھا اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ اُس کی مقدار زیادہ مقرر نہ کی جائے کہ اس کے دینے سے اُن کو بار نہ گزرے اور اس کے بخل کی صلاح نہ ہو اور نہ اس قدر زیادہ مقرر کی جائے کہ اس کا ادا کرنا اُن پر گراں نہ ہو اور نیز اس کے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر کی جائے جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد جلد ان کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اس کا ادا کرنا اُن کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس کے ادا کرنے سے ان کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ اور محافظین بعد انتظار شدید کے تمتع اٹھائیں اور مصیبت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی مناسب صورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جائے۔

بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اس قانون کو برتتے رہے ہیں۔ اور لوگ اس کے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عجم و عرب عادی ہیں اور وہ عجم و عرب کی چیز کے ہو گئی ہے جس کے سبب سے وہ تنگ دل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اس کو ایسا مان لیا ہے کہ اُن پر اس کا بار نہیں ہے۔

ان سے لوگوں کو تکلف کرنا نرم کی شان کے مناسب اور ان کے قبول کرنے کے قریب ہے اور جن ابواب کے حوک عادلہ عادی ہیں ان پر وہ گراں نہیں ہے اور سب کی قتل نے ان کو تسلیم کر لیا ہے وہ چار باب ہیں۔ اول تو یہ کہ اموال نامیہ میں سے زکوٰۃ لی جائے یہ وہ مال و مخالفت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا بڑا حصہ بیرون شہر کی آمد و رفت پر ہے اور نیز ان میں سے زکوٰۃ لینا ان کو بھی آسان ہے اس لیے کہ ہر وقت اس مال کا بڑا حصہ ان کو معلوم رہتا ہے تو اس سے زکوٰۃ کا دینا ان کو آسان ہے اور جو مال ہائے رستہ ہیں ان کی قیمتیں کم ہیں ایک تو مویشی جو بکھل میں چرتے ہیں اور ان کی نسلیں بڑھتی رہتی ہیں۔ دوسری زراعت قیصری تباہ ہے۔ اور سے زکوٰۃ اُن لوگوں سے جو متول اور صاحب خزانہ ہیں لی جائے۔ اس لیے کہ اُن کو اس بات کی بڑی حاجت ہے کہ پھروں اور غناروں سے اپنے مالوں کی مخالفت کریں اور ان کو اور اخراجات الحق ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان پر بھی بار نہیں ہے کہ اُن سے اخراجات کے ساتھ زکوٰۃ داخل لی جائے اور تیسری زکوٰۃ اُن اموال سے لی جائے جن کو وہ مال بلا مصیبت و سخت

حاصل ہوتا ہے۔ مثل دینوں زمانہ جاہلیت اور جو اہر جو دشمنوں سے ہاتھ لگے ہیں تو ایسے مال بمنزلہ مفت کے اُن کو حاصل ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اس میں سے زکوٰۃ کا دینا آسان ہے چوتھے یہ ضرور ہے کہ پیشہ وروں پر ٹیکس مقرر کیا جائے اس لیے کہ پیشہ ور لوگ مخلوق میں عام اور بکثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا وصول کیا جائے گا تو اُن کو اس کا ادا کرنا آسان ہوگا اور فی نفسہ وہ مال کثیر ہوگا اور جو کہ دُور کے شہروں سے تجارتوں کا جاری رہنا اور کھیتوں کا کٹنا اور پھلوں کا توڑا جانا سزاوار ہوا کرتا ہے اور زکوٰۃ کی قسموں میں یہ ایک قسم سب میں بڑی ہے اس لیے ان چیزوں کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی اور نیز ایک سال میں ہر ایک قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے طبائع مختلف ہیں اور نیز پورے ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لیے ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کے لیے مناسب ہے اور نیز مصلحت کے اعتبار سے زیادہ آسان اور موافق صورت یہ ہے کہ جس قسم کا مال ہو اسی قسم میں سے زکوٰۃ لی جائے اس لیے اونٹوں کے دانگ میں سے اونٹنی لی جاتی ہے اور گایوں کے گھد اور بکریوں کے ریوڑ میں سے گائے اور بکری لی جاتی ہے پھر یہ ضروری ہے کہ مثال اور تقسیم اور تلاش سے اس قسم کے اموال معلوم کیے جائیں تاکہ ان کے ذریعہ سے جامع اور مانع ان کی تعریفیں ہو سکیں۔ اکثر شہروں میں مویشی اونٹ گائے اور بکریاں ہوتی ہیں اور ان کے لفظ میں وہ سب آ جاتی ہیں اور گھوڑوں کے گائے اکثر جگہ نہیں ہوا کرتے۔ اور اُن کی نسلیں بعض بعض ملکوں میں مثل ترستن کے اور کہیں زیادہ نہیں ہوا کرتی ہیں اور کھیتیاں اُن اناجوں اور پھلوں کو کہتے ہیں جو پورے سال بھر تک باقی رہ سکیں اور جو سال بھر تک نہ رہ سکیں تو ان کا نام ترکاریاں ہیں اور تجارت اس کا نام ہے کہ کوئی چیز اس ارادہ سے خرید کی جائے کہ اس میں نفع ہو اس لیے کہ جو شخص بہت زیادہ سے کسی چیز کا مالک ہو جائے اور اتفاقاً وہ اس کو فروخت کرے اور اس میں نفع ہو جائے اس کو ناجر نہیں کہا کرتے اور خزانے سونے چاندی کی ایک مقدار کثیر کو کہتے ہیں جو مدت دراز تک محفوظ حالت میں رہے دس درہم یا بیس درہم کو اگرچہ وہ برسوں تک باقی رہیں خزانہ نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی علاوہ سونے چاندی کے اور سرمایوں کا نام بھی خزانہ نہیں ہے گو وہ کتنے ہی ہوں اور جو چیز صحت، شہ آتی جاتی رہے اور وہ مستقل طور پر نہ ہو اس کو خزانہ نہیں کہتے یہ تمام مقدمات باب زکوٰۃ میں مسلم قاعدوں کے مرتبہ میں قرار دیے گئے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ ان اشیاء میں سے جن میں شبہ اور ابہام تھا اس کو اُن تعریفوں کے ساتھ منسب فرمایا جو عرب میں مشہور تھیں اور ہر باب میں اہل عرب نے اس کا استعمال کیا تھا۔

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی برائی کا بیان

اب اس بات کی حاجت ہوئی کہ امور مذکورہ بالا کے بعد خرچ کرنے کے فضائل اور ان کی طرف ترغیب بیان فی جہاں کہ دلی رغبت اور دلی سخاوت سے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور زکوٰۃ کی روح یہی ہے اور جس اصطلاح سے انسان کی تہذیب حاصل ہوتی ہے اس کا مدار اسی سخاوت اور رغبت پر ہے اور نیز اس بات کی حاجت ہوئی کہ بخل کی برائیاں اور دنیا سے بے رغبتی کا حال بیان کیا جائے اس واسطے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے اصل نقصان کا مشاودنیا میں بھی ٹوٹنے کی حالت میں ہے اور آخرت میں بھی دنیا

میرے یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اس کے لیے خرچ کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرتا رہتا ہے۔ اللہم اعط منفقاً خلفاً اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کے بدلہ میں اور دے اور جو شخص کنجوس ہوتا ہے اُس کے لیے دوسرا فرشتہ یہ بد دعا کرتا رہتا ہے۔ اللہم اعط ممسکاً ملفاً۔ خدایا کنجوس کو کھودے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

((اتقوا الشح فان الشح اهلك من قبلکم))۔ الحدیث

”بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے تباہ کر دیا۔“

اور فرمایا ہے:

((ان الصدقة تطفی غضب الرب یقیناً))۔

”صدقہ پروردگار کے غضب کو فرد کرتا ہے۔“

اور فرمایا ہے:

((ان الصدقة تطفی الخلیئة کما تطفی الماء النار))۔

”صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔“

اور فرمایا ہے:

((فان الله يتقبلها بيمينه ثم يربها لصاحبها)) الحدیث

”پس اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور پھر دینے والے کے لیے اس کی پرورش فرماتا رہتا ہے۔“

میں کہتا ہوں اس سب کا مجید یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں جو بنی آدم کی اصلاح حال کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شخص شہر کے یا صرف اپنی ہی ذات کی اصلاح میں کوشش رکھتا ہے اُس سے لیے رحمت ہوتی رہتی ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ دعا اور رحمت اس خرچ کرنے والے کی طرف ہمک پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے ملاء سافل اور بنی آدم کے قلوب میں اس بات کا القاء ہوتا ہے کہ اُس کے ساتھ سلوک کریں اور وہ رحمت اس کے ناموں سے دور ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس صدقہ کو قبول فرماتے ہیں یہ ہیں کہ عالم مثال میں اس عمل کی صورت اُس شخص کے نام سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ملاء اعلیٰ کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس صورت کو آشوب نما ہوتا رہتا ہے آخرت میں زکوٰۃ دینے والے کے لیے یہ نقصان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من صاحب ذهب ولا فضة لا بودی منها حقها الا اذا کان یوم القيامة صفحت له

صفائح))۔ الحدیث

”وہی سونے والا اور پانہی والا جو اس میں سے حق نہیں نکالتا ہے اس سے نہیں پھوٹ سکتا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو

اس سے لیے پتہ بنائے جائیں گے۔“ انیہ حدیث تہ اور فرمایا ہے

مثل له شحاً ثلثاً الفرع ”ان کا دل اس کے لیے اقرع سانپ بن جائے گا۔“

اور اونٹ اور گائے اور بکری میں بھی اسی کے قریب قریب آپؐ نے فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے اس قسم کی سزا ہونے کے دو باعث ہیں ایک تو اصلی سبب ہے دوسرا اس کے لیے بمنزلہ تاکید کے ہے وہ سبب یہ ہے کہ جس طرح ایک صورت ذبیہ دوسری کو شش کر لیتی ہے جس طرح خیالات کے سلسلہ میں ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے یا جس طرح زمین کے اندر ایسی ایک صورت کا پایا جانا کہ جس کا تصور دوسری صورت کے تصور پر موقوف ہے اس موقوف مایہ کے تصور کو مستلزم ہوتا ہے مثلاً باپ ہونا اور بیٹا ہونا جیسے منی کے ظروف کا منی سے بھر جانا اور پھر قوائے فکر یہ کے اندر اس کے بنی رات کا چڑھنا نفس اس بات کی حرکت پیدا کر دیتا ہے کہ خواب میں عورتوں کی صورتوں کا مشاہدہ کرے یا جیسے دماغ کے اندر تاریک بنی رات کے بھر جانے سے نفس کے اندر ان چیزوں کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جو لوگوں کو ایذا دینے والی اور ہولناک ہوتی ہیں مثلاً باتھنی کی صورت اسی طرح جب نفس پر قوت مثالیہ کا فیضان ہوتا ہے تو فی نفسہ اور اکات کا مقتضی ہوتا ہے کہ بخل کی صورت اس کے سامنے مال کی صورت میں ظاہر ہو اور پھر اس صورت سے اس کے نہ دینے اور اس کی نگرانی میں بہت رنج اور تکلیف اٹھانے کی صورت ظاہر ہو اور اس کے قوائے فکر یہ پورے طور پر اس خیال سے بھر جائیں اور جس طرح ان چیزوں سے تکلیف پہنچانے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے اسی طریقہ سے اس کو تکلیف پہنچے مثلاً سونے اور چاندی سے تکلیف پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے داغ لگایا جائے اور اونٹ سے تکلیف پہنچنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اس کو پیروں کے تلے دا بے اور کانٹے اور علیٰ ہذا التیاس اور چونکہ ملا، اسی کو اس بات کا ظم ہے اور بندوں پر زکوٰۃ دینا ان میں مقرر ہو گیا ہے اور نفوس بشریہ کا ان چیزوں سے ایذا پانا ملا، اسی کو معلوم ہے اس سبب سے میدان حشر میں اس صورت کا فیضان ہوتا ہے اور سانپ کی صورت اور پتروں کی صورت کے ظاہر ہونے میں یہ فرق ہے کہ سانپ کی صورت اس شخص کے لیے ظاہر ہوگی جس پر اجمالاً مال کی محبت کا غلبہ ہے اس لیے یا تو خود مال ہی اسی ایک چیز کی صورت میں ظاہر ہو جائے گا یا اس کے دل کو مال کی محبت کا طوق کی طرح گھیر لینا اور دل کا اس سے اذیت پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے کی صورت میں ظاہر ہوگا اور دوسری صورت ایسے شخص کے لیے ظاہر ہوگی جس کو سونے چاندی کی صورت سے محبت ہے اور اس کی حفاظت میں اپنی جان کھوتا رہا ہے۔ اور اس کے قوائے فکر یہ دینار و درہم کی صورت سے بھرے ہوئے ہیں وہ صورتیں اس کے لیے بڑی بڑی صورتوں میں ظاہر ہو کر موجب اس کے عذاب کا ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((السَّخِي قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ)) یعنی نئی آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جنت کے نزدیک ہے لوگوں کے نزدیک ہے آگ سے بعید ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے بعید ہے جنت سے بعید ہے لوگوں سے بعید ہے آگ سے نزدیک ہے اور جاہل نخی اللہ تعالیٰ کو عابد بخیل سے پیارا ہے میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حجاب نفسانی کے دور ہو جانے کی قابلیت رکھتا ہے اور جنت سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص صفاتِ رذیلہ کو جو قوتِ ملکی کے بالکل منافی ہیں چھوڑ کر اس بات کی قابلیت رکھتا ہے کہ اس کی قوتِ بیکسی جو ان صفات کا محلِ تہی قوتِ ملکی کے رنگ میں رنگ جائے اور لوگوں سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ اس سے وہ محبت کرتے ہیں اور کوئی اس کو نہیں چھیڑتا کیونکہ اکثر لڑائی جھگڑے بخل اور حرص پر ہی مبنی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((ان الشَّحَّ اَهْلَكَ مِنْ كَانَ قَلْبُكُمْ حَمْلُهُمْ عَلٰى اَنْ يَسْفِكُوا دِمَائِهِمْ وَيَسْتَحْلُوا مَحَارِمَهُمْ)) حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اسی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا

کہ باہم خوشنویزی کریں اور اپنے محارم کو حلال سمجھیں اور جاہل نخی اللہ تعالیٰ کو عابد بنیں اس سے اس واسطے پسند ہے کہ جب دلی سخاوت سے کوئی چیز دی جائے تو اس کا اثر بہ نسبت اس کے زیادہ ہوتا ہے کہ دباؤ سے اور مجبور ہو کر کچھ دیا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((مثل البخيل والمتصدق كمثل رجلين عليهما جنتان)) الحدیث

”بخیل اور نخی کا مال ان دو شخصوں کا سا ہے کہ ان پر لوہے کی دوڑھالیں ہوں۔“ اخیر حدیث تک۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں سخاوت اور بخل کی حقیقت اور ان کی روح کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جب انسان کو خرچ کرنے کے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں اور وہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اگر نخی اور دلچلا ہے تو اس کے دل میں ایک روحانی مسرت اور مال کے اوپر اس کو ایک قسم کا غلبہ پیدا ہوتا ہے اور اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے حقیر اور ذلیل معلوم ہونے لگتا ہے اور اس کو اس کا چھوڑنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس کے چھوڑنے سے اس کو ایک قسم کی راحت معلوم ہوتی ہے اور نفس کو صفات رذیلہ بھیمہ کے ساتھ جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں اور وہ صفات اس کے اندر منتقل ہو جاتے ہیں ان صفات کے چھوڑنے میں اس خلست کو بہت دخل ہوتا ہے اور وہ آدمی بخیل ہوتا ہے تو خرچ کرنے کے موقع میں مال کی محبت میں اس کا دل مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے مال کی محبت متشکل ہو جاتی ہے اور اس کی محبت اس کے قلب کو دبا لیتی ہے جس کے سبب سے دور ہائی نہیں پاسکتا اور صفات دینہ کے نفس کے اندر جم جانے اور ان کے اندر الجھانے کا یہ خلست بخل نہایت قوی سبب ہے اس تحقیق سے آنحضرت ﷺ کے اس قول کے معنی معلوم کر لینے چاہئیں۔ ((لا يدخل الجنة خبسا ولا بخيل ولا منان)) یعنی جنت میں داخل نہ ہوگا بخل خور اور نہ بخیل اور نہ احسان بتلانے والا اور نیز اس قول کے ((لا يجتمع الشح والایمان فی قلب ابدا)) کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل نہ جمع ہوگا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((للجنة ابواب ثمانية الخ)) جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جنت واقع میں ان امور سے راحت پانے کا نام ہے جن عالم بالا سے نفس پر ترشح ہوتا رہتا ہے۔ مثل رضامندی اور موافقت اور تسلی و فیہ و پناہ پناہ پاک فرماتا ہے۔ «فنی زخمة الله هم فيفا خالدون» پھر اللہ کی رحمت میں ہو کر اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس سے خلاف میں فرماتا ہے «اولئك عليهم لغنة الله والملائكة والناس اجمعين خالدین فیها» ای لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے اور ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے اور کسی تارکیوں سے اسی صفت کے راستہ سے نفس باہر آتا ہے جس نے اعتبار سے ملایہ کا غالب ہونا اور ہمیشہ یہ کا مغلوب ہونا نفس کی سرشت میں داخل ہے۔ اب بعض نفسوں کے اندر شوق اور البہار سے صفت نے اعتبار سے ملایہ کو غالب ہوتا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس شخص کو نماز میں پورا غلط حاصل ہوتا ہے اور دن میں حالت لی صفت سے قوت ملایہ کو غالب ہوتا ہے اور اس کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس شخص کو صدقات لینے دینے اور نیکوئیوں سے راز راز رہنے اور مسلمانوں کے ساتھ تواضع کرنے میں باوجود اپنی عزت کے اس کو نہایت شوق ہوتا ہے یا شہادت لی صفت سے اعتبار سے ملایہ کو غالب ہوتا ہے پس سب بندوں کی اصلاح کے متعلق تدبیر الہی کا نفس میں اعتناء ہوتا ہے اور دل اس بات کو بہت دلی صفت قرار دیتی ہے اور وہ شخص جہاد سے پورا حصہ لیتا ہے یا اس کا نفس ان لوگوں کے نفس میں سے ہوتا ہے جن سے قوی ہے اور مدد میں ہر شے میں راقی ہے اور پھر اس کے دل میں یا تو اس بات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے یا اس کو اپنے نفس پر

اس بات کا تجربہ حاصل ہوتا ہے کہ روزہ رکھنے اور اعتکاف کرنے سے قوتِ بیکمی پست ہو جاتی ہے اور اس ترکیب سے اُس کی تاریکیوں سے نفس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے اس سبب سے وہ شخص ان باتوں کو نہایت شوق سے سن کر دل سے اُن کے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر باب الریان سے اُس کو پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے یہ وہی دروازہ ہے جس کی آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے۔ اور غالباً علمائے راسخین کا دروازہ اور معصیت زدہ اور فقراء کا دروازہ اور انصاف کا دروازہ بھی انہیں میں ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُن سات شخصوں کے اندر جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں داخل کرے گا امام عادل کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اس شخص کو لوگوں کے اندر باہم محبت پیدا کرنے میں بڑی کوشش رہتی ہے اور توکل کرنے اور بدشگونی پر عمل نہ کرنے کا دروازہ بھی انہی میں ہے اور ان ابواب میں سے ہر باب کے متعلق بہت سی احادیث مشہورہ وارد ہوئی ہیں الحاصل نفس کے رحمت الہی میں داخل ہونے کے یہ بڑے بڑے عالیشان دروازے ہیں اور حکمتِ الہی کا مقتضی ہے جنت کے بھی جس کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور ان دروازوں کے مقابل میں آٹھ دروازے ہوں اور جو لوگ بڑے بڑے کاملین اور سابقین میں سے ہیں وہ دو دو اور تین تین اور چار چار دروازوں میں سے احسان کی چہار دیواری میں آمد و رفت رکھتے ہیں لہذا قیامت کے روز بھی وہ جنت کے کئی کئی دروازوں سے بلائے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بعض دروازوں سے بلایا جائے گا زیادتی اہتمام کے لحاظ سے اس کو ذکر کے اندر خاص کیا ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة و لیس فیما دون خمس اواق من

الورق صدقة و لیس فیما دون خمس ذو و من الابل صدقة))

”پانچ وسق سے کم چھو ہاروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم

میں صدقہ ہے۔“

میں کہتا ہوں غلہ اور چھوہارے میں پانچ وسق کی مقدار آپ نے اس واسطے مقرر فرمائی ہے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبے

کو ایک سال تک کافی ہو سکتی ہے اس واسطے کہ کم سے کم گھر میں ایک خاوند اور ایک بیوی اور ایک خدمت گار یا اُن کا ایک بچہ ہوتا ہے۔

اور جو اس کے قریب قریب ہو وہ بھی اس قبیلہ سے ہے اور اکثر ایک آدمی کی خوراک ایک رطل یا ایک مد کی ہوتی ہے پس اس حساب

سے اگر ہر شخص ان میں سے اس قدر رکھائے تو ایک سال کے لئے یہ مقدار کافی ہو سکتی ہے اور کچھ اُن کے وقت بوقت یا نان خورش

کے لیے باقی رہ سکتا ہے اور چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ اس واسطے مقرر کی کہ یہ مقدار بھی چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ اکثر ملکوں

میں غلہ کا نرخ قریب قریب ہو پورے ایک سال کے لیے کافی ہو سکتی ہے اور معتدل ملکوں میں تلاش کرنے سے لوگوں کی عادات کا

گرائی اور ارزانی میں یہ حال معلوم ہو سکتا ہے اور اونٹ کی تعداد پانچ مقرر کی گئی اور ان پانچ کی زکوٰۃ ایک بکری واجب کی گئی اگرچہ فی الحقیقت جس جنس کا مال ہو اسی قسم کا مال زکوٰۃ میں لینا چاہیے اور نیز زکوٰۃ کی نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنی چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ سب مواشی میں عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے چاہے اس کو ذبح کر کے کھاؤ چاہے سوار ہو چاہے دودھ پو چاہے اس سے بچے لو۔ اور اس کے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں اور بعض لوگ صرف تھوڑی سی اونٹنیاں پال لیتے ہیں اور دانگ کا کام ان سے لے لیا کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں ایک اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کی ادنیٰ نصاب کے برابر سمجھے گئے اور ایک بکری ان کی زکوٰۃ مقرر کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((لِیْسَ عَلٰی الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِیْ عِبْدِهِ وَ لَا فَرَسِهِ))۔ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں کو پیداوار بڑھانے کی غرض سے جمع کرنے کا دستور نہیں ہے اور اسی طرح اکثر ملکوں میں گھوڑوں کے اندر قہر بل اعتبار بڑھاؤ نہیں ہوتا جس کا مویشی کے بڑھاؤ کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے لہذا اونٹ اور گھوڑا اموال نامیہ میں داخل نہیں ہے مگر جب کہ تجارت کی غرض سے ان کو پالا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عمرو بن حزم وغیرہم رحمہم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں میں یہ بات متواتر ہے کہ پانچ اونٹ کی زکوٰۃ پوئیں تک ایک بکری ہے اور پچیس اونٹ کی پینتیس تک بنت مخض (وہ بچہ جو ایک برس سے نکل کر دوسرے میں پاؤں رکھے ہے) اور پچتیس سے پینتالیس تک بنت لبون (وہ بچہ جو تیسرے برس میں ہو) ہے اور چھیالیس سے ساٹھ تک حقہ (وہ بچہ جو چوتھے برس میں ہو) اور اسٹھ سے پچتر تک جذعہ ہے (وہ بچہ جو پانچویں برس میں شروع ہو اور پچتر سے نوے تک دو بنت لبون ہیں اور اکیانوے سے ایک سو میں تک دو حقے ہیں۔ اور ایک سو میں سے آگے ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اصل اس میں یہ ہے کہ جب اونٹوں کی دانگوں پر اونٹوں کا تقسیم کرنا چاہا تو چھوٹی اونٹنی کے چھوٹے دانگ لے لیے اور بڑی کو بڑے کے لیے انصاف کے اعتبار سے مقرر کیا اور دانگ کا اطلاق ان کے عرف میں بیس سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے پچیس سے اس کو منضبط کیا پھر ہر دہائی پر عمر کی زیادتی و لحاظ کیا گیا۔ جس میں عرب کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ہر پندرہ میں اس زیادتی کو مقرر کیا اور سب اب رحمہم کی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بکریوں کی زکوٰۃ چالیس سے ایک سو میں تک میں ایک بکری ہے اور اس سے آگے دو سو تک دو بکریاں ہیں اس کے بعد تین سو تک تین بکریاں بعد ازاں ہر سیکڑے پر ایک بکری ہے میں کہتا ہوں کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اس کے گاؤں میں بہت سا فرق ہوتا ہے کیونکہ بکریوں کا پالنا آسان ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے چھوٹے گلہ کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے کا اس مقدار سے سہ پندرہ پر اور ہر سیکڑے پر حساب کی آسانی کے لیے ایک بکری کو مقرر کیا اور حضرت معاذ بن جندبہ کے گائے نیل کی زکوٰۃ میں سدیس گنچ مروی ہے کہ ہر تین میں ایک سال کا چھڑا یا بھیرہ ہے اور ہر چالیس میں دو برس کا چھڑا یا بھیرہ ہے اور یہ اس لیے ہے کہ گائے نیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لیے اس میں دونوں کی مشابہت کالی نظر آیا گیا ہے اور احادیث سے یہ بھی بات ثابت ہوتی ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ

چالیسواں حصہ ہے پھر صرف اگر ایک سو نوے درہم چاندی ہے تو اس پر کچھ بھی زکوٰۃ نہیں کیونکہ سونا چاندی جملہ اموال میں نفیس مال ہے جس کے اندر مقدار کثیر صرف کرنے سے لوگوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے اس لیے سب قسموں کے اموال سے اس کی زکوٰۃ کا کم ہونا مناسب ہوا اور سونا بھی چاندی پر قیاس کیا گیا ہے اور اُس زمانہ میں ایک اشرفی دس درہم کو بھنائی جاتی تھی اس لیے سونے کے نصاب میں مثقال ۴ ماشہ مقرر کی گئی اور جن کھیتوں نے بارش یا چشموں کے پاس سے پرورش پائی ہے یا دودھ شری ہے اس پر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو ہاتھ سے پانی دیا جاتا ہے ان پر بیسواں حصہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے اس پر لگان زیادہ ہونا چاہیے اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے اور آنحضرت ﷺ نے انگور اور چھوہاروں کے تخمینہ کرنے میں فرمایا ہے ((دَعُوا الثَّلَثَ فَإِنْ لَمْ تَدْعُوا فِدْعُوا الرُّبْعَ)) ثلث کو چھوڑ دو اور اگر ثلث کو نہ چھوڑو تو ربع چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں اہل زراعت کے ہرج دور کرنے کے سبب سے آپ نے تخمینہ کو مقرر فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ کچھ کچا کچھ پکا کھانا چاہتے ہیں اور نیز صدقہ قبول کرنے والوں کو بھی اس وجہ سے دقت جاتی رہے کیونکہ وہ نہایت دقت سے پھلوں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور چونکہ تخمینہ میں کمی و بیشی کا احتمال ہوتا ہے اور زکوٰۃ میں تخفیف مناسب ہے اور جو چیز تجارت کی غرض سے جمع کی جائے بجز قیمت کے اس کا اندازہ نہیں ممکن ہے اس لیے نقد کی زکوٰۃ پر اس کا قیاس کرنا ضروری ہوا اور دینہ کے اندر خمس (پانچواں حصہ) ہے۔ اس لیے کہ اس کو ایک طرح سے مال غنیمت سے مشابہت ہے اور ایک طرف سے مفت میں داخل ہے اس لیے اس کی زکوٰۃ پانچواں حصہ مقرر کی گئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ہر غلام اور حر اور مرد اور عورت چھوٹے و بڑے پر جب کہ مسلمان ہوں ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع جو مقرر فرمائے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک صاع اقط (وہ خاص قسم کا کھانا ہوتا ہے) یا ایک صاع منقہ دی جائے۔ اور ایک صاع اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ غالباً یہ ایک کنبہ کو کافی ہو جاتا ہے اور فقیر کی حاجت پورے طور پر رفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع کے دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور بعض روایات میں جو کہ ایک صاع کو گیسوں کے نصف صاع پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کہ گیسوں کی گرانی تھی اور امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیسوں نہ کھاتے تھے۔ زید بن ارقم نے سرقہ کے قصہ میں اس کو بیان کیا ہے پھر حضرت علیؑ نے فرمایا ہے اِذَا وَسَّعَ إِلَيْهِ فَوَسَّعُوا۔ جب اللہ تعالیٰ وسعت کرے تم بھی وسعت کرو اور عید الفطر میں اس صدقہ کو اس واسطے مقرر فرمایا کہ اول تو اس کے سبب سے عید الفطر کے شعار الہی ہونے کی اس سے تکمیل ہے دوسرے یہ ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لیے طہارت اور اُن کے روزہ کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں سنن کا مقرر کرنا۔ اب رہی یہ بات کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں اس کے باب میں متعارض حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر زیور پر جمع کرنے کا اطلاق بعید ہے لیکن جمع کرنے کے معنی اس میں موجود ہیں مگر احتیاط اسی میں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کر کے اختلاف سے علیحدہ ہو جاؤ۔



زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

مصارف کے اندر اصل یہ ہے کہ شہر و قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے باشندے صرف مسلمان ہوں اور کسی غیر ملت کے لوگ ان کے پاس نہیں رہتے ایسے شہروں پر تخفیف کرنا مناسب ہے کیونکہ ایسے شہروں کو فوج کے اکٹھے کرنے اور جہاد کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں اور بسا اوقات ایسے شہروں میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہو جاتے ہیں جو روز و عام کے کام اپنے متعلق کر لیتے ہیں اللہ پاک نے محسنین کے لیے جس اجر کا وعدہ کیا ہے اس کی تصدیق ان کو اس بات پر آمادہ کر دیتی ہے اور ان لوگوں کی معاش اپنے مالوں میں ہوتی ہے مسلمانوں کی جماعت کثیرہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی۔ دوسری قسم کے وہ شہر ہیں کہ جن میں اور ملتوں کے لوگ بھی رہتے ہیں ایسے شہروں پر سختی کرنا مناسب ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کافروں پر سخت ہیں باہم مہربان ہیں اور ایسے شہروں کے لیے بہت سی فوج اور مددگاروں کی ضرورت اور نیز اس بات کی حاجت ہے کہ ہر نافع کام کے لیے ایک شخص مقرر کیا جائے اور اس کی معاش بیت المال میں ہو لہذا آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قسموں کے شہروں میں سے جدا جدا طریقہ مقرر فرمایا اور مصارف کے اعتبار سے محصول مقرر کیا دوسری قسم کے مباحث کتاب الجہاد میں عنقریب آتے ہیں اور جن شہروں میں صرف مسلمان ہی باشندے ہیں عمدہ مال جو وہاں پیدا ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے جس طرح مصارف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکل جاتا ہے جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اور گم شدہ مویشی جن کے مالک کا پتہ نہیں اور وہ نقطہ جس کو بیت المال کے محرموں نے اٹھالیا اور پھر اس کا اعلان کیا گیا اور کوئی مالک نہ معلوم ہوا اور اسی قسم کے اموال۔ اس قسم کے مال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے جن کا نفع عام و شامل ہو اور اس میں کسی کی تمسک نہ پائی جائے جیسے نہروں کا لڑا ہوا، بنا ہوا، مساجد اور کنوؤں اور چشموں کا کھودا نا اور اسی قسم کے کام۔ اور دوسری قسم مال و صدقات ہیں جو مسلمانوں کے مال سے لے کر بیت المال میں جمع کیے جاتے ہیں ایسے اموال کو ان مواقع میں خرچ کرنا چاہیے جس میں کسی کو مالک بنایا جائے اس بات کی دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے۔ ﴿أَنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ﴾ اور اس کا بابا جمال بیان یہ ہے کہ اگرچہ اس قسم کے مال بہت لڑتے ہیں مگر سب سے بڑھ کر تین زیادہ ضروری ہیں ایک متان لوگ اور شارع نے فقراء اور مساکین اور مسافروں اور قرضداروں کے اندر ان کو ترجیح دینا ہے دوسرے محافلین اور شارع نے مجاہدین اور محصلین میں ان کو منحصر کیا ہے اور تیسرے یہ ہے کہ ان فتوں کے دور کرنے میں مال صرف کیا جائے جو مسلمانوں میں واقع ہوئے ہیں یا دوسرے لوگوں سے مسلمانوں میں ان فتوں کے واقع کرنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ضعیف الاسلام لوگ کفار سے میل پیدا کر لیتے ہیں یا نہیں کوئی کافر مسلمانوں سے ساتھ کوئی داؤ کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کو کچھ مال دے اس کی تالیف کی جاتی ہے اور ان دونوں کو وہ مال و صدقہ شامل ہے یا مسلمانوں کے باہمی نزاعوں میں اس مال کو خرچ کیا جاتا ہے۔

اور ان پر تقسیم کرنے کی صورت اور یہ بات کہ کن لوگوں سے دینا شروع کیا جائے اور کس قدر دیا جائے امام کی رائے پر موقوف ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے خاتم آزاد کر سکتا ہے اور حج میں بھی دے سکتا ہے اور حضرت امام حسن سے بھی مثل اسی کے مروی ہے پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا: **إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ** ان مواضع سے جس میں چاہے صرف کرے کافی ہے اور ابو آلاسؓ سے مروی ہے کہ ہم کو آنحضرت ﷺ نے حج کے لیے صدقہ کا اونٹ سواری کے لیے دیا۔ اور حدیث صحیح میں آیات: **(وَمَا خَالِدٌ فَانَكُم تَظْلَمُونَ خَالِدًا وَقَدْ احْتَبَسَ ان رَاعِيَهُ وَاعْتَدَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ)** یعنی اور خالد پر تو تم ظلم کرتے ہو اس نے تو اپنی زرہ بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ میں ہرا دیئے ہیں۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر چیز کے عوض دوسری چیز جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو دے تو جائز ہے دوسرے یہ کہ فی سبیل اللہ دے دینا صدقہ کی جگہ کافی ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اللہ پاک کے اس حکم میں **إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ** ... (الآیۃ) حصر اضافی یعنی ان مصارف کی نسبت حصر ہے جن کو منافق لوگ اپنی خواہش کے موافق زکوٰۃ کا مصرف بننا چاہتے تھے جیسے کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے اس میں رمز یہ ہے کہ حوانج بے شمار ہوا کرتے ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے اندر کوئی اور مال کثیر نہیں ہوتا لہذا اس میں وسعت دینا ضروری ہے کہ شہر کے حوانج کو وہ مال کافی ہو سکے واللہ اعلم اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **(ان هذه الصدقات انما هي من اوساخ الناس و انما لا تحل لمحمد ولا آل محمد)** یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لیے یہ نہ محمد کے لیے حلال ہیں اور نہ اولاد محمد کے لیے حلال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ صدقات کے میل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا دفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں وہ انسان کا فدیہ ہوتے ہیں اس لیے ملأ اعلیٰ کے ادراکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح صورت ذہنیہ اور نقطیہ اور خطیہ میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کے یہ نام ہیں وہی چیزیں ذہن اور الفاظ اور کتابت کے اندر موجود ہیں اور ہمارے نزدیک اس کا نام وجود شیمی ہے اس لیے بعض نفوس عالیہ میں اس بات کا ادراک پیدا ہوتا ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی تاریکی پائی جاتی ہے اور کبھی اس امر کا امکانہ سافلہ کی طرف نزول ہوتا ہے اور بد بخش اہل مکاشفہ بھی اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور میرے سردار والد ماجد قدس سرہ بھی اس بات کی اپنی ذات سے حکایت کرتے تھے جس طرح صالحین کو زنا یا اعضا خبیثہ کا ذکر ناگوار معلوم ہوتا ہے اور نفیس اشیاء کے ذکر سے بٹاؤ ہوتا ہے اور اللہ پاک کے نام کی تعظیم کرتے ہیں ایسے ہی جس مال کو انسان با کسی عوض کے خواہ وہ عوض کوئی خاص شے ہو یا صرف نفع ہی ہو اسی سے لے لیتا ہے۔ اور اس دینے والے کو اس شخص کی عزت مقصود نہیں ہوتی ہے تو اس مال کے لینے میں اس شخص کو ایک قسم کی ذلت و ابانت حاصل ہوتی ہے اور اس معطل کو اس شخص پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **(اليد العليا خير من اليد السفلى)** یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ بہر حال اسطور سے کمانا تمام پیشوں میں بدترین پیشہ ہے اور جو لوگ مقدس اور بزرگان دین ہیں ان کی شان کے بالکل منسب نہیں اور اس قسم میں دوسرا اور امر ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس صدقہ لینے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لیے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے تو اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان

ہوتے اور آپ کے حق میں وہ وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا ہے اور اس بات کا ظاہر کر دینا چاہا کہ صدقات کے منافع انہیں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہیں کے اعتبار سے لے کر انہیں کے فقراء کو واپس کر دیئے جاتے ہیں یہ ان کے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے اور چونکہ سوال کرنے میں ایک بڑی ذلت کا سامنا ہوتا ہے اور سوال کرنے والا حیا سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کی مروت میں نفاق آ جاتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے بلا ایسی ضرورت کے جس کی وجہ سے آدمی مجبور ہو سوال کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور نیز جب لوگوں کو لوگوں میں سوال کی عادت پڑ جائے اور ان کو سوال کرنے میں کچھ غیرت باقی نہ رہے اور بھیک سے مال جمع کرنے لگیں تو اس کے سبب سے ضروری پیشوں کا متروک ہونا لازم آتا ہے یا ان پیشوں کی قلت اور مالداروں پر بلا وجہ دقت لازم آتی ہے لہذا حکمت شرعیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ سوال سے غیرت کرنے کی صورت ان کے سامنے ظاہر کی جائے تاکہ لوگ بلا ضرورت شدید کے سوال کرنے کا ارادہ نہ کریں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((من سال الناس لبشرى ماله كان خموا شافى وجهيه او رصفيا كله من جهنم))۔

”جو شخص اپنا مال بڑھانے کی غرض سے لوگوں سے سوال کرے گا تو اس کا منہ چھلا ہوا ہوگا یا انکارا ہوگا جہنم سے کہ کھائے گا اس کو۔“

میں کہتا ہوں اس میں یہ رمز ہے کہ لوگوں سے سوال کرنے میں جو اس کو تکلیف رہی ہے تو وہ اسی صورت میں ظاہر ہوگی جس کے ہاتھ میں لینے سے ظاہر میں تکلیف پہنچا کرتی ہے جیسے آگ کا انگارہ یا اس کے کھانے سے تکلیف پہنچتی ہے جیسے پتھر بریاں کیا ہو آگ میں اور لوگوں میں اس کا ذلیل اور پشیمان ہونا ایسی صورت میں ظاہر ہوگا جو اس کے بہت مناسب ہے یعنی منہ پر خراش ہونا اور جس شخص کو کوئی آفت عظیم پہنچے جس کے سبب سے اس کا تمام مال برباد ہو گیا ہو اس کے حق میں آیا ہے کہ اگر وہ شخص سوال کرے اور اس قدر مال جمع کر لے کہ اس میں اس کی معاش حاصل ہوتی رہے تو اس کے لیے جائز ہے اس غناء کا اندازہ جس کے ساتھ سوال کرنا منع ہے ایک اوقیہ یا پچاس درہم سے ایک مدیث میں آیا ہے اور ایک حدیث میں اس کا اندازہ اتنے کھانے کے ساتھ آیا ہے جو صبح و شام کے لیے کافی ہو سکے اور ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں اور ہر کسی کے لیے بہ ادیشہ ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا رہنا ناممکن ہے۔ امکان سے وہ ہمارے امکان مراد ہے جو ان علوم میں مستعمل ہوتا ہے۔ جن کے اندر ریاست و تمدن سے بحث کی جاتی ہے اور اس سے وہ امکان مراد نہیں ہے جو علم تہذیب النفس میں بولا جاتا ہے پس جو شخص ہاتھ کا پیشہ لگاتا ہے جب تک اس کے پاس اس کے پیشہ سے آلات نہ ہوں تو اس پیشہ سے معذور ہے اسی طرح جو شخص کھیتی کرتا ہے کھیتی کے آلات نہ ہونے سے معذور ہے اور تاجر کے پاس جب تک سرمایہ تجارت نہ ہو معذور ہے اسی طرح جو شخص جہاد میں رہتا ہے اور صبح و شام اس کا رزق آتا جاتا رہتا ہے۔ یعنی مال غیرت۔ جیسے آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ تھے تو اس کے لیے اس مقدار کا اندازہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے اور جو شخص بازاروں میں بار باری لگتا ہے یا بنگلے سے گزریاں فراہم کر کے فروخت کیا کرتا ہے یا اور اسی قسم کے پیشہ کرتا ہے تو اس شخص کے حق میں اسی مقدار کا اندازہ یہ ہے کہ اس کا ایک وقت کا کھانا چل سکے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

((لا تلحفو فی المسئلة)) یعنی سوال میں لپٹا مت کرو کیونکہ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوتا کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کچھ طلب کرے اور اس کا سوال مجھ سے اُسے کچھ دیو ادے مگر میرا دل خوش نہ ہو اور پھر میری دی ہوئی چیز اس کے لیے برکت کی جائے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ اثر ہے کہ جو نفوس ملحق بہ طلاء اعلیٰ ہیں ان میں کراہیت اور رضا مندی کی صورت دہیہ بمنزلہ دما مستجاب کے ہوتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے۔ ((ان هذا المال خضر حلو الحديث)) البتہ یہ مال ہرا اور شیریں ہے جو شخص دل کی خوشی سے اس کو لے لیتا ہے اس میں اس کے لیے برکت دی جاتی ہے اور جو دل کی حرص سے لیتا ہے اُس میں اس کو برکت ہونے کی کئی قسمیں ہیں ادنیٰ قسم یہ ہے کہ دل اس سے مطمئن ہو اور اس کی طرف سے دل کو بے قراری نہ ہو مثلاً دو شخص ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک کے پاس بیس بیس درہم ہیں مگر ان میں سے ایک شخص کو اپنے تنگ دست ہونے کا خوف لگا رہتا ہے اور دوسرے کو اس بات کا خیال بھی نہیں ہے بلکہ اس کو امید ہی رہتی ہے اس قسم کے بعد برکت کی وہ قسم ہے کہ اس چیز سے انتفاع زیادہ حاصل ہو جیسے کہ دو شخصوں کے پاس برابر برابر مال ہے اُن میں سے ایک نے اپنے مال کو ضروریات میں صرف کیا اور اس کے دل میں مال کے اچھی جگہ صرف کرنے کا البام پیدا ہوا اور دوسرے نے اُس مال کو ضائع کر دیا اور میانہ روی سے کام نہ لیا نفس کی ہیئت اس برکت کو اس طرح سے چلتی جس طرح دعا کھینچ لی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((من يستعفف بعفه اليه... الخ)) جو کوئی شخص سوال کرنے سے بچے گا اللہ تعالیٰ اُس کو محفوظ رکھے گا۔ میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیفیات نفسانیہ کے حاصل کرنے کو ہمت کے مجتمع ہونے اور ارادہ کے مضبوط ہونے میں کامل دخل ہے۔

اُن اُمور کا بیان جو زکوٰۃ کے متعلق ہیں

اب اس بات کی ضرورت تھی کہ لوگوں کو اس بات کی نصیحت کی جائے کہ صدقہ تحصیل کرنے والے کو خوشی سے صدقہ ادا کیا کریں لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((اذا اناکم المصدق فليصدر عنکم و هو عنکم راض)) یعنی جب تمہارے پاس صدقہ تحصیل کرنے والا آئے پس چاہیے کہ خوش ہو کر تم سے رخصت ہو اور اس میں یہ حکمت ہے کہ اُن کے نفس کی اصلاح ہو جائے اور آپؐ نے یہ بھی چاہا کہ لوگوں کو ظلم کے حیلہ سے زکوٰۃ کے اندر حذر کا موقع نہ رہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے: ((فان عدلوا فلا نفسهم و ان ظلموا فعليها)) پس اگر وہ انصاف کریں گے تو اپنے لیے اور اگر ظلم کریں گے تو اپنے لیے اور اگر ظلم کریں گے تو اپنے لیے اور اس حدیث میں اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((افمن سئل فوقها فلا يعط)) پس جس شخص سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو نہ دے اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ ظلم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو اُس صورت میں کہ جس جگہ نفس نے اُس کا حکم ظاہر کر دیا ہے اس مقام کے متعلق دوسری حدیث ہے یعنی اُسے معمول معین سے زیادہ نہ دینا چاہیے اور ایک وہ صورت ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش اور انکلیں لڑ سکتی ہیں اُن مواضع میں آنحضرت ﷺ نے عذر کے دروازہ کو بند کیا ہے اور صدقہ لینے کے لیے اس بات کی نصیحت کرنی ضروری تھی کہ صدقہ کے لیے میں زیادتی نہ کرے اور ان کے نفس نفس مال کو چھوڑ دے اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرے تاکہ انصاف اور بہت سے مقاصد اُس کی وجہ سے حاصل ہو سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ إِنْ يَعْرِأْ لَهُ رَحًا))

”پس قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں سے دو کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لائے گا اگر وہ اونٹ ہے تو بلبلاتا ہوگا۔“

اس کا رمز ہمارے کلام سابق کے دیکھنے سے جو مانعین زکوٰۃ کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے معلوم ہو سکتا ہے اور نیز اس بات کی ضرورت تھی کہ مال والوں کے فریب اور حیلہ کا دروازہ بند کیا جائے اور اس کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جو مال متفرق ہے وہ جمع نہ کیا جائے اور جو مال مجتمع ہے وہ صدقہ کے ذریعے جمع نہ کیا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

((إِنْ يَتَصَدَّقُ الْمَرْءُ فِي حَيَاتِهِ بِدِرْهَمٍ خَيْرَ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِائَةِ عِنْدَ مَوْتِهِ))

”زندگی کی حالت میں آدمی کو ایک درہم کا صدقہ کرنا مرنے وقت سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔“

اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((مِثْلُهُ كَمِثْلِ الذِّي يَهْدِي إِذَا شَبَعَ))

”یعنی ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ بعد سیر ہونے شکم کے صدقہ دے۔“

میں کہتا ہوں اس کی رمز یہ ہے کہ ایسی چیز کا خرچ کرنا جس کی اس کو حاجت نہیں ہے اور نہ حاجت ہونے کی توقع ہے پوری پوری سزاوت پہنچی نہیں ہے پھر آنحضرت ﷺ نے ان خصلتوں کی تعلیم کا قصد کیا جن سے بخل کا ازالہ یا نفس کی تہذیب یا باہم الفت اور محبت ہوتی ہے اور ان کو بھی صدقات کے قبیلہ سے گردانا تاکہ صدقات کے ساتھ ثمرات کے ان اخلاق کا شریک ہونا معلوم ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((يَعْدِلُ بَيْنَ اثْنَيْنِ صَدَقَهُ)) الْحَدِيثُ

”دو شخصوں میں کوئی انصاف کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔“

اور ان شخص کی اپنی ساری پر سوار کرنے سے مدد کرنا صدقہ ہے اور انہی بات زبان سے کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے جانے سے لیے جاتا ہے اور ہر مرتبہ ازالہ اللہ بہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ سبحان اللہ کو صدقہ ہے اور اسی قسم کی باتیں اور نیز آپ نے فرمائی ہیں ((اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مِسْلَفًا ثَوْبًا عَلَى عُرَى)) الْحَدِيثُ جو دلی مہمان کسی نیک بن مسلمان کو کپڑا پہنائے تو وہ بھی صدقہ ہے اخیر حدیث تک۔ میں جانتا ہوں کئی مرتبہ اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ طبیعت مثالیہ کا تقاضی ہے کہ معافی کا ظہور ان صورتوں میں ہو جو ان سے قریب تر ہیں اور مسلمانانہانے میں کمانے کی صورت پائی جاتی ہے خواہوں کے دینے اور واقعات کے پیش ہونے اور معافی کے نہ ہونے کی صورتوں میں اس بات کی محبت تم کو ظاہر ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی وہاں کو ایک سیاہ عورت کی صورت میں دیکھا اس کی وجہ یہی معلوم ہو سکتی ہے۔

پھر بعض لوگ ایسے تھے کہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو تھوڑے کرغیروں کو صدقہ دیا کرتے تھے اور اس کے اندر ان

لوگوں کی رعایت کا جن کی رعایت ضروری ہے لحاظ نہ پایا جاتا تھا اور یہ بات تدبیر و قریب لوگوں کے ساتھ الفت پیدا ہونے کے بالکل خلاف تھی لہذا اس سے منع کرنے کی حاجت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا: ((دینار انفقته فی سبیل اللّٰہ و دینار انفقته فی رقبة)) الحدیث۔ ایک تو وہ اثرنی ہے جس کو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک وہ ہے کہ جس کی جان چھڑانے میں دے اور ایک وہ دینار ہے جس کو مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار ہے جس کو تو اپنے کنبہ پر خرچ کرے۔ ان سب میں ثواب کے لحاظ سے وہ دینار بڑھ کر ہے جو اپنے کنبہ پر خرچ کرے اور اس حدیث ((خیر الصدقة ما کان عن ظہر غنی و ابدع بمن تئول)) بہتر وہ صدقہ ہے جو غنا کے ساتھ ہو اور اپنے اہل و عیال سے اس کا دینا شروع کرے اور اس حدیث میں کسی نے آپؐ سے عرض کیا کہ کوئی سا صدقہ افضل ہے تو آپؐ نے فرمایا ((جهد المقل و ابداء بمن تئول))۔ تن تک دست کا صدقہ کے لیے تکلیف گوارا کرنا اور اپنے عیال سے دینا شروع کرے منافات نہیں ہے کیونکہ ہر ایک حدیث کی توجیہ جدا جدا ہے اس لیے کہ یا تو غنا سے اصطلاحی غنا مراد نہیں ہے بلکہ نفس کی غنا مراد ہے یا کنبہ کے لیے رزق کا کافی ہونا مراد ہے یا ہم کہتے ہیں کہ صدقہ اس لیے بہتر ہے کہ اس کی وجہ سے غنی کے مال میں برکت بہت ہوتی ہے اور تنگ دست کا صدقہ بایں معنی افضل ہے کہ وہ بخل و خوب دُور کرتا ہے اور قوانین شرعیہ کے زیادہ تر مناسب ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ((الخازن المسلم الامین)) الحدیث۔ خزانچی مسلمان امانت دار جو لوگوں کو مالک کے حکم دینے کے بعد پورے پورے طور پر خوش ہو کر دیتا ہے وہ بھی بمنزلہ صدقہ کرنے والے کے ہے۔ میں کہتا ہوں بسا اوقات کسی ایسی چیز کا نفاذ کرنا جو اس پر واجب ہے اور اس کا کرنا جو اس کے اختیار میں نہیں ہے اس شخص کی سخاوت کی پہچان ہوتا ہے کیونکہ دیتے وقت اس کے دل کا خوش ہونا اور تسلی کا حاصل ہونا دل کی سخاوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا اصلی متصدق کے بعد یہ شخص بھی متصدق ہے صدقہ دینے والا شمار کیا گیا اور ان حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے ((اذا انفقت المرأة عن کسب زوجها من غیر امرہ فلها نصف الآخر)) یعنی جو عورت اپنے خاوند کی کمائی میں سے بغیر اس کی اجازت کے اللہ کے نام پر دے تو اس کے لیے آدھا ثواب ملے گا اور آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے۔ ((لا تنفق امرأة من بیت زوجها الا باذنه... الخ)) کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بلا اس کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے پھر کسی نے عرض کیا کہ حائے کی قسم سے بھی کچھ خرچ نہ کرے آپؐ نے فرمایا تو ہمارے مالوں میں سب سے افضل ترین مال ہے اور اس حدیث میں کہ ایک عورت نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہماری اولاد اور ہمارے ماں باپ اور ہمارے خاوندوں پر ہمارا بوجھ ہوتا ہے ان کے مالوں میں سے ہم کو کس قدر مال ہے تو آپؐ نے فرمایا ہے تر چیزیں کہ تم ان کو کھا سکتی ہو اور دے سکتی ہو۔ منافات نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس حدیث بلا میں یہ بات ہے کہ اس میں خاوند کی مطلق اجازت ہو یا دلالت ہو اور کسی خاص شے کی صراحت اجازت نہ ہو اور خاوند صدقہ نہ دیتا ہو۔ پس چونکہ عورت نے اس میں صدقہ نکالا ہے۔ اس لیے تسلیم کیا جائے گا اور خاوند کے مال میں اسی قدر تصرف درست ہے جتنے لوگوں میں دستور ہے اور خاوند کے مال کی اصلاح ہے جیسے ہر چیز میں کہ اگر وہ ضرورت سے زیادہ ہوں اور کسی کو نہ دی جائیں تو خراب ہو و رضائع ہو جائیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں درست نہیں ہے اگرچہ غلہ کی قسم سے ہو اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ ((لا تعد فی صدقتک فان العائد فی صدقته کالعائد فی فیثہ)) اپنے صدقہ کو واپس مت لے

کیونکہ صدقہ واپس لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کر کے نکل جانے والا۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا جب اُس چیز کو خریدنا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ رعایت سے ملتی ہے یا خود ہی وہ رعایت سے لینا چاہتا ہے اور جس قدر رعایت کی گئی ہے اسی قدر اس کے صدقہ کا ثواب گھٹ جاتا ہے کیونکہ صدقہ کی روح دل کے تعلق کا اس مال سے بنالینا ہے اور جب اس کے ذمہ اس بات کا خیال رہا کہ وہ چیز اُس کو رعایت سے مل جائے تو اس کو اُس چیز سے پوری بے تعلقی نہ ہوئی اور نیز شارع کو عمل کی صورت کا کامل ہونا مطلوب ہے اور اُس کے واپس لینے میں اُس صورت میں نقصان ہے جس ملک سے ہجرت کی جائے پھر اس زمین میں موت کے مکروہ ہونے کی یہی وجہ ہے۔ واللہ اعلم

اُن احادیث کا بیان جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں

چونکہ قوت بیکہ کا قوی ہونا قوت ملکی کے احکام نہ ہونے کا مانع ہے لہذا اس کا مغلوب کرنا ضروری ہوا اور چونکہ اس کی قوت کی شدت کا سبب کھانا اور پینا اور لذائذ شہویہ میں مشغول ہونا ہے اور اس انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے جو بلا روک ٹوک کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا لہذا اُس کے مغلوب کرنے کے لیے ان اسباب کا کم کرنا ضروری ہوا لہذا سب وہ لوگ جو احکام قوت ملکی کا ظاہر ہونا چاہتے ہیں باوجود اختلاف مذاہب اور بعد ملکوں کے ان اسباب کی تخلید پر اتفاق کرتے ہیں اور نیز بھیمہ کا ملکیہ کے اس طرح پر تعلق کرنا مقصود ہے کہ قوت ملکیہ قوت بھیمہ کے اخلاق دنیہ قبول کرنے سے محفوظ رہے اور وہ اس کے نقوش رذیلہ قبول نہ کرنے پائے جس طرح بھیمہ کے نقوش موم کے اندر منتقل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس کا بجز اس کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ قوت ملکی ایک بات کا ارادہ کرے اور بھیمہ کے اندر اس کا التاء کرے اُس کے سامنے پیش کرے اور وہ اس کے حکم کو مان لے اور اس کے سامنے سرکشی اور زیادتی نہ کرے اور پھر اس بات کا ارادہ کرے اور اسی طرح قوت بیکہ اس کی تابعداری کرے اور پھر بار بار یہی امر پیش ہو حتیٰ کہ اس تابعداری کی اس کو عادت پڑ جائے اور وہ امور جن کی قوت ملکی میں خواہش ہوتی ہے اور قوت بیکہ کو اُن کے کرنے پر مجبور کی جاتی ہے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جن کے واقع ہونے سے قوت ملکی کو سرور اور بیکہ کو انقباض پیدا ہوتا ہے جس طرح ملاء اعلیٰ کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر معرفت حاصل کرنا یہ امور قوت ملکی کے خواص میں سے ہیں اور بیکہ کو ان سے نہایت درجہ کا بعد ہے یا کسی ایسے امر کا ترک کرنا جس کی قوت بیکہ میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس امر میں اس کو تلذذ حاصل ہوتا ہے اور قوت بیکہ کے زبان کی حالت میں اُس امر کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بات روزہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور چونکہ ان امور کا التزام تمام لوگوں سے ہوا جو اتنا ضروری ہے اور مال اور اہل سے ساتھ مشغول ہونے سے ممکن نہ تھا اس لیے یہ امر ضروری ہوا کہ کچھ زمانہ کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدمہ زمین و التاء ام یا جانے جس سے قوت ملکی کا ظہور اور اپنی خواہشوں کے پورا ہونے سے اس کا سرور معلوم ہو جائے اور اس سے تشبیہ ہو لگی ہوئی ہے اور روزہ ہوا اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہے جس کی پچھڑی کھوٹنے سے بندھی ہوئی ہے اور دو دو چار مرتبہ اس طرح اس میں پھینک کر اپنی حالت اصلی پر لانا ہوتا ہے۔ مداومتِ نیقی کے بعد اس کی مداومت کا درجہ ہے بعد ازاں یہ امر ضروری ہوا کہ اس کی ایسا مقدمہ مقرر کیا جائے تاکہ کوئی شخص اس میں افراتفری نہ کر سکے ورنہ تفریبا کرنے والے کو ممکن تھا کہ اُس

عبادت کو اس قدر عمل میں لاتا جو اس کے لیے کافی و نافع نہ ہوتی یا افراط کرنے والے کو ممکن تھا کہ اس کو اتنا عمل میں لاتا جس سے اُس کے ارکان میں کابلی پیدا ہو کر اس کو اس کا نشاط جاتا رہتا اور اپنے نفس کو ہلاک کر کے داخل قبر ہوتا اور روزہ ایک تریاق ہے۔ جو سموم نفسانیہ کے دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر اس کے اندر لطیفہ نفسانیہ کے مقام اور اس کے جائے ظہور کو بھی ایک قسم کی شکایت اور صدمہ پہنچتا رہتا ہے لہذا بقدر ضرورت اس کا معین کرنا لازم ہوا پھر خورد و نوش کے کم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کھانے پینے میں کمی کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ عادت سے زیادہ خورد و نوش میں دیر کرے اور شرع کے اندر دوسری قسم کی تقلیل کا اعتبار ہے کیونکہ اُس کے سبب سے ایک قسم کا ضعف اور خفت پیدا ہوتی ہے اور بھوک اور پیاس کی کیفیت انسان کو اس وقت معلوم ہو جاتی ہے اور قوت بھیگی کو اس وقت اس کی وجہ سے ایک قسم کی پریشانی اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اور ان امور کا طاری ہونا اس کو محسوس ہوتا ہے اور تقلیل کی پہلی قسم میں برابر ضعف پیدا ہوتا رہتا ہے اور نفس کو اس ضعف کی پروا نہیں ہوتی حتیٰ کہ آدمی اس سے بالکل تھک کر رہ جاتا ہے اور نیز تقلیل کی پہلی قسم کا عام حکم کے تحت میں بلا وقت داخل ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں کسی کی خوراک ایک رطل اور کسی کی دو رطل ہوتی ہے۔

کھانے میں جتنی مدت کا فصل ہوتا ہے اس پر تمام عرب و عجم اور تمام صحیح المزاج لوگوں کا اتفاق ہے کہ شب و روز میں دو وقت یعنی صبح و شام کھاتے ہیں یا صرف ایک ہی مرتبہ اور بھوک کی کیفیت رات تک کھانا نہ کھانے سے حاصل ہو سکتی ہے اور نیز یہ بھی غیر ممکن تھا کہ مکلفین کو ایک مقدارِ قلیل کا اختیار عطا کیا جاتا اور اُن سے کہہ دیا جاتا کہ تم میں سے ہر ایک اتنا کھالیا کرے کہ جس سے قوت بھیگی مغلوب رہے کیونکہ یہ مقصود شرعی کے خلاف ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ جس شخص نے بھیڑیے کو بکریوں کا چوپان بنایا تو اُس نے ظلم کیا اور ایسی صورت احسانہ کا درجہ حاصل کرنے کو ممکن ہے پھر یہ بات ضروری ہے یہ مدت فصل کی اس قدر نہ ہو کہ جس سے جان کی ہلاکت اور اس کا استیصال متصور ہو مثلاً تین شبانہ روز کیونکہ یہ بھی مقصود شرعی کے خلاف ہے اور تمام مکلفین اس پر عمل بھی نہیں کر سکتے اور نیز یہ بھی ضرور تھا کہ بار بار اُن کو بھوکا رہنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اس بات کے عادی ہو جائیں۔ اور اُن میں اور تا بعد اری کا مادہ پیدا ہو جائے ورنہ ایک مرتبہ بھوکا رہنے میں کچھ قابل اعتبار فائدہ نہیں ہے اگرچہ کیسے ہی سخت درجہ کی بھوک ہو اور یہ بات بھی ضروری تھی کہ اس کا مغلوب ہونا جو ہلاکت کی طرف مودی نہیں ہے اور اس کے تکرار کا انضباط ان مقداروں سے کیا جائے جو ان میں مستعمل ہوتی ہیں۔ اور کسی غافل اور ہوشیار اور شہری اور جنگلی پر وہ مقدار پر پوشیدہ نہیں ہیں اور نیز ایسے امر سے انضباط کیا جائے جس کو خود یا اس کی نظیر کو لوگوں کا گروہ عظیم استعمال کرتا ہوتا کہ اس کی شہرت اور تعلیم کر لینے کے سبب سے اُن کی دشواری جاتی رہے ان امور کے لحاظ کرنے سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینے تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزے کا انضباط کیا جائے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا ایسا ہے کہ جیسے دو پہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور اُتر شب میں ان امور کے ترک کرنے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ اس کے عادی ہیں اُس کی وجہ سے اُن کو پروا نہ ہوتی اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی مقدار ایسی ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتی ہیں اور نفس تھک کر رہ جاتا ہے اور ہم نے بے شمار بار اس بات کا مشاہدہ کیا ہے اور اُن امور کے لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک دن

کا انضباط کیا جائے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں اور عاشورہ کے دن اسی حساب سے اُن کو روزہ رکھنے کا دستور ہے اور مہینے کا انضباط چاند سے چاند تک ہوتا ضروری تھا کیونکہ عرب کے نزدیک چاند سے چاند تک مہینہ ہوتا ہے اور شمسی مہینوں سے وہ حساب نہیں کرتے اور جب کہ حکم عام مقرر کرنے اور تمام لوگوں عرب و عجم کی اصلاح کی ضرورت ہوئی لہذا ان کو اس امر کی ضرورت ہوئی کہ اُن کو اس مہینہ کا اختیار نہ دیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے لیے ایک مہینہ کو جس میں اس کو روزے رکھنے آسان ہوں پسند کر لیا کرے اس لیے کہ اُس سے مذر کرنے اور بچ کر نکل جانے کا موقع ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دروازہ کا بند کرنا اور اسلام کے ایک عظیم الشان مہات کا گنم کر دینا ہے اور نیز مسلمانوں کے بڑے بڑے عظیم الشان مہاتوں کا ایک زمانہ میں ایک چیز پر اجتماع کرنا اور ایک کام سے دو یکساں کے لیے اس عبادت کے آسان ہونے اور اُس کے عمل پر ہمت کے پیدا ہونے کا سبب ہے اور نیز ان کا یہ اجتماع قوت ملکیہ کے برکات کے نازل ہونے کا ہر خاص و عام پر سبب ہے اور جو ان میں سے کا ملین ہیں ان سے کم درجہ لوگوں پر ان سے انوار کا پرتو پڑنے اور پھر ان کی دعا کے شامل ہو جانے کا موقع ہے اور جب کسی مہینے کا مقرر کرنا ضروری ہو تو اُس مہینے سے وہی مہینہ زیادہ مناسب نہیں ہے جس میں قرآن کا نزول اور ملت محمدی کی تکمیل ہوئی ہے اور شب قدر کے پائے جانے کا بھی اس مہینے میں قوی احتمال ہے۔ چنانچہ قریب اس کا ذکر آتا ہے پھر اس مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری ہو جو ہر غافل و ہوشیار اور ہر فرغ و مشغول کے لیے ابدی ہے اور جس میں کوتاہی کرنے سے اصل حکم میں کوتاہی لازم آتی ہے اور حال کے مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری تھا جو صحیحین اور سابقین کا دستور اور ورد ہے اول مرتبہ رمضان کا روزہ رکھنا اور نماز پنجگانہ پر کفایت کرنا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے ((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَانَ مَا قَامَ اللَّيْلُ)) یعنی جس نے عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پانچویں قویاں نے تمام شب عبادت کی اور دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ پر کفایت اور کیفیت میں بڑھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تمام شب عبادت کرنا اور زبان اور تمام اعضاء کا گن ہوں سے پاک رکھنا اور شوال کے مہینے میں چھ روز اور ہر مہینہ میں تین روز اور عاشورہ اور عرفہ روزہ رکھنا اور رمضان کے انیہ عشرہ میں اہل کاف کا کرنا یہ مقدمات جو ہم نے بیان کیے ہیں روزہ کے باب میں اصول سے قائم مقام ہیں جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنا چاہتے ہیں جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔

روزہ کی فضیلت کا بیان

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ((اِذَا دَخَلَ الرَّمَضَانَ فَتَحَتْ ابْوَابُ الْجَنَّةِ)) اور ایک روایت میں ((ابْوَابُ الرَّحْمَةِ)) آیات ((وَعَلَّمْتُ ابْوَابَ جَهَنَّمَ وَسَلَسْتُ السُّبُلَ)) جب رمضان آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں سے باندھے جاتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہ فضیلت رمضان کے مہینہ میں صرف مسلمانوں کے اوپر ہے یونہی گذر رمضان کے مہینہ میں بہ نسبت اور مختلفوں کے زیادہ اہم ہے اور جہاں سے وہ جاتے ہیں یونہی شعائر الہی کی ہمت کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں مگر مسلمان جب روزہ رکھتے ہیں اور شب و عبادتیں کرتے ہیں اور جو ان میں سے کا ملین ہیں وہ نور الہی کے دریا میں غوطہ کھاتے ہیں اور ان کی دعا سب

مسلمانوں کو احاطہ کر لیتی ہے اور ان کے انوار کا ادنیٰ درجے کے لوگوں پر تو پڑتا ہے اور ان کی تمام کُروہ پر چھا جاتی ہے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے موافق عبادات سے قربت حاصل کرتا ہے اور معاصی سے اجتناب کرتا ہے تو یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ ان کے لیے جنت کے دروازے مفتوح کر دیئے گئے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے گئے کیونکہ فی الحقیقت جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جہنم اللہ تعالیٰ کی پھینکار کا نام ہے۔ اس لیے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کا ایک صفت پر متفق ہو جانا اُس کے موافق اللہ تعالیٰ کے جوہر کو متوجہ کر لیتا ہے جیسا کہ استثناء اور حج میں ہم نے بیان کیا ہے اور یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ شیاطین متباعد کر لیے گئے اور بجائے اُن کے ملائکہ منتشر کر دیئے گئے اس لیے کہ شیطان کا اثر اسی شخص میں ہوتا ہے جس نفس میں اس کا اثر قبول کرنے کی قابلیت ہے اور قوت بھیک کی غلبہ سے یہ قابلیت ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے مغلوب ہو جاتی ہے اور ملائکہ ان لوگوں کے پاس آتے ہیں جن میں ان کے اثر قبول کرنے کی لیاقت ہے اور وہ لیاقت قوت ملکی کے ظہور سے ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے قوت ملکی کا ظہور ہو جاتا ہے اور نیز رمضان میں اس رات کے ہونے کا قوی احتمال ہے جس میں تمام امور حکمی کی تقسیم ہوتی ہے پس لامحالہ ایسے وقت میں انوار مثالیہ اور ملکئہ کا انتشار ہو جاتا ہے اور ان کے اضداد کا انقباض ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((من صام شهر رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)) یعنی جو شخص ایمان اور احتساب ثواب کے ارادہ سے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے تمام پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے میں قوت ملکی کے غالب ہونے اور قوت بھیک کے مغلوب ہونے کا قوی احتمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کے درجے رحمت میں غرض ہو جانے کے لیے یہ کافی مقدار ہے لہذا یہ بات ضروری ہوئی کہ اُس کے سبب سے نفس ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((من قام ليلة القدر ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)) جس شخص نے ایمان کے سبب اور طلب ثواب کے قصد سے شب قدر میں عبادت کی اس کے سب گناہ پہلے بخشے گئے اس کا سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ روحانیت کے انتشار اور عالم مثال کے غلبہ کے ظاہر ہوتے وقت جب کوئی عبادت پائی جاتی ہے تو اس کے اندر اس عبادت کا وہ اثر ہوتا ہے جو غیر اوقات میں کئی مرتبہ اس عبادت کے کرنے سے نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنۃ بعشر امثالها الی سبع مائۃ ضعف)) انسان کا ہر عمل بڑھ جاتا ہے نیکی کا ثواب دس مثل سے ساتھ سو مثل تک بڑھتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ ((الا الصوم فانه لی و انا اجزی به یدع شہوته و طعامه من اجلی)) بجز روزے کے کہ وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار میری ہی خاطر اپنی خواہش اور حائے کو ترک کر دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نیکی کے بڑھ جانے کا سبب یہ ہے کہ انسان جب مہربان ہو جاتا ہے اور قوت بھیک کی مدد منقطع ہو جاتی ہے اور جو حالتیں اس کے مناسب تھیں وہ اس سے روگردانی کر لیتا ہے تو قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے انوار طبعی روشن ہو جاتے ہیں۔ اور اعمال کی جزا و سزا ملنے کا یہی سبب ہے پس اگر نیک عمل ہوتا ہے تو تھوڑا سا مثل بھی قوت ملکی کے ظہور اور اس عمل کے اس کے مناسب ہونے کے سبب سے اس وقت بہت ہو جاتا ہے اور روزہ کے فتنہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے اس طرح ہوتا ہے کہ ہر عمل کی صورت عالم مثال کے ایک مقام پر جو اس شخص کے لیے خاص ہے

اس طرح متصور ہوتی ہے کہ اُس کے سبب سے اس کے عمل کی جزا کی صورت جب وہ شخص جسمانی تجاہات سے علیحدہ ہو جاتا ہے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ہم نے اس امر کا مشاہدہ کیا ہے اور نیز اس امر کا مشاہدہ کیا کہ بسا اوقات اس امر کے جزا کے ظاہر کرنے میں جو شبہات نفسانیہ کے ساتھ مجاہدہ کے قبیلہ سے ہے ملائکہ کو جو اعمال کی جزا لکھنے پر مامور ہیں توقف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ظاہر کرنے میں اس خلق کی مقدار معلوم کرنے کو دخل ہے جو نفس کو اس عمل پر آمادہ کرتی ہیں اور وہ ملائکہ اس کے مرنے سے واقف ہیں اور ان کو اس کا علم وجدانی نہیں ہے یہی وجہ ہے جو کئی رات اور درجات کے لکھنے میں باہم نزاع کرتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ اُن کی طرف وحی کرتا ہے کہ اس عمل کو بعینہ لکھ لو اور اس کی جزا میرے سپرد کرو اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ میرا بندہ صائم اپنی خواہش اور کھانے کو میری خاطر ترک کرتا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ ان کفار سے جن کے عمل میں لانے سے نفس بھی کو تکلیف ہوتی ہے اور اس حدیث کے لیے ایک بطن اور ہے جس کی طرف اسرار الصوم میں اشارہ کیا ہے اس کو وہاں دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((لِلصَّوْمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرَةٍ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ)) روزہ کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک جس وقت اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ پہلی خوشی تو طبعی ہے کہ روزہ افطار کرنے سے نفس کو جس چیز کی خواہش تھی مل جاتی ہے اور دوسری روحانی فرحت ہے اس واسطے کہ روزہ کی وجہ سے روزہ دار جو باہمی جسمانی سے علیحدہ ہونے اور عالم بالا سے عمیق الیقین کا فیضان ہونے کے بعد تقدس کے آثار ظاہر ہونے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح نماز کے سبب سے تجلی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((فَلَا تَغْلِبُوا عَلَى صَلَوةِ قُلِّ الْعُلُوعِ وَقَبْلِ الْغُرُوبِ)) تاکہ طلوع و غروب کے پہلے کسی نماز پر تم مغلوب نہ کیے جاؤ اور اس مقام پر اور بہت سے اسرار ہیں جن کے ظاہر کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((تَخْلُوفُ فِيمَ الصَّائِمِ أَطِيبٌ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ)) البتہ روزہ دار کے من کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ عبادت کے پسندیدہ ہونے سے اس کا اثر بھی پسندیدہ ہو جاتا ہے اور عالم مثال میں بجائے عبادت کے دو اثر متقابل ہو جاتا ہے اس لیے آپ نے اُس کے سبب سے ملائکہ کو خوشی پیدا ہونے اور اللہ پاک کی رضا مندی کو ایک پلہ میں اور بنی آدم کو شک کے سو گھٹنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس واپس پلہ میں رکھا تاکہ یہ رمز نہیں اُن کے لیے ظاہر ہو جائے اور نیز آپ نے فرمایا ہے ((الصَّيَامُ جَنَّةٌ)) روزہ سے احوال میں یہ ہے نزدیک۔ اس کا سبب ہے کہ روزہ شیطان اور نفس کے ضرر سے پہنچتا ہے اور انسان کو ان دونوں کے اثر سے دور کر دیتا ہے اور ان دونوں کو انسان سے کیڑہ ہو جاتا ہے لہذا مناسب ہوا کہ کامل طور پر اس کو احوال بنایا جائے اور اس کی یہ صورت ہے کہ آدمی اپنی زبان و اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کی بات زبان سے نہ نکالے اور قوی حیرت سے افعال سے محفوظ رکھے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ شہوات شغب نہ کرے اور اقوال کی طرف اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اُس کوئی ایسا ہے اور افعال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یا اُس سے کوئی لڑے ((فَلْيُفْلِئْ اُنْثَى حَسَانِمْ)) تو اُس سے یہ کہہ دینا چاہیے۔ میں روزہ سے ہوں بعض کے نزدیک تو اُس کو زبان ہی سے یہ کہہ دینا چاہیے اور بعض کہتے ہیں اُل میں یہ کہہ لے اور بعض کے نزدیک اُل میں روزہ سے اور فرض سے روزہ میں فرق ہے مگر ہر ایک میں گنجائش کا موقع ہے۔

روزے کے احکام کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا تصوموا حتی تروا الهلال و لا تفطروا حتی تروہ... الخ))۔ امت روزہ کھوجے جب تک کہ چاند دیکھ لو اور نہ بغیر دیکھے ہوئے افطار کرو پھر اگر ابر ہو جائے تو اس کا اندازہ کر لو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تمیں روز پورے کر لو۔ میں کہتا ہوں کہ چونکہ روزے کا زمانہ قمری مہینہ کے ساتھ روایت بالآل کے اعتبار سے منضبط تھا اور وہ کبھی تمیں دن اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے لہذا اشتباہ کی صورت میں اس اصل کی طرف رجوع کرنا ہوا اور نیز احکام کی منشاء ان امور پر ہے کہ جن کو بے پڑھے لوگ بھی جانتے ہیں تعمق اور محاسبات نجومیہ پر ان کا مبنی نہیں ہے بلکہ شریعت تو ان چیزوں کے مٹانے کے لیے آئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((انا امة امیة لا نکتب و لا نحسب)) ہم بے پڑھی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((شہرا عید لا ینقصان رمضان و ذوالحجۃ))۔ عید کے دنوں میں کم نہیں ہوتے وہ رمضان اور ذوالحجہ ہیں بعض تو اس کے یہ معنی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ دنوں میں انتیس انتیس کے ہوں۔ اور بعض کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ تمیں و انتیس کا اجر برابر ہی ملتا ہے اور یہ اخیر معنی قواعد شرعیہ کے لحاظ سے زیادہ چسپاں ہوتے ہیں گویا آپؐ نے اس بات کا دفع کرنا چاہا کہ کسی کے دل میں کسی بات کا وہم نہ نہزے اور معلوم کرو کہ روزے کے باب میں تعمق کے اسباب مسدود کرنا اور جو باتیں لوگوں نے تعمق کرتے کرتے پیدا کر لی ہیں اس کا رد کرنا مقاصد ضروریہ سے تھا کیونکہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ تمام یہود و نصاریٰ اور عرب میں سے ان لوگوں میں جنہوں نے اہل کتاب کا دین پسند کیا تھا شائع اور جاری تھا اور چونکہ انہوں نے اس بات کا خیال کیا کہ روزہ فی الحقیقت نفس کے مغلوب کرنے کا نام ہے لہذا انہوں نے تعمق کر کے اپنی طرف سے روزہ کے اندر امور ایجاد کر دیئے جن سے زیادہ تر نفس مغلوب ہو سکتا ہے اور اس کے اندر ملت الہی کی تحریف لازم آتی تھی اور ان مور میں یا تو کیت کی زیادتی پائی جاتی تھی یا کیفیت کی کیت زیادتی سے آنحضرت ﷺ نے اس طرح منع فرمایا: ((لا یتقد من احدکم رمضان بصوم یوم او یومین... الخ)) تم میں سے کوئی رمضان کی پیش قدمی نہ کرے۔ ایک دن نہ دو دن کے روزے سے مگر جس شخص کی کسی خاص دن روزہ رکھنے کی عادت ہو وہ اس روزہ رکھے اور نیز آنحضرت ﷺ نے عید الفطر اور شک کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان کا روزہ رکھنے اور ان دنوں کے روزہ رکھنے میں کچھ فرق نہیں ہے لہذا اگر وہ بھی لوگ ان دنوں میں روزہ رکھنے کا طریقہ اختیار کر لیتے تو ان کے بعد جو طبقہ پیدا ہوتا اسی طریقہ کو وہ بھی اپنے اندر جاری رکھتا اور اسی طرح اس کے بعد کا طبقہ حتیٰ کہ دین میں تحریف لازم آتی اور تعمق فی الحقیقت اس بات کا نام ہے کہ احتیاط کی جگہ کو کوئی شخص اپنے اوپر لازم کر لے اور شک کا دن اسی میں داخل ہے اور کیفیت کے اندر زیادتی سے آنحضرت ﷺ نے اسی طرح منع کیا ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور سحری کھانے کی رغبت دلائی ہے اور صبح کے برکت کھانے اور روزے کے جلد کھولنے کا حکم

دیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں تشدد اور تعمق پر مبنی ہیں اور جاہلیت کے افعال میں سے ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((اذا انصف شعبان فلا تصوموه)) جب نصف مہینہ شعبان کا نزر جائے اس میں روزے مت رکھو اور حضرت ام سلمہؓ کی اس حدیث میں کہ یونہی ثابت نہیں ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو بجز شعبان اور رمضان کے کبھی پے درپے دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ بسا اوقات بہ نفس نفیس دو خود یہ افعال کیا کرتے تھے کہ جن کا اپنی امت کو تعم نہیں دیا کرتے تھے اکثر یہ افعال اس بات کے بند کرنے اور احتمالات کلیہ کے مقرر کرنے کے قبیلہ سے ہوتے تھے یہاں آنحضرت ﷺ اس بات سے مامون تھے کہ کسی شے کو بے محل استعمال کریں یا جس حد تک ان افعال کو عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی طرف نوبت پہنچے اور بجز آپ کے کوئی شخص اس بات سے مامون نہیں ہے لہذا ان کے لیے قانون شرعی کے مقرر کرنے اور باب تعمق کے بند کرنے کی حاجت ہے یہی سبب ہے کہ آنحضرت ﷺ چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کو منع فرماتے تھے اور آپ کے لیے تو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور حلال کی گئی تھیں کیونکہ منع کرنے کی علت یہ ہے کہ ظلم اہم نہ آئے چاند کا دیکھنا ایک مسلمان عادل یا مستور الحال کے اس بات کی گواہی دینے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور دونوں صورتوں میں چاند کا ثابت ہو جانا آنحضرت ﷺ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک شخص اعرابی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ سے سوا کوئی معبود نہیں ہے اُس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اُس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا اے بلالؓ لوگوں میں اس بات کا اعلان کر دے کہ کل کو لوگ روزہ رکھیں اور ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے روایت بلالؓ بیان کی تو آپ نے روزہ رکھ لیا اور جس قدر امور دینیہ ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اور ان کا حال مثل روایت حدیث کے ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((تسحرو فان في السحور بركة)) سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

میں بتا ہوں اُس میں دو برکتیں ہیں بدن کی اصلاح کے لحاظ سے یہ برکت ہے کہ بدن ضعیف نہیں ہوتا اس لیے کہ روزے کی مقدار پورے دن بھر لے ان چیزوں سے باز رہنے کی ہے اس مقدار میں زیادتی نہ کرنی چاہیے اور دوسری برکت تدبیر دینی کے اعتبار سے ہے اور وہ یہ ہے کہ دین سے اندر لوگ وہم نہ کیا کریں اور تحریف اور تغیر اس میں نہ ہونے چاہئیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((الاسرال الناس بخبر ما اعجل الفطر)) جب تک لوگ افطار بعدی کرتے رہیں گے خیریت سے رہیں گے اور نیز آپ نے فرمایا ہے ((فعل ما سن صيامنا و صيام اهل الكتاب اكلة السحر)) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق نہ ہو یعنی کھانے کا ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ احب عبادي الي اعجل فطرًا اپنے بندوں میں سے وہ بندہ مجھے زیادہ پسند ہے جو فطار میں تعجل کرے۔

میں کہتا ہوں اس بات میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس سہ میں اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے لہذا ان کی مخالفت کرنے اور ان کی تحریف دور کرنے میں ملت اسلام کا قیام ہے اور نیز آپ نے جب دنوں و صوم و سال یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے

منع کیا تو لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپؐ نے فرمایا تم میں مجھ سا کون ہے مجھ کو تو اللہ پاک شب میں کھلاتا ہے اور پلاتا ہے میرے نزدیک صوم وصال سے منع کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو جیسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دین کی تحریف لازم نہ آئے اور آنحضرت ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ میرے لیے صوم وصال ہلاکت کا باعث نہیں ہو سکتا کیونکہ مجھ کو قوت ملکہ نور یہ سے تائید ہوتی رہتی ہے اور آپؐ سب قباحتوں سے مامون ہیں اور آپؐ کے اس قول میں کہ جو شخص فجر سے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا ہے اور آپؐ کے اس قول میں ((حَسْبُ لِمَنْ يَجِدُ طَعَامًا اَنِي صَائِمًا)) اور جس وقت کھانا نہ ملے تو یہ کہے کہ میں روزہ رکھنے والا ہوں اس لیے کہ آپؐ کا قول اُن روزہ فرض میں ہے اور دوسرا روزہ نفل میں اور نفی سے مراد نفی کمال ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدَكُمْ)) جب کوئی تم میں کا اذان سنے اور ہاتھ میں برتن ہو جب تک اپنی حاجت پوری نہ کرے اس کو نہ رکھے۔

میں کہتا ہوں کہ اذان سے مراد اذان خاص ہے اور وہ اذان بلال پراخذ ہے اور یہ حدیث حدیث ((ان بلا لاینادی فی اللیل)) کا مختصر ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((اِذَا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانه بركة)) جب کوئی تم میں کا روزہ کھولے تو چھوہارے سے کھولے اس لیے کہ اس سے روزہ کھولنے میں برکت ہے اور اگر اس کو نہ پائے تو پانی سے کھولے اس لیے کہ وہ پاک چیز ہے۔ میں کہتا ہوں شیریں چیز کی طرف طبیعت کو خصوصاً بھوک کی حالت میں میان ہوتا ہے اور جگر کو شیریں چیز سے الفت ہوتی ہے اور عرب کے طبائع چھوہارے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طبیعت کے میان کو اپنی مناسب چیز میں اثر ہوتا ہے پس لامحالہ وہ اس کو بدن کے مناسب موقع پر استعمال کر لیتی ہے اور یہ ایک قسم کی برکت ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے:

((من فطر صائماً او جهز غازقان له مثل اجره))

”جو شخص روزہ دار کا روزہ کھلائے یا مجاہد کے لیے سامان جنگ کرادے تو اس شخص کو بھی صائم و مجاہد کا ثواب ملے گا۔“

میں کہتا ہوں جو شخص روزہ دار کا روزہ اس غرض سے افطار کرادے کہ وہ شخص روزہ دار واجب التقظیم ہے تو اس کا یہ روزہ افطار کرانا ایک قسم کا صدقہ اور روزہ کی تعظیم اور اہل طاعت کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس جب اس نے اس عمل کی صورت نامہ عمل میں متحمل ہوئی تو کئی طرح پر وہ صورت روزہ کے معنی پر مشتمل تھی لہذا روزے کے ساتھ اس کو جزا دی گئی۔ روزہ افطار کرنے کے وقت ان کلمات کا کہنا سنت ہے۔ ((ذهب الظلماء ابطلت العروق وثبت الاجران شاء الله)) اور ان کلمات کے اندر ان حالتوں پر شکر ہے جن کو انسانی طبیعت یا اس کے ساتھ اس کی عقل بھی پسند کرتی ہے اور ان کلمات کا کہنا بھی آیا ہے ((اللهم لك صمت و علی رزقك افطرت)) ان کلمات میں عملاً اخلاص اور نعمت پر شکر کرنے کی تاکید ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((لا يصوم احدكم يوم الجمعة الا ان يصوم قبله او بعده)) تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر ہاں یہ کرے کہ اس سے پہلے یا بعد رکھ لیا کرے اور فرمایا ہے۔ ((لا تحصوا ليلة الجمعة)) الحدیث۔ راتوں میں سے شب جمعہ کو قیام کے ساتھ مت خاص کرو۔ میرے نزدیک اس میں دو حکمتیں ہیں ایک تو تعمق کا بند کرنا کیونکہ شارع نے روزہ جمعہ کو خاص خاص عبادات سے مخصوص کیا ہے اور اور دنوں پر اس کی فضیلت بیان کی ہے اس لیے اس بات کا احتمال قوی تھا کہ تعمق کر کے لوگ اور

عبادات کے ساتھ جمعہ کے اندر روزے کی عبادات کو بھی داخل کر لیتے دوسری حکمت عید کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ عید سے خوشی اور لہذا نڈ کا حاصل کرنا مفہوم ہوتا ہے اور جمعہ کے عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس بات کا خیال رہے کہ جمعہ کے اندر اس قسم کا اجتماع ہوتا ہے جس کی طرف اُن کے دل راغب ہوتے ہیں اور اس میں خیر نہیں ہوتا۔

اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے: ((لا صوم فی یومین الفطر والاضحی)) دنوں میں روزہ جائز نہیں ایک عید الفطر دوسری عید الاضحیٰ اور فرمایا ہے: ((ایام تشریق ایام اکل و شرب و ذکر اللہ)) ایام تشریق کھانے اور پینے اور اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کے دن ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کے اندر عید کے معنی کا ثابت کرنا۔ اور خشک عبادت اور دین کے اندر تعمق کرنے سے ان کی طبائع کا پیچہ نہ ہے اور فرمایا ہے: ((لا یحل لمرءة ان تصوم و زوجها شاہدا الا باذنه)) کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں بااُس کی اجازت کے روزہ رکھنا درست نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ایسے وقت میں روزہ رکھنے سے خاوند کے بعض حقوق تلف ہوتے ہیں اور اس کی بٹاشت اور دل کی میں فرق آتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((الصائم المتطوع بملك نفسه ان شاء صام و ان شاء افطر)) نفل کا روزہ رکھنے والا اپنی ذات کا مختار ہے چاہے روزہ رکھے چاہے توڑ دے۔ اور اُس قول میں جو حضرت عائشہؓ ہر سہ اور حصہ طریقت سے فرمایا ہے ((اقضیا یوما آخر مکانہ)) اُس کی جگہ دوسرے دن تم روزہ قضا کر تبسوا کچھ ممانعت نہیں ہے اس لیے کہ قول اول سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ روزہ دار چاہے اپنے اوپر لازم کر کے روزہ توڑ دے اور آپؐ نے ممکن ہے اُن دونوں کو بطور استحباب کے قضا کا علم، یا ہو کیونکہ جس چیز کو لازم کر لیا ہے اس کے پورا ہی کرنے سے دل کو اطمینان ہوتا ہے یہ آپؐ نے ان کے دلوں میں اس بات کی طرف سے وقت کا ملاحظہ فرما کے خاص کر یہ حکم دیا ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ارجعوا بحجة و عمرة و رجعت بحجة فاعمرها من التنعیم وہ تو ایک حج و عمرہ کر کے واپس ہوئے ہیں اور میں ایک حج کر کے اب مقام تنعیم سے عمرہ براں کی اور آپؐ نے فرمایا: ((من نسی و هو صائم فاکل او شرب فلیتم صومه فانما اطعمہ اللہ و سفاہ)) اگر روزہ دار روزہ کی حالت میں کھالے یا کھم پی لے تو اس کو اپنا روزہ پورا کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اللہ ہی اس کو کھلاتا پلاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صرف روزہ نے اندانیہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آدمی کو معذور کیا ہے اور کسی عبادت میں بھولنے سے وہ معذور نہیں ہوتا اس لیے کہ روزہ نے اندر کوئی ایسی قیست نہیں پائی جاتی ہے جس سے اُس کو روزہ بھولنا ہو۔ غلاف اور احرام کے کہ ان دنوں کے اندر اس قیست پائی جاتی ہے مثلاً قبلہ رخ کھڑا ہونا اور بے سلا ہوا پیرا پہننا ہذا روزہ کے اندر معذور رکھنا منسب ہوا اور ایک مرتبہ رمضان کے دن میں ایک نفیس نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو آپؐ نے اس سے فرمایا: ((احسبى رقبة)) یعنی ایک خادم آزاد۔ میں کہتا ہوں جب اُس نفیس نے شعائر الہی کی حرمت کا جھک کیا جس کا غیظ و اظہار ظہنی تھا ہذا ضروری ہوا کہ اس کے مقابلے میں اُس نے اوپر ایک ایسی عبادت واجب کی جائے جو اس کے نفیس پر نہایت شاق ہو تاکہ اس نے سامنے اُس کی صورت پیش نہ کرے اور نفیس سے غائب ہونے سے اُس نفیس کو ہزار کھے اور آنحضرتؐ کے مسواک کرنے اور یہ فرمانے کہ روزہ دار سے میری بوائے

تعالیٰ کو مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ ایسے کلام سے مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے گویا آپ نے یہ فرمایا کہ گویا وہ شخص اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ اس کے منہ کی بدبو بھی اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور نیز ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ ذَهَبُ الْمُفْطَرُونَ بِالْأَجْرِ)) سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے جو لوگ روزہ نہیں رکھتے وہ ماجور ہیں اور فرمایا ہے: ((مَنْ كَانَتْ لَهُ حَمُولَةٌ قَاوِي إِلَى شَيْعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ مَا أَدْرَكَهُ)) یعنی جس شخص کے پاس سواری ہو جو منزل تک اُس کو آرام سے پہنچائے تو رمضان کو جس جگہ پائے روزہ رکھے اس لیے کہ پہلی حدیث اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب روزہ رکھنا شاق ہو جس سے ضعف اور غشی تک نہ پہنچے۔ چنانچہ راوی کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے ((قَدْ ظَلَلَ عَلَيْهِ)) یا مسلمانوں کو ایسی حاجت ہے کہ بغیر افطار کے وہ حاجت پوری نہیں ہو سکتی چنانچہ راوی کہتا ہے ((فَسَقَطَ الصَّرَامُونَ وَقَامَ الْمُفْطَرُونَ)) یعنی روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ دار کھڑے ہو گئے یا کوئی شخص اپنے دل میں اس رخصت کی کراہیت کا گمان کرتا ہے اور اسی قسم کے اسباب کی صورت میں یہ حکم ہے اور دوسرا اس صورت میں ہے کہ سفر میں چنداں مشقت نہ ہو اور اسباب مذکورہ سے خالی اور نیز ان دو حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيَهُ)) جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ مر جائے اُس کی طرف سے اُس کا وارث روزہ رکھے اور اسی کے حق میں فرمایا ہے: ((فَلْيُعْلَمَ عَنْهُ مَكَانُ كُلِّ يَوْمٍ مَسْكِينًا)) تو اس کو چاہیے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اس لیے کہ دونوں امر میں سے ہر ایک کے کافی ہونے کا احتمال ہے اور اُس میں دو بعید ہیں ایک تو میت کے اعتبار سے کیونکہ بہت سے نفوس جو اپنے ابدان سے مفارقت کرتے ہیں ان کو اس بات کا ادراک رہتا ہے کہ عبادت میں سے کوئی عبادت جو اُن پر واجب تھی اور اس کے ترک کرنے سے اُن سے مواخذہ کیا جائے گا اُن سے فوت ہو گئی ہے اس لیے وہ نفوس رنج و الم کی حالت میں رہتے ہیں اور اس سبب سے اُن پر وحشت کا دروازہ کھل جاتا ہے ایسے وقت میں اُن پر بڑی شفقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ اس میت کے قریب ہے اس کا سائل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ یہ عمل اس کی طرف سے کرتا ہوں اس شخص کے قرائق کو مفید ثابت ہوتا ہے یا وہ شخص کوئی اور دوسرا کام مثل اُسی کام کے کرتا ہے اور ایسا ہی اگر ایک شخص نے کسی چیز کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ بغیر صدقہ کیے مر گیا تو اس کے وارث اس کی طرف سے صدقہ کرنا چاہیے اور جنازہ کی نماز میں ہم نے جو بیان کیا ہے اگر وہی بیان مردوں کے لیے زندوں کے صدقہ کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے اور دوسری رمزدین کے اعتبار سے ہے اور وہ تاکید بلوغ کا ثابت ہوتا ہے یعنی تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ روزہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ بعد مرنے کے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

اُن امور کا بیان جو روزے کے متعلق ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ روزہ کا کمال افعال اور اقوال شہو یہ اور سبوعیہ اور شیعانیہ سے اُس کا محفوظ رکھنا ہے کیونکہ یہ امور نفس کو اخلاقِ رذیلہ کی یاد دہانی کرتے ہیں اور اوصافِ قبیحہ کی طرف اس کو براہیختہ کرتے ہیں اور نیز اُن چیزوں سے روزہ کا محفوظ رکھنا جو

روزہ ٹوٹنے کے دوائی اور اسباب ہیں پہلے امور کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((فلا يرفث ولا يضحك و ان سابه احدا و قاتله فليقل انى صائم))۔

”پس بے ہودہ گفتگو نہ کرے اور شور نہ مچائے پھر اگر کوئی شخص اس کو برا کہے یا اس سے لڑے تو اس کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ

”میں روزے سے ہوں۔“

اور آپ نے فرمایا ہے:

((من لم يدع قول الزور و العمل به فليس لله حاجة في ان يدع طعامه و شربه))

”جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا ترک کرنے کی حاجت نہیں ہے۔“

یہاں مراد نفی سے نفی کمال کی ہے اور دوسرے امر کے متعلق آپ نے فرمایا ہے:

((افطر الحاجم والمحجوم فان المحجوم تعرض للافطار من الضعف والحاجم لانه لا

يامن)) الحديث

”پہنچنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں افطار کریں لگوانے والا تو اس لیے کہ ضعف کے سبب سے وہ افطار کے قابل ہو

گیا اور لگانے والا اس لیے کہ سیٹگی کے چوستے سے اُس کے طلق کے اندر کسی چیز کے پہنچنے کا احتمال ہے۔“

اور بوسہ لینا اور مباشرت بھی اسی قبیلہ سے ہے اور لوگوں نے اس کے اندر زیادہ افراط اور تعقید کر لیا تھا اور قریب تھا کہ اس کو رکن کے مرتبہ میں قرار دیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے قولاً اور فعلاً اس بات کا بیان کر دیا کہ اُس سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ اس میں کچھ نقصان لازم آتا ہے۔ اور رخصت کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ آپ کے سوا دوسرے کے لیے یہ چیزیں مکروہ ہیں اور آنحضرت ﷺ تو شریعت کے بیان کرنے پر مامور ہی تھے لہذا آپ کے حق میں ان کا کرنا اولیٰ تھا اور ایسی تمام ان چیزوں کا حال ہے جن میں محسنین کے درجہ سے عامہ مومنین کے درجہ کی طرف تنزل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

روزہ کے اندر انبیاء علیہم السلام کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام تو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ اور ایک دن افطار اور عیسیٰ علیہ السلام دن روزہ اور دو یا آٹنی دن افطار اور آنحضرت ﷺ بذات خود کبھی اس قدر روزے رکھتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ کبھی نہ چھوڑیں گے اور کبھی اس قدر چھوڑتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ روزہ نہ رکھیں گے مگر بجز مہینہ رمضان کے پورے کسی مہینہ کے نہ رکھتے تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ روزہ فی الواقع ایک تریاق ہے اور تریاق کا استعمال مرض کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے اور حضرت نون علیہ السلام کی امت کے لوگ نہایت مضبوط ہوتے تھے چنانچہ اُن کے بڑے بڑے حالات مروی ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی نہایت قوی اور مضبوط آدمی تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((وكان لا يفواد الا في)) یعنی جب کسی سے بڑا جاتے تھے تو بہتے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف البدن اور فارغ البال تھے اور نہ اُن کے گھر تھا اور نہ اُن کے پاس پتہ مال تھا اُن میں سے ہر ایک نے جو صورت حال کے مناسب دیکھی اُس کو پسند کر لیا۔ اور آنحضرت ﷺ ہر روزہ رکھنے کے فوائد سے نوب واقف تھے اور اپنے حال اور اُس کے مناسب افعال سے نوب واقف تھے لہذا صحت و قوت کے اعتبار سے جو

آپ نے مناسب سمجھا اس کو اختیار کیا اور اپنی امت کے لیے بھی درمیان کے چند روزے پسند کیے ازاجملہ عاشورہ کا روزہ اور اس کے مشروعیت میں یہ رمز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی ہے اور اس روزہ موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے شکر میں روزہ رکھا ہے اور اس روزہ کا اہل کتاب اور عرب میں دستور تھا بندارسول اللہ ﷺ نے بھی اُس کو برقرار رکھا اور ایک عرفہ کا روزہ ہے اُس میں یہ رمز ہے کہ اُس روزے سے حاجیوں کے ساتھ مشابہت اور ان کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے جس رحمت کا نزول اُن پر ہوتا ہے اُدھر بھی اس کی توجہ ہو جاتی ہے اور عاشورہ کے روزہ پر اس روزہ کو فضیلت حاصل ہونے کا یہ سبب ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنا فی الحقیقت اس رحمت الہی کے دریا میں غرق ہو جانا ہے جو اُس روزہ بندوں پر نازل ہو رہی ہے۔ اور عاشورہ کے روزہ کا اس رحمت کا اپنی طرف متوجہ کرنا منظور ہے جو گذر چکی ہے۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے جب رحمت الہی کے دریا میں غرق ہونے کے ثمرہ کی طرف ملاحظہ کیا جس کی وجہ سے گناہ سابق محو ہو جاتے ہیں اور گناہ لاحق سے بعد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ آدمی کا دل اُن کو قبول نہیں کرتا۔ تو یہ ثمرہ آپ نے عرفہ کے روزے میں مقرر کیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے حج میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا اس کی وجہ وہی ہے جو قربانی اور عید کی نماز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان سب امور کا ملنا حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے پر ہے اور مشابہت انہیں لوگوں کو پیدا کرنی چاہیے جو حجاج نہیں ہیں اور ایک شوال کے چھ روزے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

((من صام صیام رمضان فاتبه ستامن شوال کان کصیام الدھر کلہ))

”جو شخص رمضان کے روزے رکھ کر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔“

اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ مجید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ نہیں حاصل کر سکتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات کہ اُن کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس واسطے مخصوص کیے گئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے (یعنی تیس اور چھ چھتیس ہوئے اور چھتیس دہائی تین سو ساٹھ ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہیں اور ایک ہر ماہ میں تین روزوں کا رکھنا ہے کیونکہ وہ بھی اسی حساب سے سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور تین کی مقدار کثرت کا ادنیٰ درجہ ہے اب اس بات میں روایت مختلف ہے کہ کون سے تین روزے رکھنا چاہئیں ایک روایت میں تو آیا ہے اے ابوذر رضی اللہ عنہ! اگر مہینے میں تو تین روزے رکھے تو مہینے کی تیرہویں اور چودھویں اور پندرہویں کو رکھا کر اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ اور اتوار اور پیر کے دن اور دوسرے مہینے میں منگل بدھ اور جمعرات کے روزے رکھا کرتے تھے اور ہر مہینے کی پہلی تاریخ سے بھی تین روزے رکھنا ایک روایت میں آیا ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ کو تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا جن کا پہلا دن پیر یا جمعرات ہے اور ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ سبب ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ شب قدر کی دو راتیں ہیں ایک تو دو رات جس میں تمام امور حکمیہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی رات میں پورا قرآن پہلے آسمان پر اترتا ہے بعد ازاں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہتا ہے شب سال بھر میں ایک رات ہوتی ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ ماہ رمضان ہی میں ہو۔ البتہ رمضان کے مہینے میں اس کے پائے جانے کا احتمال قوی ہے اور جس سال قرآن اترتا ہے تو اُس سال یہ

راتِ رمضان کے مہینہ میں ہوئی ہے اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحِ نیت کا عالم کے اندر پھیلاؤ ہوتا ہے اور اُس شب میں مالکِ مقربین کا زمین کی طرف نزول ہوتا ہے اور مسلمان لوگ اتفاق سے اس شب میں عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور باہم اُن کے انوار کا غل ایک دوسرے پر پڑتا ہے تو ملائکہ سے اُن کو قرب ہو جاتا ہے اور شیاطین اُن سے دُور ہو جاتے ہیں اور اُن کی دعا میں اور عبادتیں مقبول ہوتی ہیں اور یہ شبِ رمضان کے اخیر عشرہ میں طاق تاریخوں میں مقدم و موخر ہوتی رہتی ہے لیکن عشرہ اخیرہ سے باہر نہیں ہوتی تو جو شخص شب قدر سے پہلی شب مراد لیتا ہے اس کا تو یہ قول ہے کہ شب قدر سال بھر کبھی نہ کبھی ہوتی ہے اور جو شخص شب قدر سے دوسری شب قدر مراد لیتا ہے اس کا یہ قول ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تُبَارِكُ خَوَابُ كَوَسَاتَيْمَسْوِيٍّ شَبٍّ فِي مِثْقَلِ پَاتَاہُونَ** اور جس شخص کو اس شب کی تلاش ہو وہ ستائیسویں رات میں تلاش کرے اور آپ نے فرمایا مجھ کو یہ رات دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے اس کی صبح کو اپنے آپ کو پانی اور منی میں سجدہ کرتے دیکھا اور یہ بات اسیوں شب میں دیکھی گئی یعنی اسیوں شب کی صبح کو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی پیشانی پر پانی اور منی کا اثر دیکھا اور صحابہ کے درمیان شب قدر میں اختلاف ہے اُس کا منبع شب قدر کے دیکھنے پر ہے جو شخص شب قدر کو دیکھے اُس کو یہ دعا پڑھنی چاہیے: **((اللّٰہُمَّ اَنْتَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی))** اور مسجد کے اندر اعتکاف کرنا، اجنبی اور قلب کی صفائی اور عبادت کے لیے فراغت اور مالک کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے اور شب قدر کے لیے منتظر رہنے کا سبب ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کو اخیر عشرہ میں پسند لیا اور اپنی امت کے محسنین کے لیے اس کو مقرر فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **مُتَكَفِّفٌ كُوَسْنَتٌ** ہے کہ کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے اور کسی کے جنازے میں نہ شریک ہو۔ اور عورت کو نہ ہاتھ اٹکائے نہ صحبت کرے اور بغیر حاجت کے مسجد سے باہر نہ آئے مگر مجبوری کی بات جدا ہے اور بغیر روزے کے اعتکاف نہیں ہوتا اور نہ سوائے جامع مسجد کے کہیں ہوتا ہے اس کا سبب میرے نزدیک اعتکاف کے معنی کا ثابت کرنا ہے تاکہ عبادت کی قدر اور نفس پر مشقت معلوم ہو اور عبادت کی مخالفت پائی جائے۔ واللہ اعلم۔

یہاں سے ان احادیث کا بیان ہے جو حج کے باب میں وارد ہوئی ہیں

حج سے اندر جن مصالح کا لانا لایا گیا ہے وہ چند امور ہیں ازاں بعد بیتِ اللہ کی تعلیم ہے کیونکہ شعارِ الہی میں سے ہے اور اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے اور ازاں بعد اجتماع کے معنی کا ثابت کرنا ہے یہ غلامی و عبادت اور ہر ملت کے لیے اجتماع کا ایک دن ہوتا ہے جس میں انبیاء و ائمہ و ہادی و ہادیہ ہوتے ہیں تاکہ باہم ایک دوسرے سے معرفت حاصل کریں اور ملت کے کام یکساں اور اس کے شعائر کی تعلیم کریں۔ ان طریقہ مسلمانوں کے جمع ہونے اور ان کی شہادت سے فائدہ ہونے اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے اور دین کی عزت کا ان سے پناہ لینا اللہ پاک فرماتا ہے: **﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَنَاجَا لِلنَّاسِ وَأَمَّا ۙ﴾** اور جب کہ اس گھر کو ہم نے رسولوں کو ان کے مہربان اور ان کے لیے امن کی جگہ اور ازاں بعد حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے لوگوں میں بودستور چلا آتا ہے اُس سے ما بعد وہ ملت رہا ہے یہ غلامی و عبادت و ہادی و ہادیہ کی ملت تھی اے امام اور عرب کے لیے اس سے کام مقرر کرنے والے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت سے اسی ملت کا ظاہر کرنا اور سب ملتوں پر اس کا غالب کرنا مقصود ہے پناہ لینا اللہ پاک کا ارشاد ہے: **﴿مِلَّةَ**

اَبِيْنَكُمْ اِبْرَاهِيْمَ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت لہذا اس ملت کے اماموں سے جو طریقہ جاری رہا ہے اس کی محنت نہ دینی ہوئی مثلاً فطرت کے خصال اور حج کے مناسک چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((قِفُوا عَلٰی مَشَاعِرِكُمْ فَانْكُمْ تَعْلٰی اَرْتُ مِنْ اَرْتِ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ)) اور اپنے مشاعر پر وقوف کرو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ورثہ میں سے تم و ورثہ پہنچا ہے اور ازاں جملہ ایک ایسی بات پر اتفاق کا پایا جاتا ہے جس میں ہر خاص و عام کے لیے آسانی ہے۔ جیسے منیٰ میں اترنا اور مزدلفہ میں شب کو قیام کرنا کیونکہ اگر ایسی بات پر ان کا اتفاق نہ ہوتا تو ان کے لیے سخت دشواری ہوتی اور اگر اس کا حکم قطعی نہیں دیا جاتا تو باوجود اس کثرت اور انتشار کے سب لوگ ایک بات پر متفق نہ ہوتے اور ازاں جملہ ایسے اعمال کا پایا جاتا جن سے ان کے کرنے والے کا موجد اور حق کا تابع ہونا اور ملت حنفی میں داخل ہونا اور اس ملت کے گزشتہ لوگوں پر جو جو انعامات ہوئے ہیں ان پر شکر کرنا معلوم ہوتا ہے جیسے صفا مروہ میں سعی کرنی اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت بھی حج کیا کرتے تھے اور حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا لیکن انہوں نے اس کے اندر اور بہت سی باتیں جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پتہ نہ لگتا تھا اور صرف انہیں ہی ایسا شدہ تھیں شامل کر لی تھیں اور ان باتوں میں شرک پایا جاتا تھا جیسے اساف و ناکلہ اور منات و طاغیہ کے لیے احرام باندھنا اور ان کا تہیہ میں یہ کہنا لا شریک لک الا شریکاکا ھو لک اور یہ باتیں ایسی تھیں جن سے نہایت تاکید سے منع کرنا ضروری تھا اور بہت دن باتیں بطریق فخر اور خود پسندی کے اپنی طرف سے کیا کرتے تھے جیسے تمس کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے جوار میں رہتے ہیں اس سے حرم سے ہم نکلیں گے اس لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿لَکُمْ اَفِیْضُوا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ پھر تم چلوں جس راستہ سے لوگ چل دیئے اور منیٰ کے دنوں میں وہ لوگ اپنے باپ دادوں کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے لہذا یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِ کُمْ اَبَآءَ کُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا﴾ یاد اللہ کی ایسی یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ اور چونکہ انصار نے اس کی حقیقت کو معلوم کر لیا اس لیے صفا مروہ میں بھی سعی کرنے سے ان کو پرہیز ہوا حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿اِنَّ الصُّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِرِ اللّٰهِ﴾ صفا اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اور ازاں جملہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے قیاسات فاسدہ ایجاد کر لیے تھے جن کا مدار دین میں رائے زنی کرنے پر تھا اور ان باتوں میں لوگوں کو دقت تھی اور دور ہونے اور متروک ہونے کے قابل تھیں جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ قوم گھروں کے دروازوں سے داخل نہ ہوں اور چیمتوں پر سے یعنی پشت کی طرف سے چڑھ کر گھروں میں آیا کرتے تھے ان کو یہ خیال تھا کہ دروازہ سے مکان کے اندر آنا ایک معمولی بات ہے جو احرام کی ہیئت کے منافی ہے اسی لیے یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوتَ مِنْ ظُهُورِہَا﴾ پشت کی طرف سے تمہارا گھر میں آنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے۔ اور ایام حج میں وہ لوگ خرید و فروخت کو مکر وہ جانتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان ایام میں تجارت کرنے سے عمل میں خلل نہیں رہتا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَبْتَغُوا فُضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ اپنے پروردگار سے فضل کی تلاش میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں اور اس بات کو اچھا جانتے تھے کہ بغیر سفر خرچ کے حج کریں اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے اور پھر لوگوں کو تنگ کیا کرتے تھے اور ان پر ظلم کیا کرتے تھے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَتَرَوْذَوًا فَانْ خِیرَا الزَّادَ التَّقْوٰی﴾ اور زاد راہ لے لو البتہ بہتر زاد راہ پر بیزگاری ہے۔

اور اُن کا قول تھا کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا بڑا سخت گناہ ہے اور کہا کرتے تھے جب صفر کا مہینہ گزر گیا اور اونٹوں کی پشت کے زخم اچھے ہو گئے اور سفر کے آثار جاتے رہے تو عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ درست ہو گیا اور آفقیوں کے لیے اس میں نہایت وقت تھی کیونکہ عمرہ کے لیے اُن کو از سر نو سفر کرنے کی حاجت پڑتی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس بات کا حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام سے باہر آئیں اور اس کے بعد حج کریں اور اس امر میں آپؐ نے بہت تشدد سے فرمایا کیونکہ یہ باتیں اُن کی عادات میں داخل ہو کر مرکزِ خاطر ہو گئی تھیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((يا ايها الناس قد فرض عليكم الحج ... الخ)) اے لوگو! تمہارے اوپر حج فرض کیا گیا۔ لہذا حج کرو اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر سال آپؐ یہ سن کر خاموش ہو رہے حتیٰ کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر کہہ دوں میں (ہاں) تو اہل ہر سال واجب ہو جائے اور تم نہ کر سکو۔ میرے نزدیک اس میں یہ راز ہے کہ کسی خاص وقت پر وحی نازل ہونے کا سبب لوگوں کا ایک امر پر متوجہ ہونا اور اُن کے صوم اور اُن کی ہمتوں کا اس امر کو قبول کر لینا اور اس مقدار کا لوگوں میں مشہور اور متداول ہونا آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے اس کا طلب کرنا ہوتا ہے پس جب یہ دونوں امر جمع ہو جاتے ہیں تو اُس کے موافق وحی کا نازل ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے اور یہ امر تم یہاں سے معلوم کر سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب کسی زبان میں بجز اُن لوگوں کی زبان کے اور بجز ایسے الفاظ کے جن کو وہ سمجھ سکیں نہیں نازل فرمائی اور نہ کوئی ایسا حکم یا دلیل اُن کے لیے بیان کی کہ جو وہ آسانی سے نہ سمجھ سکیں۔ اور یہ ہو بھی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وحی کا مدار اللہ تعالیٰ کی عنایت پر ہے اور عنایت اس میں پائی جاتی ہے کہ جس امر کو وہ آسانی سے قبول کر سکیں وہی بات اُن کے لیے تجویز کی جائے اور کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا سب اعمال میں سے کون سے عمل کو فضیلت ہے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنا اس پر عرض کیا اس کے بعد سب اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس نے کہا اس کے بعد سب اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا حج مبرور۔

اس حدیث میں اور آنحضرت ﷺ کے ذکر کی فضیلت میں یہ فرمانے سے ((الا انبئکم بافضل اعمالکم)) الحدیث۔ کیا میں تمہارے اعمال سے افضل ترین عمل نہ بتا دوں اس لیے کہ فضیلت اعتبار کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے اور یہاں پر فضیلت کا دین الہی کی تعلیم اور شعائر الہی کے ظہور کے لحاظ سے بیان کرنا مقصود ہے اور اس اعتبار سے ایمان کے بعد جہاد اور حج کے برابر کوئی عمل نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته امه)) جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرے اور اس میں افواہ باتیں اور فحش کے کام نہ کرے تو اس روز کا سا ہو جاتا ہے جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((ان عمرة في رمضان تعدل حجة)) رمضان میں ایک عمرہ ایک حج سے برابر ہے میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر فضیلت حاصل ہونے کا یہی سبب ہے کہ حج کے اندر شعائر الہی کی تعلیم اور رست الہی کے ظاہر کرنے پر لوگوں کا اذعان ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ بات نہیں ہوتی رمضان کے مہینہ میں جو عمرہ پایا جاتا ہے اونچے کام ہوتا ہے اس لیے کہ رمضان کے مہینے میں مہین کا ساے کا پرتو پڑتا رہتا ہے اور عالم میں روحانیت کا نزول ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((من زاد اور احله تبلغه الى بيت الله ولم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا)).
 "جس شخص کے پاس زاد راہ اور ایسی سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس نے حج نہیں کیا پھر نہیں پرواہ اُس کو کہ
 یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔"

میں کہتا ہوں اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن کا ترک کر دینا ایسا ہے جیسے اسلام سے باہر ہو جانا اور حج کے ترک کرنے والے کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ اور تارک صلوٰۃ کو مشرک کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ یہ دونوں نصرانی نماز پڑھتے ہیں لیکن حج نہیں کرتے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ حج کرنے والا کیا ہوتا ہے آپ نے فرمایا سر میں خاک بدن میں بدبو۔ پھر عرض کیا گیا کون سا حج بہتر ہے آپ نے فرمایا جس میں باوازا بلند تلبیہ کہے اور قربانی کرے پھر عرض کیا گیا راستہ سے کیا مراد ہے یعنی ((مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا)) میں۔ آپ نے فرمایا زاد راہ اور سواری۔ میں کہتا ہوں حاجی کی شان سے اللہ تعالیٰ کے لیے نیاز مندی ہے اور حج کے اندر جس مصلحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حضرات ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی موافقت اور اللہ تعالیٰ کے جو ان پر انعامات ہوئے ہیں ان کا یاد کرنا ہے اور زاد راہ اور سواری سے راستہ کی تسہیل اس لیے کی گئی کہ یہ دونوں چیزیں آسانی کا سبب ہیں جس کی رعایت حج جیسی عبادت شاقہ میں ضروری ہیں اور جنازہ کی نماز اور میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا بیان کیا ہے اگر وہی بیان دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے۔

مناسک کا بیان

معلوم کرنا چاہیے کہ صحابہ کرام اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تمام مومنین سے جو مناسک منقول ہیں وہ چار ہیں۔ حج مفرد۔ عمرہ مفرد۔ حج تمتع۔ حج قرآن۔ مکہ کے باشندوں کو حج مقرر کرنے کی یہ صورت ہے کہ وہیں احرام باندھے اور احرام کی حالت میں جماع اور اُس کے ودائی اور سر منڈوانے اور ناخنوں کے ترشوانے اور سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھکنے اور خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے اجتناب کرے اور ایسا قول کے موافق نکاح سے بھی اجتناب کرے پھر عرفات کو جائے اور عرفہ کی شام وہاں موجود ہو جائے پھر بعد غروب آفتاب کے وہاں سے واپس ہو کر مزدلفہ میں شب باقی کرے اور قبل طلوع آفتاب کے منی میں آ کر عقبہ کبریٰ رمی جمار کرے اب اُس کے ساتھ ہدی ہو تو وہیں اُس کی قربانی کرے اور سر منڈوا دے یا بال ترشہ اے پھر ایام منی میں طواف ایفا کرے اور منامروہ میں سعی کرے۔

اور آفتی کے لیے یوں کرنا چاہیے کہ ہر ایک سرانی میقات سے احرام باندھے اور عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے اُروہ مکہ میں آ گیا تو وہ طواف قدم کرے اور اُس میں اُڑ کر چلے اور منامروہ میں سعی کرے پھر اپنے احرام پر بدستور قائم رہے حتیٰ کہ عرفات پر مقیم ہو اور رمی جمار کرے اور سر منڈوا دے اور طواف کرے اور اب اکثر نے اور دوڑنے کا حکم نہیں ہے۔ اور عمرہ کی ترکیب مکہ والوں کے لیے یہ ہے کہ حل سے احرام باندھے اور آفتی کو اپنے اپنے میقات سے احرام باندھنا

چاہیے اور بعد ازاں طواف وسعی کرے اور بالوں کو منڈائے یا ترشوائے۔

اور تمتع کی صورت آفاقی کے لیے یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے لیے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنا عمرہ پورا کرے احرام سے باہر آئے اور حج کے ایام تک بغیر احرام کے رہے اور جو اس کو گائے بکری میسر ہو اس کی قربانی کرے۔

قرآن کی یہ صورت ہے کہ باہر کا آدمی معاج وعمرہ کے لیے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنے احرام پر قائم رہے جب تک افعال حج سے فارغ ہو اور اس کو ایک طواف اور ایک مرتبہ سعی کرنا چاہیے اور ایک قول کے موافق دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرنا چاہیے بعد ازاں جو گائے بکری اس کو بہم پہنچے پھر جب مکہ سے باہر آنے کا قصد کرے طواف وداع کرے۔

معلوم کرو کہ حج وعمرہ کے لیے احرام ایسا ہے جیسے نماز کے لیے تمیز۔ احرام کے اندر اخلاص و تعظیم اور ایک ظاہری فعل سے حج کے محکم ارادہ کی صورت معلوم ہوتی ہے اور اس میں آدمی کے نفس میں ذلت اور خشوع کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں تمام لذائذ اور مادیات موقوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتوں کا چھوڑنا ہوتا ہے اور اس میں لقب اور نشکی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی حالت کا بدانا پایا جاتا ہے اور محرم کو ان اشیاء سے اجتناب کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ تا کہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونے سے معافی پائے جائیں اور خوف الہی اور اس کی تعظیم کا اثر ظاہر ہو اور نفس کو اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہونے پائے بلکہ اس پر غلبہ رہے اور شکار کرنا ایک قسم کے لبو میں داخل ہے اور توسع کے قبیلہ سے ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((مَنْ اتَّبَعَ صِيْدَ الْهَيْمَةِ)) جس نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لبو کیا۔ آنحضرت ﷺ اور کبار صحابہ مجوسیہ سے شکار کرنا ثابت نہیں ہے اگرچہ آپ نے فی الجملہ اس کی اجازت دی ہے اور جماع کرنا فی المتیقہ شہوت بھیمہ میں منہک ہونا ہے اس لیے اس سے ممانعت کی گئی اور چونکہ مطلقاً اس باب کا بند کرنا روا نہ تھا کیونکہ وہ قانون شرعی کے خلاف تھا لہذا کم از کم بعض حالات میں اس سے ممانعت کرنا ضروری ہوا۔ مثلاً احرام اور تکاف اور روزہ کی حالت اور نیز حیض کی حالت میں اس سے ممانعت کی گئی مثلاً مساجد کے اندر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی محرم کو کس قسم کے کپڑے پہننے چاہئیں آپ نے فرمایا کرتے مت پہنو اور نہ عمامے اور نہ پانچواں اور نہ برنس (یعنی بارانی) اور نہ موز۔ اور آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا خوشبو جو تیرے مٹی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھو ڈال اور بچہ کو اتار ڈال ملے ہوئے کپڑے اور اس کے مثل اور اس کپڑے میں جو نہ سلا ہوا ہو اور نہ وہ جو اس کے مثل ہے یہ فرق ہے کہ پہلے کا پہننا اوقات میں سے ہے اور قبل اور زینت کے لیے پہننا جاتا ہے اور دوسرے صرف بدن کا ستر ہے اور پہلے کے ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ساتھ نیاز مندی کی شان پائی جاتی ہے اور دوسرے کا ترک کرتا بے ادبی میں داخل ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَنْكَحُ الْمُحْرَمُ وَلَا يَنْكَحُ وَلَا يَخْلُبُ))

”محرم نہ نکاح کرے نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کی بات نہ کرے۔“

اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ سے نکاح احرام میں نکاح لیا ہے میں کہتا ہوں اہل نبی کے تمام صحابہ اور تابعین اور فقہار رحمۃ اللہ علیہم نے نزدیک محرم کے لیے نکاح کرنا خلاف سنت ہے اور اہل عراق کے نزدیک محرم کا نکاح

جائز ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ احتیاط پر عمل کرنا بہتر ہے اور قول اول کے موافق اس کا یہ سبب ہے کہ نکاح انتظامات مطلوبہ میں داخل ہے اور بہ نسبت شکار کے زیادہ مطلوب چیز ہے اور نکاح کرنے کو نکاح کے باقی رکھنے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ خوشی اور سرور ابتداء میں ہوتا ہے لہذا نکاح کے باب میں عروس ضرب المثل کی جاتی ہے اور اس کا باقی رکھنا ضرب المثل نہیں ہے اب شکار کے معنی معین کرنا ضروری تھا کیونکہ انسان کبھی تو کسی چیز کو کھانے کے لیے مارتا ہے اور کبھی اس کو حاکماً مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف شکار کی مشق منظور ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کے ضرر سے خود بچنے کے لیے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی غرض سے۔ روایت ہے اور کبھی کسی کائے بکری کو ذبح کرتا ہے اس لیے اس بات کی تعیین ضروری ہوئی کہ ان صورتوں میں سے شکار اس کو ہنر پائے ہذا آپ نے فرمایا

((خمس لا جناح علی من قتلہن فی الحرم والاحرام)) الحدیث

پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے حرم اور احرام میں مار ڈالنے پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ چوہا، بیل، وا، بچھو اور وہ ستا جو لوگوں کو کاٹتا ہو۔

اور ان سب میں جہت جامعہ یہ ہے کہ یہ سب جانور موزی اور انسان اور اس کے متاع پر ایذا پہنچانے والے جانور ہیں۔ اگر عرف سے بھی تلاش کی جائے تو ان جانوروں کے مارنے کو عرف میں شکار نہیں کہتے۔ اور اس طرح کائے بکری اور مرغی وغیرہ اور جو جانور اس کے مثل ہیں جن کے پالنے کا گھروں میں دستور ہے ان کے ذبح کرنے کو شکار نہیں کہتے بلکہ دوسری قسموں میں بظاہر شکار کا اطلاق پایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے میقات کی تعیین اس طرح فرمائی ہے کہ اہل مدینہ کے لیے مدینہ، اہل شام کے لیے نجد۔ اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یثلم۔ جو لوگ ان مواقیت میں رہتے ہیں یا باہر کے لوگ ان میں آ جاتے ہیں۔ ان کے لیے بھی یہی مقامات ہیں اگر وہ لوگ حج اور عمرہ کا قصد کریں ان کے لیے یہ مواقیت ہیں اور جو لوگ ان میقاتوں سے ورے کے ہیں ان کو اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا چاہیے جیسا کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں مواقیت کے اندر اصل یہ ہے کہ مکہ کو ایسی حالت میں آنا چاہیے کہ سر پر ناک بھری ہو۔ اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو اور نفس ذلت کی حالت میں ہو۔ شارع کو یہی مطلوب ہے اور اگر تمام لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض بعض شہر مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ ہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کے لیے مکہ کے گرد چند مقامات معینہ بنائیں گے جائیں جن مقامات سے احرام باندھ سکیں اور ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضروری ہے کہ یہ مقامات صحرا اور شہروں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو اور جن مکوں کے لیے یہ مقامات مواقیت مقرر کیے گئے ہیں ان کے راستے میں پڑتے ہوں۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تحقیق فرما کر ان مقامات و میقات مقرر فرمایا۔ اور اہل مدینہ کے لیے وہ میقات مقرر فرمایا جو سب سے دور ہے کیونکہ مدینہ منورہ وحی کا جائے نزول اور ایمان کا مرکز اور دارالہجرت اور تمام دنیا میں مدینہ و اول ہستی ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانی ہے اس لیے اس کے رہنے والے اس قابل ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں نہایت درجہ کوشش کریں اور زیادہ عبادت کے ساتھ مخصوص کیے جائیں اور نیز مدینہ تمام ان اطراف سے جو آپ کے زمانہ میں ایمان لائے تھے اور خاص تھے سب سے زیادہ قریب ہے بخلاف جو ان



اور طائف اور یمامہ وغیرہ کے ہندامینہ والوں کو اس میں کچھ وقت نہیں ہے عرفات کے وقوف کرنے میں یہ راز ہے کہ ایک زمانہ ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف اُن کا راغب ہونا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اُس سے دعا کرتا ہرکات الہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے اختشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت و خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز اس اجتماع میں مسلمانوں کی شان و شوکت معلوم ہوتی ہے اور اس دن اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور ثابت ہوتی چلی آتی ہے چنانچہ حضرت آدمؑ اور اُن کے مابعد انبیاء سے اس کی نسبت روایات بیان کرتی ہیں اور سلف صالح سے جو طریقہ منقول چلا آتا ہے توقیت اور تعمین کے باب میں اس کا قبول کرنا بڑا اصل الاصول ہے۔

منیٰ میں اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے منیٰ۔ عکاظہ اور مجنہ اور ذی الحجاز وغیرہ کی مانند ایک عظیم الشان بازار تھا اور یہ بازار انہوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا کہ حج کے اندر کثرت سے دور دراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی۔ اور تجارت کے حق میں اس سے زیادہ مناسب اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ اس میلے کے ساتھ اُس کا وقت مقرر کیا جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکہ کے اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش نہیں ہے ہذا اُس ہر قسم کے تمام لوگ منیٰ کی مانند کسی فضا میں اترنے پر متفق نہ ہوں تو بڑی وقت پڑے اور اگر بعض بعض ادنیٰ لوگ منتخب کر کے منیٰ میں اتارے جائیں تو اُن کو ملال گزرے اور جب وہاں اترنے کا دستور عام ہو گیا تو عرب کی اور اُن کی حمیت کا متقاضی یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کے لوگ اپنا خراج اور اپنے گروہ کی کثرت ثابت کرنے اور اپنے باپ دادا کی سوانح بیان کرنے اور اُن کی دلاوری اور اُن کے اعوان اور انصار کی کثرت لوگوں پر ظاہر کرنے میں کوشش کریں تاکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس بات کو معلوم کرے اور دور دراز ملکوں میں اُن کی شہرت ہو اور اسلام کو بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی تاکہ مسلمانوں کی شوکت اور اُن کا سامان اور اُن کی کثرت لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور اس کی وجہ سے دین اسلام کا ظہور ہو کر دُور دُور تک اس کا آواز پہنچے اور تمام اطراف زمین میں اس کا دبہ ظاہر ہو جائے ہذا آنحضرت ﷺ نے اس اجتماع کو بدستور رکھا اور اُس پر لوگوں کو شوق اور حرص والی مکر تھاخرا اور آباؤ اجداد کے حالات بیان کرنے سے منع فرمایا کہ اس کی جگہ ذکر الہی کو مقرر فرمایا جس طرح آنحضرت ﷺ نے اُن کی تمام ضیافت اور ولیمہ میں سے سب کو دُور کر کے کالج کے ولیمہ اور اولاد کے عقیقہ کو باقی رکھا کیونکہ تدبیر منال سے متعلق اُن کے اندر آپ نے بہت سے فوائد کا ملاحظہ فرمایا اور مزائد میں رات بسر کرنے کے لیے یہ راز ہے کہ اُن کا یہ قدیمی دستور تھا اور یہ دستور انہوں نے شاید اس لیے مقرر کر رکھا تھا کہ لوگوں کا یہاں پر اس قدر اجتماع ہوتا ہے اور پھر اُس کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ بعد از مغرب لوگ عرفات سے لوٹتے ہیں اور تمام اُن کا تھکان ہوتا ہے کیونکہ دور دراز سے وہ وہاں آ کر جمع ہوتے ہیں پھر اُن کے ایک وقت میں فوراً منیٰ میں جانے کی تکلیف دی جائے تو اُن و بہت پریشانی ہو اور اہل جاہلیت غروب سے پہلے عرفات سے اتر آتے تھے اور پھر وہاں اس بات میں ایک قسم کا ابہام تھا اور قطعی طور پر کسی خاص وقت کا تعین نہ تھا اور ایسے انبوہ کثیر میں وقت کی ادنیٰ تعین نہ ہوتی تھی اُس میں ابہام کا انتقال نہ رہتا اس لیے غروب آفتاب سے اس کی تعین کی گئی اور شجر الحرام میں ٹھہرنے کا اس کو دستور تھا اور اہل جاہلیت باہم تھاخرا و نمود کے لیے قیام کرتے تھے اس سے بدلے میں کثرت سے ذکر الہی کرنے کا عزم دیا گیا تاکہ اُن کی یہ حالت دُور ہو اور ایسی جگہ کے توہید بیان کرنے میں اُن کو مرض پیدا ہو اور یہ ایسا ہوا جیسے ان سے کہا جاتا دیکھنا ہے کہ تم

اللہ تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے تھے اور رمی الجمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی الجمار اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ توقيت ذکر کی تمام اقسام میں سے بہتر اور کامل اور وجوہ توقيت کے لیے زیادہ تر جامع یہ قسم ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مقام کے ساتھ ذکر کی تعیین کی جائے اور اس کے ساتھ ایک ایسی قسم بھی مقرر کی جائے جس سے ذکر کے شمار محفوظ رہ سکے اور سب کے سامنے ذکر کا پایا جانا ثابت ہو اور پتہ بخفی نہ رہے اور ذکر الہی کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے دین کی تابعداری منظور ہو۔ اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی الجمار بھی اسی قبیلہ سے ہے اسی لیے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور ایک قسم وہ ہے جس سے نفس کو اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر مطلع کرنا منظور ہوتا ہے اس ذکر میں کثرت کی حاجت ہے اور نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمی الجمار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے شیطان کو اس سے دفع کیا تھا لہذا اس فعل کی حکایت کرنے میں نفس کو نہایت تنبیہ ہوتی ہے۔ ہدی میں یہ راز ہے کہ اُس میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل کے ساتھ کہ انہوں نے پیارے بیٹے کو اس جگہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی طرف توجہ کے قصد سے ذبح کرنا چاہا تھا مشابہت ہے۔ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو انعامات کئے ہیں اُن کی یاد دہانی ہوتی ہے اور اس وقت اور اسی زمانہ میں اس فعل کے کرنے میں نفس کو تنبیہ عظیم ہوتی ہے اور حج تمتع اور قرآن کرنے والے پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر میں کہ اس نے جاہلیت کے وبال کو اُن سے دور کر دیا۔ ہدی واجب ہے اور سرمنڈانے میں یہ راز ہے کہ سرمنڈانا فی الحقیقت احرام سے نکلنے کا ایک فعل ہے طریقہ معین کرتا ہے اور وہ فعل وقار کی حالت سے منافی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں کو اختیار دے دیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی چال چلتا اور نیز اُس میں تغیر کے زمانہ کا گزرنا بوجہ اتم پایا جاتا ہے اور سرمنڈانے کا حال نماز میں سلام کا سا ہے اور طواف الافاضہ سے قبل سرمنڈانے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ اُس شخص کو اس شخص کے ساتھ مشابہت حاصل ہو کہ گرد و غبار سے صاف ہو کر سلاطین کے حضور میں داخل ہوتا ہے۔

طواف کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ حجر اسود کے پاس آکر اُس کو بوسہ دے اور اُس کے دہنی طرف سے چل کر سات مرتبہ طواف کرے اور ہر مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دیتا جائے یا کسی کنز وغیرہ سے جو اُس کے ہاتھ میں ہے اس کی طرف اشارہ کرے اور تہمیر ہے اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور اس حالت میں وہ شخص طہارت پر قائم ہو اور کہیں سے اُس کا ستر نہ کھلا ہو اور وہ بجز عمدہ بات کے کوئی بات زبان سے نہ نکالے پھر مقام ابراہیم علیہ السلام میں آکر دو رکعت نماز پڑھے۔ حجر اسود سے شروع کرنے کی یہ وجہ ہے کہ تشریق کے وقت محل ہدایت اور چلنے کی جانب کا معین کرنا ضروری ہوا۔ اور حجر اسود بیت اللہ کی تمام چیزوں میں متبرک چیز ہے کیونکہ یہ جنت سے اتر آیا اور دونوں طرفوں میں جانب یمین متبرک ہوتی ہے۔ اور طواف القدوم بمنزلہ تحیۃ المسجد کے ہے بیت اللہ کی تسبیح کے لیے اس کو مقرر کیا ہے دوسرے یہ کہ جب طواف کی جگہ اور زمانہ موجود ہے اور اس کے تمام اسباب مبیا ہیں پھر اس میں دیر کرنا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ بیت اللہ کے اول طواف میں اکڑنے اور سینہ نکال کر چلنے اور بعد ازاں صفا مردہ میں سستی کرنے میں چند راز ہیں ایک تو وہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے یعنی مشرکین کے دلوں میں ہیبت ڈالنا اور مسلمانوں کے غلبہ کا اظہار کیونکہ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ

یہ سب کی سب نے اُن کو ضعیف کر دیا ہے لہذا یہ اکڑنا جہاد کے افعال میں داخل ہے اگرچہ یہ سب تو باقی نہیں رہا اور از انجملہ یہ راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس سے رغبت کا اظہار ہو جاتا ہے اور یہ بات معصوم ہو جاتی ہے کہ اس دور دراز کے سفر اور اس قدر زحمت نے جوئے بربستی پیدا کرنے کے ان کے شوق و رغبت کو زیادہ کر دیا جس طرح کسی کا شعر ہے۔ شعر

اذا اشتکت من کلال السیر واعدھا روح الدوصال فتصحی عند مبعاد

یعنی اذنی چلتے چلتے جب کہ تھکان کی شکایت کرتی ہے تو اس کا سوار وصال کی راحت کا وعدہ کرتا ہے تو اُس وعدہ کے سننے سے اس میں بہت سی پڑ جاتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کے اندر اکڑنے کے موقوف کرنے کا قصد کیا تھا کیونکہ ان دونوں کا سبب باقی نہیں رہا پھر اجتماعاً یہ بات اُن کے فہم مبارک میں پیدا ہوئی کہ ان دونوں کا ایک اور سبب بھی ہے جو هنوز موجود ہے۔ لہذا اُن کو ترک نہیں کیا۔

مروہ کے اندر عرفات میں ٹھہرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے لہذا اُس میں قیام کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر اُس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہوتا تو وہ حج ہوتا اور ظاہر ہے کہ سال میں دو مرتبہ لوگوں کے اجتماع میں کس قدر وقت ہے اور مروہ کے اندر مقصود بالذات صرف نعمت الہی کا شکر اور بیت اللہ کی تعظیم ہے اور صفا اور مروہ میں سعی کرنے کے اندر چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے یہ راز ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفا و مروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے ٹھلنا شروع کیا جس طرح کوئی متسکراً آدمی جلد جلد مڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی فکر کو دو طریقوں سے رفع کر دیا ہے ایک تو آب زمزم برآمد ہو گیا دوسرے لوگوں کے دل میں اُس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور اُن کے فرمانبرداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور اُن کی کرامت کی یاد کریں تاکہ اُن کی قوت بکیمی مہبت ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف اُن کو راہنمائی کرے اور اس کے اندر کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس دلی اقتدار و کسی خاص ظاہری فعل سے جو ان کے خلاف مادت ہے اور مکہ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک قسم کی اُن کے لیے ذلت ہے اُن سے اعتقاد کی مضبوطی کی جائے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اُس تہیف اور مشقت کا نقل کرتا ہے اور ایسے موقع پر ایک حالت کی نقل کرتا بدرجہا زبانی باتوں سے مفید ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((لا یمنون احدکم حتی یکون آخر عہدہ سالست)) یعنی تم میں سے کوئی شخص اخیر وقت بیت اللہ میں جائے بغیر وہاں سے نہ نکلے اور حائض کو آپ نے معاف کیا ہے میرے نزدیک اخیر وقت پر بیت اللہ کے جانے میں بیت اللہ کی تعظیم نے اس لیے کہ ہدایت بھی اُسی سے ہوئی تھی اور تمامی بھی اُسی پر ہوئی تھی تاہم معلوم ہو جائے کہ مقصود بالذات مغرب سے بیت اللہ ہے اور نیزہ و تیرہ ہے کہ قصد لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے سلاطین سے مل کر جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔



حجۃ الوداع کا ذکر

حجۃ الوداع کے باب میں حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہم کی حدیث اصل ہے۔ معلوم کرو کہ آنحضرت ﷺ نو برس تک مدینہ کے اندر تشریف فرما رہے اور اس عرصہ میں آپؐ نے حج نہیں کیا پھر دسویں سال اس بات کا اعلان کیا گیا کہ حج کرنا چاہتے ہیں یہ سن کر بہت خلقت مدینہ میں آگئی اور آپؐ مدینہ سے رخصت ہو کر ذوالحلیفہ میں تشریف لائے اور وہاں غسل کر کے خوشبو لگائی اور مسجد میں دو رکعت پڑھیں اور ایک تہ بند اور ایک چادر پہنی اور وہیں سے احرام باندھا اور اسی طرح پر تلبیہ پڑھا۔ **لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك**۔ میں کہتا ہوں یہاں پر دو باتوں میں اختلاف ہے ایک تو یہ کہ آپؐ نے حج مفرد کیا تھا یا حج تمتع یا بطور کہ عمرہ سے باہر آ کر از سر نو حج کیا ہو یا یہ کہ آپؐ نے حج کا احرام باندھا پھر حضرت جبرائیلؑ نے اس کے اندر عمرہ کے داخل کرنے کا اشارہ کیا اور آپؐ اسی احرام پر قائم رہے حتیٰ کہ حج سے فارغ ہوئے اور احرام سے باہر نہیں آئے کیونکہ آپؐ (ہدی) روانہ کر چکے تھے دوسرے یہ کہ آپؐ نے تلبیہ کس وقت پڑھا نماز کے وقت یا جس وقت آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے یا جب بیت اللہ کا جنگل قریب آ گیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قاصد لوگ آتے اور جیسے آپؐ کو کرتے دیکھتے ویسی ہی خبر دیتے اور شروع احرام آپؐ ﷺ کا اس وقت تھا جب کہ دو رکعت نماز پڑھتے اور آپؐ کا غسل کرنا اور دو رکعت نماز کا پڑھنا اس لیے تھا کہ اس میں شعائر الہی کی تعظیم تھی اور نیز اس میں ایک ظاہری فعل خاص سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص اور اس کی بندگی کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے نیت کا منضبط ہونا اور نیز اس طور سے لباس کے بدلنے میں نفس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر تنبیہ اور بیداری ہوتی ہے اور آپؐ کے خوشبو لگانے کی یہ وجہ ہے کہ احرام کا زمانہ گروہ و غبر میں آلودہ رہنے کا وقت ہے لہذا احرام سے پہلے کسی قدر اس کا تدارک ضروری ہے اور تلبیہ میں آپؐ نے اس لیے ان کلمات کو اختیار کیا کہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم رہنے کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ان کلمات میں یاد دہانی ہے اور اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا وہ اپنے بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے لہذا آپؐ نے مسلمانوں اور مشرکین کے اندر تمیز اور ان کے رد کرنے کے قصد سے یہ کلمہ **لا شريك لك** بھی اس میں داخل کیا۔

حج کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مندی اور جنت کا کثرت سے سوال کرتا اور اس کی رحمت سے دوزخ سے پناہ مانگتا بہتر ہے اور حضرت جبرائیلؑ نے احرام اور تلبیہ کے اندر آوازوں کے بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من مسلم بلى الالب ما معه عن يمينه و شماله من شجر او حجر او مدر حتى تنقطع الارض من

ههنا و ههنا))۔

”کوئی مسلمان تلبیہ کرنے والا نہیں مگر جو چیز داہنے اور بائیں ہے پتھر یا درخت یا وحیدہ سب تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر اور ادھر یعنی مشرق اور مغرب سے ختم ہو چکتی ہے۔“

یہ سب نزدیک اُس میں یہ راز ہے کہ تلبیہ شعار الہی میں سے ہے اور اس میں ذکر الہی کی تعظیم ہے اور اس قسم کے اذکار کو بالجہر اور اس طرح پر پڑھنا کہ ہر غافل اور خبردار کو اس کی خبر ہو۔ اور وہ جگہ دار الاسلام معلوم ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس شخص کے نامہ اعمال میں ان مقامات کے اندر تلبیہ کرنے کی صورت مرقوم ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنی کے گوبان میں داہنی جانب نشان کیا اور اُس کا خون ہاتھ سے پونچھ دیا اور نعلین اس کی گردن میں لٹکا دیں میرے نزدیک اس نشان کرنے میں شعار الہی کی عظمت اور طہ ابراہیمی کا استحکام ہے تاکہ سب ادنیٰ و اعلیٰ اس کا معائنہ کریں اور قلب کا فعل ظاہری فعل سے منضبط ہو جائے۔“

ایک مرتبہ اسماء بنت عمیس کا ذوالخلیفہ میں وضع حمل ہو گیا تو آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ غسل کر لے اور اپنی پیشاب گاہ پر کھڑی ہو جائے اور احرام باندھ لے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ حتی الامکان احرام کی سنت ادا ہو سکے اور ایک مرتبہ سرف (ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حیض لاحق ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اللہ پاک نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ رکھی ہے پس جو باتیں حج کرنے والے کو چاہئیں وہ تو کر مگر جب تک پاک نہ ہو جائے بیت اللہ کا طواف نہ کرنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں آپؐ نے اُس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ حیض کا آنا کثیر الوقوع شے ہے ایسی چیز میں حکمت شرعی کا یہ تقاضا ہے کہ اُس امر سے وقت دفع کر دی جائے اور ایک ظاہری طریقہ اُس کے لیے مقرر کر دیا جائے اس لیے طواف القدوم اور طواف الوازع حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ساقط کر دیا گیا پھر آپؐ نے ذی طوی میں نزول فرمایا تو دن کے وقت بالائے مابعد اٹھ کر اسافل مکہ کی طرف تشریف لائے یہ آپؐ نے اس لیے کیا تاکہ بلا وقت اطمینان قلبی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اُس کی عظمت پر اطمینان سے آگاہی ہو سکے اور نیز تاکہ سب لوگ بیت اللہ کا طواف کرتا ہوا آپؐ کو دیکھیں یہ مکہ اس میں عبادت الہی کی عظمت ہے اور نیز آپؐ کو مسلم کے مسائل لوگوں کو تفہیم کرنے منظور تھے اس لیے آپؐ نے ان کو اتنی مہلت دی کہ کثرت سے سیکھنے کا قصد کر کے آپؐ کے پاس فراہم ہو جائیں اور آمد و رفت کا راستہ اس لیے بدلائے دونوں راستوں میں مسلمانوں کی شوق کا اظہار ہو جائے جس طرح عید کے اندر پھر آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے قریب تشریف لائے قرآن یمنی کو ہاتھ میں رکھ کر کھڑے ہو گئے اور بعد ازاں سات طواف کیے جن میں سے تین طواف میں سینہ نکال کر اور چار میں مولیٰ رفتار سے پلے اور صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ آگائے اور ان کے درمیان یہ دعا پڑھی۔ ((رَبَّنَا اِنْتَا فِی الدُّنْیَا حَسْبُ وَفِی الْآخِرَةِ حَسْبُ وَقَدْ اَعْذَابُ النَّارِ)) پھر مقام ابراہیم کی طرف آیت کریمہ ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اور مقام ابراہیم کو مابین اپنے اور بیت اللہ کے کر لیا اور آپؐ نے ان دو رکعتوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قُلْ بَا اَنْبِیَا الْكَافِرُوْنَ پڑھیں پھر رکن یمانی کی طرف تشریف لائے اور اس کو ہاتھ سے چھوا۔

میں بتاؤں یہ نہ نکال کر اپنے اور رکن یمانی کے بائیں کاندھ سے پر چادر ڈالنے کا سبب ہم بیان کر چکے۔ خاص کر دونوں رکن یمانی ہاتھ سے نہ لگنے کا سبب وہی ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ وہ دونوں ای حالت پر جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے

بنائے تھے اور دوسرے دور کن ایسے نہیں ہیں کیونکہ اہل جاہلیت نے ان کے اندر تغیر کر لیا ہے اور طواف کے اندر نماز کی شرطیں لگانے کا یہ سبب ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم میں طواف کا حال نماز کا سا ہے لہذا طواف نماز پر قیاس کیا گیا اور اُس کے بعد دو رکعت اس لیے مسنون کی گئیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کا تہہ ہو جائے کیونکہ اس کی تعظیم کا تہہ یہ ہے کہ نماز میں اُس کی طرف منہ کیا جائے اور خاص کر مقام ابراہیمؑ میں ان رکعتوں کے پڑھنے کی یہ وجہ ہے کہ مسجد کی تمام جگہ میں اس جگہ کو شرف حاصل ہے اور آیات الہی میں سے یہ ایک نشانی ہے۔ جس کا حضرت ابراہیمؑ پر ظہور ہوا۔ اور مقصود بالذات حج سے انہیں امور کی یاد دہانی ہے اور مابین رکعتوں کے یہ دعا مانگنا ((رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا ... الْاَيَةُ)) کا اس لیے مستحب ہوا کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی ہے کلمات کے لحاظ سے بہت مختصر ہے جس کا پڑھنا اس تھوڑی سی فرصت میں نہایت مناسب ہے پھر دروازہ سے نکل کر صفا کی طرف تشریف لائے جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ **وَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ** اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے آپؐ نے بھی ہدایت فرمائی یعنی صفا سے آپؐ نے شروع کیا اور اس پر آپؐ جڑھے یہاں تک کہ آپؐ نے بیت اللہ کو اس پر دیکھا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی بڑائی بیان کی اور کہا ((**لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ اَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ**)) اس کے درمیان میں دعا کر کے تین مرتبہ یہی پڑھا پھر آپؐ وہاں سے اتر کر مروہ کی طرف چلے یہاں تک کہ آپؐ کے قدم مبارک جنگل میں پڑنے لگے تو آپؐ تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے حتیٰ کہ وہ مسافت طے ہو چکی اور مروہ کی بلندی شروع ہو گئی تو آپؐ معمولی رفتار سے چلنے لگے یہاں تک کہ آپؐ مروہ پر چڑھ گئے اور جیسے آپؐ نے صفا پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی کبریائی بیان کی تھی ویسا ہی یہاں بھی کیا۔

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے فہم مبارک میں اس آیت سے یہ بات پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مروہ پر صفا کے ذکر کو مقدم کیا ہے اُس سے شروع کے ساتھ مذکور کا مطابق کرنا منظور ہے اور تمام وظائف میں سے ان وظائف کا مخصوص کرنے کا سبب جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے ایفاء وعدہ اور دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے کا بیان ہے یہ ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی اور بعض معجزات کا اظہار اور شرک کی تیغ کٹی اور اس بات کا بیان کہ یہ سب آپؐ کے قدموں کے نیچے ہے اور اس موقع خاص پر اللہ کے حکم اور اس کے دین کا اعلان پایا جاتا ہے اس کے بیان میں آپؐ نے فرمایا:

((**لَوْ اَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لِمَ اسْتَا الْهَدْيُ وَ جَعَلْنَهَا اَمْرَةً كَانَتْ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلَحْلٌ الْخ**))۔

جو حال بعد کو معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی روانہ نہ کرتا اور حج کو عمرہ کر لیتا اب تم میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے اُس کو احرام سے باہر آ جانا اور حج کو عمرہ کر دینا چاہیے۔

کسی نے عرض کیا اسی سال کے لیے یا ہمیشہ کے لیے آپؐ نے فرمایا بلکہ ابد الآب کے لیے یہ حکم ہے پس جتنے لوگ تھے احرام سے باہر آ گئے اور اپنے اپنے بال ترشوائے بجز آپؐ کے اور ان لوگوں کے جن کے پاس ہدی تھی۔ میرے نزدیک آپؐ کو چند امور کا انکشاف ہوا

ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کے قبل ایام حج میں عمرہ کو سخت منہ جانتے تھے لہذا آپؐ نے کامل طور پر ان کی تحریف کا باطل کرنا چاہا اور ایک یہ کہ اس بات سے ان کے دل میں کھٹکا پیدا ہوتا تھا کہ ابھی جماع کرتے ہوں اور ابھی حج شروع کر دیں حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات کہی کیا ہم عرفہ کو ایسی حالت میں چلے آئیں کہ ہمارے اعضاء سے منی نہ پھرتی ہو اور ان کی یہ بات تعمق اور رائے زنی کے قبیلہ سے تھی لہذا آپؐ نے اس دروازے کو بند کرنے کا قصد فرمایا اور ایک یہ کہ حج کے قریب قریب احرام کے باندھنے میں بیت اللہ کی پوری پوری تعظیم پائی جاتی ہے اور ہدی کے روانہ کرنے سے احرام سے باہر آ جانا اس لیے منع ہوتا ہے کہ ہدی کا روانہ کرنا ایسا ہے جیسے اس بات کا نظر کر لینا جب تک ہدی ذبح کی جائے گی میں اسی بیت پر قائم رہوں گا اور جس چیز کو انسان اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو صرف خیال ہی خیال ہوتا ہے یا ارادہ ہوتا ہے مگر کسی فعل کے ساتھ منضبط نہیں ہوتا تو ایسی بات کا اعتبار نہیں ہے اور جب اس ارادے کے ساتھ فعل کا بھی اقتراں ہو جاتا ہے اور وہ ارادہ منضبط ہو جاتا ہے تو اس ارادے کی رعایت ضروریات سے ہو جاتی ہے اور انضباط صورت مختلفہ میں ادنیٰ درجہ کا انضباط زبان سے کہہ دینے میں ہوتا ہے اور انضباط قوی جب ہوتا ہے جب زبان کے ساتھ ایک ظاہری فعل جو اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے جس حالت کا اس شخص نے ارادہ کیا ہے علانیہ طور پر پایا جائے مثلاً ہدی کا روانہ کرنا۔

پھر جب ترویہ کا دن ہو تو لوگ منیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا اور آنحضرت ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء و فجر کی نماز پڑھی پھر تموژی سی، یرنمبرے رہے حتیٰ کہ آفتاب برآمد ہوا بعد ازاں وہاں سے چل کر نمرہ (ایک مقام کا نام ہے) میں نزول فرمایا۔ میں کہتا ہوں ترویہ کے دن منیٰ کے جانے کا آپؐ نے اس لیے ارادہ کیا تا کہ آپؐ کو اور نیز اپنے ساتھیوں کو آسانی رہے۔ کیونکہ اُس دن خدات کا انہوہ کثیر ہوتا ہے اور ضعیف و مریض ہر قسم کے لوگ اس میں ہوتے ہیں لہذا ان کے لیے آسانی کرنا مناسب ہے مگر عرفہ میں وقت سے پہلے آپؐ ﷺ تشریف نہیں لائے اس خیال سے کہ لوگ اُس کو سنت نہ سمجھتے تھیں اور اس بات کا اعتقاد نہ کرتے تھیں کہ قبل از وقت عرفہ میں آ جانا موجب قربت کا ہے پھر نمرہ میں پہنچ کر جب آفتاب خوب روشن و باندھو گیا تو آپؐ نے اپنی سواری شریف سے لیے جس کا نام قصوہ تھا حکم دیا پناچہ سواری کسی گئی اور آپؐ سوار ہو کر میدان میں تشریف لے آئے اور وہاں آپؐ نے خطبہ پڑھا اُس دن نے خطبہ میں سے اس قدر لوگوں کو یاد رہ گیا ہے۔ ((ان دماءکم حرام الحج)) یعنی تمہارے خون تمہارے اوپر حرام ہیں۔ بعد ازاں بال نے اذان پڑھی اس کے بعد اقامت کہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر کی ادا کی۔ پھر بال نے تبیہ پڑھی اور آپؐ نے صلوٰۃ عصر پڑھی اور ان کے درمیان میں کچھ اور نماز نہ پڑھی۔

میں کہتا ہوں اس روز آپؐ نے خطبہ کے اندر ایسے کام بیان فرمائے جن کی لوگوں کو حاجت ہے اور ان کے معلوم کیے بغیر ہمارے نہیں ہے لہذا یہ ان اتمامِ خالق کا ہوتا ہے اور ایسی فرصت اسی قسم کے کام کے لیے مقتم ہوتی ہے جن کی تکلیف تمام خدات سے لیے قصوہ ہوتی ہے اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء آپؐ نے اس لیے اٹھا پڑھا کہ اس روز لوگوں کا ایسا جماد ہوتا ہے کہ بجز اس مقام کے نظر نہیں پڑتا اور شارع کو ایک جماعت کا ہونا قصوہ ہے اور خاص کر ایسے انہوہ کثیر میں ایک جماعت کا قائم کرنا ضرور ہے

تاکہ تمام حاضرین اُس کا معائنہ کریں اور دو وقتوں کے اندر ان لوگوں کا اجتماع سہل نہیں ہے اور نیز یہاں پر لوگ ذکر و دعا میں مشغول رہتے ہیں اور یہ امور اسی روز کا وظیفہ ہیں اور اوقات کی پابندی تمام سال کا وظیفہ ہے اور ایسی صورت میں اس چیز کو ترجیح ہوتی ہے جو ایک نا دور اور عجب امر ہے پھر آپ وہاں سے سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور رُوب قبلہ کھڑے رہے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہوا اور زردی کم ہو گئی بعد ازاں وہاں سے علیحدہ ہوئے غروب کے بعد آپ وہاں سے اس لیے علیحدہ ہوئے تاکہ جاہلیت کی تحریف باطل ہو جائے کیونکہ اہل جاہلیت غروب سے پہلے وہاں سے ہٹ جاتے تھے دوسرے یہ کہ غروب سے پہلے کا وقت کوئی معین وقت نہیں ہے اور بعد الغروب ایک معین چیز ہے اور ایسے وقت میں ایسی چیز کا حکم دینا چاہیے جس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو پھر وہاں سے چل کر مزدلفہ میں تشریف لائے اور وہاں پر مغرب کو عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور کوئی نفل نماز ان کے درمیان میں نہیں پڑھی بعد ازاں ٹھہرے حتیٰ کہ فجر ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز جب صبح روشن ہوئی ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کی پھر قصوہ پر سوار ہو کر مشعر حرام میں تشریف لائے اور رُوب قبلہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور تکبیر پڑھی لا الہ الا اللہ کہا اور اس کی توحید بیان کی اور برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ روشنی ہو گئی پھر آفتاب برآمد ہونے سے پیشتر وہاں سے چل کر بطن محشر میں تشریف لائے اور سواری کو کچھ کچھ تیز کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی شب میں تہجد کی نماز اس لیے نہیں پڑھی کہ آنحضرت ﷺ جم غفیر کے اندر بہت سے مستحبات ترک کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور مشعر حرام کے قیام کا راز ہم بیان کر چکے ہیں اور بطن محشر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے کہ دو جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے۔ لہذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف ہے اس کو اس مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے اور غضب الہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لیے آپ نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس و خوف یاد دلاتا ہے اور اُس کو متغیب کرتا ہے منضبط فرمایا پھر آنحضرت ﷺ جمرۃ العقبہ میں تشریف لائے اور سات سنگریزے اُس کی طرف پھینکے اور ہر ٹھیکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے بطن وادی سے کھڑے ہو کر ان کو پہنچا۔ میں کہتا ہوں اول دن رمی الجمار صبح کے وقت اور دونوں میں شام کے وقت ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول روز قربانی اور حلق اور رخصت ہونے کا دن ہوتا ہے اور یہ سب کام بعد رمی الجمار کے ہوتے ہیں۔ لہذا صبح کے وقت رمی الجمار ہونے میں ان کاموں کی بخوبی منجائش پائی جاتی ہے اور باقی ایام تجارت اور بازاروں کی خرید و فروخت کے ہوتے ہیں اس لیے حوائج سے فراغت ہونے کے بعد رمی الجمار کرنے میں آسانی ہے اور آخر دن میں حوائج ضروریہ سے اکثر فراغت ہوتی ہے اور رمی الجمار اور صفا مروہ کے مابین سعی کی اعداد طاق مقرر کرنے کا وہی سبب ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی عدد طاق اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور واحد حقیقی کا قائم مقام عدد میں بھی ہو سکتا ہے اور سات بھی ہو سکتا ہے لہذا سات سے اگر کفایت ہو سکے تو زیادہ اُس سے مناسب نہیں ہے۔ اور سنگریزوں کی مقدار اتنی اس لیے مقرر کی گئی کہ اُس سے چھوٹے محسوس نہ ہوتے اور اُس سے بڑے میں ایسے مقام پر ایذا پہنچنے کا احتمال ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ منحر کی طرف تشریف لائے اور وہاں پر ترسٹھ بند نے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باقی بُد نے ذبح کرنے کے لیے چھری عطا فرمائی اور اپنی ہدی میں ان کو شریک کیا اور ہر بُد نہ میں سے ایک ایک بوٹی لینے کا حکم دیا وہ

سب بوٹیاں ایک ہانڈی میں پکائی گئیں۔ حضور ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس میں سے کچھ بوٹیاں نوش فرمائیں اور کچھ شوربا پی لیا۔

میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے جو اپنے دست مبارک سے ترےٹھونچ کئے اُس میں نعمت کا شکر ادا کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابل ایک اونٹ عطا فرمایا اور ان کا گوشت کھانے اور شوربا پینے میں ہدی کی تعظیم اور اُس سے برکت حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((نَحْرُفْ هَهْنًا وَمَنَى كَلْبًا مِّنْحَرًا)) الحدیث۔ میں نے اس جگہ قربانی کی ہے اور منی سب کی سب قربانی کی جگہ ہے پس تم لوگ اپنے مقام پر قربانی کرو اور میں نے یہاں پر وقوف کیا ہے اور عرفہ سب کا سب موقف ہے اور میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور جمع یعنی مزدلفہ وہ سب قیام گاہ ہے اور ایک روایت میں اُس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ مکہ کا ہر ایک کوچہ طریق و منحر یعنی قربانی کی جگہ ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے ان افعال میں جن کو آپ تشریع احکام کے طور پر عمل میں لائے اور ان میں جو آپ سے بحسب اتفاق یا کسی مصلحت کے اعتبار سے جو اُس روز کے ساتھ مخصوص تھی یا عمدہ ترین امور کے اختیار کرنے کے طور پر عمل میں آئے فرق کر دیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر طواف کیا اور آپ زمزم نوش فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ بیت اللہ کی طرف جلدی کرنے کا یہ سبب ہے تاکہ اول وقت عبادت عمل میں آئے دوسرے یہ کہ ہر وقت انسان کو کسی مانع کے پیش آنے کا احتمال ہے اور آپ زمزم آپ کے نوش فرمانے میں شعائر الہی کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جو ایک چیز ظاہر کی ہے اُس سے برکت حاصل کرنا ہے پھر جب منی کے دن گزر گئے تو آپ نے ابلح میں نزول فرمایا اور طواف الوداع کر کے تشریف لے گئے میں کہتا ہوں ابلح میں نزول فرمانے کے اندر اختلاف ہے آپ کا یہ نزول فرمانا عبادت تھا یا عادت۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابلح کے اندر اترنا سنت نہیں ہے۔

وہ امور جو حج کے ساتھ متعلق ہیں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے اور وہ دودھ سے بدرجہا زیادہ سپید تھا پھر بنی آدم کے گنہوں نے اُسے سیاہ کر دیا ہے اور آپ نے اُس کے باب میں فرمایا ہے کہ قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ اُس کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ اس لی وہ آنکھیں ہوں گی۔ جس سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے بوجہ اللہ بوسہ دیا ہے اُس کی شہادت بیان کرے گا اور آپ نے فرمایا ہے کہ رکن یمانی اور مقامہ و یا قوت میں میرے نزدیک یہ احتمال ہے کہ واقع میں یہ جنت سے لائے گئے تھے لیکن جب زمین پر نصب کیے گئے تو خلعت کا متعین یہ ہوا کہ حسب میزان زمین کے ان میں رعایت کی جائے اس لیے ان کا نور لمب کر دیا گیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کی عظمت کی طرف ملامت کی توجہ اور ملاء اعلیٰ اور صالحین کی ہمتوں کے متعلق ہونے سے سب سے ان کے ساتھ ایک قوت مثالیہ کا اختلاط ہوا ہے قی کہ وہ قوت مثالیہ ان کے اندر قوت ملکیت ہو گئی ہے اور حضرت ابن عباس سے اس قول میں محمد بن حنفیہ کے اس قول میں کہ زمین سے پتھروں میں سے وہ ایک پتھر ہے توفیق کی یہی صورت ہے اور ہم

نے آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ قوتِ ملکیہ سے بھرا سا معلوم ہوتا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ عالم مثال میں حجرِ اسود کو آنکھیں اور زبان جو جاندار چیزوں کے لوازم میں سے ہیں عطا کی جائیں اور چونکہ حجرِ اسود سے مومنین کا ایمان اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والوں کی تعظیم معلوم ہوتی ہے لہذا ضرور ہوا کہ اس زبان میں شہادت کی صورت کے ساتھ اُس کا ظہور ہو جیسا کہ پیر و ہاتھ کے گویا ہونے کا راز ہم نے بیان کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ((مَنْ طَافَ هَذَا الْبَيْتَ اسْبُوحًا يَحْصِيهِ.... الخ)) جس شخص نے اس گھر کا سات مرتبہ شمار کر کے طواف کیا۔ اور دو رکعت نماز پڑھی تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوا۔ اور کوئی شخص اپنا قدم نہیں رکھتا اور نہ اُس کو اٹھاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے مقابل میں ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گنہ دُور کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے میرے نزدیک اس فضیلت کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ طواف کرنا۔ چونکہ رحمتِ الہی اور ملائکہ کی دعاؤں کے اندر داخل ہونے کا شبہ اور اس کا مظنہ ہے لہذا اس کی خاصیت قریبہ کو ذکر فرمایا اور دوسرے یہ کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر یقین رکھ کر اور اُس کے وعدے کو سچا سمجھ کر ان افعال کو عمل میں لاتا ہے تو اس سے اُس کا ایمان ظاہر اور عیاں ہو جاتا ہے اور آنحضرت نے فرمایا ہے:

((مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يَعْتَقَ اللَّهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَ إِنْهُ لِيَدْنُوهُمْ يَبَاهِي يَبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ))۔

”عرفہ کے دن سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوزخ سے آزاد کرے اور اس دن اللہ تعالیٰ قریب ہو جاتا ہے پھر اپنے بندوں سے فرشتوں پر فخر بیان کرتا ہے۔“

میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جب تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع و نیاز مندی کرتے ہیں تو رحمت کے نازل ہونے اور روحانیت کے اُن کے اندر پھیل جانے میں کچھ توقف نہیں ہوتا اور نیز آپ نے فرمایا ہے:

((خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَ خَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ.... الخ))۔

”بہتر دعا عرفہ کی دعا ہے اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ.... الخ ہے۔“

اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمہ ذکر کے بہت سے اقسام کا جامع ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے بہت سے مقامات اور بہت سے اوقات میں اس کی اور سبحان اللہ والحمد للہ.... الخ کی لوگوں کو رغبت دلائی ہے چنانچہ دعاؤں کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے اگر کوئی شخص حج کو نہ جائے تب اُس کو ہدی بھیجنا سنت ہے۔ تاکہ حتی المقدور احلامِ کلمۃ اللہ کی اقامت ہو اور آنحضرت ﷺ نے سرمنڈانے والے کے لیے تین مرتبہ اور ترشوانے والے کے لیے ایک مرتبہ دعا کی تاکہ سرمنڈانے کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سر کا منڈانا گرد و غبار کے دُور کرنے کے قریب ہے جو بادشاہوں کے حضور میں جانے والوں کی حالت کے مناسب ہے اور عبادت کا اثر بھی اس میں کچھ دیر تک باقی رہ سکتا ہے اور کچھ زمانے تک لوگوں کو اس کا اثر معلوم ہوتا ہے اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت پر خبردار کرنا ہے اور آپ نے عورت کو سرمنڈانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ عورت کے حق میں سر کا منڈانا مثلاً (جس

کے ناک کان کٹ جائیں) اور مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے جس شخص نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا یا قبل از رمی الجمار قربانی کی یا شام ہونے کے بعد رمی الجمار کے یا سر منڈانے سے پہلے طواف ارافہ نہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے اُس کے لیے یہ فتویٰ دیا کہ پچھمضاً کتبہ نہیں ہے اور کفارہ کا اُس کو قہم نہیں دیا اور حاجت کے وقت سکوت کرنے کو بیان کرنے کا حکم ہوتا ہے اور کاش مجھ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ استحباب بیان میں (لاحق) کے لفظ سے کوئی اور لفظ صریح الدلالة ہے۔

اگر شہائد کے وقت رخصتوں کا بیان نہ کیا جائے تو تشریح کامل نہیں ہوتی منجملہ شہائد کے دو تکلیف ہے کہ احرام کے اندر جو چیزیں حرام کی گئی ہیں تو اُس تکلیف کے سبب سے اُس کو ان چیزوں سے پچھاؤ شوار ہو اُس کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفَدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾

”پس تم سے ایک شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ دکھ ہو تو روزوں سے یا صدقے سے یا قربانیوں سے اس کا فدیہ دو۔“ اور نیز آپؐ نے کعب بن عجرہ سے فرمایا:

فاحلق رأسك واطعم فرقا الخ

”اپنے سر کو منڈالے اور ایک فرق (ایک وزن کا نام ہے) مساکین کو کھلا دے۔“

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رخصت کے اقسام میں سے دو قسم بہتر ہے کہ جس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مقرر کر دی جائے جو اصل عبادت کی یاد دہانی کرتی رہے اور جس شخص نے اصل عبادت کی عظمت کا التزام کر رکھا تھا اس عبادت کے چھوڑتے وقت اُس کو اضطرابی نہ ہو اور جو بکفارہ میں جو زیادتیاں کی گئی ہیں وہ بطریق اولیٰ اس پر محمول ہے۔

منجملہ ان شہائد کے ایک اہم سبب ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب بیت اللہ کے جانے سے گذر قریش نے آپ ﷺ کو روکا تو آپؐ نے اپنی ہدایا کی قربانی کی اور سر مبارک منڈوا لیا اور احرام سے باہر تشریف لائے۔ مکہ اور مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے کہ ہر چیز سے یہ ایک خاص تقسیم ہوتی ہے کسی زمین کی تقسیم یہ ہے کہ اُس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے اور اصل یہ تقسیم بادشاہوں کی مدد اور ان کے شہنشاہوں سے مانو ذہب ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبرداری ہوتی ہے اور ان کی اطاعت و تقسیم کرتی ہے تو ان سے مانع ہونے میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان سے وہ دے کے اندر جو درجہ و پار پائے وغیرہ ہیں ان سے ہم چہ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں آیا ہے ((ان لكل ملك حمى وان حمى الله محارمه)) یعنی ہر ایک بادشاہ کے لیے بار ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بار اُس کے مہارم ہیں اس بات کو سب لوگ جانتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں یہ بات ضرور ہوتی ہے اور ہم ہر ادب ایک یہ بھی ہے کہ جو چیز غیر حرم میں واجب ہے مثلاً عدل کا قہر کرنا یا جو چیز حرام ہے جرم کے اندر اُس نے اور دین کی نجات کا لیے پناہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((احتسار النعمان في الحرم الحادفہ)) یعنی اگر سے اندر نہ رہنا اس میں اٹھا لیتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْلُوا الْقَبْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾

”اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکارت مارو۔“

میں کہتا ہوں چونکہ حرم و احرام کے اندر شکار اور احرام کے اندر جماع کرنا ایک قسم کی افراط ہے جس کا راز خواہش نفسانی کے اندر ہے تو نفل پر ہے۔ لہذا کفارہ مقرر کر کے اس سے روکنا ضروری ہو ا شکار کی جزا میں اختلاف ہے کہ خود شکار کے لحاظ سے مثلیت کا اعتبار کرنا چاہیے یا قیمت کے لحاظ سے اور حق یہ ہے کہ دو عادل شخصوں سے یہ بات دریافت کی جائے ایسی صورتوں میں جو سلف رائے دیا کرتے تھے اگر وہ رائے دیں تو اس پر عمل کرنا چاہیے اور اگر قیمت تجویز کریں تو قیمت دینی چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا يصبر على لواء المدينة احد من امتي الا كنت له شفيعا يوم القيامة))

”میری امت میں سے مدینہ کی تکلیف پر کوئی شخص صبر نہ کرے گا مگر میں بروز قیامت اس کا شفیع ہوں گا۔“

میرے نزدیک اس نفسیات میں یہ راز ہے کہ مدینہ کا آباد کرنا شعائر دین کا بلند کرنا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے جس کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے اور ان مواضع میں حاضر ہونے اور مسجد نبوی میں داخل ہونے سے آنحضرت ﷺ کے حالات یاد آتے ہیں جس کا فائدہ اس مکلف کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ان ابراهيم حرم مكة فجعلها حراما و انى حرمت المدينة))

”ابراہیم نے تو مکہ کو عزت دی اور اس کو حرم بنا دیا اور میں نے مدینہ کو حرم بنا دیا۔“

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوشش اور پختہ ارادے سے آنحضرت ﷺ کے دعا مانگنے کو توقیعات کے مقرر ہونے میں اثر عظیم ہے۔

اُن احادیث کا بیان جو احسان کے متعلق وارد ہیں

معلوم کرو کہ شارع نے بندوں کو بالذات جن امور کے ساتھ خواہ بطور ایجاب خواہ بطور تحریم کے مکلف کیا ہے وہ اعمال ہیں اس لیے کہ اعمال ان حالات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا نفع و نقصان آخرت میں نفوس کی جانب عائد ہوتا ہے اور یہ اعمال اُن کیفیات نفسانیہ کو بڑھاتے ہیں اور اُن کیفیات نفسانیہ کا بیان اور اُن کے لیے صورت ہوتے ہیں ان اعمال سے دو طرح پر بحث کی جاتی ہے ایک تو اس اعتبار سے کہ تمام لوگوں پر اُن کا عمل میں اِنا لازم ہوتا ہے اور اس اعتبار سے ان اعمال اور ظاہری طریقوں کا اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے جن کا ظاہر و باطن متمیز نہیں ہوتا اور اُن کیفیات پر یہ اعمال بمنزلہ قرائن کے ہوتے ہیں اور ان اعمال کا لوگوں سے سب کے روبرو مطالبہ کیا جاتا ہے اور ان کو اس اعمال سے بچنے اور حذر کرنے کا موقع نہیں ہوتا ایسے اعمال کی بناء درمیانی حالت اور امور منضبط پر ہوتی ہے اور دوسری قسم ان اعمال سے لوگوں کے نفس کو مہذب کرتا ہے اور جو کیفیات ان اعمال سے مطلوب ہوتی ہے اس تک نفس کا پہنچانا اس اعتبار سے ان کیفیات کا معلوم کرنا اور ان اعمال کا اس طرح پر معلوم کرنا کہ وہ ان کیفیات کی طرف پہنچنے میں مقصود ہوتا ہے اور ان کا بناء وجدان اور مکلفین کے اختیار میں دے دینے پر ہوتا ہے پہلے اعتبار سے جس علم میں ان اعمال سے بحث کی جاتی ہے وہ علم شرائع ہے اور جس علم میں دوسرے اعتبار سے بحث کی جاتی ہے وہ علم الاحسان ہے۔ مباحث احسان میں نظر کرنے والے کو دو چیزوں کی حاجت ہوتی ہے ایک تو اعمال کو اس طرح پر معلوم کرنا جس طرح کیفیات نفسانیہ ان سے پیدا ہوتی ہیں

کیونکہ بسا اوقات ریاء اور سمعہ یا عادت کے طور پر کوئی عمل ادا کیا جاتا ہے یا اُس کے ساتھ خود پسندی اور منت اور ایذا رسانی پائی جاتی ہے ایسے وقت میں اس عمل سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اُس عمل سے منظور ہوتی ہے اور بسا اوقات کوئی عمل اس طرح پر ادا کیا جاتا ہے کہ نفس کو اس عمل کی روح پر وہ متنبہ حاصل نہیں ہوتا جو محسنین کو حاصل ہونا چاہیے اگرچہ بعض نفس اُس کے مثل پر متنبہ ہو جاتے ہیں مثلاً وہ شخص کہ جو اصل فرائض پر اکتفاء کرتا ہے اور کمنا یا کینا ان پر زیادہ نہیں کرتا وہ شخص زکی نہیں ہے اور دوسرے ان بیات نفسانیہ کا کامل طور پر معلوم کرنا تاکہ بصیرت کے ساتھ ان اعمال کو عمل میں لائے کہ وہ شخص اپنے نفس کا طبیب ہوتا ہے جس طرح طبیب کو طبیب پر حکومت ہوتی ہے ایسے ہی اسی شخص کو اپنے پر حکومت ہوتی ہے کیونکہ جو شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ آلات سے کیا مقصود ہے تو وہ شخص جب ان آلات کو برتا ہے تو اندھی اونٹنی کی طرح بدحواس ہو جاتا ہے یا اُس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو رات کے وقت کھڑیاں چننا پھرتا ہے جس اخلاق سے اس فن میں نشو و نما کی جاتی ہے ان کے چار اصول ہیں چنانچہ سابقاً اُس سے آگاہ کر چکے ہیں ایک تو طہارت جس کے سبب سے تشبیہ بالملکوت حاصل ہوتی ہے اور ایک فرمانبرداری جو جبروت پر اطاعت یا بی کا سبب ہوتی ہے پہلے امر کے لیے وضو اور غسل اور دوسرے کے لیے نماز اور اذکار اور تلاوت مقرر کی گئی۔ اور جب دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ہم اس کو سیکھنا اور وسیلہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں چنانچہ حدیث نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے حق میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے محفوظ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ یعنی عبداللہ بن مسعود سب سے زیادہ وسیلہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور شارع نے طہارت کو ایمان سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے ((الطہارۃ شطر الایمان)) اور آنحضرت ﷺ نے طہارت کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے ((ان اللہ نغلیف یحب النفاۃ)) اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے اور دوسرے کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا ہے ((الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک)) احسان اس کا نام ہے کہ تو اللہ کی بندگی کرے گویا کہ تو اُس کو دیکھتا ہے پس اگر تو اُس کو نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے طہارت کے حاصل کرنے میں ان عبادات کا جو انبیاء علیہم السلام سے ماثور ہیں اختیار کرنا اور ان کی ارواح اور انوار کا لحاظ کرنا اور کثرت سے ان کو عمل میں لانا اور ان کی بیات و اذکار کا خیال رکھنا ضروری ہے پس طہارت کی روح باطن کا منور ہونا اور انس و سرور کی حالت کا پیدا ہونا اور افکار و یہاں اور ہونا اور تثویث و پرائندگی و پریشانی و افکار کا ترک جانا ہے اور نماز کی روح اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اور جبروت پر اطاعت یا بی اور اللہ تعالیٰ کی بے یار و مددستی اور اس کے ساتھ تقسیم تقسیم کے ساتھ محبت و الیمینان ہے آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((الاحسان ان تعبد اللہ)) اس طرف اشارہ ہے اور آپ نے نفس کو نماز سے ملنے کی کیفیت پر اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر لیتا ہے۔ ولعبدی ما سال اور میرے بندے کے لیے وہ چیز ہے جو مانگے ہیں: بندگانہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے میرے بندے نے بڑا الی و بزرگی بیان کی اور: بندگانہ نعند و ابناک ننعمن تو فرماتا ہے میرے اور میرے بندے کے مابین یہ مشترک ہے اور جو میرے بندے مانگے اس کے لیے موجود ہے اور: بندگانہ اهدنا الصراط المستقیم الحج تو فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے جو مانگے موجود ہے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر کلمہ پر جواب کا لفظ رکھنا

چاہیے کیونکہ اس سے حضور قلبی پر نفس کو تنبیہ ملتی رہتی ہے اور وہ دعائیں جو آپؐ نے نماز کے اندر مقرر فرمائی ہیں اور حضرت علیؓ وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہیں ان میں بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور قرآن کی نصیحتوں میں غور و نظر کرتا جائے اور قرآن کی امثال و قصص سے عبرت حاصل کرتا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی کسی صفت اور اس کی نشانی پر غور کرے۔ یا اللہ کے اور جب جنت و رحمت کی آیت پڑھے اللہ تعالیٰ سے فضل کا خواستگار ہو اور جب جہنم اور غضب کی آیات پر گزرے پناہ کا طالب ہو یہ وہ امور ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے نفس کو نصائح کے خوگیر ہونے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ذکر کی روح حضور اور اللہ تعالیٰ کی جبروتیت میں مستغرق ہو جانا ہے اور یہ بات اس طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ کہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر اللہ تعالیٰ سے اس کا جواب سنے اس کے جواب میں فرماتا ہے لا الہ الا اللہ والا انا اکبر پھر کہے لا الہ الا انا وحدہ لا شریک لی اور اسی طرح کیا کرے حتیٰ کہ حجاب دفع ہو۔ اور استغراق حاصل ہو جائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دعا کی روح یہ ہے کہ اس بات کا خیال کرے کہ ہر چیز سے روکنا اور ہر چیز کی قدرت دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے یا جس طرح کسی کے ہاتھ میں مورت ہوتی ہے اس کو جیسے چاہتا ہے حرکت دیتا ہے اور مناجات کی لذت اس کو حاصل ہو اور آنحضرت ﷺ نے تہجد کی نماز کے بعد اس کے شفیعوں کے مابین ایک بہت بڑی دعا بیان کی ہے کہ بندہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ اے پروردگار اے پروردگار کہتا جائے اور دنیا و آخرت کی بیداری کا سوال کرے اور مصائب سے پناہ مانگے اور نہایت تضرع و نیاز مندی سے دعا مانگے پھر اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا دل سب امور دنیوی سے فارغ ہو اور بول و براز کی حاجت اور اشتہاء طعام سے فراغت ہو اور نہ غصہ کی حالت ہو پس جب انسان حضور قلبی کی کیفیت معلوم کر لے اور پھر وہ حضور اس کو حاصل نہ ہو تو اس حضور کے جاتے رہنے کا سبب اس کو سوچنا چاہیے اگر قوت جسمانی اس کا باعث ہے تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزے سے قوائے جسمانی ضعیف ہو جاتے ہیں اس وقت دو مہینہ کے پے درپے روزے رکھنے سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے اور اگر جماع کی خواہش ہے یا کھانے پکانے سے فریغ ہونے کی حاجت ہے اور اس کو عبادت کا سرور جاتا رہا ہے اور اس کا اعادہ چاہتا ہے تو اس کو نکاح کرنا چاہیے تاکہ جماع کی حاجت دفع ہو سکے مگر لذائذ اور اختلاط میں منہمک ہونے سے باز رہے اور اس کو بمنزلہ دوا کے سمجھے جس کے نقصان سے محفوظ رہنا اور نفع سے تمتع حاصل کرنا چاہیے اور اگر تداویہ ضروریہ اور لوگوں کی مصاحبت میں مشغول رہتا ہے تو ان کے ساتھ عبادت کا بھی شمل کرنا ضروری خیال کرے اور اس کے دل میں خیالات مشوشہ اور افکار ناقصہ بھرے ہوئے ہیں تو اس کو لوگوں کی ملاقات ترک کر کے گھر یا مسجد میں خلوت نشینی اور اپنی زبان کو بجز ذکر الہی کے اور اپنے قلب کو بجز اس فکر کے کہ جس کے وہ درپے ہے روکنا چاہیے اور غیند سے بیدار ہوتے وقت ذکر الہی کی عادت ڈالنا چاہیے تاکہ بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے قلب میں داخل ہو اور سوتے وقت بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تاکہ تمام اشغال سے دل کو فراغت ہو جائے اور ان چار اصول میں سے تیسرا دل کی ساحت ہے ساحت کے معنی یہ ہیں کہ قوت مکی قوت جسمانی کے وداعی کے تابع نہ ہو۔ مثلاً لذت کا طلب کرنا اور انتقام لینے کی خواہش اور غضب اور بغل کی خواہش اور مال و جاہ کی حرص یہ ایسے امور ہیں کہ

جب انسان اُن کے موافق کام کرتا ہے تو اُن اعمال کی کیفیت کسی وقت قلب میں ظاہر ہوتی ہے پھر اگر نفس کے اندر راحت کی صفت پائی جاتی ہے تو ان صفاتِ رذیلیہ کا ترک کرنا آسان ہوتا ہے اور یہ صفات ایسی ہو جاتی ہیں کہ گویا کبھی اُن کا نام بھی نہ تھا اور نفس خالص ہو کر خداے تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے اور اُس انوار کے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے جن کو بذاتِ ہرشت کے اعتبار سے نفوسِ متطہنی ہوتے ہیں۔ اور اگر نفس کے اندر راحت کی صفت نہیں ہوتی تو ان اعمال کی کیفیت نفس کے اندر اس طرح ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح موم میں مہر کے نقوش منقش ہو جاتے ہیں اور دنیاوی زندگی کا میل نفس کے اندر جم جاتا ہے اور ان کیفیات کا متروک ہو جانا نفس پر دشوار ہو جاتا ہے پھر جب نفس کو بدن سے مفارقت ہوتی ہے تو وہ بدائعِ لیاں ہر چہار طرف سے اُس کا احاطہ کرتی ہیں اور نفس اور اُن انوار کے مابین جو ہرشت کے اعتبار سے نفس کے متطہنی ہوتے ہیں بہت سے خلیطِ غلیظ پر دے پڑ جاتے ہیں جس کے سبب سے نفس کو ایذا و تکلیف پہنچتی رزاق ہے۔ اس راحت کو جب خواہشِ شکم اور شہوتِ فرج کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام صفت ہوتا ہے اور جب بے قراری اور اضطراب کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس راحت کا نام مہر ہوتا ہے اور جب انتقام کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام منو ہوتا ہے اور جب مال کے سبب کے ساتھ ہو تو اس کا نام سخوت اور قناعت ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب کے اصل نفس کا خواہشِ بکمی کے تابع نہ ہونا ہے اور صوفیہ کرام اُس کو تعقباتِ دنیویہ کے اتھارے سے بے نیاز یا نہ سائنس بشریہ کے فنا ہونے اور اسی قسم کے مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس صفت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری ان اشیاء کے مواقع میں واقع ہونے سے احتیاط رکھنا اور دل سے ذکرِ الہی کا اختیار کرنا عالمِ تجرد کی طرف نفس کا میاں ہے چنانچہ زید بن حارثہ کا قول ہے میرے نزدیک دنیا کا پتھر ذہیلا سب برابر ہے حتیٰ کہ ان کی نسبت مکاشفہ کی خبر دی گئی ہے۔

چوتھی مفت حدالت ہے حدالت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ وغیرہ کی اصلاح کے متعلق ایک نظام مبادلہ بہ دولت قائم ہو سکتا ہے اور اصل میں وہ دہیات نفسانی ہے جو افکار رکھیے اور ان سیاستوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے موافق ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ جہاں میں انتظام قائم رہے اور بخش بخش کی احسانت کریں اور کوئی کسی کو نہ ستانے اور باہم الفت و محبت سے رہیں جس طرح کہ ایک بدن کے اعضاء ہوتے ہیں کہ جب کسی عضو و صدمہ پہنچتا ہے تو تمام اعضاء پر اس کا اثر ہو رہی رہا جاتا ہے اور سب کی فیند ہوتی رہتی ہے اور نیز ان کی نسل کا بڑھانا منظور ہے ان میں سے جو مافران ہیں ان کی قیادت کی جائے اور جو مبادلہ ہیں ان کی تعلیم کی جائے اور رسوم فاسدہ و دور ہوں اور بھدائی کی باتیں اور شرائع متدکا ان میں و تصور ہو اور اس سے پیدا کرنے میں اللہ برمانہ کے لیے قضائے اجمالی ہے اور یہ اس کی شرع و تفصیل ہے اور ملائکہ تمیزین نے اس و معلوم کیا ہے اور نہ لوگ ان امور کی اصلاح میں سعی کرتے ہیں ان کے لیے طامعہ و دسیہ ہیں اور جو ان کے فساد میں سعی کرتے ہیں ان پر لعنت ہوتے ہیں۔ نہانا چاہے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے

﴿ وَتَعِدُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَتَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَتَّخِذَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اتَّخَذَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِتُمَكِّنَ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمَانًا
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمَافِكُونَ ﴾

يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَاسِفُونَ ﴿٤٠﴾

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن سے اس بات کا وعدہ کر لیا ہے کہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن لوگوں کو اُس نے خلیفہ بنایا ہے جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے اس پر اُن کو قدرت دے گا اور اُن کے خوف کے بعد اُن کو امن بدلہ میں دے گا۔ مجھ کو پوجتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں کرتے اور جنہوں نے اس کے بعد کفر کیا وہی لوگ نافرمان ہیں۔“

اور فرماتا ہے۔

﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بَعْدَ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ وَالَّذِينَ يَصْلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ.... الْآيَةُ﴾

”جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے اور جس چیز کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو جوڑتے ہیں۔“

اور ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ﴾

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بعد پختہ کرنے کے توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُس کو قطع کرتے ہیں۔“

جو شخص اس اصلاح کے کاموں کو عمل میں لاتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ملائکہ مقربین کی دعا اُس کے شامل حال ہوتی ہے خواہ اُس شخص کو اُس کا گمان ہو یا نہ ہو اور ہر طرف سے نورانی شعاعیں اُس کو گھیر لیتی ہیں جس طرح شمس و قمر کی شعاعیں انسان کو محیط ہو جاتی ہیں اس کے سبب سے بنی آدم اور ملائکہ کے قلوب میں اس شخص کے ساتھ محبت کا لہر ہوتا ہے تمام زمین و آسمان میں وہ شخص مقبول ہو جاتا ہے اور جب عالم تجرد کی طرف اُس کا انتقال ہوتا ہے تو یہ شعاعیں جو اُس کے ساتھ متصل تھیں اُس کو محسوس ہوتی ہیں اور اُس شخص کو اُن کی لذت معلوم ہوتی ہے اور ایک قسم کی کشیدگی اور قبولیت اُس کو نظر آتی ہے اور اس کے اور ملائکہ کے مابین ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور جو شخص فساد کے کام عمل میں لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب اور ملائکہ کی لعنت اُس کو گھیر لیتی ہے اور اُس غضب سے تاریک تاریک شعاعیں پیدا ہو کر اس شخص کے محیط ہو جاتی ہیں جس کے سبب سے ملائکہ اور مخلوق کے لوگوں میں اُس کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا البام ہوتا ہے اور تمام آسمان و زمین میں وہ شخص مبعوض سمجھتا ہے پھر جب عالم تجرد کی طرف اُس کا کوچ ہوتا ہے تو ان ظلمانی شعاعوں کو معلوم کرتا ہے اور وہ شعاعیں اُس کو کاٹتی نظر آتی ہیں اور اس کی جان کو ان سے ادا و رضیقت و نفرت پیدا ہوتی ہے اور تمام جوانب سے وہ شخص گھر جاتا ہے اور باوجود فراخی کے زمین اُس پر تنگ معلوم ہوتی ہے عدالت کی صفت کا جب نشست و برخاست اور خواب و بیداری اور چلنے و پھرنے اور بولنے و چاہنے اور لباس و شعار کی اوصاف کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام ادب ہوتا ہے اور جب مال اور اُس کے جمع کرنے اور صرف کرنے کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام کفایت ہوتا ہے اور تمدن و منزل کے ساتھ اعتبار کرنے سے حریت اور تمدن و بیرونیہ کے ساتھ سیاست اور عزیزوں کی امانت رکھنے کے ساتھ حسن محاضرت یا حسن

معاشرت اُس کا نام ہوتا ہے۔ عدالت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری رحمت اور محبت اور نرم دلی اور اُس کے ساتھ افکار کلیہ کے تابع ہونا اور انجام کار پر نظر رکھنا ہے اور ان دونوں صفت یعنی ساحت و عدالت میں ایک قسم کا توافر اور مخالفت ہے اس لیے کہ تجرد کی طرف قلب کا میلان اور اُس کے اندر رحمت و محبت کا ہونا اکثر لوگوں کے اعتبار سے یہ دونوں وصف جمع نہیں ہوتے خصوصاً ان لوگوں کے اندر جن کی قوت بے مکی و ملکی میں کشاکشی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ تم بہت سے اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے لوگوں سے قطع تعلق کر دیا ہے حتیٰ کہ اہل و عیال کو بھی چھوڑ دیا ہے اور لوگوں سے بالکل برطرف ہو گئے ہیں اور عوام لوگ شب و روز اہل و عیال کے ساتھ مشغول رہتے ہیں حتیٰ کہ ان چیزوں نے اُن سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا ہے دیا اور انبیاء علیہ السلام دونوں مصمتوں کی رعایت کا حکم دیتے ہیں اسی لیے ان دونوں صفتوں کے اندر ضبط مبہم اور تمیز مشکل کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے شرائع کے اندر جن اخلاق کا لحاظ ہے وہ یہی اخلاق ہیں اور بعد افعال اور کیفیات اور ہیئت ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق اور ان اخلاق کی اضداد کا مدد دیتی ہیں اس جہت سے کہ یہ افعال وغیرہ نفس کے اندر ملائکہ اور شیاطین کا مزاج پیدا کر دیتی ہیں۔ ملائکہ اور شیاطین کے دونوں قبیلوں میں سے ایک کی طرف نفس سے میان سے یہ افعال وغیرہ پیدا ہوتے ہیں لہذا اُن کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور ہم نے کچھ اُس کا ذکر پہلے کیا ہے اور اسی باب سے آنحضرت کریم کا یہ قول ہے ((ان الشیطان یا کل بشمالہ و یشر بسمالہ)) شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے چیتا ہے اور فرمایا ہے ((الاجدع شیطان)) یعنی ((مقلوع الحجة)) اور فرمایا ہے ((الاتصفون کما تصف الملائکة)) جس طرح فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے۔

اور آنحضرت کریم نے ان اعمال کا حکم دیا ہے جو ان اخلاق کی علامات ہیں چنانچہ ایسے اذکار کا آپ نے حکم دیا ہے جن سے ہر وقت اجتناب اور فراموشی اور تنہائی کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور صبر کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور موت اور آخرت کی یاد دہانی اور اُن کی آنکھوں کے سامنے دنیا کی ناپائیداری ثابت کی اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظیم الشان قدرت میں غور کرنے کا اُن کو شوق دلایا کہ ساحت کی صفت اُن کے اندر پیدا ہو۔ اور مریض کی عیادت اور باہم سلوک اور صلہ کرنے اور ملاہم کا رہنا اُن کے ذائقے اور صبر کے قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا ان کو حکم دیا تاکہ عدالت کی صفت اُن سے اندر پیدا ہو جائے اور ان افعال اور کیفیات کا پورے پورے طور پر بیان کیا اللہ تعالیٰ اس نبی کریم کریم کو ہماری اور تمام ملامتوں کی طرف سے ایسا بدلہ دے جس کے وہائق ہے جب یہ اصول تم کو معلوم ہو گئے تو ہم اب کسی قدر تفصیل کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

اذکار اور اُس کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ کریم نے فرمایا ہے:

((لا یبعد قوم بد کروں اللہ الا حفتہم الملائکة و غشیتہم الرحمہ))

”کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کے لیے نہیں غشیٰ مگر ملائکہ اُن کو گھیر لیتے ہیں۔ اور رحمت ان پر پھیلائی ہے۔“

میں کہتا ہوں یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اُس کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع رحمت اور سکینہ بالا لیتا ہے اور ملائکہ سے قریب کر دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((سَبَقَ الْمَفْرُودُونَ)) مفرد لوگ آگے ہو گئے۔ میں کہتا ہوں نابینا میں سے ایک گروہ کا نام مفردین ہے کیونکہ یاد اور ذکر نے اُن پر سے بار ہٹا کر ان کو ہلکا کر دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((قَالَ تَعَالَى اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَاَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرْنِي فَانْ ذَكَرْنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتَهُ فِي نَفْسِي وَاِنْ ذَكَرْنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتَهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٌ مِنْهُ))

”اللہ پاک فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو اُس کو میرے ساتھ ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کے ساتھ ہوں پھر اگر اپنے جی میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اپنے جی میں اُس کو یاد کرتا ہوں اور اگر جلسہ میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جلسہ میں اس کو یاد کرتا ہوں۔“

میں کہتا ہوں بندے کی سرشت جو اخلاق اور علوم کا منشا ہوتی ہے اور وہ کیفیات جس کو نفس حاصل کرتا ہے اس رحمت کے شخص ہوتی ہے جو اس بندے کے لیے خاص ہے پس بہت سے لوگ جن کے اندر ساحت کی صفت پائی جاتی ہے اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ دور کر دے گا اور ذرا ذرا سی بات پر ہم پر مواخذہ نہ کرے گا اور ساحت کا برتاؤ ہمارے ساتھ کرے گا ایسے شخص کی یہ امید اُس کے گناہوں کے دور ہو جانے اور نفس کے صاف ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور بہت سے بخیل اور حریص مزاج آدمی اپنے پروردگار سے اس بات کا گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ذرا ذرا سی بات کا مواخذہ اور جزاء رس لوگوں کا سامعہ کرے گا اور گناہوں سے درگزر نہ کرے گا اور یہ بات دنیاوی بیایات کے اعتبار سے دل میں زیادہ تر بیٹھ جاتی ہے اور بعد از مرگ یہ کیفیت چاروں طرف سے اُس کو کھیر لیتی ہے مگر یہ فرق صرف ان امور کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے کہ خطیۃ القدس میں جن کی نسبت کوئی تاکید حکم نہیں ہوتا اور کبر اور اُن کے قریب قریب گناہوں کے اعتبار سے صرف بالا جمال اُس کا اثر کچھ خفہ ہوتا ہے اور اللہ پاک کے یہ فرمانے میں کہ میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں معیت قبول اور خطیۃ القدس میں ایک شان کے ساتھ ہونے کی طرف اشارہ ہے جب بندہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اُس کے انعامات میں غور کرنا شروع کرتا ہے تو ان کے بدلے میں اس راستہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے حجابات دور کر دیتا ہے اور چلتے چلتے اُس تجلی تک جا پہنچتا ہے جو خطیۃ القدس کے اندر قائم ہوتی ہے اور جب کسی جلسہ میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے اور اس کی غرض دین اسلام کی اشاعت اور املاء کلمۃ اللہ ہوتی ہے تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ کے قلوب میں اس کی محبت کا التا فرماتا ہے اور وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور برکت کے طالب ہوتے ہیں بعد ازاں زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ٹھہرایا جاتا ہے مگر بہت سے عارف باللہ ایسے ہیں کہ معرفت کے درجہ تک اُن کو وصول ہو گیا ہے لیکن نہ تو زمین پر اُن کو لوگ مانتے ہیں اور نہ ملاء اعلیٰ میں اُن کا کچھ تذکرہ ہوتا ہے اور بہت سے لوگ دین کے حقیقی اور مددگار اور بڑے مقبول اور متبرک بندے ہوتے ہیں مگر اُن کے حجابات رفع نہیں ہوتے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَازِيدٌ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَاءٌ بِالسَّيِّئَةِ

مثلها او اغفروا من تقرب منی شبرا تقربت منه ذراغا ومن تقرب منی ذراغا تقربت منه باغا ومن اتانی بمشی انیتہ هرولة ومن يقبني بقراب الارض خلیئة لا یشرک بی شیئا لقیتہ بمثلها مغفرة)).

”اللہ پاک کا ارشاد ہے جو بھلائی کے لئے آئے گا تو اُس کی اس سے دس گنی ہے اور میں زیادہ بھی کر دوں گا اور جو برائی کے لئے آئے گا تو برائی کا بدلہ اس کے برابر ہے یا میں معاف کر دوں گا اور جو شخص باشت بھر میرے پاس آتا ہے میں ایک فہراں اُس کے پاس آتا ہوں اور جو ایک ذراع میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک باغ یعنی دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ لا کر ملتا ہے اور دنیا سے چنیدہ پھیر لیتا ہے اور اُس کے نیکی قوی پوچھ ہو جاتے ہیں اور ملکیت کے انوار چمکتے ہیں تو اس کے تموڑے حسنت بھی بہت ہو پڑتے ہیں اور ماضی چیز ہمیشہ ذاتی چیز سے ضعیف رہتی ہے اور تدبیر الہی کا منبع خیر کے فیضان پر ہے اور خیر وجود کے ساتھ بہت قریب اور شرا اُس سے بہت بعید ہے۔“

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سونے ہیں جن میں سے ایک حصہ زمین کی طرف اتار رکھا ہے اسی کو نبی کریم ﷺ نے باشت اور ذراع اور باغ اور چلنے اور دوڑنے کے ساتھ بیان کیا ہے اور آخرت کے اعتبار سے کوئی چیز جبروت پر اطلاع یابی اور اُس کی طرف التفات کرنے سے زیادہ نافع نہیں ہے ((من یقبنی بقراب الارض خلیئة لا یشرک بی شیئا الخ)) اے نبی مؐنی ہیں اور اللہ پاک فرماتے ہیں اعلم عیدی ان لہ ربا یغفر الذنوب و یواخذہ کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ و غنما اور سزا و مواخذہ کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

((قال اللہ تعالیٰ من شادی لی و لیا فقد اذنتہ بالحرب و ما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ و ما برال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبته فادا احسنته فکنت سمعہ الذی یسمع و یصرہ الذی یصرہ و یدہ الذی یتطش بها و رجلہ الذی یمشی بها و ان سألنی لا اعطیہ و ان استعاذنی لا عیدنہ و ما ترددت فی شیء انا فاعلہ ترددی عن نفس المومن بکرہ الموت و انا اکرہ مسانہ))

”اللہ پاک فرماتا ہے کہ جو شخص اسی میرے دوست سے عدالت کرتا ہے میں اس کو احسان بخش دیتا ہوں میرا بندہ کسی چیز سے جو مجھ سے زیادہ محبوب ہو فراٹل سے زیادہ محبوب سے فرایک نہیں ہوتا اور میرا بندہ برابر نوافل سے قربت حاصل کرتا رہتا ہے۔ اُن کے پیارا ہو جاتا ہے۔ اور جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اور اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جو مانگتا ہے ضرور اُس کو دیتا ہوں۔ اور اگر میری پند و مانگتا ہے تو ضرور پناہ میں لے لیتا ہوں۔ اور میں نے کسی چیز میں جس کے کرنے کا ارادہ یا ہے اور نہیں کیا جیسے مومن کے نفس سے مجھے ترادہ ہو

اُس کو موت گوارا نہیں ہوتی اور مجھ کو اُس کی تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔“

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے اور ملاقاتی میں اس کی محبت نازل ہو کر زمین میں بھی مقبول ہو جاتا ہے پھر کوئی شخص اس نظام الہی کی مخالفت کرتا اور اس بندہ سے عداوت کرتا ہے اور اس کے حال کے بگڑنے میں کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جو اس محبوب کے متعلق ہوتی ہے اس کے دشمن کے حق میں لعنت بن جاتی ہے اور اُس کی رضا مندی دشمن کے حق میں غضب الہی بن جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ظاہر کرنے اور کسی دین کے قائم کرنے سے بندوں کے نزدیک ہوتا ہے اور خطیرۃ القدس میں اُن طریقوں اور شرائعوں کو مرقوم فرماتا ہے تو یہ طریقہ اور عبادات سب چیزوں سے زیادہ رحمت الہی کے جالب اور اُس کی رضا مندی کے موافق ہوتی ہیں اور اور یہ تھوڑی سی چیزیں بہت ہوتی ہیں اور بندہ نوافل کے ذریعہ سے فرائض ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے برابر قربت حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور رحمت الہی اُس کو محیط ہو جاتی ہے اس وقت میں اُس اعضاء کو نور الہی سے مدد پہنچتی ہے اور اُس کی ذات و اہل و عیال و مال میں برکت دی جاتی ہے اور اُس کی دعا قبول ہوتی ہے اور شر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی امانت کی جاتی ہے اس قرب کا نام ہمارے ہاں قربت اعمال ہے۔ اور اس حدیث میں جو تردد کا لفظ آیا ہے اُس سے عنایات الہی کا تعارض مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر نظام شرعی و شخصی کے ساتھ ایک توجہ خاص ہے بدن انسانی کے ساتھ اُس کی توجہ کا مقتضی ہے کہ اس کی موت و بیماری اور تکلیف کا حکم دیا جائے اور اُس کے نفس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے توجہ الہی کا یہ مقتضی ہوتا ہے کہ ہر طرف سے اُس کے لیے راحت و آرام پہنچایا جائے اور تکلیف سے محفوظ رہا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((الا انبئکم بخیر اعمالکم و اذکھا عند ملیکم))۔ الحدیث

کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتا دوں جو تمہارے سب اعمال میں بہتر ہے اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور سب اعمال سے زیادہ تمہارے درجات بلند کرنے والا ہے اور تمہارے حق میں سونا و چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے حق میں اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے سنا کر دو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ کا ذکر ہے۔

میں کہتا ہوں افضلیت کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور جہوت پر نفس کی الطامع یا بی اعتباری سے یا الہی سے زیادہ کوئی چیز افضل نہیں ہے خاص کر اُن نفوس ذکیہ میں جن کو ریاضات کی حاجت نہیں ہوتی صرف تمہداشت کی حاجت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((من قعد مقعد الہم یدکر اللہ قعد)) الحدیث۔ یعنی جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کرے تو وہ مجلس اُس کے حق میں منجانب اللہ حسرت ہے اور جو شخص لیٹے اور لیٹ کر اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کرے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر حسرت ہے اور فرمایا:

((ما من قوم یقومون من مجلس لا یدکرون اللہ فیہ الا قاموا عن مثل حیفۃ حمار و

کان علیہم حسرة))

”کوئی قوم کسی مجلس سے اس میں یاد الہی نہ کی ہو نہیں کھڑی ہوتی مگر جس طرح مردار گدھے کو کھا کر اٹھتے ہیں اور وہ مجلس ان پر حسرت ہوگی اور فرمایا:

((لا تكثر والكلام بغير ذكر الله فان كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوة بالقلب و ان ابعد الناس عند الله القلب القاسي))

”بجز ذکر الہی کے کثرت سے کوئی کلام مت کرو اس لیے کہ بغیر ذکر الہی کی کثرت سے کلام کرنا قلب میں قسوت پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے دور قاسی القلب ہے۔“

میں کہتا ہوں جب ایک شخص نے ذکر الہی کی حلاوت معلوم کر لی اور ذکر الہی سے اطمینان حاصل ہونے کی کیفیت اور نیز یہ بات معلوم کر لے کہ ذکر الہی کے کرنے سے اس کے قلب سے حجابات کس طرح دور ہوتے ہیں اور وہ شخص ایسا ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھتا ہے تو بلا شک جب وہ شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اہل و عیال اور دنیا کے سامان میں متوجہ ہوتا ہے تو ان کیفیات میں سے بہت کچھ بھال جاتا ہے اور ایسا رہ جاتا ہے کہ جو بات اس کو حاصل ہوئی تھی وہ اس سے گم ہو جاتی اور اس شخص کے اور اس چیز کے مابین جو اس کی آنکھوں کے سامنے تھی ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ خصلت دوزخ اور ہر برائی کی طرف انسان کو بلاتی ہے اور یہ ہر ایک حسرت کا سبب ہے اور جب بہت سی حسرتیں جمع ہو جاتی ہیں تو نجات کی کوئی سبیل نہیں ہوتی آنحضرت ﷺ نے ان حسرتوں کا پورا پورا احاطہ بتایا ہے اس طرح پر کہ ہر وقت کے لیے اس وقت کے مناسب ایک ذکر مقرر فرمایا ہے تاکہ غفلت کے سم کا دور کرنے والا اور اس کے لیے تریاق ہو اور ان اذکار کے فوائد اور بغیر ان اذکار کے حسرات کے عارض ہونے پر متنبہ کیا ہے اور معلوم کر کہ ذکر کے احاطہ منضبط کرنے کی ضرورت تھی تاکہ کوئی تصرف کرنے والا اپنی ناقص عقل سے اس میں تصرف کر کے خدائے تعالیٰ کے اسماء میں اہل نہ کرے یا جو مقام جس ذکر کے مناسب ہے اس کو استعمال میں نہ لائے اذکار کے باب میں آنحضرت ﷺ نے جو عنوان کیا ہے ان سب سے زیادہ عمدہ و بہتر دس ذکر ہیں جن میں سے ہر ایک میں وہ راز ہے جو دوسرے میں نہیں ہے ہذا آنحضرت ﷺ نے ہر موقع پر ان میں سے کئی نئی ذکر کے جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ ہر ایک ہی قسم کا ذکر کرنے سے وہ ذکر مامۃ قائلین کے اعتبار سے صرف زبانی حرکت ہو جاتا ہے اور اذکار کے بدلنے سے نفس کو تنبیہ اور غافل کو بیداری ہوتی ہے اس میں سے ایک ذکر ((سبحان اللہ)) ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف اور عیوب اور نقائص سے پاک کرنا ہے اور ایب ((الحمد للہ)) ہے اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے کمالات اور اوصاف کاملہ کا ثابت کرنا ہے۔ جب یہ دونوں باتیں ایب طے میں ہیں تو انھیں تو انسان کو اپنے پروردگار کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اس کلمہ میں اس معرفت کا پورا پورا بیان ہے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کو صرف اسی قدر پہچان سکتا ہے کہ اس کے لیے ایک ذات ثابت کرے جو تمام ان نقائص سے جن کا ہم اپنے اندر مشہدہ کرتے ہیں پاک ہو اور اس قدر کمالات مال ہوئے لی بہت سے ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں وہ سب اس ذات کو ثابت ہوں پس جب اس ذریعہ کی صورت نامہ اعمال میں مندرج ہوتی ہے تو یہ معرفت پوری اور کامل جن کے کامل ہونے کا ضم دیا جاتا ہے ظاہر ہوتی ہے اور قرب الیہ کا باب عظیم ان کے سبب سے متعلق ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول میں اسی کے معنی کی طرف اشارہ کیا

ہے: التَّسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ يَمْلَأُهُ۔ سبحان اللہ نصف میزان اور الحمد للہ اُس کو پر کر دیتا ہے اس لیے سبحان اللہ و بحمدہ کا کلمہ زبان پر آسان ہے اور وزن میں بہت ہے اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوتا ہے اور اُس کے پڑھنے والے کے لیے ایک درخت بویا جاتا ہے۔ جو شخص اس کو سو مرتبہ پڑھے اس کے حق میں وارد ہوا ہے کہ تمام اُس کے گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ اور قیامت کے دن کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے والے سے افضل نہ آئے گا مگر جس نے اُس کو پڑھایا اُس پر زیادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے جو اذکار پسند فرمائے ہیں ان سب میں یہ بہتر ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ((اَوَّلُ مَنْ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ الَّذِينَ يَحْمَدُونَ اللَّهَ فِي السَّوَاءِ وَالضَّرَاءِ)) سب سے پہلے جنت میں وہ لوگ بلائے جائیں گے جو مصیبت و آرام کے وقت اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اس میں یہ راز ہے کہ اُن لوگوں کا عمل ثبوتی ہے تو اے ثبوتیہ اس پر باعث ہوتے ہیں اور ایسے لوگ جنت کے انعامات سے نہایت ثریاب ہوتے ہیں اور یہ جو فرمایا ہے کہ ((افضل الدعاء الحمد لله)) بہترین دعا الحمد للہ ہے اس میں یہ راز ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ ہم ذکر کریں گے اور الحمد للہ میں دونوں قسم موجود ہیں کیونکہ شکر زیادتی نعمت کا سبب ہے اور اس کے اندر معرفت کی ثبوتی پائی جاتی ہے اور یہ جو فرمایا کہ الحمد لله راس الشكر۔ الحمد للہ شکر کی اصل ہے اس میں یہ راز ہے کہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلب سے بھی اور اعضاء سے بھی۔ اور زبان بہ نسبت ان دونوں کے شکر پر زیادہ تر بظاہر دلالت کرتی ہے اور ایک ذکر ((لا اله الا الله)) ہے اور اس کے کئی بطون ہیں۔ بطن اول شرک جلی کا دُور کرنا ہے اور بطن دوم شرک خفی کا دُور کرنا ہے اور بطن سوم ان حجابات کا دُور کرنا جو معرفت الہی تک پہنچنے کے مانع ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

((لا اله الا الله ليس لها حجاب دون الله حتى تخلص اليه لا اله الا الله))۔

کے لیے اللہ تعالیٰ سے ورے کوئی پردہ نہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تک وہ پہنچ جاتا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بطون میں سے پہلے وہ بطن کا علم تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس بات کو بعید سمجھا کہ آپ کے لیے جو ذکر خاص کیا گیا ہے وہ یہی ہو اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے اُس کا حال ظاہر کر دیا اور آپ پر یہ بات روشن کر دی کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے اختیار کرنے اور آنکھوں کے سامنے متمثل ہونے سے دُور کرنے والا ہے اور اس درجہ کا کلمہ ہے کہ اگر تمام دنیا کے کلمے ایک پلہ میں رکھے جائیں اور یہ کلمہ دوسرے پلے میں تو اُن سب کو جہنم کا دے کیونکہ اس کلمہ کے سامنے سب کلمے حقیر ہیں یعنی کم رتبہ کے اور لا اله الا الله کے ساتھ جب کسی قدر تفصیل اور شامل ہو جاتی ہے تو یہ کلمہ نئی اور اثبات کے لیے ہو جاتا ہے۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔ اس کلمہ کے سو مرتبہ کہنے والے کی فضیلت میں وارد ہوا ہے ((كانت له عدل عشر رقاب الخ)) کہ اس کے لیے اس کلمہ کا سو مرتبہ کہنا دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے اخیر حدیث تک۔ کیونکہ یہ کلمہ معرفت سلبیہ و ثبوتیہ کا جامع ہے اور سلبیہ کو گنہوں کے دُور ہونے اور ثبوتیہ کو حسنات کے پائے جانے اور جزائے متمثل ہونے میں بہت دخل ہے اور ایک ذکر کلمہ اللہ اکبر ہے اس کلمہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی قدرت اور اس کی سطوت کا ملاحظہ ہے اور معرفت ثبوتیہ کی طرف اس میں اشارہ ہے اسی لیے اس کلمہ کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ کلمہ زمین و آسمان کی فضا کو بھر دیتا ہے یہ چاروں

کلمے میں افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ اور جنت میں یہ کلمات بولے جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین مرتبہ ایسے پڑھے ہیں کہ اگر ان کلمات کے ساتھ جو تو نے آج شروع دان سے پڑھے ہیں وزن کیے جائیں تو وزن میں ان سے زیادہ نکلے سبحان اللہ و بحمدہ عدد خلقہ و رضاء نفسه و زنة عرشہ و مداد کلماتہ اس میں یہ راز ہے کہ عمل کی صورت جب نامہ اعمال میں ثابت ہوتی ہے تو جزا کے وقت اس صورت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت اس کلمہ کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے اگر اس میں ایسا کلمہ ہے جیسے عدد خلقہ تو اس کا پھیلاؤ اسی قدر ہوتا ہے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ جس شخص کا میان ذکر کی کیفیت سے نفس میں اثر پیدا کرنے کی طرف ہوتا ہے اس شخص کے لیے ذکر کا کثرت سے کرنا مناسب ہوتا ہے اور جس شخص کا میان اس طرف زیادہ ہوتا ہے کہ عمل کی صورت نامہ اعمال میں محفوظ رہے اور جزا کے دن اس کا ظہور ہو تو اس کے حق میں ایسے ذکر کا اختیار کرنا مناسب ہوتا ہے جو بالکلیت اور اذکار پر فوقیت رکھتا ہو کسی کو اس موقع پر یہ کہنے کی مجال نہیں ہے کہ جب تین مرتبہ ان کلمات کا کہنا تمام اذکار سے افضل ہو اذکار کی کثرت اور تمام اوقات کا ان میں صرف کرنا ضائع ہو اس لیے کہ فضیلت ایک اعتبار سے ہے نہ دوسرے اعتبار سے۔ اور آنحضرت ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنہا کو اقرب اعمال کی طرف رہبری اور اس کی طرف تباغی بلغ فرمائی ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو ذکر کر کے اندر جلیل لا الہ الا اللہ کے ساتھ اللہ اکبر اور باقی کلمات کا ماننا مسنون فرمایا ہے اس میں یہ راز ہے کہ نفس کو ذکر پر تنبیہ ہوتی رہے اور صرف زبانی حرکت نہ ہو اور ایک ان اذکار میں سے ایسے امور کا سوال کرنا ہے جو اس کے بدن یا اس کی ذات کے لیے پیدائش کے اعتبار سے نافع ہیں یا حصول اطمینان یا تدبیر منزل یا مال و جاہ کے اعتبار سے اور انہیں اعتبارات سے جو چیزیں مضر ہیں ان سے پناہ مانگنا اور اس کے اندر بھید اللہ تعالیٰ کی تاثیر کا عالم میں مشاہدہ کرنا اور بخدا تعالیٰ کے سب سے روکنے اور قوت دینے کے نفی کرنا ہے اس باب میں آنحضرت ﷺ نے جو دعائیں مقرر فرمائی ہیں ان میں سے یہ دعائیں زیادہ تر جامع ہیں۔

اللہم اصلح دینی الذی ہو عصمة امری واصلح لی دنیا اللتی فیہا معاشی واصلح لی آخرتی اللتی فیہا معادی واحمل الحیوة زیادة لی فی کل حر و احمل الموت راحة لی من کل شر۔ اللہم انی اسئلك الہدی والتقی والعاف والعی اللہم اہدنی وسددنی۔

اور فرمایا ہے ہدایت کے ساتھ راستہ کی طرف اپنی ہدایت اور سدادت تیر کی طرح سیدھا ہونا مراد لے۔ اور

اللہم اغفر لی وارحمنی واهدنی وعافنی وارزقنی اللہم ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علی وامکر لی ولا تمکر علی واهدنی وبسر الہدی لی وانصرنی علی من معنی علی رب اجعلنی لك شاكرًا لك راہبًا لك معلوًا غا لك مخمنا الیک او اہا منسار رب نسل نو نبی

واغسل حوبتی واجب دعوتی و ثبت حجتی و سدّد لسانی و اهد قلبی و اسلّ سخیمه
صدری اللّٰهم ارزقنی حبک و حب من ینفعنی حبه عندک اللّٰهم ما رزقنی مما احب
فاجعله قوۃ لی فیما تحب اللّٰهم ما زویت عنی مما احب فاجعله فراغاً لی فیما تحب
اللّٰهم اقسّم لنا من خشیتک ما تحول به بیننا و بین معاصیک و من طاعتک ما تبلغنا به
جنتک و من البقین ما یموتون به علینا مصیبات الدنیا و متعنا باسماعنا و ابصارنا و قوتنا ما
احییتنا و اجعله الوارث منا و اجعل ثارنا علی من ظلمنا و انصرنا علی من عادانا و لا
تجعل مصیبتنا فی دیننا و لا تجعل الدنیا اکبر همنا و لا مبلغ علمنا و لا تسلط علینا من
لا یرحمنا.

اور پناہ مانگنے کے لیے جو دعائیں آپؐ نے مقرر کی ہیں ان میں یہ دعائیں زیادہ تر جامع ہیں۔

اعوذ باللّٰه من جهد البلاء، و ورك الشفاء، و سوء القضاء، و شماتة الاعداء، اللّٰهم انی
اعوذ بک من الهم والحزن والعجز والکل والجبن والبخل و ضلع الدین و غلبة
الرجال۔ اللّٰهم انی اعوذ بک من الکل والهرم والمغرم والمائم۔ اللّٰهم انی اعوذ بک
من عذاب النار و فتنة النار و فتنة القبر و عذاب القبر و من شرفنة الغنا و من شرفنة
الفقر و من شرفنة المسيح الدجال اللّٰهم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد و نق قلبی
کما ینقی الثوب الابيض من الدنس و باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین
المشرق والمغرب۔ اللّٰهم آت نفسی تقویٰ و زکّیّا انت خیر من زکّیّا انت ولیها و مولیٰها
اللّٰهم انی اعوذ بک من علم لا ینفع و من قلب لا یشبع و من نفس لا تشبع و من دعوة
لا یستجاب لها۔ اللّٰهم انی اعوذ بک من زوال نعمتک و تحول عافیتک و فجاءة نقمتک
و جمیع سخفتک اللّٰهم انی اعوذ بک من الفقر والقلة والذلة و اعوذ بک من ان اظلم
او اظلم.

اور از انجملہ خضوع اور فرمانبرداری کا بیان کرنا چیتے کہ آپؐ پر تسلیم کا قول ہے

سجد و جہی للذی خلقه الخ

اور معلوم کرنا چاہیے جن دعاؤں کا آپؐ نے حکم دیا ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ دعائیں ہیں جن سے قوائے فکر یہ کا اللہ تعالیٰ کی
عظمت اور اُس کے جلال کے ملاحظہ سے پر ہونا یا خضوع اور فرمانبرداری کی حالت کا حاصل ہونا مقصود ہے کیونکہ اس حالت کے
مناسب زبان کی تعبیر کرنے کے لیے نفس کی اس حالت پر متنب ہونے اور متوجہ ہونے میں اثر عظیم ہے اور دوسرے قسم کی وہ دعائیں
ہیں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رغبت اور ان دونوں کے شر سے پناہ مانگنا مقصود ہے کیونکہ نفس کا ارادہ اور بہت کوشش

سے اُس کا کسی چیز کو طلب کرنا جناب باری کے جود کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے جس طرح دیال کے مقدمات نتیجہ کے فیضان کا سبب ہوتے ہیں اور نیز جب کسی چیز کی حاجت قلب کو تکلیف دیتی ہے تو اُس کے سبب سے مناجات کی طرف قلب متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی عظمت اُس کے سامنے موجود ہو جاتی ہے اور ایسے وقت میں آدمی کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتی ہے لہذا یہ حالت محسنین کے لیے بہت مفقتم ہوتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے۔ ((الدعاء هو العبادة)) عبادت تو دعا ہی کا نام ہے میرے نزدیک اُس کا یہ سبب ہے کہ فی الحقیقت عبادت تعظیم کی صفت کے ساتھ حضور کے اندر مستغرق ہو جاتا ہے اور دعا اپنی دو قسموں کے اعتبار سے اُس کے لیے کافی مقدار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((افضل العبادة انتظار الفرج)) بہترین عبادت کا انتظار کشادگی کا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ کہ رغبت کے ساتھ رغبت الہی کی خواست باری کو اس قدر اثر ہوتا ہے کہ عبادت کو بھی اتنا اثر نہیں ہوتا اور آپؐ نے فرمایا ہے:

((ما من احد يدعو ابدا دعاء الا اعطاه الله تعالى ما سئل او كفى عنه شر السوء مثله))۔

”کوئی دعا کرنے والا کوئی دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ موافق اُس کے سوال کے اُس کو عطا فرماتا ہے یا اُس کے برابر مصیبت کی برائی آدمی سے روک لیتا ہے۔“

میں کہتا ہوں عالم مثال سے کسی چیز کا ظہور جب زمین پر ہوتا ہے تو اُس ظہور کے لیے ایک تو طبعی دستور ہیں کہ اگر کوئی خارجی مانع نہیں ہوتا تو اس طریقے کے موافق اس ظہور کا اجرا ہوتا ہے اور ایک غیر طبعی طریقہ ہے یہ جب ہوتا ہے جب اس باب میں باہم مزاحمت ہو جاتی ہے اور غیر طبعی کی ایک یہ صورت بھی ہے کہ کسی مصیبت کے دفعہ کرنے یا اس کی وحشت کے دل جمعی کرنے اور قلب کے اندر خوشی کا القاء یا کسی حادثہ کے اس کی جان کے یا اس کے مال کی طرف مائل کرنے کے لیے رحمت الہی متوجہ ہوتی ہے اور اسی قسم کی اور صورتیں بھی ہیں اور آپؐ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی نفسِ حائر سے تو یہ نہ کہے کہ خدا یا اگر تو چاہے تو مجھ کو بخش دے اور تو اگر چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر چاہے تو مجھ کو رزق دے بلکہ خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اُس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں، مادی روح اور اُس کی حقیقت کا کسی چیز کی طرف رغبت کرنا جس کے ساتھ تھک بالملائکہ اور جبروت پر اطلاع یا بیانی صفت بھی پائی جاتی ہو اور ملک کے ساتھ طالب رہنے میں ارادہ۔ اندر پراسندگی اور ہمت میں سستی پائی جاتی ہے اور مصلحت ہائے ساتھ وہ افقت موجود ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصیبت ہائے کی حمایت کرنے سے خدا تعالیٰ کو نہیں روکتا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے ((لا يرد القضاء الا الدعاء))۔ بجز دعا کے کوئی چیز قضاء الہی کو نہیں روکتی میں کہتا ہوں قضا سے یہاں پر وہ صورت مراد ہے جو عالم مثال میں ہدای کی جاتی ہے اور عالم کون میں اس حادثہ کے وجود کا سبب ہوتی ہے اور وہ صورت تمام مخلوقات کی طرح محو اثبات کو قبول کرتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے ((ان الدعاء ينفع مما نزل مما لم ينزل)) البتہ دعا اُس چیز کو جو اتاری گئی ہے اور جو چیز نہیں اتاری گئی ہے نازل ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں جو حادثہ نازل نہیں ہوا ہے دعا کرنے سے وہ مستحکم ہو جاتا ہے اور زمین پر اس حادثہ کے موجود ہونے کا سبب نہیں ہو سکتا اور جب کوئی بلا نازل ہو جاتی ہے تو دعا کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہاں پر رحمت الہی سے اُس شخص کو اُس مصیبت سے جو رنج پہنچتا ہے اُس میں تخفیف ہو جاتی ہے اور اس کی وحشت اُس کے ساتھ مبدل ہو جاتی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيَكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ)) جس شخص کو یہ بات منظور ہو کہ شدائد کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے آرام کی حالت میں اُس کو کثرت سے دعا کرنی چاہیے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ دعا اُس شخص کی ذمہ داری قبول ہوتی ہے جب نہایت رغبت اور نہایت مستحکم ارادہ سے دعا کرے اُس مصیبت کے احاطہ کرنے سے پہلے وہ شخص دعا کرنے کا عادی ہو اور باتھوں کا اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا اس رغبت کی غامبی صورت اور ہیئت نفسانیہ اور اُس کے منسوب ہیئت بدنیہ میں مطابقت اور نفس کو اُس حالت پر متنبہ کرنا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے ((مَنْ فَتَحَ لَهُ بَابَ مِنَ الدُّعَاءِ فَتَحَبْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ)) جس شخص کے لیے دعا کا ایک دروازہ کھولا گیا اس کے لیے رحمت کے سب دروازے کھول دیئے گئے۔

میں کہتا ہوں جو شخص دلی رغبت سے دعا کرنے کی کیفیت جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون کون سی صورتوں میں قبولیت کا ظہور ہوتا ہے اور وہ شخص حضورؐ کی صفت کے ساتھ مشتاق ہو رہا ہے تو دنیا میں اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت اُس کی امانت کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد اُس کے گناہ جب اُس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ہیئت دنیاوی اس کو دھکیلتی ہے تو وہ شخص جس طرح عادی ہو رہا تھا اسی طرح رغبت کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی دعا وہاں بھی مقبول ہوتی ہے اور پھر سنا ہوں سے ایسا صاف نکل جاتا ہے جس طرح آنے میں بال صغائی کے ساتھ نکل جاتا ہے۔

اور معلوم کرنا چاہیے کہ سب دعاؤں میں سے قریب بقبولیت وہ دعا ہوتی ہے جو ایسی حالت کے ساتھ پائی جائے جس میں رحمت الہی کے نازل ہونے کا موقع ہوتا ہے یا تو اس لیے کہ نفس انسانی کو اس حالت میں کمال کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسے نمازوں کے بعد دعا کرنا یا روزہ دار کی دعا وقت افطار روزہ کے یا اس لیے کہ وہ حالت جو الہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتی ہے جیسے مظلوم کی دعا کیونکہ خدا تعالیٰ کو ظالم سے بدلہ لینے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور یہ دعا مانگنا اُس توجہ کے ساتھ موافقت کرتا ہے اور مظلوم کے باب میں آیا ہے کہ اُس کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے مابین میں حجاب نہیں ہے یا دنیاوی راحت کے متعلق ہونے کا سبب ہوتی ہے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جو اس کے حق میں متوجہ ہوتی ہے وہ دوسری صورت میں متعلق ہو جاتی ہے جیسے مریض یا مصیبت زدہ کی دعا یا وہ حالت دعا کے اخلاص کا سبب ہوتی ہے جیسے کسی غائب شخص کے اپنے بھائی مسلمان کے لیے دعا یا باپ کی اپنی اولاد کے لیے یا وہ دعا اس وقت پائی جاتی ہے جب روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور رحمت الہی جہان پر جم جاتی ہے جیسے شب قدر یا جمعہ کے روز اس ساعت مرحومہ میں دعا کرنا یا ایسے مکان میں دعا کرنا جہاں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جیسے مکہ کے مقامات میں جانے سے نفس کو حضور اور خضوع کی حالت پر متنبہ ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے آثار ہم نے جو بیان کیا ہے اُس پر قیاس کرنے سے آنحضرتؐ کے اس قول کا راز معلوم ہو سکتا ہے ((يَسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِأَثَمٍ أَوْ قَطِيعَةٍ رَحِمَ مَا لَمْ يَسْتَعْجَلْ)) بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک نہ وہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ کرے اور آپؐ نے فرمایا ہے ((الْكُلُّ نَبِيٌّ دَعَا

مستجابتہ ... الخ)) ہر ایک نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے سو ہر نبی نے اپنی دوا دنیا میں مانگ لی ہے اور میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے قیامت کے دن کو پوشیدہ کر رکھی ہے پس جو شخص میری امت سے مرے گا اور کسی کو وہ خدا کا شریک نہ کرتا ہو گا وہ دعا ان شاء اللہ اس کو پہنچے گی۔

میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کی کثرت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی بھی دعا میں بہت مقامات میں مستجاب ہوئیں لیکن ہر نبی کے لیے ایک ایسی دعا ہوئی ہے جس کا منبع و رحمت ہوتی ہے جو اس کی نبوت کا مبداء ہوتی ہے پھر اگر اس نبی کی امت اس پر ایمان لائی ہے تو وہ دعا اس کے حق میں برکات کا سبب ہو جاتی ہے اور اس نبی کے دل میں ان کے لیے دعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ لوگ اس نبی کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے تو وہ دعا ان لوگوں کے حق میں مذاب الہی کے نازل ہونے کا سبب ہو جاتی ہے اور اس نبی کے دل میں ان پر بددعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کی بعثت سے مقصود اعظم قیامت کے روز لوگوں کا شفعہ اور رحمت خاصہ کے نزول کا واسطہ ہونا ہے لہذا آپ نے اس دعا پر گزیدہ کو جو اصل نبوت سے پیدا ہوتی ہے اس دن کے لیے پوشیدہ کر رکھا اور آپ نے فرمایا ((انہی اتخذت عندك احذا الح)) البتہ میں نے تجھ سے عہد لے لیا ہے۔

میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے حال پر جو رحم و کرم ہے اس کا مقتضی یہ ہوا کہ بیشتر سے اللہ تعالیٰ سے آپ وعدہ کرالیں اور خطیرۃ اقدس میں آپ ﷺ کی ہمت متحمل ہو جائے جس سے اس کے احکام برابر صادر ہوتے رہتے ہیں اس کی یہ صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے حق میں آپ کے اس ارادہ کا اعتبار فرمائے جو باطنی اور پوشیدہ ہے نہ ظاہری ارادہ کا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے جو قول یا فعل کے ساتھ مسلمانوں کی تعزیر فرمائی ہے اس سے آپ ﷺ کا مقصود اس دین کا ان میں قائم کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور ان کا راستہ پر لانا اور کجی سے بچنا مقصود ہے اور جن لوگوں پر عفر کا حکم دیا ہے قضا الہی میں آنحضرت ﷺ نے جو ان سے نیک کے ساتھ برتاؤ کیا ہے اس میں بھی آپ کا مقصود اس منصب الہی کے ساتھ موافقت کرنا جو ان لوگوں سے متعلق ہے اور صورت اگرچہ متحد ہے لیکن طریقے مختلف ہیں اور ایک توکل ہے۔ توکل کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے اس وقت کہ وہی اللہ تعالیٰ اقتدار کے قائل ہے اور تمام تدبیریں اسی کی طرف ہیں اور تمام لوگ اس کی تدبیر سے اپنے آپ سے ہیں اللہ تعالیٰ سے اس قول کا مصداق یہ ہے۔ ((وہو القاهر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفصۃ)) یعنی وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر منفقین کو بھیجتا ہے توکل کے باب میں آنحضرت ﷺ نے بہت سے ارشاد فرمائے ہیں ازاں بعد ((لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العلیم)) اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ ہمت کے خزانوں میں سے ایک خدا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ہمت نفس کو ایک عظیم الشان معرفت کے قائل بنادیتے ہیں اور ازاں بعد آپ ﷺ کا یہ قول ہے ((توکل علی اللہ)) اور یہ قول ((اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر و ان اللہ فدا احادہ بکل نبی علفا۔ و علی ہذا المباس)) اور ایسا استفادہ ان روئے اپنے ان سنا ہوں کا جو نفس کو تھیرے ہوئے ہیں مانتے کرنا اور نفس سے

بہ دُروحانی اور فیض ملکی اُن کا ذور کرنا ہے اور اس کے کئی سبب ہیں اور از انجملہ رحمت الہی کا کسی ایسے عمل سے اُس کو شامل ہو جانا جس کے سبب سے ملاہ اُٹلی کی دعائیں اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں یا وہ عمل اس شخص میں کسی ایسی صفت کے ظاہر کرنے میں جو عامہ مخلوق کے لیے نافع ہے تدبیر الہی کے جوارح میں سے ہوتا ہے یا کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے یا اُس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور از انجملہ ملائکہ کی ہیئت کی مشابہت پیدا کرنا اور انوار ملکیت کا روشن ہونا اور ہیئہ کے سرور کا اُس کے اجزاء کے ضعیف ہو جانے اور اُس سے پہچان کے فرو ہو جانے سے جاتا رہنا ہے اور از انجملہ جبروت پر اطلاع یابی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے ساتھ یقین سے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اُس کا کوئی پروردگار ہے جو اُس کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور اُس سے مواخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ پس جب کوئی بندہ ان روحانی اعانتوں کا اپنے نفس سے گناہ دور ہونے میں استعمال کرتا ہے تو وہ گناہ منسحل ہو جاتے ہیں استغفار کے اذکار میں سے جامع تر یہ استغفار ہے:

اللهم اغفر لي خليتي وجهلي واسرافي في امري وما انت اعلم به مني. اللهم اغفر لي جدي وهزلي وخطائي وعبدی وکل ذلک عندی. اللهم اغفر لي ما قدمت و ما اخرت و ما اسررت و ما اعلنت و ما انت اعلم به مني انت المقدم و انت المؤخر و انت علی کل شیء قدير۔ اور سید الاستغفار یہ ہے۔ لا اله الا انت خلقتني و انا عبدك و انا علی عهدك و وعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك نعمتك علی و ابوء بذنبي فاغفر لي و انه لا يغفر الذنوب الا انت۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: انه لیتان علی قلبي و انی لاستغفر الله تعالى فی اليوم مائة مرة۔

میرے قلب پر بھی پردہ آ جاتا اس لیے ہر روز اللہ پاک سے میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں میں کہتا ہوں اس پردہ کی حقیقت کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عامہ مومنین ساتھ ایسی ہیئت میں رہنے کا حکم ہے کہ جو ملکی اور بیکی سے مرکب ہوتا کہ جو طریقہ آپ اُن کے لیے مسنون فرمائیں اس کو ذوق اور وجدان کے طور پر قبول کر کے پیروی کریں نہ صرف قیاس و تخمین کے طور پر اور اس ہیئت میں رہنے کو دل پر عین یعنی پردہ اور کدورت کا عارض ہونا لازم ہے اور از انجملہ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عالم کے اعتبار سے ایک قرب ہے حروف کے عالم میں اللہ تعالیٰ کا قرب اُن اسماء کے ساتھ ہوتا ہے جو اہل لسان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور اسماء الہی میں جن کا رواج ہوتا ہے اُن اسماء میں سے جب کوئی بندہ کسی نام کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے قریب ہو جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((ان لله تسعین اسماء ما أنه الا واحدة من احصاها دخل الجنة)) اللہ کے لیے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو شخص اُن کو یاد کرے گا تو جنت میں داخل ہوگا۔

میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب ایک یہ ہے کہ یہ اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لیے کافی مقدار ہیں اور خطیر القدس میں ان اسماء کے لیے نہایت برکت اور کامل درجہ پایا جاتا ہے اور نامہ اعمال میں ان اسماء کی صورت جب مندرج ہوتی

ہے تو بالضرور اس صورت کی وسعت ایک عظیم الشان رحمت کی طرف ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کرنے سے دعا مستجاب ہوتی ہے اور جو سوال کیا جاتا ہے ملتا ہے وہ نام ہے جو تقریبات ایزدی میں سے نہایت جامع تقرب پر دلالت کرتا ہے اور علماء اعلیٰ میں وہ نام کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے اور ہر زمانہ میں اہل لسان اس نام پاک کے ساتھ ناطق ہوتے ہیں اور ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ زید جو شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے اُس کے لیے ایک صورت شاعر ہونے کی ہے اور ایک کاتب ہونے کی اسی طرح حق تعالیٰ کو عالم مثال کے لیے کسی مقام کے ساتھ تقریبات ہوتے ہیں اور یہ معنی اُس پر صادق آتے ہیں۔ ((انت اللہ لا الہ الا انت الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد)) اور نیز اس پر صادق آتے ہیں ((لک الحمد لا الہ الا انت المنان بدیع السموات والارض یا ذا الجلال والاكرام یا حی یا قیوم)) اور اسی قسم کے اسماء پر یہ معنی صادق آتے ہیں اور ان جملہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتا ہے آپؐ نے فرمایا ہے ((من صلی علی صلوۃ صلی اللہ علیہ عشرًا)) جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس درود بھیجتا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے ((ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرہم علی صلوۃ)) قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ قریب میرے وہ شخص ہوگا جو ان میں کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہے۔

میں بتاؤں اُس میں یہ بھید ہے کہ نفوس بشر یہ کہنے لگتی ہیں کہ نفوس الہی کے سامنے رہیں اور پیش رہنے کے لیے اس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے کہ تقریبات انوار اور علامات الہی جو زمین پر پائے جاتے ہیں ان کی طرف نفس کی توجہ اور ان کے سامنے رک جانا اور ان کے اندر غور کرنا اور ان پر غمہ جانا ہو۔ خاص کر ان متہرین کی ارواح جو علماء اعلیٰ کے بزرگ ترین لوگوں میں ہیں اور زمین والوں پر جو اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوتی ہے اس سے وسطا میں جیسا کہ ہم سابقہ بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا تعظیم سے ذکر کرنا اور اللہ تعالیٰ سے آپؐ کے حق میں بہتری کی خواہش کرنا آپؐ کی طرف توجہ کرنے کا کامل ترین سبب ہے اور اس سے ماتبہ یہ بھی ہے کہ تحریف کا راستہ اُس سے مفتون نہیں ہوتا یہ خدا اس شخص نے صرف آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی خواہش کا رسی سے قصد سے آپؐ کو ذکر کیا ہے اور کاطمین کی ارواح و ذہن اپنے ابدان سے مفارقت ہوتی ہے تو ان کا حال اس موج کا سا ہوتا ہے زہری زہلی ہوتی ہے کہ کوئی نیا اور دیا لونی ماضی جب ان وقت نہیں دے سکتا مگر جو کم درجہ کے نفوس ہوتے ہیں وہ ان ارواح سے ماتبہ بالتصدد متصل ہو کر ایک نور اور ایک ہست ہست ارواح سے مناسبت ہوتی ہے وہ ان ارواح سے حاصل کر لیتے ہیں آنحضرت ﷺ نے اس قول میں یہی مراد ہے ((ما من احد یسلم علی الارذ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام)) وہی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ میری روح کا مجھ پر امداد دیتا ہے حتیٰ کہ میں اُس کو سلام کا رد یعنی جواب دیتا ہوں۔ ان کی یہ سوچوالیس ہجری میں مدینہ سے ماتبہ مجھ و مہر ت نصیب ہوئی تو میں نے بے شمار مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((لا تجعلو ربارب فوری عبدا)) میری قبر کی زیارت کو عید نہ بنانا۔

میں بتاؤں اس میں تحریف کے راستہ کو بند کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا عہد کیا ہے اور شکل فی نے ان و عید و میلہ فرمایا تھا۔ صومر و زور کے اوقات میں برتنے کی عادت ہے اگرچہ شرائع کی

توقیت سے وہ توقیت کم درجہ کی ہے اس لیے کہ اگر اذکار کی توقیت نہ کی جائے تو تساہل کرنے والا کاہلی کر سکتا ہے اور یہ توقیت یا اسباب کے ساتھ ہونی چاہیے یا اوقات کے ساتھ اور ہم نے صراحتاً یا اشارتاً اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ بعض اوقات و بعض اوقات یرترتیب کا سبب یا تو روحانیت کا ان اوقات میں ظاہر ہونا ہے مثلاً صبح و شام کے اوقات یا نفس کا ان اوقات میں کینیاتِ رفیلا سے خالی ہونا جیسے خواب سے بیدار ہوتے وقت یا نفس کا اُس وقت میں انتظامات اور دنیا کے قصوں سے فارغ ہونا کہ اُس وقت میں ذکرِ ربّ یا نفس کے لیے بمنزلہ صیقل کے ہو جاتا ہے جیسے سونے کا ارادہ کرتے وقت اور ہیئت کے لیے وہ چیزِ مخصص ہو سکتی ہے جو ذکرِ الہی کے بہانے اور بارگاہِ الہی کی طرف توجہ سے غافل کرنے کا سبب ہو ایسے وقت میں ذکرِ الہی سے اس کا ملائق ضرور ہوتا ہے تاکہ اُس غفلت کے سم کے لیے بمنزلہ تریاق کے ہو کر اُس کے نقصان کا تدارک کر دے یا وہ مخصص کوئی عبادت ہوتی ہے جس کا نفع بغیر ذکر کے ملائے کامل نہیں ہوتا مثلاً ان اذکار کے جو نمازوں کے اندر مسنون ہیں یا وہ مخصص کوئی ایسی حالت ہوتی ہے جو نفس و خوفِ الہی اور اس کی تنظیم اٹھان سلطنت کے ملاحظہ کرنے پر متنبہ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ حالت اس شخص کو خواہ مخواہ اعمالِ حسنیہ کی طرف راہبری کرتی ہے خواہ اُس کو علم ہو یا نہ ہو جیسے آیاتِ الہی مثل آندھی اور تاریکی اور کسوف وغیرہ کے وقت اذکار مقرر فرمائے گئے ہیں یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں ضرر کے پہنچنے کا خوف ہو کر اُس حالت کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے فضل کی خواستگاری کی جائے اور اُس کی پناہ مانگی جائے جیسے سفر کرتے اور سوار ہوتے وقت یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اہل جاہلیت اس حالت کے ساتھ دلوں میں ایسے اعتقاد رکھتے تھے جن کا انجام شرک یا بدشگونی یا اُس کے مثل ہوتا تھا جس طرح جنون کی پناہ مانتے تھے اور رویتِ ہلال کا وقت آنحضرت ﷺ نے اُن میں سے بعض اذکار کے فضائل اور دنیا و آخرت میں اُن کے آثار بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کو پورا فائدہ پہنچے۔ اور اُن کو کامل رغبت پیدا ہو اور اس باب میں زیادہ تر مقصود بالذات چند امور ہیں ایک تو یہ کہ ذکر تہذیب نفسانی کا مظنہ اور اس کی علامت ہے لہذا جو امر تہذیب پر مترتب ہوتا ہے۔ ذکر پر آپ نے اس کو دائر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے

((من قال هن ثم مات مات علی الفطرة او دخل الجنة او غفر له))

”جو شخص ان کو پڑھ کر مر گیا تو فطرتِ اسلامی پر مراد اخل ہو اجنت میں یا یہ فرمایا کہ بخش دیا۔“

اور اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں اور ازاں جملہ اس بات کا بیان کہ ذکر کرنے والے کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتی یا ہر ایک بات سے محفوظ رہتا ہے اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ رحمتِ الہی اس شخص کے مثل حال ہو جاتی ہے۔ اور ملائکہ کی دعا اس کو محیط ہو جاتی ہے اور ازاں جملہ اس بات کا بیان کہ اس کے سن و دور ہو جاتے اور حسنت اس کے لیے نیک بات ہیں اور اس کا سبب ہم بیان کر چکے کہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ اور رحمتِ الہی کا اس پر محیط ہو جانا گنہوں کو دور کرتا ہے اور قوتِ مکی کو زیادہ کرتا ہے اور ازاں جملہ شیاطین کا اُس شخص سے دور ہو جانا اس کا راز بھی بعینہ یہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے تین اوقات میں ذکر مقرر فرمایا ہے صبح و شام و خواب کے وقت۔ اور اکثر اذکار میں جاگنے کا وقت مقرر نہیں فرمایا کیونکہ نہ باوہی وقت صبح کے طلوع کرنے یا اُس کے روشن ہونے کا ہوتا ہے صبح و شام کے اذکار میں سے بعض اذکار یہ ہیں:

اللہم عالم الغیب والشہادة فاحضر السموات والارض رب کل شیء وملیکہ اشہد ان لا

اَله اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّ كُلِّ اَمْسِيْنَ اَمْسِيْنَ اَلْمَلِكُ لِلّٰهِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ اللَّیْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِیْهَا وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا
فِیْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُسَلِ وَسُوءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ

اور صبح کے وظیفہ میں بجائے امسینا کے اصبحنا اور بجائے امسی کے اصبح اور بجائے ہذہ الیلة کے ہذا الیوم
بدل دینا ہے بِكَ اصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰی وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْر اور شرم کے وقت بجائے
اَسْ اَسْ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰی وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْر پڑھنا چاہیے۔ بِسْمِ اللّٰهِ
الَّذِیْ لَا یُضِرُّهُ اِسْمُهُ شَيْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ تین مرتبہ اور سبحان اللّٰہ
و بحمده لا قوۃ الا باللّٰہ ماشاء اللّٰہ کان وما لم یشاء لم یکن اعلم ان اللّٰہ علیٰ کلّ شئی قَدِیْر و ان
اللّٰہ قد احاط بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِمَا فَسُبْحَانَ اللّٰہ حِیْنَ تَمُوءْنَ وَحِیْنَ تَصْحَوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعِشَیَا وَحِیْنَ تَظْهَرُوْنَ تَخْرُوْنَ اُتھ پڑھئے۔ اور اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَافِیۃَ فِی
الدُّنْیَا وَالْآخِرۃ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَ اَهْلِیْ وَ مَالِیْ اَللّٰهُمَّ اَسْتَرْ
عُوْرَاتِیْ وَ اَمِنْ رُوعَاتِیْ اَللّٰهُمَّ اَحْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیْ وَ مِنْ خَلْفِیْ وَ عَنْ یَمَیْنِیْ وَ عَنْ شَمَالِیْ وَ
مِنْ فَوْقِیْ وَ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ اِنْ اِشْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ رَضِیْتَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ
صَلٰی اللّٰہ عَلَیْہِ وَ سَلَمَ نَبِیًّا تین مرتبہ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بَیْ
مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بَعْدَ مِنْ خَلْقٍ فَمَنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ الشُّكْرُ اور ایک سیدنا استغفار
توہمہ پڑھا ہے۔ اور موت کے وقت کا وظیفہ جب اتر پڑ جائے یہ ہے:

بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَ ضَعْتَ حَنَسِیْ وَ بَكَ اَرْفَعُهُ اِنْ اَمْسَكَتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْہَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَهَا
فَاَحْفَظْہَا بِمَا تَحْفَظُ بِہِ عِبَادُكَ الصَّالِحِیْنَ

اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتَ نَفْسِیْ اِلَيْكَ وَ وَجَّهْتَ وَ حَبَّیْ اِلَيْكَ وَ قَوَّضْتَ اَمْرِیْ اِلَيْكَ وَ اَلْحَافَظَ
طَهَّرْتَ اِلَيْكَ رَعْبَةً وَ رَهْمَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَا، وَلَا مَنَاجَا، مَكَتَ اِلَّا اِلَيْكَ اَمْسَ بَکْنٰتُكَ الَّذِیْ
اَسْرَلْتَ وَ نَسَّكَ الَّذِیْ رَسَلْتَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَنَانَا وَ کَسَانَا اَوْ اَفْکَرَمَ مِنْہُمْ لَا
کَافِیَ لَہِ وَلَا مُوَوِّیَ لَہِ

اور سبحان اللّٰہ اور الحمد للہ ہر ایک تین بار اور اللّٰہ اکبر پڑھتے ہیں اور اللّٰهُمَّ فِیْ عِبَادَتِكَ یَوْمَ
تَمُوتُ عِبَادُكَ تین مرتبہ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْکَرِیْمِ وَ کَلِمَاتِکَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَبَدَ اَحَدًا مِنْ خَلْقِہِ اَللّٰهُمَّ

انت تكشف المغرم والمائم اللهم لا يهزم جندك ولا يخلق التوراة والانجيل والقرآن و
اعوذ بك شر كل شرانت آخذ بناصيته انت الاول فليس قبلك شيء و انت الآخر فليس بعدك
شيء و انت الظاهر فليس فوقك شيء و انت الباطن فليس دونك شيء اقض عني الدين و
اعدني من الفقر اور بسم الله وضعت جنبي اللهم اغفر لي ذنبي و اخسا شيعاني رفك رهاني
واجعلني في الندي الاعلى اور الحمد لله الذي كفاني و اطعمني و سقاني والذي من على
فافضل والذي اعطاني فاجزل الحمد لله على كل حال اللهم رب كل شيء و مليكه و اله كل
شيء اعوذ بك من النار اور دونوں ہاتھ ملا کر قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ
برب الناس پڑھے جہاں تک بدن پر اس کا ہاتھ پہنچ سکے ہاتھ پھیرے اور آیت الکرسی پڑھے اور اگر کسی عورت سے نکاح کرے یا
کوئی باندی عام خریدے تو اس کے واسطے یہ پڑھنا مسنون ہے۔ اللهم اني استلك خيرها و خیر ما جبلتها عليه و
اعوذ بك من شرها و من شر ما جبلتها عليه اور جب مبارکبادی دے تو یہ کہے بَارَكَ اللهُ لَكَ و بَارَكَ عَلَيْكَمَا
و جمع بینکما فی خیر اور جب بیوی سے صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے۔ بسم الله اللهم جنبنا الشيطان
و جنب الشيطان ما رزقنا اور پانچاٹھ گونے کے وقت یہ پڑھنا چاہیے اعوذ بالله من الخبث والخبائث اور
وہاں سے نکلے وقت غفرانک کہے۔

اور جب کسی کو کوئی تکلیف ہو رہی ہو تو وہ پڑھے لا اله الا الله الحليم العظيم لا اله الا الله رب العرش
العظيم لا اله الا الله رب السموات و رب الارض و رب العرش الكريم اور غصہ کے وقت پڑھے اعوذ
بالله من الشيطان الرجيم اور مرغ کے اذان دیتے وقت اللہ تعالیٰ سے فضل کی خواہش رکھ کر پڑھے اور کدھے ریت کے وقت
اعوذ پڑھے اور سواری پر چڑھتے وقت تین مرتبہ الله اکبر پڑھے بعد ازاں پڑھے سبحان الذي سخر لنا هذا و ما
كناله مقررین و انا الى ربنا لمنقلبون اور الحمد لله تین مرتبہ الله اکبر تین مرتبہ اور سبحانك اللهم
ظلمت نفسي فاغفر لي انه لا يغفر الذنوب الا انت اور سفر کا قصد کرتے وقت پڑھے اللهم انك نسلك في
سفرنا هذا البر و التقوى و من العمل ما ترضى اللهم هون علينا سفرنا هذا اطولنا بعدد اللهم انت
الصاحب في السفر و الخليفة في الاهل اللهم اني اعوذ بك من و عشاء السفر و كابة المنقلب و
سوء المنظر في المال و الاهل اور جب منزل پر اترے یہ پڑھے اعوذ بكلمات الله التامات من شر ما
خلق يا ارض ربی و ربك الله اعوذ بالله من شرك و من شر ما فيك و من شر ما خلق فيك و من
شر ما يدب عليك و اعوذ بالله من اسد و اسود من الحية و العقرب و من شر ساكن البلد و من
والد و ما ولد اور جب سفر کی حالت میں صبح کا وقت ہو تو یہ پڑھے سمع سامع بحمد الله و حس بلانه علينا ربنا
صاحبنا و افضل علينا عائداً بالله من النار اور جب سفر سے واپس آئے تو جب کوئی بلند جگہ آئے تین مرتبہ الله

اکبر۔ کہ بعد ازاں کہے لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شیء قدير۔ آثبون قاثبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ و ہزم الاحزاب و حدہ۔ اور جب کافروں پر بد کرتے تو یہ کہے۔ اللہم منزل الكتاب سریع الحساب اللہم اہزم الاحزاب اللہم اہزمہم و زلزلہم اللہم انا نجعلک فی نحورہم و نعوذ بک من شرورہم اللہم انت عضدی و نصیری بک اصول و بک احوال و بک اقاتل۔

اور جب کسی کا مہمان ہو تو کہے اللہم باریک لہم فیما رزقہم و اغفر لہم و ارحمہم اور چاندی کے وقت پڑھتے۔ اللہم اہل لہ علینا بالامن و الایمان و السلامة و الاسلام ربی و ربک اللہ اور کسی کو کسی بد میں گرفتار دیکھتے تو کہے۔ الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلاً اور جب کسی پڑت میں جائے تو یہ کہے لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و هو حی لا یموت بیدہ الخیر و هو علی کل شیء قدير اور جب کسی شورو غل کی مجلس سے اٹھے تو یہ پڑھے سبحانک اللہم و بحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک اور کسی شخص کو رخصت کرتے وقت یہ پڑھنا چاہیے استودع اللہ دینک و امانتک و آخر عملک و زودک اللہ التقویٰ و غفر ذنبک و بصرک الخیر حیث ما کنت اللہم اطولہ العد و ہوں علیہ السفر اور اپنے گھر سے نکلنے کے وقت پڑھے بسم اللہ تو کلت علی اللہ اللہم انا نعوذ بک من ان نذل او نضل او نطلم او نظلم او نجہل او یجہل علینا بسم اللہ تو کلت علی اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ اور اپنے گھر میں آتے وقت پڑھے اللہم انی اسئلك خیر المولج و خیر المخرج بسم اللہ و لجنا و بسم اللہ خر جنا و علی اللہ و ربنا تو کلنا اور جب کسی پر قرض کا رو بہ اور افکار کا تیوم، تو تن و شام یہ پڑھتے اللہم انی اعوذ بک من الہم و الحزن و اعوذ بک من العجز و الکسل و اعوذ بک من السخل و الحس و اعوذ بک من غلبة الدین و قهر الرجال اور یہ پڑھتے اللہم اکسی بحالک عن حرامک و اغنی بفضلك عنی سواک اور جب نیا کپڑا پہنتے تو یہ پڑھے۔ اللہم لک الحمد انت کسوتی ہذا اور اس پڑھتے اسئلك حرہ و خیر ما صنع لہ و اعوذ بک من سرہ و شر ما صنع لہ الحمد للہ الذی کسائی ما اوارى بہ عورتی و اتجمل بہ فی حیاتی اور روز پڑھتے پڑھتے وقت پڑھتے الحمد للہ الذی اطعمنا و سانا و جعلنا من المسلمی الحمد للہ الذی انعم علی ہذا الطعام من غیر حول منی و لا قوۃ الحمد للہ الذی اطعم و سقی و سوغہ و جعل لہ محرراً اور جب رات نماز ان الزیاب سے پڑھتے الحمد للہ حمداً طیباً کثیراً مبارکاً فہ غیر کفی و لا مودع و لا مستغنی عنہ ربنا اور بدھو پڑھتے میں یہ پڑھتے اللہم اجعل فی قلبی نوراً الح اور مسجد کے اندر داخل ہونے سے پہلے یہ پڑھتے اعوذ باللہ العظیم و بوحبہ الکریم و سلطانہ المذہب من الشیطان الرجیم اللہم افصح لی

ابواب رحمتك اور مسجد سے نکلنے وقت پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ.

اور جب بادل کے گرنے اور کڑکنے کی آواز سے تو پڑھے: اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تَهْلِكْنَا بِعَذَابٍ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ. اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا. اور باؤ چلتے وقت پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اَرْسَلْتَ بِهِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اَرْسَلْتَ بِهِ. اور چھیننے وقت پڑھے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا طَيِّبًا كَثِيْرًا مُّبَارَكًا. اور اس کے پاس والا کہے بِرَحْمَتِكَ اللّٰهُ. اور چھیننے والا اس کے جواب میں کہے: يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بِالْكَمِّ. اور سوتے وقت پڑھے: اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيٰی. اور بڑے وقت پڑھے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيٰنَا بَعْدَ اَمَاتِنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ. اور اذان کے وقت پانچ چیزیں مسنون ہیں ایک تو یہ کہ مؤذن کا بعینہ جواب دینا چاہیے: بِحَسْبِیْ عَلٰی الصَّلٰوةِ وَرَحْمٰی عَلٰی الْفَلَاحِ کے کہ ان کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. کہے دوسرے اس کا پڑھنا ہے: رَضِیْتَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا تیسرے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے چوتھے اذان کے بعد اس دعا کا پڑھنا ہے۔

اللّٰهُمَّ رَبُّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَتَ مُحَمَّدًا نُّوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ

وَالدَّرَجَةَ الرَّفِیْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَهُ اَنْتَ لَا تَخْلِفُ الْمِیْعَادَ

پانچویں اللہ تعالیٰ سے فلاح دارین کا سوال کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ذی الحجہ کے عشرہ میں کثرت سے یاد الہی کرنے کا حکم فرمایا ہے اور صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے عرفہ کے روز اور ایام تشریق میں مختلف طور سے تکبیر ثابت ہوئی ہے جن میں سے زیادہ تر صحیح یہ تکبیر ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے ہر نماز کے بعد ایام تشریق اخیر دن کے عصر کے وقت تک ایک مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد. اور نماز وغیرہ کی دعائیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں ان کو وہاں دینا چاہیے۔ الحاصل جو شخص ان اوقات میں قمر کے ساتھ ان وظائف کا التزام کرے اور پابند ہو تو اس شخص کے حق میں یہ اذکار ہر وقت ذکر کرنے کے برابر ہیں اور وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ وَالَّذٰی اَكْبَرْنَ اللّٰهُ كَثِيْرًا وَالَّذٰی اَكْبَرَاتِ. واللّٰهُ اعْلَمُ



بقیہ مباحث احسان کا بیان

معلوم کرو کہ ان چار اخلاق کے بہت سے اسباب ہیں جن سے یہ اخلاق حاصل ہو سکتے ہیں اور بہت سے موانع ہیں جو ان اخلاق سے روکتے ہیں اور علامات ہیں جن سے یہ اخلاق معلوم ہو سکتے ہیں اب جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے رو برو پست ہو جانا اور اس کی سبیلانی کا معلوم کرنا اور ملاء اعلیٰ کے رنگ میں رنگ جانا اور رذائل بشریہ سے پاک ہونا اور دنیاوی زندگی کے نقوش کا نفس کے اندر منقوش نہ ہونا اور دنیاوی زندگی میں جی کا نہ لگنا ان سب امور کے پیدا کرنے کے لیے فکر کرنے کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((فكر ساعة خير من عبادة ستين سنة)) ایک گھنٹی کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور فکر کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ازاںجملہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا اور انبیاء صلوات اللہ علیہم نے اس سے منع فرمایا ہے یونکہ عوام الناس اس فکر کی طاقت نہیں رکھتے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((تفكرو في آيات الله ولا تفكروا في الله))

”اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو۔ اللہ کی ذات میں مت فکر کیا کرو۔“

دوسری روایت میں آیا ہے:

((تفكروا في كل شيء ولا تفكروا في ذات الله))

اور ایک قسم خدا کی صفات علم اور قدرت اور رحمت میں فکر کرتا ہے۔

اصل دعوت کے ہاں اس فکر کرنے کا نام مراقبہ ہے اور اصل اس میں آنحضرت ﷺ کا قول ہے

((الاحسان ان تعد الله كأنك تراه وان لم تكن تراه فانه يراك))

”اچھا حال اس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو یا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔“

اور فرمایا ہے ((حفظ الله تجده تجاهك)) اللہ تعالیٰ کا احسین رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور فکر کرنے کا طریقہ

یہ ہے کہ اس سے کہ یہ آیت پڑھے ((هو معكم اينما كنتم)) جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

﴿ وما تكون في شأن وما تتلوه منه من قرآن ولا تعملون من عمل الا كنا عليكم شهودا

اذ تستمعون فيه وما يغرب عن ربك من مثقال درة في الارض ولا في السماء ولا أضفر

من ذلك ولا اكرم الا في كتاب مبني ﴾

”اور تو اس حال میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتا ہے اور نہ تم لوگ کوئی عمل کرتے ہو۔ مگر ہم تمہارے

اور ہر جگہ ہوتے ہیں جب اس کام میں کھینچتے ہو اور تیرے رب سے اور برابر زمین میں اور نہ آسمان میں نہ چپا ہوا نہیں

ہے اور نہ اُس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود ہے یا یہ آیت

﴿الَّذِينَ تَرَوْنَ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خُمْسَهُ إِلَّا هُوَ سَادُسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَمَا كَانُوا﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے جانتا ہے۔ کہیں تین شخصوں کا مشورہ نہیں مگر وہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہ پانچ کا مشورہ ہوتا ہے مگر وہ چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جہاں وہ ہوں۔“

یا یہ آیت ﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ رگ گردن سے زیادہ ہم اُس سے قریب ہیں۔ یا یہ آیت ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمٍ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ اور اُن کے پاس غیب کی کتبیاں ہیں جن کو بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ جہنم اور دریا میں ہے اس کو اُس کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جنت یا جہنم کا جو وہ نہ جانتا ہو اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہ ہو اور سوکھا ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود نہ ہو یا یہ آیت ﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّجِيبٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیر رہا ہے۔ یا یہ آیت ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔ یا یہ آیت ﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا آنحضرت ﷺ کی حدیث کو پڑھئے۔

((اعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشي لم ينفعوك الا بشي قد كتب الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك الا بشي قد كتب الله عليك ورفعت الاقدام ووجفت الصحف)).

”جان لے کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے پر جمع ہوں تو اسی چیز کا نفع پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھی ہے اور اگر تجھے کچھ ضرر پہنچانے پر جمع ہوں تو اسی قدر ضرر پہنچا سکیں گے جتنی اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر لکھی ہے۔ اٹھ کھڑی قلم اور خشک ہو گئیں کتابیں۔“

یا آنحضرت کے اس قول کو پڑھئے ((ان لله مائه رحمة انزل منها واحدة في الارض)) الحدیث اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اُس نے زمین پر ایک نازل فرمائی ہے پھر بلا تشبیہ اور بلا توہین اس آیت سے معنی کا تصور کرے بلکہ ان اوصاف کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے صرف اوصاف کو اپنے پیش نظر رکھے۔ پھر جب اُس تصور میں ضعف و کمزوری ہو تو پھر اس آیت کو پڑھئے اور دوبارہ تصور کرے اور اس عمل کے لیے اس کو ایک وقت مقرر کر لینا چاہیے جس میں پیشاب یا بے ضرورت اور بھوک وغیرہ اور غینہ سے پاک ہو حاصل یہ ہے کہ دنیا کی تمام تشویشوں سے اس کا دل صاف ہو اور از اجداد اللہ تعالیٰ سے فیضانِ افعال میں فکر کرنا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا

”جو لوگ آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے ہیں اسے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بے کار پیدا نہیں کیا۔“

اور اس کی یہ صورت ہے کہ مجھ کے برسانے اور نباتات کے جننے میں اور اسی قسم کے اندر چیزوں کے فکر کیا کرے اور خدائے تعالیٰ کے احسان میں مستغرق ہو جائے اور ازاں جملہ اُن دنوں میں فکر کرتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو بلند کیا ہے اور کسی کو پست کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتا ہے ﴿فَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ پس یا اُن کو اللہ تعالیٰ کے دن اس بات کی فکر کرنے سے بھی نفس کو دنیا سے تخرید ہوتا ہے اور ازاں جملہ موت اور اس کے بعد جو حالات ہونے والے ہیں اُن میں فکر کرتا اُس کی دلیل آپ کا یہ قول ہے ((اذكروا هادم اللذات)) لذتوں کی منقطع کرنے والی کو یاد کرو۔ اُس کا یہ طریقہ ہے کہ نفس کے دنیا سے منقطع ہونے اور نیکی و بدی جو اُس نے کی ہے اُس کے ساتھ ہونے اور جو اُس کو جزا و سزا ملنے والی ہے اُس کا تصور کرے فکر کی یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ تمام چیزوں سے زیادہ نفس کے نقوش دنیا کے قبول نہ کرنے میں مفید ہیں کیونکہ انسان دنیاوی اشغال سے فارغ ہو کر جب ان اشیاء میں غور و فکر کرتا ہے اور ان چیزوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کی قوت بھیمی مغلوب اور قوت ملکی غالب ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ تمام لوگوں کو یہ بات دشوار تھی کہ سب اشغال سے فارغ ہو کر ان چیزوں میں غور و فکر کیا کریں اور اُن کو پیش نظر رکھا کریں لہذا ضروری ہوا کہ اس ذکر و فکر کے واسطے اشیاء و صورت مقرر کئے جائیں اور ان میں فکر کے اقسام مرتب کئے جائیں اور فکر کی روح اُن میں پھونکی جائے تاکہ سب لوگ اُس کا قصد کر سکیں اور اُن کو سن سکیں اور اپنی قسمت کے موافق اُس سے فائدہ اٹھ سکیں اس لیے آنحضرت ﷺ کو قرآن عطا کیا گیا کہ تمام ان اقسام کے لیے جامع ہے اور اُس کے ساتھ اس کی مثل یعنی حدیث بھی دی گئی اور میرے نزدیک قرآن و حدیث میں آنحضرت ﷺ کے لیے تمام وہ چیزیں جمع کر دی گئیں جو اہم سابقہ کو عطا کی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

پھر حکمت کا متقنی ہو کہ قرآن کی تلاوت کے اندر رغبت دلائی جائے اور قرآن کی فضیلت اور مورد آیات کی عظمت بیان کی جائے بنا آنحضرت ﷺ نے آیت سے جو مثنوی فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کو ایک ایسے ظاہری فائدہ کے ساتھ مشابہ کیا کہ عرب کے نزدیک اُس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے یعنی بڑی کو بان والی اونٹنی اور تیار اور حاملہ اونٹنی تاکہ وہ فائدہ مثنوی قتل اور متصور ہو جائے اور تلاوت کرنے والے فائدہ کے ساتھ آپ نے تشبیہ دی اور قرآن کے ہر حرف کا اجر بیان کیا۔ اور لوگوں کے درجات و درجہ اور خیرات اور اندران سے چل اور رہانے کے ساتھ تشبیہ کی کہ بیان کیے اور بیان کیا کہ قیامت کے روز قرآن کی سورتیں اجسام کی صورت میں قتل ہو جائیں گی۔ جن وہا تموں اور آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے نظر ا کریں گی اور اس میں جذاب اور نباتات نے اسباب کا تشریح اور تلاوت قرآن کا دوسرے اسباب پر روحانی ظاہر کرتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے اس بات کا بیان فرمایا ہے کہ مثنوی و رتوں و بعض پر فضیلت ہے۔

میں لہذا ان بعض رتوں و اپنے ماسوا پر فضیلت ہوتی ہے اُس کی کئی وجہ ہیں ایک تو فضیلت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ سورت صفات الہی میں تکرار کرنے کے مفید ہوتی ہے اور اُس میں صفات کی جامعیت پائی جاتی ہے مثلاً آیت الکرسی اور سورہ ہشر کے اخیر کی آیات اور قل هو اللہ احد یہ چیزیں قرآن سے اندران درجہ کی ہیں جس طرح تمام اسمائے الہی میں اسم اعظم کا درجہ ہے۔ ایک

فضیلت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کا نزول بندوں کی زبانوں کے موافق ہوتا ہے گویا بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ اُس کو نازل فرماتا ہے تاکہ اُن کو اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ جیسے سورہ فاتحہ اُس کا درجہ سورتوں میں ایسا ہے جس طرح تمام عبادات میں فرائض کا درجہ ہے۔ ازاں جملہ فضیلت کی وجہ یہ ہے وہ سورت جامع ترین سورت کی ہو۔ جیسے سورہ بقرہ اور آل عمران۔ اور آنحضرت ﷺ نے یسین کی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ دل میں ایک چیز کے درمیان میں ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور سورہ یسین اُن سورتوں سے جو دو سو آیت یا اُس سے زیادہ کی ہیں۔ کم ہے اور سورہ مفسلات سے زیادہ ہے اور نیز اُس کے اندر توکل اور تعویض اور توحید کا انطاکیہ کے نو مسلم زبان پر بیان ہے یعنی اس آیت میں ﴿وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي...﴾ الآية اور مجھے کیا ہوا ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کی نہ پرستش کروں۔ اور اُس کے اندر مقاصد مذکورہ کامل طور سے پائے جاتے ہیں اور ﴿تَبَارَكَ الَّذِي﴾ کی فضیلت میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اُس شخص کی شفاعت کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔ اور یہ اُس شخص کا قصہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض مکاشفات میں اُس کا معائنہ کیا ہے اور نیز حکمت شرعی کا یہ مقتضی ہوا کہ قرآن کے یاد کرنے اور اُس میں مشغول رہنے کی طرف رغبت دلائی جائے اور اونٹ کے بھاگنے کے ساتھ اُس کے بھول جانے کو تشبیہ دی جائے اور نیز قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور اس جگہ تلاوت کرنے کا حکم دیا جائے جہاں لوگوں کو اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہو اور دل جمعی و شوق زیادہ ہوتا کہ قرآن کے اندر تدبیر کا موقع مل سکے اور نیز خوش الحانی سے پڑھنے اور پڑھتے وقت گریہ کرنے کا حکم کرنا چاہیے تاکہ تفکر کے قریب ہو۔ اور اُس کا بھلانا حرام کیا جائے اور تین روز سے کم میں قرآن ختم کرنے سے ممانعت کی جائے کیونکہ اس وقت میں قرآن کے معنی مفہوم نہیں ہو سکتے اور عرب کی لغت کے موافق قرآن کے پڑھنے کی اجازت دی گئی تاکہ اس میں ان کو آسانی ہو کیونکہ امت میں ہر قسم کے لوگ ان پڑھ و بوڑھے و بچے ہوتے ہیں قرآن کے سوا آنحضرت ﷺ کو جو احادیث عطا ہوئی ہیں ازاں جملہ یہ ہیں:

((يا عبادي اني حرمت الظلم على نفسي و جعلته بينكم محرما فلا تظالموا يا عبادي كلکم ضال الامن هدية))

”اے میرے بندو! ظلم کو میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تمہارے اندر بھی اُس کو حرام کیا ہے اس لیے تم باہم ظلم مت کرو اے میرے بندو تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے مگر جس کو میں ہدایت دوں۔“

اور یہ حدیث:

((كان في بني اسرائيل رجل قتل تسعا وتسعين انسانا)) الحديث

”قوم بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا خون کیا تھا۔“ الخ

اور ((اللہ اشد فرحا بتوبة عبده)) الحديث۔ اور ((عبد اذنب ذنبا)) الحديث۔ اور ((ان لله مائة

رحمة انزل منها واحدة)) الحديث۔ اور ((اذا اسلم العبد محسن اسلامه)) الحديث۔ اور وہ حدیث جن میں

دنیا کو اُس پانی کے ساتھ مشابہت دی ہے جو دریا میں سے انگلی کو لگ جاتا ہے اور اس بھیڑ کے بچے کے ساتھ جو گوش بریدہ اور مرا پڑا

تھا تشبیہ دی ہے اور معلوم کرو کہ عمل کی روح نیت ہے۔ اور عبادت اُس کا بدن ہے اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی اور بعد منارت بدن کے بھی روح کو ایک قسم کی حیات رہتی ہے مگر بغیر بدن کے حیات کے آثار پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ اس لیے اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ نہیں پہنچیں گے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون مگر تمہاری پرہیزگاری اُس کے پاس پہنچتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے: انما الاعمال بالنيات البتہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے بہت سے مواقع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو لیکن اُس کو عمل کرنے سے کوئی چیز مانع ہو اُس عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جیسے مسافر و مریض اگر ان کو صحت و اقامت کی حالت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا اور اب اُس سے نہیں ہو سکتا تو بدستوران کے نامہ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا کسی شخص کا متکام ارادہ ہے مگر وہ تنگ دستی کے سبب سے نہیں کر سکتا وہ شخص خرچ کرنے کے برابر لکھا جائے گا اور نیت سے ہماری مراد وہ معنی ہیں جو عمل کا باعث پڑتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان پر امانت کرنے والے کا ثواب اور نافرمان کا عذاب بیان فرماتا ہے اُس کا سچ سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی بطیب خاطر بجا آوری کرنے سے خوش ہونا اسی لیے شارع کو یا رسول اللہ ﷺ سے نہی کرتا اور ان کی برائیوں کا صاف طور پر بیان کرنا ضروری ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ان اول الناس يقضى عليهم يوم القيامة ثلثه رجل قتل في الجهاد ليقال له هو رجل جری ورجل تعلم العلم و علمه ليقال له و هو عالم رجل اتفق في وجوه الخير ليقال هو جواد فيوم ربهم فيسحبون على وجوههم في النار))

”لوگوں میں سے اول جن پر قیامت کے دن حکم کیا جائے گا وہ تین شخص ہیں ایک تو وہ شخص جو جہاد میں اس لیے شہید ہوا تاکہ لوگ اُس کو دلیر بتائیں اور دوسرا وہ شخص جس نے پڑھ کر علم سکھایا تاکہ لوگ اس کو عالم بتائیں تیسرا وہ جو طریقہ خیر میں خرچ کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو بخشنے والے لوگوں و معمر یا جائے گا۔ اور مونہوں کے بل جہنم کی طرف مھینے جائیں گے۔“

اور آنحضرت ﷺ نے روایت عن اللہ تعالیٰ فرمادیا ہے انا اعننى الشركاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه شري تركته و شركه میں سب شریکوں سے زیادہ ہے پر وہ انہوں جس شخص نے میرے لیے کسی کو شریک کر کے کوئی کام کیا تو میں نے اُس موقع اُس کے شریک کے چھوڑ دیا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اُس شخص کے باب میں یہ فرماتے ہیں یہ وہی نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا ((تلك تاحل بشرى المومن)) ایمان والے کی یہ بھی بشارت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص صرف بہت اللہ کام کرتا ہے اس لیے زمین پر اُس کی قہاریت نازل ہو جاتی ہے اور لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپؐ سے عرض کیا کہ اپنے مکان میں مہینے پر بیٹھا تھا کہ اس اثنا میں ایک شخص میرے پاس آیا تو مجھ کو جو اس نے اس مال میں بیساتا میری طبیعت خوش ہوئی آپؐ نے فرمایا ارحمك يا انا هريره احرا ان اجر السروا حر

العَلَانِيَةِ))۔ اے ابو ہریرہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ تیرے لیے دو اجر ہیں ایک اجر پوشیدہ کا اور ایک ظاہر کا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عجب نفسانی مغلوب ہو اور صرف عجب نفسانی عمل پر باعث نہ ہو اور اجر سر سے اخلاص کا اجر مراد ہے جو ایک پوشیدہ چیز ہے اور اجر علانیہ سے دین الہی کے بلند کرنے اور سنت راشدہ کے شائع کرنے کا اجر مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((خياركم احاسنكم اخلاقا)) بہترین تم میں سے وہ لوگ ہیں جن کی عادات عمدہ ہیں۔

میں کہتا ہوں چونکہ سماحت و عدالت میں ایک قسم کا تعارض ہے جس پر ہم متنبہ نہ کیے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے علوم کی بنا دونوں مصالحتوں کی رعایت کرنے اور نظام دارین قائم کرنے اور حتی الامکان مصالح کے جمع کرنے پر ہے لہذا شرائع کے اندر ضروری ہوا کہ سماحت کی علامات اور اشباح جن کو عدالت کے ساتھ التزام ہو اور اس کے موید اور اس پر متنبہ کرنے والے ہوں مقرر کئے جائیں اس واسطے حسن اخلاق کا حکم دیا گیا۔ اور وہ سماحت اور عدالت کے باب سے بہت سے امور کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ حسن اخلاق جو اور ظلم کرنے والے سے غناور تواضع اور ترک حسد اور کینہ اور غضب کو شامل ہے اور یہ سب امور سماحت کے قبیلہ سے ہیں اور نیز لوگوں سے محبت اور صلہ رحم اور حسن صحبت مع الناس اور حاجت مندوں کی غم خواری کو شامل ہے اور یہ سب باتیں عدالت کے باب سے ہیں اور پہلی قسم کے امور کا مدار دوسری قسم کے امور پر ہے اور دوسری قسم پہلی قسم کے بغیر نام تمام ہے اور یہ ایک بڑی مہربانی ہے جس کا شرائع الہیہ میں اعتبار کیا گیا ہے۔ اور چونکہ بہ نسبت سب اعضاء کے زبان کو خیر و شر کی جانب جلد سبقت ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((وہل یکتب الناس علی مناخرہم الا حصائد السنہم))

”اور لوگوں کو کوئی چیز نکتوں کے بل اور نہ ہانہ کرے گی مگر جو ان کی زبانوں نے کانا ہے۔“

اور نیز زبان کے آفات لسانی اور سماحت اور عدالت میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ کثرت سے کلام کرنا ذکر الہی سے غافل کرنا ہے اور غیبت اور بے ہودہ باتیں اور ان کے مثل باہم فساد ڈالتی ہیں اور آدمی کی زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل اس کی کیفیت سے متدین ہو جاتا ہے مثلاً جب غصہ کا کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے دل کے اندر اس کا جوش پیدا ہوا ہو جاتا ہے۔ وہی ہذا القیاس اور دل کے اندر اس کیفیت کا پیدا ہونا اس کیفیت کے متماثل ہونے اور اس کے تشبہ کا سبب ہوتا ہے ہذا یہ بات ضروری ہوئی کہ شرع میں بہ نسبت اور اعضاء کے آفات کے زبان کی آفات سے زیادہ تر بحث کی جائے اور آفات لسانی کے بہت سے اقسام ہیں۔ از انجملہ یہ ہے کہ ہر ایک وادی میں خوض کرے اس کے سبب سے ان چیزوں کی صورتیں آدمی کی حس مشترکہ میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ذکر الہی میں اس کو کچھ حلاوت نہیں معلوم ہوتی اور اذکار میں پختہ تدبیر نہیں کر سکتا۔ یہی سبب ہے کہ بے فائدہ باتوں سے ممانعت کی گئی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ لوگوں میں فتنہ کا پیدا کرنا جیسے غیبت اور مجادلہ اور لوگوں کا بہکانا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام اس قسم کا ہو جس سے قوت سبعیہ یا شہویہ کے اثر عظیم سے نفس متاثر ہوتا ہے۔ جیسے گالیاں بکنا اور عورتوں کے محاسن کا ذکر کرنا۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے ناغل ہونا اس کلام کا سبب پڑا ہو۔ جیسے کسی بادشاہ کو شہنشاہ کہنا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مصالح دینی میں خلاف ہو۔ بانی طور کہ دین میں جس چیز کے ترک کرنے کا حکم ہے اس کلام سے اس چیز

منہی عنہ کی رغبت پیدا ہو جیسے شراب کی تعریف کرنا یا انگور کا نام کرم رکھنا یا کتاب الہی میں اُس سے تغیر لازم آتا ہو۔ جیسے مغرب کا نام عشاء اور عشاء کا نام عتمہ رکھنا۔

اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مثلاً بے ہودہ ہو۔ جیسے افعال شیعہ جو شیاطین کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے فحش باتیں بکتا ہے اور جماع اور اعضاء مستورہ کا صاف صاف الفاظ میں ذکر کرنا یا جیسے اُس چیز کا ذکر کرنا جس سے بدشگونی لی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ گھر میں نباح (کامیابی) نہیں ہے اور نہ برکت۔ پھر اُن چیزوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جو مباحات کے دلائل ہیں اور بکثرت ان کا وقوع ہوتا ہے اور نیز ان اخلاق کا جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے اُن سے تمیز کرنا اور شارع نے اعتبار کیا۔ ضروری از انجملہ زہد ہے کیونکہ نفس بسا اوقات کھانے پینے کی حرص اور عورتوں کی طرف رغبت کرتا ہے حتیٰ کہ ان باتوں سے اُس کے جوہر میں ایک خراب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جب انسان اپنے نفس سے اس بات کو دور کر دیتا ہے تو دنیا کے اعتبار سے وہ زاہد ہو جاتا ہے اور مقصود بالذات خود ان چیزوں کا چھوڑنا نہیں ہوتا بلکہ اس خصلت کے حاصل کرنے کے لیے ان چیزوں کا ترک مطلوب ہوتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((الزهادة في الدنيا ليست به التحريم الحلال ولا اضاعته المال ولكن الزهادة في الدنيا ان لا تكون بما في يدك اوثق مما في يدى الله وان تكون في ثواب المصيبة اذا انت احببت بها ارفع فيها لو انها ابقيت لك))

”دنیا کی زاہدی نہ حلال کے حرام کر لینے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے قبضہ میں ہے اُس چیز سے زیادہ تجھ کو اس پر اعتماد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی رغبت میں اُس مصیبت کا باقی رہنا تجھ کو پسند ہو۔“

اور فرمایا ہے ((لس لابن آدم حق في سوى هذا الخصال بيت يسكنه و ثوب يوارى عورته و حلف الخنز والماء)) بنی آدم کے لیے سوائے ان چیزوں کے کچھ ضروری نہیں ہے گھر رہنے کے لیے پڑا ستر و عائن کے لیے اور روئی اور پانی کے لیے کوئی برتن۔ اور نیز فرمایا ہے ((بحسب ابن آدم لقيمات يقمن صلبه)) آدمی کے لیے چند تھوٹے تھوٹے لقمے کافی ہیں جس سے پیٹ کو سیدھا کر سکے۔ اور فرمایا ہے ((طعام الاثنين كاف الثلاثة و طعام الثلاثة كاف الاربعة)) کا مانتا تین کو اور تین انصوں کا چار کو کافی ہے۔ یعنی جس قدر کھانے سے ان انصوں کا خوب شکم پُر ہو سکتا ہے اگر اُس کو تین بھی مانتیں تو اوسط درجہ اُن کو کافی ہو سکتا ہے اس سے آپ ﷺ کا مقصود فحش و فحاری میں رغبت دلائل اور شکم پڑی کی حرص کو طرہ سمجھنا ہے اور از انجملہ قناعت ہے اُس کا بیان یہ ہے کہ مال کی حرص بسا اوقات آدمی کے نفس پر غالب ہوتی ہے حتیٰ کہ اُس کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے پس جب اُس حرص کو اپنے قلب سے دور کر دیتا ہے اور مال کا چھوڑنا اُس پر آسان ہوتا ہے تو اس صفت کا نام قناعت ہے اور قناعت اُس کا نام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو عطا فرمایا ہے بے رغبتی سے ساتھ اُس کا ترک کر دینا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((يا حكيم ان هذا المال خضر حلو فمن اخذه بسخاوة نفس بورك له فيه ومن اخذه باشراف نفس لم يبارك له فيه و كان كالذي ياكل ولا يشبع واليد العليا خير من السفلى))۔

”اے حکیم یہ مال ہر ادھیریں ہوتا ہے پس جو نفس کی سخاوت کے ساتھ اُس کو لے لیتا ہے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرص نفسانی کے ساتھ لیتا ہے تو اُس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اُد پر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔“

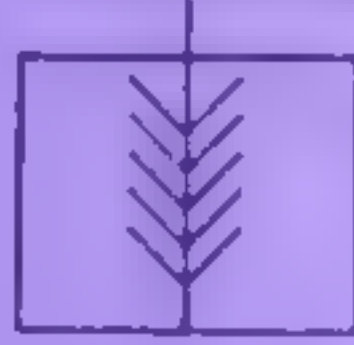
اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اذا جاءك من هذا المال شبي و انت غير مشرف و لا سائل فخذہ فتمولہ و ما لا تتبہ نفسك))۔

”اس مال میں سے جب تیرے پاس کچھ آئے اور تو نہ حریص ہو اور نہ سائل تب تو اس کو لے لے اور آسودہ ہو ورنہ اپنے پیچھے مت لگا۔“

اور از انجملہ جود ہے اُس کا بیان ہے کہ مال کی محبت اور اس کے جمع کرنے کی محبت بسا اوقات قلب پر غالب آ کر اُس کو محیط ہو جاتی ہے اور جب آدمی اُس کے خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا اس کا نام جود ہے اور مال کے ضائع کرنے کا نام جود نہیں ہے اور نہ خود مال کوئی مغبوض چیز ہے بلکہ ایک بڑی نعمت ہے آپؐ نے فرمایا ہے: ((اتقوا الشح فان الشح اهلك من قبلکم حملہم علی ان سفکوا دماءہم واستحلوا محارمہم))۔ بخل سے بچتے رہو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی نے اُن کو اس بات پر برا بیغیت کیا کہ باہم خونریزی کریں اور حرام چیزوں کو حلال سمجھیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا حسد الا فی اثین)) الحدیث۔ سواد و شخصوں کے کسی سے حسد نہیں ہے اور کسی نے آپؐ سے عرض کیا کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا ((انه لا یاتی الخیر بالشر)) البتہ خیر سے شر نہیں پیدا ہوتا اور ربیع میں بعض چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو تھمہ پیدا کر کے ہلاک کر دیتی ہیں یا قریب بہلاکت کر دیتی ہیں اور نیز آپؐ نے فرمایا ((من کان معہ فضل ظہر فلیعذبہ علی من الاظہر لہ))۔ (الح) جس شخص کے پاس حاجت سے زیادہ سواری ہو تو جس کے پاس سواری نہیں ہے اُس کو وہ سواری دے دے اور جس کے پاس حاجت سے زیادہ توشہ ہو اُس کو چاہیے کہ جس کے پاس توشہ نہیں ہے اُس کو دے دے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مال کے اس قدر اقسام ذکر فرمائے جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم میں سے کسی کو اُس مال میں جو حاجت سے زیادہ ہو کچھ حق نہیں ہے۔ اور اس قدر رغبت آنحضرت ﷺ نے اس واسطے دلائی کہ وہ جہاد کی حالت میں تھی اور مسلمانوں کو احتیاج لاحق ہو رہی تھی اور اُس میں ساحت بھی پائی جاتی ہے اور نظام ملت کا بھی قائم کرنا ہے اور مسلمانوں کی جان کا بھی باقی رکھنا ہے اور از انجملہ قصر اطل یعنی آرزو کا کوتاہ کرنا ہے اور اُس کا بیان یہ ہے کہ انسان پر زندگی کی محبت غالب ہوتی ہے حتیٰ کہ موت کا ذکر اُس کو ناگوار ہوتا ہے اور اس قدر زندہ رہنے کی امید رکھتا ہے کہ اُس حد تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا پس ایسی حالت میں جب

آدمی مر جاتا ہے تو جس چیز کی اُس کو تمنا تھی اس کے پورا نہ ہونے سے اس کو تکلیف و عذاب ہوتا رہتا ہے اور فی نفسہ زندگی کوئی مغفوض اور ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو نا پسند ہو بلکہ وہ ایک نعمت عظمیٰ ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ سَافِرٌ سَبِيلٌ)) دنیا میں ایسا رہ جیسے پردیسی بلکہ راہ چلنے والا۔ اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مربع خط کھینچا اور پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا اور باہر تک اُس کو نکالا اور پھر اُس بیچ والے خط کے ساتھ اور چھوٹے چھوٹے خط ملائے مگر اُسی قدر کے ساتھ جتنا وہ مربع کے اندر اندر تھا اُس کی شکل یہ ہے۔



اور بیچ کے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ انسان ہے اور اس مربع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس کی اجل ہے جو اُس کو گھیر رہی ہے اور یہ جو باہر کو نکالا ہوا ہے یہ اُس کی آرزو ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط عوارض ہیں اگر یہ حادثہ سے بچ جاتا ہے تو پہنچ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے طولِ اہل کی بیماری کا علاج موت کے ذکر اور قبور کی زیارت اور ساتھیوں کی موت سے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: ((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُ إِنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ)) تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اُس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مر گیا اس کا عمل منقطع ہو گیا اور از اہلہ تو اضع ہے۔ تو اضع کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو تکبر اور خود پسندی کے وداعی کی طرف پیروی ہو جس سے آدمی لوگوں کو اپنے اعتبار سے حقیر اور ذلیل جانتا ہے اور اس کے باعث سے اُس کا نفس خراب ہو جاتا ہے اور لوگوں پر ظلم کرنے اور اُن کو ذلیل سمجھنے پر براہین کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبَرُ بَعْضُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ))

”جس کے قلب میں ذرہ کے برابر تکبر ہے نہت میں نہ ہے۔“ تو ایسا شخص نے عرض کیا کہ آدمی کا دل چاہتا ہے اچھا پہناؤ اور اچھا نعل، تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ جمیل ہے جمال و پند کرتا ہے تکبر تو حق کے نہ ماننے اور لوگوں کے ذلیل سمجھنے کا نام ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((إِلَّا أَحْسَرَ كَيْمٌ سَاهِلٌ الْبَارِ كُلِّ عَتَلٍ حَوَادِثُ مَسْتَكْبِرٍ)) اہل دوزخ کی کیا خبر وہ تم وہ سب وہ لوگ ہیں کہ نہت نہت عالم و نہایت تلخ کرنے والے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((سَنَمَّا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تَعَجَّهِ نَفْسُهُ مَرَّحِلٍ بِرَأْسِهِ يَخْتَالُ فِي مَشْنَةِ أَدْحَسَفِ اللَّهِ بِهِ فَيُؤْتِي بِنَجْلٍ حُلٍّ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ السَّبَامَةِ)) ایک شخص ملے بہت پہنے ہوئے خود پسندی سے مانتا اتراتا ہوا بارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عذاب دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا پھرتا رہے گا اور از اہلہ علم ہے اور سہولیت اور نرم ولی ہے اور حاصل اُن کا یہ ہے کہ آدمی کو غصہ کے اسباب کی طرف توجہ نہیں ہوتی تا وقتیکہ اُس میں فکر نہ کرے اور مصلحت نہ دیکھے اور تمام اوقات میں غصہ کی صفت مذموم نہیں ہے آنحضرت

مُحْسِنٌ نَفَرٌ مَایا ہے ((من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ)) جو شخص نرمی سے محروم ہے سب نیکیوں سے محروم ہے اور ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجیے آپ نے فرمایا ہے ((الا خبرکم بمن یحرم علی النار کل قریب هین لین سهل)) کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتا دوں جو آگ پر حرام کیے جائیں وہ قریب بردبار نرم مزاج اور سہولیت والا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب)) سخت آدمی وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑا کرے سخت تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور از انجملہ صبر ہے اور وہ آرام اور پریشانی اور خواہش نفسانی اور تکبر اور اظہار اور قطع محبت وغیرہ کے اسباب کا تابع نہ ہوتا ہے۔ ان اسباب کے لحاظ سے اُس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں اللہ پاک فرماتا ہے ((انما یوف الصابرون اجرهم بغير حساب)) صابر لوگ تو بے حساب ہی اپنا اجر دیئے جائیں گے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((ما اوتی احد عطا افضل و اوسع من الصبر)) کوئی شخص کوئی عطا زیادہ افضل و زیادہ فراخ صبر سے زیادہ نہیں دیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے عدالت کے علامات کے ساتھ حکم دیا ہے اور اس کے ابواب میں سے عظیم الشان باب پر آگاہ فرمایا اور خلق الہی پر رحمت کرنے کی خوبیاں بیان فرمائیں اور لوگوں کو اس کی رغبت دلائی اور اس کے اقسام یعنی گھر والوں کا اغت سے رہنا اور کسی قبیلہ کے لوگوں کے باہم معاشرت اور شہر والوں کے معاشرت اور بزرگان دین کی توقیر اور ہر ایک کے مرتبہ سمجھنے کا بیان فرمایا اُس کے متعلق ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں جو اس باب کے لیے بطور نمونہ کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القيامة)) ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکیاں بن جائے گا۔ اور فرمایا ہے ((ان الله حرم علیکم دماءکم و اموالکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم لهذا)) اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر تمہارے خون اور تمہارے مالوں کو حرام کیا ہے۔ جس طرح تمہارے اس دن کی تمہارے اس شہر میں حرمت۔ اور فرمایا ہے ((المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدہ... الخ)) مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں اللہ کی قسم تم میں سے کوئی شخص بغیر حق کے کسی چیز کو نہ لے گا مگر قیامت کے روز جب اللہ سے ملے گا وہ چیز اُس پر سوار ہوگی پس البتہ تم میں سے میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہے اللہ سے ملے گا اور وہ اونٹ بلبات ہوگا یا گائے کو سوار کیے ہوئے ہوگا اور وہ ذکر اتنی ہوگی یا بکری کو سوار کیے ہوگا اور وہ میاتی ہوگی اور فرمایا ہے ((من ظلم قید شبر من الارض طوقه من سبع ارضین)) جو باشت بھر زمین ظلم سے لے گا ساتوں زمینیں طوق کر کے اُس کی گردن میں ڈالی جائیں گی۔

باب الزکوۃ میں اس کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں ((والمومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا)) اور ایمان والا ایمان والے کے لیے بنیاد کی طرح ہے کہ اُس کے اجزاء ایک دوسرے کے لیے مضبوطی کا سبب ہوتے ہیں مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم و تعاطفهم مثل الجسد اذا اشتکی منه عضو قد اعی له سائر الجسد بالسهر و الحمی مومنین کی مثال باہم کی محبت اور ہمدردی اور مہربانی میں ایسی ہے جیسے بدن کہ جب اُس میں سے کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو تمام بدن پر تپ لاحق ہو جاتی ہے اور نیند جاتی رہتی ہے من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ جو لوگوں پر

رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔ ((المسلم اخو المسلم لا يظلمه و لا يسلّمه)) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اُس پر زیادتی کرتا ہے نہ اُس کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ ((من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجة)) جو شخص اپنے بھائی کے کام میں ہے اللہ تعالیٰ اُس کے کام میں ہے۔ ((و من فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة و من ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة)) جو کوئی شخص مسلمان کی کوئی مصیبت دور کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مصائب میں سے اُس کی کوئی مصیبت اس کے سبب سے دور فرمائے گا اور جو کوئی شخص کسی کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔

((اشفعوا توجرو و يقضى الله على لسان نبيه ما احب)) سفارش کیا کرو ما جو رہو گی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے اور فرمایا ((تعديل بين اثنين صدقة و تعين الرجل في دابته فتحمله او ترفع له متاعه صدقة و الكلمة الطيبة صدقة)) دو شخصوں میں تواضع کرے تو یہ صدقہ ہے اور کسی کو سواری میں مدد دے کہ اس کو سوار کرادے یا اُس کے اسباب کو اٹھا کر رکھ دے تو یہ صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ اور ضعیف مہاجرین کے باب میں آپؐ نے فرمایا ہے ((لئن كنت اغضبتيهم فقد اغضبت ربك)) اگر تو نے اُن کو ناخوش کیا تو اللہ تعالیٰ کو تو نے ناخوش کیا۔ اور فرمایا ((انا و كافل اليتيم في الجنة هكذا و اشار بالسبابة و الوسطى)) اور وہ شخص جو یتیم کا بوجھ اٹھاتا ہے جنت میں میں اور وہ اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر آئست شہادت اور درمیان کی آئست سے آپؐ نے بتلادیا یعنی جس طرح یہ دونوں اٹھلیاں پاس پاس ہیں۔ ((الساعي على الارملة و المسكين كالجهاد في سبيل الله)) جو شخص اپنا بیچ لوگ اور مسکین کا کام کاج کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ ((من ابتلى من هذه البنات بشي فاحسن اليهن كن له سدا من النار)) جو شخص ان لڑکیوں کی طرف سے کچھ مشقت میں مبتلا ہو اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اُس کے لیے آگ کی روک ہو جائیں گی۔ ((استوصوا بالنساء فان المرأة خلقت من ضلع و ان اعوج ما في الضلع اعلاه فان ذهبت تقيمة كسرته)) عورتوں کے باب میں وصیت قبول کرو کیونکہ عورت پہلی سے پیدا ہوئی ہے اور پہلی میں زیادہ ترکبی اوپر کے حصہ میں ہے۔ پس اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اُس کو توڑ ڈالے گا۔ اور بیوی سے حق میں آپؐ نے فرمایا ہے ((ان تطعمها اذا اطعمت و تكسوها اذا كتسيت و لا تضرب الوجه و لا تقح و لا تهجر الا في البيت)) کہ تو کھانا کھا۔ تو اُس کو بھی کھا اور تو پینا اپنے تو اُس کو بھی پینا اور منہ پر مت مار اور اُس کی صورت بگڑنے کی اجازت نہ کر اور بجز خواب گاہ کے اُس سے تہمت نہ دو۔ ((اذا دعى الرجل امرأته الى فراشه فلم تاته فمات شحسان عليها لعنتها الملائكة حتى تصبح)) اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف لائے اور وہ اُس سے پاس نہ آئے اور خاوند اُس پر فحش کی حالت میں سو رہے تو گنہگار فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ((لا يحل لامرأة ان تصوم و زوجها شاهد الا باذنه و لا تاذن في بئنه الا باذنه)) خاوند کی موجودگی میں کسی عورت کو روزہ رکھنا درست نہیں جب تک وہ اجازت نہ دے اور خاوند کی با اجازت کسی کو اُس کے گھر میں نہ آنے دو۔ ((ولو كنت امر احدا ان

يسجد لا حد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها)) اور اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے خاوند کو سجدہ کرنے کے لیے حکم دیتا۔ ((ایما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة)) جو عورت مر جائے اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو جنت میں داخل ہوئی۔ ((دینار انفقة فی رقبة دینار الفقة علی مسکین و دینار انفقته علی اهلک اعظمها اجر الذی انفقتها علی اهلک)) ایک تو وہ دینار ہے جس کو تو نے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی جان کے چھوانے میں صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی مسکین پر صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو اپنی بیوی پر صرف کیا ان سب کے اندر ثواب میں زیادہ وہ ہے جو اپنی بیوی پر تو نے صرف کیا۔

((اذا انفق الرجل علی اهله نفقة یحتسبها فهو له صدقة)) جو شخص سب ثواب کے قصد سے اپنی بیوی کو نفقہ دے تو وہ اس شخص کے لیے صدقہ ہے۔ ((ما زال جبرئیل یوصینی بالجوار حتی ظننت انه سیورثه)) پڑوسی کے باب میں جبرئیل مجھ کو ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ میری اس کو وارث بنادیں گے۔ ((یسا اباذر اذا طبخت مرقا فاکثر ماءها و تعاھد جیرانک)) اے ابوذر جب تو شور پکائے تو اس کا پانی بڑھا دیا کر اور پڑوسیوں کو مت بھولا کر۔ ((من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ)) جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے ((واللہ لا یومن الذی لا یامن جارہ بوائتھ)) اللہ کی قسم جس شخص کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے اس میں نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے اور اللہ پاک نے رحم سے فرمایا ((الا ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک)) کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہے کہ جو تجھ کو جوڑے میں بھی اس سے جوڑوں اور جو تجھ کو قطع کرے میں بھی اس سے قطع کروں۔ ((من احب ان یسط له فی رزقه و یناله فی اثره فلیصل رحمہ)) جو اپنے لیے رزق کی فراخی اور عمر کی درازی چاہے تو اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے۔ ((من الکبائر حقوق الوالدین)) ماں باپ کی نافرمانی کبائر میں سے ہے۔ ((من الکبائر شتم الرجل والدیہ یسب ابا الرجل فیسب اباہ و یسب امہ فیسب امہ)) آدمی کو اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبائر میں سے ہے کسی شخص کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

((سئل هل بقی من براہوی شیء ابرھما بہ بعد موتہما فقال نعم الصلوۃ علیہما والاستغفار لہما وانفاذ عہدہما وصلۃ الرحم التی لا توصل الایہما و اکرام صدیقہما)) کسی شخص کے ماں باپ مر گئے تھے اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا میرے ماں باپ کے سوگ میں اب بھی چہ باقی ہے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ میں کروں تو آپ نے فرمایا ہاں ان پر رحمت کی خواست بخاری اور ان کے لیے مغفرت کی حسب مرنا اور ان کے بعد ان کے عہد کو پورا کرنا اور اس قرابت کا جو ماں باپ ہی کے رشتہ سے ہے جوڑنا اور ان کے دوست کی توقیر کرنا۔ ((وان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبة المسلم و حامل القرآن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ و اکرام ذی السلطان المقسط)) اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کے جو قرآن کی قرأت کے اندر مباغہ نہیں کرتا اور نہ نافرمانی

کرتا ہے تعظیم اور صاحب سلطنت کی تعظیم ہے جو عادل ہو۔ ((لَيْسَ مِنْهُمْ لِمِ يَرْحِمُ صَغِيرًا وَمَنْ لِمِ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرًا)) جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی بزرگی نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں۔ ((انزلوا الناس علی منازلہم)) لوگوں کو ان کے درجے پر رکھو۔ ((مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخَاهُ فِي اللَّهِ نَادَاهُ مِنَّا وَطَبْتُ وَطَابَ مِمَّا شَاءَ وَبَوَّاتٍ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا)) جو شخص مریض کی عیادت کرے یا فی سبیل اللہ اپنے کسی برادر کی ملاقات کو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ندا کرنے والا اس کے لیے یہ ندا کرتا ہے تو بھی اچھا ہے اور تیرا چلنا بھی اچھا ہے اور تو نے اپنے لیے جنت میں جگہ بنالی۔ پس یہ احادیث اور جو ان کی مثل ہیں۔ سب عدالت اور حسن مشرکت پر متنبہ کرتی ہیں۔

مقامات اور احوال کا بیان

معلوم کرو کہ انسان کے لیے بہت سے ثمرات ہیں جو اس کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور ان کو مقامات اور احوال کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس باب کے ساتھ جو احادیث متعلق ہیں ان کی شرح دو مقدموں کی تمہید پر موقوف ہے پہلا مقدمہ عقل اور قلب اور نفس کے اثبات اور ان کے حقائق کے بیان میں۔ دوسرا مقدمہ مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی کیفیت کے بیان میں۔

مقدمہ اولیٰ

معلوم کرو کہ انسان کے اندر تین اہل نفس ہیں جن کا نام قلب، نفس، عقل ہے۔ اور عقل و عقل اور تجر بہ اور عقل کے اتفاق سے یہ تین چیزیں ثابت ہوتی ہیں عقل کا تو بیان یہ ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ ﴿إِنْ فِي ذَلِكَ لَفُتُورٌ لِّمَنْ يَعْلَمُ﴾ عقل مندوں کے لیے اس میں بلاشبہ نشانیاں ہیں۔ اور اللہ پاک نے اہل ہمارے حکایت فرمایا ہے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو اسباب جہنم میں سے نہ ہوتے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

((أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْعَقْلَ فَثَالِ لَهْ أَقْبَلَ فَاقْبَلَ وَقَالَ لَهْ أَدْبَرَ فَادْبَرَ فَثَالِ لَكَ أَوْ اخْذْ))

”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا عقل کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا سامنے آؤ سامنے آؤ پھر فرمایا پیٹ لوٹ جا پچھت گئی پھر فرمایا تیرے ہی سبب سے مواخذہ کروں گا۔“

اور آپ نے فرمایا ((ادب من المرء عقله ومن لا عقل له لا دين له)) آدمی کا دین اس کی عقل سے جس کی عقل نہیں اس کا دین نہیں ہے اور فرمایا ہے ((افلح من رزق لسا)) جس کو عقل دی گئی ہے اس کو وہ میوے ملیں گی۔ اور چنانچہ حدیث نے ثبوت میں محدثین وہاں سے ثابت ہوا ان احادیث سے لیے اسانید ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں اور قرآن پاک میں وارد ہوا ہے ﴿وَالْعَلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِخَوَلِئِ الْمَرْءِ وَفَلَبْ﴾ اور یہاں لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے مابین حامل ہو چکا

ہے۔" اور وارد ہوا ہے۔ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ اس قرآن میں بلاشبہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا قلب ہو یا کان ڈالے۔ اور وہ حاضر القلب ہو۔ اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ الا ان فی الجسد مضغته اذا صلحت صلح الجسد و اذا فسدت فسد الجسد الا وھی القلب خبردار ہو جاؤ کہ بدن کے اندر ایک گوشت کی بوٹی ہے جب وہ درست ہوتی ہے بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے بدن بگڑ جاتا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے۔ اور وارد ہوا ہے۔ مثل القلب کرشبة فی فلاة یقلبها الريح ظہر البطن دل کی مثال ایک ہڈ کی سی ہے جو میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہوائیں اس میدان میں اُس کو متقلب یعنی لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں۔ اور وارد ہوا ہے۔ ((النفس تمنی و تشہی و الفرج یصدق ذلك او یکذبہ)) کہ نفس آرزو خواہش کرتا ہے اور پیشاب گاہ اُس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔ اور مواضع استعمال میں تنعم و تلاش کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مثل اُس چیز کا نام ہے۔ جس سے اُن چیزوں کا ادراک کرتے ہیں جو غیر محسوس ہوتی ہیں۔

اور قلب اس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کو پسند کرتا ہے یا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ یعنی کھانے و پینے و جماع کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس بات کا بیان کہ عقل سے بھی ان تین چیزوں کا وجود ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے موقع پر یہ ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے بدن میں تین عضو رئیس ہیں جن سے وہ قوی اور افعال جو انسان کی صورت نوعیہ کے متقاضی ہیں تمام ہوتے ہیں پس قوائے ادراکیہ یعنی تخیل اور توہم اور پھر ان مخیلات اور متوہمات کے اندر تصرف اور بوجہ من الوجہ مجردات سے حکایت کرنے کا محل دماغ ہے۔ اور غضب اور جرات اور جوہ اور بخل اور خوشی اور ناخوشی اور اس قسم کی چیزوں کا محل قلب ہے۔ اور اس چیز کے طلب کرنے کا محل جس کے اوپر یا اُس کی جنس کے اوپر بدن کا قوام موقوف ہے جگر ہے۔ اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ جب ان تین اعضاء میں سے کسی خاص عضو میں کوئی نقصان آ جاتا ہے تو ایک خاص قوت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے جس سے اُس قوت کا اختصاص اس عضو کے ساتھ ثابت ہوتا ہے پھر ان تین میں سے ہر ایک کا فعل دو باقی کی مونت کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ دیکھو کہ اگر مثلاً بری بات کی برائی اور اچھی بات کی بھلائی کا ادراک اور نفع و ضرر کا وہم نہ ہو تو غصہ کا ہیجان نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی چیز کی محبت پیدا ہوتی ہے اور جب تک قلب کے اندر متانت نہ ہو کسی متصور چیز کی تصدیق نہیں ہوتی اور اگر کھانے یا جماع کرنے کی معرفت نہ ہو اور اس کے منافع متوہم نہ ہوں تو طبیعت کو ان چیزوں کی طرف میلان نہیں ہوتا اور اگر اطراف بدن میں قلب کا حکم نافذ نہ ہو اُسے تو انسان کو اپنے لذائذ حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکتا اور اگر حواس عقل کی خدمت گزاری نہ کریں تو انسان کو کسی چیز کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نظریات بدیہیات کے اور بدیہیات محسوسات کے فرع ہوتے ہیں اور جن اعضاء پر قلب اور دماغ کی صحت موقوف ہے اُن میں سے ہر ہر عضو کی صحت نہ پائی جائے تو قلب و دماغ کی نہ صحت باقی رہ سکتی ہے اور نہ ہر ایک کا فعل پورے طور پر صواب ہو سکتا ہے۔ مگر ان اعضاء میں سے ہر ایک بمنزلہ ایک بادشاہ کے ہے جو کسی عظیم الشان کام کو مثلاً کسی مستحکم قلعہ کا فتح کرنا چاہتا ہے تو وہ بادشاہ اپنے دوستوں سے لشکروں اور دروغوں اور ڈھالوں کی مدد مانگتا ہے مگر قلعہ کے فتح کرنے میں وہ خود ہی مدد دیتا ہے اور اسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے اور اسی کی رائے پر مدار



ہوتا ہے اور وہ سب تو خدمت گار ہوتے ہیں جو اُس کی رائے پر چلتے ہیں۔ پھر اب جو حوادث پیدا ہوتے ہیں اُن کی صورت اُن صفات کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جو اس بادشاہ میں غالب ہوتے ہیں یعنی اس کی دلیری اور بزدلی اور سخاوت اور بخل اور عدالت اور ظلم کے اعتبار سے اُن کا ظہور ہوتا ہے۔ پس جس طرح سلاطین اور اُن کی رائے اور صفات کے اختلاف سے حالات مختلف ہوتے ہیں اگرچہ لشکر اور ہتھیار ایک ہی سے ہوں۔ اسی طرح ان رؤساء ثلاثہ میں سے ہر رئیس کا حکم بدن انسان کی مملکت میں مختلف ہوتا ہے۔

الحاصل جو افعال ان تینوں میں سے ہر ایک سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال باہم یا تو قریب قریب یا افراط یا تفریط کی طرف مائل یا ان دونوں کے مابین ہوتے ہیں۔ پس جب ہم ان تینوں صورتوں کو مع اُن کے افعال متعارفہ اور اُن کے امرجہ کے جو ان افعال کے ہمیشہ خواستگار ہوتے ہیں اعتبار کریں تو اُن کا نام لطائف ثلاثہ ہے جن سے بحث کی جاتی ہے خود ان کوئی کا نام بغیر اُن کے ساتھ کسی چیز کے اعتبار کیے لطائف نہیں ہے۔ قلب کے صفات اور اُس کے افعال یہ ہیں۔ غصہ دلیری محبت بزدلی خوشی یا خوشی قدیمی دوستی کی وفاداری کبھی ایک شخص سے محبت اور کبھی عداوت جب جو بد بخل رجاء خوف وغیرہ۔

مثل کے صفات و افعال یہ ہیں۔ یقین شک تو ہم ہر حادثہ کے لیے اسباب کی تلاش منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دفع کرنے کے طریقوں میں فکر کرنا وغیر ذالک۔

اور نفس کی صفات کا منتہی لذیذ لذیذ کھانے و پینے کی چیزوں کی حرص اور عورتوں کی محبت وغیرہ ذالک تجربہ سے ان قوائے ثلاثہ کا ثبوت یہ ہے کہ جو شخص افراد انسانی کے استقراء و تلاش کرے تو احوال اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ لوگ اپنی سرشت کے اعتبار سے ان امور میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جن کا قلب نفس کے اوپر حاکم ہوتا ہے اور بعد کے نفوس کو قلب پر غالب ہوتا ہے پہلی قسم کے انسان کو جب غصہ آتا ہے یا اُس کے قلب میں کسی بلند درجہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اُس کے مقابلہ میں بڑی بڑی لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے اور اُن کے چھوڑنے پر صبر کرتا ہے اُن کے چھوڑنے میں وہ شخص اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ عظیم کرتا ہے اور دوسری قسم کے انسان کو جب کسی لذت کی خواہش ہوتی ہے اس میں وہ نفس پڑتا ہے اگرچہ اُس جگہ ہزار طرح سے عار ہو۔ اور من صب عالیہ کی طرف اُس کو رغبت دلائی جائے یا لذت و خواری کا اُس کو خوف دلایا جائے تو اس کی طرف پرواہ نہیں کرتا اور بسا اوقات فیہ تدار آدمی کو اُس کی خواہش کے موافق نکاح کرنے کا موقع پیش آتا ہے اور اس کا نفس اُس کو سخت رغبت دلاتا ہے مگر اُس سے قلب میں فیہ تدار سے سبب سے ایک خیال پیدا ہوتا ہے اُس سے سبب سے خواہش نفسانی کی طرف اُس کو توجہ نہیں ہوتی اور چونکہ اُس کی سرشت میں داخل ہی بسا اوقات ہوگا اور نکاح پر صبر کرتا ہے لیکن کسی سے سوال نہیں کرتا اور جب کسی حرص آدمی کو خواہش سے موافق ہمارے یا کھانے کا موقع ہوتا ہے اور وہ شخص اُس میں اپنا ضرر عظیم جانتا ہے خواہ طب کے اعتبار سے یا عدلت ممالیہ کے لحاظ سے یا بعض لوگوں کے خوف کی وجہ سے تو وہ شخص اُتر جاتا ہے اور کاٹنے لگتا ہے اور اس برائی سے بچ جاتا ہے پھر اس کی خواہش اُس کو اندھا مارے دید و دانستہ و رملہ ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اور بسا اوقات اسی انسان کو دونوں جہت مخالف کی طرف اپنے نفس کا میاں ان معلوم ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں میں سے ایک دایہ کو دوسرے میں غلبہ ہو جاتا ہے اور اس طور پر اُس شخص سے ایک قسم کے افعال بار بار صادر ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ نفس خواہش کی تابعداری اور بے احتیاطی یا خواہش کے روکنے اور نفس

کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ضرب المثل ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے جس کی عقل اُس کے نفس پر غالب ہوتی ہے مثلاً وہ آدمی جو پورا ایماندار ہے کہ اُس کی محبت اور بغض اور شہوت اور امر شرعی اور اُن چیزوں کی طرف کہ شرع سے اُن کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوا ہے منقلب ہو جاتی ہے ایسا شخص حکم شرعی سے کبھی روگردانی نہیں چاہتا۔ چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے جس پر رسم اور غالب جاہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنی ذات سے عار کا دُور کرنا چاہتا ہے ایسا شخص باوجود غضب ناک ہونے اور نہایت دلیہ ہونے کے اپنے غصہ کو بچاتا ہے اور اگر اُس کو کوئی برا کہے تو اُس کی تلخی پر صبر کر لیتا ہے اور باوجود قوت جسمانی کے اپنے لُذائذ و ترک بردیتا ہے تاکہ اُس کے حق میں لوگ ایسی باتیں نہ کہنے لگیں جو اُس کو ناپسند ہیں یا اس لیے کہ رفعت جاہ وغیرہ جو اُس کو مضطرب ہے اُس کو مل جائے پہلا شخص درندوں کی مانند ہے اور دوسرا بہائم کے مانند اور تیسرا ملائکہ کے اور چوتھے شخص کو صاحب مروت و بلند حوصلہ کہتے ہیں۔ پھر استقراء کرنے سے بعض افراد انسان کے ایسے ملتے ہیں کہ اُن کی دو قوتیں معاً غالب ہوتی ہیں اور اُن دونوں کا حال باہم تشابہ رہتا ہے کہ کبھی اُس کو اس پر غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اس کو اُس پر پس اگر صاحب بصیرت اُن کے حال کا انضباط چاہے اور جس حال پر وہ ہیں اُس کو بیان کرنا چاہیں تو لامحالہ لطائف ثلاثہ کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی اور عقلاء کے اتفاق سے ان تینوں کا وجود اس طرح پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام اہل ملت اور اہل ادیان تہذیب نفس ناطقہ کا جنہوں نے اعتبار کیا ہے ان تین چیزوں کے ثابت کرنے یا اُن مقامات اور احوال کے بیان کرنے پر متفق ہیں جو ان تینوں سے متعلق ہے فلاسفہ اپنی حکمت عملیہ میں ان تینوں کا نام نفس ملکی اور نفس سبعی اور نفس بہیمی رکھتے ہیں اور اس نام رکھنے میں ایک ایک طرح کا تسامح ہے کہ عقل کا نام انہوں نے نفس ملکی رکھا ہے کہ اُس کے افراد میں سے افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفس سبعی بایں طور پر رکھا ہے کہ اُس کے اوصاف میں سے یہ وصف مشہور ہے اور صوفیائے کرام نے ان لطائف کا بیان اور ہر ایک کی تہذیب کا بیان کیا ہے مگر انہوں نے ان تین کے سوا دواطیفہ اور بھی ثابت کیے ہیں اور ان دونوں کا نہایت اہتمام کیا ہے اور وہ دونوں روح اور سر ہیں۔ اُن کی حقیقت یہ ہے کہ دل کے دوزخ ہیں ایک رُخ میاں بدن اور اعضاء کی طرف ہے اور ایک رُخ کا میاں تجرد محض کی طرف ہے اور اسی طرح عقل کے دوزخ ہیں ایک رُخ کا میاں بدن اور حواس کی طرف ہے اور دوسرے کا تجرد محض کی طرف پس جس کا میاں اسفل کی جانب ہے اُس کو قلب و عقل کہتے ہیں اور جس کو جانب فوق سے اتصال ہے اُس کو روح دسر کہتے ہیں قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی بے تاب ہو جاتا ہے اور روح کی صفت انس اور انجذاب ہے اور عقل کی صفت اُن چیزوں کے ساتھ یقین کرنا ہے جو معمولی حوم سے قریب المآخذ ہیں جیسے ایمان بالغیب اور توحید افعالی اور سر کی صفت اُن چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے جو علوم معمولی سے برتر اور مجرّوف ہیں جس کے لیے نہ زمانہ ہے نہ مکان کوئی وصف اور نہ اشارہ حکایت کے طور پر ہے اور چونکہ شرع کا نزول صرف انسان کے میزان پر ہوا ہے خصوصیات فردیہ کے اعتبار سے نہیں ہوا لہذا شرع نے اس تفصیل سے زیادہ بحث نہیں کی اور اُس کے مباحث کو اجمال کے خزانہ میں چھوڑ دیا ہے اور تمام اہل مل و نحل کے نزدیک بھی اس کے متعلق کچھ کچھ بیان ہے استقراء و تتبع سے متین اور فہیم آدمی اُس کو معلوم کر سکتا ہے۔



مقدمہ ثانیہ

معلوم ہوں کہ قوی العقل اور قوی الجسم آدمی جس کے مادہ میں اس کے نوع کے احکام ظاہر ہونے کی پوری اور کامل قابلیت ہوتی ہے وہ شخص افراد انسانی کا طبیعت کے لحاظ سے رئیس اور ان کے لیے بطور دستور العمل کے ہوتا ہے جس سے تمام افراد کا اہل درجے کی حد سے قرب و بعد اس شخص کے اعتبار سے معلوم ہو سکتا ہے یہ شخص وہ ہو سکتا ہے جس کی عقل قلب پر غالب ہو اور اس کا قلب قوی اور اس کے قوی پورے پورے ہوں۔ اور اس کا قلب نفس پر غالب ہو اور باہمہ نفس بھی اس کا شدید ہو اور اس کی ذہن انشیں کثرت ہوں ایسے شخص کے اخلاق عامہ ہوتے ہیں اور فطرت قوی ہوتی ہے اور اس سے نیچے بہت سی مختلف قسمیں ہیں تا مل نتیجے سے اس کا ظہور ہو سکتا ہے اور باہمہ میں بھی یہ قوائے شائے پائے جاتے ہیں مگر ان کی عقل قلب اور نفس کے نیچے نہایت درجہ مغلوب ہوتی ہے اس لیے وہ مکلف ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی اور نہ ملحق بہ ملائعہ اہل ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا** ۱۱ اہل ہم نے آدمیوں کو بزرگی دی اور عقل و دریا میں ان کو سوار کیا ہم نے اور پاک چیزیں ہم نے ان کو دیں رزق اور اکثر اپنی مخلوق پر ہم نے ان کو فضیلت دی فضیلت دینا اور یہ قوی العقل و قوی الجسم آدمی اگر اس کی عقل ان عقائد حقہ کے تابع ہے جو اللہ تعالیٰ کے صادق بندوں سے مانوئے ہیں جنہوں نے ان عقائد کو ملہ اعلیٰ سے مانوئے کیا ہے صلوات اللہ علیہم تو وہ فی الحقیقت مومن صادق ہے اور اگر اس کے ساتھ ملائعہ اعلیٰ سے بھی تعلق ہے اس کے سبب سے بلا واسطہ ملائعہ اعلیٰ سے فیضان ہوتا ہے تو اس شخص میں نبوت کا ایک شعبہ اور اس کی میراث ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الرُّوِيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَارْبَعِينَ جُزْءًا مِنْ نَسْوَةِ** اتنی خواب نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اگر اس کی عقل عقائد باطلہ کے جو مہملین و مہملین سے مانوئے ہیں تابع ہے تو وہ نفس ملہ و کراہ ہے اور اگر اس کی عقل اپنی قوم کی رسوم اور ان چیزوں کے تابع ہے جو اس کو تجربہ اور خلعت عملیہ سے معلوم ہوئے ہیں تو وہ نفس ذہن کا جاہل ہے اور جب انسان کے افراد مختلف تھے تو حکمت الہی میں ضروری ہوا کہ تمام مخلوق میں سے جو شخص زیادہ ترانی اور قوی العقل و الجسم ملائعہ اعلیٰ سے ساتھ مشہرت رہتا ہے اس پر کوئی کتاب نال کی جائے اور پھر لوگوں کی تعلیمیں ان کی طرف مائل کی جائیں تاکہ اس کے احکام ظہور ہو جائیں تاکہ جو ہلاک ہو تو نجات سے ہلاک ہو۔ اور یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ نبی مومن ان لوگوں کے لیے انسان کے طرق و مقامات ہو اس کے لیے منزلہ شہادت کے ہیں پورے طور پر بیان کرے۔

الناصل جب آدمی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور ما حیا، **مہ النسی** پر ایسا ایمان لاتا ہے جس سے اس کے تمام قوی قہویہ و نظریہ اللہ اور رسل اللہ کے تابع ہو جاتے ہیں پھر وہ شخص پورے طور پر مہات میں مشغول ہوتا ہے اور زبان سے ذکر اور دل سے فکر کرتا ہے۔ اور اعطاء کوادب و تیار ہوتا ہے اور ایک مدت دراز تک اس کی مداومت کرتا ہے تو ان اطراف شائے میں ہر ایک اس مہادت سے حصہ لے

لیتا ہے اور اس شخص کا حال ایک خشک درخت کا سا ہوتا ہے۔ جس کو بکثرت پانی دیا جائے اور اس کی شاخ شاخ و تنائیاں تازگی و تری پہنچ جائے اور اس پر پھل و پھول آنے لگیں اسی طرح عبودیت کا اثر ان انسان خف شاخ و تنائیاں میں پہنچ کر صفت سببہ رفیعہ و دور کرنے صفت ملکہ فاضلہ پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ صفت اگر ماکات راسخہ ہوں جن سے ایک طور یا اطوار متعارف ہے وہ اسی طور پر افعال کا صدور ہو تب تو وہ مقامات ہیں۔ اور اگر وہ صفت ایسے ہیں کہ مثل بجلی کے کبھی خام ہو جاتے ہیں کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں یعنی دور ہو جاتے ہیں اور ہنوز ان کو قرار نہیں ہے یا وہ صفت اس قسم کے امور ہیں جن کی شان سے قرار نہیں ہے جیسے رویا اور ہوا آفت اور مغلوب الحال ہونا تو ان کو احوال و اوقات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ طبیعت بشری کے پہچان کی حالت میں عقل کا مقتضی ان امور کی تصدیق کرنا ہے جو طبیعت بشریہ کے مناسب عقل کو پیش آتے ہیں۔ لہذا عقل کا مقتضی تہذیب کے بعد ان چیزوں کا یقین کرنا ہے جو شرع کے اندر وارد ہیں گویا کہ ان کا معائنہ کرتا ہے جیسے کہ زید بن حارثہ نے بیان کیا ہے جب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا مکہ ہر حق کی حقیقت ہے پس تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے انہوں نے عرض کیا گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حشر کو سامنے دیکھتا ہوں اور چونکہ عقل کا مقتضی نعمت اور مذاب کے اسباب کا معلوم کرنا ہے لہذا اس کا مقتضی تہذیب کے بعد توکل اور شکر اور رضا مندی اور توحید ہے اور چونکہ قلب کا مقتضی اصل طبیعت کے اعتبار سے اپنے منعم اور مربی کے ساتھ محبت اور اپنے دشمن کے ساتھ بغض اور ایذا پہنچانے والی چیزوں سے خوف اور نفع پہنچانے والی چیزوں کی امید رکھنا ہے لہذا بعد تہذیب کے اس کا مقتضی اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے مذاب سے خوف اور ثواب کی امید ہے۔ اور چونکہ نفس کا مقتضی پہچان طبیعت کے بعد لذت اور آرام میں مستغرق ہو جاتا ہے لہذا تہذیب کے بعد اس کی صفت توبہ اور زہد اور مجاہدہ ہے۔ اور یہ کلام ہم نے بطور مثال کے بیان کیا ہے اور مقامات اس کے اندر منحصر نہیں لہذا غیر مذکور کو مذکور پر اور احوال کو مثل سکر اور غلبہ اور مدت مدیدہ تک خورد و نوش سے اعراض رخصت اور خواب اور باتف و مقامات پر قیاس کر لینا چاہیے۔ اور جب ہم ان امور سے فارغ ہو گئے جن پر اس باب کے احادیث کا شریعت کرنا موقوف ہے تو اب ہم یہاں سے اصل مقصود شروع کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جس قدر مقامات اور احوال عقل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں ان سب کی اصل یقین ہے اور یقین سے توحید اور اخلاص اور توکل اور شکر اور انس اور محبت اور تفرید اور صدیقیت اور محدثیت وغیرہ ذمہ پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا یا طول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **الیقین الایمان کلہ**۔ یقین بالکل ایمان ہے اور ایک روایت میں یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی طرف مرفوع کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ کا **وافبہم لنا من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا** اور ہم تو وہ یقین نصیب کر جس کے سبب سے تو دنیا کے مصائب ہم پر آسان کرے۔ میں کہتا ہوں یقین کے معنی یہ ہیں کہ جو امور شرع کے اندر وارد ہوئے ہیں۔ جیسے قدر و معاد کا مسئلہ وغیرہ اس کے ساتھ مومن کا ایمان ہو اور اس کا ایمان اس کی عقل پر غالب ہو جائے حتیٰ کہ اس کی عقل ایمان سے لبریز ہو جائے اور پھر عقل سے اس کے قلب اور نفس پر اس یقین کا ترشح ہو جس کے سبب سے وہ یقینی چیز معائنہ اور محسوس کے برابر معلوم ہونے لگے اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا پورا دخل ہے اور قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب عقل کی تہذیب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ شخص ان چیزوں سے خوف نہیں کرتا جن چیزوں

سے حادثے کے طور پر لوگ ڈرتے ہیں کیونکہ یہ شخص اس بات کو جان لیتا ہے کہ جو مصیبت اس کو پہنچتی ہے وہ اس سے بچنے والی نہ تھی اور جو چیز اس سے دور ہو جاتی ہے وہ پہنچنے والی نہ تھی۔ اور اس شخص کو ان چیزوں کے مٹنے کا اطمینان ہو جاتا ہے جن کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اس لیے دنیا کے مصائب اس پر آسان ہو جاتے ہیں اور اسباب متکثرہ کو وہ شخص حقیر جانتا ہے اس لیے کہ اس کو قدرت و اتالی کے عالم میں بالاختیار و ارادہ مؤثر ہونے اور اس بات کا کہ یہ اسباب عامیہ ہیں یقین ہوتا ہے اس سبب سے اس شخص کی کوشش ان امور کے حاصل کرنے میں ضعیف ہو جاتی ہے جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور اپنی جان لڑا دیتے ہیں اس لیے اس شخص کی نظر میں سونا و پتھر برابر معصوم ہونے لگتا ہے بہر تقدیر جب یقین کامل اور قوی اور پائیدار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کوئی چیز اس کو نہیں بدل سکتی نہ فقر نہ غنا نہ عزت نہ ذلت تو اس سے بہت سے شے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک شکر ہے شکر کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کے اوپر جس قدر ظاہری و باطنی انعامات ہیں سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف فائز سمجھے پس بر نعمت کے مقابل میں ایک محبت جداگانہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ اس کو پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ تسلیم پھرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اول من يدعى الى الجنة الحامدون الذي يحمدون الله تعالى في السراء والضراء**۔ سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی خوشی و تکلیف میں مدد کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا عقل و قلب کی اللہ تعالیٰ کے یقین کے ساتھ نیاز مندی و فرمانبرداری کی دلیل ہے اور ان لیے کہ نعمتوں کے معلوم کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا فیضان معلوم کرنے سے عالم مثال میں ان کے اندر ایک قوت مؤثرہ پیدا ہو جاتی ہے جس کا اثر قوائے مثالیہ اور اشکال اخرویہ پر پڑتا رہتا ہے۔ اور ان نعمتوں کی تفصیل اور ان کا فیضان منعم یقینی بدل مجددہ سے معلوم کرنا جو الہی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعائے مستجاب سے کم درجہ نہیں رکھتا اور کامل نظر جب ہوتا ہے کہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کے اس عجب برتاؤ پر متنبہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ گزشتہ عمر میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے اخیر حج سے واپس ہوئے تو انہوں نے یہ پڑھا الحمد لله ولا اله الا الله يعطى من شاء ما يشاء اور فرمایا میں اس شکل یعنی نبیان میں خطاب کا اونٹ چاہا کرتا تھا اور وہ بڑا سنگدل اور سخت آدمی تھا اور میں کام کرتا تھا تو مجھ کو رہا کرتا تھا اور اگر میں کام میں کوئی کام کرتا تو مجھے مارتا تھا۔ اب میں صبح و شام ایسی حالت میں رہتا ہوں کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا مجھے خوف ہو۔ اور از انجملہ توکل ہے توکل کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص پر یقین کا غلبہ ہو جس کے سبب سے اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش متروک نہ ہو بلکہ اس شخص کے لیے ان طریقوں پر چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیے ہیں لیکن وہ ان پر اکتفا نہیں کرتا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **يدخل الجنة من امنى سبعون الفا بغير حساب هم الذين لا يسرقون ولا ينسرون ولا يمتسرون ولا يكتنون و على ربهم يتوكلون** میری امت سے ستر ہزار بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ مٹتے روکتے ہیں اور نہ بد حال نکلاتے ہیں اور نہ داغ نکالتے ہیں اور پروردگار ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ توکل کا سبب ان اسباب کا ٹھوڑا

ہوتا ہے جن سے شارع نے نبی فرمائی ہے نہ ان اسباب کا چھوڑنا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اور یہ لوگ بلا حساب جنت میں اس لیے داخل ہوں گے کہ جب ان کے دلوں میں توکل کے معنی ثابت ہو گئے تو اس کے سبب سے ان کے دلوں میں ایسے معنی پیدا ہوئے جن کے باعث سے ان اعمال کی سمیت جو ان کے نفوس کو ایذا رسانی کرتے رہتے ہیں ان سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ بجز قدرت واجبہ کے تمام جہان میں کوئی مؤثر نہیں ہے اور از انجملہ ہیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کا یقین ہو جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ شخص کھراتا رہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک درخت پر ایک پرند جانور کو دیکھا تو فرمانے لگے خوشنودی ہو تیرے لیے اللہ کی قسم میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں تجھ سا ہوتا تو درخت پر بیٹھتا اور اس کا پھل کھا کر اڑ جاتا اور پھر نہ تجھ سے حساب ہے اور نہ تجھ کو عذاب ہے اللہ کی قسم میں اس بات سے خوش ہوں کہ میں کسی سڑک پر ایک درخت ہوتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر نر ہوتا اور وہ مجھ کو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا۔ پھر مینگی کر کے پیٹ کے راستے سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا۔ اور از انجملہ حسن ظن ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو انس کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یہ انس اللہ تعالیٰ کے انعامات و الطاف میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ہیبت اللہ تعالیٰ کے انتقامات اور حکومت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مومن اپنی نظرا اعتقادی کے اعتبار سے خوف و امید کا جامع ہوتا ہے لیکن اس کے حال اور مقام کے اعتبار سے بسا اوقات اس پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے اور بسا اوقات حسن ظن کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی عمیق کنوئیں کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کا بدن تھرانے لگتا ہے اگرچہ اس کی عقل خوف کی منتہی نہیں ہے۔ جیسا کہ خوش گوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے گو کہ اس کی عقل اس کے منتہی نہیں لیکن ان دونوں حالتوں میں نفس کے اندر خوف و فرح سرایت کر جاتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **حَسَنُ الظَّنِّ بِاللَّهِ مِنْ حَسَنِ الْعِبَادَةِ** اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن حسن عبادت سے ہے اور آنحضرت ﷺ اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کا یہ فرماتے ہیں **إِنَّا عِنْدَ الظَّنِّ عِبْدِي بِي** میرے بندے کو جیسا میرے ساتھ اس کو گمان ہے میں اس کے گمان کے ساتھ ہوں میرے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ حسن ظن اس کے نفس کو اس بات کا مستعد کر دیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے الطاف کا فیضان ہو اور از انجملہ ایک تفرید ہے تفرید کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قوائے اور اکیہ پر ذکر کا ایسا غلبہ ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ کو ظاہر میں دیکھتا ہے۔ پھر اس سبب سے نفس کی تمام باتیں مشتمل ہو جاتی ہیں اور ان کی بھڑک بجھ جاتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **سَيُرَوُّ سَبْقَ الْمَفْرُودُونَ هُمُ الَّذِينَ وَضَعَ عَنْهُمْ الذِّكْرَ اِنَّهُمْ** چلو تم سبقت کر گئے مفرد لوگ وہ ہیں جن سے ذکر نے ان کے بوجھوں کو اٹھادیا۔

میں کہتا ہوں جب کہ ان کے عقول ذکر کے نور سے منور ہو جاتی ہیں اور ان کے نفوس میں اطلاع الی الجبروت کی صورت منقش ہو جاتی ہے تو قوت نیکی دی جاتی ہے اور اس کا جوش گل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ثقل جاتا رہتا ہے اور از انجملہ اخلاص ہے اور وہ اس بات سے عبارت ہے کہ بسبب قربت ہونے اس کے نفس کے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی عقل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا نفع مشتمل ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے **إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ** کہ بلا شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ یا بسبب تصدیق کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ پس بواسطہ ایک امر

عظیم کے اس سے اعمال پیدا ہوتے ہیں کہ اس میں زیادہ سمعہ کو دخل نہیں ہوتا اور نہ موافقت عادت کو اور یہ حال تمام اعمال میں سرایت کر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اعمال مباح عادیہ بھی بغیر اس حال کے نہیں صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** اور وہ اسی بات کے لیے مامور ہیں کہ دین کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **انما الاعمال بالنيات** کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔ اور از انجملہ توحید ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا ان میں کا توحید عبادت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیاطین کی پرستش نہ کرے اور ان کی عبادت کرنے سے وہ اتنا بیزار ہو جیسا کہ وہ آگ میں جانے سے بیزار ہے۔ اور دوسرا درجہ ہے کہ نہ قوت دیکھے اور نہ طاقت نیکی کی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اور یقین کرے اس بات کو کہ بلا واسطہ کائنات میں بجز قدرت و جوبیہ کے کوئی مؤثر نہیں اور جان لے اس بات کو کہ نسبت ان مسببات کے اسباب عادیہ کی طرف مجازاً ہے اور اس بات کا یقین کرے کہ مخلوق کے ارادہ پر اس کا حکم غالب ہے۔ اور تیسرے توحید اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی کے ہم شکل نہیں ہے اور نہ اس کے اوصاف مثل اوصاف مخلوق کے جانے اور ان باتوں کا سنا اس کے لیے بمنزلہ مشاہدہ کے ہو جائے اور اس کا قلب خود مطمئن ہو جائے کہ اس کا مثل نہیں اور اس کے متعلق شرع کے اخبار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور سند کے معلوم کرے جو اسی کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی ذات سے ان کا قیام ہے۔ اور از انجملہ صدیق و محدثیت ہے ان کی حقیقت یوں ہے کہ امت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جیسے کہ شاگرد فطین کو شیخ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے پھر اگر اس شخص کو قوائے عقلیہ کے اعتبار سے تشبیہ ہو تو وہ صدیق یا محدث ہے اور اگر اس کو مشابہت قوائے عملیہ کے اعتبار سے ہے تو وہ شہید اور حواری ہے۔ اور قرآن مجید میں انہی دونوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشُّهَدَاءُ** اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی تو صدیقین اور شہداء ہیں اور صدیق و محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کا نفس نبی کے نفس سے قربت الازدہ ہوتا ہے۔ جیسے گندھک کو آگ کے ساتھ نسبت قریب ہے۔ پھر جب وہ شخص آپ سے کوئی خبر سنتا ہے تو اس کے نفس میں اس بات کی بے انتہا وقعت ہوتی ہے اور اس کو دلی شہادت سے قبول کر لیتا ہے یہاں تک کہ گویا اس کا علم اس کے نفس میں بغیر تقلید کے حاصل ہوا ہے اور اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اس میں جو وارد ہوا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے تو حضرت ابوہریرہ صدیق جو ان کے آواز کی بھن بھناہٹ سنتے تھے اور صدیق کے دل میں لامحالہ رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ درجہ ہے پس وہ شخص اپنے جان و مال کے ساتھ غنوار کی کرنے اور ہر حال میں اس کے ساتھ موافقت کرنے میں رہتا ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اس کے حال سے خبر دیتے ہیں اس بات کی کہ اپنے مال اور محبت میں وہ شخص سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے اور حتیٰ کہ نبی کریم نے ان کے لیے گواہی دی تھی کہ اگر آدمیوں میں میں کسی کو خلیل پکڑتا تو صدیق اس کا اہل تھا اور اس لی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نفس کی طرف سے صدیق سے نفس کی طرف انوار وحی کا درود پے در پے ہوتا تھا پھر جبکہ تاثیر و تاثر اور فعل اور انفعال طرر ہوتا ہے اس لیے اس کو فنا اور فدا کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور بعد اس کا کمال جو اس کا غایت مقصود ہے آپ کی محبت میں رہنے اور آپ کے کام لے سنے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے وہ شخص بہ نسبت اور صحابہ کے آپ کی خدمت ہا برکت میں

زیادہ رہتا ہے۔ اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ بہ نسبت اوروں کے خواب کی تعبیر میں اس کو زیادہ مناسبت ہو کہ اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ اول سبب سے امور غیبیہ کا اس پر القا ہوتا ہے اور اسی سبب سے آنحضرت ﷺ اکثر واقعات میں حضرت صدیق اکبرؓ سے تعبیر دریافت فرماتے تھے اور منجملہ علامات صدیق کے یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا وہی ہو اور بغیر معجزہ دیکھے ایمان لائے اور محدث کے نفس کو علم کے بعض معاون پر جو ملکوت کے اندر پائے جاتے ہیں بہت جلد رسائی ہو جاتی ہے اور وہاں سے وہ شخص ان چیزوں کے علوم کو اخذ کر لیتا ہے جن کو خدائے تعالیٰ نے وہاں نبی ﷺ کی شریعت مقرر کرنے اور نظام بنی آدم کے لیے مقرر کیا ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ پر ہنوز ان علوم کے متعلق وحی نہیں نازل ہوتی جیسے کوئی شخص اپنی خواب میں بہت سے ان حوادث کا معائنہ کرتا ہے کہ ملکوت میں جن کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے اور محدث کا خاصہ ہوتا ہے کہ بہت سے حوادث میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ اپنی خواب میں اس قسم کا معائنہ کرتے ہیں کہ اپنے سیر ہونے کے بعد آپؐ نے اسے دودھ دیا ہے۔ اور صدیق سب لوگوں سے زیادہ خلافت کی قابلیت رکھتا ہے کیونکہ صدیق کا نفس اس عنایت الہی کا جو نبی کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور اس کی نصرت اور تائید کا آشیانہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ نبی کی روح گویا اس شخص کی زبان سے ناطق ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کے لیے بلایا تو یہ کہا کہ اگر محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں میں ایسا نور موجود کر دیا ہے جس سے تم رہبری حاصل کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت کی اور ابو بکرؓ آپؐ کے صاحب اور ثانی اثنین ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے قابل ہیں کہ تمہارے امور کے مالک ہوں لہذا ان سے بیعت کرو صدیق کے بعد سب لوگوں سے زیادہ محدث خلافت کے قابل ہوتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اَقْدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ**۔ ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہیں پیروی کرو ابو بکر و عمرؓ جیسا اور اللہ پاک فرماتا ہے: **وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ**۔ اور جو شخص کہ سچ کو لایا اور اس کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں متقی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مَحْدَثُونَ فَاِنْ يَكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَعُمَرُ**۔ تم میں سے پہلے محدث لوگ ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمرؓ ہے عقل کے ساتھ جو حالات متعلق ہیں از انجملہ ان کے ایک تجلی ہے۔ سہلؓ فرماتے ہیں۔ تجلی تین قسم کی ہوتی ہے تجلی ذات اور وہ مکاشفہ ہے اور تجلی صفات الذات اور وہ نور کے مواضع ہیں اور تجلی حکم الذات اور وہ آخرت اور اس کی چیزیں ہیں۔ مکاشفہ کے معنی غلبہ یقین کے ہیں جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا خدائے تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور ماسوا سے اس کو غفلت ہو جائے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا ہے **اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرَاهُ** مگر آنکھوں سے مشاہدہ آخرت ہی میں ہو گا دنیا میں نہیں ممکن ہے۔ اور یہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ صفات الذات کی تجلی اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ان افعال میں فکر کرے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہوں اور اس کی صفات کو پیش نظر کرے۔ اس کی وجہ سے قدرت الہی کا یقین اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اسباب سے اس کو غیبت ہو جاتی ہے اور خوف اور تسبب کی صفت اس سے ساقط ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم جو اس کے ساتھ محیط ہے اس کا یقین اس شخص پر غالب ہو جاتا ہے جس کے سبب سے یہ شخص نہایت خضوع کی حالت میں مدہوش اور مرعوب رہتا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا

ہے فان لم تکن تراہ فانہ یراک اور یہ انوار کے مواضع ہیں بایں معنی کہ نفس اس حال میں انوار متعددہ کے ساتھ منور ہوتا ہے اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ کی طرف اس کو انقلاب رہتا ہے۔ بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں پر نہ تعدد ہے نہ تغیر۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ذات کا اس طرح معائنہ کرے کہ بااوساطت اسباب خارجیہ کے صرف امر کن سے ذات واجبی سے تمام چیزیں اور تمام افعال اور تمام مخلوقات پیدا ہوئی ہیں اور مواضع تو ان اشباہ مثالیہ نور یہ کا نام ہے جو عارف کو دنیا سے وقت غیبت حواس کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور تجلی آخرت کے یہ معنی ہیں کہ دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا بصیرت قلبی سے معائنہ کرے اور ان چیزوں کا ادراک اس کے نفس کے اندر اس طرح پیدا ہو کہ جس طرح بھوکے کو بھوک کی اور پیاسے کو پیاس کی تکلیف کا ادراک ہوتا ہے۔ اول کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ طواف کر رہے تھے اس حالت میں ایک شخص نے ان سے سلام میک لی تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس شخص نے ان کے بعض احباب سے شکایت کی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم اس جگہ اللہ تعالیٰ کا معائنہ کر رہے تھے۔ اور یہ حالت ایک قسم کی غیبت اور اس کی فنا ہے کیونکہ اطائف شمش میں سے ہر لطیفہ کے لیے ایک غیبت و فنا ہوتی ہے عقل کی غیبت اور اس کی فنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کے سبب سے تمام چیزوں کی معرفت کا ساقط ہو جانا ہے اور قرب کی غیبت اور فنا غیر کی محبت اور غیر سے خوف کا ساقط ہو جانا ہے۔ اور نفس کی غیبت اور فنا، شہوات نفسانیہ کا ساقط ہو جانا اور لذائذ کے حاصل کرنے سے اس کا باز رہنا اور دوسرے کی مثال وہ ہے جو حضرت صدیق مہرؓ اور جلیل القدر صحابہؓ نے فرمایا ہے الطیب امر ضنی الطیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے۔ اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری سحابی نے ایک سائبان کا معائنہ کیا جس میں مشعلوں کی صورتیں، کھائی دیتی تھیں اور ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں سے دو شخص آپ کی خدمت میں سے اٹھ کر شب تاریک میں چلے اور ان کے آگے دو مشعلوں کے طور پر معلوم ہوتی تھیں۔ پھر جب وہ مسجد ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک مشعل ہوئی حتیٰ کہ اس کے ساتھ ہر ایک اپنے گھر آ گیا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبیؐ کی قبر کے پاس روشنی معلوم ہوا کرتی تھی۔ اور پوچھتے کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ ظلہ اسیدی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تذکرونا بالنار والجنة ظلہ رفیع اسیدی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ مجھ کو ملے انہوں نے فرمایا اے ظلہ کیا حال ہے میں نے کہا اے ظلہ تو منافق ہو گیا انہوں نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں تو بہشت و دوزخ کا حال آپ ہم سے بیان کرتے ہیں تو گویا ہم ان کو آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں اور جب ہم آپ کی خدمت اقدس میں سے چلے آتے ہیں تو اہل و عیال اور دنیا کے سامان میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ حال تو ہمارا بھی ہوتا ہے پھر میں اور حضرت ابو بکرؓ وہاں سے چل کر آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے سو میں نے عرض کی کہ اے رسول اللہ ﷺ ظلہ تو منافق ہو گیا آپ نے فرمایا کیا بات ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ ہم سے دوزخ و نار کا ذکر کرتے ہیں تو گویا ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب آپ سے چلے ہو جاتے ہیں تو اہل و عیال اور سامان دنیا میں مشغول ہو کر بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم کہ جان میں بیانی نے ہاتھ میں نہ آکر بیٹھیں تم اس حال پر رہو جو میرے پاس رہتا ہے اور ذرا الہی میں رہتا ہے تو تمہارے بستر و

پر اور تمہارے رستوں میں ملائکہ تم سے مصافحہ کیا کریں مگر اسے حفظہ کبھی کوئی وقت ہے کبھی کوئی وقت آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اس سے آنحضرت ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ احوال قائم و دائم نہیں رہتے اور ایک مثال اس کی یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی خواب میں جنت و نار کا معائنہ کیا۔ از انجملہ فرامات صادقہ اور خاطر مطابق للمواقع ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کسی چیز کی نسبت یہ کہتے ہوئے نہ سنا ہوگا کہ میرا گمان اس کی نسبت یہ ہے مگر وہ چیز ان کے گمان کے مطابق ہوتی تھی۔ اور از انجملہ روایہ صالحہ ہے اور آنحضرت ﷺ کو سائلین کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کا اہتمام رہتا تھا۔ یہاں تک روایت ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ بیٹھ جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی نے تم میں سے کوئی خواب دیکھی ہے۔ پس اگر کوئی بیان کرے تو جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا آپؐ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔ روایہ صالحہ سے ہماری مراد خواب میں آنحضرت ﷺ یا جنت و نار یا صلا اور انبیاءؑ یا مہم السلام یا مشاہد متبرکہ مثل بیت اللہ کے یا اگلے واقعات کا دیکھنا ہے اور جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے ویسا ہی اس کا وقوع ہوتا ہے یا واقع ماضیہ کا جس طرح نفس الامر میں ان کا وقوع ہوا ہے دیکھتا ہے یا اس چیز کا دیکھنا جو اس کے تصور پر متنبہ کرنے والی ہو مثلاً اپنے غصہ کو مثل کتے کی صورت میں دیکھنا جو اس کو کاٹ رہا ہے یا انوار کا دیکھنا یا کھانے پانے کا دیکھنا مثلاً دودھ کا پینا اور شہد اور آدھی کا کھانا۔ یا ملائکہ کا دیکھنا۔ واللہ اعلم اور از انجملہ نماز وغیرہ میں لذت و حلاوت کا حاصل ہونا اور وساوس نفسانی کا منقطع ہونا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **مَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يَحْدُثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفْلَةً مَّا تَقْدُمُ مِنْ ذَنْبِهِ** جس نے دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے نفس میں دوسو نہ پیدا ہوا تو اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے۔ اور از انجملہ محاسبہ ہے اور وہ اس عقل کے جو نور ایمانی سے منور ہے اور اس ارادہ کے مابین ہوتا ہے جو قلب کا پہلا مقام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ** ہوشیار وہ شخص ہے کہ جس کا نفس اس کے تابع ہو گیا اور بعد موت کے لیے بھی عمل کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ پڑھنے میں لوگوں سے فرمایا **حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تَحَاسِبُوا وَزَنُوا قَبْلَ أَنْ تَوَزَنُوا** تزیّنوا للعرض الاکبر علی اللہ تعالیٰ بومئذ تعرضون لا یخفی منکم خافیۃ اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنے نفسوں سے حساب لے رکھو۔ اور پہلے اس سے کہ وزن کیا جائے تم ان کا وزن کر رکھو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جو بڑی پیشی ہونے والی ہے اس کے لیے آراستہ ہو کر بیٹھ جاؤ جس روز تم پیش کیے جاؤ گے تو کوئی بات تمہاری پوشیدہ نہ رہے گی۔ اور از انجملہ حیا ہے یہ حیا اس حیا کے غیر ہے جو نفس کے مقامات سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال اپنے ادائے شکر کے عاجز ہونے اور ادنیٰ سی بشریت کے ساتھ ملتحمس ہونے کے ملاحظہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہے کہ میں تاریک مکان میں غسل کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حیا کے سبب سے سکڑتا جاتا ہوں اور جو مقامات قلب کے متعلق ہیں ان کا پہلا مقام جمع ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ آخرت کا امر آدمی کو مقصود بالذات و مہتمم بالشان ہو اور دنیا کے معاملات اس کے روبرو ذلیل و خوار معلوم ہوں اور ان کی طرف صرف اس سبب سے قصد و التفات ہو کہ وہ جس کے درپے ہے اس چیز تک اس کو وہ معاملات پہنچا سکتے ہیں اور جمع اس مقام کا نام ہے جس کو صوفیاء ارادہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا **مَنْ جَعَلَ هَمَّهُ هَمًا وَاحِدًا هُمُ الْآخِرَةِ وَكُنَاهُ اللَّهُ هَمَّهُ وَمِنْ تَشَبُّهٍ بِهِ**

الهموم لم يبال الله في اي اوديه هلك. جو شخص اپنی فکر کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر کر لے اللہ تعالیٰ اس کی فکر کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جس کو طرح طرح کے افکار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی جنگل میں ہلاک ہو۔ میں کہتا ہوں انسان کے ارادہ و ہمت کو جو الہی کے دروازہ کو حرکت دیتے ہیں۔ دعا کی سی خاصیت ہے۔ بلکہ وہ دعا کا مغز اور اس کا خلاصہ ہے۔ پس جب انسان کی ہمت مرضیات الہی کی طرف خالص ہو کر متوجہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جب اس کی ہمت پختہ ہو جاتی ہے اور ظاہر و باطن میں عبودیت پر مداومت کرتا ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس محبت سے صرف اس بات کے یقین ہی میں ترقی نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور اس کا رسول سچا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خلق کی طرف مبعوث ہے بلکہ وہ محبت ایسی حالت کا نام ہے کہ جیسے پیاسے کو پانی کے ساتھ اور بھوکے کو کھانے کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے یہ محبت ذکر الہی اور اس کے جلال میں فکر کرنے سے قتل کے لبریز ہو جانے اور پھر قتل سے قلب کی طرف نور ایمانی کے مترشح ہونے اور قلب کے اس نور کو بذریعہ اس قوت کے جو قلب کے اندر پیدا کی گئی ہے قبول کرنے سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ثلث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما اللہ یثبتمن باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوتی ہیں اس کو ایمان کی لذت و حلاوت معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ اور اس کا رسول ان دونوں کے سوا سب سے محبوب ہوا گئے۔ اور آنحضرتؐ نے یہ دعا کی ہے اللہم اجعل حبک احب الی من نفسی وسمعی وبصری واهلی ومالی ومن الماء البارد اور آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جب تک میں تیری ذات سے زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہوں اس وقت تک تو مومن نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی ہے بلاشبہ آپؐ مجھ کو اپنی جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ تر محبوب ہیں سو آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ اب تیرا ایمان کامل ہو گیا۔ اور انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولده والدیہ والناس اجمعین تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی اولاد اور باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں میں کہتا ہوں آنحضرتؐ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ محبت فی الحقیقت لذت یقین کی قتل پر اور پھر قلب و نفس پر غالب ہونے کا نام ہے حتیٰ کہ وہ قاب کی ان خواہشوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے جن کی نفس کے اندر خواہش پیدا ہوتی ہے جیسے پیاسے کو پانی کی خواہش پھر جب یہ حال ہوتا ہے تو وہ محبت خاص ہو جاتی ہے۔ جو مقامات قاب سے شمار کی جاتی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ من احب لقاء اللہ احب لقاءہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرتؐ نے مومن کے اس میاں کو جو بارگاہ الہی کی طرف اس کو ہوتا ہے اور حجاب بدنی سے تجرد کے مقام کی طرف اس کے اشتیاق اور طلبیت کی قید سے فضائل قدس کی طرف رہائی کے طالب ہونے کو جہاں وہ ایسی چیزوں سے متصل ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آتیں اپنے پروردگار کے ساتھ صدق و محبت کی ملامت کر داتا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ محبت طلب دنیا سے اس کو مانع ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں سے اس شخص کو وحشت و نفرت ہوتی

ہے میں کہتا ہوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا آثار محبت کا پورا پورا بیان ہے پس جب ایمان دار کو اللہ تعالیٰ سے پوری و کامل محبت ہو جاتی ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بندہ کے ساتھ محبت کرنے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس محبت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کا اس بندہ کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا ہے کہ جس کی وہ بندہ قابلیت رکھتا ہے پس جس طرح آفتاب سخت جسم کو بہ نسبت اور اجسام کے زیادہ تر گرم کر دیتا ہے اور آفتاب کا فعل واقع میں ایک ہی ہوتا ہے مگر چونکہ اس فعل کے قبول کرنے والوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے اس کا فعل بھی مختلف اور متعدد ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے نفوس کی طرف باعتبار ان کے افعال و صفات کی عنایت و توجہ ہے پس جو شخص ان میں سے صفات رذیلہ کے ساتھ متصف ہو کر اپنے آپ کو بہائم کے شمار میں داخل کر لیتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اس میں وہ کام کرتی ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوتا ہے اور جو شخص اخلاق اور صفات فاضلہ کے ساتھ اپنی ذات کو متصف کر کے ملاء اعلیٰ کے شمار میں داخل ہو جاتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اس کو منور اور محل کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص خطیرۃ القہر کے جواہر میں سے ایک جواہر ہو جاتا ہے اور ملاء اعلیٰ کے احکام اس پر جاری ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں وہ شخص محبوب الہی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ معاملہ کیا ہے جو محبت اپنے حبیب سے کرتا ہے اس وقت میں اس بندہ کا نام ولی ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو جو اس بندہ کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے سبب سے بندہ پر بہت سے حالات طاری ہوتے ہیں نبی کریم ﷺ نے جن کو پورے طور سے بیان فرمایا ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ وہ شخص ملاء اعلیٰ میں اور پھر زمین پر بھی مقبول ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِذَا احبَّ اللہُ تَعَالٰی عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیْلُ اِنَّا احبُّ فَلَانَا فَاحْبِہ فِیْحِبہ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِی جِبْرِیْلُ فِی السَّمٰوٰتِ اِنَّ اللہَ تَعَالٰی احبُّ فَلَانَا فَاحْبِوْہ فِیْحِبہ اَہْلُ السَّمٰوٰتِ ثُمَّ یُوضِعُ لَہُ الْقَبُولَ فِی الْاَرْضِ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل کو ندا فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ پھر جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر تمام آسمانوں پر جبرائیل ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پس تمام اہل السموات اس کو دوست رکھتے ہیں۔ پھر اس کی قبولیت زمین پر ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں جب عنایت الہی اس بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس محبت کا عکس پڑتا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس صاف آئینہ میں پڑتا ہے۔ پھر ملاء سافل کے دلوں میں اس کی محبت کا القاء ہوتا ہے پھر اہل ارض میں سے جس میں اس بات کی قابلیت ہوتی ہے اس کے دل میں اس کی محبت کا القاء ہوتا ہے جس طرح نرم زمین پانی کے حوض سے تری کو اخذ کر لیتی ہے۔ از انجملہ اس کے دشمنوں کا رسوا ہونا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکایت عن ربہ تعالیٰ فرمایا ہے مَنْ عَادِلِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتَ بِالْحَرْبِ۔ جو شخص میرے ولی سے عداوت کرتا ہے پس میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی محبت کا عکس ملاء اعلیٰ کے نفوس پر جو بمنزلہ آئینوں کے ہیں پڑتا ہے پھر اہل ارض میں سے کوئی شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو وہ مخالفت محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح ہم میں سے کسی کا قدم آگ کی چنگاری پر پڑ جائے تو اس کی حرارت ہم کو محسوس ہو جاتی ہے اس مخالفت کے معلوم کرنے کے بعد ملاء اعلیٰ کے نفوس سے شعاعیں نکل کر نفرت و عداوت کے طور پر اس مخالفت کرنے

والے کو محیط ہو جاتی ہے۔ اس وقت میں وہ شخص خوار و ذلیل ہو جاتا ہے اور زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ اور علماء سافل اور اہل زمین کے دلوں میں اس بات کا القا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بری طرح پیش آئیں اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے یہی معنی ہیں۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ اس شخص کی دعا مقبول ہوتی ہے اور جس چیز سے وہ پناہ مانگتا ہے تو پناہ دی جاتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکایت عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے **و ان سالنی لاعلینہ و ان استعاذنی لاعیذہ** اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اس کو بلاشبہ دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ شخص خطیہ و القدس میں داخل ہو جاتا ہے جہاں سے حوادث کا حکم دیا جاتا ہے اور اس شخص کی دعا اور پناہ کی خواستگاری کرنا خطیہ و القدس کی طرف چڑھ کر حکم الہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتا ہے صحابہ کے آثار میں استجاب دعا کے باب میں بہت کچھ مروی ہے از انجملہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے ابوسعہ دہریہ بد دعا کی کہ بارخدا یا اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور یہاں سے سمعہ کے طور پر مٹا دیا جائے تو اس کی عمر بڑھا دے اور اس کی محتاجی زیادہ کر اور فتنوں کا اس کو سامنا کر پس جیسا انہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور ایک مرتبہ حضرت سعیدؓ نے اروکی بنت اوس پر یہ بد دعا کی بارخدا یا اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اس کی جگہ اس کو موت دے پس جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا اور از انجملہ نفس سے فانی ہونا اور حق کے ساتھ باقی رہنا ہے صوفیاء اس کو غالباً **وان الحق علیٰ لون للہ** کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حکایت عن اللہ تبارک و تعالیٰ فرمایا ہے **و ما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ و یدہ الذی یبعلش بہا** میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کا نور اس بندہ کے نفس کو با مقبار اس کی قوت عملیہ کے جو بدن کے اندر منتشر ہوا ہے وہ حب لیتا ہے تو اس نور کا ایک شعبہ اس کے تمام قوی میں پہنچ جاتا ہے جس کے سبب سے ان قوایں میں ایسی برکات پیدا ہو جاتی ہیں جو ہر اسے حادث سے بالکل خلاف ہوتی ہیں ایسے وقت میں وہ فعل ایک خاص نسبت کے ساتھ خدا کے تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے **فلم یقتلواہم ولكن الله قتلہم وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمی** تم نے ان کو نہیں قتل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور تو نے جب پھینکا تو وہ تو نے نہیں پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ بعض آداب کے ترک کرنے سے مواخذہ کر کے اور آپ کی طرف بندہ کے رجوع کو قبول فرما کے اس کو متنبہ کر دیتا ہے جس طرح ان ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے مہمانوں کو مانوش کر دیا۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ یہ فعل شیطان کی طرف سے ہے۔ پھر امر بالمعروف و نہی عن المنکر نے رجوع کیا تو ان کے کھانے میں برکت ہوئی۔ اور انجملہ مقامات قرب کے دو مقام اور ہیں یہ مقام ان نفوس کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں ان مقامات کا جس ان نفوس پر ایسا پڑتا ہے جس طرح پانچ روشتی کا اس آئینہ میں پس پڑتا ہے جو ایک نعل ہونے سے سوراخ کے مقابل رکھا ہوا ہے پھر اس آئینہ کی روشنی کا جس دیواروں اور چہرے اور زمین پر پڑتا ہے یہ دو مقام بھی بمنزل صدیقیہ اور مدھیہ سے ہیں پھر اتنا ضرور فرق ہے کہ صدیقیہ اور مدھیہ کا نعل ان کے نفس کی قوت مدھیہ ہوتی ہے اور ان کا نعل قوت عملیہ ہوتی ہے جو قرب سے پیدا ہوتی ہے اور وہ دونوں شبید و داری کے مقام ہیں اور دونوں میں یہ فرق ہے کہ شبید کا نفس غصہ اور کدھر پر شدت اور دین الہی کی مدد حکومت کے مقامات میں سے کسی مقام سے قبول کر لیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کے اتمام لینے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہاں سے رسول پر اس ارادہ کا

نزول ہوتا ہے تاکہ وہ رسول اس انتقام میں اللہ تعالیٰ کے اسباب میں سے ایک سبب ہو پس ان لوگوں کے نفوس ایسے مقام سے اس ارادہ کو قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ محدثیت میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حواری وہ شخص ہوتا ہے جس کو رسول سے خالص محبت ہوتی ہے اور مدت دراز تک صحبت میں رہتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَابْنُ مَرْيَمَ** اللہ کے مددگار جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی طرف۔ بولے حواری ہم اللہ کے مددگار ہیں الخ اور آنحضرت ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری ہونے کی بشارت دی ہے اور شہید اور حواری کی کئی قسمیں اور شعبے ہیں ایک ان میں سے امین ہے اور ایک رفیق اور ایک نجیب ہے اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے فضائل میں ان امور میں سے بہت کچھ بیان کر کے مطلع فرمایا ہے اور حضرت طلحہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہر نبی کے لیے سات نجیب و رقیب ہوئے ہیں اور مجھ کو چودہ دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں تو طلحہ نے فرمایا میں اور میرے دونوں بیٹے اور زبیر اور حمزہ اور ابو بکر اور عمر اور مصعب بن عمیر اور بلال اور سلمان اور عمار اور عبداللہ بن مسعود اور ابو ذر اور مقداد۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ **لَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اثبت احد فانما عليك نبی او صديق او شهيد۔ اے احد ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر یا نبی ہے یا صديق یا شہید۔ اور جملہ احوال قلب کے سکر ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ نور ایمان اولیٰ عقل میں اور پھر قلب میں متحمل ہو کر دنیاوی معاملات کو دور کر دے۔ اور اس کے سبب سے انسان ان چیزوں کو پسند کرنے لگے جن کو انسان مجرائے طبیعت کے اعتبار سے ناپسند کرتا ہے پس وہ شخص اس شخص کے مشابہ ہوتا ہے جو نشہ کی حالت میں اور عقل و عادت کے طریقوں سے اس کا حال بدلا ہوا ہو جیسا کہ ابوالدرداء نے فرمایا ہے چونکہ مجھ کو اپنے رب کا اشتیاق ہے اس لیے موت مجھ کو بہتر معلوم ہوتی ہے اور چونکہ مرض کے سبب سے میرے کنبہ دور ہو جاتے ہیں اس لیے مرض مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محتاجی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع ہوتی ہے اس لیے محتاجی مجھ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور حضرت ابو ذر کے حالات میں مروی ہے کہ وہ بطبعہ مال کو برا جانتے تھے اور غنا و ثروت سے ان کو ایسی نفرت ہوتی تھی جس طرح کسی کو ناپاک چیزوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اور مجرائے عادات بشریہ کا یہ نہیں ہے کہ ایسی چیزوں سے محبت اور ایسی چیزوں سے نفرت ہو مگر ان پر یقین کا ایسا غلبہ تھا کہ مجرائے عادت سے باہر ہو گئے تھے اور جملہ احوال قلب کے ایک غلبہ ہے اور غلبہ کی دو قسمیں ہیں ایک اس خوابش کا غلبہ ہے جو نور ایمانی کے قلب میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اس نور اور ہبات قلبی کے نکلنے سے جھاگ کے طور پر خوابش بن جاتا ہے جس کے مقتضی سے رکنا اس شخص کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ خواہ وہ خوابش مقصود شرعی کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ شرع بہت سے مقاصد پر مشتمل ہے جن کو اس مومن کا قلب احاطہ نہیں کر سکتا پس بسا اوقات اس شخص کے قلب پر مثلاً رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع نے بعض مواضع میں اس سے نبی فرمائی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ **وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ** اور نہ پکڑے تم کو ان دونوں کے ساتھ اللہ کے دین میں نرمی اور بسا اوقات اس کے قلب پر بغض کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع کو بعض مواضع میں مہربانی کرنی مقصود ہوتی ہے مثلاً اہل ذمہ میں اس غلبہ کی مثال وہ ہے جو حدیث شریف میں ابولہب بن

منذر سے مروی ہے کہ جب سعد بن معاذ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کو اتارنا چاہا تو بنی قریظہ نے ابی لبابہ سے مشورہ کیا ابی لبابہ نے اپنے ہاتھ سے صقلم پر اشارہ کیا جس سے ذبح ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر وہ اس بات سے تادم ہوئے اور ان کو یقین دہایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے پھر وہ اسی حال میں چلے اور مسجد میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اس فعل کی توبہ نہ قبول کرے گا یہاں سے نہ ہنوں گا۔ اور حضرت عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حمیت اسلام ان پر اتنی غالب ہوئی کہ رسول خدا ﷺ پر اعتراض کر بیٹھے یعنی جب آپ نے حدیبیہ کے سال مشرکین سے مصالحت چاہی تو حضرت عمرؓ پھر پڑے حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی منہ کے پاس آ کر کہنے لگے کیا اللہ کے رسول نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا ہم مسلمان نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں پھر انہوں نے کہا کیا وہ شرک نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں ہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم اپنے دین میں دنائت کو کیونکر گوارا کر سکتے ہیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا اے عمرؓ میرا رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اپنے اوپر لازم پکڑ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں پھر ان پر اس حالت کا غلبہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور آپ سے بھی عرض کیا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کیا تھا اور آپ نے وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کی مخالفت نہ کروں گا۔ اور ہرگز وہ مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے اس دن سے میں نے اپنے اس کلام کے خوف کے سبب سے برابر روزہ رکھنا اور صدقہ دینا اور آزاد کرنا اور نماز پڑھنا شروع کیا حتیٰ کہ مجھے خیریت کی امید ہوئی۔

اور ابو طلحہؓ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ کے انہوں نے پچھنے لگائے تو آپ کا خون مبارک پی گئے حالانکہ شریعت میں یہ امر ممنوع ہے لیکن ان سے غلبہ کی حالت میں ایسا ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو معذور رکھا کہ تو نے آگ سے بہت روک کر لی۔ اور ایل غلبہ اور ہے جو اس غلبہ سے زیادہ جلیل القدر اور زیادہ تر کامل ہے اور وہ خواہش الہی کا غلبہ ہے جو اس کے قلب پر نازل ہوتی ہے اور اس کے تقاضی کو پورا کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا اور اس غلبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بعض مقامات قدسیہ سے اس نے قوت ملیا ہے پر علم الہی کا فیضان ہوتا ہے نہ قوت عقلیہ پر اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو نفس انبیاء علیہم السلام کے نفس سے مشابہت رکھتا ہے جب اس میں علم الہی کے فیضان کی استعداد ہوتی ہے تو اگر اس کی قوت عقلیہ کو قوت عملیہ پر سبقت ہوتی ہے تب وہ علم راست والہام ہوتا ہے اور اگر قوت عملیہ کو قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم ارادہ یا غرت ہوتا ہے اس کی مثال وہ ہے جو بدر سے قلعہ میں محصور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعا میں مباہلہ لیا حتیٰ کہ آپ نے دعا میں کہا ”میں تیرے عہد اور وعدہ کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ بار خدا یا اے ارحم الراحمین“ اتنا کہنے پائے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا بس رہنے دیجیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے چلے ”سنبھزم الحفص وبنوئوں الذنر“ یعنی کفار کی جماعت بے گامی جائے گی اور نبیہؓ میرا یں گے۔ اس سے یہ ظنی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ میرے دل میں اللہ کی طرف سے نواہش پیدا ہوئی کہ آنحضرت ﷺ وہ دعا میں مباہلہ کرنے سے روکیں اور اس سے باز رہنے کی رغبت دلائیں اور آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی فراست

سے اس بات کو معلوم کر لیا کہ یہ خواہش اللہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے فتح کے طالب ہو کر اس آیت کو پڑھتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی کی موت کے بیان میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں لوٹ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس دن ایسا کہا تھا اور اس دن ایسا کہا تھا حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ مجھ کو چونکہ اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اختیار کر لیا اور آپؐ نے اس کی نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی **وَلَا تُضِلُّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مِّمَّا تَابُوا** ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی تو اس کی نماز مت پڑھ۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھے اپنے اوپر اور رسول اللہ ﷺ پر اپنی جرات کرنے سے حالانکہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ واقف تھے تعجب آتا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں قسم کے غلبوں کا فرق خوب انکشاف کے ساتھ بیان کر دیا ہے یعنی غلبہ اول میں اپنے آپ کو برابر روزے رکھنے اور صدقہ کرنے اور آزاد کرنے اور نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ اور غلبہ ثانیہ میں یہ فرمایا کہ مجھے اپنے حال اور اپنی جرات پر تعجب ہوا۔ ان دونوں کلمات میں جو کچھ فرق ہے دیکھنا چاہیے اور از انجملہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کا ماسوا پر اختیار کرنا اور اس کے موانع کا دور کرنا اور جو چیزیں اس کو طاعت الہی سے روکتی ہیں ان سے بیزار ہونا جیسا کہ ابو طلحہؓ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ ایک کیوتر جنگلی اڑا اور ادھر ادھر اس نے اڑنا شروع کیا مگر درختوں کی ٹہنیاں اور پتے اس قدر گنجان تھے کہ اس کو باہر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا یہ بات ان کو بہت اچھی معلوم ہوئی اور اس خیال میں ان کو رکعتوں کی تعداد نہ یاد رہی تو انہوں نے اس باغ کا صدقہ کر دیا اور از انجملہ خوف کا غلبہ ہے جس کے سبب سے آدمی کو روٹنا آ جائے اور اس کا بدن تھرانے لگے اور آنحضرت ﷺ نے ان سات شخصوں کے بیان میں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ کے نیچے اس دن کو بجز اس کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہو گا داخل کرے گا فرمایا ہے۔ **وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ تَعَالَىٰ خَالِيًا فَصَاحَتْ عَيْنَاهُ** اور وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو خلوت میں یاد کیا اور اس کی آنکھیں بھرا کیں: **لَا يُلْجُ النَّارُ رَجُلًا بَكِيَ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ** جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہے آگ میں نہ جائے گا جب تک کہ دودھ پستان میں لوٹ نہ آئے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ بڑے رونے والے شخص تھے جب قرآن پڑھتے تھے ان کی آنکھیں ان کے اختیار میں نہ رہتی تھیں۔ جیسر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو جب یہ آیت پڑھتے سنا **أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ** پس گویا میرا دل ڈر گیا اور وہ مقامات جو نفس کو نور ایمان کے اس پر غالب ہونے اور اس کی صفات حسیہ و صفات فاضلہ کے بدلنے کے اعتبار سے حاصل ہوتے ہیں ان میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ نور ایمانی اس عقل سے منور ہوتا ہے کہ وہ رہے ہیں نازل ہو کر قلب کی طرف آتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ از دواج اور اتصال پیدا کر کے ان سے ایک منہ پیدا ہوتا ہے جو نفس پر غالب ہو جاتی ہے اور اس پر سوار ہو کر اس کی باگیں پکڑ لیتی ہے پھر ان دونوں سے آئندہ زمانہ میں معاصی چھوڑنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ عزم نفس پر غالب ہو کر شرع کے اوامر و نواہی سے اس کو مطلع کر دیتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ** اور لیکن جس کسی نے اپنے رب کے سامنے کھڑے

ہونے کا خوف کیا اور نفس کو خواہش سے روکا پس باشبہ جنت میں ہی اس کا ٹھکانہ ہو گیا میں کہتا ہوں اللہ پاک کا یہ قول من خوف عیش کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر اس نور کے قلب کی طرف نازل ہونے کا بیان ہے اس لیے کہ خوف کے لیے ایک ابتدا اور انتہاء ہے ابتدا تو اللہ تعالیٰ سے خوف اور اس کے غلبہ کا معلوم کرنا ہے اور اس کا محل عقل ہے اور اس کا منتہی پریشانی اور اضطراب اور دہشت اور اس کا محل قلب ہے اور (وہی النفس) سے اس نور سے جو قوت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو رہا ہے نفس کی طرف نازل ہونے اور اس پر غالب ہونے اور اس کو روکنے اور پھر اس کے ماتحت نفس کے مغلوب اور مقبور ہو جانے کا بیان ہے پھر عقل سے دوسری مرتبہ نور ایمانی کا نزل قلب کی طرف ہوتا ہے اور دہشت قلبی کے ساتھ ازدواج و اتصال پیدا کر کے ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا پیدا ہوتی ہے اور وہ استغفار اور توبہ کا باعث ہوتی ہے اور استغفار کے سبب سے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

ان المومن اذا اذنب الخ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تب تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بچیل کر قلب کے اوپر چھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے جو ان کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے **کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ** میں کہتا ہوں وہ نقطہ سیاہ نہایت کی ظلمتوں میں سے ایک ظلمت کا ظاہر ہوتا اور انوار ملکیت میں سے ایک نور کا روشن ہوتا ہے اور اس نقطہ کا صاف ہونا ایک روشنی ہے کہ نور ایمانی سے اس کے نفس پر فائز ہوتی ہے اور ران بہمت کے غالب ہونے اور ملکیت کے بالکل پوشیدہ ہو جانے کا نام ہے پھر بار بار نور ایمانی کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور بار بار نفسانی وساوس دور ہوتے رہتے ہیں یعنی جب نفس کے اندر کسی گناہ کا سوا پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابل میں ایک نور بھی نازل ہوتا ہے جو اس باطل کو محو کرتا رہتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

ضرب الله مثلا صراطا مستقيما و عن جنبی الصراط سوران فیہما ابواب مفتحة الخ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ کے یمن و بایں دو دیواریں ہیں اور ان دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازہ ہیں اور ان پر پردہ چھوئے ہوتے ہیں اور اس راستہ کے شروع میں ایک شخص پکارنے والا ہے جو کہتا ہے راستہ پر سیدھے سیدھے چلو اور نیچے مت چلو اور اس نے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے کہ جو کوئی شخص ان دروازوں میں سے آنے کے لیے کھولنے کا قصد کرتا ہے وہ پکارنے والا یہ آواز دیتا ہے افسوس اس دروازے کو تو مت کھول اس کو کھولا تو تو اس میں جا پڑے گا پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی تفصیل لی اور بیان کیا کہ وہ راستہ تو اسلام ہے اور وہ کھلے ہوئے دروازے اللہ کے محارم ہیں اور وہ پردے چھوئے ہوئے ہیں وہ دروازے الہی ہیں اور راستہ کے شروع پر جو پکارنے والا ہے وہ قرآن عظیم ہے اور اس کے آگے جو اور پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے جو ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ اس راستہ میں دو دروازے ہیں ایک تو راستہ کے شروع پر اور وہ قرآن اور شریعت ہے کہ ہمیشہ بندہ کو راہ راست کی طرف ایک رفتار و روش سے چارتے ہیں اور ایک الہی اس پکارنے والے سے ہے جو ہر وقت اس کی نگرانی رکھتا ہے یعنی جب وہ نفس کی گناہ کا قصد کرتا ہے تو وہ الہی اس پر چلا اٹھتا ہے اور یہ الہی وہی ہوتا ہے جو قلب سے اٹھتا ہے اور دہشت قلبی اس نور سے جو عقل منور و ایمانی کی جانب سے قلب پر فائز ہے پیدا ہوتا ہے اور اس کا حال اس صلی کے ساتھ ہے جو بار بار پھر سے چمکتا ہے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے

بعض بندوں پر یہ مہر ہوتی ہے کہ ایک لطیفہ نہیں پیدا کر دیتا ہے جو اس شخص کے اور اس کی مصیبت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یہ لطیفہ غیبیہ وہی برہان ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ اور البتہ زلیخا نے یوسفؑ کا اور یوسفؑ نے زلیخا کا قصد کیا اگر نہ دیکھتا برہان اپنے رب کی یہ سب مقام تو بہ ہے اور سبب تو بہ کا مقام کامل ہو جاتا ہے اور نفس کے اندر وہ ایک ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کے پیش نظر رکھنے سے اس شخص کے قوی مضحمل رہتے ہیں اور کسی چیز سے اس میں تغیر نہیں آتا اور اس کا نام حیا ہے اور لغت میں حیا کے معنی نفس کے ان چیزوں سے باز رہنے کے ہیں جن کو عادت کے اعتبار سے لوگ معیوب جانتے ہیں مگر شرع نے لغت سے نقل کر کے حیا اس ملک کیہ کا نام رکھا ہے جو نفس کے اندر راسخ ہو جس کے سبب سے آدمی اللہ تعالیٰ کے روبرو ایسا ٹھہرتا ہے جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور اس کے سبب سے ان خواطر کی جن کو مخالف چیزوں کی طرف میان ہے تا بعد ازیں نہ کرے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ پھر آپؐ نے حیا کی تفسیر فرمائی اور فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے کامل حیا رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے سر اور جو چیزیں سر کے اندر ہیں ان کی حفاظت کرے اور اپنے شکم اور ان چیزوں کی جو اس میں ہیں حفاظت کرے اور مر جانے اور وسیدہ ہو جانے کو یاد رکھے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے دنیا کی زینت کو چھوڑ دے جس شخص نے ایسا کیا وہ اللہ تعالیٰ سے پوری حیا رکھتا ہے میں کہتا ہوں عرف میں کبھی اس انسان کو حیا دار کہہ دیتے ہیں جو بسبب اپنے ذوق حیا کے بعض افعال سے اجتناب کرتا ہے اور کبھی صاحب مروت آدمی کو جو ایسی باتوں کا مرتکب نہ ہو جس سے لوگوں میں اس کا تہ چاہیے مرتکب نہیں ہوتا حیا دار کہہ دیتے ہیں۔ مگر ان دونوں شخصوں کو اس حیا سے جو مقامات میں شمار کی جاتی ہے کچھ حصہ نہیں ہے۔ پس آنحضرتؐ نے معنی مقصود ان افعال کے تعیین سے جو حیا سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے جو اس کی حالت ہوتی ہے اور اس کے مجاہد سے جو اس کو عادات لازم ہوتا ہے بیان فرمادیا پس آپؐ کا یہ فرمانا کہ وہ شخص اپنے سر کی حفاظت کرے الخ ان افعال کا بیان ہے جو اس حیا کے ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں جو مخالف چیزوں کے ترک کرنے کے قبیلہ سے ہے اور یہ فرمانا کہ وہ موت کو یاد کرے یہ نفس کے اندر حیا کے استقرار کا سبب بیان فرمایا ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اس میں حیا کے مجاہد یعنی زہد کا بیان ہے۔ کیونکہ حیا زہد سے خالی نہیں ہوتا پس جب حیا انسان کے اندر قرار پا جاتی ہے تو نور ایمان بھی عقل سے قلب پر نازل ہوتا ہے اور جہات قلبی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے بعد ازاں نفس کی طرف نازل ہو کر تمام شبہات سے اس کو روک دیتا ہے اور اسی کا نام سورج ہے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے الْحَالَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ الْغَدِیَّتِ حَالَالٌ بَيْنَ ظَہِرٍ ہے اور حرام بھی ظاہر ہے ان کے مابین مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا سامان اور دین بچالیا اور جو شخص مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا اور فرمایا ہے دَعِ مَا يَرْيَبُكَ فَإِنَّ الصَّدَقَ طَمَانِيَةً وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ جو چیز تجھ کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر جو شک میں نہ ڈالے کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے اور نیز فرمایا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدَانِ يَكُونُ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدْعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ خَطَرًا لِمَا بِهِ بَأْسٌ بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک ان چیزوں کو جن میں کچھ مضائقہ نہیں ان چیزوں کے خوف سے جن میں مضائقہ ہے نہ چھوڑ دے میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں دو وجہ متعارض ہو جاتی

ہیں ایک وجہ اباحت کی ہوتی ہے ایک وجہ تحریم کی یا قویہ تعارض شریعت سے اس مسئلہ کے اصل مآخذ میں ہوتا ہے جیسے دو حدیثیں یا دو قیاس متخالف ہوتے ہیں یا یہ تعارض سادہ کی صورت کے اس اباحت و تحریم کے حکم کے ساتھ جو شریعت میں ثابت ہوا ہے مطابق کرنے میں ہوتا ہے پس ایسے وقت میں بندہ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کے ترک کرنے اور ایسی چیز کے اختیار کرنے سے جس میں شبہ نہیں ہے صاف ہوتا ہے اور جب ورع کی صفت ثابت ہو جاتی ہے تو نور ایمان کا بھی ظہور ہوتا ہے اور جہالت قلبی کے ساتھ وہ نور قلوب ہو جاتا ہے اور پھر جو چیزیں حاجت سے زیادہ ہیں ان میں مشغول ہونے کی قیاحت اس کو خود ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ وہ چیزیں اس شخص کو اس کے مطلوب سے رکتی ہیں پھر اس نور کا نفس کی طرف نزول ہوتا ہے اور ایسی چیزوں کی طرف سے نفس کو روک دیتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنى** آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ میں کہتا ہوں ماسوا کے ساتھ مشغول ہونے سے نفس کے آئینہ میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جن چیزوں سے زندگی میں چارہ نہیں ہے اگر اس نیت سے کہ وہ چیزیں منزل مقصود تک اس کو پہنچانے والی ہیں ان میں مشغول ہو تو اس سے ایسے معافی ہے اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں ہیں تو اللہ کا واعظ جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے ان سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الزهادة في الدنيا ليس بتحريم الحلال الخ** کہ دنیا کا زہد نہ حلال کے حرام کرنے کا نام ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے کا بلکہ دنیا کا زہد اس سے عبارت ہے کہ جو چیز تیرے پاس ہے اس کا تجھ کو اس چیز سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جو اللہ تعالیٰ سے پاس ہے اور یہ کہ جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی طرف اگرچہ وہ مصیبت باقی رکھی جائے تجھ کو مرغوب ہو۔ میں کہتا ہوں زہد کو کبھی دنیا میں ایسا غلبہ حاصل ہوتا ہے جو ایسے عقائد و افعال پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ عقائد و افعال شرع سے اندر نہ ہوں ہیں ان عقائد و افعال سے جو تمہارا نہیں ہیں پھر آنحضرت ﷺ نے زہد کے مواضع میں سے بیان کیا ان کو جو شرع میں محمود ہیں اور جو غیر محمود ہیں پس جب کسی شخص پر حاجت سے زیادہ چیزوں میں مشغول ہونے کی قیاحت ظاہر ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے وہ ایسا بیزار ہو جاتا ہے جس طرح اپنے مقتضائے طبع کے اعتبار سے ضرر رسان چیزیں اس کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں اس کے سبب سے بسا اوقات وہ شخص ان چیزوں میں تعلق کرنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ ظاہر شرع کے اعتبار سے اللہ اس سے عائدہ لے گا اور یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ شرع ملہائے بشری کے دستور کے موافق نازل ہوئی ہے اور زہد ایک قسم کا طبیعت ہے یہ سے باہر نہ جاتا ہے بلکہ وہ خاص اس کے نفس کے لیے نظر اس کے مقام کی تکمیل کے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور وہ تکلیف شریعی نہیں ہوتی اور بسا اوقات ایسی حالت میں وہ شخص اپنے مال کو ضائع کر دیتا ہے یا دریاؤں اور پہاڑوں پر پھینک دیتا ہے اور یہ ایسا غلبہ ہے کہ شرع سے اس کی سست نہیں اور نہ شرع نے اس غلبہ کو کام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے بلکہ شرع نے اس کام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے اور اس شخص کو ہنوز حاصل نہیں ہوئی ہے تو وہ شخص اس کے طالب کرنے کی زحمت نہ اٹھائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد کرے جو دنیا میں اس چیز کے پہنچنے اور آخرت میں ثواب سے ملنے کا ایسا وعدہ ہے کہ جو چیز اس کے پاس سے ضائع ہو جائے اپنا دل اس کے پیچھے نہ لگائے اور نہ اس سے لپکے اس سے بدلہ اللہ تعالیٰ نے سابرین اور فقراء کے لیے جو وعدہ فرمایا ہے اس پر یقین لے اور معلوم کر کہ نفس کی جہالت

میں عیثوں کی طرف میان داخل کیا گیا ہے جب تک نور ایمانی کا اس میں ظہور نہ ہو ہمیشہ وہ اپنی فطری حالت میں قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي** اور میں نہیں بری کرتا ہوں اپنے نفس کو پھر بلاشبہ نفس برائی کا حکم کرتا ہے مگر جو میرا پروردگار رحم کرے پس مومن تمام عمر اپنے نفس کے ساتھ نور الہی کے اتارنے میں مجاہدہ کرتا رہتا ہے اور جب کوئی نفسانی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے جلال اور عظمت اور فرمانبرداروں کے لیے ثواب اور نافرمانوں کے لیے جو عذاب مقرر کیا ہے اس کو یاد کرتا ہے اس سبب سے اس کے قلب و عقل میں حق کا خطرہ پیدا ہوتا ہے اور باطل کے خطرہ کو دور کر کے **كَانَ لِمَ يَكُنْ** کر دیتا ہے مگر عارف میں اور سر نو تو پہ کرنے والے میں فرق عظیم ہے اور آنحضرت ﷺ نے دونوں خطروں کی مدافعت اور خطرہ حق کا خطرہ باطل پر غلبہ اور اس نفس مطمئنہ اور اس عقل کے آداب کے ساتھ مؤدب ہے جو نور ایمانی سے منور ہو رہی ہے تو اس نفس کا حق کے تابع ہونا اور اگر نفس عاصی اور منکر ہے تو اس کی سرکشی کا بیان بخل اور جود کے مسئلہ میں دورا ہوں کے ساتھ جو ایک تنگ اور دوسری ٹھیک ٹھیک ہے بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ بخل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو لوہے کی زر میں پہنے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھ سینہ اور گردن کی طرف سکرے ہوئے ہیں پس صدقہ کرنے والا جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو وہ زرہ پھیل جاتی ہے اور بخل جب صدقہ کرنے کا قصد کرتا ہے تو وہ زرہ تنگ ہو جاتی ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے میں کہتا ہوں جس شخص کا نفس جبلت یا کسب کے اعتبار سے مطمئنہ ہوتا ہے اور حق کا خطرہ ظاہر ہوتے ہی اس کے نفس پر غالب اور اس کا مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص کا نفس نافرمان اور منکر ہوتا ہے تو حق کا خطرہ اس میں مؤثر نہیں ہوتا بلکہ اس سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عقل کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر نفس پر اس کے نور کے فیض کا بیان اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے **إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ** متقی لوگوں کو جب شیطان کی طرف سے پھرنے والا چھو جاتا ہے تو ہوشیار ہو جاتے ہیں پھر ناگاہ ان کو سوجھ ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں شہوت نفسانی کے روزن سے شیطان کو انسان کے باطن پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں معصیت کی خواہش پیدا کر دیتا ہے پھر اس شخص کو اپنے پروردگار کا جلال یاد آ جاتا ہے اور اپنی گردن اس کے روبرو جھکا دیتا ہے تب تو اس شخص کی عقل میں نور پیدا ہوتا ہے اس کا نام ابصار ہے پھر وہ نور قلب و نفس کی طرف ہو کر اس خواہش کو دور کر دیتا ہے اور شیطان کو دفع کر دیتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے **وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ وأولئک ہم المفلحون میں کہتا ہوں اللہ خطرہ حق کی طرف اشارہ ہے اور صلوات من ربہم ورحمۃ میں ان برکات کی طرف اشارہ ہے جو مہر سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نفس کی نورانیت اور اس کو تشبیہ بالسلکوت کا حاصل ہونا اور اللہ پاک فرماتا ہے **مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ** الآیۃ اور نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے قلب کو ہدایت دیتا ہے میں کہتا ہوں باذن اللہ میں تقدیر کی طرف اشارہ ہے اور **مَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ** میں عقل سے قلب و نفس کی طرف خطرہ ایمانی کے نازل ہونے کا اشارہ ہے اور منجملہ احوال نفس کی نیبت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو اپنی خواہشوں سے غیبت ہو جائے جیسا کہ عامر بن عبد اللہ

نہتے ہیں مجھ پر وہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو اور اہم اوزاعی سے کسی نے کہا کہ ہم نے تمہاری باندی زرق / بازار میں دیکھا انہوں نے فرمایا کیا وہ زرق تھی اور منجملہ احوال نفس کے بحق ہے اور وہ اس حالت کا نام ہے کہ آدمی کو کھانے اور پینے کا اتنی مدت تک وحیان نہ رہے کہ مادہ ناپسند نہیں ہوتا اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے نفس کو عقل کی جانب توجہ ہوتی ہے اور نورانی سے اس کی عقل ابیز ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ نفس کی طرف اللہ کے نور کا نزول ہوتا ہے اور وہ نور اس کے لیے خور و نوش کے قائم مقام ہو جاتا ہے چنانچہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے میرا حال تمہارا سا نہیں ہے میں اپنے پروردگار کے پاس شب و روز رہتا ہوں وہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور معلوم کرو کہ قلب عقل و نفس کے مابین ہے اس لیے تسامح کے طور پر تمام مقامات یا اکثر مقامات و قلب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ بہت سی آیات و احادیث میں یہ استعمال میں آیا ہے پس یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور معلوم کرو کہ نفس بھی اور قلب بھی کی خواہشوں میں سے ہر قسم کی خواہش کے ساتھ نور ایمانی کو جو مدافعت ہوتی ہے اس کا نام جدا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے نام اور اس کے وصف پر مطلع فرمایا ہے پس جب عقل کو خواطر حق سے روشن ہونے کا مادہ اور نفس کو ان خواطر کے قبول کرنے کا مکہ ہو جاتا ہے تو وہ ایک مقام کہلایا جاتا ہے مثلاً اگر پریشانی کے دفع کرنے کا مادہ ہوتا ہے تو اس کا نام مصیبت پر صبر کرنا ہوتا ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اور آرام اور فراغت کے مدافعت کے مکہ کا نام اجتہاد ہے اور صبر بر اطاعت ہے اور حدود شرعیہ کی مخالفت کی خواہش کے ساتھ موافقت کرنے کا مکہ خواوہ مخافت بطور کابلی کے ہوا ان مددوں سے اللہ اولی طرف میان کے اعتبار سے ہو بہر حال اس مکہ کا نام تقویٰ ہے اور کبھی تقویٰ کا اطلاق الطائف ثلاثہ کے تمام مقامات بلکہ ان اعمال پر بھی آتا ہے جو ان مقامات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی اخیر استعمال کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے **هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** اور حرص کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے مکہ کا نام قناعت ہے اور ثبوت کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے مکہ کا نام تانی ہے اور غصہ کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے مکہ کا نام حلم ہے اور اس کا مقام قلب ہے اور ثبوت فنی کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے مکہ کا نام عفت ہے اور زبان زوری اور بیہودہ کلام کی خواہش کے ساتھ مدافعت کا نام صمت اور ملی ہے۔ اور غابہ کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے مکہ کا نام فہم ہے اور محبت و عداوت وغیرہ میں تلون کی خواہش کی مدافعت کے مکہ کا نام انتقام ہے اور اس کے علاوہ بہت سے دوائی و خواہشیں ہیں اور ان کی مدافعتوں کے نام جدا جدا ہیں اس کتاب کے فن اخلاق میں ان سے بحث کی جائے گی۔



طلبِ رزق کے ابواب کا بیان

معلوم کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی روزی مقرر کی اور زمین کی پیداوار سے ان کے لیے انتفاع مباح کیا تو اب ان میں حرص و نزاع واقع ہوا اس وقت میں اللہ پاک کا حکم یہ ہوا کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے اس چیز میں جو اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے مزاحمت نہ کر سکے خواہ وہ اختصاص اس لیے ہو کہ اوروں سے پیشتر اس شخص نے یا اس کے مورث نے اس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے ہو جس کا لوگوں میں اعتبار ہے بجز تبادلہ یا باہمی رضامندی کے جس کا مدار علم ہو فریب و دھوکہ کا اس میں دخل نہ ہو اور نیز چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور ان کی روزی بغیر معاونت کے قائم نہیں ہوتی اس لیے اللہ کی طرف سے معاونت کے واجب ہونے کا حکم نازل ہوا کہ ان میں سے کوئی بدون حاجت ضروری سے خالی نہ ہو اس چیز سے جس کو تمدن میں دخل ہے اور نیز اصل ذریعہ اصول مباحہ کا جمع کرنا یا اموال مباحہ کی مدد سے اس مال کا بڑھانا جیسے چرانے سے مویشی کی نسل کا بڑھانا اور زمین کی اصلاح اور پانی دینے سے زراعت کرنا اور اس میں یہ شرط ہے کہ بعض لوگ بعض پر تنگی نہ کریں جس سے تمدن کا فساد لازم آئے لوگوں کے مال کا معاش سے بڑھنا ایک ایسی چیز ہے کہ بجز اس کے شہر کے حال کا قائم رہنا یا تو ناممکن ہے یا دشوار ہے مثلاً ایک شخص ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کا مال لاتا ہے اور ایک مدت معین تک اس مال کی حفاظت کرتا ہے اور ایک شخص اپنی کوشش و عمل سے دلالی کرتا ہے اور کوئی شخص مال کے اندر ایک جدید اور پسندیدہ صفت پیدا کرتا ہے اور لوگوں کے مال کی اصلاح کرتا ہے پس اگر مال کا بڑھانا اس ذریعہ سے ہو کہ اس میں لوگوں کی معاونت میں دخل نہ ہو جیسے قمار بازی یا باہمی رضامندی سے ہو جس میں مجبور ہونے کے معنی پائے جاتے ہوں جیسے سود میں کیونکہ آدمی تنگ دست ہو کر اپنے اوپر اس چیز کو لازم کر لیتا ہے جس کا ایذا نہیں کر سکتا اور اس کی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہے پس یہ عتود اسباب صالحہ اور پسندیدہ عتود کے قبیلہ سے نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدنیہ کے اعتبار سے یہ عتود باطل اور حرام ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مَنْ أَحْبَبَ أَرْضًا مَبْنِيَّةً فَهِيَ لَهُ** جو شخص کسی بنجر زمین کو بنائے پس وہ اسی کی ہے میں کہتا ہوں اس کی اصل وہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ سب اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور فی الحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا ہے لہذا لوگوں میں حرص پیدا ہوئی اور اس وقت میں یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ کوئی شخص جس نے با کسی ضرر پہنچائے ایک چیز پر قبضہ کر لیا ہے اس سے وہ چیز نہ چھینی جائے اور جب ایک شخص بنجر زمین کو جو شہروں اور نہ شہروں کے گرد ہے آباد کرے تو وہ شخص سب سے پیشتر اس کا قابض ہوا اور کسی کی ضرر رسانی بھی اس نے نہیں کی پس اس شخص سے اس زمین کو نکال لینا نامناسب ہے اور تمام زمین فی الحقیقت بمنزلہ مسجد یا رباط کے ہے جو مسافروں کے لیے وقف کی جاتی ہے اور سب مسافر لوگ رباط میں شریک ہیں اور ہر قدم کو اپنے مؤخر پر قدم ہے اور آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ بہ نسبت دوسرے کے انتفاع کا وہ شخص سزاوار ہے اور آنحضرت صلی اللہ

ماریہ وسلم نے فرمایا ہے عادی الارضی للہ ورسولہ ثم ہی لکم منی۔ عادی زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے لیے ہے معلوم کرو کہ عادی زمین اس زمین کو کہتے ہیں کہ جس کے باشندے ہلاک ہو جائیں اور کوئی شخص دعویٰ اور منی نعمت اور اپنے مورث کے سبب سے بیشتر قبضہ کے ساتھ حجت کرنے والا باقی نہ رہا ہو پس ایسی حالت میں اس زمین سے بنی آدم کی ملکیت قطع ہوگئی اور وہ زمین خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہوگئی اور اس کا حکم اس زمین کا سا ہو گیا جو کبھی آباد نہیں ہوئی اس لیے کہ ملک کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا حمی الا للہ ورسولہ کہ چہ اگاہ بجز اللہ اور اس کے رسول کے کسی کی نہیں میں کہتا ہوں چونکہ گھاس کے رکھانے میں لوگوں پر تنگی اور ظلم اور ضرر رسانی ہے لہذا اس سے نفی کی گئی اور آپ اس سے اس لیے مستثنیٰ کیے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میزان عدل عطا فرمائی تھی اور اس بات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ کیا ہے کہ کوئی ناجائز بات آپ سے صادر ہو اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن امور کا معنی احتمالات غالبہ پر ہوتا ہے ان سے آپ کی ذات مبارک مستثنیٰ ہوتی ہے اور جن امور کا معنی تہذیب نفس وغیرہ پر ہوتا ہے وہ امور آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر برابر لازم ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے میل مہروز میں یہ حکم دیا کہ جب تک نٹنوں تک پانی پہنچے روک لیا جائے پھر اوپر والا نیچے والے کو چھوڑ دے اور زبیر مہز کے معنی نعمت کے قصہ میں یہ فیصلہ کیا کہ اسے زبیر مہز پہلے تو اپنی زمین کو پانی دے لے پھر اس کو یہاں تک روک لے کہ دیواروں کی جز تک آجائے پھر اپنے جار کے لیے چھوڑ دے میں کہتا ہوں کہ اصل اس میں یہ ہے جب ایک مباح چیز میں لوگوں کے حقوق بہ ترتیب متحقق ہوئے ہیں لہذا اولاد بے کہ ہر شخص کے لیے جو کم از کم معتد بہ فائدہ حاصل ہو سکے اس کی مقدار میں بھی ترتیب کی رعایت لی جائے کیونکہ اگر قریب کو مقدم نہ کیا جائے تو اس پر حکم و ضرر رسانی ہے اور اگر درجہ بدرجہ ہر شخص کا مل طور سے فائدہ نہ حاصل رہے تو حق نہیں حاصل ہوتا اس اصل کے موافق اس حد تک پانی کے روکنے کا حکم دیا کہ نٹنوں تک آجائے اور نٹنوں تک اور جز دیوار تک قریب قریب ہے کیونکہ وہ دیوار تک پہنچنے کی شروع حد ہے اور جب تک پانی نٹنوں سے نیچے ہے اس کو زمین جذب کر سکتی ہے اور دیواروں تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور ایک مرتبہ آپ نے انیس بن حمال ماری کو تک جو مارب میں تھا عطا فرما دیا پھر کسی نے آپ سے عرض کیا آپ نے تو اس کو بے انتہا مال عطا فرما دیا راوی کہتا ہے کہ آپ نے پھر اس سے واپس لے لیا میں کہتا ہوں بلا شک جو ایک کھلی ہوئی کان ہے اور اس میں بہت منت لی حاجت نہیں ہے مسلمانوں میں سے ایک شخص کے لیے اس کے عطا کرنے میں ان کو ضرر رسانی اور تنگ کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے کسی نے لفظ لی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا اس کے طرف اور دہانہ بند کو شائستہ کرنا پس اگر اس کا مالک آجائے تب تو ہتہ ہے ورنہ تجھے اس کا اختیار ہے پھر اس نے عرض کیا کہ پھر کم شدہ بکری کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ تیری ہے یا تیرے بھائی مسلمان کی ہے یا ہمیشہ یہی ہے پھر اس نے عرض کیا کہ کم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا اس سے تجھ کو لیا۔ طلب ہے اس نے ساتھ اس کی دھک لٹنی پٹیا اور اس کے قدم ہیں پانی پنے کا اور درختوں کو مٹائے گا یہاں تک کہ اس کو اس کا مال مل جائے اور حضرت جابر نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کی نیزی اور کوزے اور رسی وغیرہ کی اجازت دی ہے کہ کوئی اس کا اٹھارنہ حاصل کر سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ معلوم رو لفظ کا حکم ایسی چیز سے مانوڑ ہے جس میں چیزوں سے ان کا مالک مستثنیٰ

ہو اور ان کے گر جانے کے بعد وہ لوٹ کر نہ آئے یعنی حقیر چیز ہو تو اس کا ملک میں داخل کر لینا جائز ہے بشرطیکہ اس بات کا گمان غالب ہو کہ اس کا مالک وہاں موجود نہیں ہے اور نہ لوٹ کر وہاں واپس آ سکتا ہے کیونکہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کی ملک میں داخل ہو کر مباح ہو گئی اور اگر کسی قدر قیمتی چیز ہے جس کی انسان جستجو کرتا ہے اور اس کے تلاش کرنے کو واپس آ جاتا ہے تو ایسی چیز کا اعلان کرنا ضروری ہے چنانچہ ایسی چیزوں کی شناخت کرانے اور اعلان کرنے کا دستور جاری ہے اس وقت تک کہ اس کے مالک کے واپس نہ آنے کا گمان غالب ہو جائے اور گرم شدہ بکری وغیرہ کا پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اس نے اگر اس کو نہ پکڑا تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے اور اونٹ وغیرہ کا پکڑنا مکروہ ہے اور معلوم کرو کہ ہر مبادلہ میں چند باتیں ضرور ہوتی ہیں ایک تو عاقدین اور ایک عوضین اور ایک وہ چیز جو عاقدین کے اس مبادلہ سے راضی ہونے پر ظاہری دلیل ہوتی ہے جو ان کے منزعہ کو قطع کرنے والی اور عاقدین پر عقد کو لازم کرنے والی ہوتی ہے عاقدین میں یہ شرط ہے کہ وہ دونوں آزاد و مائل و نفع و نقصان کے پہچاننے والے اور اس عقد کو بصیرت اور ثبات کے ساتھ کرنے والے ہوں اور عوضین میں شرط ہے کہ وہ دونوں قابل انتفاع اور قابل رغبت ہوں اور لوگ اس قسم کے مال کی طرف حرص کرتے ہوں اور وہ مال ان چیزوں سے نہ ہو جو ہر شخص کے لیے مباح ہے اور نہ اس قسم کا مال ہو کہ لوگوں کا اس میں قابل اعتبار فائدہ نہ ہوتا اور نہ وہ عقد اس قبیلہ سے نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مقرر فرمایا ہے یا وہ عقد بیکار ہوگا یا اس میں کوئی ضمنی فائدہ کی رعایت ہوگی جس کا ظاہر میں ذکر نہیں پایا جاتا اور منجملہ مفاسد کے یہ ایک فساد ہے کیونکہ اس عقد کا کرنے والا اس بات کا امیدوار ہوتا ہے کہ جس چیز کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ اس کو نہ ملے گی پس وہ شخص ناامیدی کے ساتھ سکوت کرتا ہے یا بلا کسی حق کے جو لوگوں کے ساتھ متعلق ہوا ہو وہ شخص جھگڑا کرتا ہے اور جس چیز سے عاقدین کی رضامندی معلوم ہوتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ ظاہری امر ہو جس سے لوگوں کے سامنے مواخذہ کر سکیں اور اس شخص کو بلا حجت قائم کیے زیادتی کرنے کا موقع نہ ہو اور اس باب میں زیادہ ظاہر چیز زبان سے تعبیر کرنا ہے اور پھر اس وجہ سے لین دین کرنا جس میں شک باقی نہ رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا الا بيع الخيار**۔ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہوں بجز بیع اختیار کے میں کہتا ہوں معلوم کرو کہ ایک ایسے امر کا ہونا ضروری ہے جو ہر ایک کے حق کو دوسرے کے حق سے جدا کر سکے اور بیع کے رد کرنے میں ان دونوں کے اختیار کو دور کر سکے اور اگر ایسا امر قاطع نہ پایا جائے تو ہر شخص دوسرے کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نیز وہ شے جس کے قبضہ میں ہے اس میں اس خوف سے وہ تصرف نہیں کرتا کہ دوسرا اس کا اقل نہ کرے^① اور اس جگہ ایک دوسرا امر ہے یعنی وہ لفظ جس سے عاقدین کی اس عقد سے رضامندی اور ان کا عزم معلوم ہو اور وہ قاطع یہ لفظ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس قسم کے الفاظ تطفن اور قیمت کرتے وقت مستعمل ہوتے ہیں اس لیے کہ جب تک ایک مقدار کے ساتھ یقین نہ ظاہر کیا جائے ان دونوں کا راضی ہونا ناممکن ہے اور نیز لوگوں کی زبان ایسے وقت میں رغبت دلی کی صورت ہوتی ہے اور الفاظ میں باہم فرق کرنے سے حرج عظیم لازم آتا ہے اور ایسے ہی جانہن سے داد و دستد کرتا ہے کیونکہ ہر شخص کو

① ارادہ موقوف کرنا ایک چیز کو بعد بیچنے کے خریدار اور فروشنده کا برضاے یکدیگر ارادہ بیع سے درگزر کرنا۔ ۱۲

اپنے مطلوب کے لینے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ اس چیز کو دیکھنے اور اس میں تامل کرنے کے لیے خریدنا ہے اور ایک لینے کو دوسرے لینے سے فرق کرنا آسان ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قاطع پوشیدہ شے ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ زیادہ مدت مثلاً ایک روز یا اس سے زیادہ قاطع مقرر کی جائے کیونکہ بہت سی چیزوں سے دن کے دن نفع لینا مطلوب ہوتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ وہ قاطع تفرق مجھس گردانا جائے کیونکہ اس بات کا دستور جاری ہے کہ عقد کے وقت عاقدین جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی نرمی کے بعد جدا جدا ہو جاتے ہیں اور اگر تمام عرب و عجم کے ہر قسم کے لوگوں کا تنخص کیا جائے تو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان میں اکثر تفرق کے بعد بیع کے رد کرنے کو جو ر و ظلم خیال کرتے ہیں اور تفرق سے قبل یہ خیال نہیں کرتے۔ بار خدا یا مگر جو شخص اپنی فطرت کو بدل ڈالے اور شرائع البیہ کا نزول انہیں احکام کے ساتھ ہوتا ہے جن کو انفس عامہ دفعۃً قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ بعض لوگ عقد کے بعد اس خیال سے کہ ان کو اس عقد میں نفع ہوا ہے پوشیدہ طور پر چل دیتے ہیں اور دوسرے عاقد کے اقالہ کرنے کو ناگوار سمجھتے ہیں اس میں چونکہ قلب موضوع لازم آتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرمائی **وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقْبِلَهُ** اس کو روا نہیں ہے کہ اقالہ کے خوف سے اپنے ساتھی کو چھوڑ کر چلا جائے پس ان دونوں کو لازم ہے کہ وہ دونوں اپنے حال پر قائم رہیں اور ہر شخص دوسرے کے سامنے جدا ہوا اور معلوم کرو مثلاً اگر دس ہزار انسان ایک شہر میں جمع ہوں تو سیاست مدنیہ کو ان کے پیشوں سے بحث ہوتی ہے پھر اگر وہ لوگ کثرت سے ضائع اور سیاست بلدہ میں مشغول ہوں اور ان میں سے تموزے لوگ مویشیوں کے چرانے اور زراعت کے پیشہ میں مشغول ہوں تو دنیا کے اعتبار سے ان کی حالت خراب ہو جائے گی اور اکثر شراب اور بت بنانے کا پیشہ اختیار کریں گے تو اس میں لوگوں کو ان چیزوں کے اس طور پر استعمال کرنے کی رغبت ہوگی جو ان کے استعمال کا دستور ہے اور اس میں دین کے اعتبار سے ان لوگوں کی ہلاکت ہے اور اگر پیشوں کے پیشہوروں پر اس دستور کے موافق تقسیم کی جائے جو حکمت کا مقتضی ہے اور جو لوگ برے پیشے لرتے ہیں ان کو اس سے روکا جائے تو لوگوں کی حالت درست ہو سکتی ہے اور اسی طرح شہروں کے خراب ہونے کی یہ صورت ہے کہ رؤسا کو مکلف زیور اور لباس و مکانات دکھانے و حسین و جمیل عورتوں کی طرف رغبت دلائی جائے اور علیٰ ہذا اقلیاس جتنی چیزیں ان مذاہب ضروریہ کے متشی ہیں جن کے بغیر آدمی کو چارہ نہیں ہے اور تمام عرب و عجم کا ان پر اتفاق ہے ضروری ہیں پھر اہل مدینہ میں تصوف کر کے لوگ ایسے پیشے اختیار کریں جن سے رؤسا کی خواہشیں پوری ہوں مثلاً ایک قوم لڑکیوں کو تاپتا گانا اور حرہات گانا لہذا یہ وہ اے طمانے کی طرف متوجہ ہو اور پتھر لوگ پتھروں کے اندر قسم قسم کے نوشریف اور طرح طرح کے حیوانات اور درختوں کی صورتیں اور عجیب عجیب نقش و نگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں اور پتھر لوگ بلند بلند مکانات بنانے اور ان کے نقش و نگار کرنے کا پیشہ اختیار کریں پس جب لوگوں کی ایسی جماعت پیشہ ان پیشوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ضروری ہے کہ اسی قدر زراعت و تجارت لوگوں سے متروک ہو جائے کی اور جب شہر کے لوگ ان باتوں میں وقت صرف کریں گے تو اسی قدر شہر کی مصالحتوں میں کوتاہی ہوگی اس کا انجام یہ ہوگا کہ جو لوگ ضروری پیشے لرتے ہیں ان کو اس میں وقت ہوگی بسبب نیاس مقرر ہونے کے یعنی کاشتکار و تیار و اہل صنعت لوگوں کو اور اس میں شہر سے لیے ضرر ہے جو اس سے ایک جزو سے دوسرے جزو تک متعدی ہو کر تمام شہر کو و ضرر عام ہو جائے گا اس لئے ان سے ہاتھ ران ٹھس سے بدن میں ضرر ہو جاتا ہے پس کوتاہی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قدر سے بدین یا انہی نے اعتبار سے ان کو

ضرر پہنچنے کا بیان ہے اور کمال اخروی کی طرف پہنچنے میں جو ان کو ضرر پہنچتا ہے وہ مستغنی عن البیان ہے اور یہ مرض بيم کے ملک میں بکثرت پھیلا ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کے دل میں اس بات کا القاء فرمایا کہ اس مرض کا مادہ بالکل قطع کر کے اس کا علاج کیا جائے پھر آنحضرت کریم نے ان چیزوں کے غالب منشاء کی طرف ملاحظہ فرمایا۔

بیع کے ان اقسام کا بیان جن سے شرع میں ممانعت کی گئی ہے:

معلوم ہو کہ جو شرع میں حرام اور باطل ہے اس لیے کہ وہ فی الحقیقت لوگوں سے مال کا چین لینا ہے اور اس کا معنی اتباع جہل و حرص اور آرزوئے باطل اور فریب پر ہے یہ باتیں اس شخص کو شرطوں پر آمادہ کرتی ہیں اور اس کو تمدن و تمدن میں کچھ دخل نہیں ہے اور جس شخص کو نقصان پہنچا ہے اس شخص کا سکوت غصہ و ناامیدی کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر وہ شخص ممانعت کرے تو اس کی منی صحت ایسی چیز میں پائی جاتی ہے جو اس نے خود اپنی ذات پر لازم کی ہے اور قصد اس میں پڑا ہے اور دوسرے شخص کو اس کا مزہ پڑ جاتا ہے اور تھوڑے سے بہت کی طرف اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور بوجہ حرص کے وہ عیب اس سے نہیں ترک ہوتا اور تھوڑی سی دیر میں اس کو بھی ضرر پہنچ جاتا ہے اور جوئے کی مادہ ڈالنے میں مال کا خراب کرنا اور جھگڑوں کا پیدا کرنا اور تدابیر مطلوبہ کا ترک کرنا اور معاونت سے جو تمدن کا دار و مدار ہے اعراض کرنا ہے اور معافیہ کرنے کے بعد ہمارے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی نہ دیکھ ہوگا اور اسی طرح سود ہے اور وہ اس سے عبارت ہے کہ مقروض نے جتنا قرضہ لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر خواہاں کرے یہ حرام و باطل ہے اس لیے کہ تمام مقروضوں کا یہ قعدہ ہے کہ اس قسم کا قرضہ لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام و باطل ہے اس لیے کہ تمام مقروضوں کا یہ قعدہ ہے کہ اس قسم کا قرضہ اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفاء نہ کرنے سے دو چند و چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں منقشات عظیمہ اور نسومات عامہ کا مظنہ ہے اور جبکہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ درسم ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کمیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں اور سود سے زیادہ تمام عتود میں کوئی ایسا عقد نہیں ہے جو خصوصیت اور پردائی میں اس سے زیادہ ہو اور یہ دونوں پیشے منزل سکون کے ہیں کہ جو کمانے کے طریقے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے ہیں ان کے بیچ کو یہ قطع کرتے ہیں اور ان دونوں میں برائی اور نزاع ہوتا ہے اور ایسے امور میں شارع کو اختیار ہوتا ہے یا تو ان کے لیے کوئی حد مقرر فرمادے اور اس حد سے کم مقدار میں رخصت عطا فرمادے اور اس حد سے زیادہ میں نہیں کی تغلیظ یا بالکل اس سے منع فرمادے اور جوئے و سود کی طرح میں عادت تھی اور ان کے سبب سے بے انتہا قفسے و جھگڑے پیدا ہوتے تھے اور ان دونوں میں تھوڑے سے بہت ہو جاتا تھا پس اس سے زیادہ مناسب اور سزاوار کوئی صورت نہ تھی کہ ان میں برائی و فساد کے حکم کی پورے طور پر رعایت کی جائے اور اس کو برقرار رکھا جائے لہذا ان دونوں سے بالکل نہی فرمائی جائے اور معلوم کرنا چاہیے کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تو سود حقیقی دوسرے وہ جو حقیقی پر محمول ہے سود حقیقی تو قرض میں ہوتا ہے اور ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کا بدلنا ہے اور ایام جاہلیت میں لوگ اس کے اندر نہایت منہمک ہو رہے تھے اور اس کے سبب سے بڑی بڑی لڑائیاں پھیل گئی تھیں اور جہاں کسی نے تھوڑا سا سود لے لیا پھر اس کو بہت کی خواہش ہوتی تھی لہذا اس دروازہ کا بالکل بند کرنا واجب بات سے ہو اس

لے قرآن میں اس کے باب میں جو کچھ نازل ہوا اور دوسری قسم کا سود یہ ہے کہ خرید و فروخت میں زیادتی کے ساتھ لین دین ہو اور اس کی حجت یہ حدیث ہے الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء، یدایدا بید فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا كان یدایدا بید خرید و تم سونے کو ساتھ سونے کے اور چاندی کو چاندی کے ساتھ اور سیسوں کو گیسوں سے اور جو کو جو کے ساتھ اور چھوڑے کو چھوڑے سے اور نمک کو نمک سے، مثل کو مثل کے ساتھ برابر دست بدست اور پھر یہ جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت مرد بشرطیکہ دست بدست ہو اس کا نام تاکید و تغلیظ اور سودیقہ کے ساتھ مشابہت کے سبب سے رنوار ہوا ہے جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا ربوا الا فی النہ کہ نہیں ہے سود مگر قرض میں پھر شرع کے اندر کثرت سے سود کا استعمال اس معنی میں آیا ہے حتی کہ ربی کا لفظ ان معنی میں بھی حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے مستعمل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اور حرام ہونے کے اندر حمت یہ ہے کہ اللہ کو نہایت عیش پسندی مثلاً حریر کا لباس پہننا یا پسند ہے اور سلی ہذا القیاس وہ ارتقا قات جن میں طلب دنیا کے اندر منہمک ہونے کی حاجت پڑتی ہے جیسے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا ان زیورات کا پہننا جو بڑے بڑے زیور ہیں اور گنڈ کر بنائے جاتے ہیں جیسے کنگن اور گوجری اور ہنسل وغیرہ اور کھانے پینے میں زیادہ تکلف کرنا کیونکہ یہ اہل لوگوں کو اغل السافلین میں ترا دیتے ہیں اور ان کی فکروں کو تاریک رکھوں کی طرف پھیر دیتے ہیں اور رفاہیت فی الحقیقت ہر ارتقا ق میں عمدہ چیز کی آرزو کرنے اور ناقص چیز سے اعراض کرنے کا نام ہے اور نہایت کامل درجہ کی رفاہیت یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں دید و روی کا لحاظ کیا جائے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے لیے کسی نہ کسی قسم کی روزی اور کوئی نہ کوئی نقد ہو ماضی وری ہے اور تمام اقسام کی قوت اور تمام اقسام کے نقود کے ساتھ ایک ہی طرح کی احتیاج ہے اور دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ کرنا ان ارتقا قات کے اصول میں سے ہے کہ جن کے بغیر چارہ نہیں ہے اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ جو اس کی جگہ کافی ہو مبادلہ کی حاجت نہیں ہے مگر بایں ہمہ لوگوں کے مزاج اور ان کی عادات کا اختلاف اس بات کا موجب ہے کہ تقیش میں ان کے درجے مختلف و متفاوت ہوں اپنا نچہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿وَنَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سُخْرِيًا﴾ ہم نے ان کی زندگی میں ان کی روزی بانٹ دی ہے اور بعض کے بعض پر درجے بلند کیے تاکہ ان میں بعض بعض پر تمغہ فری ہیں ان میں سے بعض لوگ چاول و گےہوں کھاتے ہیں اور بعض جو دار اور بعض چاندی کا زیور پہنتے ہیں اور لوگوں کا باہم مثلاً چاول و گےہوں کی قسموں میں تمغہ ہوتا اور بعض کی بعض پر فضیلت اور ای طرح سونے اور اس کے دستور کے اقسام میں باریک باریک صنعتوں کا لحاظ کرنا اہل اسراف و تجنی لوگوں کا دستور ہے اور ان باتوں کا اہتمام کرنا فی الحقیقت دنیا میں فرق ہو جاتا ہے پس مسامتہ شری ہا یہی مقتضی ہوا کہ اس دروازے کو بند کیا جائے اب فقہاء کی مجھ میں یہ بات آئی کہ ان پوچھنے والوں سے جو جن کی حدیث شریف میں تصریح آئی ہے اور چیزوں میں بھی سود جاری ہوتا ہے اور جو چیز ان پوچھنے والوں میں سے ہیں ساتھ ملحق ہے اس کی طرف بھی سود کا حکم جاری ہوتا ہے پھر اس کی حمت دریافت کرنے میں باہم افتہاء کے اختلاف ہو اور قوانین شریعہ کے اعتبار سے زیادہ تر موافق یہ ہے کہ سونے چاندی میں اس کی حمت مشیت ہو مگر یہ مسمت

انہی دونوں کے ساتھ مختص ہے اور باقی چار میں اس کی ملت یہ ہے کہ وہ شے اس قابل ہو کہ قوت کے لیے اس کو جمع کر سکیں اور نمک پر دو اور مصالحوں کو قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ کھانے کو جس قدر نمک کی طرف حاجت ہے وہ حاجت کسی چیز کی طرف نہیں ہے بلکہ اس حاجت کا دواں حصہ بھی نہیں ہے پس نمک قوت کا جزو اور بمنزلہ قوت کے ہے بخلاف اور چیزوں کے اور یہ ملت ہم کو اس لیے معلوم ہوئی کہ شرع نے بہت سے احکام میں ثمنیت کا لحاظ کیا ہے مثلاً مجلس عقد میں تقاضا البذلین کا ضروری ہونا وغیرہ اور اس لیے کہ حدیث شریف میں طعام کا لفظ بھی وارد ہوا ہے اور طعام کے عرف میں دو معنی آتے ہیں ایک تو طعام صرف گیسوں کو کہتے ہیں اور وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتا اور دوسرے مطلقاً اس چیز کو طعام کہتے ہیں جو قوت کے لیے جمع کیا جائے یہی سبب ہے کہ طعام کا لفظ میوہ جات اور مصالح کے مقابل آتا ہے اور مجلس عقد میں تقاضا البذل کے واجب کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ طعام و نقد کی طرف سب چیزوں سے زیادہ حاجت ہے اور سب چیزوں سے زیادہ ان کا لین دین ہے اور ان دونوں سے نفع جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب ان کو موجود سے معدوم اور ملک سے باہر کیا جائے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قبضہ کرتے وقت خصومت پیش ہوتی ہے اور بدل ہو چکتا ہے۔ اور یہ سب جھگڑوں سے زیادہ قباحت پر مشتمل ہے لہذا ضروری ہوا کہ بایں طور اس باب کو مسدود کیا جائے کہ ما قدین اس وقت جدا ہوں کہ جب دونوں کے پاس ثمن و بیع پہنچ جائے اور ان دونوں میں کوئی قضیہ باقی نہ رہے اور شارع نے جو قبل از استینادہ کے بیع سے منع فرمایا ہے اس کی ملت بھی یہی ہے اور چاندی کو سونے میں بدلنے میں جو یہ فرمایا ہے ما لم تتفرقا بینكما شیئ۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب تک تم دونوں جدا نہ ہوں اور تم دونوں میں کچھ بات باقی ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ایک طرف نقد ہے اور ایک طرف غلہ وغیرہ ہے اس وقت میں تو نقد اس شے کے طلب کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ نقد ہونے کا مقتضی یہی ہے پس مناسب ہے کہ اس چیز کے لینے سے پہلے اس کو دیا جائے اور جب دونوں طرف نقد یا غلہ ہو تو اس وقت میں ایک کو پہلے دینے کا حکم حکم قرار پائے گا اور اگر جانہین میں عوض و معوض کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو وہ قرض کی قرض کے ساتھ بیع ہوگی اور بسا اوقات بائع یا مشتری اس شے کے پہلے دینے سے بغل کرتا ہے ہذا عدل کا یہ مقتضی ہوا کہ ان دونوں اختلاف کو قطع کیا جائے اور ان دونوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ جب تک تقاضا البذل نہ کر لیں جدا نہ ہوں اور غلہ اور نقد کو اس لیے خاص کیا کہ یہ دونوں تمام اموال کے اصل الاصول ہیں اور سب سے زیادہ ان کا لین دین رہتا ہے اور ان دونوں کے ہلاک کرنے کے بعد انسان ان سے نفع اٹھا سکتا ہے لہذا اگر ان دونوں کے لین دین میں قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہونے کا حکم دیا جائے تو برج عظیم لازم آتا ہے اور شب و روز کا نزاٹ پیدا ہوتا ہے اور دونوں میں اس بات کے منع کرنے سے معاملہ کی دقت پورے پورے طور پر دفع ہوتی ہے اور معلوم کرو کہ اس قسم کا حکم دینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس کا دستور جاری نہ ہو اور اس قسم کے لوگ عادی نہ ہوں یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بالکل اس قسم کے معاملہ کا وقوع نہ پایا جائے اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا بیع التمر بیع آخر ثم اشتر بہ چھوڑ دوں کو دوسری بیع سے فروخت کر پھر اس بیع سے خرید لے اور معلوم کرو کہ بیع کے بعض اقسام ایسے ہیں جن میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور اہل جاہلیت باہم ایسی خرید و فروخت کیا کرتے تھے لہذا آپؐ نے اس بیع سے منع فرمایا۔ از انجملہ بیع مراتبہ ہے کہ کوئی شخص چھوہارے کے سو فرق (۶ رطل کا ایک فرق) سے درخت کا پھل خریدے اور ان میں سے بیع محالہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ مثلاً

ایک شخص بکیتی کو سوئٹوزوں گیبوں کے ساتھ فروخت کرے مگر عربا آپ نے اندازہ کر کے چھوڑوں کے ساتھ بشرطیکہ وہ پچاس پانچ دس سے کم ہوں ان کی بیع کو درست فرمایا ہے اور عربا ان درختوں کا نام ہے جو بعد فروخت ہونے باغ کے رو جاتے ہیں اس لیے آنحضرتؐ ویہ بات معلوم ہوئی کہ اتنی مقدار پر لوگ قمار کا قصد نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ تر چھوڑے کھائیں اور پانچ دس زکوٰۃ کا نصاب ہیں کہ جس کو ایک کنبہ سال بھر تک کھا سکتا ہے اور از انجملہ یہ صورت بھی کہ مثلاً چھوڑوں کا ایک انبار ہے جن کا وزن معلوم نہیں ہے وہ ان چھوڑوں کے ساتھ فروخت کیے جائیں جن کا وزن معلوم ہے اور از انجملہ بیع ملامہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص دوسرے کا پناہ چھوڑے تو بیع ثابت ہو جائے اور ایک من بڑو ہے اس کی یہ صورت ہے کہ بغیر دیکھے بھلے ایک شخص اپنا کپڑا پھینک دے تو بیع ہو جائے اور از انجملہ بیع الخصاۃ ہے یعنی کنکری کے پھینکنے سے بیع ہو جائے بیع کے ان سب اقسام میں قمار کے معنی اور موضوع معاملہ کا بدلہ لازم آتا ہے اس لیے کہ معاملہ سے مقصود دیکھ بھل کر اس پر استغفار کے ساتھ اپنی حاجت کا پورا کرنا ہوتا ہے اور بیع العربان سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع کو کچھ شے بیعانہ کے طور پر دے دے اور یہ مقرر ہو جائے کہ اگر میں بیع کو خریدوں گا تب تو یہ اس کی قیمت میں مجرا ہو جائے گا ورنہ باعوض یہ تمہارا رہا اور اس میں بھی قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور آنحضرتؐ سے کسی نے تازہ چھوڑوں کو خشک چھوڑوں کے ساتھ خریدنے کی نسبت دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یا خشک ہو جانے کے بعد یہ کچھ کم ہو جاتے ہیں اسلئے عرض کیا ہاں تو آپؐ نے اس قسم کی بیع سے منع فرمایا میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کے قمار اور سود و حسی کا احتمال ہے کیونکہ ایک شے کی تمامی کا حال معتبر ہوتا ہے اور آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ وہ بار جس میں سونا اور خرمبرے ہوں فروخت نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کو جدا جدا کیا جائے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا جوا ہے اور احد العاقدین کے فریب کھانے کا احتمال ہے یا تو غصہ کھا کر سوت کرے گا یا غیر حق میں نزاع کرے گا اور جانتا چاہیے کہ آنحضرتؐ نے منع عرب کے اندر ایسے وقت میں مہوٹ ہوئے کہ ان کے اندر معاملات اور خرید و فروخت پائی جاتی تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے پاس بعض معاملات و بیوع کے جواز کے اور بعض کے مکروہ ہونے کی طرف وحی نازل فرمائی اور براہت ہمارے چند چیزوں پر ہوتا ہے از انجملہ یہ ہے کہ وہ اس قسم کی چیز سے جو عادت کے اعتبار سے وہ چیز معصیت پر مشتمل ہوتی ہے یا لوگوں کو اس چیز سے جس قسم کا متع حاصل کرنا مقصود ہے وہ ایک قسم کی معصیت ہوتا ہے مثلاً شراب و بت و تمذہب وغیرہ ہے ہاں ان چیزوں کے بیع کا دستور باری نے اور ان سے بنانے میں ان معاصی کا خطا ہر کرنا اور ان لوگوں کو ان معاصی پر آمادہ کرنا اور ان کو ایک کرنا ہے اور ان چیزوں سے بیع و شرا کرنا اور ان کا گھر میں رکھنا حرام کیا ہے تو ان معاصی کو دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کریں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ان اللہ ورسولہ حرم بیع الحمر والمیتہ والحزبر والاصنام اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے شراب اور مردار اور سورا اور بتوں کا فروخت حرام فرمایا ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے ان اللہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا تو اس کے ثمن و بھی حرام یا یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق تعیین ہے مثلاً شراب صرف پینے کے لیے اور بت صرف پرستش کے لیے بنائے جاتے ہیں تو ان چیزوں کو حرام فرمایا ہے اس لیے سنت الہیہ کا تقصیر ہو کہ ان کی بیع بھی حرام کی جائے اور نیز

آپؐ نے فرمایا ہے مہر البغی خبیث۔ اجرت زنا کی خبیث ہے اور آنحضرت ﷺ نے کاہن کو اجرت دینے سے منع فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے مغنیہ کے کسب سے بھی فرمائی میں کہتا ہوں جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اس مال سے بدو وجہ نفع حاصل کرنا حرام ہے ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رہنا ہے اور اس قسم کے معاملہ کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر آمادہ کرنا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں کی دانست میں اور ان کی سمجھ میں ثمن مبیع سے پیدا ہوتا ہے لہذا املاء اہلی میں اس ثمن کے لیے ایک وجہ تشبیہی ہوتا ہے تو یہ کہ وہ خود مبیع ہے اور اسی طرح اجرت کے لیے ایک وجہ تشبیہی ہوتا ہے پس اس مبیع اور اس عمل کی خباثت ان کے حوم میں اس ثمن اور اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت علیہ کا اثر ہوتا ہے اور آپؐ نے شراب کے باب میں اس کے نہجوزنے والے نہجوزانے والے اور پینے والے اور لیجانے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے سب پر لعنت کی ہے میں کہتا ہوں معصیت کی اعانت کرنا اور اس کا پھیلاتا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثل مردار و خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے نہایت قباحیت اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزگی اور خباثتوں سے اجتناب کرنا ان اصول میں داخل ہے جن کے قائم کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو بھیجا گیا ہے اور جس کے سبب سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور چونکہ کسی قدر مخالفت مباح کیے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اس لیے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت ہے لہذا اسی قدر ضرور ہوا کہ ان ناپاک چیزوں کے اختلاط کے ساتھ ہمیشہ اختیار کرنے اور ان کی تجارت کرنے سے بھی فرمائی جائے اور جو ایسے لغوی بیہودہ کام ہیں جن سے حیا کی جاتی ہو ان کو بھی نجاست کا حکم ہے جیسے گاہن کرانا اور اسی لیے آپؐ نے مردار کے بیع کو حرام کیا اور پچھنے لگانے کے پیشہ سے بھی فرمائی اور ضرورت میں آپؐ نے یہ فرمایا ہے اطمعہ ناسنک میں اجرت سے اپنے اونٹ کی خوراک دے دے اور گاہن کرانے کی اجرت سے بھی فرمائی ہے اور ایک روایت میں اونٹ کے کاہن کرنے کا غلط آیا ہے اور اگر بلا شرط کیے اس کو پھر دے دیا جائے جس کے پاس گاہن کرنے کا جانور ہے تو آپؐ نے اس شخص کو اجازت فرمائی ہے اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ مائدین میں عوضین کے اہتمام کے سبب سے قطع منازعت نہ ہو یا وہ عقد و مقعدوں میں سے ایک عقد ہو یا بغیر دیکھے بیع کے رضا کا پایا جانا ممکن نہ ہو اور بیع کو اس نے نہ دیکھا یا بیع کے اندر کچھ ایسی شرط لگائی جائے جس سے آئندہ و جحت و نزاع کرنے کا موقع ہو اور آنحضرت ﷺ نے مضامین اور ملائح کے بیع سے منع فرمایا ہے مضامین اس کا نام ہے جو زر کی پشت میں اور ملائح جو مادہ کی شکم میں ہو اور بچے کے بچے کی بیع اور قرض کے ساتھ بیع کرنے اور ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع کیا ہے مثلاً ایک چیز کو بایں طور فروخت کرے کہ اگر نقد لیتا ہے تو ایک ہزار کو اور اگر قرض لیتا ہے تو دو ہزار کو کیونکہ ایسی صورت میں عقد کے وقت ان دو امر میں سے کسی امر کی تعین نہیں پائی جاتی ہے اور جنس نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ میرے ہاتھ اس چیز کو بعض ہزار روپیہ کے فروخت کر بشرطیکہ فلاں چیز کو اتنی قیمت سے فروخت کرے اور یہ ایسی شرط ہے کہ شرط کرنے والا عقد کے بعد اس کے ساتھ جت پکڑ کے منی صحت کر سکتا ہے اور از انجملہ ایک صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے شرط کر لے

کہ اگر تو اس بیع کو بھی فروخت کرے تو میں اس کے خریدنے کا حقدار ہوں اور حضرت عمرؓ نے ایسی بیع میں یہ فرمایا ہے لا تحل لك
تیرے لیے حلال نہیں ہے اور اگر کسی اور کے لیے یہ شرط کر لے تو وہ بھی اسی قبیلہ سے ہے اور آنحضرت ﷺ نے بیع میں سے کسی چیز
کے مستثنیٰ کرنے سے جب تک معلوم نہ ہوئی فرمائی ہے مثلاً کوئی شخص کسی چیز کے دس نوکرے فروخت کرے اور با یقین اس میں سے
پندرہ مستثنیٰ کر لے کیونکہ اس کے اندر جہالت پائی جاتی ہے جو منازعت کا منشاء ہے اور ہر جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوتی کیونکہ بہت
سے امور بیع میں قبول پیوز دیئے جاتے ہیں اور اگر تمام امور کی تفصیل کی جائے تو اس میں ضرر عظیم ہے بلکہ وہ جہالت بیع کو فاسد
نہ کرتی ہے نہ اس کا انجام منازعت ہوا اور ازاجملہ یہ ہے کہ اس بیع سے کوئی دوسرا معاملہ مقصود ہو کہ وہ بائع یا مشتری بیع کے ضمن میں یا
ان سے ساتھ اس معاملہ کا امیدوار ہو اس لیے کہ اگر وہ مقصود حاصل نہ ہو تو اس کو وہ نہ طلب کر سکتا ہے نہ سکوت کر سکتا ہے اور ایسی
بات خواہ تو امام حق خصوصت کا باعث ہوتی ہے اور قاضی ان میں پورا پورا فیصلہ نہیں کر سکتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا یحل
بیع و سلف ولا شرطان فی بیع مثل ان یقول بعث هذا علی ان تقرضنی کذا۔ یہ درست نہیں کہ بیع بھی
ہو اور قرض بھی اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں درست ہیں مثلاً بائع کہے کہ اس چیز کو میں نے اس شرط پر فروخت کیا کہ تو مجھے اس قدر
قرض دے اور دو شرطوں کے معنی یہ ہیں کہ ایک تو حق بیع کا شرط کرنا اور ایک کسی خارجی چیز کا شرط کرنا مثلاً یہ شرط لگانے کہ مجھ کو فلاں
چیز دے کہ دینا یا فلاں شخص سے میری سفارش کر دینا یا اگر تو بھی اس چیز کو فروخت کرے تو میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا وہی ہذا القیاس
پس ان سب صورتوں میں ایک مقدمے کے اندر دو شرطیں پائی گئیں اور مجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ مقدمے کے ہاتھ سے تسلیم نہ پائی
جائے مثلاً بیع ایسی چیز ہے جو بائع کے پاس موجود نہیں بلکہ وہ کسی دوسرے شخص پر اس کا حق ہے یا وہ ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ شخص
اپنے مقدمہ وقاضی کے ہاں ٹٹ نہ کرے یا بینہ قائم نہ کرے یا اس کے مٹنے کے طریقہ میں کوشش نہ کرے یا اس پر قبضہ نہ کرے اور
اس کی ناپ تول نہ لے لے جب تک چیز اس کو نہیں مل سکتی اس لیے کہ اس میں ایک قصبے کے اندر دوسرے قصبے کے پیدا ہونے یا
قریب سے پائے جانے اور مقصود کے حاصل نہ ہونے کا احتمال ہے اور جو چیز تیرے پاس موجود نہیں ہے تو تجھ کو اس پر بھروسہ نہ رہتا
چاہیے کہ بغیر ویشش کے تجھ کو وصول ہو جائے گی اور بس اوقات مشتری بائع کے بیچ پر قبضہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ بیع اس کے
پاس موجود نہیں ہوتی تو وہ بائع اس شخص سے اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جس پر اس کا حق ثابت ہوتا ہے یا بدل کو شکار کرنے جاتا ہے یا
بازار میں خریدنے کا قصد کرتا ہے یا اپنے کسی دوست سے بہت کے طور پر طالب کرتا پھر تا ہے اور اس میں بڑے ہنگاموں و قضیوں کا پیدا
کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا تصح مالیس عندک جو چیز تیرے پاس موجود نہیں ہے اس کو فروخت مت کر اور بیع
الغیر کے معنی آپ نے نبی فرمایا ہے اس لیے یہ صورت ہے کہ اس میں بیع سے موجود ہونے یا نہ ہونے اور مٹنے کا یقین نہ ہو اور
آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من استاع طعما فلا یسعه حتی یتوفه جو شخص غذا کو خریدے تو جب تک اس پر قبضہ نہ
کرے اس کو وہ مالیت نہ رہے بلکہ شخص کے نزدیک یہ قسم غلہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اموال کے ہمد اقسام میں غلہ کا لین دین
اور اس میں عادت زیادہ ہے اور جب تک اس کو ہلاک نہ کیا جائے انسان اس سے مشتغول نہیں ہوتا اور جب تک مشتری نے اس پر
قبضہ نہیں کیا ہے تو اوقات بائع اس میں تصرف کرنے اور قضیے کے اندر قضیے سے پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بلاخص کے نزدیک تمام

منقولات میں یہ حکم جاری ہے کیونکہ سب میں تغیر و نقصان کے پیدا ہونے اور خصومت کے پائے جانے کا احتمال ہے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو مثل غلہ کے سمجھتا ہوں اور ہم نے جو ملت بیان کی ہے اس کے لحاظ سے یہ قول قریب قریب ہے اور ازاجملہ کراہت کی صورت ایک یہ ہے جس میں ان منازعات کے پیدا ہونے کا احتمال ہے جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں واقع ہو چکے ہیں اور آپؐ کو ان میں مناقشات کا احتمال غالب معلوم ہوا ہے جیسے زید بن ثابتؓ نے بیان کیا ہے کہ جب پہلوں کو کسی قسم کی آفت مارنا ہو کر تھی تو خریدنے والے بعد کو نزاع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پھل گل گئے اور گر پڑے لہذا آنحضرتؐ نے پہلوں کے بیع سے جب تک ان کا سالم رہنا نہ ظاہر ہو جائے منع فرمایا ہے مگر جس صورت میں فی الحال درختوں سے پھل کا توڑ لینا شرط کر لیا جائے اسی طرح غلہ کے بال سے جب تک کہ پختہ ہو کر سفید اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے اس کے بیع سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ دیکھو تو اے اللہ تعالیٰ اس پھل کو روک دے تو تم میں سے کوئی شخص اس چیز کے بدلہ اپنے بھائی کا مال لے گا یعنی اس میں دھوکہ ہے کیونکہ ایسے وقت میں بیع کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے پس بائع کو بیع میسر نہ ہو سکے گا اور ثمن اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا اور اسی طرح برسوں کے لیے ٹھیکہ دینا منع ہے اور ازاجملہ یہ ہے کہ اس میں شہر کے انتظام میں نقصان آتا ہو اور بخش و بخش سے ضرر پہنچتا ہو ایسی چیز کو دور کرنا اور لوگوں کو اس سے روکنے واجب ہے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے لا تلقوا الركبان لبيع و لا بیع بعضکم علی بیع ولا یسم الرجل علی سوم اخیه ولا تناجشوا ولا بیع حاضر لباد فق کے لیے تلقی رکبان مت کرو اور نہ تم میں سے بیع پر بیع کریں اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قیمت کرتے وقت قیمت کرے اور نہ بخش کرے اور نہ کوئی شری قریہ والے کے لیے فروخت کرے میں کہتا ہوں کہ تلقی رکبان کی تو یہ صورت ہے کہ جب باہر سے سوداگر تجارت کا مال بھر کر لائیں اور شہر میں داخل ہونے اور نرخ معلوم کرنے سے پیشتر کوئی شخص باہر ان سے مل کر شہر کے نرخ کے اعتبار سے ارزانی کے ساتھ وہ مال ان سے خرید لے اور اس میں بائع کا بھی ضرر اور عامہ لوگوں کا بھی ضرر ہے بائع کا تو یہ ضرر ہے کہ اگر وہ بازار میں آتا تو کسی قدر گرانے کے ساتھ فروخت کرتا لہذا اس بیع میں اگر بائع کو اپنے ضرر پر آ کا ہی ہو جائے تو اس کو بیع کے رد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور عامہ لوگوں کا یہ ضرر ہے کہ اس تجارت میں سب شہر والوں کا حق متعلق ہو گیا ہے اور مصدق مدنیہ کا متعلق یہ ہے کہ جس کو جس قدر ضرورت ہے اسی قدر ترتیب اس کو مقدم کیا جائے اور اگر حاجت میں برابر ہوں تو ان میں برابری کی جائے یا قریہ اندازی کی جائے پس باہر ایک شخص کو با ترجیح اس مال لے لینے میں ایک قسم کا ظلم ہے مگر شہر والوں کو اس بیع کے منہج کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اس شخص نے ان لوگوں کے مال کا کچھ نقصان نہیں کیا اس نے صرف یہ کیا ہے کہ جس چیز کی ان کو امید تھی وہ چیز اس نے ان سے روک لی اور بیع پر بیع کرنے میں اپنے ساتھ کے تاجروں کا ٹنگ کرنا اور ان کے ساتھ بد معاملگی ہے اور بائع اول کا حق متوجہ ہو چکا ہے اور اس کے رزق کی صورت نکل آئی ہے اس صورت کا بگاڑنا اور اس کے معاملہ میں دخل دینا ایک قسم کا ظلم ہے اور اسی طرح دوسرے شخص کے قیمت لگاتے وقت قیمت لگانے میں خریداروں کو ٹنگ کرنا ان کے ساتھ بد معاملگی ہے اور بہت سے مناقشات اور عداوتیں ان دو باتوں سے پیدا ہوتی ہیں اور بخش اس کو کہتے ہیں کہ بلا قصد خریدنے سے بیع کے مشتریوں کو قریب میں ڈالنے کے لیے قیمت بڑھا دینا اور اس میں جس قدر ضرر ہے ظاہر ہے اور بیع شہر والوں کی گاؤں والوں کے لیے اس کی صورت یہ ہے کہ گاؤں والے

اپنے مال کو لا کر شہر کی طرف اس ارادے سے کہ اسی دن کے نرخ سے بیچنے کے لیے لائے پس اس کے پاس شہر والا آئے اور یہ کہے کہ اپنے مال کو میرے پاس چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کو کچھ دنوں روک کر بڑخ کر ان فروخت کروں گا۔ اور اگر گاؤں والا خود اس کو فروخت کرتا تو بڑخ ارزاں فروخت کرتا اور نفع شہر کا اس میں ظہر ہے اور اس کو بھی نفع ہوتا اس لیے کہ تاجروں کے نفع اٹھانے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ پٹھانوں روک کے اپنے مال کو بڑخ کر ان فروخت کریں ان لوگوں کے ہاتھ جن کو اس مال کی نہایت حاجت ہے اور حاجت کے مقابلہ میں جو کچھ قیمت وہ دیتے ہیں وہ ان کو کم معلوم ہوتی ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا نفع لے کر اس مال کو فروخت کریں اور پھر بعد کی سے تجارت کا اور مال لے کر اس میں بھی نفع اٹھائیں وہی ہذا اقیاس اور یہ انتفاع شہر کی مصدات کے ساتھ مناسبت اور برکت کے اعتبار سے اکثر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مَنْ احْتَكِرَ فَهُوَ خَاطِئٌ** جو تجارت کے مال و روپے پس وہ تجارت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمَحْتَكِرُ مَلْعُونٌ** لانے والا مرزوق ہے اور روٹنے والا ملعون میرے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ بامید نفع کے اور باوجود حاجت اہل شہر کے اس کی طرف صرف گرانہ نرخ اور زیادتی ثمن کے اعتبار سے روکنا مال کا شہر والوں کے حق میں ضرر اور بد نظمی شہر کا سبب ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ مشتری کو اس میں فربہ دینا ہذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لَا تَصْرُوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنْ بَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بَخِيرٌ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَحْلِيَهَا اَنْ رَضِيَهَا اَمْسَكِيهَا وَاَنْ سَخَطَهَا رَدَّهَا وَصَاغًا مِنْ تَمْرِ وَيُرْدِي صَاغًا مِنْ الطَّعَامِ لَا سَمْرَاعُو** متصریہ لہذا تم اونٹ اور بکری میں پس جو شخص اس کے بعد اس کو خریدے گا پس وہ اس کے دو بٹے کے بعد بغیر النظرین ہے اگر اس نفع سے راضی ہو تو روک لے اس کو اور اگر اس سے ناخوش ہو تو اس کو واپس کر دے اور ایک صاع تمر ہی دے دے اور روایت لیا یہ **صَاغًا مِنْ طَعَامِ لَا سَمْرَاعُو** میں کہتا ہوں تصریہ کے معنی تمہن میں دودھ کے جمع کرنے کے ہیں تاکہ مشتری دودھ کی کثرت کا خیال کرے پس فریب میں پڑ جائے گا اور چونکہ اس کو خیار مجلس اور خیار شرط کے ساتھ زیادہ تر مشابہت تھی ہذا یہاں پر مقدم نفع میں زیادہ دودھ کی کثرت شرط کر دی گئی ہے پھر ہر گاہ اندازہ دودھ اور اس کی قیمت کا بعد اس کے ہلاک اور تلف کرنے کے باقی ماندہ مقدار معرفت تھا انصاف کر وقت بد اضافی شریکوں کی اور بدویت کے اس لیے واجب ہوئی یہ بات کہ باعتبار احوال غائب کی ایک حد مہتمل بیان کی جائے تاکہ خصوصیت قطع ہو اور چونکہ اونٹنیوں کے دودھ میں ایک قسم کی بیک ہوتی ہے اور ارزانی پانی جاتی ہے اور جریوں ۵۰۰ دودھ ہوتا ہے اور ارانی پانی جاتی ہے اس لیے دونوں کا نصاب ایک ہوا ہذا یہ بات متعین ہوئی کہ جو چیز اونٹنی ہے اس ۵۰۰ وقت کرتے ہیں اس کا ایک صاع مقرر کیا جائے جیسے ہموارہ ملک تبار میں اور جو جوار ہمارے ملک میں نہ ہے وہیں وہ پانی اس لیے کہ یہ قوت کے اعتبار سے اس اور اعلیٰ درجے کی چیزیں ہیں اور بعض ان لوگوں نے کہ جن کو اس حد بیش پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی انہوں نے اپنی طرف سے ایک قاعدہ مقرر کر لیا اور کہا کہ جس حد بیش کی بجز فقیہ کے کوئی اور روایت نہ کرے ہذا جب اس میں قیاس نہ چلے تو اس میں ملل متروک ہو جاتا ہے اور اس قاعدہ میں ازال تو کلام ہے دوسرے یہ قاعدہ اس صورت پر نہیں مطبق ہوتا ہذا یہ نصاب اس حد بیش کو بخاری نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے (حالانکہ وہ افتخار اس تھے) اور اس قدر جواب کے لیے کافی ہے اور اس لیے کہ وہ ہذا تمام ان مقادیر شریعہ کے ہے کہ عقل ان میں مقرر کرنے کی کوئی معلوم کر سکتی ہے ہذا

خاص کر اس مقدار کی حکمت معلوم کرنے میں عقل مستقل نہیں ہے بار خدا یا مگر ان لوگوں کی عقلیں جو راضین فی العلم ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ غلہ کا ذہیر دیکھا جس کو اس کے مالک نے اندر سے تر کر کے رکھا تھا آپ نے فرمایا تو نے اس کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اس کو دیکھتے اور فرمایا جو شخص فریب کرے وہ مجھ سے نہیں اور ازاجملہ یہ ہے کہ وہ چیز مباح الاصل ہو جیسے وہ پانی کہ جاری ہو اور کثرت سے ہو اور کوئی شخص ظلم و غصب کر کے اس کو فروخت کیا کرے کیونکہ اس میں باحق اللہ تعالیٰ کے مال میں تصرف کرنا اور لوگوں کو ضرر پہنچانا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے زیادہ پانی کے فروخت کرنے سے تاکہ اس کے سبب سے کھانسی کا فروخت کرنا لازم آئے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چشمہ یا کسی تھیل پر غلب کرے اور کسی مویشی کو بغیر کرایہ لیے نہ پیئے دے اور اس میں گھاس کا جو مباح شے ہے فروخت کرنا لازم آتا ہے یعنی ایسے وقت میں مویشی کے چرانے کی قیمت دینی پڑے گی اور یہ باطل ہے اس لیے کہ پانی و گھاس دونوں مباح چیزیں ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فَيَقُولُ اللَّهُ الْيَوْمَ امْنَعَكَ** فضلی کما منعت فضل مالہ **يَعْمَلُ يَدَاكَ** پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنے فضل کو روکتا ہوں جس طرح تو نے اس چیز کے فضل کو روکا جو بغیر تیری محنت کے پیدا ہوئی تھی اور بعض کے نزدیک حاجت سے زیادہ پانی کا اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو خود پینا چاہتا ہو یا مویشی کو پلانا چاہتا ہو حرام ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ** فی الماء، والکلاء، والنار۔ تین چیزوں میں سب مسلمان شریک ہیں پانی اور گھاس اور آگ میں میں کہتا ہوں اگر یہ چیزیں کسی کی ملک بھی ہوں تب بھی ان چیزوں میں ہمدردی نہایت مستحب ہے اور اگر ملک نہیں ہیں تب تو ان کا حال شرکت میں ظاہر ہے۔

بیع کے احکام کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سہولیت والے آدمی پر رحم کرے جب وہ کسی چیز کو فروخت کرے اور جب خریدے اور جب وہ تقاضا کرے میں کہتا ہوں ساحت منجملہ ان اصول اخلاق کے ہے جس سے نفس مہذب ہوتا ہے اور گناہوں کی قید سے اس کے سبب سے رہائی ہوتی ہے اور نیز ساحت میں شہر کا انتظام قائم رہتا ہے اور اس پر باہمی معاونت کا دار و مدار ہے اور بیع و شراء و تقاضا ایسی چیزیں ہیں جن میں ساحت کے خلاف امور کا احتمال ہوتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے ان امور میں ساحت کے ساتھ برتاؤ کرنا مستحب کیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلْسَّلْعَةِ مِمَّ حَقَّةٌ لِلْبُرْكَ** حلف سودے چلانے والا اور برکت کا کھانے والا ہے میں کہتا ہوں بیع کے اندر بہت سی قسمیں کھانا برا ہے بدو و جب ایک تو یہ کہ اس میں مشتری لوگوں کے دھوکے میں آنے کا احتمال ہے دوسرے اللہ کے نام کی قسم سے تعظیم جاتے رہنے کا احتمال ہے اور چھوٹی قسم کھانے سے اگرچہ سودا خوب فروخت ہوتا ہے کیونکہ اس کا معنی مشتری سے عیب کے پوشیدہ رکھنے پر ہے مگر برکت کم ہو جاتی ہے کیونکہ برکت کا مدار ملائکہ کی دعا کی متوجہ ہونے پر ہے اور معصیت کے سبب سے ان کی دعا کو بعد ہو جاتا ہے بلکہ ملائکہ ایسے وقت میں اس شخص پر بد دعا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **يَا مَعْشَرَ التَّجَارِ انْ بَيْعَ يَحْضَرُهُ اللُّغُورُ وَالْحَلْفُ فَشُوبُوهُ بِالْصَّدَقَةِ** اے رُوہ تجارت! بیع کے اندر لغو باتیں اور قسم ہوا کرتی ہیں لہذا تم بیع میں صدقہ ملا لیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ صدقہ کی آمیزش سے گناہ دور ہو جاتا ہے اور نفس کے غلبہ

کے سبب جو اس شخص سے چھ تصور ہو جاتا ہے اس کا تدارک ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے باب میں جس نے کسی چیز کو اثر فیوں سے فروخت کر کے ان کے عوض میں مشتری سے درہم لے لیے تھے فرمایا ہے لا باس ان تاخذها بسعر يومها ما لم تضرقا و بینکما شیء اگر اسی روز کی قیمت پر درہم کو لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ ان دونوں کے جدا ہوتے وقت کچھ معاملہ تم میں باقی نہ رہا ہو میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ اگر جدا ہوتے وقت ان دونوں میں کچھ معاملہ باقی ہے مثلاً بایں طور وہ دونوں اثر فیوں سے درہم کے بدلے کی پختی کو صرافوں کے بیان کرنے یا وزن کش کے وزن کرنے پر موقوف رکھے اور سلی ہذا القیاس تو ایسے وقت میں حجت و نزاع کرنے والے کو حجت و نزاع کا موقع باقی ہے اور معاملہ صاف نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من ابتاع نخلا بعد ان توبه فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع جو شخص چھوارے کے درخت کو گاہ لے کے بعد خریدے تو اس درخت کا پھل بائع کا ہے مگر جس صورت میں مشتری شرط کر لے میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ گاہا گاہا اس درخت سے زائد ایک فعل ہے اور بائع کی ملک میں ثمر کا ظہور ہو گیا پس اس کا حال اس شے کا سا ہے جو ایک مکان میں رکھی ہوئی ہو ہذا یہ بات ضرور ہے کہ اس کا حق اس کو دلا یا جائے مگر جس صورت میں اس کے خلاف کی تصریح ہو جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل جو ایسی شرط لگائی جائے کہ جس کا کتاب الہی میں ذکر نہیں ہے تو وہ باطل ہے میں کہتا ہوں اس سے وہ شرط مراد ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے نہی فرمائی ہے اور حکم الہی میں اس کی نہی مذکور ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ اس شرط کا بالکل ذکر ہی نہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے بیع الوداء اور ربہ الوداء سے نہی فرمائی ہے کیونکہ وہ ان کوئی موجود معین مال موجود نہیں ہے بلکہ صرف وہ ایک حق ہے جو نصیب کے تابع ہے پس جس طرح نصیب کے بیع نہیں ہوتا اسی طرح وہ بیع نہ ہونی چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الخراج بالضمان آمدنی تاوان کے ساتھ ہے (یعنی جو تاوان دے گا وہی آمدنی لے گا) پس بیع کی آمدنی بیع کے رد کرنے کے بعد مشتری کو ملے گی میں کہتا ہوں منازعت کے قطع کرنے کی بجائے اس کے وہی صورت نہیں ہے کہ بیع کے ہلاک ہو جانے کے بعد جو شخص تاوان دیتا ہے اس کو اس کی آمدنی دلائی جائے پس اگر نصیب کے سبب سے مشتری بیع کو رد کر دے اور اس اثنا میں بیع سے جو کچھ آمدنی ہوئی ہے اس خریدار سے اس کا مطالبہ کیا جائے تو آمدنی کی مقدار کے ثابت کرنے میں حرج عظیم ہے پس آنحضرت ﷺ نے اس حکم سے منازعت کو قطع فرمایا جس طرح قضا میراث کے بارے میں آپ نے منازعت کو بایں طور قطع کیا ہے کہ جاہلیت کی میراث اسی حالت پر رکھی جائے جس حالت پر تقسیم کی گئی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے البیع اذا اختلما والبیع قائم لیس بینہما بینہ فالقول ما قال البائع اور سرداں اور وہ دونوں بیع ہیں میں بینہ نہ ہو اگر ان میں اختلاف واقع ہو اور بیع بھی موجود ہو پس قول بائع کا معتبر ہو گا یا ہر دونوں بیعوں کے میں بتاؤں آپ نے بیع منازعت اس لیے کی کہ اصل بات یہ ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کی ملک سے نہ نکلتی ہے مگر بواسطہ بیع کے یہ غلط فہمی کے سبب منازعت واقع ہوئی تو اصل کی طرف رد ضروری ہوا اور بیع کا مال ہونا یقینی ہے اور بیع پر اس وقت قبل اس وقت کہ جس کی صورت نہیں ثابت ہوتی ہے اس لیے بائع کا قول معتبر ہے لیکن خریدار کو اختیار ہے اس لیے آمدنی بیع ہر غلط فہمی پر ہے اور رد مال اللہ عزوجل نے فرمایا الشفعة فيما لم يقسم فاداً وقعت الحدود وصرفت

العلوق فلاشفعة یعنی شفعہ اس چیز میں ہوتا ہے جو تقسیم نہیں ہوئی ہے پھر جب اس میں حدیں پڑ جائیں اور راست ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہوتا اور نیز آپ نے فرمایا ہے الجار احق بصقبہ کہ جو اپنے قریب ہونے کی وجہ سے حقدار زیادہ ہے۔ میں کہتا ہوں اصل شفعہ میں ہمسایوں اور شریکوں سے ضرر کا دور کرنا ہے اور میرے نزدیک شفعہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ شفعہ ہے کہ مالک پر فیما بینہ و بین اللہ شفعہ کے لیے اس شفعہ کا پیش کرنا اور دوسروں پر اس کا مقدم کرنا اور عند القاضی وہ مالک اس کے پیش کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اس قسم کا شفعہ اس جار کے لیے ہوتا ہے جو شریک نہیں ہے اور ایک وہ شفعہ ہے جس پر مالک عند القاضی مجبور کیا جاتا ہے یہ شفعہ صرف شریک کے لیے ہے اور احادیث سے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تطبیق کی صورت یہی ہے اور نیز آپ نے یہ فرمایا ہے من اقال اخاه المسلم صفقه كريها اقال الله عشرته يوم القيامة جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے اس عقد کو لوٹالے گا جو اسے ناپسند ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی خطا سے درگزر فرمائے گا میں کہتا ہوں جس شخص کو عقد کرنے کے بعد افسوس ہو تو اس سے رفع ضرر کے لیے اقالہ کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے اور جو چیز اپنے اوپر لازم کرتا ہے وہ اس کو لازم ہو جاتی ہے حضرت جابرؓ نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اس اونٹ کو فروخت کر دیا اور اپنے گھر تک سوار ہو کر جانے کو مستثنیٰ کر لیا میں کہتا ہوں اس سے ان چیزوں کے بیع میں استثناء کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے جہاں مناقشہ کا موقع نہ ہو اور عائدین باہم سلوک کرنے والے اور فراخ دل ہوں کیونکہ استثناء کرنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس میں مناقشہ کا احتمال ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا من فرق بين والدته وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة جو شخص ماں اور اس کی اولاد کے بیچ میں جدائی ڈالے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس میں اور اس کے دوستوں میں جدائی ڈالے گا اور ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے دو خاندانوں میں سے جو بھائی بھائی تھے ایک کو فروخت کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ واپس کر لو میں کہتا ہوں ماں و بچے میں جدائی ڈالنے سے ضرور ہے کہ دونوں کو وحشت پیدا ہوگی اور آدھ بکا کریں گے یہی دو بھائیوں کا حال ہے لہذا انسان کو ان میں تغریق ڈالنے سے اجتناب چاہیے اللہ پاک فرماتا ہے اِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ جب جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد طرف لپکو اور بیع خرید و فروخت کو چھوڑ دو میں کہتا ہوں یہ حکم اس نماز کے ساتھ متعلق ہے جو امام کے خطبہ کے لیے جاتے وقت ہوتی ہے اور چونکہ بیع وغیرہ میں مشغول ہونے سے بسا اوقات نماز جاتی رہتی ہے اور خطبہ کا استماع ترک ہو جاتا ہے اس لیے اس سے نبی فرمائی گئی اور آنحضرت ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ نرخ گراں ہو گیا ہے (گراں نرخ پر نرخ کے تقرر میں حاکم کا دخل) اس لیے آپ ہمارے لیے نرخ مقرر فرما دیجئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا نرخ مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اسی کی صفت قابض و باسط و رازق ہے اور نہ اس بات کی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ سے میں ایسی حالت میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے کسی ظلم کا مطالبہ نہ کرے میں کہتا ہوں چونکہ مشتری و تاجروں میں ایسا حکم برابر دینا کہ جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے یا دونوں کو برابر ضرر پہنچے نہایت دشوار تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس سے پرہیز کیا تاکہ آپ کے بعد حکام لوگ اس کو طریقہ و دستور نہ مقرر کر لیں اور اس کے بعد بھی اگر کوئی سود آروں سے عذابیہ ظلم معصوم ہو جس کا لوگوں کو یقین ہو جائے تو اس کی اصلاح درست ہے کیونکہ اس میں ملک کی بربادی ہے اور اللہ پاک ارشاد فرمایا ہے يَا أَيُّهَا

کہہ دے تو اس نے کامل طور سے تعریف کر دی میں کہتا ہوں آپ نے اس لفظ کو اس لیے معین فرمایا ہے کہ ایسے مقام میں زیادہ اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ اور الحاح ہے اور کم بیان کرنے میں حق کا چھیننا اور احسان کا کتمان ہے اور بعض مسلمان بعض کو جو بدیہ پیش کریں ان سب میں بہتر وہ چیز ہے جو آخرت کو یاد دلائے اور اللہ پر تمام امور کا حوالہ اس میں پایا جائے اور یہ لفظ اس تمام کے لیے کافی مقدار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تهادوا فان الهدیة تذهب انصافان وفي رواية تذهب وحر الصدر باہم تحفہ و تحائف بھیجے رہا کرو کیونکہ بدیہ سے رنجشیں دور ہوتی ہیں اور ایک روایت میں آیا ہے دل کا غصہ جاتا رہتا ہے میں کہتا ہوں کہ بدیہ اگر چہ تمہوز اسابی ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھیجنے والے کے دل میں اس شخص کی تعظیم و قدر و محبت اور اس کی جانب محبت ہے اور اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے لا تحقرن جاءة جارتيما ولو بفرس شاة کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کی کھری کے ساتھ ہو پس یہ دلوں کی رنجش دور کرنے کے لیے عمدہ طریقہ قرار پایا اور کسی شہر یا قبیلہ میں پوری پوری الفت پیدا ہونے سے رنجش دور ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من عرض عليه ربحان فلا يردده فانه خفيف المحمل طيب الريح جس شخص کے سامنے کوئی ربحان کو پیش کرے تو یہ اس کو واپس نہ کرے کیونکہ اس کے لینے میں بار کم ہوتا ہے اور وہ خود خوشبودار ہوتا ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے ربحان وغیرہ کے واپس کرنے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ اس کے قبول کر لیتے میں دینے والے کا اس شخص پر زیادہ بار نہیں ہوتا اور لوگوں میں اس کا دستور ہے لہذا اس کے قبول کرنے میں قبول کرنے والے کو بھی زیادہ عار نہیں ہوتی اور دینے والے کا بھی اس کے دینے میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا اور اس کا باہم دستور کرنے میں الفت باہمی کا پیدا کرنا اور واپس کرنے میں آپس کی دل شکنی کرنا اور دلی رنجش کی دلیل ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے العائد في هبة كالكلب يعود في قيئه ليس لنا مثل سوء اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینا اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو پھر کھا جاتا ہے ایسی بری مثال ہمارے مناسب نہیں ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے دی ہوئی چیز کے واپس لینے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ جس چیز کو اپنے مال سے علیحدہ کر چکا اور اس سے قطع تعلق کر چکا ہے پھر اس کے واپس لینے کا منشا یا تو اس دی ہوئی چیز کے ساتھ حرص کا پیدا ہونا یا اس شخص سے ناخوشی یا اس کی ضرر رسانی ہے اور یہ سب اخلاق مذمومہ ہیں اور نیز بہہ کے پورا کر دینے اور مضبوط کر دینے کے بعد اس کے واپس لینے میں عداوت و رنج کا پیدا کرنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ پہلے ہی سے اس کو کچھ نہ دیا ہوتا لہذا آنحضرت نے اس چیز کے واپس لینے کو جس کو اپنی ملک سے جدا کر چکا ہے کتے کے اپنی قے کے کھا جانے کے ساتھ مشابہت دی ہے تاکہ ظاہر میں اوگوں کو اس کی برائی متمثل ہو جائے اور پورے طور پر اس کی قباحت بیان کر دی بار خدایا مگر جس صورت میں ان دونوں کے اندر بے تکلفی ہے جس سے منقشہ پیدا نہیں ہو سکتا تو وہاں واپس لینے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے باپ بیٹے سے واپس لے لے پتا نچہ آپ نے فرمایا الا الوالد من ولده بجز باپ کے جو اپنے بیٹے سے واپس لے لے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی نسبت جس نے اپنے بعض بچوں کو کچھ عطا کیا تھا فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ نیکی میں وہ سب برابر ہوں اس نے عرض کیا (ہاں) تو آپ نے فرمایا ایسے وقت ایسا نہیں ہوتا میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے عطا کے اندر بعض اولاد کو رنجش پر فضیلت دینے کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس سے ان میں بھی باہم ملال و رنجش پیدا ہوتی ہے اور باپ کے ساتھ بھی

لہذا رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بغض کو بغض پر فضیلت دینے سے ابنِ ادا کے دل میں طمان و رنجش پیدا ہو گا جس کے ساتھ کوتاہی کی گئی ہے اور وہ اس کے سبب سے باپ کے ساتھ کوتاہی کرے گا اور اس میں خانہ ویرانی ہے (اور منجملہ تبرعات و وصیت ہے) وصیت کا وقت موت کے قریب ہوتا ہے اور اس کے مسنون ہونے کی یہ وجہ ہے کہ بنی آدم کی ملک میں منازعت ہوتی ہے پس جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے سبب سے اس شخص موصی کو مال سے استغنا ہو جاتی ہے مستحب ہوئی یہ بات کہ اس موصی نے جو کچھ اس میں قصور کیا ہے اس کا تدارک ہو جائے اور جو کچھ اس وقت میں اس مال میں جس کا حق ہے اس سے موازمات کرے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **اَوْصِ بِالْثَلَاثِ كَثِيرٌ ثَلَاثٌ** مال کی وصیت براورثت بھی زیادہ ہے اور جاننا چاہیے کہ تمام عرب و عجم کی قوموں میں بے شمار مصلحتوں کے سبب ایک مادہ اور ضروری بات ہو گئی ہے کہ میت کا مال اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے پھر جب وہ مریض ہوتا ہے اور موت پر متوجہ ہوتا ہے تو ان وارثوں کے لیے ملکیت حاصل ہونے کا طریقہ نکل آتا ہے پس ان کی امید سے ان کو ناامید رکھنا ان کے حق کا تلف کرنا اور ان کے حق میں کوتاہی کرنا ہے اور نیز حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ میت کے بعد اس کے مال کو لے جو سب لوگوں سے زیادہ اس کا دوست و معاون اور ہمدرد ہے اور اس بات میں کوئی شخص مال باپ و اولاد اور جتنے ذوالارحام ہیں ان کے درجہ کو نہیں پہنچتا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** اور ذوالارحام میں سے بعض اولیٰ بعض کے ساتھ اولیٰ ہیں کتاب اللہ کے اندر اور بایں ہمہ بسا اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں جن سے اور لوگوں کی بھی فغوری ضروری ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات خاص خاص حالات میں اور لوگوں کو اختیار کرنا ضروریات سے ہوتا ہے لہذا ایک حد مقرر کرنا جس کے آگے لوگ نہ بڑھ سکیں لابدئی ہو اور وہ حد ثلث ہے اس لیے کہ ورثہ کی ترجیح ضروری امر ہے اور وہ بایں طور ہو سکتی ہے کہ ان کو نصف سے زیادہ دلایا جائے اس لیے ان کے لیے دو ثلث اور غیروں کے لیے ایک ثلث مقرر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **إِنَّ اللَّهَ أَعْطَىٰ لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِّلْمَوْتِ** اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہذا کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے میں کہتا ہوں وصیت کے اندر ایام جاہلیت میں ضرور سنی لیا کرتے تھے اور وصیت کرنے میں ملت و ادب کا خیال نہ کرتے تھے بعض لوگ حق کو اور اس شخص کو ترک کر کے جس کی فغوری و ادب ہے اپنی رائے ناقص سے بعید لوگوں کو اختیار کرتے تھے لہذا اس باب کا مسدود کرنا ضروری ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ قرابتوں کے اعتبار سے قواعد کا لحاظ کیا جائے اور اثناس کے اعتبار سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے پس موارث سے احکام چونکہ قطع منازعت اور باہمی رنجشوں کے دور کرنے کے لیے مقرر ہوئے ہیں لہذا یہ حکم بھی ضروری ہوا کہ وارث نے اپنے وصیت جائز نہ کی جائے اس لیے کہ اس کے جائز کرنے میں اس حد مقرر کا توڑنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مَا حَقَّ أَمْرٌ مَّسْلُومٌ لِّهِ شَيْءٌ يُّوصَىٰ فِيهِ يَمِيتُ لَيْلًا إِلَّا وَوَصِيَّةٌ مَّكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ** کسی مسلمان شخص کو جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہے مزارع نہیں ہے کہ شب کو بسر کرے اور اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو میں کہتا ہوں وصیت میں قبیل کرنا بہتر ہے اس لیے کہ اگر امانت موت نے اس کو اٹھایا تو کوئی حادثہ پیش آیا اور جس ضروری مصلحت کا قائم کرنا اس نے اپنے نزدیک ضروری سمجھا تو وہ فوت ہو گئی تو جو وصیت سے ہمدرد نہ ہوگا اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **إِنَّمَا رَحْلُ**

اعمر عمریٰ انہ میں کہتا ہوں آپ کے زمانہ میں بہت سے مناقشے درپیش تھے جن کے قطع ہونے کی امید بھی نہ تھی لہذا ان کا قطع کرنا منجملہ ان مصلحتوں کے ہوا جن کے قائم کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی ہے مثل سود و قتل وغیرہ کے اور چہ لوگوں نے لوگوں کو عمر بھر رہنے کے لیے مکان دے دیئے تھے پھر دینے والے ورہنے والے مر گئے اور دوسرا قرن پیدا ہوا تو اب اس میں اشتباہ اور باہم مخیصہ و منازعت شروع ہوئی پس آپؐ نے بیان فرمایا کہ اگر مکان دینے والے نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ یہ مکان تیرے لیے اور تیرے وارثوں کے لیے ہے تو یہ بہہ ہے اس لیے کہ آپؐ نے خالص بہہ کے لیے جو لازم ہیں بیان فرما دیئے اور اگر اس دینے والے نے اس شخص سے یہ کہا کہ یہ مکان تازیت تیرے لیے ہے تو یہ عاریت ہے کیونکہ اس نے ایسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے جو بہہ کے منافی ہے اور منجملہ تبرعات وقف ہے اور اہل جاہلیت اس سے تاوانف تھے پس نبی ﷺ نے ان مصالح کے اعتبار سے جو اور صدقات میں نہیں پائے جاتے وقف کا استنباط فرمایا۔ کیونکہ انسان بسا اوقات اللہ کی راہ میں بہت سامال صرف کر دیتا ہے اور وہ مال فنا ہو جاتا ہے اور وہ فقراء پھر محروم رہ جاتے ہیں اور فقراء لوگ اس مال سے محروم ہی رہتے ہیں پس عامہ لوگوں کے لیے اس سے عمدہ و نافع صورت کوئی نہیں ہے کہ ایک شے فقراء اور مسافروں کے لیے روک لی جائے جس کے منافع ان پر صرف ہوا کریں اور خود وہ شے واقف کے ملک میں رہا کرے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اگر تو چاہے اس کی اصل کو روک لے اور اس کا نفع صدقہ کر دے پس حضرت عمرؓ نے ان کا صدقہ کر دیا کہ خود وہ فروخت کیا جائے اور نہ بہہ کیا جائے اور نہ اس سے ورثہ دلایا جائے اور فقراء اور اقارب اور غلاموں کے چھڑانے اور راہ اللہ اور مسافر اور مہمان کے لیے صدقہ کر دیا اور کہہ دیا کہ جو شخص اس کا متولی ہو حسب دستور بلا دقت اسے کھائے اور غیر متمول لوگوں کو کھلائے۔

اور معاونت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں از انجملہ مضاربۃ^① ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور ایک کی محنت ہو اور نفع باہم جیسے مقرر ہو جائے ان میں مشترک ہو اور ایک مفادضۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو شخص باہم برابر برابر مال سے شریک ہو کر سوداگری کریں اور تمام خرید و فروخت میں شریک ہوں اور باہمی نفع تقسیم کر لیا کریں اور ہر ایک دوسرے کا ضامن و وکیل ہو اور ایک عنان ہے اور وہ یہ ہے کہ مال معین میں شریک ہو کر اس طرح سے سوداگری کریں اور ہر ایک شخص دوسرے کا وکیل ہو نہ کنیل جس سے دوسرے کے بدلہ اس سے مطالبہ کر سکے اور از انجملہ شرکتہ الصنائع ہے جیسے دو درزی یا دو رنگریز اس طور سے شرکت کریں کہ دونوں محبت کریں اور اجرت دونوں میں تقسیم ہو جائے اور ایک شرکت وجوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ باہم دو شخص یوں شریک ہوں کہ مال تو کسی کے پاس نہیں ہے مگر اپنے اعتبار سے دونوں مل کر خرید و فروخت کریں اور نفع باہم تقسیم ہو جایا کرے اور ایک وکالت ہے کہ اپنے مؤکل کے لیے وکیل سوداگری کرے اور ایک مساقات ہے اور وہ یہ ہے کہ باغ ایک کا ہے محنت ایک کی پھل دونوں کے اور ایک مزارعۃ ہے اور وہ اس سے عبارت ہے کہ زمین و جہم ایک کی اور محنت و بیل ایک کے اور ایک مخابرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین ایک کی اور بیج اور بیل اور محنت دوسرے کی اور ایک صورت یہ ہے کہ ایک کی تو صرف محنت اور باقی جو کچھ ہو وہ دوسرے کے ذمہ ہو اور ایک اجارہ

① مضاربۃ کسی کو تجارت کے واسطے مال دینا اور نفع میں شرکت رکھنا۔

ہے اور اس میں مبادلہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور معاونت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں پس اگر صرف منفعت مطلوب ہے تب تو مبادلہ کے معنی غالب ہیں اور اگر اجیر کی خصوصیت مطلوب ہے تو معاونت کے معنی غالب ہیں آنحضرت ﷺ سے قبل لوگ ایسے ایسے عقود کیا کرتے تھے پس ان میں سے جس میں مناقشت کا احتمال غالب نہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی نہیں فرمائی ہے وہ عقد تو اپنی اباحت پر باقی ہے اور اس حدیث کے تحت میں داخل ہے **المسلمون علی شروطہم** اور رافع بن خدیج کی حدیث میں جو راویوں کا اختلاف ہے وہ عیاں ہے اور تابعین میں بڑے بڑے نامی لوگ شرکت مزارعت کیا کرتے تھے اور اس کے جواز پر اہل خیمہ کے معاملہ کی حدیث دلالت کرتی ہے اور جن احادیث میں اس سے نہی پائی جاتی ہے وہ احادیث نہروں کے اوپر پیداوار یا کسی خاص قطعہ کے بدلہ کرایہ دینے پر محمول ہے جیسا کہ حضرت رافع نے فرمایا ہے یا وہ نہیں بطور تنزیہ اور ارشاد کے ہے چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یا اس وقت کے ساتھ اس معاملہ میں مناقشات کی ثمرت کی جہت سے مصلحت خاصہ پر محمول ہے چنانچہ زید فرماتے ہیں۔

فرائض کا بیان

معلوم کرو کہ حکمت الہی کا مقتضی ہے کہ لوگوں کے قبیلہ میں باہم معاونت اور منصرۃ اور غمخواری کا طریقہ جاری رہے اور ہر شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو بمنزلہ اپنے نفع و نقصان کے سمجھے اور یہ طریقہ جب ہی قائم ہو سکتا ہے جب ان کی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب مارضہ بھی اس پر معین ہوں اور ان کا قدیمی طریقہ بھی اس کو ثابت کرے؛ جبلت تو وہ محبت و الفت ہے جو ماں باپ و ادا و بھائی بندوں وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور عارضی اسباب وہ لوگوں کی باہمی الفت و ملاقات اور تحنن و تحائف بھیجنا اور غمخواری کرنا ہیں؛ کیونکہ ان سب باتوں سے ایک دوست کا دوست ہو جاتا ہے اور غمخواری کے وقت انہی اسباب کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی مدد و معاونت پر ہمت ہوتی ہے اور قدیمی طریقہ وہ ہے کہ تمام شرائع میں صلہ رحم کا حکم اور اس کے تارک پر ملامت کا قائم کرنا چلا آتا ہے؛ پھر بعض لوگ اپنی فکر ناقص کے تابع ہوتے ہیں اور کما فیفی صلہ رحم کو قائم نہیں کرتے اور بسا اوقات غیر ضروری چیزوں کو مہتمم بالشان سمجھتے ہیں لہذا ان پر ان میں سے بعض چیزوں کے وادب کرنے کی حاجت پڑی خواہ وہ اس سے خوش ہوں یا انکار کریں جیسے مریض لی میات اور مصیبت زدہ کا پیڑ اٹا اور دینے کا لینا اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک ہو اس کا آزاد ہو جانا اور علاوہ ان کے اور بہت سے امور ہیں اور سب چیزوں سے زیادہ اس قسم کی ضرورت اس مال میں ہے جس سے قریب بہوت ہونے کے سبب سے مالک کو اتنا غنا ملے ہوئی ہے ایسے وقت میں ضروری ہے کہ اس کا مال اس کے سامنے ایسی چیز میں صرف کیا جائے جو معاونات خانگی میں نافع ہو یا اس کے بعد اس کے اقارب میں خرچ کیا جائے معلوم کرو کہ فرائض کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب و عجم کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میت کے مال کے تقسیم سب لوگوں سے زیادہ اس کے اقارب اور ذوی الارحام ہیں پھر اس کے بعد ان میں بڑا اختلاف ہے اہل جاہلیت تو صرف مردوں ہی کو ورثہ دیتے نہ عورتوں کو وہ سمجھتے تھے کہ اصل مرد ہی ہیں اور وہی وقت مصیبت کے کام آتے ہیں لہذا وہ چنانچہ اولاد و ملت کے لئے اس کے تقسیم میں ابتداً آنحضرت ﷺ پر ہوتا نازل ہوا ہے وہ تابعین و توفیق اقارب

کے لیے وصیت کا وجوب نازل ہوا کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں کسی شخص کا ایک بھائی ناصر و معاون ہوتا ہے اور دوسرا نہیں ہوتا کسی شخص کا باپ مصیبت کے وقت کام آتا ہے اور اولاد کا نہیں آتی اور علیٰ ہذا القیاس پس مصیبت کا مقتضی ہوا کہ اس بات کا اختیار لوگوں کے سپرد کیا جائے تاکہ ہر شخص جو مصلحت مناسب جانے اس کے موافق حکم دے پھر اگر موسیٰ سے کچھ زیادتی یا گناہ ظاہر ہوتا تھا تو قاضی کو اس کی وصیت کی اصلاح کرنے اور اس کے بدلنے کا اختیار ہوتا تھا ایک مدت تک یہی حکم جاری رہا پھر جب خلافت کبریٰ کے احکام جاری ہوئے اور شرق سے غرب تک محمدی عملداری ہو گئی اور بعثت عامہ کے انوار روشن ہو گئے تو مصلحت کا مقتضی ہوا کہ اس بات کا اختیار نہ تو ان کو دیا جائے اور نہ ان کے بعد قضاۃ کو بلکہ اس کا مدار ان مظان غالبہ پر رکھا جائے جو عرب و عجم و غیر ہم کے عادات کے متعلق علم الہی میں ہے اور بمنزلہ طبع امر کے ہے اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ بمنزلہ شاذ و نادر اور اس ہیثمیہ کی مانند جو عادت مستمرہ کے برخلاف با ناک کان کے یا نلثرا پیدا ہوتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے لَا تَذَرُونَ أَتَيْهِمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا تَمْ نَحْسُ جَانَتْ كَرَانِ مِیْن سَے تَمْبَارَے لَیْے نَفْعِ مِیْن كُون زِیَادَہ تَرَقْرِیْب ہے مَوَارِیْث كَے مَسْأَلِ كَافِیْی چنڊ اَصُول پَر ہے اَزَا نَجْمَلِہ اِیْکِ یَہ ہے كَہ اِس بَاب مِیْن مَصَاحِبِ طَبْعِی اور مَحَبَّتِ كَا اِعْتِبَارُ ہے جو بمنزلہ مَذْهَبِ جَبَلِی كَے ہے اِتْفَاقَاتِ مَارِضِیَہ كَا اِعْتِبَارُ نَہِیْسُ ہے كِیونكہ وہ غَیْر مَنْضَبُٹ ہونَے كَے سَبَب سَے شَرَائِعِ كَلِیَہ بِنِیَادِ نَہِیْسُ ہُو سَكْتِے چِنَا نچِ اللہ پاك فرماتا ہے وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِی كِتَابِ اللّٰهِ اِسی لَیْے بجز اولوالارحام كَے زَوَجِیْن كَے سوا كِسی كَے لَیْے مِیْرَاثِ مَقْرَرِ نَہِیْسُ كِی گِیْی اِلْتِزَامِیْنِ اُولُو الْأَرْحَامِ كَے سَا تَھ مَاتُوقِیْنِ اِیْنِ اُور اِن كَے شَمَارِ مِیْن بَچَند و جَوہ دَاخِلِیْنِ ہِیْن۔ اَزَا نَجْمَلِہ تَدْبِیْرِ خَانْگِیْی مِیْن مَعَاوَنَتِ كِی تَا كِیْدِ اور اِس بَاتِ پَر رَغْبَتِ دِلَانَا ہے كَہ اِن مِیْن سَے ہر شخص دُوسرَے كَے نَفْعِ وَنَقْصَانِ كُو بَعِیْنِہ اِپِنَا نَفْعِ وَنَقْصَانِ سَجَھے اور اَزَا نَجْمَلِہ یَہ ہے كَہ خَاوند عَوْرَتِ كَا خَرْجِ اِٹْھَاے اور اِپِنَا مَالِ اِس كِی سَپَر دَگی مِیْن دَے اور اِپِنِی چِیزِ پَر اِس كُو اِیْنِ سَجَھے اِس خِیَالِ سَے كَہ جو كَچھ وہ مَرِنَے كَے بَعْدِ چھوڑے وہ كَلِ مَالِ یَا اِس مِیْن سَے اِیْکِ حَصَہ اِس كَا حَقِّ ہے اور یَہ خُصُوصِیْتِ اِیْسی ہے كَہ اِس مِیْن اِنْقِطَاعِ كَا اِحْتِمَالِ نَہِیْسُ لَہْذا اِشْرَاعِ نَے اِس مَرَضِ كَا بَا یَسِ طُورِ مِلَاقِ كِیَا كَہ زُلْعِ یَا نَصْفِ خَاوند كَے لَیْے مَقْرَرِ كِیَا تَا كَہ اِس كَے دِل كُو تَسْكِیْنِ رَہے اور خُصُوصِیْتِ كُونِہ بڑھنَے دَے اَزَا نَجْمَلِہ یَہ ہے كَہ عَوْرَتِ كِی بَسَا اَوَاقَاتِ اِپِنَے خَاوند سَے اُولَادِ پِیْدَا ہُو تِی ہے جو لَامَحَالِہ مَرْدِ كِی قَوْمِ اور اِس كَے نَسَبِ اور مَرْتَبَہ كَے ہُو تِی ہے اور اِنْسَانِ كَا اِپِنِی مَالِ كَے سَا تَھ اِتْصَالِ كَہْیِی مَنْقَطِعِ نَہِیْسُ ہُو تَا پِیْسُ اِس سَبَب سَے زَوَجِہ اِن لوگوں كَے شَمَارِ مِیْن دَاخِلِیْنِ ہے جو اِس كَے خَاوند كِی قَوْمِ سَے مِلْجُہ نہِیْسُ ہُو تَے۔ اور وہ بمنزلہ ذوالارحام كَے ہُو جَاتِی ہے اَزَا نَجْمَلِہ یَہ ہے كَہ خَاوند كِی وَفَاتِ كَے بَعْدِ چنڊ مَصْلَحَتُوں كَے سَبَب سَے جو ظَاہِرِیْنِ عَوْرَتِ كُو اِس كَے گھر مِیْن عَدَتِ پُورِی كَر تَا وَاجِبِ ہے اور اِس كَے خَاوند كَے كَنبَہ مِیْن سَے كوئی شخص اِس كِی مَعَاشِ كَا مَتَكَلْفِ نَہِیْسُ ہوتا ہنڊا ضروری ہوا كَہ خَاوند كَے مَالِ مِیْن سَے اِس كِی مَعَاشِ مَقْرَرِ كِی جَاے اور یَہ بَاتِ مَمْكُنِ تَھِی كَہ اِس كِی كوئی خَاصِ مَقْدَارِ مَقْرَرِ كِی جَاے كِیونكہ یَہ بَاتِ مَعْلُومِ نَہِیْسُ ہُو سَكْتِی كَہ خَاوند كِی قَدَرِ مَالِ چھوڑے گا پس اِیْکِ عَامِ حَصَہ مَقْرَرِ كَر تَا وَاجِبِ ہوا جو ہر جگہ جَارِی ہُو سَكْتَا ہے مِثْلًا چوتھائی یَا آٹھواں حَصَہ اور اَزَا نَجْمَلِہ یَہ ہے كَہ قَرَابَتِ كِی دَوْتَمِیْسِ ہُو تِی ہِیْن اِیْکِ تُو وہ قَرَابَتِ جو حَسَبِ وَنَسَبِ اور مَرْتَبَہ مِیْن مِشَارَكَتِ كُو نَہِیْسُ چَا ہِتی بَلَكہ اِس مِیْن صَرَفِ مَحَبَّتِ وَشَفَقَتِ پَائِی جَاتِی ہے اور اِگر تَرَكِّ تَقْسِیْمِ كَرِنَے كَا اِخْتِیَارِ مِیْتِ كُو ہوتا تُو اِس قَرَابَتِ سَے آگَے نہ پڑھتا یَہ بَاتِ ضروری ہے كَہ پہلی قِسم كُو دُوسری قِسم پَر فَضِیْلَتِ دِی جَاے كِیونكہ تَمَامِ عَرَبِ وَعِجْمِ اِس بَاتِ كُو تَا پِند كَر تَے ہِیْن اور جب كِسی شخص كَا مَالِ وَنَسَبِ اِس

شخص کو دیا جائے جو اس کی قوم میں اس کا قائم مقام ہے تو اس کو انصاف جانتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور یہ بات ان کی جبلت میں داخل ہو گئی ہے جو ان سے نہیں جدا ہو سکتی مگر جس صورت میں کہ ان کے دلوں میں فرق آ جائے بار خدا یا! مگر ہمارے زمانہ میں لوگوں کے نسب ضائع ہو گئے اور نسب کی وجہ سے باہم معاونت باقی نہیں رہی اور یہ بات بھی ناروا ہے کہ دوسری قسم کا حق پہلی قسم کے بعد چھوڑ دیا جائے یہی سبب ہے کہ ماں کا حصہ بیٹی اور بہن کے حصہ سے کم ہے۔ باوجودیکہ اس کو ماں کے ساتھ بھلائی کرنے اور صلہ رحم کرنے کی زیادہ تر تاکید ہے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو بیٹی کے قوم کی ہوتی ہے اور نہ اس کے حسب کی اور نہ اس کے مرتبہ و شرافت کی ہوتی ہے اور نہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتے ہیں دیکھو بیٹا اگر ہاشمی ہوتا ہے اور ماں حبشیہ ہوتی ہے اور بیٹا قریشی ہوتا ہے اور ماں ثعلبی ہوتی ہے اور بیٹا بیت الخلافت سے ہوتا ہے اور ماں زمانہ و دناہت کے ساتھ مقیم ہوتی ہے اور بیٹا و ہمشیر آدمی کی قوم اور اس کے مرتبہ کے ہوتے ہیں اور اسی طرح ماں کی اولاد کو اگر ورثہ ملتا ہے تو تہائی سے زیادہ کبھی نہیں ملتا۔ دیکھو آدمی کبھی قریشی ہوتا ہے اور اس کا بھائی اخیانی جو بھائی ماں کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی دونوں قبیلوں میں نزاع پیدا ہوتا ہے اور ہر شخص دوسرے کی قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے اور لوگ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے قائم مقام ہونا انصاف نہیں سمجھتے ہیں اور اسی طرح زوجہ کو جو ذوی الارحام کے ساتھ ملحق ہے اور ان کے شمار میں داخل ہے سب سے کم حصہ ملتا ہے اور اگر کئی بیویاں ہوں تو اسی حصہ میں سب شریک ہوتی ہیں اور باقی ورثہ کے حصہ میں ہرگز کمی نہیں کر سکتے دیکھو بیوی خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے اور پہلے خاوند سے اس کو کچھ تعلق نہیں رہتا الحاصل تو ارث کا مدار تین امور پر ہے ایک تو میت کے بعد اس کی جگہ اس کی عزت اور مرتبہ اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے اس کے بعد اس کا کوئی قائم مقام رہے دوسرے خدمت اور منہواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں تیسرے قرابت جو ان دونوں امر پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اسی تیسرے کا اعتبار مقدم ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ ورثہ کے مستحق ہیں مگر وضع طبعی کے اعتبار سے جس پر قرنا بعد قرن عالم کے بنا ہے بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم مقام ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے اور اگر بالفرض کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیا جائے تو اس کے قلب پر اولاد کی منہواری باپ کی فہم نہاری پر غالب نہ کی اسی واسطے تمام لوگوں کا دستور عام ہے کہ اولاد کو باپ دادا پر مقدم سمجھتے ہیں اور قائم مقام ہونے کا اقبال بیٹے کے بھائیوں میں ہے اور جو ان کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم کے اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہیں باقی رہی خدمت اور شفقت تو یہ دونوں قرابت قریبہ کے مغلطات ہیں اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس کی مستحق ہے اور جو ان کے مانند ہے اور نسب کے عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کی قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ اور اس کے بعد اوبہ جس سے زوجیت کا علاقہ ہے پھر ماں کی اولاد اور عورتوں کے اندر نہایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے اس واسطے کہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں بار خدا یا! مگر بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی

پائے جاتے ہیں، لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس کا مظنہ بہت قریب کی قرابت ہے جیسے ماں اور بیٹی میں کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور ان کے بعد بھائی اور چچا میں اور دوسرے معنی سب سے زیادہ باپ میں اور اس کے بعد بیٹے میں پھر بیٹی بھائی پھر اضافی بھائی میں پائے جاتے ہیں اور قرابت قریبہ کا مظنہ ہے نہ بعیدہ کا اسی وجہ سے جو چچا کے لیے حکم ہے پھوپھی کے لیے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آ سکتی جس طرح چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں ہمیشہ کے برابر نہیں ہے۔

اور از انجملہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اگر ایک ہی درجہ کے ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لیے مرد ہی مخصوص ہیں اور وجہ بھی ہے کہ مردوں پر نفع بہت ہوتے ہیں پس یہ زیادہ تر مستحق ہیں کہ ان کو وہ مال جو بمنزلہ مفت کے ہے دیا جائے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بار و بوجھ ہوتی ہیں اللہ پاک فرماتا ہے: **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا** کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں بہ سبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض آدمیوں کو بعض پر بزرگی دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے خرچ کیا ہے اور ابن مسعودؓ ملٹ باقی کے مسئلہ کے اندر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ماں کے لیے باپ پر فضیلت ہونے کا سبب بجز اس کے کوئی اور نہ سوجھایا ہے کہ جب ایک مرتبہ باعتبار عصبہ اور فرض کے جمع ہونے کے باپ کی فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے تو دوبارہ اس کا حصہ زیادہ کرنے کے لیے اس کی فضیلت کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں اور وارثوں کی حق تلفی ہے اور ماں کی اولاد میں سے ذکر کو اس شخص کی عزت کی حمایت اور اس کی طرف سے محافظت نہیں ہوتی کیونکہ یہ اولاد دوسری قوم کی ہوتی ہے لہذا ذکر کو انہی پر فضیلت نہیں دی گئی اور دوسرے ان کی قرابت ماں کی قرابت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ سب اولاد بمنزلہ اکاٹ کے ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس ورثہ کی تقسیم ان پر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجے مختلف ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام و ایک جہت میں داخل ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہو کر اس کو محروم کر دیتا ہے کیونکہ تو ارث معاونت پر رغبت دلانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور قرابت اور تعاون سب میں پایا جاتا ہے مثلاً شفقت و محبت ان سب میں پائی جاتی ہے جن کو ماں کا نام شامل ہے اور جس کو بیٹے کا نام شامل ہے اس میں قائم مقامی کی اور جس کا نام عصبہ ہے اس میں حمایت کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ مصلحت اس وقت متحقق ہو سکتی ہے جبکہ وہ شخص متعین ہو جائے اور جو ان باتوں پر اپنے نفس کو مجبور کرے اور اس کے ترک سے اس پر ملامت کی جائے اور سب لوگوں میں وہ شخص مال کے ملنے کے ساتھ متمیز نہ ہو اور حصوں کی کمی بیشی ایسی چیز نہیں جس کا زیادہ تر خیال کیا جائے یا ان کے وجوہات مختلف ہوں اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص مظان غالبہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک زیادہ تر قریب اور کام آنے والا ہے بعید کے لیے حاجب ہو کر اس کے حصہ کو کم کر دیتا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ سہام جن سے حصوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزاء ظاہر ہوں کہ محاسب و غیر محاسب ظاہر میں ان کی تمیز کر سکیں اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول میں انا امت امیہ لانکتب ولا نحسب ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری

ہے کہ ایک تو حساب کرنے میں تعمق کرنے کی حاجت نہ ہو اور دوسرے خط بہ نظر میں کمی و بیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جائے، لہذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کیے ہیں ایک تو ثمنین اور ثلث اور سہم اور دوسرے نصف ربیع ثمن، کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی اولاد ہیں اور ان میں تین مرتبہ پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ایک شے اپنے اوپر دو چند کے ساتھ اور اپنے نیچے نصف کے ساتھ ہوتی ہے کمی و بیشی کے ظاہر اور محسوس ہونے کا یہ ادنیٰ درجہ ہے پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اور نسبتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو باب توریت میں ضروری ہیں مثلاً اگر نصف پر پتہ بڑھایا جائے اور کل سے کم رہے تو دو ثلث ہو گئے اور نصف سے جب کم کیا جائے اور ربیع سے کم رہے تو ثلث ہو گیا اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا اس واسطے کہ ان کے مخرج کی تفریق میں دقت ہے اور اس میں گننا و بڑھاؤ کرنے میں تعمق فی الحساب کی ضرورت ہے اللہ پاک فرماتا ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ لکھاتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں مرد کے لیے برابر حصہ دو عورتوں کے ہے پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہیں پس ان کو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اس کے لیے نصف میں کہتا ہوں مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ۔ اور اکیلی بیٹی کے لیے نصف ترکہ کیونکہ اگر اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو اس کو سارا مال ملتا ہے پس اس حساب سے اکیلی بیٹی نصف کی مستحق ہے اور دو بیٹیوں کا ظہم بالا جماع تین کا ہے اور دو ثلث ان کو اس واسطے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اس لیے دوسری بیٹی کا بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہوتا چاہیے اور عصبہ کے لیے ثلث اس لیے زیادہ کیا گیا کہ بیٹوں سے بھی معاونت ہوتی ہے اور عصبہ بات سے بھی ہوتی ہے پس ایک دوسرے کو ساقط نہ کرے گا لیکن حکمت کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص نسب کے ممد میں داخل ہے اس کو ان لوگوں پر جو ممد کے ادھر ادھر ہیں فضیلت دی جائے اور وہ ثلث میں سے دو ثلث کی نسبت ہے اور ایسا ہی والدین کا بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ حال ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے وَلِكُلٍّ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةُ أَبَوَاهُ فَلَا مِيرَاثَ لِلنِّسَاءِ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلَا مِيرَاثَ لِلنِّسَاءِ۔ اور اس کے ماں باپ کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے ترکہ میں سے سہم ہے اگر اس کے اولاد ہو پس اگر اس کے اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوتے ہیں تو اس کی ماں کو ثلث ہے پھر اگر اس کے بھائی ہیں تو اس کی ماں کو سہم ہے میں کہتا ہوں تم وہ بات معلوم نہ پہلی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد وراثت کی زیادہ تر مستحق ہوتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے اولاد کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے اس لیے زیادہ مقرر نہیں کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اس کی معاونت کے اعتبار سے ہے ساتھ باپ کی فضیلت کا ایک مرتبہ اعتبار ہو چکا ہے اس لیے بعینہ اس فضیلت کا فی تصنیف میں اعتبار نہیں کیا گیا اور اس صورت میں بیٹے کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ کوئی مقدار نہیں بڑا سب ترکہ انہی کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت دہی اس بات کو ہم معلوم کر چکے ہیں کہ ان مسائل کے اندر اثبات فضیلت کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ فضیلت ہے پھر اگر ماں اور بھائی وارث ہوں اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو پچھلے حصہ دیا جائے گا کیونکہ اگر بھائی مصدب نہیں ہے اور مصیبت اس سے

بعید ہیں تو عصیت و شفقت و محبت برابر ہے نصف ان کو اور نصف ان کو ملے گا اور وہ نصف ماں اور اس کی اولاد پر تقسیم لیا جائے گا اس حساب سے ماں کو بلا شک چھٹا حصہ دایا جائے گا اور اس سے کم نہ ہوگا اور باقی ان سب کو دایا جائے گا اور اگر بیٹی عصیت ہیں تو ان میں قرابت قریبہ و تمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور بسا اوقات ان کے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں مثلاً بیٹی اور بیٹے اور نہ پھر اگر ماں کو سدس نہ دایا جائے تو ان کو تنگی و دقت ہو اور اللہ پاک فرماتا ہے **وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاحُكُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْضِي بِهَا اَوْ ذِيٍّ وَلَيْسَ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلِلْثَمَنِ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْضُونَ بِهَا اَوْ ذِيٍّ** اور تم کو اور تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پس اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تم کو ربع ہے بعد وصیت کے جس چیز کی انہوں نے کی ہو یا دین کے اور بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہاری اولاد نہیں ہے تو ربع ہے پھر اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے ثمن ہے بعد اس چیز کے وصیت کے جو تم نے کی ہے یا قرض کے میں کہتا ہوں خاوند کو ورثہ اس لیے ملتا ہے کہ اس کو بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے پس باکل مال کے اس کے قبضہ سے نکالنے میں اس کی ضرر رسائی ہے اور دوسرے یہ کہ خاوند اپنا مال اس کی سپرد میں رکھتا ہے اور اپنے مال میں اس کو امین سمجھتا ہے ایسی خیال سے کہ بیوی کے مال میں اس کا بڑا حق ہے اور بیوی خاوند سے خدمت اور ہمدردی اور حق محبت کا ملتی ہے ہذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ خاوند بیوی کو زیادہ حصہ لینے سے اولاد پر تنگی نہ ہو اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تضعیف ہے اللہ پاک فرماتا ہے **وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً اَوْ امْرَاةٌ وَلَهُ اَخٌ اَوْ اُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ اِنْ كَانُوا اَكْثَرًا مِنْ ذٰلِكَ فَهَمَّ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ** اگر وہ شخص جس کا ورثہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو اور اس مرد کے بھائی یا بہن ہو پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو سدس ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں شریک ہوں گے میں کہتا ہوں کہ یہ آیت ماں کی اولاد میں وارد ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور چونکہ اس شخص کے نہ باپ ہے نہ اولاد ہے اس لیے شفقت کے لحاظ سے اگر ان میں ماں ہے تو ان کو نصف اور نصف معاونت اور حمایت کے اعتبار سے اور اگر ماں نہیں ہے تو دو ثلث ان کا ہے اور ایک ثلث ان کا ہے اللہ پاک فرماتا ہے **يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِنُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ اِنْ امْرَاةٌ هَلَتْ لِبَنِ لِّهِ وَلَدٌ وَلَهُ اُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلِلَّامْتِنِ الثَّلَاثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوا اِخْوَةً اَرْجَالًا وَ نِسَاءً فَلْذَكَرُ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيْنِ** تجھ سے مسد دریا فت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو بیان کرتا ہے اگر کوئی مرد مر جائے جس کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کی ہمیشہ ہو تو اس کی ہمیشہ کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ہے اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو ہمیشہ ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ہے اور اگر اس کے بھائی و بہنیں ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ہے میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بالا جماع باپ کی اولاد میں وارد ہے خواہ وہ بی بی اعمیان ہوں یا بی علات ہوں اور کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے نہ باپ ہو نہ اولاد اور اللہ پاک کا یہ قول ایسے لے لے لے لے کی بعض

حقیقت کوئی ہوتا ہے اہل صل جس شخص کے کوئی ایسا وارث ہو کہ نسب کے نمود میں داخل ہو تو وہ لوگ جو اولاد کے بعد سب سے زیادہ قریب اور اولاد کے مشابہ ہیں اور وہی پر محمول ہوں اور وہ برادر اور ہم شیر ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **الْحَقُّ وَالْغَرَائِضُ** باہلیا فما بقى فيهِ لاولى رجل ذكر تمام حصہ ان کے حقداروں کو دے دو پھر جو باقی رہے تو وہ اس مرد ذکر کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہو چکی کہ توارث کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے جن کو ہم بیان کر چکے اور محبت و شفقت کا مصرف اس قرابت میں لحاظ کیا گیا جو بہت قریب ہے جیسے ماں و بھائی نہ ان کے سوا میں پس جب ان سے بچ رہے تو توارث میت کے قائم مقام ہونے اور اس کے معاونت کرنے کے اعتبار سے معین ہوگا اور میت کے قوم اور اس کے نسب اور اس کے درجہ کے لوگ ہیں **الاقرب فالاقرب** اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا يرث المسلم الكافر والا الكافر ولا الكافر المسلم** نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا میں کہتا ہوں کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ کافر و مسلمان میں ہم دردی نہ ہونے پائے۔ یہ کافر مسلمان کا کافر سے اختلاط رکھنا باعث اس کے دین کے فساد کا ہوگا چنانچہ اللہ پاک نکاح کے حکم میں فرماتا ہے۔ **اولئك يذغون الى النار** وہ جہنم کی طرف جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **القاتل لا يرث** قاتل کو ورثہ نہیں پہنچتا میں کہتا ہوں یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ بسا اوقات وارث مال لینے کی خاطر اپنے مورث کو مار ڈالتا ہے خاص کر چچا زاد بھائی وغیرہ اس وقت میں اس طریقہ کا ان میں مقرر کرنا ضروری ہوا کہ اس فعل کے مرتکب ہونے والے نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے وہ ناامید رہا ہے تاکہ یہ مفید و نفع ہو اور یہ بھی طریقہ متواتر چلا آتا ہے کہ نہ غلام کو کسی کا ورثہ ملتا ہے نہ اور کسی کو غلام کا ورثہ ملتا ہے کیونکہ غلام کا مال مولا کا مال ہوتا ہے اور مولیٰ اجنبی شخص ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان اعيان بنی الام** بتوارثوں دون بنی علات البتہ ماں کی اولاد میں سے بنی اعیان میں تو ریث جاری ہوتی ہے بنی علات میں نہیں ہوتی میں کہتا ہوں اس کا سبب ہم بیان کر چکے ہیں کہ میت کی قائم مقامی کا معنی خصوصیت پر ہے اور قریب بعید کا حاسب ہو کر اس کو محروم کر دیتا ہے اور نہ خاندان باپ اور بیوی اور ماں باپ کی صورت میں اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ ماں کو باقی کا ثلث ملتا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے بخوبی بیان کر دیا ہے اور فرمایا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایک فیصلہ:

ماکان اللہ لبسرینی ان افضل اما علی اب اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک بنی ایک پوتی اور ایک اہل قبیلی صورت میں بایں طور علم دیا کہ بنی کو نصف اور پوتی کو سدس اور ہم شیر کو ماہی میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ بعید قریب کا اس کے حصہ میں مزارع نہیں ہوتا اور جو باقی رہے تو بعید اس کا حقدار ہوتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے اس صنف کے لیے جو مقرر کیا ہے اس کا اٹینا کر لے پس بنی کو پورا نصف ملے گا اور بنی پوتی کے علم میں ہے پس بنی کو بنی کے مزارع نہ ہوگی اور بیٹیوں کے حصہ سے ماہی اس و مل جائے گا پھر ہمیشہ مصدقہ ہوتی اس لیے کہ اس میں بنی کے قائم مقام ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ مورث کے درجہ کی ہے اور حضرت عمرؓ نے ایک خاندان اور ایک ماں اور بیٹیوں کے مابین بھائیوں کے باب میں فرمایا کہ باپ نے ان کی اہل کوئی بڑھایا ہے حضرت ابن مسعودؓ اور زید اور شریح وغیرہ نے اسی حکم کو قبول کیا اور قوانین شرعی کے ساتھ یہ حکم زیادہ تر مناسب

ہے اور دادی کے لیے سدس کا حکم دیا کیونکہ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادی ماں کے قائم مقام ہے حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا حکم دیتے تھے اور میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے اور ولادہ میں یہ راز ہے کہ اس میں معاونت و عزت کی محافظت پائی جاتی ہے پس مولانہ اس کا زیادہ تر مستحق ہے بعد ازاں اس کی قوم کے مرد درجہ بدرجہ۔ واللہ اعلم

تدبیر منزل کے ابواب کا بیان

معلوم کرو کہ فن تدبیر منزل کے اصول تمام عرب و عجم کے نزدیک مسلم ہیں البتہ ان کی صورتوں میں اختلاف ہے اور آنحضرت ﷺ عرب میں پیدا کیے گئے اور حکمت الہیہ کا متصفیاء ہوا کہ تمام دنیا میں بایں طور کلمۃ اللہ کا اعلان ہو کہ عرب کا دین تمام ادیان پر غالب کیا جائے اور تمام دنیا کے عادات عرب کے عادات سے منسوخ کیے جائیں اور تمام دنیا کے لوگوں کی ریاست ان کی ریاست سے منسوخ کی جائے لہذا یہ بات ضروری ہوئی کہ بجز عرب کی عادات کے تدبیر منزل کسی صورت نہیں ہو سکتی اور نیز خود ان صورت و اشباہ کا اعتبار ضروری ہوا۔ اور ہم اکثر ضروری باتیں مقدمہ باب میں ارتفاقات وغیرہ کے اندر بیان کر چکے ہیں وہاں دیکھنا چاہیے۔

نکاح کے متعلق گفتگو اور اس کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیزوج فانه اغنی للبصر واحصن حصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانه له وجاء۔ اے گروہ جوانوں کے جو شخص تم میں نکاح کی طاقت رکھے تو اس کو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح کرنے میں نگاہ پست رہتی ہے اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے اور جو کوئی اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ روزہ خصی کر دیتا ہے معلوم کرو کہ بدن کے اندر جب کثرت سے منی پیدا ہوتی ہے تو اس کے انجرہ دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کا دل کسی خوبصورت عورت کے دیکھنے کو چاہتا ہے اور اس کی محبت اس کے قلب پر غالب ہو جاتی ہے اور اس منی کا ایک حصہ پیشاب گاہ کی طرف اترتا ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور شدت سے خواہش ہوتی ہے اور اثر یہ بات جوانی کے زمانہ میں ہوتی ہے اور تباہات طبع میں سے یہ ایک بہت بڑا حجاب ہے جو اس کو احسان کی صفت میں غور کرنے سے مانع ہو جاتا ہے اور زنا کی طرف اس کو رغبت دلا کر اس شخص کی عادت بگاڑ دیتا ہے اور باہمی فساد سے بڑی بڑی ہلاکتوں میں وہ شخص پڑ جاتا ہے لہذا اس حجاب کا دور کرنا ضروری ہو اپس جو شخص جماع کی استطاعت رکھتا ہو اور اس پر قادر ہو بایں طور کہ متصفیاء حکمت کے موافق کوئی عورت اس کو میسر آئے اور اس کا خرچ انھا کے تو اس شخص کے لیے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ نکاح کرنے سے نگاہ پست رہتی ہے اور آدمی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے کیونکہ اس کے سبب سے منی کثرت سے خارج ہوتی رہتی ہے اور جس شخص میں اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ رکھنے کو بیجان طبعی کے فرو کرنے اور اس کے جوش کم کرنے میں بہت دخل ہے اس لیے کہ اس میں منی کے مادہ کا کم کرنا ہے پس تمام اخلاق فاسدہ جو کثرت اختلاط سے پیدا ہوتے ہیں وہ روزہ

کے سبب سے بدل جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ عثمان ابن مظعونؓ کو تہلیل سے منع فرمایا اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہوں مگر میں روز و بھی رکتا ہوں اور نہیں بھی رکتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

معلوم ہو کہ انصاری میں سے مانویہ اور مترسبہ ترک نکاح کو قربت الہی کا سبب سمجھتے تھے اور یہ ان کا خیال غلط تھا اس لیے کہ انبیاء و ائمہ اسلام کا طریقہ جس و اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پسند فرمایا ہے وہ صرف اصلاح طبیعت اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے تمام فحاشی سے اس کا جدا کرنا مقصود نہیں ہے اور ہم پورے طور پر اس کا بیان کر چکے ہیں پھر ایسی عورت کی طرف رہبری ضرور ہے جس کا نکاح حدت شرعی کے موافق ہو اور یہ منزل کے مقاصد پورے طور پر اس سے حاصل ہو سکیں اس لیے کہ خاوند و بیوی کی صحبت لازمی ہے اور جہنم سے حوائج ضروری ہوتے ہیں پس اگر عورت بد طبیعت ہے اور اس کی سرشت و عادت میں سختی اور اس کی زبان میں افہامیت داخل ہے تو اس شخص پر باوجود فراخ ہونے کے دنیا تنگ ہو جائے گی اور وہ مصلحت فساد کی طرف متغلب ہو جائے گی اور اگر صالحہ ہے تو اس وجہ سے کامل طور پر گم کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ہر طرف سے اس شخص کے لیے اسباب خیر مہیا ہو جائیں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **الدنيا متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة** دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی بہتر پونجی صالحہ بیوی ہے اور آپ نے فرمایا **تنكح المرأة لاربعة لجمالها ولحسبها ولدنياها فاخضر بذات الدين تربت يداك** چار باتوں کے سبب سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کے سبب سے اس کے حسب کی وجہ سے اور نہ بھارتی کی وجہ سے اور دین کے سبب سے پس دیندار پر ظفر یاب ہو خاک میں مل جائیں تیرے دونوں ہاتھ معلوم کر دو کہ بیوی سے پسند کرنے میں لوگ جن مقاصد کا قصد کرتے ہیں وہ غالباً چار باتیں ہیں ایک تو اس کے مال کی وجہ سے کہ اس شخص کو اس کے مال کی طرف رغبت ہوتی ہے اور اس کو امید ہوتی ہے کہ مال کے ساتھ وہ عورت اس کی غم خواری کرے گی اور اس کی اولاد ماں کے مالدار ہونے کی وجہ سے فنی ہو جائے گی یونکہ ماں کے ترک میں ان کو یہ مال ملے گا اور ایک عورت کے حسب کی وجہ سے یعنی اس عورت کے باپ و ادا خاندانی ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں وہ اپنی عزت سمجھتا ہے کیونکہ عزت داروں میں نکاح کرنا شرف و عزت کا سبب ہوتا ہے اور ایک خوبصورت بیوی کی وجہ سے کیونکہ طبیعت بشری کو جمال کی طرف رغبت ہوتی ہے اور بہت سے لوگ طبیعت کے مظاہر ہوتے ہیں اور ایک اس سے دین کے سبب سے یعنی وہ عورت صاحب عفت اور صاحب ایمان ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک وہ مترسب ہوتی ہے مال و عزت تو ایسی چیزیں ہیں کہ جن لوگوں پر رم دنیا کا تباب غالب ہے وہ ان کا قصد کرتے ہیں اور جمال و عجب و فہم ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر تباب طبعی کا غلبہ ہے ان کو یہ مقصود ہوتی ہیں اور دین اس شخص کا مقصود ہوتا ہے ہواطرت کے اعتبار سے مہذب و اہل اس بات و چاہتا ہے کہ دین میں اس کی بیوی اس کی معاونت کرے اور اہل غیر کے ساتھ صحبت کی اس حرمت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **خير نساء ركبهن الابل نساء قریش احناہ علی ولد فی صفرہ وارضاه علی زوج فی ذات بدہ** بخیر عورتیں اونہوں پر سوار ہوتی ہیں ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں۔ سب آدمیوں سے زیادہ ان واپس اپنے بچے نے مائیں اس سے بچپن میں محبت ہوتی ہے اور سب سے زیادہ اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی

ہیں میں کہتا ہوں یہ بات پسندیدہ ہے کہ بیوی اس قبیلہ و خاندان کی ہو جس کی عورتیں خوش اخلاق ہوتی ہیں کیونکہ سونے و چاندی کی کانوں کی طرح آدمیوں کی بھی کانیں ہیں اور انسان پر اس کی قوم کی رسوم و عادات اس قدر غالب ہوتی ہیں کہ تو یا اس کی سرشت میں داخل ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس بات کا بیان فرمادیا کہ سب عورتوں سے بہتر قریش کی عورتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ سب سے زیادہ اپنی چھوٹی چھوٹی اولاد سے ان کو شفقت ہوتی ہے اور اپنے خاوند کے مال و غلام وغیرہ کی حفاظت سب سے زیادہ کرتی ہیں اور نکاح کے جو مقاصد ہوتے ہیں ان سب میں یہ دو بڑے بڑے مقصد ہیں اور انہیں سے تدبیر منزل کا انتظام ہوتا ہے اور اگر تم آج کل ہمارے ملک اور ماوراء النہر وغیرہ کی تفتیش کرو گے تو عادات صالحہ میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور مستقل ان باتوں میں قریش کی بیویوں کو دیکھو گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم** کہ نکاح کرو تم ایسی عورتوں سے جو زیادہ جتنے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہوں کیونکہ میں امتوں سے تمہارے ساتھ کثرت میں مقابلہ کرنے والا ہوں میں کہتا ہوں کہ خاوند بیوی کی باہم محبت کی وجہ سے مصلحت خانگی پورے طور سے قائم رہے گی اور بسبب کثرت اولاد کے مصلحت مدنیہ و ملیہ کی خوب تکمیل و تنمیم ہوگی (تنمیم بروزن تسلیم تمام کرنا) اور عورت کو خاوند کے ساتھ محبت کا ہونا اس کے صحت مزاج اور قوت طبیعت کی دلیل اور غیروں کی طرف نظر کرنے سے مانع اور کشمشی وغیرہ سے سنبھال کرنے کے باعث ہے اور اس میں خاوند کی شرمگاہ اور اس کی نظر کی حفاظت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا اخطب اليکم من ترضون دینہ و خلقہ فزوجوه ان لاتفعلوه تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض** جب کوئی شخص تمہارے پاس پیام نکاح کا لائے جس کی دینداری و عادت سے تم راضی ہو اس کے ساتھ تم نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفویت کا اعتبار نہیں ہے اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت میں کفویت کا اعتبار ہے اور کبھی تو کفویت کا نقصان قتل سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں اور شریعت ایسی باتوں کو مہمل نہیں چھوڑتی اسی لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو بجز ان کے کفو کے لوگوں کے سب سے ممانعت کروں گا بعد آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جب اس شخص کے دین و عادت پسندیدہ ہوں تو اس کے بعد حقیر چیزوں پر مثل قلت مال و تنگی حال اور بد صورتی یا ام ولد کے اولاد وغیرہ ہونے پر نظر نہ چاہیے کیونکہ تدبیر منزل کا مقصود اعظم خوش اخلاقی کے ساتھ صحبت میں رہنا اور اس کے سبب سے دین کی اصلاح کا ہونا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الشوم فی المرأة والدار و الفرس** نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے میں کہتا ہوں اس حدیث کی صحیح تفسیر جس کو حدیث کا مورد چاہتا ہے کہ ان چیزوں میں کوئی سبب اکثر سے پوشیدہ پایا جائے جس کی وجہ سے عورت برکت سے برطرف اور شوم ہوا کرتی ہے۔

اور مستحب ہے مرد کو یہ بات کہ خوش کرے اپنے نفس کو ساتھ ترک کرنے نکاح کے اس عورت کے ساتھ جس کی نحوست پر کوئی تجربہ پایا جائے اگرچہ وہ خوب صورت ہو اگرچہ وہ صاحب مال ہو اور حکمت کا متحسی ہے کہ باکرہ کو اختیار کرے بشرطیکہ وہ عاقلہ بالغہ ہو کیونکہ اس کے اندر داؤد فریب کے معنی کم ہوتے ہیں اس لیے وہ ادنیٰ وجہ سے راضی ہو جاتی ہے اور بسبب قوی ہونے اس کی جوانی کے سرلج تر ہے حمل کے لیے اور ادب کی صلاحیت بھی اقرب ہے جیسے کہ حکمت کا متحسی ہے اور نیز اپنی شرمگاہ و اور نظر کو محفوظ رکھے گا

بہت سی بات کے (شیبہ بیوہ عورت کو کہتے ہیں) کہ وہ دواؤں فریب سے خوب آگاہ ہوتی ہیں اور بد اخلاق و قبیل اولاد ہوتی ہیں اور وہ
مثلاً الواح منقوشہ کے ہوتی ہیں اب ان میں اثر نہیں کرتا ہے بار خدایا مگر جبکہ اس شخص کو تدبیر خاکی مقصود ہو کیونکہ بغیر تجربہ کار
عورت سے اتنی نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت جابر نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا خطب احدکم
المرأة فان استطاع ان ينظر الی ما بدعوہ الی نکاحها فلیفعل۔ جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے پیام نکاح
کا دے پس اگر وہ شخص اس چیز کو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے اور فرمایا ہے فانہ احری
ان یودم بینکما۔ کیونکہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لیے النسب ہے اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا اھل
رأیتھا فان فی امین الانصار شیئا تو نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے میں کہتا ہوں مغلطہ کو
دیکھ لینا اس واسطے مستحب کیا گیا ہے کہ دیکھ لینے کے بعد جو نکاح واقع ہوگا ہو شہندی کے ساتھ ہوگا اور وندامت جو بلاد دیکھے بھالے
نکاح کر لیتے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور پھر اس کے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ایسے وقت میں پیش نہیں آتی اور دیکھنے
کے بعد اس کو رد کرنا آسان ہوتا ہے دوسرے ایسے وقت میں نکاح شوق اور نشاط کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کی طبیعت کے موافق
ہوتا ہے اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی برائی بھلائی پہلے معلوم نہ کر لے اس کا اقدام نہیں کرتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان
المرأة تقبل فی صورة الشیطان و تدبر فی صورة الشیطان اذا احدکم اعجبته المرأة فوَقَّتْ
فی قلبہ فلیعمد الی امرأته فلیواقعها فان ذالک یرد ما فی نفسہ عورت شیطان ہی کی صورت میں آتی ہے اور
شیطان کی ہی صورت میں پاشت کرتی ہے تم میں سے جب کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اور اس کے دل میں دوسرہ پیدا ہو تو اس کو
چاہیے کہ اپنی بیوی کی طرف قصد کرے اور اس سے صحبت کرے اس لیے کہ اس سے اس کے دل کا دوسرہ جا تار ہتا ہے۔ معلوم کرو کہ
شہوت فریق سب شہوتوں سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ قلب پر اس کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ شہوت انسان کو بڑی بڑی ہلاکت
میں ڈالتی ہے اور عورتوں کی طرف دیکھنے سے یہ شہوت پیدا ہوتی ہے اس حدیث سے یہی مراد ہے المرأة تقبل فی سورة
الشیطان الحج پس جب کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور اس کے قلب میں اس کا شوق اور یہ قرار پیدا ہو تو حکمت کا مقتضی ہے
کہ اس شوق و ملی جولانہ کو چھوڑ جائے یہ غلط ایسی صورت میں وہ شوق آہستہ آہستہ زیادہ ہو ہو کر اس کے قلب پر غالب آ جائے گا اور
قلب کے اندر اس کا تصرف جاری ہو جائے گا اور ہر چیز کی ایک مدد ہوتی ہے جس سے وہ چیز قوی ہو جاتی ہے اور ایک تدبیر ایسی ہوتی
ہے جس سے وہ چیز کمزور ہوتی ہے ہاں عورتوں کی طرف رغبت کی مدد دہنی کے ظروف کا پر ہونا اور اس سے دماغ کی جانب بخارات کا
نکلنا اور اس سے مرنے کی تدبیر ان ظروف کا مٹی سے خالی کر دینا ہے اور نیز جب اس کا قلب جماع کرنے کی طرف
مشتغال ہو گا تو وہ اس کے دل سے نکل جائے گا اور جس چیز کی طرف اس کی توجہ تھی وہ توجہ اس کو نہ رہے گی اور جب ایک چیز
سے اتنا مہم ہے کہ اس کا مان کر لیا جاتا ہے تو انی کوشش سے وہ چیز رفع ہو جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا
تجلس الرجل علی حبلہ احبہ حتی ینکح او یتزکک کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر معافی نہ کرے جب
تم وہاں نہ گئے یا نہ رہے میں بتاؤں اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کی گفتگو کی اور

عورت کو بھی اس کی طرف میاں ہو گیا تو اس شخص کا گھر آباد ہونے کی صورت ظاہر ہوئی پس اب اس شخص کی امید و توڑنا اور جس چیز کے وہ درپے ہے اس سے اس کو ناامید کر دینا اس کے ساتھ بدخواہی اور ظلم کرنا اور اس کو شک کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةَ طَلَاقَ اخْتِهَا لِتُسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلِتَنْكَحَ فَإِنْ لَهَا مَا قَدَّرَ لَهَا كَوْنُ عَوْرَتِهَا بِنِهَا بِمَنْ كَوْنِ طَلَقِ كِي خَوَاتِمِ كَارِي اس لیے نہ کرے تاکہ اس کے برتن کو خالی کر کے اپنا نکاح اس شخص سے کرے کیونکہ اس کو وہی ٹے کا جو اس کی تقدیر میں ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ حکمت ہے کہ اس کی طلاق کا چاہنا اس کے ساتھ کاٹ کرنا اور اس کی روزی کے خراب کرنے کی کوشش کرنا ہے اور شہر کے فساد کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے روزگار کی کاٹ کرے بداندہ تعالیٰ کی مرضی تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی روزی اس طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آسان کیا ہے حاصل کرے اور دوسرے کی روزی کا ازالہ نہ چاہے۔

ستر کا بیان

معلوم کرو کہ جب عورتوں و دیکھنے سے مردوں کے دل میں ان کا عشق اور فریشتگی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ بغیر سنت راشدہ کے ان سے قضاء ثبوت یا جائے مثلاً اس عورت کی طرف توجہ کرنا جو دوسرے کا ناموس ہے یا با نکاح کسی عورت سے توجہ کرنا یا با اعتبار انہو کے کسی کے ساتھ نکاح کرنا اور اس باب میں جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے وہ اس بیان سے مستفنی ہے جو دفتروں میں مذکور ہے پس حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ دروازہ بند کیا جائے اور چونکہ بنی آدم کی حاجات مختلف ہیں اور ان کو لامحالہ محی لطف کی ضرورت ہے ہذا ضروری ہوا کہ حاجات کے اعتبار سے ممانعت نظر کے کئی درجے مقرر کیے جائیں اس واسطے آنحضرت ﷺ نے کئی طریقے مسنون اور شروع فرمائے ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے باہر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہی نہ ہو باہر نہ جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ عَوْرَتِ شَرْمِ كِي چیز ہے جب گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان نگاہ انہو اس کی طرف دیتا ہے میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا گروہ اس کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے یا اس میں فتنہ کے اسباب مہیا کرنے سے کنا یہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چونکہ اسرار دین کا علم دیا گیا تھا اس لیے آپ کی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پردہ کا حکم نازل ہو حتیٰ کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سودہ کو آواز دی یا سودة انك لا تخفين علينا اے سودہ! آپ ہم سے چھپ نہیں سکتیں لیکن آنحضرت ﷺ نے جب معلوم کیا کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں حرج عظیم ہے اس لیے آپ نے گھر میں بیٹھنا ان کے لیے مستحب کیا، جب نہیں آیا اور فرما دیا اذن لكن ان تخرجن الى حوائجكم تم کو اپنی حاجات کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی دوسرے یہ کہ عورت اپنے اوپر پردہ ڈالے رہے اور بجز خاوند یا ذی رحم محرم کے کسی کے سامنے مواضع زینت کو نہ کھولے اللہ پاک فرماتا ہے ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ إِلَى قَوْلِهِ تَفْلَحُونَ﴾ ایمان والوں سے کہہ دے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی

فرجوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پائیدار ہے جب تک اللہ ان کے کاموں سے خبردار ہے اور مسلمان عورتوں سے بددو کہ اپنی آنکھیں پٹی رکھیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگھار بجز ظاہری سنگھار کے کسی کے سامنے نہ کھولیں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے آباء کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے انہیں آیات تک جس اللہ تعالیٰ نے ان اعضا کے کھولنے کی اجازت دی ہے جن سے شناخت ہوسکتی ہے یعنی منہ اور اکثر جن اعضاء سے کام کایا ہوتا ہے اور وہ دونوں ہاتھ ہیں اور ان کے سوا سب اعضاء کا ستر واجب ہے مگر خاوند اور ذی رحم محرم اور اپنے غلاموں کے سوا اور جو عورتیں گھر کی بیٹے والی ہیں نکاح کا قصد نہیں رکھتیں ان کو اس بات کی اجازت دی کہ اپنے کپڑے اتار رکھیں تیسرے یہ کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے جب تک کوئی تیسرا وہاں ایسا موجود نہ ہو جن کا وہ دونوں لحاظ کرتے ہوں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **الَا لَا یبیت رجل عند امرأة ثبت الا ان یکون ناکحا او ذارحم آگاہ ہو جاؤ کہ کوئی مرد کسی خاوند** رسیدہ عورت کے پاس شب بٹنی نہ کرے بجز اس کے خاوند کے یا محرم کے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا یخلون رجل بامرأة فان الشیطان ثالثها** وہی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے کیونکہ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **لا تلجوا علی المنیبات فان الشیطان یجری من ابن ادم مجری الدم** جن عورتوں کے خاوند گھر میں نہیں ہیں ان کے پاس مت جاؤ اس لیے کہ شیطان انسان کے اندر خون کے مانند جاری رہتا ہے چوتھے یہ کہ کوئی شخص عورت کو یا مرد دوسرے شخص کے ستر دیکھنے نام ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا ینظر الرجل الی ہورۃ الرجل ولا امرأۃ الی عورت المرأۃ** نہ مرد کا ستر دیکھے نہ عورت عورت کا ستر دیکھے میں کہتے ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت و نیبان ہوتا ہے اور عورتوں میں باہم معاشرت ہو جاتا ہے اور اسی طرح مردوں میں اور ستر کے نہ دیکھنے میں لوگوں پر پتہ وقت بھی نہیں ہے اور نیز عورت ان ارتقا قات کے اصول میں سے ہے جن کے بغیر چارہ نہیں ہے پانچویں یہ ہے کہ ایک پڑے میں وہی کسی کے ساتھ نہ رہے اور علی بن القیاس ایک چار پائی پر بھی لوگ نہ سوئیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا یسعی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تمسی المرأة الی المرأة فی ثوب واحد** نہ مرد مرد کے پاس ایک پرے میں جا کر لیٹے اور نہ عورت عورت کے پاس اس طرح لیٹے اور فرمایا ہے **لا تباشرا المرأة لتعنہا لزوجها** کہانہ بسلر الیہا اولی عورت کی عورت کے مل کر نہ بیٹھے تاکہ اپنے خاوند سے اس کا حال بیان کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے میں کہتا ہوں اس کا وجہ یہ ہے کہ عورتوں کا پاس پاس لینا باہم شہوت کو نیبان میں لاتا ہے جس سے ان میں سحر اور لواطت کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گویا اس کی طرف دیکھ رہا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ عورت عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے یہاں اوقات ان میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس لذت کا ذکر اپنے خاوند یا کسی قوم سے کہہ دیتی ہیں اس نے باعث ہے ان لوگوں کو اس عورت کا اشتیاق ہو جانے کا اور سب سے بڑا مفید وہ یہ ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند نہیں ہے اس کے دل مرد کے سامنے اس قدر بیان ہے کہ میں آنحضرت ﷺ نے جو بہت محنت کو ازواج مطہرات کے مکانات سے نکھرایا تھا اس کا یہی وجہ تھا اور بیان کیا ہے کہ عورت عورت یعنی وہ اعضا کہ جن کے کھولنے سے لوگوں میں عداوت و تفرقہ کے اعتبار سے مار آتی ہے

جس طرح قریش کے اندر اس زمانہ میں تھا ان ارتفاعات کے اصول میں سے ہے جن کو ان تمام لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے جن کا نام بشر ہے اور اسی کے سبب سے انسان تمام حیوانات میں ممتاز ہے پس اس لیے شارع نے ستر کو واجب کیا اور بول و براز کا مقام اور خصوصیتیں اور مانہ زیر ناف اور جو اعضاء ان کے قریب ہیں یعنی زانو سے ان اعضاء کا ستر ہونا دین کے روشن بدیہات میں سے ہے جس پر دلیل کی حاجت نہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اِذَا زَوْجٌ أَحَدُكُمْ عَبْدُهُ امْتَهَ فَلَا يَنْظُرُ إِلَى عَوْرَتِهَا وَفِي رَوَايَةٍ فَلَا يَنْظُرُ إِلَى مَدُونِ السَّرَةِ وَفَوْقِ الرُّكْبَةِ . جب کوئی تم میں سے اپنے غلام کا اپنی چھوکری سے نکاح کر دے تو پھر اس کا ستر نہ دیکھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر نہ دیکھے اور نیز آپ نے فرمایا ہے اما عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخْذَ عَوْرَةٌ . کیا تو نہیں جانتا کہ ران ستر ہے ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دونوں رانیں ستر ہیں اور اس مسئلہ میں احادیث متعارضہ آئی ہیں مگر اس قول میں احتیاط زیادہ تر ہے۔ اور قوانین شرعی سے بھی ملتا ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اَيَاكُمْ وَالشَّعْرَى فَاِنْ مَعَكُمْ مِنْ لَا يَفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يَفْضِي الرَّجُلُ اِلَى اَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَاَكْرَمُوهُمْ . ننگے ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتہ ہے کہ نہیں مفارقت کرتا ہے تم سے مگر وقت پاخانے کے بلکہ اس وقت جب کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کے لیے جاتا ہے پس ان سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو اور نیز فرمایا اللہ احق ان يستحي منه . کہ اللہ پاک اس کا مستحق زیادہ ہے کہ اس سے حیا کی جائے میں کہتا ہوں کہ برہنہ ہونا بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو منع ہے اگرچہ مکان خالی ہو کیونکہ بسا اوقات انسان اس پر اقدام کرتا ہے اور اعمال کا اعتبار کرتا ان اخلاق کے ساتھ ہوا کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتے ہیں اور ستر کا منشا حیا اور نفس پر تحفظ و متد کی کیفیت کا غالب کرنا اور بے حیائی کو ترک کر دینا اور اس کا عادی نہ ہونا ہے اور جب شارع نے کسی شخص کو ایک چیز کا حکم دیا تو اس کا یہ مقتضی ہوا کہ دوسرے کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اس حکم کے موافق اس شخص کے ساتھ معاملہ کرے پس عورتوں کو ستر کا حکم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ مردوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور مردوں کا نفس جب ہی مبذوب ہوا کرتا ہے جب وہ اپنی نگاہوں کو پست کریں اور اپنے نفس کو اس پر مجبور کریں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ الْاُولَى لَكَ وَلِست لَكَ الْاُخْرَى . پہلی نگاہ تیرے لیے ہے اور دوسری تیرے لیے نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نکاح کا خیال بمنزلہ دوسری مرتبہ نظر کرنے کے ہے اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک نابینا شخص حاضر ہوئے اور آپ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کو پردہ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے عرض کیا کیا یہ نابینا نہیں ہے جو ہم کو نہیں دیکھتا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو جو اس کو نہیں دیکھ سکتی ہو میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح مردوں کو عورتوں کی طرف رغبت ہوتی ہے ویسی ہی عورتوں کو مردوں کی طرف رغبت ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِنَّه لَيْسَ عَلَيْكَ بَاسٌ اِنَّمَا هُوَ ابُوكَ وَغُلَامُكَ . کہ البتہ تجھ کو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ تیرا باپ اور غلام ہے میں کہتا ہوں کہ غلام کو محارم کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس کو اپنی سیدہ کی طرف رغبت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نظر میں وہ معزز ہوتی ہے اور نہ سیدہ کو غلام کی طرف رغبت ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اس کی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور مائین ان کے پردہ کا حکم دینے میں سخت دشواری ہے اور یہ سب صفات محارم کے اندر معتبر ہیں کیونکہ قرابت قریبہ محرمہ میں

رغبت کے کم ہونے کا باعث ہے اور ناامیدی طمع کے منقطع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور مدت دراز تک کٹجائی رہنا بھی قلت نشاط اور پردہ کے دشوار ہونے اور کم التفاتی کا سبب ہے پس اس واسطے قدری سنت ہوئی کہ محارم سے جو پردہ ہو اور قسم کا ہو اور غیروں سے جو پردہ ہو وہ اور قسم کا ہو۔

نکاح کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا نکاح الا بولی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا معلوم کرو کہ خصوصاً نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا رہا انہیں ہے کیونکہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور ان کی قمر ناقص ہوتی ہے اس لیے بسا اوقات مصلحت کی طرف ان کو رہبری نہ ہونے کی دوسرے مانبا وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات غیر کفو کی طرف ان کو رغبت پیدا ہو سکتی ہے اور اس میں ان کی قوم کی حار ہے پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جائے تاکہ یہ مفیدہ بند ہو اور نیز ضرورت جہلی کے اعتبار سے اولوں کا عام طریقہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بند و بست انہیں کے متعلق ہوتا ہے اور تمام خرچ مردوں کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمُ الْآخَرَ وَتِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ کے اندر ولی کی شرط لگانے میں اولیاء کی عزت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں ان کی بے عزتی ہے جس کا مآثر بے حیائی پر ہے اور اولیاء کی مخالفت اور ان کی بے قدری ہے اور نیز یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح کو زمانا سے شہرت کے ساتھ امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیاء نکاح میں موجود ہوں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لَا تَنْكِحُ الشَّيْبَ حَتَّى تَسْتَأْذِنَ وَلَا الْبَكَرَ حَتَّى تَسْتَأْذِنَ الْخَوْفِ وَفِي رِوَايَةِ الْبَكَرِ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا شوہر رسیدہ عورت کا نکاح نہ لیا جائے جب تک کہ اس کا امر نہ لیا جائے اور نہ باکرہ کا جب تک کہ اس سے اذن نہ لیا جائے اور اس کا اذن خاموشی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک باپ اس سے اذن لے میں کہتا ہوں یہ بھی روا ہے کہ صرف اولیاء کو نکاح کا اختیار دیا جائے کیونکہ اپنا نفع و ضرر جو عورت جانتی ہے وہ اس سے ناواقف ہیں اور وہ نفع و نقصان اس کی طرف مائل ہونے والا ہے اور احتیاطاً اس کی زبان سے اجازت دینے کو کہتے ہیں اور استیذان اجازت طلب کرنے کو اور اس کے منع نہ کرنے کو کہتے ہیں اور اولیٰ مرتبہ اس کا مصلحت ہے اور حدیث شریف میں بالغہ باکرہ سے استیذان مراد ہے نہ صغیرہ کیونکہ بنو وہ تا سمجھ ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ نکاح با الاستیذان رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے اور ان کی عمر اس وقت چھ برس کی تھی اور آپ نے فرمایا ہے ایما عبد يتزوج بغیر اذن سیدہ فهو جائر جو غلام اپنے مولا کے بغیر اجازت نکاح کرے تو وہ زانی ہے میں کہتا ہوں چونکہ غلام اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہا کرتا ہے اور نکاح اور اس کے فروعات یعنی اس کے ساتھ منہواری کرنا اور اس کے پاس رہنا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے مولا کی خدمت نزاری میں نقصان آتا تھا اس لیے ضرور ہے کہ غلام کا نکاح اس کے مولا کی اجازت پر موقوف رہا جائے اور منہواری کا نکاح بطریق اولیٰ مولا کی اجازت پر موقوف ہونا چاہیے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فَاَنْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اٰهْلِهِنَّ پس ان سے ان کے مولا کی اجازت سے نکاح کر لو حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حاجت (یعنی نکاح وغیرہ کے) وقت یہ تشہد تعلیم فرمایا ہے الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدا عبده ورسوله اور اس کے بعد یہ تین آیتیں پڑھے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ میں کہتا ہوں اہل جاہلیت قبل از نکاح خطبہ پڑھا کرتے تھے اور اس میں اپنی قوم کے فخر بیان کیا کرتے تھے اور اس کو ذکر مقصود کا وسیلہ کیا کرتے تھے اور اس کا اعلان چاہتے تھے اور اس رسم کے جاری ہونے میں مصلحت تھی اس واسطے کہ خطبہ کا معنی اعلان اور ایک شے کے بمنزلہ سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی کے گردانے پر ہے اور نکاح میں اعلان کرنے میں یہ حکمت ہے تاکہ نکاح اور زنا میں تمیز ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ کا استعمال مہتمم بالشان امور میں کیا جاتا ہے اور نکاح کا اہتمام اور اس کا ایک عظیم الشان امر گردانا اعظم مقاصد سے ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس کے اصل کو باقی رکھا اور اس کی صورت میں تغیر فرما دیا ہے بایں طور کہ ان کے ساتھ مصالح کے ساتھ مصلحت کلیہ کو شامل کر دیا ہے اور اس طرح ہر ارتفاق کے ساتھ میں جو ذکر اس کے مناسب ہے ملایا جائے اور ہر جگہ پر شعار الہی کی عظمت کی جائے تاکہ دین حق کے نشانات پھیل جائیں اور اس کے شعار و امارات^۱ ظاہر ہو جائیں پس آنحضرت ﷺ نے اس میں کچھ اذکار مسنون فرمائے مثل حمد اور استعانت اور استغفار اور تعوذ اور توکل اور تشہد کے اور کچھ آیات قرآنی اس میں شامل کیں اور اس مصلحت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا کُلْ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشْهَدُ فَهُوَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ دست بریدہ کی مانند ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے فصل ما بين الحلال والحرام الصوت والدفع في النكاح جلال وحرام میں یہی فرق ہے کہ نکاح میں آواز اور دفع ہوتی ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه الدفوف اس نکاح کو اعلان کر دیا کرو اور مساجد میں اس کو کیا کرو اور اس پر دفیں بجا دیا کرو میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ نکاح میں دفع اور آواز کا استعمال کیا کرتے تھے اور ان میں اس کی ایسی عادت جاری ہو گئی تھی اس نکاح میں جس کو چار قسم کے نکاحوں میں سے آنحضرت ﷺ نے باقی رکھا ہے متروک ہونے کا احتمال نہ تھا حضرت عائشہؓ نے ان چاروں قسم کا بیان کیا ہے اور اس میں ایک مصلحت یہ ہے کہ نکاح اور زنا دونوں قضاء شہوت اور مرد و عورت کی رضامندی میں متفق ہیں لہذا ایک ایسی شے کا حکم دینا ضروری ہوا جس سے بادی الرائے میں وہ دونوں ایسے متمیز ہو جائیں کہ کسی کو اس میں کلام یا خطا باقی نہ رہے اور آنحضرت ﷺ نے کچھ دنوں کے لیے متعہ^۲ کی اجازت دے دی تھی پھر اس سے ممانعت فرمادی اور اولاً ضرورت کے سبب سے آپ نے اجازت دی تھی چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے اس شخص کے باب میں جو ایک شہر میں آئے اور وہاں اس کی بیوی نہ ہو کر کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں میں صرف جماع کے لیے اجرت نہ دیتے تھے بلکہ تدبیر خانہ کے متعلق منجملہ

① یعنی جمع امارت معنی نشانات علامات ② متعہ کہ وہ ہے پیغمبر صاحب نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

اور حوائج کے جماع بھی شامل ہوتا تھا اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا اس لیے کہ صرف جماع کی اجرت دینا طبیعت انسانی سے بالکل باہر ہو جانا اور بے حیائی ہے اس کو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا اور متعد سے نفی کرنے کا سبب اکثر اوقات میں اس حاجت کا مرتفع ہو جانا ہوا اور نیز متعد کی رسم کے جاری ہونے میں نسب کا اختلاط لازم آتا ہے کیونکہ اس مدت کے نزلتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے نفس کا اختیار ہو جاتا ہے اب نہیں معلوم کہ وہ کیا کرے گی اور مدت کا انضباط نکاح صحیح میں بھی جس کی بنا دوام پر ہوتی ہے نہایت دشواری سے ہوتا ہے تو پھر متعد کا ذکر ہی کیا ہے دوسرے اس رسم کے جاری ہونے میں نکاح صحیح کا جو شرع میں معتبر ہے اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی خواہش غالب شہوت فرج کا پورا کرنا ہوتا ہے اور نیز منجملہ ان امور کے جن سے نکاح اور زنا میں امتیاز ہوتی ہے ہمیشہ کے لیے معاونت پر استقرار ہے اگرچہ اصل اس میں لوگوں کے سامنے قطع منازعت ہوتا ہے اور نکاح بغیر مہر کے نہیں کرتے تھے اور اس کی چند باعث و مصلحتیں تھیں از انجملہ یہ ہے کہ نکاح کا فائدہ بدون اس بات کے تمام نہیں ہوتا کہ ہر شخص معاونت دائمی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور عورت کی طرف سے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو اپنا اختیار نہ رہے اور یہ بات روانہ تھی کہ مرہ کا بھی اختیار اس سے نکال لیا جاتا اور نہ طلاق کا باب مسدود ہو جاتا اور مرد کے ہاتھ میں جس طرح عورت مقید ہے اسی طرح وہ عورت کا مقید ہو جاتا اور اصل بات یہ ہے کہ مرد عورت پر حاکم رہے اور یہ بات بھی ناممکن تھی کہ قاضی کو ان کا اختیار دیا جاتا کیونکہ قاضی کی طرف مقدمہ پیش کرنے میں لوگوں کو دقت ہوتی اور جو ہر شخص اپنا نفع و نقصان جانتا ہے قاضی اس سے واقف ہے پھر یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بالاسی ضرورت کے جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائیداری سے اور نیز نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو بھد کے یعنی شرم گاہ کے بدلہ ہوتا ہے نہیں ظاہر ہوتی کیونکہ لوگوں کو مال کی جس قدر حرص ہے کسی چیز کی نہیں ہے لہذا اسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مجتم بالشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے مجتم بالشان ہونے سے اولیاء کی آنکھیں اس شخص کو اپنے پشت مہر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو سکتی ہیں اور نیز اس کے سبب سے نکاح وزنا میں امتیاز ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **ان تبتغوا باموالکم مُحْسِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ** یہ کہ بذریعہ اپنے مالوں کے تلاش کرو تم حفاظت کرنے والی نہ تکی ٹانگے والی اور اس لیے آنحضرت ﷺ نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا اور کسی ایسی حد سے نہیں میں می ٹیٹھی ہوئے منضبط نہیں فرمایا اس لیے کہ اظہار اتمام میں حادثات اور رنجتیں مختلف ہیں اور حرص کے درجات اور طبقات جدا جدا ہیں پس ان کے لیے ایک حد کا مقرر کرنا ناممکن ہے جس طرح اشیاء مرغوبہ کا ثمن ایک حد معین کے ساتھ منضبط کرنا ناممکن ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا **التمس ولو حانقاً من حديد** تلاش کر اگرچہ لوہے کی ایک انڈی کی ہو اور فرمایا **من اعطى فی صداق امرأته ملئى كفه سويفاً او تمرقنداً استحل** جس شخص نے اپنی بیوی سے مہر میں اپ جو ستویا پھوار کے لیے اس نے ملال کرایا اگر آنحضرت ﷺ نے ازواج و بنات مطہرات کے مہر میں مارے بارہ اوقیہ معین کر رکھے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم عورتوں کے مہر بھاری بھاری مت مقرر کرو اس لیے کہ زیادہ مہر مقرر کرنے سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا **من اعطى من ابیہ یا امہ سے زیادہ پر بیہ کاری ہے تو آنحضرت ﷺ تو سب سے زیادہ طریق اولی اس بات کا**

محافظ فرماتے اللہ یث میں کہتا ہوں مہر مسنون میں حکمت یہ ہے کہ مہر اس قدر تعداد کا ہوتا چاہیے کہ جس کا کچھ بار بھی نہ ہو اور حادثہ اس کے قوم کے اعتبار سے اس کا ادا کرنا دشوار بھی نہ ہو۔ اور اس قدر اس حالت کے اعتبار سے جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں لوگوں کے تھے کافی مقدار ہے اور اسی طرح آپ کے بعد بھی لوگوں کی یہی عادت تھی بار خدایا مگر وہ لوگ جن کے انبیاء بمنزلہ بادشاہوں کے ہیں اور اہل جاہلیت عورتوں پر مہر دینے میں ظلم کیا کرتے تھے یا تو تاخیر بہت کرتے تھے یا کمی کے ساتھ دیا کرتے تھے اس لیے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی اَنْتَوُا النِّسَاءَ صَدُقْتِهِنَّ نِحْلَةً اور دے دو عورتوں کو ان کے مہر بمانگے اور اللہ پاک فرماتا ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوا لِهِنَّ فَرِيضَةً تَمَّ بِهَا مَعْنَاهُ نہیں اگر تم عورتوں کو بدون ہاتھ لگائے یا بدون کچھ مقرر کیے طلاق دے دو میں کہتا ہوں اصل اس میں یہ ہے کہ نکاح مک کا سبب ہے اور دخول اس کا اثر ہے اور ایک شے سے اس کا اثر مراد ہوا کرتا ہے اور حکم اس کے سبب پر معطل ہوتا ہے اس لیے نکاح اور دخول اس بات کے مستحق ہوئے کہ مہر ان کے اوپر تقسیم کیا جائے اور مرنے کی وجہ سے نکاح کا امر ثابت و قائم ہو جاتا ہے کیونکہ مرنے تک اس نے نکاح کو رد نہیں کیا اور اس سے روگردانی نہیں کی حتیٰ کہ اس کے اور نکاح کے مابین موت حائل ہوئی اور طلاق سے نکاح کا رفع اور فسخ ہو جاتا ہے اور وہ بمنزلہ دو اقالہ کے ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں مہر کے باب میں ایام جاہلیت میں بہت سے منکثات اور نزاع درپیش رہتے تھے اور مال کی لوگوں کو حزن تھی اور بہت سے امور سے حجت کیا کرتے تھے ہذا اللہ تعالیٰ نے اس اصل کے موافق ان مناقشات کا فیصلہ کما ینبغی کر دیا پس اگر عورت کے لیے کچھ مقرر کیا ہے اور اس کے ساتھ دخول کیا تو اس کو کامل مہر دینا پڑے گا خواہ مر جائے یا طلاق دے کیونکہ اس کے ملک کا سبب اور اثر تمام ہو گیا اور خاوند نے اس سے دخول کر لیا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَقَدْ اَفْضٰی بِنَعَضِكُمْ اِلٰی نَعَضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّثْلًا غَلِيْظًا اور اہل تم میں سے بعض کی طرف پہنچ گیا ہے اور ان بیویوں نے تم سے نہایت پختہ عہد لے لیا ہے اور اگر اس کا مہر مقرر کر دیا ہے اور بغیر دخول کیے مر گیا تو عورتوں کو کامل مہر دیا جائے گا کیونکہ مرنے سے نکاح مقرر و ثابت ہو گیا اور ایسی حالت میں عدم دخول کچھ مضرب نہیں ہے کیونکہ وہ آسانی حکم ہے اور اگر قبل از دخول اس کو طلاق دے تو اس کو نصف مہر دایا جائے گا موافق اس آیت کریمہ کے کیونکہ یہاں احد السہمین میں سے ایک سبب پایا جاتا ہے نہ دوسرا پس اس میں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں ایک تو صرف مشنئی کے ساتھ اور دوسری نکاح تمام کے ساتھ اور اگر کچھ پھر بھی مقرر نہیں آیا اس کو اس کے کنبہ کی عورتوں کا مہر دایا جائے گا نہ اس سے کم بیش اور اس پر عدت واجب ہوگی اور میراث پائے گی کیونکہ عقد اس وقت میں بسبب موثر و تام ہو چکا پس ضروری ہوا کہ اس کو مہر دایا جائے اور ہر چیز کا انداز اس کی نظیر اور مثل سے ہوتا ہے اور کنبہ کی عورتوں کا مہر اس اندازہ کے لیے بہت مناسب ہے اور اگر اس کا مہر نہ مقرر کیا اور نہ اس سے دخول کیا تو اس کو متاع یعنی جوڑہ وغیرہ دینا پڑے گا کیونکہ عقد نکاح بغیر مہر کے ہونا ناممکن ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اَنْ تَتَّبِعُوْا بِاَمْوَالِكُمُ الْاٰیَہ اور اس صورت میں مہر کے واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ یہاں نہ مہر کا تعین ہے نہ ملکیت کا تقرر ہے۔

اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے چند سو قرآنی مہر مقرر کیا کیونکہ ان کا سکھانا بھی ایک تہتم باشان کام ہے اور مثل مال کے مرغوب و مطلوب ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قبل از دخول ولیمہ کرنے کا دستور تھا اور اس میں بہت سے مصالح تھے اور

از اجملہ اس میں نہایت خوبی کے ساتھ نکاح اور اس بات کی اشاعت ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے اور یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نکاح و زنا کی تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کے ساتھ متحقق ہو جائے اور از اجملہ یہ ہے کہ بیوی اور اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی و سوکھ پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اس کے باب میں جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت و عزت ہے اور میاں بیوی کے مابین الفت کرنے میں اس قسم کے امور خاص کر ان کے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں از اجملہ یہ ہے کہ ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا یعنی جو چیز غیر مملوک تھی اس کا ملک میں داخل ہو جانا سرور و خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کے اتباع میں سخاوت کی عادت اور خواہش بخل کی نافرمانی پیدا ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بہت سے فوائد اور مصالح ہیں پس چونکہ سیاست مدنیہ اور منزیلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق کافی فوائد پائے جاتے ہیں پس آنحضرت ﷺ کا اس کو باقی رکھنا اور اس کی طرف رغبت و حرص دلانا اور خود بھی اس کو عمل میں لانا ضروری ہوا اور آنحضرت ﷺ نے جس طرح ہمہ مہ کے متعلق بیان کر چکے ہیں اسی طرح اس کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بھری ہے اور آپ نے حضرت صفیہ کے ولیمہ میں لوگوں کو مایہ دکھایا تھا اور آپ نے بعضی بیویوں کا ولیمہ دیا جو سے کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذ ادعی احدکم الی الولیمۃ فلیاتھا و فی روایۃ فان شاء طعم و ان شاء ترک تم میں سے جب کوئی شخص ولیمہ کے لیے بلایا جائے تو چلا آئے اور ایک روایت میں آیا ہے اگر چاہے کھائے چاہے نہ کھائے میں کہتا ہوں جب اصول شریعہ سے یہ بات تھی کہ جب کسی شخص کو کسی مسلمان سے لوگوں کے لیے کچھ تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہوا کہ لوگوں کو بھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور جآوری کرنے کی طرف رغبت دلائی جائے ورنہ وہ مسلمان جو اس امر سے مقصود ہے متحقق نہ ہوگی پس جب خاوند کو لوگوں کے لیے کھانا تیار کر کے اشاعت کرنے کا حکم دیا گیا تو ان لوگوں کے لیے اس حکم کا دینا ضروری ہوا کہ اس کی دعوت کو قبول کریں اور اگر ان کا روزہ ہو تب بھی آجائے اور کھانا نہ کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ اشاعت مقصود حاصل ہوگئی اور نیز میل بہل کا مقتضی یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان بلائے تو اس کو ضرور قبول کرے اور اس رسم کے جاری ہونے میں شہر اور قبیلہ کا انتظام ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے انہ لیس لی اولنسی ان یدحل بیتنا مرفوفا نہ میرے لیے اور نہ کسی اور نے لیے مناسب ہے کہ کسی مزین و منقش کمر میں جائے میں کہتا ہوں چنانچہ صور کا بنانا اور اس کپڑے کا استعمال کرنا جس میں صورتیں بنی ہوئی ہوں حرام ہے پس ان کا متنازعہ کہ جس کمر میں وہ صورتیں موجود ہوں اس کمر کو تھوڑا دینا چاہیے اور اس پر ملامت کرنا چاہیے خاص برافیا علیہم السلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہی مبعوث کیے گئے ہیں اور مادی و دینی زینت بالغ کا عمدہ جاننا و نیادی عجب میں غایت افتراق کا سبب ہے اور بیویوں پر اس سے سبب ایسی آفت پڑی کہ اس کی وجہ سے آخرت کا بھی جمال کے ہذا یہ بات واجب ہوئی کہ شرع میں اس سے نہی اور انہی زینت پائے اور آنحضرت ﷺ نے فخر کرنے والوں کے ساتھ کھانا کھانے سے نہی فرمائی میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت باہم فخر کیا کرتے تھے اور ہر ایک کا دوسرے پر غلبہ مقصود تھا تو وہ مال کو صرف اس فرض سے خرچ کیا کرتے تھے اور دینی نیت اس میں نہیں ہوتی تھی اور اس میں عداوت اور باہمی فساد اور باہمی دینی اور مدنی

مسلمت کے مال کا ضائع کرنا تھا اور صرف اس میں خواہش نفسانی کا اتباع ہوتا تھا اور اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے ہائے کی قیام نہ کی جائے اور اس کی اہانت کی جائے اور اس باب کو بند کیا جائے اور عمدہ صورت اس کے باز رکھنے کی یہ ہے کہ اس کا کھانا نہ کھایا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اذا اجتمع داعیان فاجب قریہما بانا وان سبق احدهما فاجب الذی سبق اور جبہ دو شخص ساتھ ساتھ دعوت کریں تو ان دونوں میں سے جس کا دروازہ قریب ہے اس کی دعوت قبول کر اور اگر ان دونوں سے ایک پہلے کرے تو جو پہلے کرے اس کی قبول کر میں کہتا ہوں جب دونوں کا تعارض ہو تو ترجیح کی حاجت ہوئی اور اس کی دو صورتیں ہیں یا دعوت میں سبقت کرنے سے یا مکان کے قریب ہونے سے۔

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ... وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے امسک اربعاً و فارق سائرھن۔ چار کو روک دے اور باقی کو چھوڑ دے اور فرمایا ہے لا تنکح المرأة علی عمتھا الخ۔ کہ عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ لیا جائے اور اللہ پاک فرماتا ہے الزانی لا ینکح الاذان او مشرک الا یہ زانیہ ہی سے نکاح کرے معلوم کرو کہ محرمات مذکورہ فی الآیۃ کی حرمت اہل جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی کہ جس کو وہ نہیں چھوڑ سکتے تھے بار خدا یا ٹھہری سی باتیں جو انہوں نے بطور سرکشی اور فسق کے اپنی طرف سے ایجاد کر لی تھیں مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو ہمیشروں کو جمع کرنا اور ان محرمات کی تحریم برابر قرناً بعد قرن ان میں چلی آتی تھی جس کا ان کے دلوں سے نکلنے کو احتمال نہ تھا بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص غشبناک ہونے کے سبب سے باہر ہو جائے اور ان کی تحریم میں بڑی بڑی مصلحتیں تھیں لہذا اللہ تعالیٰ نے محرمات کو برقرار رکھا اور جس میں ان کو کابلی و سستی ہوئی تھی اس کی حرمت کو خوب مستحکم کر دیا اور تحریم کے اندر اصل کنی امر میں از اہلہ صحبت اور ارتباط کی عادت کا جاری ہونا اور ان میں باہم پردے کا التزام ناممکن ہونا اور جانین سے طبعی طور پر حاجات کا ارتباط نہ مصنوعی طور پر پس اگر ان عورتوں سے طمع کے قطع ہونے اور ان کی طرف رغبت سے اعراض کا طریقہ جاری نہ ہو تو بے انتہا مفاسد پیدا ہوں اور دیکھتے ہو کہ جب کسی شخص کی نگاہ ایک اجنبی عورت کے محاسن پر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی خاطر اپنی جان کو ہلاک کر دیتا ہے پس جس عورت پر رات دن نگاہ پڑتی رہتی ہے اور تنہائی میں بھی اس کے ساتھ رہتا ہے تو اس کا تو ذکر ہی کیا ہے اور نیز اگر ان عورتوں کی طرف رغبت کا دروازہ مفتوح کیا جائے اور اس کو مسدود نہ کیا جائے اور مردوں پر ان کی طرف سے ملامت نہ کی جائے تو اس میں عورتوں کو ضرر عظیم لازم آتا ہے اس واسطے کہ ایسے وقت میں عورتوں کو اپنے پاس رکھا کریں۔ اور عورتوں کو جن سے نکاح کرنے کی رغبت ہو وہ اس کے ساتھ نکاح سے مانع ہوا کریں کیونکہ ان کا اور ان کے نکاح کا اختیار انہیں اقارب کو ہوا کرتا ہے اور دوسرے جب یہ اقارب خود ان عورتوں سے نکاح کر لیا کریں تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف سے حقوق زوجیت کا خاوند سے مطالبہ کرنے والا ہو اور اس کی نظیر وہ ہے جو یتیم بچوں میں ہو چکی ہے کہ اولیاء کو ان کے مال اور جمال کی طرف



رغبت ہوتی تھی اور حقوق زوجیت کو پورے طور پر ادا نہ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی ان جُفْتِمِ اِلَّا تَسْطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَاَنْکَحُوْا مَا خَاطَبَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ اَرْتَمَ کُوْتُبِیْمُوْنَ میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں میں جو تمہارے پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔ حضرت عائشہؓ نے اس کو بیان کیا ہے اور یہ ارتباط طبعی طور پر مرد اور اس کی ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی میں واقع ہوتا ہے اور ازاجملہ رضاعت ہے کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہو جاتی ہے اس لیے کہ وہ اختلاط بدن کے اجتماع اور اس کی صورت کے قائم ہونے کا سبب ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ ماں نے اپنے شکم میں اس کے وجود و جمع کیا ہے اور اس نے ابتداء نشو میں بقدر رسد رقی کے اس کو دودھ پلایا ہے پس وہ فی الحقیقت بعد ماں کے ماں ہے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بہن بنیوں کے بعد اس کے بہن بنائی ہیں اور اس کی پرورش میں جو کچھ تکلیف اٹھائی ہے اور بچے کے ذمہ جو حقوق اس کے ثابت ہوئے ہیں اور طفولیت میں جو جو باتیں اس شیر خوار کی طرف سے اس کو پیش آئی ہیں وہ ظاہر ہیں پس اس کا مالک ہو جانا اور اس کو اپنی جو رو بنالینا اور اس کے ساتھ جماع کرنا ایسی چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے اور بے زبان جو نور بہت ایسے ہیں جو اپنی ماں یا دودھ پلانے والی کی طرف اس قدر التفات نہیں کرتے جس قدر اجنبی مادہ کی طرف ان کو توجہ ہوتی ہے اور آدمیوں کا تو فرائض ایسا اور نیز عرب کے لوگ اپنی اولاد کو مختلف قبیلوں میں سے کسی قبیلہ میں دودھ پلانے کو دے دیتے ہیں اور وہ شیر خوار وہیں پرورش پا کر جوان ہو جاتا تھا اور محرم کے مثل ان لوگوں کے ساتھ اس کو اختلاط ہوتا ہے اور عرب کے نزدیک نسب کے ملکہ کی مانند شیر خواری کا بھی ملکہ ہے پس نسب پر اس کا محمول کرنا ضروری ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا یَحْرَمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا یَحْرَمُ مِنَ الْوِلَادَةِ جو چیز والدت سے حرام ہو جاتی ہے وہی چیز دودھ کے ذریعہ سے بھی حرام ہوتی ہے اور چونکہ رضاع کے سبب تحریم ہونے کی وجہ ماں کے ساتھ بیٹہ مولود اور اس کی صورت کی ترکیب کا سبب ہونے میں مشابہت ہے ہذا رضاع میں وہ چیزوں کا اعتبار ضروری ہو الیل تو وہ مقدار جس سے تحریم کے معنی متحقق ہوتے ہیں پس قرآن عظیم کے اندر دس کمون معین جن کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے نازل ہوئے پھر پانچ معین سے وہ منسوخ ہو گئے اور جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی قرآن پاک میں ان کی تلاوت لی جاتی تھی اور معین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرمت کے معنی چونکہ کثیر میں پائے جاتے تھے نہ قلیل میں اس لیے اس حکم سے مقرر کرتے وقت ایل حد کا مقرر کرنا بھی ضروری ہوا جس کی طرف وقت اشتہاد کے رجوع کیا جائے اور دس کے ساتھ اندازہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ حد میں احادیث سے تجاوز کرنے کی وہ پہلی حد ہے اور دودھ پلانے والی عترات کے اعتبار سے دودھ پانی ہے یعنی دس دن بردہ کے لئے نہیں پاتی ہے اور نیز وہ منع عترات کی حد اولی ہے اور جمع قلت کا اس میں استعمال نہیں ہوتا پس کثرت معتد بہا کے اعتبار سے لیے اس کا بدن انسانی میں اثر ہوتا ہے یہ کافی مقدار ہے اور پانچ سے منسوخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں احتیاط ہے اس لیے کہ جب بچہ و پانچ پائے بڑے کمون پائے جا میں تو اس کے چہرہ و بدن پر رونق و تازگی ظاہر ہو جاتی ہے اور جب یہ کمون نہ ہونے لگے تو اس کا دودھ پلانے والی نے دودھ کم ہوتا اس سے بدن پر اخروی اور کمزوری اور بیہوشی ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ کمونوں سے اس کا نشوونما ہوتا ہے اور اس کا بدن قائم رہ سکتا ہے اور اس سے کم کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ لَا تَحْرُمُ الرِّصْعَةُ وَالرِّصْعَانُ وَلَا تَحْرُمُ الْمَعَّةُ وَالْمَصْنَانُ وَلَا تَحْرُمُ الْاَلَا

ملاحة والاملاحتان نہ ایک گھونٹ دو گھونٹ حرام کرتے ہیں نہ ایک پٹکی دو پٹکیاں اور نہ ایک دھار اور نہ دو دھارا اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کثیر و قلیل دونوں اثبات حرمت میں برابر ہیں تو اس کا سبب امر رنساغ کی تعظیم اور اس کا باقی حیت موثر مردانہ ہے جیسے تمام ان چیزوں میں جن کے قسم کا مدار معلوم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا دستور جاری ہے دوسرے یہ کہ رنساغ بیبی کی شکل و صورت کے قلم ہونے کی ابتدائی حالت میں پائی جائے ورنہ وہ دودھ اور اندہ یہ کی مانند ہوگا جو صورت و شکل کے قلم ہونے کے بعد حاصل جاتی ہیں جیسے جو ان آدمی روئی کھاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان الرضاعة من المجاعة کہ البتہ دودھ پانا بھوک کے وقت ہے اور فرمایا ہے لا یحرم من الرضاع الا ما فتنق الامعاء فی الثدي وکان قبل الفطام یعنی دودھ پانا حرام کرتا ہے جو پستان میں سے نکل کر آنتوں کو بڑھائے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو اور از انجملہ اقارب میں قطع رحم ہونے سے احتراز ہے کیونکہ دوسو گھونٹوں میں ہمیشہ حسد رہتا ہے اور ان کا باہمی بغض ان کے اقارب کے ساتھ بغض کا سبب بنتا ہے اور اقارب میں حسد کا ہونا نہایت قبیح اور شنیع امر ہے اور اسی لیے سلف کے چند مردوں نے دو چٹائی مینیوں کو جمع کرنا نا پسند کیا ہے ان دو عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک مرد فرض کی جائے تو دوسری اس پر حرام ہے جیسے دو بیٹیاں اور چھوٹی بیٹی اور بیٹی بھانجی اور اسی اصل کا آنحضرت ﷺ نے اعتبار فرمایا ہے اور اپنی بیٹی اور غیر کی بیٹی میں جمع کرنا حرام فرمایا کیونکہ سوکن کا حسد اور خوند کا اس کو اختیار کرنا بسا اوقات سوکن اور اس کے کنبہ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے بغض رکھنا امر چہ امور معاشیہ کے اعتبار سے ہو مفسی الی الکفر ہے اور اصل اس میں دو بہنوں کا جمع کرنا ہے اور مسئلہ کے طور پر آنحضرت نے متنبہ فرمادیا ہے اور فرمایا ہے لا یجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة وخالتها نہ ایک عورت اور اس کی چھوٹی بیٹی کو جمع کرے اور نہ ایک عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرے اور از انجملہ مصاہرہ ہے اس لیے کہ اگر اوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں واپنی بیٹی کے خاوند کے ساتھ اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کے طرف اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کی طرف رغبت ہو تو اس تعلق و قوز نے یا اس شخص کے قتل کرنے میں جس کی طرف خواہش پائی جاتی ہے و شش کی سریں اور اگر تو قدامت و فترت کے قتل سے اور اپنے زمانہ کے ان لوگوں کے حال کا تتبع کرے جو اس سنت راشدہ کے پابند نہیں ہیں تو قوز بڑے بڑے امور اور بے انتہا ظلم اور بلاست دیکھے گا اور نیز اس قرابت میں صحبت لازم ہے اور پردہ کرنا معذرہ ہے اور حسد ایک امر شنیع ہے اور جانین سے مختلف جوان پیش آتے رہتے ہیں پس اس کا حال بمنزلہ دو بہنوں کے ہے اور از انجملہ وہ حد ہے کہ معاشرت زوہدہ میں اس حد کے ساتھ حسن معاشرت نہیں ہو سکتا کیونکہ لوگ بسا اوقات عورتوں کے جمال کی طرف رغبت کر کے بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور سب میں سے ایک کو جو ان کے دل کو پسند ہوتی ہے اختیار کرتے اور باقی کو ادھر میں چھوڑ دیتے ہیں پس نہ تو وہ پورے طور سے بیوی ہے جس کی طرف رغبت ہو اور نہ بیوہ ہے جو اس کو اپنا اختیار ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ پوری زیادہ ترستی کی جائے اس لیے کہ بعض اوگوں کو ایک بیوی زمانہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتی اور نکاح کی غایت مقصود تناسل ہے اور ایک مرد سے بہت سی عورتوں کے اولاد ہو سکتی ہے اور نیز چند بیویاں کرنا مردوں کی فطرت ہے۔ اور بسا اوقات ان کی وجہ سے فخر حاصل ہوتا ہے ابتدا شارع نے چار کے ساتھ اس کا اندازہ کیا اس لیے کہ چار ایسا حد ہے کہ تین شبوں کے بعد ہر ایک کی طرف وہ شخص رجوع کر سکتا ہے اور ایک شب سے کم میں نوبت کافی اندوہ حاصل نہیں ہوتا اور ایسے

وقت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کسی کے پاس شبِ باشی کی اور تین کثرت کی اول حد ہے۔ اور چار سے اس کی زیادتی ہے اور آنحضرت ﷺ کو اختیار تھا کہ جس قدر چاہیں اپنا نکاح کریں اس لیے کہ اس حد کا مقرر کرنا اس منصفہ کے دفع کرنے کے لیے نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کو اس کی حقیقت معلوم تھی اس لیے آپ کو مظنہ کی حاجت نہ تھی اور حاجت الہی اور اس کے حکم کی بجا آوری میں اختلاف اور اونٹوں کے آپ مامون تھے اور ازاجملہ اختلاف دین ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يَؤْمِنُوا بہت نکاح کرو مشرکوں سے جب تک ایمان نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کا جو اس حکم میں رعایت کی گئی ہے اس آیت میں بیان فرمایا۔ اس طرح کہ مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ صحبت اور مابین ان کے میل جول و غم خواری کا جاری ہونا خاص برائیان کے باب میں ان کے دین کا منصفہ ہے اور اس کے قب میں آخر کی طرف حرکت پیدا ہونے کا سبب ہے خواہ وہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو اور یہ وہ نصاریٰ آسمانی شریعت کے متعبد ہیں اور قوانین تشریع کے اصول اور تعلیمات کے قائل ہیں بخلاف مجوس و مشرکین کے پس ان کی صحبت کا منصفہ بہ نسبت اوروں کے خفیف ہے کیونکہ خاوند کا بیوی پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ اس پر حاکم ہوتا ہے اور بیوی خاوند کی قیدی ہوتی ہے پس اگر مسلمان کتابیہ سے نکاح کرے تو زیادہ فساد کا خطرہ نہیں ہے لہذا اس کی اجازت دینا اور اس میں ایسا تشدد نہ کرنا چاہیے جیسے اور اس قسم کے مسائل میں ہوتا ہے۔ ازاجملہ عورت کا دوسری کی چھو کر ہی ہوتا ہے ایسے وقت میں بہ نسبت اپنے مولا کے اس واپنی شرم کا کم خفا نہ رکھنا ناممکن ہے۔ اور یہ بات ناروا ہے کہ اس سے خدمت لینے اور اس کے ساتھ خصوصت کرنے سے اس نے مولا کو منافقت کی جائے کیونکہ اس میں ملک ضعیف کو ملک قوی پر ترجیح دینا ہے کیونکہ ملک دو قسم کی ہوتی ہے ملک قبلہ اور ملک بعدہ اور پہلی ملک قوی اور دوسری پر مشتمل ہے اور دوسری اس کے تابع ہے اور دوسری ملک ضعیف ہے اور اس میں مندرج ہے اور اعلیٰ سے ادنیٰ کو بڑھانے میں قلب مومنون ہے اور اس کے ساتھ اختصاص کا نہ ہونا اور جو شخص اس کی طمع رکھے اس کی مداخلت کا ممکن نہ ہونا زنا کی اصل ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان نکاحوں کی تحریم میں جن کو اہل جاہلیت باہم کیا کرتے تھے مثل اضطضاع وغیرہ کے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے اسی اصل کا اعتبار فرمایا ہے پس جب ایک چھو کر ہی اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھتی ہے اور اس کے ساتھ نکاح کی حاجت ہے اس لیے کہ زنا کا خوف ہے اور حرو سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ فدا، خفیف، یا اور ضرورت پالی فی ارضہ ورتوں کی وجہ سے ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں اور ازاجملہ کسی عورت کا کسی مسلمان یا کافر سے زینکاح ہونا ہے یہ ناکہ زنا کی اصل ایک موطوہ پر بلا کسی ایک خصوصیت کے اور دوسرے کی طمع منقطع ہونے کے جمع ہوتا ہے اس لیے زہریؒ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو تو حرام کیا اور صابہؓ کے ہاتھ کچھ چھو کر یاں لگیں اور ان کے ساتھ صحبت کرنے کے سبب نے حزن سمجھا اس لیے کہ ان کے خاوند مشرکین موجود تھے پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وَالْمُحْسَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور عورتوں میں سے جو خاوند والیاں ہیں وہ حرام ہیں مگر جو تمہارے ہاتھ لی ملک ہیں یعنی وہ تمہارے لیے حرام نہیں اس لیے کہ قید کے سبب سے طمع منقطع ہو جاتی ہے اور اختلاف دارین اس پر کئی مخصوص سے ازاجام سے مانع ہے اور ایک شخص سے دوسرے میں ایک چھو کر ہی کا آنا محقق ہے اور ازاجملہ عورت کا زانیہ اور کسی ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کرے اور بالکل اس کو ترک نہ کرے اس نے ساتھ نکاح درست نہیں ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ۔ زانیہ عورت سے وہی شخص نکاح کرتا ہے جو زانی یا مشرک ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ زانیہ کا خاوند کی عصمت اور قبضہ میں ہونا اور زنا کی حالت پر باقی رہنا و بوہیت اور فطرت سلیمہ سے باہر آ جانا ہے اور نیز اس میں اختلاط نسب کا اندیشہ ہے اور چونکہ تحریم محرمات کی مصلحت بغیر اس بات کے تمام نہیں ہوتی کہ تحریم کو ایک امر لازم اور حادث نہیں اور بمنزلہ ان اشیاء کے گردانا چاہیے جن سے بالطبع انسان کو نفرت ہوتی ہے لہذا ضروری ہوا کہ پورے طور پر اس کی شہرت اور شیوع کیا جائے اور لوگ اس کو اس طرح پر قبول کر لیں کہ اگر محرمات کی تحریم میں کوئی شخص ابہمال کرے تو اس پر سخت ملامت کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ جو شخص اپنے محرم سے صحبت کرے خواہ نکاح سے ہو یا بغیر نکاح کے وہ شخص جان سے مار دیا جائے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے سر منگانے کے لیے جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کیا تھا ایک شخص کو بھیجا۔

آدابِ مباشرت کا بیان

معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا اور تناسل سے اس کی نوع کا بقا چاہا لا بد ہی ہوا کہ شرع میں تناسل کی کامل طور سے ترغیب دلائی جائے اور قطع نسل اور اس کے اسباب سے نہی شدید فرمائی جائے اور نسل کا سبب عظیم جو بکثرت پایا جاتا ہے اور جو نسل کی طرف رغبت دلاتا ہے وہ شہوتِ شرمگاہ ہے یہ ایسی چیز ہے کہ گویا انہیں کی ذات میں سے انہیں پر مسلط کردی گئی ہے اور خواہ مخواہ ان کو نسل کی جستجو پر مجبور کرتی ہے اور اگر لونڈوں سے انعام کرنے اور عورتوں سے دبر میں صحبت کرنے کا طریقہ جاری ہو تو خلقِ الہی کی تغیر لازم ہوتی ہے اس لیے کہ یہ طریقہ اس شہوت سے جو انسان پر مسلط کی گئی ہے مقصود حاصل ہونے کا باعث ہے اور ان دونوں میں بڑھ کر لونڈوں سے انعام کرنا ہے کیونکہ اس میں جانین سے خلقِ اللہ کی تغیر ہے اور مردوں کو عورت بن بنا بدترین خصائل میں سے ہے اور اسی طرح انسانائے تناسل کے قطع کرنے کا طریقہ جاری ہوتا اور ان ادویہ کا استعمال کرنا جو باوجود قطع کرتی ہیں اور ترک کر دینا وغیرہ سب میں خلقِ اللہ کی تغیر اور طلب نسل کا ابہمال^① ہے لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان سب امور سے نہی فرمائی ہے اور فرمایا لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ مَلْعُونٌ مَن آتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا عورتوں سے ان کی دبر میں صحبت مت کرو جو شخص کسی عورت کی دبر میں صحبت کرے وہ ملعون ہے اور اسی طرح خسی بنے اور بتل سے بہت احادیث میں نہی فرمائی ہے اللہ پاک فرماتا ہے نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں جسے چاہو اپنی کھیتوں پر آؤ میں کہتا ہوں مباشرت کی ہیئت میں یہود بلا کسی آسمانی حکم کے ٹنگی کرتے تھے اور انصار اور ان کے ساتھی بھی ان کے دستور کو اختیار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے جب کوئی شخص پیچھے کی جانب سے اپنی بیوی کی فرج میں صحبت کرتا ہے تو بچہ احوال پیدا ہوتا ہے جس یہ آیت نازل ہوئی یعنی اگر ایک ہی مقام میں صحبت ہو تو اختیار ہے کہ آگے سے کرے یا پیچھے سے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جس کے ساتھ مصلحتِ مدنیہ و ملہ متعلق ہو اور ہر شخص اپنی ذات کی مصلحت خود خوب جانتا ہے اور یہ بات یہود کے تفکرات میں سے تھی لہذا

اس کا منسوخ ہونا مناسب ہوا اور آنحضرتؐ نے کسی شخص سے عزل (یعنی قبل انزال آلہ نکال کر آب منی کو باہر ڈالنا) کے باب میں پوچھا آپؐ نے فرمایا اس کے کرنے میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ کوئی جان قیامت تک موجود ہونے والی نہیں مگر وہ جو مرد رہے لی نہیں کہتا ہوں اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزل اگرچہ حرام نہیں ہے مگر مکروہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مصاح مختلف ہوتے ہیں پس چھو کر یوں میں مثلاً مولا کی غرض اپنی ذات کے اعتبار سے یہ ہوتی ہے کہ عزل کرے اور مصیبت نوعیہ یہ ہوتی ہے کہ عزل نہ کرے تاکہ اولاد کثرت سے ہو اور نسل قائم رہے اور مصیبت نوعیہ کا اعتبار کرنا اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اور تم کو یہ میں مصیبت شخصیہ کے اعتبار کرنے سے اولائی ہوتا ہے علاوہ بریں جس قدر در میں صحبت کرنے سے تغیر خلق اللہ کے اور بقائے نسل سے اعراض ہے اس قدر عزل میں نہیں ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا **مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا** اس کے کرنے میں تم کو چھو مضائقہ نہیں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام حوادث اپنے موجود ہونے سے پہلے مقدر ہوا کرتے ہیں جب کوئی چیز مقدر ہوا کرتی ہے اور زمین میں اس کا صرف ضعیف سبب پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ وہ اس سبب ضعیف کو فراخ کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہی سبب ضعیف فائدہ تامہ کا مفید ہو جاتا ہے پس جب انسان انزال کے قریب ہوتا ہے اور اپنے ذکر کو باہر کرنا چاہتا ہے تو بس اوقات چند نقطہ سے اس کے احلیل سے ٹپک پڑتے ہیں جو بچے کے ماذون کو کافی ہو جاتے ہیں اور اس شخص کو اس کا ہم بھی نہیں ہوتا یہی راز ہے کہ حضرت عمرؓ نے بچے کو اس شخص کے ساتھ ملتی کیا جس نے اس عورت کے ساتھ مس کرنے کا اقرار کیا تھا اور فرمایا عزل اس کا مانع نہیں ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا **لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَهْبِي عَنْ الْغَيْلَةِ فَتَطْرُقَ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ فَأَدَاهُمُ يَغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ فَلَا تَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ وَقَالَ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ سِرَافَانِ الْغَيْلِ يَدْرِكُ الْفَارِسَ فَيَدْعُو عَشْرَهُ** میں نے قصد کیا تھا کہ غیلہ یعنی دودھ پلانے کی حالت میں عورت سے صحبت کرنے کو نہی کروں پھر میں نے روم و فارس میں نظر کی تو ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اولاد کے دودھ پینے کے زمانہ میں اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد و پوتے نہیں پکپکتا اور فرمایا کہ غیلہ طور پر اپنی اولاد کو قتل مت کرو کیونکہ صحبت کی ہوئی دودھ گھوڑے کے سوار کو مل جائے تو اس وراثت میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیلہ اگرچہ حرام نہیں مگر وہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنے میں دودھ بکڑ جاتا ہے اور بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور جب اس کی ابتدا انہو میں ضعف ہو تو وہ اس کے مزاج اصلی میں داخل ہو گیا اور آنحضرتؐ نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ آپؐ کا قصد ضرر کے احتمال غالب ہونے سے اس کے حرام کرنے کا تھا جب کہ آپؐ نے اتفاقاً فرمایا تو معلوم ہوا کہ عام طور پر اس کا ضرر نہیں ہوتا اور اس میں احتمال غالب ہونے کی صلاہت نہیں ہے تاکہ اس پر حرمت لازم آجائے اور یہ حدیث اس بات کی جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں قبیلہ واکل کے ایک دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے اس بات کو فرمایا کرتے تھے اور آپؐ کا ابتداء مصالح اور مفادات کو معلوم کر کے حرمت اور کراہیت کا ان پر دائر کرنا ہوتا تھا اور آنحضرتؐ نے فرمایا **إِنْ مِنْ أَشْرَ الْمَاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَرَلَةُ الرَّحْلِ يَمْسِي إِلَيْهِ أَمْرَانَهُ وَتَقْصِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا** اللہ تعالیٰ سے نزدیک سب لوگوں سے بدتر اس شخص کا درجہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے پاس آتی ہے پھر وہ شخص اس کا راز مکتا ہے میں کہتا ہوں پوندہ پر وہ نرنا وادب ہے اور جس چیز کا پردہ کیا گیا ہے اس کا افشاء راز

کرنا پردہ کے مقصود کا بدل دینا اور اس کی مخالفت کرنا ہے لہذا اس کے اظہار سے بھی ضروری ہوئی اور نیز ایسی باتوں کا اظہار نہ کرنا
یہودی اور بے حیائی ہے خواہشوں کے اتباع سے نفس کی تارکیوں کے متحمل ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اب اس حالت میں اہل
ملت کا اختلاف تھا کہ حائض کے ساتھ کیا کرنا چاہیے یہودیوں نے تو یہاں تک تعمق کیا تھا کہ ان کے ساتھ کھانے اور لینے سے منع
کرتے تھے اور مجوسی اس قدر اس میں تہاؤں کرتے تھے کہ جماع کو بھی تجویز نہ کرتے تھے اور عیسیٰ کی پیروی پر واہ نہ کرتے تھے غرض سب
میں افراط و تفریط تھی پس ملت مصطفویہ نے تو وسط کی رعایت فرمائی اور یہ فرمایا کہ سوائے جماع کے سب چیزیں مباح ہیں اور اس کی کئی وجہ
ہیں ایک تو یہ کہ حائضہ سے جماع کرنا خاص کر جب حیض کی ترقی ہو نہایت مضر ہے تمام اطباء کا اس پر اتفاق ہے اور دوسرے یہ کہ
نجاست میں ^{مستطاب} ہونا صفت ذمیرہ ہے جس سے طبیعت سلیم نفرت کرتی ہے اور اس کی وجہ سے شیاطین کے ساتھ فریب ہوتا ہے اور
استنباح میں اول تو یہ بات ہے کہ وہ ضروری چیز ہے دوسرے یہ کہ استنباح میں نجاست کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اور حائض سے جماع کرنے
سے نجاست کے اندر داخل ہونا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **قُلْ هُوَ اَذَىٰ فَاَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ** کہہ دو وہ
ناپاکی ہے پس حیض کی حالت میں عورتوں سے بچتے رہو اور مادوں جماع میں روایت مختلف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک خون کا
اثر ہے وہاں سے بچنا چاہیے اور بعض کے نزدیک جو کچھ ماتحت الازار ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور بہر تقدیر اس میں دوائی جماع
کا بند کرنا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے حائضہ سے جماع کر بیٹھے تو اس کو دینار یا نصف دینار کے صدقہ کرنے کا حکم ہے
اور یہ مسئلہ مجمع مایہ نہیں ہے اور کفارہ کی حکمت وہی ہے جو ہم چند مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

زوجیت کے حقوق کا بیان

معلوم کرو کہ مابین خاوند اور بیوی کا جو میل جول ہوتا ہے وہ تمام ارتباطات منزلیہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا ثبوت بھی زیادہ ہے
اور حاجت بھی بہت ہے اس لیے کہ تمام عرب و عجم کے قبائل کا یہی دستور ہے کہ ارتباطات پورا اور کامل کرنے میں بیوی خاوند کی
معاونت کرے اور اس کے کھانے و پینے و لباس کے میعاد تیار کرنے کی متکفل ہو اور اس کے مال کو محفوظ اور اس کی اولاد کو حفاظت سے
رکھے اور بعد اس کے چلے جانے کے اس مکان میں اس کی قائم مقام رہے۔ اور علاوہ ان کے بہت سے امور ہیں جن کی شرح اور
بیان کی ہم کو حاجت نہیں اور اسی لیے اثر توجہ شرائع کی اس طرف ہوئی کہ حتیٰ الامکان اس کا باقی رخصت اور اس کے مقاصد کا بڑھانا اور
اس کے مدد کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہنا اور کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بدوان اغت کے ممکن نہیں ہو سکتا اور الفت
بغیر اس خصلت کے جس پر وہ خاوند و بیوی اپنے آپ کو مجبور نہ کریں نہیں حاصل ہو سکتی لہذا حکمت کا مقتضی ہوا کہ اس شخص کی طرف
توجہ و رغبت کی جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اَسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَانْهِنَّ خُلُقْنَ مِنْ ضَلَعٍ فَانْ ذَهَبَتْ نَقِيمَهُ**
كسرتہ و ان تركته ولم يزل اعوج عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کی وصیت قبول کرو تم اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی
ہیں پھر اگر تو اس کے سیدھا کرنے کا قصد کرے گا تو اس کو توڑ دے گا اور اگر اسی حالت پر اسے چھوڑ دے تو ہمیشہ وہ پسلی کٹی کی حالت
پر باقی رہے گی میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ میری وصیت کو قبول کرو اور عورتوں کے باب میں اس پر عمل کرو اور ان کی پیدائش

میں آتی و براتی ہے اور یہ بات مثل امر الزم کے ہو کر بمنزلہ اس چیز کے ہوئی ہے جو ایک شے کے مادہ میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور انسان جب متقاعد منزلی کے پورا کرنے کا اس عورت سے قصد کرے تو اس کو یہ بات لابدی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ امور سے درگزر کرے اور جو بات اپنے خلاف مرضی کے دیکھے اس پر اپنے غصہ کو دابہ مگر ہاں جو نیک غیرت کے قبیلہ سے ہو یا کسی ظلم و غیرہ کا بدلہ لینا ہو تو کہتے ہیں مضافاً کہ نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لَا يَضْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً أَنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا الْآخَرَ کسی مسلمان مرد، مسلمان عورت سے بغض رکھنا نہیں چاہیے اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو وہ دوسری سے راضی ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ جب خاوند کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند آئے تو اس کو زیبا نہیں کہ فوراً طلاق پر دلیری کرے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دوسری عادت سے خوش ہو جاتا ہے اور اس کی بد خلقی سے تحمل کیا جاتا ہے اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَحْذَثُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فِرْوَجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يَوْمِلْتُنَّ فَرْشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاصْرَبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مَبْرَجٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امان پر تم نے ان کو اپنے قبضہ میں لیا ہے اور اللہ کے حکم سے تم نے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے فرشوں پر کسی ایسے کو جگہ نہ دیں جس سے تم بیزاری و پھر اگر وہ ایسا کرے تو ان کو مارو مگر تمہارا اور تم پر ان کا کھانا اور پہننا حسب دستور ہے اللہ پاک فرماتا ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور معہم رہو کہ وہ عادت بالعرف ہے جس کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے کھانا کھلانے اور لباس دینے اور اچھا برتاؤ کرنے کے ساتھ بیان کی ہے اور جو شرائع مستند الی الوحی ہیں ان میں ممکن نہیں کہ قوت کی جنس اور اس کی تعداد معین کر دی جائے لہذا یہ بات ناممکن ہے کہ تمام جہان کے لوگ ایک ہی چیز پر اتفاق کر لیں اس لیے مطلق حکم کیا گیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضَبًا لَعْنَتُهَا مَلَائِكَةُ حَتَّى تَصْبَحَ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو اپنے ستر کی طرف بلانے پس اس نے آنے سے انکار کیا پھر وہ غصہ ہی کی حالت پر سو گیا تو صبح تک ملائکہ اس کو لعنت کرتے رہتے ہیں میں کہتا ہوں نکاح کے اندر جس مصلحت کی رعایت کی گئی ہے وہ شرمگاہ کی حفاظت ہے تو اس مصلحت کا تحقق نہ ہونی بہت اہم اصول شرعی ہے یہ بات ہے کہ جب کسی شے کے لیے مظاہر مقرر کیا جائے تو ایک ایسا حکم دیا جاتا ہے جس سے اس مظاہر کے مانتہ مصلحت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ جس وقت خاوند اپنی بیوی سے فرمانبرداری کا قصد کرے تو عورت کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا جائے اور اگر اس کی فرمانبرداری اس نے نہیں کی تو شرمگاہ کی حفاظت نہ ثابت ہوئی پھر اگر اس نے انکار کیا تو اس عورت نے اس مصلحت کے رد کرنے میں وسعت کی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اندر قائم کیا تھا پس ملائکہ کی وہ حالت ان کی طرف متوجہ نہ ہوئی جو ہٹنے پر اس کے فساد کے اندر کوشش کرنے پر متوجہ ہوا کرتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان مِنَ الْفُرْدِ مَا يَحِبُّ اللَّهُ وَمِنْهَا مَا يَبْغِضُ اللَّهُ فَمَا اتَى بِحُبِّهَا اللَّهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّبَةِ وَأَمَّا الَّتِي يَبْغِضُهَا اللَّهُ فَالْعُرَّةُ هِيَ عَمْرٍ وَبِئْسَ نَفْسٌ فِيهِ تَوَالِيكِي ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور بغض ایسی ہے جس سے اللہ کو نفرت ہے پھر جو نفرت اللہ پسندیدہ ہے وہ زانیہ فیہ ہے اور جو ناپسندیدہ وہ غیر زانیہ کی غیرت ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے مصلحت اور

سیاست کے قائم کرنے میں جس کے بدون چارہ نہیں ہے اور بدختی اور باسبب شک کرنے میں اور ظلم کرنے میں فرق یہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ** سے **إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَنِيفًا**۔ تاکہ میں کہتا ہوں یہ بات ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر حاکم بنایا جائے اور جبلت کے اعتبار سے خاوند کا اس پر دباؤ ہو کیونکہ خاوند میں قتل کامل ہوتی ہے اور اس میں کامل طور سے سیاست اور حمایت اور عار کے دفع کرنے کا بخوبی مادہ ہوتا ہے اور نیز اس لیے کہ وہ اس کا خرچ اٹھاتا ہے اور تمام انتظام اسی کے متعلق ہے لہذا اگر عورت سرکشی کرے تو اس کی تعزیر اور تادیب خاوند کے متعلق ہونی چاہیے اور اس کو بتدریج تادیب کے طریقہ کا اختیار کرنا چاہیے **الاسهل فالاسهل** یعنی اولاً صرف زبان سے کہہ کر اس کو نصیحت کرے بعد ازاں اس کے پاس ایسا ترک کر دے مگر گھر سے اس کو نہ نکالے اور اس سے بھی باز نہ آئے تو اس کو مار لگائی چاہیے مگر سخت مار نہ لگائے اور اگر اصلاح کی صورت نہ ہو اور ہر ایک دوسرے کی نافرمانی اور ظلم پر کمر باندھے تو اس وقت میں قطع من زعت کی یہ شکل ہے کہ دو حکم مقرر کیے جائیں ایک خاوند کے کنبے میں سے اور ایک بیوی کے کنبے میں سے اور وہ دونوں نفقہ وغیرہ کے متعلق خاوند بیوی میں جو پیمانہ سب مصلحت دیکھیں فیصلہ کر دیں اس واسطے کہ خاوند بیوی کے معاملات میں بینہ کا قائم کرنا ناممکن ہے پس اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ فیصلہ ان لوگوں کے متعلق کیا جائے جو سب سے زیادہ ان دونوں کے قریب اور ان کے شفیق ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے **لیس منا من خبت امرأة علی زوجها او عبدا علی سیده** جو شخص خاوند سے کسی بیوی کو بگاڑے یا مولیٰ سے غلام کو بگاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ تدبیر منزل کے بگاڑنے کے جہاں اور اسباب ہیں ایک سبب اس کا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی یا غلام کو اس کے خاوند اور مولیٰ سے برگشتہ کر دے اور یہ اس انتظام کے توڑنے اور اس کے بگاڑنے میں کوشش کرے اور اس مصلحت کی مخالفت کرنا ہے جس کا قائم کرنا ضروریات سے ہے معلوم کرو کہ تدبیر منزل کے بگاڑنے کی لوگوں میں بہت سی نصیحتیں ہیں جن میں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں پس شرع کو اس کا ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا ضروری ہوا ازاں جملہ یہ ہے کہ کسی مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اور باری وغیرہ میں ان میں سے کسی کو بغض پر ترجیح دے اور دوسری پر ظلم کر کے اس کو ادھر میں چھوڑ دے اللہ پاک فرماتا ہے **وَالَّذِينَ تَسْتَغْلِیْعُوا أَنْ تُعَدِّلُوا بَیْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَضْتُمْ فَلَا تَمِیلُوا کُلَّ الْمِیْلِ فَتَذَرُوهَا کَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُضْلَحُوا وَتَشْفُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِیمًا** اور تم ہر عورتوں میں برابری نہیں کر سکتے اگرچہ تم اس کی تمنا کرو پس بالکل جھک مت پڑو کہ اس کو ویسے چھوڑ دو جیسے ادھر میں اور اگر بھلائی کرو اور ڈرو تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا **اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط** جب کسی مرد کے پاس دو عورتیں ہوں اور ان دونوں میں وہ برابری نہ کرے تو قیامت کے روز جب آئے گا اس کی ایک طرف جھکی ہوئی ہوگی میں کہتا ہوں یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عمل کی جزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے پس اب اس کا اعادہ نہیں کرتے اور ازاں جملہ کہ عورتوں کے ولی ان کو ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکیں جو ان کے کنبہ کے ہیں اور ان کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اس کا نشان ان کی خواہش نفسانی مثل حسد اور بغض وغیرہ کے ہوتا ہے اور اس میں جو فساد ہے وہ عیاں ہے پس یہ آیت نازل ہوئی **وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا تَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ** اور جب تم

عورت کو شائق اور وفاپس مدت کو پورا کر لیں تو ان کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو اور ازاں بعد یہ ہے کہ
 وہی شخص یتیم لڑکیوں سے جو اس کی پرورش میں ہیں ان کے مال یا جمال کی وجہ سے نکاح کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے جیسے
 باپ و ان عورتوں کے حق ادا کیے جاتے ہیں اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں تو ان سے واسطہ نہ رکھے پس یہ آیت نازل ہوئی
**وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنْی وَثَلَّثَ وَزَبَّاعٍ فَإِنْ خِفْتُمْ
 أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم عورتوں میں انصاف نہ کرو گے پس نکاح کرو
 عورتوں میں اس سے ساتھ جو تمہاری پسند ہوں اور تین تین اور چار چار پس اگر تم کو خوف ہو کہ تم برابری نہ کرو گے تو ایک سے یا
 جس پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ کیا ہے پس اگر ظلم کرنے کا اندیشہ ہو تو یتیم لڑکیوں یا کنی عورتوں سے نکاح کرنا منع ہے اور ایک شخص
 سے ایک بیوی ہو جو ہوا و پھر ایک کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے واسطے یہ سنت مقرر کی گئی ہے کہ سات دن تک اس کے
 پاس رہے بعد ازاں سب دستور و سنت بہ نسبت رہا کرے اور اگر شوہر رسید و ست نکاح کرے تو تین روز اس کے پاس رہ کر پھر باری
 باری سے رہا کرے میں کہتا ہوں اس میں یہ بھی ہے کہ اس باب میں زیادہ تر تنگی نہ کی جائے کیونکہ اکثر لوگوں کا اس میں بس نہیں
 ہوتا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَلَنْ تَسْتَغْنُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ** اس میں اس بات پر تنبیہ ہے
 کہ جب ناسخ عدل کا قلم کرنا ممکن تھا ہذا ضروری ہوا کہ صریح ظلم پر اس حکم کا مدار کیا جائے پس جب کسی مرد کو کسی عورت کی
 رغبت ہو اور اس کے حسن و جمال پر اس کا دل فریفتہ ہو جائے اور اس کا اثرات سے اس واشتقاق ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص اس سے
 بالکل روک دیا جائے اس واسطے کہ یہ تالیف بالجمال کے قبیلہ سے ہے اس لیے اس کے ترجیح دینے کی ایک مقدار مقرر کر دی تاکہ وہ
 اس سے آگے نہ بڑھے اور اس پر ظلم و جور نہ کرنے پائے اور نیز شرع نے اس مسیحت کی رعایت کی ہے کہ جدیدہ کے قلب کی تالیف
 اور اس قدر رانی کرنی چاہیے اور یہ بات اسی طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ
 سے یہ فرمایا **لَسْ لَكَ عَلَى أَهْلِكَ هَوَاؤُنَ شَتَّ سَبْعَتِ الْيَوْمِ** اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی تو اپنے
 خاوند کے نزدیک بیدار نہیں ہے اور تیری مرضی ہو تو میں سات سات روز ہاڑوں اور پہلی بیوی کے دل شکستہ ہونے کا شارع نے
 بایں طور مانع کیا یعنی اسے لیے بھیشے اس واسطے زیادتی کا طریقہ مقرر نہ دیا اس لیے کہ جب ایک چیز کا بھیشے کے لیے دستور مقرر ہو
 جاتا ہے اور اس میں کسی ایذا رسانی کا احتمال نہیں ہوتا اور وہ صبری کے لیے خاص نہیں ہوتا بلکہ ایک عام حکم ہوتا ہے تو کسی کے دل کو
 چندان ناواشتیاق نہ کرتا ان آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے **ذَلِكَ ادْنٰی اَنْ تَقْرَ اَعْيُنُنَّ وَلَا تَحْزَنَ وَیَرْصِنَ** بما
اَسْبَ هَلْ كُنْتُمْ اَنْ اَمِیْدَ اَنْ اَنْ اَمِیْسَ عَمْدِی ہوں اور غم نہ لریں اور جو تو نے ان کو دیا ہے اس سے وہ سب کی
سب راضی رہیں یعنی جب قرآن میں ان واقعات کے دیا گیا تو اب وہ آنحضرت ﷺ سے خوش نہ ہوں گی اور کنواری عورت کی
 طرف مرد زیادہ رغبت ہوتی ہے اور نیز ان و تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے لہذا اس ترجیح کی مقدار سات روز مقرر کی گئی اور شوہر
 رسیدہ کی مدت تین روز مقرر کی گئی اور دستور نبوی ﷺ ازواجِ مطہرات کے پاس باری باری سے رہا کرتے تھے اور جب
 آنحضرت ﷺ کا قصد کرتے تھے ان میں قمرہ ذال ایلا کرتے تھے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو طہال نہ نزلے اور ہتھ

آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ بطور تبرع اور احسان کے تھا اور آنحضرت ﷺ پر باری فرض نہ تھی اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے تَرْجِيْنِي مِّنْ نَّشَأٍ مِّنْهُمْ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَن نَّشَاءُ. ان میں سے جس کو تو چاہے مؤخر کرے اور جس کو ان میں سے چاہے اپنے پاس جگہ دے اور آنحضرت ﷺ کے سوا اوروں میں تا مل اور اجتہاد کا موقع ہے مگر جمہور فقہاء نے نوبت کو واجب کیا ہے اور قرعہ اندازی میں ان کا اختلاف ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے فَلِمَ يَعْدِلْ. وہ مجمل ہے اور نہ معلوم اس سے کون سا عدل مراد ہے اور یہ آیت اس کے باب میں ہے فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ. کہ صریح ظلم کرنا اور بالکل اس سے کنارہ کشی کر لینا اور بد اخلاقی کے ساتھ اس سے برتاؤ کرنا مراد ہے اور بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غلام تھا جب وہ آزاد ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ چاہے اس کے نکاح میں رہے چاہے نہ رہے تو اس نے غلام کے نکاح میں رہنا پسند نہ کیا اور اپنا اختیار لے لیا میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حرہ کا غلام کے نیچے رہنا اس کے لیے عار کا باعث ہے پس اس عار کا دفع کرنا اس سے ضروری ہے اور اگر خود ہی راضی ہو تو وہ جدا بات ہے اور نیز جب تک باندی اپنے مولیٰ کے ملک میں ہے تو اس کی رضا مندی سے ہوا کرتا ہے پھر جب وہ آزاد ہو گئی اور اس کو اپنی جان کا اختیار ہو گیا تو اس نکاح میں اس کی رضا مندی فی الحقیقت رضا مندی نہیں ہے اور نکاح رضا مندی کا اعتبار ضروری ہوا اور اسی میں ایک روایت کے اندر یہ بھی آیا ہے کہ ان قریبک فلا خیيار لك. کہ اگر وہ تجھ سے صحبت کر لے تو تجھ کو پھر اختیار نہ ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اختیار کے لیے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ اس کے بعد پھر کچھ اختیار نہ رہے ورنہ اس کو مدت العمر اختیار رہے گا اور اس میں مقصود نکاح کا بدل دینا ہے اور اس اختیار کی حد کلام کے ساتھ مقرر نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ بسا اوقات وہ اپنے کنبے سے مشورہ کرتی ہے اور کبھی اپنے آپ ہی وہ اس بات کا ذکر فکر کرتی رہتی ہے اور اکثر اس کی زبان سے اختیار کا کلمہ بلا قصد نکل جایا کرتا ہے اور اگر اس کو اس بات کی تاکید کی جائے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکالے تو اس میں اس کے لیے دقت ہے پس حد مقرر کرنے کے لیے صحبت سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے اس واسطے کہ صحبت کرنا ملکیت کا فائدہ حاصل کرتا ہے اور ملک سے وہ مقصود ہے اور ایسی چیز ہے جو ملک سے پوری ہو سکتی ہے واللہ اعلم

طلاق کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایما امرأة سالت زوجها طلاقاً من غیر باس فحرام علیها رائحة الجنة. جو عورت با ضرورت اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو جنت کی بو اس پر حرام ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق. حلال چیزوں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ تر مبغض طلاق ہے معلوم کرو کہ طلاق کی کثرت اور بے پروائی کے ساتھ طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بہت سے مناسد ہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ شہوت نفسانی کے تابع ہوتے ہیں اور تدبیر منزل کے قائم کرنے اور التزامات ضروریہ میں معاونت ان کو مقصود نہیں ہوتی اور نہ ان کا مقصود شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ عورتوں کے ساتھ تلذذ اور ہر عورت سے لذت حاصل کرنا ان کو مقصود ہوتا ہے یہ بات ان کو کثرت سے نکاح کرنے اور طلاق دینے پر آمادہ کرتی ہے اور ان کے نفوس کی طرف ضرر کے عاید ہونے میں زنا کار لوگوں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں ہے اگرچہ سنت نکاح کے قائم کرنے اور

سیاست مدنیہ کے موافقت میں زنا کاروں سے متمیز معلوم ہوتے ہیں آنحضرت نے فرمایا لعن اللہ الذاقین والذواقات کہ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر اللہ کی لعنت اور نیز اس دستور کے جاری ہونے میں اس معاونت دائمی یا قربت دائمی کا ترک کرنا ہے جن پر نفس کا قائم کرنا نکاح کے اندر مقصود ہوتا ہے اور نیز اسباب کے کشادہ کرنے میں اس بات کا احتمال غالب ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ امور میں خاوند اور بیوی کا دل تنگ ہوا کرے اور جدائی کا قصد کیا کرے اور یہ بات صحبت کی ناگوار باتوں سے برداشت کرنے اور انتظام خانگی ہمیشہ قائم رکھنے پر اتفاق کرنے سے نہایت بعید ہے اور نیز عورتوں کا ان باتوں کے ساتھ عادی ہو جانا اور لوگوں کو ان باتوں کی کچھ پرواہ و افسوس نہ کرنا بے حیائی کے باب کے مفتوح ہونے کا سبب ہے اور نیز ایسے وقت میں ان دونوں میں سے ہر واحد دوسرے کا ضرر مثل اپنے ضرر کے خیال نہ کرے گا اور ہر ایک دوسرے کی چیز میں خیانت کرے گا اس خیال سے کہ اگر جدائی ہو جائے تو یہ چیز ہمارے کام آئے اور اس میں جو قباحت ہے ظاہر ہے اور بایں ہمہ اس باب کا بالکل بند کر دینا اور دقت میں ڈال دینا بھی ناممکن ہے اس لیے کہ کبھی مابین میاں بیوی کے مخالفت ہوتی ہے اور اس کا خشا یا تو ان دونوں کی بدخلقی ہوتی ہے یا ان دونوں میں سے کسی اجنبی کے حسن کی طرف رغبت ہوتی ہے یا رزق کی تنگی کے سبب سے یا دونوں میں کسی کی حماقت کی وجہ سے دلی ہذا القیاس پس باوجود ان قبائح کے اس نظم کا قائم رکھنا بلائے عظیم اور ہرج کا سبب ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی استيقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المانوه حتی یقبل. تین شخصوں سے قلم اٹھایا گیا ہے سونے والے سے جب بیدار ہو لڑکے کے جب تک بالغ ہوں اور مجنون جو مصالح کے سمجھنے سے بالکل عاری ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا طلاق ولا اعتاق فی اخلاق. یعنی اگر اہ میں نہ طلاق ہے نہ عتاق ہے معلوم کرو کہ مکروہ کے طلاق کے باطل ہونے کی وجہ ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ اس طلاق سے راضی نہیں ہے اور اس نے کسی مصلحت منزیلہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ لاچار ہو کر اس سے یہ امر وقوع میں آیا ہے پس اس کا حال نائم کا سا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر اس شخص کی طلاق طلاق سمجھی جائے تو اس میں باب اکراہ کا مفتوح کرنا ہے پس ایسے وقت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی ظالم شخص کسی ناتوان و بیکس کو خفیہ طور پر پکڑ کر لے جائے اور نکوار سے اس کو خوف دلا کر طلاق پر اس کو مجبور کرے اور اس کی بیوی کی طرف رغبت اس کا خشا ہو پھر جب ہم نے اس کی امید کو منقطع کر دیا اور اس کی مراد کو اس پر منقلب کر دیا تو اب لوگ باہم اس قسم کا ظلم نہیں کر سکتے اور اس کی نظیر وہ ہے جو ہم اس حدیث میں بیان کر چکے ہیں القائل لا یوث اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا طلاق فیما لا یملک جس چیز کا انسان مالک نہیں اس میں طلاق نہیں جاری ہو طاق اور فرمایا لا طلاق قبل النکاح کہ طلاق نکاح کے قبل نہیں ہوتی میں کہتا ہوں بظاہر یہ حدیث طلاق منجر اور معلق کو خواہ وہ نکاح کے ساتھ معلق ہو یا اور کسی چیز کے ساتھ عام ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق کا جواز مصلحت کے سبب سے ہے اور مالک نہ ہونے اور اس عورت کی یہ تے دیکھنے سے غیر مصلحت اس کو مکمل نہیں ہو سکتی یہ طلاق قبل از ملک ایسی ہے جیسے کوئی مسافر کسی بیابان میں اقامت کی نیت کرے یا کوئی مجاہد دار الحرب میں کہ قرآن عالیہ خود اس کے مذہب میں اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے طلاق دے کر رجوع کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر کس قدر ظلم تھا لہذا یہ آیت کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرنی طلاق دہ مرتبہ ہے یعنی اس طلاق کے بعد دہ مرتبہ ہوتی ہے وہ دہ مرتبہ ہے پھر اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد

جب تک وہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہوتی اور آنحضرت ﷺ نے نکاح کے ساتھ محبت کرنے کو بھی زیادہ کیا ہے اور طلاق کو صرف تین کے اندر محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور نیز اس میں فکر کرنا اور سمجھنا ضروری ہے اور سب لوگوں کو اس کی کچھ مصلحت نہیں معلوم ہوتی جب تک وہ عورت کے ملک سے نکلنے کا مزہ نہیں چکھ لیتی اور تجربہ کے لیے اصل ایک مرتبہ ایک چیز کا عمل میں لانا ہے اور دوسرے تجربہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح شرط کرنا تجدید اور انتہا کے معنی ثابت کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس سے رجوع درست ہوتا تو اس کا حال رجعت کا سا تھا اس لیے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے اور عورت جب تک خاوند کے گھر میں اور اس کے قبضہ میں اور اس کے اقارب کے سامنے ہے تب تو ہو سکتا ہے کہ خاوند اس کی رائے پر غالب رہے اور خواہ مخواہ اس چیز کو پسند کرے جس کی خوبی اس عورت کے سامنے وہ لوگ بیان کریں اور پھر جب ان سے بالکل جدا ہو گئی اور زمانہ کی سردی و گرمی کا مزہ چکھ لیا اور اس کے بعد اس شخص سے راضی ہو گئی تو وہ رضا مندی فی الواقع رضا مندی ہے اور نیز اس میں مفارقت کا مزہ چکھنا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے معلوم کیے خواہش نفسانی کے تابع ہونے کا عذاب دینا ہے اور نیز اس میں مطلقہ ثلاث کا ان کی آنکھوں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا جتلانا ہے کہ تین طلاقیں پر وہی شخص دلیری کر سکتا ہے جو بغیر ذلت اور حد سے زیادہ بے عزتی کے بعد اپنے نفس کو اس کی جانب سے امید کے قطع کرنے پر قائم کر لے اور جب رقاء نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور پھر اس کو مغلظہ کر دیا اور اس نے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا اور آنحضرت ﷺ سے دوسرے خاوند کا کچھ ذکر کیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کیا پھر تیرا قصد رقاء کی جانب رجوع ہونے کا ہے تو اس نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک تو اس کی لذت اور وہ تیری لذت حاصل نہ کر لے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے نکاح کے نام ہونے کو لذت کرنے کے ساتھ اس لیے مشروط کیا کہ تاکہ اس تجدید کے معنی جس کو اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے متحقق ہو جائیں اس لیے کہ اگر یہ بات نہ ہو تو کوئی شخص یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ اس نے زبانی نکاح کرا کے اس کو دوسرے خاوند سے اسی جلسہ میں طلاق دلوائے اور اس میں تجدید کے قاعدہ کی مخالفت ہے اور آنحضرت ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور اس شخص پر جس کے لیے حلالہ کرتا ہے لعنت کی ہے میں کہتا ہوں چونکہ بعض لوگ محض حلالہ کی غرض سے نکاح کرتے ہیں اور ان کا مقصود اس نکاح سے زندگانی کی معاونت نہیں ہوتی اور نکاح سے جو مصلحت مقصود ہے وہ مصلحت اس نکاح سے پوری نہیں ہوتی اور نیز اس میں بے حیائی اور بے عزتی اور ایک عورت پر کئی مردوں کا جمع ہونا تجویز کرتا ہے اور معاونت کے قبیلہ سے نہیں ہے لہذا آپؐ نے اس سے منع فرمایا اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور آنحضرت ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپؐ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ تجھ کو چاہیے کہ تو اس کو رجوع کرے پھر جب تک پاک ہو اور پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو تو اس کو روکنا چاہیے پھر اگر اس کو طلاق دینا مناسب سمجھے تو پاکی کی حالت میں اس کو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دے دے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنی اہلیت سے متصفیٰ طبعیت کے اعتبار سے نفرت کرتا ہے اور وہ نفرت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کو مانا جائے مثلاً اس کا حاضہ ہونا اور گرد و غبار میں آلودہ رہنا اور کبھی اس مصلحت کے سبب سے اپنی اہلیہ سے نفرت کرتا ہے جس کے قائم کرنے کا عقل سلیم حکم کرتی ہے اگرچہ رغبت طبعی وہاں موجود ہوتی ہے اور یہ نفرت اتباع کے قابل ہے اور نہ امت اکثر

پہلے قسم کی نفرت میں ہوتی ہے اور اس میں رجعت واقع ہوتی ہے اور یہ ایسی خواہش ہے جس کے ترک کرنے پر تہذیب نفسانی کا مدار ہے اور یہ دونوں قسم کی نفرتیں بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہوتی ہیں ہذا ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس سے فرق ثابت ہو جائے پس طہرہ و رغبت طبع کا مظنہ اور حیض و نفرت طبعی کا مظنہ اور باوجود رغبت طبعی کے طلاق پر اقامہ کرنا مصلحت عقلیہ کا مظنہ اور اسی حالت پر باوجود حالت کے بدلنے کے یعنی حیض سے طہرہ کی طرف اور بے رونقی سے زینت کی طرف اور اعتباس سے انبساط کی طرف خاص عقل اور تدبیر خالص کا مظنہ ہے ہذا حیض میں طلاق مکروہ کی گئی اور مراجعت اور حیض جدید کے درمیان میں آنے کا حکم دیا اور نیز اگر اس کو حیض میں طلاق دے تو یہ حیض اگر مدت میں شمار کیا جائے تو مدت کی مدت کم ہوتی ہے اور اگر شمار نہ کیا جائے تو عورت کو مدت کے زیادہ ہو جانے سے ضرر پہنچتا ہے خواہ قزوہ کے لفظ سے طہرہ مراد لی جائے یا حیض بہر صورت اس حد کی مخالفت لازم آتی ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب محکم میں ثلاثہ قزوہ کے ساتھ معین کیا ہے اور طہرہ کے اندر صحبت کرنے سے قبل طلاق دینے کا حکم بدو وجہ ہے ایک تو یہ کہ اس میں رغبت طبعی کا بقا ہے کیونکہ صحبت کے سبب سے رغبت کے غلبہ کو کمی ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں نسب مشتبہ نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ نے طلاق پر دو گواہ کر دینے کا حکم اس لیے دیا کہ ایک تو اس میں شرمگاہوں کا مہتمم بالشان ہوتا ہے تاکہ تدبیر منزل کا قائم ہوتا اور نیز ان کا انقطاع لوگوں کے روبرو پایا جائے اور دوسرے یہ کہ نسب کا اشتباہ لازم نہ آئے اور ایسا نہ ہو کہ طلاق دے کر پھر خاوند بیوی اپنے طور پر راضی ہو جائیں۔ اور طلاق کی پرواہ نہ کریں واللہ اعلم اور ایک طہرہ میں تین طلاق کے جمع کرنے کو بھی مکروہ کیا اس واسطے کہ اس میں اس حکمت کا ترک لازم آتا ہے طلاقوں کے متفرق متفرق واقع کرنے میں جس کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ تفریق طلاق اسی لیے مقرر کی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوتاہی ہو جائے تو اس کا تدارک ہو سکے اور نیز جمع کرنے میں اپنے اوپر دقت کا لازم رہنا اور ندامت کا پیش کرنا ہے اور تین طہروں میں بھی تین طلاقات دینے میں دقت اور ندامت کا مظنہ ہے مگر صورت اولیٰ سے کم ہے اس واسطے کہ اس میں فکر کرنے کا موقع اور اتنی مدت مل جاتی ہے جس میں احوال متغیر ہوتے رہتے ہیں اور بہت سے لوگوں کی مصلحت حرمت مطلقہ کے ثابت کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

خلع اور ظہار اور لعان اور ایلاء کا بیان

معلوم کرو کہ خلع (طلاق حاصل کرنا) کے اندر ایک قسم کی قباحت پائی باقی ہے اس لیے کہ خاوند نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ صحبت کے بدلہ ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَكَيفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُم إِلَىٰ بَعْضٍ وَآخُذْتُمْ مِمَّا** **مِنْشَأُهَا غُلِبَتَا** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے اندر اسی معنی کا اعتبار کر کے فرمایا ہے **ان صدقت علیہما فہو بما استحلت من فرجہا** اگر تو نے اس کو پتہ دیا ہے تو یہ ان کے بدلہ ہے جو تو نے اس کی شرمگاہ کو طلال کیا ہے اور بایں ہمہ خلع کی عادت ہوتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **فَلا جناح علیہما فیما افدت بہ** پس نہیں ہے ان دونوں پر کچھ مضائقہ جس چیز کا عورت بدلہ دے اور اہل جاہلیت اپنی اہلیوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے اور ان کو اپنی ماں کی پشت کے مثل گردان لیا کرتے تھے اور یہ بھی ان سے پاس نہ ہاتھ تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر قباحت تھی کیونکہ وہ عورت نہ تو مرغوب ہوتی تھی کہ

خاوند سے وہ تمتع حاصل کر سکتی جس طرح عورتیں اپنے خاوندوں سے تمتع حاصل کرتی ہیں اور نہ وہ بیوہ ہوتی تھی جو اس کو اپنی جان کا اختیار ہوتا، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آیا اور آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا، بلا شک اللہ پاک نے اس عورت کی گفتگو سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں تجھ سے جھڑا کرتی ہے، عَذَابُ الْيَمِّ تک اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو بالکل انگو بھی نہیں کہا کیونکہ وہ ایک امر ہے جس کو خاوند نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اور پختگی کے ساتھ اس نے وہ بات کہی ہے جس طرح اور قسموں میں ہوا کرتا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لیے بھی نہیں گردانا، جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے تھے تاکہ وہ وقت ان سے دفع ہو جائے اور کفارہ کے ساتھ اس کو موقوف کیا اس واسطے کہ کفارہ سنہوں کے دور کرنے اور مکلف کو اس چیز سے روکنے کے لیے جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے وضع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ زوجہ نہ تو فی الحقیقت ماں ہوتی ہے اور نہ ان میں کچھ مشابہت یا مجاورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا اطلاق دوسرے پر صحیح ہو یہ تو اس عقد پر ہے کہ جب اس کو جز کے قبیلہ سے کہا جائے اور اُردوہ انشاء ہے تو ایک ایسا عقد ہے کہ جو مصلحت کے موافق نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شرائع میں اس کو بطریق وحی کے بیان فرمایا ہے اور نہ روئے زمین کے عقلاء نے اس کو مقرر کیا ہے۔ اور اس کو جو یہ فرمایا ہے کہ وہ منکر بات کہتے ہیں تو اس کے منکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرح کا ظلم اور جور اور جس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے تنگ کرنا ہے اور ظہار کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا پاپے دو ماہ کے روزے رکھنا اس لیے مقرر کیا گیا کہ منجملہ مقاصد کفارہ کے ایک یہ بات ہے کہ مکلف کے نزدیک وہ ایک ایسی چیز ہونی چاہیے جس کے لازم ہونے کا اس فعل کے مرتکب ہونے سے مکلف کو باز رکھے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ کفارہ ایک عبادت شاقہ ہو اور نفس پر اس کا غلبہ ہو یا تو اس لیے کہ اس میں اس قدر مال کا صرف کرنا مقرر ہو جس کا صرف کرنا نفس پر کسی قدر شاق گزرے یا اس میں بھوک و پیاس کی تکلیف زیادہ اٹھانی پڑتی ہو اللہ پاک فرماتا ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ. جو لوگ اپنی اہلیوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار مہینہ رکنا ہے معلوم کرو کہ اہل جاہلیت اس بات کا حلف کیا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک صحبت نہ کریں گے اور اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے چار مہینہ تک رکنے کا حکم دیا پھر اگر وہ رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور رجوع کرنے میں عا، کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں چار مہینے گزرنے کے بعد ایلاء کرنے والے کو روک دیا جائے بعد ازاں اس کو مجبور کیا جائے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اس کو چھوڑ دے یا حسب دستور اس کو نکاح میں رکھ لے اور بعض کے نزدیک چار مہینے گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اس کو روکا نہ جائے گا اور اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس کے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے جبکہ انسان ماؤف نہ ہو دوسرے یہ کہ یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ. (الآیہ) جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں اور ان کے لیے گواہ نہیں ہوتے اور حضرت عویر عجلانی اور ہلال بن امیہ سے اس باب میں حدیث مروی ہے معلوم کرو کہ اہل جاہلیت میں سے جب کوئی مرد کسی عورت کی طرف

منسوب کرتا تھا اور ان دونوں میں باہم یہ منازعت ہوتی تھی تو کابنوں کے پاس جایا کرتے تھے جیسا کہ ہند بن متہ کے قصہ میں ہوا تھا پھر جب اسلام آیا تو یہ بات ناممکن ہوئی کہ ان کے لیے کابنوں کے پاس جانے کی اجازت دی جائے اس لیے کہ ملت ضیفہ کا جہن ان مناقشات کے چھوڑنے اور ان کے دور کرنے پر ہے اور نیز کابنوں کے پاس بلا ان کا بیچ و جھوٹ معلوم کیے جانے میں ضرر عظیم ہے اور یہ بات ناممکن تھی کہ خاوند کو چار گواہ سنانے ورنہ حد لگانے کا حکم دیا جاتا اس واسطے کہ زنا تنہائی میں ہوا کرتا ہے اور خاوند اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے اور جو جو قرائن وغیرہ اس کو معلوم ہیں وہ دوسرے کو نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ بات بھی ناممکن ہے کہ خاوند تمام ان لوگوں کی مانند کیا جائے جن پر حد ماری جاتی ہے اس واسطے کہ خاوند شرعاً اور نیز عقلاً اپنے تنگ و ناموس کی حفاظت کرنے کا مامور ہے اور اس کی جہالت میں اس بات سے غیرت کرنا داخل ہے کہ اس کے ناموس پر دوسرا شخص مداخلت کر سکے اور خاوند شک کے رفع کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے محفوظ رکھنے میں سب سے زیادہ مناسب تر اور اولیٰ ہے پس اگر خاوند عورت کے ساتھ کسی امر کا مواخذہ کرنے میں غیر لوگوں کے برابر رکھا جائے تو امن مرتفع ہوتی ہے اور مصلحت کا مفہم کی طرف انقلاب لازم آتا ہے اور جب یہ واقعہ پیش آیا ہے تو آنحضرت ﷺ اس کے اندر حکم دینے میں متردد تھے کبھی تو ان معارضات کی وجہ سے کچھ حکم نہیں دیتے تھے اور کبھی اس کے حکم کا ان قواعد سے استنباط کرتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا تھا تو آپ نے ہلال بن امیہ سے فرمایا **الْبَيْنَةُ اَوْحَدًا فِي ظَهْرِكَ** یا تو بینہ ہے ورنہ تیری پشت پر حد ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بلا شک سچا ہوں اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم نازل فرمائے گا جس کی وجہ میری پشت حد سے بری ہو جائے گی پس اللہ تعالیٰ نے آیت اعان نازل فرمائی اور اصل اس میں یہ ہے کہ وہ موکدہ قسمیں ہوتی ہیں جن کے سبب سے خاوند حد قذف سے محفوظ رہتا ہے اور عورت پر دھبہ لگ جاتا ہے اور پھر وہ قید میں رکھی جاتی ہے اور اس کو تنگ کیا جاتا ہے اور اگر خاوند قسموں کے کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جاتی ہے اور اگر عورت بھی قسمیں کھالے تو بری ہو جاتی ہے اور انکار کرے تو اس پر حد لگائی جاتی ہے اور الحاصل جس چیز میں بینہ نہیں ہوتی اور نہ وہ چیز ایسی ہوتی ہے کہ بالکل افوجھوٹ سمجھی جائے اور اس کی سماعت نہ کی جائے اس چیز میں وہ کدہ قسموں سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ قدیمی طریقہ جاری ہے کہ عورت اس کو بیان کرے تاکہ قسموں سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو اور یہ بھی قدیمی طریقہ جاری ہے کہ وہ عورت پھر کبھی اس خاوند کی طرف عود نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں جب ایسا نزاع ہو چکا اور ان دونوں کے دل میں سخت بیچ پڑ گیا اور خاوند نے اس کی بدکاری مشہور کر دی تو غالباً اب کسی صورت سے ان کے مابین محبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نکاح انہی حالتوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جو محبت و موافقت پر مبنی ہیں اور نیز اس میں دونوں کو ایسے معاملہ پر اقدام کرنے سے روکنا ہے۔

عدت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے **وَالْمُطَلَّاتُ بِتَرَبُّصٍ بَانُفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ** الآیہ مطلقہ عورتیں تین قروء تک اپنی جانوں کو روکیں معلوم کرو کہ مدت قلمہ ان امور کے ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی اور عدت ایسی چیز تھی جس کا ان سے متروک

ہونے کا احتمال نہ تھا اور اس میں بہت سے مصالح ہیں، از انجملہ یہ ہے کہ اس کے سبب سے رحم کا خاوند کے نطفہ سے پاک ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور نسب میں اختلاط نہیں لازم آتا کیونکہ نسب بھی ایک چیز ہے جس کی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے اور عظمت لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نسب نوع انسانی کے خواص میں سے ہے اور منجملہ ان چیزوں کے ہے جس کے سبب سے انسان اور حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، استبراء کے باب میں بھی اسی مصلحت کی رعایت کی گئی ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ عدت سے لوگوں کو نکاح کی عظمت پر آگاہ کرنا منظور ہوتا ہے اور ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح ایسا امر نہیں ہے کہ جو بغیر لوگوں کے اجتماع کے قائم ہو سکے یا بغیر انتظار و راز کے وہ منقطع ہو سکے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو نکاح مثل بچوں کے کھیل کے ہوتا ایک ہی ساعت میں قائم ہو کر اسی ساعت میں منقطع ہو جایا کرتا، اور از انجملہ یہ ہے کہ نکاح کی مصلحتیں اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب خاوند و بیوی اس عقد کے ثابت رکھنے پر بظاہر اپنے آپ کو قائم رکھیں پھر اگر کوئی حادثہ پیدا ہو جائے جس کے سبب سے اس عقد کا انقطاع ضروری ہو تو فی الجملہ اس دوام کی صورت کا باقی رکھنا جب بھی ضروری ہے بایں طور کہ عورت کچھ مدت تک اپنے آپ کو روکے رہے اور اس کو اس میں کچھ تکلیف و دقت اٹھانی پڑے، اب مطلقہ کی عدت تین قروء ہیں، بعض کے نزدیک (قرء) سے مراد طہر ہے اور بعض کے نزدیک حیض، اور اگر اس سے طہر مراد ہے تب تو اس میں یہ راز ہے کہ طہر رغبت کا زمانہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی تکرار عدت لازمہ مقرر کی گئی تاکہ فکر کرنے والا ان طہروں میں فکر کر سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے طلاق کے بیان میں فرمایا ہے **فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ بِالطَّلَاقِ فِيهَا** پس وہ زمانہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے اور اگر اس سے حیض مراد ہے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ حمل کے نہ ہونے کی صورت میں اصل حیض سے بھی معلوم ہوتا ہے پھر اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا خواہ بچپن کے سبب سے یا بڑھاپے کے سبب سے تو اس کے لیے تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں کیونکہ ایک مہینہ حیض کا مظنہ ہوتا ہے اور اس لیے کہ تین مہینے میں رحم کا خالی ہونا ظاہر طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور تمام مصلحتیں اس مدت میں متحقق ہو سکتی ہیں اور حاملہ کی مدت وضع حمل ہے اس لیے کہ اس سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور بیوہ کی مدت چار مہینے دس روز ہیں اور اس مدت میں اس کو سوگ کرنا واجب ہے اور اس کے کئی سبب ہیں ایک تو یہ کہ جب اس پر یہ بات واجب ہوئی کہ اپنے آپ کو اس مدت میں روکے رہے اور نکاح اور اس کی بات چیت کسی سے نہ کرے تاکہ اس کے خاوند کا نسب محفوظ رہے پس حکمت و سیاست کا مقتضی ہوا کہ عورت کو ترک زینت کا بھی حکم دیا جائے اس لیے کہ زینت کی وجہ سے جانہن میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی ہی حالت کے اندر شہوت کے غلبہ میں فساد عظیم ہے اور نیز وفاداری کا مقتضا ہے کہ خاوند کی مفارقت پر غم کرے اور خوشبو و زینت وغیرہ کا شوق نہ کرے اور اس پر سوگ کرے کہ اس میں وفاداری اور ظاہر میں عفت کے معنی کا ثابت کرنا ہے اور مطلقہ کو سوگ کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ اس کو زینت کرنے کی حاجت ہے مگر کہ خاوند کو اس کی طرف رغبت ہو اور ان کے اجتماع میں جو فرق پڑا ہے پھر ان کے جمع ہونے کا سبب ہو، اسی لیے مطلقہ ثلث میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ سنگھار کرے یا نہیں پس کسی نے تو اصل حکمت کا خیال کیا ہے اور کسی نے لفظ مطلقہ کے عام ہونے کا خیال کیا ہے اور شارع نے بیوہ کی عدت چار مہینے اور دس روز اس لیے مقرر کی کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس مدت میں جنین کے اندر جان پڑ جاتی ہے اور غالباً جنین اس مدت کے اندر حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کیے گئے

تاکہ وہ حرکت پورے طور پر ظاہر ہو جائے اور نیز یہ مدت حمل مقدار کی نصف مدت ہے جس میں حمل پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر شخص دیکھ کر اس کو پہچان سکتا ہے اور مطلقہ کی مدت طہر یا حیض کیساتھ اور بیوہ چار مہینہ دس روز کے ساتھ اس لیے مقرر کی گئی کہ مطلقہ میں حقدار یعنی خاوند اپنے اختیار پر قائم ہوتا ہے جو نسب کی مصلحت اور قرائن کی جانتا ہے پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کا حکم دیا جائے جو اس کے لیے خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جائے اور اور لوگ اس عورت کا حال معلوم نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ خود بیان نہ کرے اور بیوہ کے اندر خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کا باطنی حال اور اس کا فریب نہیں پہچان سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا ہے پس ضروری ہوا کہ اس کی مدت ایسا ظاہری امر مقرر کیا جائے جس کے معلوم کرنے میں سب قریب و بعید برابر ہوں اور حیض کو بھی وہ ثابت کر دے کیونکہ ماہیاد اما طہر اس قدر بڑا نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا توطئ حامل حتی تضع ولا غبر ذات حمل حتی تحيض حیضہ حاملہ عورت سے صحبت نہ کی جائے جب تک اس کا وضع حمل نہ ہو اور نہ غیرہ حاملہ سے جب تک کہ اس کو حیض نہ آجائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیف يستخدمه وهو لا يحل له ام كيف يورثه وهو لا يحل له باوجودیکہ اس کے لیے وہ حاملہ حلال نہیں ہے پھر کس لیے اس سے خدمت لیتا ہے یا باوجودیکہ اس کے لیے حلال نہیں ہے اس طرح اس کو ورثہ دے سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ استبراء کے اندر یہ راز ہے کہ رحم کا خالی ہونا اس سے معلوم ہو جاتا ہے اور نسب کا اختلاط بھی نہیں ہوتا پس جب عورت حاملہ ہو تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں وہ بچہ دونوں کے مشابہ ہوتا ہے اس کے نطفہ سے ہے اس کے ساتھ بھی اس کو مشابہت ہوتی ہے اور جس شخص نے ایام حمل میں اس کی ماں کے ساتھ صحبت کی ہے اس کے ساتھ اس کو مشابہت ہے حضرت عمرؓ کے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ لا يحل لامرئيو من بالله واليوم الآخر ان يلقى ماءه بزرع غيره کی کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ بات حلال نہیں ہے کہ دوسرے کی کھیتی اپنے پانی سے سیراب کرے اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کیف يستخدمه الخ اس کے یہ معنی ہیں کہ حاملہ کے ساتھ جو جماع کرنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو دونوں شخصوں کی مشابہت ہوتی ہے اور ہر مشابہت کا حکم دوسری مشابہت کے خلاف ہوتا ہے پہلی کے ساتھ مشابہت کا مشابہت ہے کہ وہ بچہ غلام ہو اور دوسری کے ساتھ مشابہت چاقی ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو اور پہلی مشابہت کا حکم غلام ہونا اور مولا کے لیے اس پر خدمت کا واجب ہونا ہے اور دوسرے کا حکم حریت اور اتقاقی میراث ہے پس جماع کے سبب سے اس بچے کے اندر ادکام شریعہ کا القاب لازم آتا ہے اس لیے جماع کرنے سے ممانعت کی گئی۔ واللہ اعلم

اولاد اور غلام و لونڈی کی پرورش کے بیان میں

معلوم ہے کہ نسب بذیل ان امور سے ہے جن کی منافقت آدمی کی حرمت میں داخل ہے پس اولاد صلیب میں سے کسی اقلیم کے اندر جہاں آدمی پیدا ہوتے ہیں انہیں وہی نام دیا جاتا ہے مگر یہ بات اس کو محبوب ہوئی کہ اس کے باپ و دادا کی طرف اس کو منسوب کریں اور یہ بات اس کو ناکوار معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ان کی طرف نسبت کرنے میں کوئی عیب لگایا جائے یا غرض ایسا مگر نسب کی دہانت یا

ضرر کے دفع کرنے یا نفع کے حاصل کرنے وغیرہ کی غرض سے اور نیز اس کو یہ بات بھی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو اس کی طرف منسوب کریں اور اس کے بعد اس کی قائم مقام ہو پھر بسا اوقات اولاد کے طلب کرنے میں بے انتہا کوشش کیا کرتے ہیں اور اپنی تمام طاقت اس کے حاصل کرنے میں خرچ کرتے ہیں پس تمام لوگوں کا اتفاق اس خصلت پر ایک ہی معنی کے سبب سے ہے جو ان کی خلقت میں داخل ہیں اور شرائع الہی کا مبنا ان مقاصد کے باقی رکھنے پر ہے کہ جو قائم مقام بابت کے ہوتے ہیں اور جن کے اندر نواز و حرص جاری ہوتی ہے اور نیز حقدار کے ان مقاصد سے حق دلانے اور باہمی ظلم سے روکنے پر ان کا مبنی ہے پس اس لیے شارع و نسب سے بحث کرنا ضروری ہوا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الولد للفراش وللعاهر الحجر** لڑکا عورت کے لیے اور مرد زنا کا رد و پتھر بعض نے اس سے سنگساری مراد لی ہے اور بعض نے نامرادی میں کہتا ہوں اہل جاہلیت بہت سے طریقوں سے جن کو قوانین شرعی ثابت نہیں کرتے اولاد طلب کیا کرتے اور بعض ان طریقوں کو حضرت عائشہ صدیقہ نبویہ نے بیان فرمایا ہے پس جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو یہ باب بند کر دیا گیا اور زنا کار کی امید منقطع کی گئی اس لیے مثلاً ان مصالح ضروریہ کے جن پر نوع انسانی کا بقا موقوف ہے مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ منتقل ہونا بھی ہے تاکہ ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کا باب مسدود کیا جائے لہذا مناسب ہوا کہ جو شخص اس سنت راشدہ کے برخلاف کرے اور بغیر اس خصوصیت کے اولاد طلب کرے اس کو نامرادی کہنا چاہئے تاکہ اس کی ذلت اور اس کا کچھ بس نہ چلے اور آئندہ کو کبھی ایسا قصد نہ کرے **وللعاهر الحجر** اسے نامرادی کے معنی متسود ہیں جیسے **بیدہ التراب** اور **بیدہ الحجر** کہا کرتے ہیں تو اس میں اس کی طرف اشارہ ہے اور نیز جب حقوق کا مقابلہ ہوا اور ہر شخص اپنے لیے اس حق کا مدعی ہے تو ضرور ہوا کہ جس کے پاس ایسی ظاہری حجت ہے جس کو تمام لوگ سن سکتے ہیں اس کو ترجیح دی جائے اور جس کے پاس ایسی حجت ہے جو اس پر ملامت کے زیادہ ہونے کے سبب سے اور وہ حد کے مارنے کا باب مفتوح کر دے یا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور بایں ہمہ وہ ایک پوشیدہ امر ہے جو اس کے صرف کہنے سے معلوم ہوتا ہے پس اس شخص کے لیے یہ بات نامناسب ہے کہ اس کو محروم اور کاعدم کیا جائے آنحضرت ﷺ نے ایسے ہی معنی کا لفظ فرما کر لعان کے قصے میں فرمایا ہے **ان کذبت علیہا فہو بعد لك** اگر تو اس پر جھوٹ بولتا ہے تو وہ (یعنی میری طرف عود کرنا) تجھ سے بہت دور ہے اور **وللعاهر الحجر** سے اگر سنگساری مراد ہے تو اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **من ادعی النی غیر ابیہ وہو یعلم انه غیر ابیہ فالجنة علیہ حرام** جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اور اس کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے جنت اس پر حرام ہے میں کہتا ہوں کہ بعض لوگ متصدقینہ کا خیال کر کے اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کر دیتے ہیں اور یہ بڑا ظلم اور نافرمانی ہے کیونکہ اس میں باپ کی امید کا قطع کرنا ہے اس لیے کہ اس نے اپنی نسل کا بقاء جو اس کی طرف منسوب اور اس سے پیدا ہونا چاہتا ہے اور اس میں باپ کی نعمت کی ناشکری اور اس کے ساتھ بدسلوکی ہے اور نیز نصرت و معاونت قبائل اور شہروں کے انتظام کے لیے ضروری چیز ہے اور اگر باپ سے انقطاع نسبت کا باب مفتوح کر دیا جائے تو یہ مصلحت متروک ہوتی ہے اور تمام قبائل کے نسب مخلوط ہو جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ایما امرأة ادخلت علی قوم من لیس منهم فلیست من الیہ فی شیء ولن یدخلها امۃ**

الجنة وایما رجل حجد ولده وهو ينظر اليه احتجب اليه منه وفضحه على روس الخلائق. جوئی عورت کی قوم میں اس شخص کو داخل کر دے کہ وہ اس میں نہیں ہے تو اللہ کے ہاں اس کا کچھ نصیب نہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں نہ داخل کرے گا اور جو شخص اپنے ولد کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کی طرف نظر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے اس کو محروم کرے گا اور تمام خلائق کے روبرو اس کو فضیلت کرے گا میں کہتا ہوں جبکہ عورت عدت وغیرہ کے اندر امانت دار اور اس بات پر مامور ہے کہ ان سے اسباب کو ان پر مشتبہ نہ ہونے دے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس سے ڈرائی جائے اور اس امر میں اس پر عذاب دیئے جانے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں جہان کی مصلحت کے باطل کرنے میں سعی اور جہالت نوع کے ساتھ منافقت ہے اور یہ بغض ملاء اعلیٰ کی جانب ہے کیونکہ وہ اصلاح نوع کے دعا کرنے پر مامور ہیں اور علاوہ بریں اس میں اس کے ولد کے لیے نامرادی اور تنگی ہے اور دوسروں پر اپنی اولاد کا بار ڈالنا ہے اور جب کوئی شخص اپنے بچے کا انکار کرے تو البتہ اس کو ذلت دائمی اور بے اجتماع کے لیے پیش کیا اس لیے کہ اس نے نسب کو ضائع کر دیا اور اس کی جان کو گم کر دیا کیونکہ کوئی اس کا خرچ اٹھانے والا نہیں اور یہ صورت مروجہ قتل اولاد کی مشابہ ہوئی اور اس کی ماں کو بھی مدت العمر کے لیے دقت اور عار میں ڈال دیا۔

عقیدہ کے بیان میں

عرب اپنی اولاد کا عقیدہ کیا کرتے تھے اور عقیدہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو برقرار رکھا اور آپ نے بھی اس پر عمل کیا اور اوروں کو بھی اس کی ترغیب دی 'مجملہ ان مصلحتوں کے یہ ہے کہ عقیدہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعت نسب ایک ضروری امر ہے تاکہ کوئی شخص اس کی نسبت کوئی ناپسندیدہ بات نہ کہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ اس کا باپ گلی کو چوں میں پکارتا پھرے کہ میرے اولاد ہوئی ہے پس اشاعت کے لیے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا اور ازاں جملہ عقیدہ کے اندر سخاوت کے معنی کا اتباع اور بخل کی صفت کا عصیان پایا جاتا ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچے پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگا کرتے اور اس کو عمود یہ کہتے تھے اور ان کا قول تھا کہ اس کے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے صِبْغَةُ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً مناسب ہوا کہ صِبْغٌ یہ یعنی دین محمدی میں بھی ان کے اس فعل کے مقابل میں بھی کوئی ایسا فعل پایا جائے نہیں ہے اس فرزند کا صلیبی اور ملت ابراہیمی واسما صلی کا تابع ہونا معلوم ہوا اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم واسما صلی جیسے السلام کے ساتھ ملتیں تھے اور برابر ان کی اولاد میں چلے آتے ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کا اس کے فدے میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان دونوں شرائع میں سے زیادہ مشہور حج ہے جس نے اندر سے مندا انا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت صلیبی پر آگاہ کرنا اور اس بات پر متغیر کر دینا ہے کہ اس فرزند نے ساتھ اس ملت کا برتاؤ کیا ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کے شروع ولادت میں اس کے ساتھ یہ فعل کرنے سے اس سے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ گویا اس نے اپنے فرزند کو اللہ کی راہ میں دے دیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام

نے کیا تھا اور اس میں سلسلہ احسان اور نیاز مندی و فرمانبرداری کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے میں ہم نے بیان کیا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاهِرُ يَقْوَا عَنْهُ دَمًا وَامِيعَتُهَا عَنْهُ الْاِذْيُ لُزَّكَ** کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس کی طرف سے اس کے ازار کو دفع کرو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الْغُلَامُ مَرْتَهَنٌ بِعَقِيقَةٍ يَذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمَّى بِحَلْقِ لُزَّكَ** عقیقہ میں مرہون ہوتا اس لیے اس کے بدلہ ساتویں دن ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے میں کہتا ہوں عقیقہ کے حکم دینے کا سبب وہی ہے جو مذکور ہوا پھر ساتویں روز کی تخصیص اس لیے ہے کہ ولادت و عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب کنبہ اس زچہ اور بچہ کی خبر گیری میں اول اول مصروف رہتا ہے پس ایسے وقت میں مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل اور زیادہ کیا جائے اور نیز بہت سے لوگوں کو اسی وقت بکری دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے پس اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جائے تو لوگوں کو وقت ہو بلکہ اسات روز کا فاصلہ ایک کافی حد اور معتد بہ مدت ہے اور زیادہ نہیں ہے اور لیکن امانۃ الاذنی میں حجاج کے ساتھ مشابہت ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں اور ساتویں دن نام رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے پہلے لُزَّكَ کے نام رکھنے کی کیا حاجت ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ! ان کے سر کو منڈا دو اور ہموزن ان کے بالوں کے چاندی خیرات کر دو میں کہتا ہوں کہ چاندی کی خیرات کرنے کا یہ سبب ہے کہ بچہ کی حالت جدیدہ سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلہ کچھ دیا جائے اور جنین کے بال نشات جدیدہ کے بقیہ تھے ان کا دور ہونا نشات طفلیہ کے استقلال کی نشانی ہے اس لیے مامور ہونا واجب ہوا کہ ان کے بدلہ چاندی دی جائے اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے سوائے امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا اور چیزیں علاوہ اس کے ایسی نہیں ہیں کہ مولود کے بالوں کے برابر دے سکیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز کی سی اذان جب حضرت فاطمہ ان کو جنی تھیں پڑھی تھی میں کہتا ہوں اس میں وہی راز ہے جو عقیقہ کے اندر مصلحت ملیہ ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے کہ اذان شعائر اسلام اور علامات دین محمدی سے ہے پھر ضروری ہے خصوصیت مولود کی اس اذان کے ساتھ اور وہ بھی بایں طور کہ مولود کان میں آواز سے اس کو کہا جائے اور علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس اذان کی یہ خصوصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے اور اول اس کے پیدا ہوتے ہی شیطان اس کو آواز دیتا ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ مولود کا چلانا اسی سبب سے ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ** کہ لُزَّكَ کی طرف سے دو بکریاں اور لُزَّكَ کی طرف سے ایک بکری ہے میں کہتا ہوں کہ جو شخص دو بکریوں کو پائے اس کو مستحب ہے کہ لُزَّكَ کی طرف سے ذبح کرے اور اس کا یہ سبب ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لُزَّكَ کے لُزَّكَ کا نفع زیادہ تر ہے ہذا دو کا ذبح کرنا زیادتی شکر اور اس کی عظمت کے مناسب ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الرَّحْمَنِ** کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ناموں کے عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں معلوم کرو کہ مقاصد شرعیہ میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ان کے ارتقا

ضروریہ میں اللہ کا ذکر داخل ہوتا کہ یہ ایک زبان ہو اور اللہ برحق کی طرف بلائیں اور مولود کے اس قسم کے نام رکھنے میں تو حید کی طرف اشارہ ہے اور نیز حرب وغیرہ اپنی اولاد کے وہی نام رکھتے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ جب مبعوث کیے گئے مہر اسم تو حید کے قائم کرنے کے لیے ابدا یہ بات واجب ہوئی کہ نام رکھنے میں بھی مثل اس کے مسنون کیا جائے اور انہیں دونوں کا محبوب ہونا نہ بہت اور تمام ناموں کے جن میں انظر عبد کا اللہ کے ناموں میں سے کسی نام کی طرف منسوب ہو کیوں ہو اس لیے کہ یہ دونوں نام سب ناموں سے زیادہ مشہور ہیں اور یہ دونوں نام سوائے ذات اللہ تعالیٰ کے کسی پر نہیں بولے جاتے بخلاف اور ناموں کے اور ہمارے اس بیان سے لڑکے کا نام احمد و محمد رکھنے کے استحباب کی حکمت کو معلوم کر سکتا ہے اس لیے کہ تمام لوگ ہمیشہ سے اپنی اولاد کا نام ان مذکورہ دونوں کے نام پر رکھتے چلے آئے ہیں جو ان کے نزدیک بزرگ تھے اور اس میں دین پر آگاہ کرنا اور گویا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ فرزند دین کا اہل ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کا فرمایا احسنی الاسماء، یوم القيامة عند الله رجل یمی ملک الاملاک بدترین ناموں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو میں کہتے ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ دین کا اصل اصول اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے ساتھ کسی کو برابر نہ کرنا ہے اور کسی چیز کی تعظیم کرنا اس کے نام کی تعظیم کو مستلزم ہے ہذا واجب ہوا کہ اللہ کے نام پر کسی کا نام نہ رکھا جائے خاص کر یہ نام جو بے انتہا درجہ کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں میں کہتے ہوں جب اللہ تعالیٰ و بطور تامل کے نوع انسانی کا باقی رہنما منظور ہوا اور اس کا حکم بقاء کے اندر جاری ہو گیا اور عادت کے اعتبار سے بچہ جب تک اس کے ماں باپ اس کی زندگی کے اسباب میں معاونت نہ کریں زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ ایک جہلی امر ہے جو لوگوں کی سرشت میں داخل ہے کہ اس کی مخالفت خلق الہی کی تفسیر اور اس چیز کے بگاڑنے میں کوشش کرتا ہے جس کی صحت الہی متقنی ہے ہذا شرع کو اس سے بحث کرنا ضروری ہوا کہ ان دونوں خاندانیہ پر حصہ رسد کی ان چیزوں کو مقرر کرے جو ان دونوں سے سہولت ادا ہو سکیں اور ماں سے یہ بات وہ ملتی ہے کہ اس کو دودھ پلانے اور اس کی تربیت کرے پس اس پر یہی واجب کیا گیا اور باپ سے ہو سکتا ہے کہ اپنے مقدر سے موافق بچہ کا خرچ اٹھائے کیونکہ خاندان نے اس کو تمام مشاغل اور مکاسب سے روک کر بچہ اس کی پرورش میں دیا ہے اور وہ اس کی پرورش میں محنت لیتی ہے پس انصاف کا مقتضی ہے کہ خاندان اس کا خرچ اٹھائے اور چونکہ بہت سے لوگ جلد دودھ پھڑاتے ہیں اور اس وقت بچے کو اس سے ضرر پہنچتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک ایسی حد مقرر فرمادی جس کے بعد دودھ پھڑانے سے غالباً بچہ بچہ سالم رہتا ہے اور وہ پورے دو سال ہیں اور اس سے کم میں بھی دودھ پھڑانے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ دونوں اس میں مصلحت سمجھ لیں اس بات کو تجویز کریں یہ نکلے بسا اوقات اس مدت سے پہلے بچہ کھانے پینے کے قابل ہو جاتا ہے مگر یہ بات بچے اور فطرانے سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے اندر فطرانے کے لیے ماں باپ ہی زیادہ تر مناسب ہیں اور اس بچے کی نصبت سے وہی ثواب واقف ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جانین سے ضرر رسائی کو بھی حرام کیا اس لیے کہ اس میں وقت تھی جس سے معاونت میں نقصان لازم آتا تھا پھر اگر انہوں کو بچے کی ماں کے ضعیف یا مریض ہونے کے سبب سے دودھ پلوانے کی حاجت پڑے

یا خاوند بیوی میں فرقت ہوگئی اور اس کو دودھ پلانے کی خوشی نہ ہو یا اور کوئی سبب ہو تو کسی اور سے دودھ پلوانے میں ہاتھ مضائقہ نہیں ہے اور ایسے وقت میں جانین سے ایذا حق کا ضروری ہے اور کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حق رضاعت سے کس چیز کو دے کر میں بری ہو سکتا ہوں آپ نے فرمایا: غرة عبدا و امة۔ ایک غلام یا ایک باندی معلوم کرو کہ دایہ حقیقی ماں کے بعد ایک ماں ہوتی ہے اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد اس کے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی مرضعہ (دایہ) کے لیے اپنی چادر مبارک کو ان کی عزت کے سبب سے بچھا دیا اور بسا اوقات وہ اس چیز سے راضی نہیں ہو سکتی جو بطور ہدیہ سے اس کو دی جائے اگرچہ وہ بہت ہو اور اکثر اوقات دودھ پلانے والا دیتے وقت تھوڑی سی چیز کو بہت سمجھ سکتا ہے اور اس میں ایک قسم کا اشتباہ تھا لہذا آنحضرت ﷺ سے اس کی حد مقرر کرنے کا سوال کیا گیا تو آپ نے ایک باندی یا غلام کے ساتھ اس کی حد معین فرمائی اس وجہ سے کہ مرضعہ حق اس کے ذمہ ثابت ہونے کی وجہ اس کے مینہ کا قائم کرنا اور اس کا انسان کامل بنانا اور اس کی پرورش کرنا اور اس کی محنت اٹھانا ہے اس کی پوری پوری جزا یہ ہے کہ رضیع (دودھ پلانے والا) اس کو آدمی عطا کرے جو اس کے لیے تدابیر ضروریہ کے ارادہ کرنے میں بمنزلہ اعضا کے ہو اور اس مرضعہ کے کام و کاج کا بار اٹھائے اور یہ ایک حد استحبائی ہے نہ ضروری اور ہند نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان ایک بخیل شخص ہے اس کے مال سے بغیر اس کی اجازت کے جو کچھ میں نے لوں وہ لے لیتی ہوں ورنہ وہ مجھے کچھ نہیں دیتا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس قدر تیرے اور تیری اولاد کے لیے کافی ہو سکے اس سے حسب دستور اس قدر لے لیا کر میں کہتا ہوں چونکہ اولاد اور بیوی کا نفقہ منضبط ہونا ایک دشوار امر تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کی رائے پر اس کو چھوڑ دیا اور اس کے لینے میں دستور کی قید لگا دی اور قاضی کی طرف رجوع کرنے کی حاجت باقی نہیں رہی کیونکہ ایسے وقت میں اس میں دقت تھی۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے مروا اولادکم بالصلوة وہم ابنا سبع سنین۔ الحدیث: جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو ان سے نماز کے لیے کہو اس کے اسرار پہلے بیان ہو چکے ہیں اس باب میں آنحضرت ﷺ نے لڑکے کی پرورش کرنے میں مختلف حکم دیئے ہیں اس لیے کہ آپ نے اس بات کا لحاظ لیا ہے جو اولاد اور ماں باپ کے لیے مناسب ہے اور آسانی ہے اور جو شخص ضرر رسانی کا قصد کرے اور مصلحت کا لحاظ نہ کرے آپ نے لحاظ نہیں کیا کیونکہ حسد اور ضرر رسانی اتباع کے قابل نہیں ہوتی چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت شریف میں ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا یہ بیٹا میرے ہی تو پیٹ میں رہا اور میرے ہی پستان کا اس نے دودھ پیا اور میرے ہی گود میں رہا اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور مجھ سے ہی چھیننا چاہتا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا انت احق بہ مالہم تنکحی۔ تو جب تک نکاح نہ کرے تو ہی اس کی مستحق ہے میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ ماں پرورش کرنا خوب جانتی ہے اور بچے پر شفقت ہوتی ہے اور نکاح کرنے کے بعد وہ دوسرے خاوند کی مملوک ہو جاتی ہے اور وہ ایک اجنبی شخص ہے اور بھلائی کرنے کی اس سے امید نہیں اور ایک لڑکے کو آپ نے اختیار دیا کہ وہ خواہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے پاس اور یہ جب ہے کہ جب وہ بھلائی برائی کی تمیز کرنے لگے معلوم کرو کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور باہمی معاونت کے بغیر اس کی زندگی قائم نہیں ہو سکتی اور معاونت باہمی الفت اور شفقت کے نہیں ہو سکتی اور الفت بغیر غمخواری و ہمدری

کے جائین سے خاطر داری کے بغیر نہیں ہو سکتی اور معاونت کا کوئی مرتبہ مقرر نہیں بلکہ اس کے مختلف مرتبے ہیں جن کے اختلاف سے بھلائی اور صدمہ بھی مختلف ہوا کرتا ہے اپنی مرتبہ اس کا ارتباط ہے جو باہم مسلمانوں کے ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی باہم بھلائی کو پانچ چیزوں میں محدود کیا ہے اور فرمایا حق المسلم على المسلم خمس رد السلام واعداء المريض واتباع الجنائز واجابت الدعوت و تسميت العاطش وفي رواية سته السادسة اذا استنصحت فانصح له مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا اور بیمار کی عیادت اور جنازہ سے پیچھے چلنا اور دعوت کو قبول کرنا اور پیچھے والے کے لیے دعا دینا اور ایک روایت میں چھ ہیں چھٹا یہ ہے کہ جب تجھ سے خیر خواہی چاہے تو تو اس کی خیر خواہی کرے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اطعموا الجائع وفكوا العاني بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو چھڑاؤ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچ یا چھ چیزوں میں لوگوں کو چھو ایسی وقت نہیں ہوتی اور ان سے باہمی الفت ہو جاتی ہے اور اس کے بعد دوا ارتباط ہے جو ایک قبیلہ یا قوم ہمارے اندر یا اقارب میں ہوتا ہے پس ان لوگوں میں یہ چیزیں بھی ضروری ہوتی ہیں اور تعزیت و تہنیت اور آمد و رفت اور باہمی تحفہ و تحائف بھی ضروری ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے ایسے امور واجب کیے ہیں جس کے وہ پابند ہوں خواہ ان سے وہ صاحب ہوں یا منکر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من ملك ذا رحم محرم فهو حر جو شخص اپنے ذی رحم خرم کا مالک ہو پس وہ حر ہے اور جیسے کہ دیتوں کے باب میں پھر وہ میل جول کہ مابین کنبہ کے ہوتا ہے جیسے بیوی و غلام لونڈی لیکن یہی کے متعلق بھلائی تو ہم اس کو بیان کر چکے لیکن غلام و لونڈی کے متعلق بھلائی تو اس کے اپنے مرتبے گردانیں ایک واجب جس کا کرنا ان لونڈی ضروری ہو خواہ چاہیں یا نہ چاہیں اور دوسرے درجہ کی بھلائی یہ ہے کہ اس کا کرنا ان کو بہتر ہے ضروری نہیں لیکن پسنا مرتبہ وہ ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا للمملوك طعامه وكسوته ولا يكلف من العمل ما لا يطيق غلام کے لیے اس کا کھانا اور پہناؤ اور جو کام اس کے مقدور سے باہر ہو وہ اس سے نہ لیا جائے اور اس کا کپڑا کھانا اس کے لیے ہے کہ وہ سید کی خدمت سے سب سے اپنے سب کرنے سے مجبور ہے ہذا ضروری ہوا کہ غلام کا لباس و طعام اس پر واجب ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا من فذف مملوكه وهو برئ مما قال جلد يوم القيامة جو شخص اپنے غلام پر تہمت لگائے حالانکہ وہ اس کے فعل سے بری ہے قیامت سے دن اس پر کوزے آگے جائیں گے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من جدد عسده فالعبد حر عليه جو شخص اپنے غلام کے ناک کان کاٹے پس اس پر اس کا غلام آزاد ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ اس میں اس سے اوپر حدیث بات رہنے سے اس کو لائے اس فعل سے ہو اس نے کیا ہے زجر و توبیخ ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لا يجلد فوق عشر حلدات الا في حد من حدود الله دس سے زیادہ کوڑے نہ مارا جائے گا بجز کسی حد حد و حد اللہ تعالیٰ سے ہیں مت دس اس میں دس واز و ظلم ۵۰ حد واز دینا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس ذات کے متعلق دس کوڑوں سے زیادہ عذاب دینے سے نہیں ہے یہی ہے کہ مامور بہ کو ترک کرنے وغیرہ کے اور مراد حد سے وہ گناہ ہے جس کی شرع کے حق میں نہیں آئی ہے اور

جیسا کہ کسی قائل کا یہ قول ہے کہ تو حد کو پہنچ گیا اور میرے گمان میں یہ وجہ قریب تر فہم ہے اس لیے کہ خلفائے راشدین حقوق شرع کے اندر دس سے زیادہ تعزیر کیا کرتے تھے اور دوسرا مرتبہ بھلائی کا وہ ہے۔

جو آنحضرت نے فرمایا اذا صنع لاحدکم خادمہ طعامہ ثم جارہ وقد ولی حرہ ودخانہ فلیقعہ معہ فلیاکل فان کان الطعام مشغوها قلیلاً فلیضع فی یدہ منہ اکلہ او اکلتین۔ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پکائے پھر وہ اس کے پاس کھانا ایسی حالت میں لائے کہ اس کو اس کا دھواں و حرارت لگا ہے پس اس کو مناسب ہے کہ اس کو اپنے پاس بٹھالے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر تھوڑا سا ہے تو ایک یا دو قلم اس کھانے میں سے اس کے ہاتھ پر رکھ دے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من ضرب غلاماً له احد الم یاتہ اولطمہ فان کفارتہ ان یعتقہ۔ جو شخص اپنے غلام کو بلا کسی حد کے جس کا وہ مرتکب ہو امارے یا اس کے طمانچہ لگائے تو اس کا یہ کفارہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا ضرب احدکم خادمہ فذکر اسم اللہ فلیمسک تم میں سے جب کوئی شخص اپنے خدمتگار کو مارے اور وہ اللہ تعالیٰ کا نام زبان پر لائے تو اس کو رک جانا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من اعتق رقبة مسلماً اعتق اللہ بكل عضو منہ عضواً من النار۔ جو شخص کسی مسلمان باندی غلام کو آزاد کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے مقابل میں اس کے عضو کو آگ سے آزاد کر دے گا میں کہتا ہوں کہ آزاد کرنے کے اندر مسلمانوں کی جماعت کا اکٹھا کرنا قیدی کو قید سے رہا کر دینا ہے پس اس کی پوری پوری جزا دیا جائے گا۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من اعتق شخصاً فی عبد اعتق کلہ ان کان له مال۔ جس شخص کا ایک غلام میں کچھ حصہ ہو اور وہ اسے آزاد کر دے تو اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ سب آزاد ہو جائے گا میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کی نفس حدیث میں تصریح واقع ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اس سے مراد یہی ہے کہ آزاد کر دینا فی الواقع اللہ تعالیٰ کی ملک میں اس کا دے دینا ہے اور یہ بات خلاف ادب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کی ملک باقی رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من ملک ذارحم محرم فهو حر۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب صلہ رحم ہے پس اللہ نے صلہ رحم کی ایک قسم کو ان پر واجب کر دیا خواہ ان کی مرضی ہو یا نہ ہو اور واجب کرتے کے لیے اس قسم کے صلہ رحم کو اس لیے خاص کیا کہ اپنے قریب کا مالک ہو جانا اور اس پر تصرف کرنا اور غلاموں کی سی اس سے خدمت لینا اس پر بڑا ظلم ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اذا وارث امۃ الرجل منہ فہی معتقہ دبر منہ۔ جب ایک شخص کی لونڈی کی اسی شخص سے کچھ اولاد پیدا ہو تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی میں کہتا ہوں اس کا یہ راز ہے کہ اولاد کے ساتھ سلوک کرنا ہے تاکہ کوئی شخص بجز اس سے باپ کے اس کی ماں کا مالک نہ ہو جس کے سبب سے اس کو عار لاحق ہو اور شارع نے غلام پر مولا کی خدمت واجب کی اور بھانجنا اس پر حرام کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ایما عبد ابق فقد برئ من الذمۃ حتی یرجع۔ جو غلام بھاگ گیا پس البتہ وہ اسلام کے عہد سے الگ ہو گیا جب تک واپس نہ آئے اور آزاد کیے ہوئے پر شارع نے اس بات کو حرام کیا کہ بجز اپنے موالی کے کسی اور کو اپنا والی نہ بنائے اور سبب سے بڑھ کر صلہ رحم والدین کے حقوق کی حرمت و عزت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من اكبر الكبائر حقوق الوالدين** سب کبار میں بڑھ کر گنہ گار والدین کی ہے۔ فرمائی ہے اور والدین کے ساتھ سلوک کرنا چند امور سے پورا ہوتا ہے ان کو کھلاتا اور لباس دینا اور اگر ان کو خدمت کی حاجت ہو تو خدمت کرنا اور جب وہ بلا میں تو ان کا جواب دینا اور جب کسی بات کا بشرطیکہ و وقیلہ معیت سے نہ ہو انہیں اس حاجت کرنا اور شہرت سے ان سے پاس آمد و رفت رکھنا اور نرمی کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا اور ان سے ہوں تک نہ کہنا اور ان کو نام لے کر نہ پکارنا اور ان کے پیچھے پیچھے چھنا اور اگر کوئی ان کا عیب کرے یا دکھ پہنچائے اس کی مدافعت کرنا اور نشست و برخاست میں ان کا وقار کرنا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا۔ واللہ اعلم

یہ باب سیاست شہروں کے اندر ہے

معلوم رہے کہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر مصلحتوں کے لیے ایک خیفہ کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ مصالح بغیر اس کے پورے نہیں ہوتے اور وہ مصلحتیں اگرچہ کثرت سے ہوتی ہیں مگر دو قسموں میں منجر ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس کا نتیجہ سیاست مدنیہ ہے یعنی ان اندروں سے مدافعت کرنا کہ جو ان سے لڑے اور ان کو مقہور کرنا اور ظالم کو مظلوم سے روکنے اور قبیح جھڑوں کو فیصل کرنا اور طاوہ ان کے اور ہیں اور ان حوائج کی بیشتر ہم تشریح کر چکے ہیں اور دوسری قسم جسے مقصود ملت کی اصلاح کرنی ہوتی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ دین اسلام کی عظمت تمام ادیان پر دبائی ہو سکتی ہے کہ جب باہم مسلمانوں کے کوئی خیفہ ہو جو دین سے خارج ہونے والے اور اس چیز کے مرتکب ہونے والے کو جس کی حرمت منصوص ہے یا اس چیز کے ترک کرنے والے کو جس کی فرضیت نص سے ثابت ہے سخت طور پر ممانعت اور اذہار کرے اور باقی تمام ادیان کے لوگوں کو طبع کر دے اور ان سب پر دباؤ ڈال کر سب سے معا جز یہ لیا کرے اور نہ وہ مرتبہ میں برابر ہوں گے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ پر ترجیح ظاہر نہ ہوگی اور کوئی چیز سرکشی سے ان کو روکنے والی نہ ہوگی رسول اللہ ﷺ نے تمام ان حوائج کو چار باب کے اندر منحصر کر دیا ہے باب مظالم باب حدود باب قضا باب جہاد پھر ان ابواب کے حیات منبہ لڑنے اور جزیات کے اندر کی رائے پر چھوڑ دینے اور ان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ پھیلانے کی نصیحت کرنے کی ضرورت تھی اور اس سے نئی اسباب ہیں از اجملہ یہ ہے کہ جو شخص خیفہ بنتا ہے وہ اکثر ظالم اور ستم گار اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہوتا ہے اور قی کہ تابعداری نہیں کرتا اس لیے رعایا میں فساد ڈال دیتا ہے اور اس کا یہ فساد اس مصمت سے بدرجہا زیادہ ہوتا ہے جس کے لیے مخالفت ہوتی ہے اور وہ خیفہ اپنے افعال میں یہ جہت پیش کرتا ہے کہ وہ حق کے تابع ہے اور اسی بات میں اس کے مصمت بھی ہے ہاں ایسے حیات کا یہ تاثر دہری ہے کہ جو شخص ان کی مخالفت کرے اس کو روکا جائے اور ان کلیات کے ساتھ اس سے وہ اندہ یہ جائے اور ان حیات سے ذریعہ سے لوگ اس خیفہ پر جہت قائم کر لیں اور از اجملہ یہ ہے کہ خیفہ پر یہ بات واجب ہے کہ لوگوں کے مانتے ظالم کے ظلم کو ثابت کرے اور نیز یہ بات ثابت کرے کہ سزا عادت سے زیادہ نہیں ہے اور قاضیوں کے فیصلہ کرنے میں اس بات کو ثابت کرے کہ اس نے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوگی تو لوگ اس کی مخالفت میں اختلاف رائے سے اور ان کو ضرر پہنچا ہے اس کے اور نیز اس کے اقارب کے دل میں خیفہ کی طرف سے فساد پیش پیدا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہو

گا کہ مذکر جنہیں گے اور ان کے دلوں میں خلیفہ کی طرف سے بغض پیدا ہو جائے گا اور یہ سمجھیں گے کہ حق ان کی جانب ہے اور یہ فساد عظیم کا سبب ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ سیاست مدن میں حق کیا ہوتا ہے پس وہ اجتہاد کرتے ہیں اور یمن و یسار حق کے راستہ سے پھر جاتے ہیں بعض آدمی تو نہایت سخت ہوتا ہے کہ وہ نہایت درجہ کی زجر و توبخ ادنیٰ خیال کرتا ہے اور بعض آدمی ایسا نرم ہوتا ہے کہ ادنیٰ کو بھی بہت سمجھتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے کانوں کے کچے ہوتے ہیں کہ جیسا مدعی نے کہا اس کو سچ سمجھنے لگتے ہیں اور بعض ایسے سخت و ضدی ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نسبت بدظنی کرتے رہتے ہیں اور اس کا احاطہ ناممکن تھا کیونکہ بمنزلہ تکلیف بالاحمال کے ہے پس ضروری ہوا کہ اصول منضبط کیے جائیں اس لیے کہ اصول کے اندر اتنا اختلاف نہیں ہے کہ جس قدر فروعات میں ہوتا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جب وہ قوانین شروع سے پیدا ہوئے ہیں تو وہ قربت الہی کے پیدا کرنے اور لوگوں کے اندر حق کا ذکر پائے جانے میں نماز روزہ کے مثل ہیں الحاصل جو لوگ قوت شہوانیہ یا سبعیہ کے تابع ہوتے ہیں بالکل ان کو اختیار دے دینا ناممکن ہے اور خلفاء میں عصمت اور ظلم سے محفوظ رہنا متمیز نہیں ہو سکتا اور جن مصلحتوں کا ہم نے تشریح اور ضبط مقدار کے اندر بیان کیا ہے سب وہ وہاں موجود ہے۔ واللہ اعلم

خلافت کا بیان

معلوم کرو کہ خلیفہ میں عاقل بالغ آزاد مرد شجاع ذی ہوش اور گویا ہونا اور ان لوگوں میں سے ہونا شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کی قوم کی شرافت مانتے ہوں اور اس کی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں اور یہ بات جانتے ہوں کہ سیاست مدنی میں یہ حق کا اتباع کرے گا یہ سب باتیں عقل سے معلوم ہو سکتی ہیں اور یہ ایسے امور ہیں کہ تمام مختلف ملکوں اور مختلف ادیان کے لوگوں کا خلیفہ کے اندر ان باتوں کے اندر ہونے کا اتفاق ہے اس لیے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہو سکتی اور ان امور میں سے کوئی امر بھی اگر رہ جائے تو لوگ اس کو نامناسب خیال کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا خلیفہ ہونا ناگوار گزرتا ہے اور اگر چہ وہ بظاہر سکوت کر لیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں ناخوشی ہوتی ہے چنانچہ ملک فارس میں جب لوگوں نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا وہ ہرگز فلاح کو نہ پہنچے گی اور ملت محمدیہ نے علاوہ ان امور کے نبی کے خلیفہ ہونے میں چند اور کا بھی اعتبار کیا جن میں اسلام اور علم اور عدالت بھی ہے اس لیے کہ دینی مصالح بدون ان امور کے تمام نہیں ہوتے اس لیے کہ تمام مسلمانوں نے اسی پر اتفاق کیا ہے اور اس کی حجت یہ آیت وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ سَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ تک تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ بلاشبہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا اور از ان جملہ اس کا قریشی ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے الْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ ائِمَّةِ قُرَيْشٍ میں سے ہوں گے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر ظاہر کیا ہے وہ قریش کی زبان میں اور انہیں کی عادت کے موافق نازل ہوا ہے اور اکثر مقادیر اور حدود کی تعیین انہیں چیزوں کے ساتھ کی

نئی ہے جو انہیں میں موجود تھیں اور بہت سے احکام انہیں کے معاملات کے متعلق نازل ہوئے ہیں پس سب سے زیادہ ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان سے دلیل پکڑنے والے کے متعلق نازل ہوئے ہیں پس سب سے زیادہ ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان سے دلیل پکڑنے والے وہی لوگ ہیں اور نیز قریش آنحضرت ﷺ کی قوم اور آپ کا رواد ہیں اور ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے پس ان میں غیرت دینی و نسبی دونوں پائی جاتی ہیں پس وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے اور ان سے استدلال کرنے کے قابل ہیں اور نیز خلیفہ کو ایسا شریف النسب و الحسب ہونا چاہیے جس کی فرمانبرداری سے لوگ عار نہ کر سکیں اس لیے کہ جس شخص کا نسب عمدہ نہیں ہوتا اس کو حقیر و ذلیل جانتے ہیں اور نیز خلیفہ ان لوگوں میں سے ہونا چاہیے جن میں قدیم سے ریاست اور شہافت اور لوگوں کے جمع کرنے اور قتال کے قائم کرنے کا مادہ اور مکہ چلا آیا ہے اور نیز اس کی قوم کے لوگ قوی ہونے چاہئیں جو اس کی حمایت و مدد کر سکیں اور اس کی خاطر اپنی جانیں دے سکیں اور یہ سب امور بجز قریش کے کسی قوم میں نہیں پائے جاتے خاص کر جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور قریش کا درجہ اور بے انتہا بلند ہو گیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا خلافت کا امر بجز قریش کے ہرگز کسی کے لیے نہیں معلوم ہوتا وہ تمام عرب میں خاندان کے اعتبار سے درمیان میں واقع ہوئے ہیں اور خلیفہ کا مثلاً ہاشمی ہونا بدو و جبہ شرط نہیں کیا گیا ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع نہ ہو اور یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ نبی کو اپنے گھر آنے کی بادشاہت مقصود ہے جس طرح بادشاہوں کو ہوتی ہے اور یہ بات ان کے ارتداد کا سبب ہو اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے عباس بن عبدالمطلب کو بیت اللہ کی کنجی عطا نہیں فرمائی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ سے لوگوں کا راضی ہونا اور اس پر اتفاق کرنا اور اس کی توقیر کرنا اور خلیفہ کا لوگوں پر حدود کا قائم کرنا اور دین کی خاطر قتال کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے اور یہ سب امور کسی نہ کسی شخص میں جمع ہو سکتے ہیں اس بات کی شرط کرنے میں کہ خلیفہ ایک خاص قبیلہ سے ہو لوگوں کو وقت اور حرج ہے کیونکہ بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ اس قبیلہ میں کوئی شخص ان اوصاف کا جامع نہ پایا جائے۔ اور دوسرے قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہو اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں کہ چھوٹی سی بستی حاکم ہونے کے لیے اس شخص کی سب سے نزدیک مسلم ہونا شرط نہیں ہے اور بڑی بستی ہی شرط ہے اور خلافت کے انعقاد کی کئی صورتیں ہیں ایک تو اہل حل و عقد یعنی علماء اور رؤسا اور لشکر کے افسروں کا وہی بذالقیاس ان لوگوں کا بیعت کر لینا جن کی مثل کو مسلمانوں کی غیر خواہی میں دخل ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی اور ایک صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ ہی لوگوں کو دوسرے کے خلیفہ کرنے کی وصیت کرے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی یا خلافت کی بابت قوم نے اندر کسی خاص شخص کے لیے مشورہ کیا جائے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی یا خلافت کا انعقاد ہو ایا کوئی شخص جو ان اوصاف کا جامع ہو لوگوں پر استیلاء اور تسلط کر کے خلیفہ ہو جائے جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خانہ کی خلافت ہے پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا جامع نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کی مخالفت پر بھی جرأت نہ لینی چاہیے اس لیے کہ غالباً اب وہ شخص بغیر لڑائیوں اور جھگڑوں کے خلافت سے معزول نہیں ہو سکتا اور یہ فساد بہ نسبت اس مصلحت سے بہت زیادہ ہے اس خلافت سے جو مقصود ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عرض کیا ہم ان ائمہ سے قتال نہ کریں آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے اندر نماز و قائم رہیں اور فرمایا تمہاری صورت میں تم صریح کفر دیکھو اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس اس

کی دلیل موجود ہو، الحاصل جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری حکم کا منکر ہو کر کافر ہو جائے تو اس کے ساتھ قتال کرنا درست بلکہ واجب ہے ورنہ نہیں اس واسطے کہ کفر کے وقت میں اس کے خلیفہ کرنے سے جو مصلحت مقصود تھی وہ فوت ہوگئی بلکہ لوگوں میں اس کے فساد پھیلانے کا اندیشہ ہے پس اس کے ساتھ قتال کرنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية واذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ ماننا اور بجا آوری کرنا مرد مسلمان پر ان چیزوں میں جن کو وہ پسند کرے اور ناپسند کرے جب تک ہے کہ اس کو معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ ماننا چاہیے نہ سننا چاہیے میں کہتا ہوں امام دو قسم کی مصلحتوں کے لیے ہے جن سے دین اور ملک کا انتظام مقرر ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی انہیں دونوں مصلحتوں کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے اور امام آنحضرت ﷺ کا نائب اور آپ کے حکم نافذ کرنے والا ہے لہذا اس کی فرمانبرداری رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے مگر جب امام معصیت کا حکم دے تو یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں ہے اور وہ شخص آپ کا نائب نہیں ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ومن يعط الامير فقد اطاعني ومن عصي الامير فقد عصاني۔ اور جو شخص امیر کی اطاعت کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو اس کی نافرمانی کرے اس نے میری نافرمانی کی اور فرمایا ہے: انما الامام جنة يقاتل من وراءه ويتقى به فان امر بتقوى اليه وهدي فان له بذلك اجرا وان قال لغيره فان عليه منه۔ امام تو ایک ڈھال ہے جس کی پناہ لے کر قتال کیا جاتا ہے اور جس کے سبب سے لوگوں کو بچاؤ ہوتا ہے پھر اگر امام اللہ کے خوف اور ہدایت کا حکم کرے تب تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اگر کچھ کہے تو اس پر جو کچھ ہے اس کی طرف سے ہے میں کہتا ہوں کہ امام کو بمنزلہ ڈھال کے اس لیے فرمایا کہ امام کے سبب سے سب مسلمان یک زبان ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی آفت نہیں آسکتی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من راى من اميره شيئا يكرهه فليصبر فانه ليس احد يفارق الجماعة شرا فيموت الامات ميتة جاهلية۔ جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو کر مر جائے مگر جاہلیت کی موت مرے گا میں کہتا ہوں اسلام جاہلیت سے انہیں دو وجہ سے ممتاز ہے اور خلیفہ ان دونوں مصلحتوں میں نائب رسول ہوتا ہے پس جب کسی شخص نے ان مصلحتوں کے نافذ کرنے اور ان کے قائم کرنے والے سے مخالفت کی تو وہ جاہلیت کے مشابہ ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحة الا لم يجد رائحة الجنة۔ کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا اس کو محافظ بنائے اور خیر خواہی کے ساتھ وہ اس کی حفاظت نہ کرے مگر جنت کی بو اس کو نہ ملے گی میں کہتا ہوں چونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مصلحتوں کے قائم کرنے کے لیے تھا لہذا ضروری ہوا کہ جیسے لوگوں کو خلیفہ کی فرمانبرداری کا حکم کیا گیا ہے اسی طرح خلیفہ کو بھی ان مصلحتوں کے ایفاء کا حکم کیا جائے تاکہ جانبین سے مصلحتیں پوری ہو سکیں پھر چونکہ امام سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ خود صدقات کو بھی وصول کرے اور عثر بھی لے اور تمام اطراف کے مقدمات فیصل کرے لہذا اعمال و قضا کا بھیجنا ضروری ہوا اور چونکہ وہ سب کام چھوڑ کر مصالح عامہ میں سے ایک کام میں مشغول ہوئے لہذا بیت المال میں ان کا روزینہ مقرر کرنا ضروری ہوا چنانچہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میری تجارت میرے کنبہ کا خرچ اٹھانے سے عاجز نہ تھی اور میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا لہذا اب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد اس مال سے یعنی بیت المال سے کھائے گی اور وہ یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے محنت کرے گا پھر ضروری ہوگا کہ عامل کو سہولت سے کام لینے کا حکم دیا جائے اور فریب و رشوت سے اس کو منع کیا جائے اور لوگوں کو اس کی فرمانبرداری کا حکم کیا جائے تاکہ مصلحت پورے طور سے حاصل ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان رجالا تبخوضون فی مال اللہ بغير حق فلیہم النار یوم القیامة بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں پس قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے اور فرمایا ہے من استعملناہ علی عمل فرزقناہ رزقا فما اخذ بعد ذلک فهو غلول جس کسی کو ہم کسی کام کے لیے مقرر کریں اور اس کو کچھ قوت دیں پھر بعد اس کے بھی اُروہ لے تو خیانت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی اور مرتشی پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رشوت کا لینا دین مصلحت مقصودہ کے منافی اور باب مفاسد کے مفتوح ہونے کا سبب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا نستعمل من طلب العمل جو شخص عامل ہونا چاہے ہم اس کو عامل نہ کریں گے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل ہونے کی خواستگاری اکثر خواہش نفسانی سے خالی نہ ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا جاءکم العامل فلیصدر وهو عنکم راض جب تمہارے پاس عامل آئے تو مناسب ہے کہ وہ تم سے خوش ہو کر واپس ہو پھر یہ ضروری ہوگا کہ عمال کو ان کے عمل کے بدلہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا اندازہ ہونا چاہیے تاکہ امام اس میں کمی بیشی نہ کریں اور نہ عامل خود اس میں کچھ زیادتی کر سکے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لنا عامل فلیکتسب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما فان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنا جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو چاہیے کہ ایک بیوی کرے پھر اگر اس کے پاس خدمت گار نہ ہو تو ایک خدمت گار رکھے پھر اگر اس کے پاس گھر نہ ہو تو ایک گھر لے لے پس جب امام عامل کو سال بھر کے صدقات تحصیل کرنے کو بھیجے تو اس کو مناسب ہے کہ ان صدقات میں سے اس کو اس قدر مقرر کر دے کہ جو اس کے خرچ کو بھی کافی ہو جائے اور اس قدر بچ بھی رہے کہ ان جوان میں سے کسی جوان کو پورا کرے کیونکہ زیادہ کی کوئی مدد نہیں ہے اور بدون زیادتی کے صرف خرچ کرنے کے لیے کافی ہو جانے کی خاطر عامل عمل کی محنت کو ادا نہ کر سکے گا اور نہ اس کی طرف توجہ کر سکے گا۔

مظالم کا بیان

معلوم لہ کہ جن مقاصد کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے گئے ہیں ان میں سے ایک مقصود ان ظلم یہ ہے کہ لوگوں میں سے باہمی مظالم اور زیادہ جائیں کیونکہ ان میں باہمی ظلم کا ہونا ان کی حالت کے خراب ہونے اور وقت کے واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ بات تقنی من البیان ہے اور مظالم کی تین قسمیں ہیں جان پر تعدی کرنا اور لوگوں کے اعضاء پر تعدی کرنا اور ان کے مالوں پر تعدی کرنا ان سبب سے الہی کا مقصد ہوا کہ ان اقسام میں سے ہر قسم کی نہایت تاکید کے ساتھ پوری سزا کی جائے جس کے سبب سے دوبارہ ان کے مرتکب ہونے سے باز رہیں اور یہ بات نامناسب تھی کہ سب سزائیں ایک درجہ کی ہوں اس لیے کہ قتل کرنا ہاتھ پاؤں کاٹنے

کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ہاتھ و پیر وغیرہ مال کے ہلاک کرنے کے برابر ہو سکتا ہے اور جن خواہشوں سے یہ مظالم پیدا ہوتے ہیں ان کے مراتب مختلف ہوں پس یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کا عداوت کرنا ایسا نہیں ہے جیسے سائل 'جو کوئی خطا کا سبب ہو جائے' پس سب سے بڑھ کر ظلم قتل ہے اور تمام اہل ادیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قتل سب گناہوں میں بڑھ کر گناہ ہے کیونکہ اس میں خواہش غصب میں نفس کی احاطت ہے اور لوگوں میں فساد ڈالنے کا بڑا سبب ہے اور اس میں خلق الہی کے تغیر اور بنیاد الہی کا منہدم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو نوع انسانی کا پھیلانا چاہا ہے اسی میں اس کی مخالفت پائی جاتی ہے اور قتل کے تین قسم ہیں 'قصدا' خطا' مشابہ' قصدا' قتل عداوت کا نام ہے جس ایسی چیز سے جان کا نکالنا قتل کا مقصود ہو جو اکثر خواہ اپنی تیزی سے خواہ اپنے بوجھ سے مار ڈالنے والی ہو اور قتل خطا اس قتل کا نام ہے جس میں انسان کا مارنا مقصود نہیں ہوتا مگر اتفاق سے وہ چیز اس تک پہنچ کر اس کو قتل کر دے مثلاً کوئی شخص دوسرے شخص پر گر پڑے اور وہ مر جائے یا کسی درخت کی طرف کوئی تیر وغیرہ چلائے اور کسی انسان کے وہ تیر لگ کر اس کو ہلاک کر دے اور مشابہ بالعمد کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو غالباً ہلاک نہیں کرتی مگر وہ شخص اس سے ہلاک ہو جائے جیسے کوئی شخص کسی کے کوڑا یا مٹھی مارے اور وہ مر گیا۔ اور قتل کی تین قسمیں اس لیے کی گئیں کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ مزا ایسی ہونی چاہیے جو داعیہ نفسانی اور مفسدہ کی مقاومت کر سکے اور داعیہ اور فساد کے مراتب مختلف ہیں پس چونکہ قتل عداوت میں فساد زیادہ ہے اور اس کا داعیہ بھی قوی ہے لہذا اس میں سخت سزا کا دینا مناسب ہوتا کہ پورے طور پر اس کے ارتکاب سے روکے اور قتل خطا میں چونکہ فساد بھی کم ہے اور داعیہ بھی خفیف ہے لہذا ضروری ہوا کہ اس کی سزا میں تخفیف کی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے عداوت اور خطا کے مابین ایک اور قسم کا استنباط فرمایا ہے اس لیے کہ وہ دونوں کے مابین واسطہ ہے اور دونوں کے ساتھ اس کو مشابہت ہے پس ان دونوں میں سے ایک میں اس کا داخل ہونا مناسب ہے قتل عداوت کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا اور جو کوئی کسی مومن کو عداوت کر ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے دراصل ایک وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے ظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاتل کی کبھی مغفرت نہ ہوگی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے مگر ظاہر سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس کا حال بھی اور گناہوں کا سا ہے اور یہ تشدیدات زجر کے طور پر ہیں اور اس کے جہنم میں مدت دراز تک رہنے کو خود کے ساتھ تشبیہ پائی جاتی ہے اور اس کے کفارہ میں اختلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل عداوت کے مسئلہ میں کفارہ کی تصریح نہیں فرمائی اور اللہ پاک نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأَنْثَىٰ اے ایمان والو! مقتولوں میں تم پر قصاص لکھا گیا حر کے بدلہ میں حر غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت اخیر تک یہ آیت عرب کے قبائل میں سے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی ہے ایک قبیلہ ان میں سے بہ نسبت دوسرے کے شریف تھا پس گھٹیا قبیلہ کے لوگوں نے اس اشرف قبیلہ کے کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا تو اشرف قبیلہ نے کہا کہ ہم بدلے غلام کے حر اور عورت کے بدلے مرد ہلاک کریں گے اور ہم میں سے جو زخمی ہوا ہے اس کے بدلہ میں دو چند زخمی کریں گے اور آیت کے معنی واللہ اعلم یہ ہیں کہ مقتولین میں صفات خاصہ کا مثل قتل اور

جمال اور صغیر و کبیر اور شریف یا مالدار ہونے کا اعتبار نہیں ہے ورنہ ہذا التیاس بلکہ صرف نام اور مظان کلیہ کا اعتبار ہے اس لیے ہر عورت دوسری عورت کے برابر لہذا سب عورتوں کی دیت ایک ہی مقرر کی گئی ہے اگرچہ اوصاف میں تفاوت ہو اور اسی طرح ہر مرد دوسرے مرد کا مثل اور ہر غلام دوسرے غلام کا مانند ہے پس قصاص کے معنی برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخص ایک ہی درجے میں سمجھے جائیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے قصاص کے معنی اس کے بدلہ میں قتل کرنے کے ہرگز نہیں ہیں پھر سنت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان کافر کے عوض میں قتل نہ کیا جائے گا اور نہ حر غلام کے بدلہ مگر مرد عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک باندی کے بدلے یہودی کو قتل کیا اور آنحضرت ﷺ نے بہمان کے حکام کی طرف جو نامہ روانہ فرمایا اس میں یہ حکم لکھا ہوا تھا کہ عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ قیاس اس صورت میں مختلف ہے کیونکہ مردوں کا عورتوں پر بزرگ اور حاکم ہونے کا تو یہ مقتضی ہے کہ عورتوں کے بدلہ مردوں سے قصاص نہ لیا جائے اور دونوں کی جنس ایک ہی ہے صف فرق صغیر و کبیر اور قوی الجسد اور ضعیف کا سا ہے اور اس قسم کی رعایت کرنا ایک دشوار بات ہے اور بہت سی عورتیں با مقبار عمدہ عادات کے مردوں سے بہتر ہوتی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ عورتوں کے بدلے ان سے قصاص لیا جائے پس ضروری ہوا کہ دونوں قیاسوں پر عمل کیا جائے اور عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قتل میں قصاص کا اعتبار کیا گیا نہ دیت میں اور یہ اس لیے کیا گیا کہ عمدہ قتل کرنے والے نے اس کی جان کا قصد کیا اور اس پر تعدی کا قصد کیا اور جو شخص قصد تعدی کرنے والا ہو تو اس تعدی کو اس سے پورے طور پر دفع کرنا چاہیے عورت صاحب شوکت نہیں ہے اور اس کے قتل کرنے میں کوئی دقت واقع نہیں ہوتی بخلاف مردوں کے قتل کرنے کے کہ ایک مرد دوسرے سے قتال کرتا ہے لہذا یہ صورت قصاص واجب کرنے کے لیے زیادہ مناسب ہوئی تاکہ پھر دوبارہ ایسے کام سے باز رہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے لا یقتل مسلم بکافر کہ کافر کے بدلے مسلمان نہ قتل کیا جائے میں کہتا ہوں کہ اس کی یہ وجہ ہے شرع کا مقصود اعظم ملت محمدی کا بلند کرتا ہے اور یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ مسلمان کو کافر پر فضیلت دی جائے اور ان میں باہم برابری نہ کی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے لا یقاد الوالد بالولد بیٹے کے بدلے ماں باپ سے قصاص نہ لیا جائے گا اس کا سبب یہ ہے کہ والدین کی محبت اور شفقت اولاد پر نہایت ہوتی ہے پس والدین کا قتل پر اقدام کرنے میں ایسی بات کا ظن غالب ہوتا ہے کہ انہوں نے قتل کا قصد نہیں کیا اگرچہ قصد کرنے کی طامات پائی جائیں یا وہ قتل کسی ایسے سبب سے ہوا ہے جس نے قتل و مہاجرت لایا اور جس طرح ایسے آلہ کا استعمال کرنا جو غالباً قتل نہیں کرتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قتل نے جان سے مارنا لے کا قصد نہیں کیا والدین کا مارنا بھی اس بات پر اس سے کم دلالت نہیں کرتا اور اس قتل میں جو مشہور ہوا محمد آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من قتل فی عصبہ فی رمی بکون فیہم بالحجارة او جلد بالسباط او ضرب بعصا فہو خطا، و عقلہ عقل الخطاء جو شخص کسی قتل میں مارا جائے جس کے اندر لوگوں میں پتھر یا کوڑا یا لٹھ چلے تو وہ قتل خطا ہے اور اس کی دیت وہی ہے جو قتل خطائی ہوتی ہے میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خطا کے مشابہ ہے اور وہ قصد نہیں ہے اور اس دیت کی اہمیت اس کی دیت ہے اور امتیاز صرف صفت کے اعتبار سے ہے یا یہ معنی ہیں کہ قتل خطا اور اس میں سونا و چاندی کے اعتبار سے پانچ فرق نہیں اور دیت مغلطہ میں روایتیں مختلف ہیں ابن مسعود فرماتے ہیں کہ دیت مغلطہ میں چار قسم کے اونٹ دینے

چاہئیں پچیس جزد اور پچیس حقہ اور پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض اور آنحضرت ﷺ سے ایک روایت ہے کہ اگر کوڑے یا لاشی سے قصداً خطا سے قتل ہو جائے تو سواونٹ آتے ہیں جن میں سے چالیس گا بھن اونٹیاں ہوں اور ایک روایت میں تیس حقہ اور تیس جزد اور چالیس گا بھن اونٹیاں آئی ہیں اور اگر اپنے طور پر رضا مندی سے جو کچھ کمی و بیشی کرے تو جائز ہے اور قتل خطا میں دیت خفیہ آتی ہے جس میں پانچ قسم کے اونٹ دینے آتے ہیں ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن مخاض ۲۰ بنت لبون ۲۰ حقہ ۲۰ جزد سے ان دونوں قسموں میں عاقلہ پر تین برس کے اندر دیت دینی واجب ہوتی ہے اور چونکہ ان اقسام کے مراتب مختلف ہیں اس لیے کئی وجہ سے تخفیف و تغلیظ کا قتل کے اندر لحاظ کیا گیا ایک تو یہ کہ قاتل کے مار ڈالنے کا حکم صرف قتل عمد میں دیا گیا ہے اور باقی دو قسموں میں دیت کا حکم دیا گیا اور یہود کی شریعت میں بجز قصاص کے کچھ اور نہ تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے تخفیف کی پس قتل عمد کا بدلہ دو باتوں میں سے ایک مقرر کیا قتل یا مال کیونکہ بسا اوقات مال وارثوں کے لیے انتقام لینے سے زیادہ تر مفید ہوتا ہے اور نیز اس میں ایک مسلمان کی جان بچتی ہے اور ایک یہ قتل عمد میں خود قاتل سے دیت لی جاتی ہے اور ان دو قسموں میں عاقلہ سے دیت لی جاتی ہے تاکہ اس میں سخت ممانعت پائی جائے اور قاتل کے لیے ابتلائے عظیم ہو جس سے پورے طور پر اس کے مال پر صدمہ پہنچے اور غیر عمد میں عاقلہ (مخلہ والوں) سے اس لیے دیت لی جاتی ہے کہ کسی کا خون کرنا نہایت فساد عظیم ہے اور مصیبت زدوں کے قلوب کی تسلی شرع کو مقصود ہے ایسے وقت میں قاتل سے تسابل کرنا گناہ عظیم ہے جس میں اس کو تنگ کرنا ضروری ہے پھر چونکہ ذوی الارحام پر صلہ رحم واجب ہے اس لیے حکمت الہیہ کا مقصد یہی ہوا کہ اس میں سے کچھ خواہ مخواہ ان پر واجب کیا جائے اور دو سبب سے یہ بات متعین ہوئی ایک تو یہ کہ خطا پر اگر چہ تسابل کی وجہ سے مواخذہ کرنا چاہیے مگر اجتہاد رجحان کا مواخذہ کرنا نامناسب ہوا پس لوگوں پر ان کے ذی رحم کی طرف سے جو چیز واجب کی جائے وہ ایسی چیز ہونی چاہیے جس میں اس پر تخفیف ضروری ہے اور دوسرے یہ کہ عرب کے لوگ مصیبت کے وقت جان و مال سے اپنے ساتھ کے آدمی کی مدد کرنے کو مستعد ہو جاتے تھے اور اس کو ایک صلہ ضروری اور لازمی حق سمجھتے تھے اور اس کے ترک کو بڑی نافرمانی اور قطع رحم خیال کرتے تھے پس ان کی اس عادات کا مقصد یہی ہوا کہ یہ امر ان کے لیے مقرر کیا جائے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد کی دیت سال بھر کے اندر واجب کرنی اور غیر عمد کی تین برس تک مہلت دینے میں تخفیف پائی جاتی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور دیت میں اصل یہ ہے کہ اس میں بہت سارا مال واجب ہونا چاہیے جس کا لوگوں پر بار گزرے اور ان کے کمی پڑے اور لوگوں کے نزدیک اس کی قدر ہو اور اس قدر مال ہونا چاہیے کہ جس کو بہت محنت اٹھا کر ادا کر سکیں تاکہ زجر کے معنی اس میں پائے جائیں اور یہ مقدار اشخاص کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے اور اہل جاہلیت نے دیت میں دس اونٹ مقرر کر رکھے تھے پس عبدالمطلب نے جب یہ دیکھا کہ اس قدر مال ادا کرنے سے لوگ قتل سے باز نہیں رہتے تو سواونٹ دیت میں مقرر کر دیئے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو برقرار رکھا اس واسطے کہ ان دنوں عرب میں اونٹوں کی کثرت تھی مگر آنحضرت ﷺ نے جب اس بات کو معلوم کیا کہ آپ کی شریعت تمام عرب اور عجم بلکہ تمام دنیا پر لازم ہے اور تمام ملکوں میں اونٹوں کی کثرت نہیں ہوتی لہذا آپ نے سونے سے ہزار دینار اور چاندی سے بارہ ہزار درہم دیت کے لیے مقرر فرمائے اور گائے بیل سے دو سو اور بکریوں سے دو ہزار دیت لینے مقرر فرمائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تین برس کے اندر سو مردوں پر اگر ہزار دینار تقسیم کیے جائیں تو ایک سال میں

فی آئی تین دینار سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں اور درابہم سے کچھ اگلتے ہیں درہم ہوتے ہیں اور یہ اتنی مقدار ہے کہ اس سے کم کے ادا کرنے میں لوگوں کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور قبائل متفاوت ہوتے ہیں کوئی بڑا کوئی چھوٹا پس چھوٹے کا اندازہ پچاس آدمیوں سے کیا گیا ہے اس لیے کہ کم از کم اتنے آدمیوں سے قریہ آباد ہوتا ہے اس لیے کہ قسمت میں پچاس قسمیں مقرر ہوئیں جو پچاس شخصوں پر منقسم ہوتی ہیں اور بڑے قبیلہ کا اندازہ پچاس سے دو چند کیا گیا اس لیے دیت میں سواونٹ مقرر کیے گئے تاکہ ہر شخص ایک اونٹ یا دو اونٹ یا ایک سے کچھ زیادہ اکثر قبائل اگر وہ مستوی الحال ہوں ادا کریں اور جن احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اونٹوں کی ارضانی ہوتی تھی تو دیت میں کمی فرماتے تھے اور اُمران کی ارضانی ہوتی تھی تو آپ بڑھادیا کرتے تھے میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جہاں اونٹوں کی پیداواری ہوتی تھی اور اُمران اکثر شہروں کی تفتیش کرو گے تو لوگوں کی یہ قسمیں نہیں تھیں کی ایک اہل تجارت و اموال اور یہ لوگ شہر ہی ہوتے ہیں اور ایک اہل مویشی اور وہ دیہاتی ہوتے ہیں اور اکثر لوگوں کا حال اس سے خالی نہیں ہوتا اللہ پاک فرماتا ہے **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ** جو شخص خطا مومن کو قتل کر ڈالے تو اس کو ایک بردہ مومن کا آزاد کرنا چاہیے میں کہتا ہوں کفارہ میں مسلمان بردہ کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا اس لیے واجب ہوتا کہ فیما بینہ و بین اللہ قربتہ کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہے وہ نہیں اور میں اس کا رسول ہوں تو اس شخص کا خون کرنا حلال نہیں ہوتا مگر تین باتوں میں سے ایک بات سے ساتھ جان کے بدلے جان اور بیوی والا زنا کار اور تارک دین و جماعت کا میں کہتا ہوں تمام ادیان میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ قتل ای مصلحت کلیہ کے سبب سے درست ہوتا ہے جو بغیر قتل کے حاصل نہیں ہوتی اور اس مصلحت کا ترک قتل سے بھی زیادہ خرابی کا سبب ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **الْفُتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جب احکام مقرر فرمائے اور حد و کی تعیین کی تو ضروری ہوا کہ اس مصلحت کلیہ کا جو قتل کو جائز کر دیتی ہے انضباط کیا جائیں اور اُمر اس کا انضباط نہ کیا جاتا اور مہمل چھوڑ دیا جاتے تو قتل کرنے والا ایسے شخص کو مصلحت کلیہ سمجھ کر قتل سکتا تھا کہ جس کے قتل میں مصلحت کلیہ نہ ہوتی پس رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں سے اس کا انضباط فرمایا ایک تو قصاص کہ دوزجر کا سبب ہوتا ہے اور اس میں بہت اسباب ہیں اللہ پاک نے بھی ان کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِیٰ** اور تمہارے لیے اسے قتل مند و اقصاص کے اندر زندگی ہے اور وہ شخص جو یہی والا ہو کر زنا کرے اس لیے کہ زنا تمام ادیان میں ایسا گناہ ہے کہ اسے اور یہی بات انسانی ہا فصل مقتضی ہے کیونکہ انسان بشر طیکہ اس کا مزاج سالم ہو اس کی خصلت میں اس بات سے غیر متاثر ہوتی ہے کہ ولی شخص اس کی مصلحت پر مدخلت کرے بیٹے اور بہن میں ہوتا ہے مگر انسان کے لیے یہ بات ضروری نہیں کہ اس سے باہمی انتقام قائم ہو سکے وہ بات اس کو معلوم ہو ہذا ان پر یہ بات واجب کی گئی تیسرے مرتبہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین پر عزت کی اور دین کے قہر سے اور رسالوں کے جیسے کی جو مصلحت ٹوٹا تھی اس شخص نے اس کی مخالفت کی اور ان تین کے ماہ ان کی امت قتل ہے اور محارہ کرنے والا اس بات سے کہ کسی قتل سے جو شخص محارہ کی سزا میں تھیر کا قتل ہے تو اس کا

رجوع ان اصول میں سے کسی کی طرف ممکن ہے اور معلوم کرو کہ اہل جاہلیت بھی قسامت کا حکم کرتے تھے اور اول جس نے قسامت کا حکم دیا وہ ابوطالب ہیں چنانچہ ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے اس لیے کہ قتل بسا اوقات ایسے پوشیدہ مقامات اور تاریک شبوں میں ہوتا ہے کہ جہاں اس پر بینہ نہیں قائم ہو سکتی پھر اگر اس قسم کے قتل کی کچھ باز پرس نہ کی جائے تو لوگوں کو اس پر جرأت ہو اور فساد زیادہ ہو اور اگر بلا دلیل مقتول کے وارثوں کا دعویٰ مسموع ہو تو لوگ تمام اپنے دشمنوں کا نام لے دیا کریں لہذا رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم کر کے ثابت و برقرار رکھا۔ اب فقہاء میں اس علت کے اندر اختلاف ہوا جس پر قسامت کا مدار ہے بعض کے نزدیک اس کی علت ایک مقتول کا جس میں زخم یعنی چوٹ یا گلا گھونٹنے کا اثر موجود ہو کسی ایسے مقام میں پایا جانا جو ایک قوم کی حفاظت میں ہے جیسے محلہ اور مسجد اور مکان اور یہ علت عبد اللہ بن سہل کے قصہ سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے ایک مقتول کو خیبر کے اندر تڑپتا ہوا دیکھا اور بعض کے نزدیک اس کی علت ایک مقتول کا پایا جانا اور کسی پر قتل کے شبہ کا قائم ہونا خواہ مقتول کے بیان کرنے سے یا نصاب سے کم کسی کی گواہی دینے سے وغیرہ القیاس اور یہ اس قسامت کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کا ابوطالب نے حکم دیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **دِیَةِ الْكَافِرِ نِصْفُ دِیَةِ الْمُسْلِمِ** کہ کافر کا خونبہا مسلمان کے خونبہا سے نصف ہے میں کہتا ہوں کہ اس کا سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ ملت اسلامیہ کی عظمت اور مسلمان کو کافر پر فضیلت دینا ضروری ہے اور نیز کافر کے قتل کرنے سے مسلمانوں کے اندر چنداں فساد نہیں پڑتا اور کافر کے قتل کرنے کا گناہ بھی کم ہے اس لیے کہ وہ کافر اور مباح الاصل ہے اور اس کے قتل کرنے سے کفر کا ایک شعبہ دور ہوتا ہے مگر بایں ہمہ اس کا قتل کرنا گناہ اور خطا اور ملک میں فساد پھیلانے سے خالی نہیں لہذا مناسب ہوا کہ اس کی دیت میں تخفیف کی جائے اور اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل گرا دے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک بردہ غلام یا باندی کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے معلوم کرو کہ جنین کے اندر دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ وہ نفوس بشریہ میں سے ایک عضو ہے جو بغیر ماں کے قائم نہیں رہ سکتا اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مال کا حکم دینے میں اس کا حال اور زخموں کا ساہو پس دونوں باتوں کا لحاظ کر کے اس کی دیت ایک مال جو آدمی ہے گردانی گئی اور یہ نہایت انصاف ہے اور انسان کے اعضاء پر تعدی کرنے کا حکم کئی اصول پر مبنی ہے ایک تو یہ اس میں سے جو عدا ہو تو اس میں برابر بدلہ لیا جائے مگر جس صورت میں برابر بدلہ لینے سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں برابر بدلہ لینے سے مانع ہوگا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفُ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنُ بِالْأُذُنِ وَالسِّنُّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ** جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور ناک کے بدلے ناک اور دانت کے بدلے دانت اور زخم برابر ہیں پس آنکھ کے بدلہ میں آنکھ گرم آئینہ سے ضائع کرنی چاہیے اور دانت کے بدلے دانت ریتی سے تراشنا چاہیے اور اکھاڑنا نہیں چاہیے اس لیے کہ اکھاڑنے میں زیادہ تکلیف کا اندیشہ ہے اور زخم اگر اس قدر ہو کہ جس سے ہڈی نظر آنے لگے تو بقدر اس کی گہرائی کے چھری سے ناپ کر اسی جگہ زخم کریں اور اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو اس کا بدلہ نہیں ہے اس لیے کہ اس کے حوض لینے میں ہلاکت کا خطرہ ہے اور بعض تابعین سے طمانچہ کے بدلہ میں طمانچہ اور چٹکی کے بدلے چٹکی لینا مروی ہے اور دوسرے یہ کہ جس چیز میں انسان کے کسی نفع پہنچانے والی قوت کا ازالہ ہو جیسے پکڑنا اور چھنا اور دیکھنا اور سننا اور سمجھنا اور جماع کرنا اور جس کے سبب سے لوگوں کے اوپر بار ہو جائے اور اپنی معاش بلا دوسرے کی استعانت کے حاصل نہ کر سکے اور لوگوں میں اس کے سبب سے عار لاحق ہو اور اس کا ازالہ مثلی کرنا ہو جس سے خلق الہی کی تعمیر لازم آتی ہے اور مدت العمر تک اس کا اثر جسم میں باقی رہے تو اس میں

پوری دیت واجب ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں ظلم عظیم اور خلق اللہ کی تعمیر اور مٹنی کرنا اور عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے اور چونکہ لوگ اس قسم کے مظلوم کی مدد کے لیے ایسے نہیں ہوتے جیسے قتل کے بارے میں اس کی مدد کرتے ہیں اور خود وہ ظالم اور نیز حکام اور ظالم اور مظلوم کا بروہان باقوں کو کوئی بڑا امر نہیں سمجھتے لہذا ضروری ہوا کہ شارع اس میں تاکید کرے اور ابتدا درجہ اس میں زجر کرے اور اصل اس میں یہ حدیث ہے کہ جب حضور نبوی کریم نے اہل یمن کو نامہ روانہ فرمایا تو اس میں یہ بھی لکھا تھا فی الانف اذا اوعب تاک جب جڑ سے کاٹ لی جائے تو اس میں دیت ہے اور دانتوں و لبوں و خصیتین و ذکر و پشت و چشموں میں دیت ہے اور آنحضرت کریم نے فرمایا فی العقل الدیۃ کہ عقل میں دیت ہے پھر جس میں اس منفعت میں سے نصف منفعت کا تلف کرنا ہو تو اس میں نصف دیت ہے پھر ایک چم میں نصف دیت اور ایسے ہی ایک ہاتھ میں نصف دیت اور جس میں اس منفعت کے دسویں حصہ کا تلف ہوتا پایا جائے مثلاً ہاتھ یا پیچ کی انگلیوں میں ایک انگلی کا کاٹ ڈالنا ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے اور ہر دانت میں بیسواں حصہ ہے اس لیے کہ دانت اٹھ نہیں یا چھبیں ہوتے ہیں اور کسہ کا اس عدد کے اعتبار سے ایک کے مقابل نکالنا پوشیدہ امر ہے جس میں حساب کے اندر تعمق کی ضرورت ہے لہذا ہم نے جس کا عدد مقرر کر لیا اور دیت کا بیسواں حصہ بدلہ ہر دانت کے مقرر کر دیا۔ اور تیسرے یہ کہ جن زخموں میں نہ کسی پوری قوت کا باطل کرنا ہو اور نہ نصف کا اور نہ اس میں مثلہ ہو بلکہ وہ صرف زخم ہو جو چند روز میں بھر سکتا ہے تو اس زخم کا بمنزلہ جان یا منزالہ ہاتھ یا پیچ کے کرنا ان کو نصف دیت کا واجب کرنا منسب نہیں ہے اور نہ یہ منسب ہے کہ اسے کوئی چیز نہ واجب کی جائے پس زخم کا مرتبہ از کم موضع ہو اس لیے کہ جو اس سے کم ہے اس کو خراش وغیرہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں زخم نہیں کہتے اور موضع اس زخم کو کہتے ہیں جس میں ہڈی نظر آنے لگے۔ اور اس میں دیت کا بیسواں حصہ ہے اس لیے کہ بیسواں حصہ ان حصوں میں سے کم تر وہ حصہ ہے جو بلا فیہ سبب میں معلوم ہو جاتا ہے اور شارع کا مبنی ان حصوں پر ہے جن کی مقدار محاسب وغیرہ محاسب سبب جانتے ہیں اور جس زخم میں ہڈی ٹوٹ جائے اور اپنی جگہ سے جدا ہو جائے تو اس میں پندرہ دانت آتے ہیں اس لیے کہ ایک تو اس میں ہڈی تک زخم پہنچ گیا دوسرے ہڈی ٹوٹ گئی تیسرے وہ ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی پس وہ زخم بمنزلہ تین موضع زخموں کے ہے اور جائیداد املا یعنی وہ زخم جو سر یا سینے کے اندر تک پہنچ جائے اور وہ زخم جو یافوخ^① تک ہو یہ دونوں بہت بڑے زخم ہیں پس ان میں سے ہر ایک میں تہائی دیت واجب ہوتی چاہے اس لیے کہ نصف سے کم کا اندازہ ٹاٹ سے ہو سکتا ہے اور رسول اللہ کریم نے فرمایا ہے **هذه وهذه سواء** یہ اور یہ یعنی انہ اور نہ انہ برابر ہیں اور فرمایا ہے **الینه والضرر سواء** یعنی اگر دانت اور داڑھ برابر ہیں میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہر مضموم کے ساتھ جو منافع تصور ہیں ان کا انضباط و اشار ہے ہذا نام اور نوع پر حکم کا مہار کرنا ضروری ہوا۔ معلوم کر دو کہ بعض دفعہ قتل اور زخم ہر^② ہوتا ہے یعنی وہ ضائع ہوتا ہے اس کا بدلہ نہیں کیا جاتا اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل یا زخم کسی شر کے دفع کرنے سے ہو یا انسان و اہل حق ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ کریم سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص میرا مال پھینکے قہر سے آئے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس کو اپنا مال مت دے اس نے عرض کیا اور جو وہ مجھ سے قتل کر لے گا تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس سے قتلہ لڑ پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر ڈالے آپ نے فرمایا تو شہید ہے اس نے عرض کیا اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو وہ دوزخ میں جائے گا اور ایک آدمی

① یہ وہ زخم ہے جو یافوخ تک ہو یہ دونوں بہت بڑے زخم ہیں پس ان میں سے ہر ایک میں تہائی دیت واجب ہوتی چاہے اس لیے کہ نصف سے کم کا اندازہ ٹاٹ سے ہو سکتا ہے اور رسول اللہ کریم نے فرمایا ہے **هذه وهذه سواء** یہ اور یہ یعنی انہ اور نہ انہ برابر ہیں اور فرمایا ہے **الینه والضرر سواء** یعنی اگر دانت اور داڑھ برابر ہیں میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہر مضموم کے ساتھ جو منافع تصور ہیں ان کا انضباط و اشار ہے ہذا نام اور نوع پر حکم کا مہار کرنا ضروری ہوا۔ معلوم کر دو کہ بعض دفعہ قتل اور زخم ہر ہوتا ہے یعنی وہ ضائع ہوتا ہے اس کا بدلہ نہیں کیا جاتا اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل یا زخم کسی شر کے دفع کرنے سے ہو یا انسان و اہل حق ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ کریم سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص میرا مال پھینکے قہر سے آئے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس کو اپنا مال مت دے اس نے عرض کیا اور جو وہ مجھ سے قتل کر لے گا تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس سے قتلہ لڑ پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر ڈالے آپ نے فرمایا تو شہید ہے اس نے عرض کیا اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو وہ دوزخ میں جائے گا اور ایک آدمی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طُوقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ جو شخص ظلم سے بقدر ایک باشت کے زمین لے لے گا قیامت کے دن ساتوں زمین طوق کر کے اس کی گردن میں ڈالی جائیں گی میں بہت ہوں پسند مرتبہ تم کو یہ بات معلوم ہو چکی کہ جس فعل میں مصیحت مدنیہ کی مخالفت اور ایذا و تعدی پائی جائے وہ فعل مدنیہ کی لعنت کا مستوجب ہوتا ہے اور مذاب عمل کی صورت یا اس کے قریب قریب صورت میں متشکل ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے علی البدن ما اخذت۔ ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی میں کہتا ہوں غصب اور غارت کے باب میں یہ حدیث اصل ہے پس بعینہ اس کا واپس کرنا معذرت ہو تو اس کے متشکل کا وزین واجب ہوتا ہے اور کسی شخص کی ایک رکابی نوٹ گئی تو آپ نے اس کے بدلہ ایک رکابی دے دی اور نوٹی ہوئی کو رہنے دیا میں کہتا ہوں اطلاق کے باب میں یہ حدیث اصل ہے اور ظاہر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولات میں تاوان لینا جس کو عام و خاص کہہ دیں کہ یہ اس کے مثل ہے درست ہے جیسے رکابی کے بدلے رکابی اور حضرت عثمان نے صحابہ کے سامنے مفروضہ پر اس بات کا حکم دیا کہ اولاد کے مثل فدیہ دے (اور مفروضہ شخص ہے جس کو نوٹی عورت یہ دھوکہ دے کہ میں حرم ہوں اس سے نکاح کر لے اور فی الحقیقت وہ کسی کی باندی ہو) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَيَتَّبِعُ الْبَيْعَ مِنْ بَاعِهِ جو شخص بعینہ اپنا مال کسی کے پاس پائے تو وہ اس کا حقدار ہے اور خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اس کے ہاتھ فروخت کیا ہے میں کہتا ہوں اس قسم کا سبب اور شخص یہ ہے کہ جب یہ صورت واقع ہو تو ہر جانب میں ضرر اور ظلم کا اعتبار ہے پس جب کوئی شخص اپنا مال کسی کے پاس دیکھے ایسے وقت میں اگر یہ قعدہ مقرر کیا جاتا کہ جب تک اس کا بائع نہ ملے اس وقت تک یہ شخص اس کے مال کو نہ لیں گے تو اصل مالک کا اس میں ضرر عظیم تھا اس لیے کہ ماصب یا سارق کی ذمہ داریات معلوم ہوتی ہے تو غائب اپنی جائیداد کی غرض سے وہ یہ جہت پیش کر سکتا تھا کہ میں نے ایک شخص سے اس کو خرید لیا تھا اور الٹا ایسا ہوتا کہ سارق و ماصب اپنے اور نیز بائع کے پادے لیے کسی شخص کو بیع کا وکیل کر دیا کرتا اور اس میں لوگوں کی حق تلفی کا دروازہ ہوتا تھا اور اکثر اوقات بائع اس وقت ماتا کہ جب وہ مشتری موجود نہ ہوتا پس مالک اس سے مطالبہ کرتا اور اس کے پاس دھم نہ پاتا اور ناامید ہو کر سہوت کر لیتا اور اگر یہ علم ہوتا تو اسی وقت اپنی چیز پر قبضہ کر لیتا تو اس میں مشتری کا ضرر تھا کیونکہ بس اوقات خریدنے والا بازار میں سے کوئی چیز خریدتا ہے اور نہیں جانتا کہ بائع کا نام و نشان کیا ہے پھر اس کے مال میں کسی کا حق نکلتا ہے اور بائع اس کو پتہ نہیں لگتا اور ناامید ہو کر سہوت کر لیتا ہے اور بسا اوقات اس کو اس چیز کی حاجت ہوتی ہے اور حقدار کے اس پر قبضہ کرنے اور بائع سے اس پر دوالہ کر دینے میں وہ سب فوت ہو جاتی ہے پس بعد امداد میان دو نفر کے دائرہ ہو اور ایک کا پایا جانا ان دونوں میں نہ ام نوا نہ دہری ہو تو ایسے نہ دہری امر کی طرف رجوع کرنا نہ دہری ہوا اس کو بلاشبہ لوگوں کی عقل قبول کر لے اور وہ اس جگہ یہ ہے کہ حق اس چیز کے ساتھ متعلق ہو کیا اور میں اس میں کے معاوضہ جس کے متعلق ہے روک لیا جائے بشرطیکہ جینہ قائم ہو اور احوال مرتب ہو جائے اور قضیوں کا اسی طرح اعتبار کرنا منسب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مایوں پر صم دیا کہ دن میں باغوں کی تمہینی کریں اور مویشی ہونٹسان کریں اس کا تاوان مویشی والوں پر ہے میں بتا ہوں اس صم دینے کا سبب یہ ہے کہ ذب مویشی نے لوگوں سے باغ ہونٹسان یا تو ہر ایک کے ساتھ ظلم و نہر ہے مویشی والا تو یہ بہت کر سکتا ہے کہ اس کو چنے کے لیے مویشی کا پھوڑا ضروری

ہے ورنہ مویشی بھوکے مرجائیں گے اور ہر مویشی کے ساتھ ساتھ رہنا اور اس کی حفاظت کرنا تدابیر ضروریہ میں خلل انداز ہوتا ہے اور مویشی نے جو نقصان کیا ہے اس میں اس کا کچھ بس نہیں ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مالی نے خود اپنے مال کی حفاظت میں کوتاہی کی اور اس کو بلا نگرانی کے چھوڑ دیا اور مالی یہ حجت پیش کر سکتا ہے کہ باغ شہر سے باہر ہوا کرتے ہیں ان کی نگرانی اور ان میں کسی کو نہ آنے دینا اور اس کے انتظام میں رہنا اس کی حالت کے خراب ہونے کا سبب ہے اور مالک مویشی نے یا تو خود اس کو باغ میں چھوڑ دیا ہے یا خود اس کی نگرانی میں کوتاہی کی ہے پس جب امر باہم دونوں کے دائر ہوا اور ہر ایک کی طرف سے جو رد و نکر ممکن ہو تو ضرور ہوا کہ اس دستور پر نظر کی جائے جو ہمیشہ سے ان سب میں جاری ہے اور اس دستور سے تجاوز کرنے پر جو رک کی بناء کی جائے اور دستور یہ ہے کہ دن میں ہر باغ میں کوئی شخص باغ کے کاروبار اور اس کی درستی و حفاظت کے لیے رہتا ہے اور شب میں باغات کو خالی چھوڑ کر قریوں و شہروں میں شب باشی کرتے ہیں اور مالکان مویشی شب میں گھروں میں مویشی کو جمع کر لیتے ہیں اور پھر دن کو چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں پس ان کے اس دستور عام سے تجاوز کرنا ظلم سمجھا گیا اور آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے اس پھل کی نسبت جو محفوظ نہ ہو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص محتاج اس کو منہ سے کھالے اور جہود نہ بنائے تو اس پر کچھ مضائقہ نہیں معلوم کرو کہ لوگوں میں باہمی نزاع کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ جو کوئی کسی کو ضرر پہنچائے اور تعدی کرے اس کا ہاتھ پکڑا جائے نہ یہ کہ ان کے حرص و کینہ کی اقتداء کی جائے پس اس پھل کھانے میں جو معلق اور محفوظ اور تھوڑا سا پھل ہے اگر کوئی محتاج آدمی اس کو پیٹ بھر کے کھا لے تو اس سے مالک کو ملال نہیں گزرتا بشرطیکہ وہ آدمی دستور کی حد سے تجاوز نہ کرے اور جہود نہ باندھے اور نہ اینٹ پتھر سے پھلوں کو جھاڑے کیونکہ عرف کا مقتضی ایسے امور میں مسامحت کرنا ہے اور انہیں باتوں کا جو شخص دعویٰ کرے تو یہ اس کا بخل اور حرص اور لوگوں کو تکلیف دہنی ہے لہذا اس کے دعویٰ کی پرواہ نہ کی جائے اور اگر وہ پھل کوئی شخص کھا جائے جو محفوظ رکھا ہوا ہے یا جہود بھر لے یا اینٹ پتھر سے پھل جھاڑے یا اور کسی طرح سے حد سے تجاوز کرے تو اس میں تعزیر اور تاوان آتا ہے اور مویشی کا دودھ دینے میں قیاسات متعارض ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس کا بیان فرمایا ہے پس کبھی حضور نبوی ﷺ نے اس کو اس مال پر قیاس کیا جو گھر میں حفاظت سے رکھا ہو اس واسطے اس کے دوہنے سے منع فرمایا اور کبھی شرمعلق اور غیر محفوظ چیزوں پر اس کو قیاس فرما کر اس کو بقدر حاجت مباح فرمایا اگر مالک نہ ملے جس سے اجازت لی جائے اور احادیث کے اندر جو اختلاف ہے اور علمائیں ان کی ظاہر ہو گئی ہیں ان میں اصل یہی ہے کہ ان ملتوں کے اعتبار سے ان کی تطبیق دی جائے پس اگر ایسی چیز کے خرچ کرنے اور اس کی کچھ پرواہ نہ کرنے کا دستور ہو اور اس میں لوگوں کو کچھ دقت نہ ہو اور حاجت ہو تو اس کا کام درست ہے ورنہ درست نہیں ہے اور علیٰ ہذا القیاس بیوی کا خاوند کے مال میں اور غلام کا سیدہ کے مال میں تصرف کرنا ہے۔

حدود کا بیان

معلوم کرو کہ بعض معاصی میں اللہ تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جن میں فساد کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں ایک تو ان میں ملک کا فساد اور لوگوں کی آسائش کا قطع کرنا ہوتا ہے اور ان کے لیے بنی آدم کے نفوس کے اندر داعیہ ہوتا ہے ہمیشہ اس کا ہیجان ہوتا رہتا ہے اور ان کے لیے عادت ہو جاتی ہے جبکہ اس سے ان کے قلوب رنج جاتے ہیں تو اس سے باز رہنا ان کے بس

میں نہیں رہتا اور اس میں اس وقت ایسا نہ رہتا ہے کہ مظلوم اپنی طرف سے اس کے دفع کرنے میں بس ہو جاتا ہے اور یہ آدمیوں کے مابین اس وقت واقع ہوتا رہتا ہے تو اس قسم کے معاصی میں صرف آخرت کا ڈر ان کا کافی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ آدمیوں کے سامنے اس قسم کے معاصی پر نہایت ملامت اور رنج کا پہنچانا چاہیے تاکہ جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اس سے باز رہیں جیسے زنا ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کی طرف رغبت و حرص کی خواہش دلاتا ہے اور اس کے اہل کے لیے اس کے اندر نہایت درجہ کی عار ہے اور ایک مظلوم پر آدمیوں کے قبیح ہونے سے بہت انسانیہ کی تعمیر ہے اور اس کے سبب سے اس کے مابین لڑائیوں اور کشت و خون کا مظاہرہ ہے اور زنا اسے زانیہ اور زانی کی رضا مندی سے ہوا کرتا ہے اور تنہائی کی وجہ سے صرف بعض لوگ ہی اس پر مطلع ہوتے ہیں پھر اگر حد نہ شریعت کی جاتی تو روک روک ہو سکتی تھی اور جیسے سرقہ اس لیے کہ انسان اکثر اوقات کسب صالح نہیں پاتا ہے تو چوری کی طرف میل کرتا ہے اور سرقہ کے لیے ان کے نفسوں کے اندر عادت ہوتی ہے اور سرقہ بدوں دیکھے آدمیوں کے ہوتا ہے۔ خلاف منصب سے کہ اس میں ایک ایسی نیل اور شبہ ہوتا ہے کہ جس کو شرع نہیں ثابت کرتی ہے اور مابین آدمیوں کے اور ان کے رو برو اس قسم کے معاملات ہوتے رہتے ہیں ان کے لیے منصب جملہ اور معاملات کے ایک معاملہ ہے اور جیسے راہزنی اس لیے کہ مظلوم اپنی جان اور مال بچانے کی اس سے طاقت نہیں رکھتا اور راہزنی مسلمانوں کے بلاد میں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنی حکومت اور قوت کی وجہ سے ان کی ممانعت کر سکتے ہیں تو ایسے افعال کی جزا و سزا زیادہ مقرر ہونا چاہیے اور جیسے شراب کا پینا اس لیے کہ اس میں بھی نہایت زبردستی ہے اور اس کی وجہ سے ملک میں فساد اور ان کی مقول کا زوال ہوتا ہے کہ جن کے سبب سے ان کی معاش و معاد کی اصلاح ہوتی ہے اور جیسے قذف (تہمت زنا کی مانا) کیونکہ جس کو تہمت لگائی جاتی ہے وہ نہایت درجہ کی تکلیف و رنج پاتا ہے اور اس کے دفع کرنے پر قتل و فیہ مارے ساتھ ہے بس ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ مارا ڈالے تو خود بھی اس کے سبب سے مارا جائے اور اگر پیٹے تو اس کی وجہ سے چٹا جائے۔ ہذا ایسے جرم میں کوئی زجر عظیم ہونا چاہیے پھر حد قتل ہے اور یہ ایسی سزا ہے کہ اس کے اوپر کوئی اور سزا نہیں ہے اور اس کی مصلحت کاٹ ڈالنا ہے اس میں نہایت درجہ کی تکلیف پہنچانا اور اس کی قوت کا زائل کر دینا ہے کہ جس کے بغیر مدت العمر تک معاش حاصل کرنے سےائق باہم دوسرے کے نہیں ہو سکتا اور نیز یہ مسئلہ اور عار ہے جس کا اثر آدمیوں کے سامنے ظاہر ہے جو قسم نہیں دیتا اس لیے کہ نفس و سبب سے متاثر ہوتا ہے ایک تو وہ نفس ہے جو قوت ہیمہ کے اندر منہمک ہو اس کو الم پہنچانا بری چیز سے باز رہتا ہے مثلاً نیل و اوتے اور ان کے نفس کے اندر سبب جو ہوتی ہے اس کو تکلیف دہسانی سے بھی زیادہ عار ایک عام کام سے روک دیتی ہے۔ اسے دہسانی سے زیادہ اس و روتی ہے پھر ان دونوں و بیوں کا حدود کے اندر اسٹھا ہونا لازم ہوا اور ایک حد کی صورت یہ ہے جو قبیح سے مبرا ہونے سے فائدہ مار ہیٹ سے ہی تکلیف کا پہنچانا مقصود ہے جس میں عار ہو اور اس کا اثر ظاہر ہو مثلاً جلا وطن کرنا اور شہادت کا قبول نہ کرنا اور ملنا پھیرنا مار دینا اور معلوم کرنا کہ شرافت ساقیہ میں قتل کی سزا قصاص اور زنا کی سزا رکن اور سرقہ کے مصلوک ہونا قبیح نہیں یہ سزا میں شرافت کا یہ میں عوارث پہلی آتی تھیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں تو ضروری ہوا کہ ان کو مظلومی سے بکڑنا چاہیے اور کسی ان کو ترک نہ کرنا چاہیے مگر شریعت مظلومیہ نے اس میں ایک اور قسم کا تصرف کیا ہے اور ہر ایک کی سزا کی دو قسمیں ہیں ایک تو بوی بھاری سزا ہے کہ اس سے زیادہ اور تصور نہیں اور یہ سزا وہاں دینی چاہیے جہاں گناہ بھی بڑا بھاری ہو اور

دوسری وہ ہے جو پہلی سے کم ہے اور یہ وہاں ہوگی جہاں معصیت بھی پہلی معصیت سے کم ہو پس قتل کی سزا قصاص اور دیت ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ کہ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت میں قتل کی سزا صرف قصاص تھی نہ دیت اور زنا میں کوڑے مارنا تھا اور یہودیوں کی جب شوکت جاتی رہی اور سنگساری پر ان کا بس نہ چلا تو انہوں نے تجبیہ و نسیم کرنا ایجا کیا (تجبیہ کے یہ معنی ہیں کہ زانی کو وزانیہ کو گدھے پر اُلٹا سوار کر کے لوگوں کے سامنے پھرائیں، نسیم منہ کالا کر دینے کو کہتے ہیں) تو اس میں شرائع سابقہ کی تحریف ہوئی مگر ہمارے ہاں دونوں شرائع کا لحاظ کیا گیا، شرائع سماویہ و ابتداعیہ کا اور اس میں ہمارے لیے نہایت رحمت ہے اور سرقہ میں عذاب دینا اور اس سے دو چند تاوان لینا چاہیے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور نیز اس شریعت میں ظلم کے چند اقسام کو مثل قذف و شرب خمر کو اضافہ کیا اور ان کے لیے بھی حد مقرر کی کیونکہ یہ بھی بمنزلہ انہی معاصی کے ہیں اور رہزنی کی سزا زیادہ مقرر کی اور معلوم کرو کہ لوگوں کے دو درجے اور ہر درجہ کی سیاست کا خاص طریقہ ہے ایک وہ لوگ ہیں جو بذاتِ خود مستقل اور مختار ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ لوگوں کے سامنے گرفتار کیے جائیں اور ان کو تکلیف پہنچائی جائے جس سے ان کو نہایت سخت عار لاحق ہو اور ان کی ابانت اور ذلت پائی جائے اور ایک وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں ہیں اور ان کے پاس بمنزلہ قیدیوں کے ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مالکوں کو حکم کیا جائے کہ بری باتوں سے ان کی نگرانی رکھیں اس میں ان کے لیے ایسا طریقہ ظاہر ہوگا جو ان کو ان کے ان افعال سے باز رکھے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذا زنت احدکم فلیضرب الحدیث تم میں سے جب کسی کی باندی زنا کرے تو اس کو مارنا چاہیے اور فرمایا ہے اذا سرق عبد احدکم بیعوہ ولونبش پس یہ دونوں درجہ کے لوگ ایک ظاہری وصف سے منضبط کیے گئے پہلے درجے کے لوگ حر اور دوسرے درجے کے لوگ غلام ہیں، پھر یہ بھی احتمال تھا کہ سید اپنے غلام پر ظلم کرتا اور کہہ دیتا ہے کہ اس نے زنا یا چوری وغیرہ کی ہے پس ضرور ہوا کہ غلام کی سزا حر سے کم مقرر کی جائے تاکہ جو رفع ہو جائے اور نیز یہ ضرور ہوا کہ قتل کرنے اور قطع کرنے کا ان کو اختیار نہ دیا جائے اور اس سے کم سزا کا اختیار ان کو دیا جائے اور حدود وجہ سے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ما عز بن مالک کی نسبت ارشاد ہے لقد تاب توبة لوقسمت علی امة محمد لوسعتهم اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر محمد ﷺ کی تمام امت پر تقسیم کی جائے تو ان کو کافی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تکلیف پہنچانا اور اس کو اس فعل سے روکنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ حکمت الہی کا متخصی ہے کہ اس شخص کی جان یا مال سے اس عمل کی سزا دی جائے پس حد کا قائم کرنا جزا دینے میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، فقہ

اللہ پاک فرماتا ہے: **الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ**۔ زانیہ اور زانی کو ہر ایک کے دونوں میں سے سو کوڑے مارو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں آیت رجم بھی تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اور جو شخص زنا کرے اور محسن ہو خواہ مرد ہو یا عورت کتاب الہی میں اس کا سنگسار کرنا حق ہے میں کہتا ہوں محسن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محسن کے درے لگانا اس لیے مقرر کیے گئے کہ جس طرح پندرہ برس کی عمر وغیرہ سے آدمی بالغ ہو کر پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس سے قبل پورا پورا مکلف نہیں ہوتا

اس لیے کہ اس کی عقل اور ذہن اور جوایت کا کمال اس سے پہلے نہیں ہوتا اسی طرح اس عقوبت میں بھی تفاوت ہونا چاہیے جو کمال عقل اور مہر کا مل اور استقلال سمجھ اور خود مختاری کے سبب سے پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس لیے کہ محسن کامل ہے اور غیر محسن ناقص ہے پس غیر محسن حر کامل اور عام کے مابین واسطہ ہوا اور صرف سنسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا گیا اس لیے کہ وہ حق الہی کے اندر جو جوہر امتزاجی کی ہے ان سب میں سخت ہے اور قصاص چونکہ حق العباد میں سے ہے اور ان کو اپنے حقوق لینے کی حاجت ہے اس لیے ان کی حق تلفی نہ کی جائے لی اور حد سرقہ وغیرہ بمنزلہ سنساری کے نہیں ہے اور نیز اس شخص سے گناہ صادر ہوتا جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور بہت سی مخلوقات پر اس کو فضیلت دی ہے زیادہ تر قبیح و شنیع ہے اس لیے کہ وہ نہایت نافرمانی ہے پس اس میں سزا کا بڑھانا مناسب ہوا اور کواری کی حد سودرے مقرر کیے گئے اس لیے کہ عدو سو کا بڑی اور منضبط مقدار ہے جس سے زجر و تکلیف بخوبی حاصل ہو سکتی ہے اور جلا وطنی کی سزا اس لیے دی گئی کہ سزا کا اثر دو طرح پر ہوتا ہے ایک تو جسمانی تکلیف کے اعتبار سے اور ایب حیثیت مندی اور عمار کے احق کرنے اور موقوف چیز کے صلحہ کرنے سے پہلی سزائے جسمانی اور دوسری نفسانی ہے اور پوری پوری سزائیں ہے کہ دونوں جمع کیے جائیں اللہ پاک فرماتا ہے **فَإِذَا أَخَصَّنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاجِئَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** جب احسان کے بعد ان سے عیش ظاہر ہو تو محسنات سے ان کو نصف عذاب دیا جائے گا میں کہتا ہوں کہ ناموں پر نصف سزائے مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا حال سید کے اختیار میں ہوتا ہے۔ پس اگر کامل درجہ کی زجران سے لیے مقرر کی جائے تو اس سے باب القلم مفتوح ہوتا ہے بایں طور کہ سید اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور یہ کہہ دے کہ دوزخ کا ارتقا اور پھر اس سے مواخذہ کرنے کی ولی صورت نہ ہو اس لیے کہ باندی و غلام کی حد اس قدر کم مقرر کی گئی کہ جس سے ہلاک کی نوبت نہیں آتی اور محسن وغیرہ محسن کا فرق جو ہم نے بیان کیا ہے وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **خَذُوا عَنِّي خَذْوَاعَنِي قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِهِنَّ سَبِيلًا الْبَكْرَ بِالْبَكْرِ جَلْدَ مَانَدٍ وَتَعْرِيبَ عَامٍ وَالتَّيْبَ حِلْدَ مَائَةٍ وَالرَّحِمَ** مجھ سے سیکھو مجھ سے سیکھو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے راستہ مقرر کیا ہے کہ عمارہ کواری سے ساتھ نہ لے کر اس کا غم سودرے لگاتا اور سال بھر کے لیے جلا وطن کرنا اور بیابا ہوا بیابا کے ساتھ اُترنا لڑنے تو اس کا غم سودرے لگاتا اور نہ مار کرنا ہے حضرت علیؑ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے میں کہتا ہوں لوگوں کو اس حدیث میں اشتباہ ہوا اور اس حدیث و رسول اللہ ﷺ نے عیب کو نہ مار کرنے اور اس کے درے نہ لگانے کے ساتھ مخالف سمجھا میرے نزدیک یہ حدیث آپ ﷺ سے فعل سے متناقض نہیں ہے اور آیت عام ہے مگر امام کورجم اور سودروں کے وادب ہونے کی صورت میں صرف رجم پر اقتصار نہ ہوتا ہے اور اس کا حال ایسا ہے جیسے غم میں قصر کرنا کہ اگر پوری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے مگر قصر کرنا سنت ہے اور یہ اس واسطے مقرر کیا گیا کہ رجم بڑی چارہ سزائے اور اس سے جو کم سزائے وہ اس میں شامل ہے اور اس بیان سے اس حدیث اور حضرت علیؑ سے اس پر عمل کرنے اور آئندہ سے عمارہ آپ ﷺ کے فعل میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رجم پر اقتصار کیا ہے و سنت ہے رجم کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے درے لگانے کا حکم دیا پھر کسی نے اس کا محسن نہ ثابت کیا تو آپ ﷺ نے عمارہ لڑا اور نہ مار کر دیا گیا کیونکہ درے لگانے پر اقدام کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہرزائی

کے درے لگانا درست ہے اور میرے نزدیک جلاء وطن کرنے میں عفو کا احتمال ہے اور آثار میں تطبیق کی یہی صورت ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب ماعز بن مالک نے آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے آپ مجھے پاک کر دیجیے تو حضور نبوی ﷺ نے فرمایا شاید تو نے بوسہ لیا ہو گا یا اس کی طرف دیکھا ہو گا تو ماعز نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نہیں تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ دخول کیا تو ماعز نے جواب دیا ہاں! پس آپ نے ماعز کے سنگسار کرنے کا حکم دیا، میں کہتا ہوں حد مارنے میں احتیاط کا مقام ہے اور زنا کا اطلاق شرمگاہ کے سوا پر بھی آیا کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ زبان کا زنا یہ ہے اور پیر کا زنا یہ ہے لہذا ایسی صورت میں اس کا ثابت کرنا اور اس کی تحقیق ضروری ہوئی، معلوم کرو کہ جو شخص زنا کا اقرار کرتا ہے اور حد قائم کرنے کے لیے اپنی جان کو سپرد کرتا ہے اور گناہوں سے توبہ کرنے والا مثل بے گناہ کے ہے اس پر حد نہ لگانی مناسب تھی، مگر یہاں کئی سبب اس پر حد قائم کرنے کے مقتضی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر توبہ کے ظاہر کرنے اور اقرار کر لینے سے حد دفع ہو جاتی ہے تو ہر زانی امام کے مواخذہ کی خبر پا کر اقرار کے حیلہ سے حد کو دفع کر سکتا تھا، اور اس میں مصلحت کا مناقضہ ہے دوسرے یہ ہے کہ توبہ کا مل طور سے اسی وقت ہوتی ہے جو ایک فعل سے جو نہایت شاق ہو کہ بجز مخلص کے کسی سے عمل میں نہ آ سکے اس توبہ کی تقویت پائی جائے لہذا جب ماعز نے اپنی جان کو سنگسار کرنے کے لیے حوالہ کر دیا۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا القد قاب توبہ لو قسمت بین امة محمد لو سعتهم اور غامد کے ایک قبیلہ کی نسبت آپ نے فرمایا القد قاب توبہ لو قابها صاحب مکس يغفر له اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر صاحب مکس بھی توبہ کرتا تو بخشا جاتا اور بایں ہمہ گنہ کا پردہ کرنا مناسب ہے چنانچہ آپ نے ہزال سے فرمایا لو سترته بثوبك لكان خيرا لك کہ اگر اپنے کپڑے سے اس کو چھپاتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا اور نیز یہ بات مناسب ہے کہ اس کو فیما بینہ و بین اس قدر توبہ کرنے اور حد کے دفع کرنے کے لیے حیلہ کرنے کا حکم دیا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا زنت امة احدكم فيستبين زناها فليجلدها الحد ولا يثرب عليها ثم ان زنت فليجلدها الحد ولا يثرب عليها تم میں سے جب کسی کی کنیز زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس کو باندی پر حد لگانا چاہیے اور صرف اس کی تو بیخ نہ کرے پھر اگر زنا کرے تو اس پر حد لگائے اور تو بیخ پر اکتفا نہ کرے میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کو شرعاً اپنے حرم پر معاصی کر کے دور کرنے کا حکم ہے اور یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اگر امام ہی کے سامنے حد مقرر ہوتی تو بہت سی صورتوں میں سید حد کو قائم نہ کر سکتا اور مال و اسباب کی حفاظت نہ ہو سکتی اور اگر حد کی کوئی مقدار مقرر نہ ہوتی تو ظالم ہلاکت تک نوبت پہنچا سکتا تھا یا حد سے زیادہ تکلیف دے سکتا تھا۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لایثرب۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اَقِيلُوا ذَوَالْحَيَاتِ عَشْرَاتِهِمْ
الاالحدود۔ ذوالحیات سے حدود کے سوا اور لغزشیں معاف کر دیا کرو میں کہتا ہوں ذوالحیات سے صاحب مروت لوگ مراد ہیں یا تو
بایں طور کہ کسی شخص سے صلاح دین کی امید ہوتی ہے اور اس شخص سے عادت کے خلاف لغزش کے طور پر کسی امر میں کوتاہی ہو جاتی
ہے پھر اس کو ندامت ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اس سے درگزر کرنا مناسب ہے یا وہ شخص خاندانی اور لوگوں میں معزز اور
صاحب رعب ہوتا ہے پس اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ میں اس کو سزا دی جائے تو اس میں عداوت اور لوگوں کی بغاوت اور امام میں
اختلاف کرنے کا دروازہ مفتوح کرتا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اس کے متحمل نہیں ہوتے مگر اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی باز پرس نہ کی

جائے بجز اس صورت کے کہ کوئی سبب شرعی جس سے حد منفع ہوتی ہے پائی جاتی ہے اور اگر حدود کے اندر ہی درگزر کی جائے تو مصلحت فوت ہوتی ہے اور حدود کا فائدہ فوت ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے باب میں جو پیدائش کے اعتبار سے نحیف الجثہ ہو اور زنا کرے فرمایا ہے **حدولہ غتکالا فیہ مائۃ شمر اخ فاضربوبہ ضربۃ** اس کے لیے ایک بڑی سی ڈالی جس میں ایک سو لمچیاں ہوں لے کر اس کو مارو معلوم کرو کہ جو کوئی ضعیف الجثہ ^① ہونے کے سبب سے اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اس پر حد قائم کی جائے۔ اگر ایسے شخص سے بالکل باز پرس نہ کی جائے تو حدود کے استحکام میں نقص لازم آتا ہے اس لیے کہ شرائع لازمی جن کو اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ خلقی امور کے مقرر کیا ہے ان کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ موثر بالخاصیت کی طرح سمجھی جائیں اور لوگ نہایت مضبوطی سے ان کو مانیں اور نیز جس چیز میں تمہوری ہی تکلیف اور آسانی ہے اس کے پھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے لواطت کی حد میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ زنا کی قسم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی سزا قتل ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم لوط علیہ السلام کی قوم کا کام کرتے دیکھو تو قتل اور مفسول بہ قتل کر دیا اللہ پاک فرماتا ہے **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ يَأْتُوا بِزَنَافَةٍ شُهَدَاءَ فَاَجْلِدُوهُمْ ثَمَانِیۃَ جَلْدَہٗ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَہَادَۃً اَبَدًا وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوْا** **مِّنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** جو لوگ کہ بیای عورتوں کو تہمت باڑتا کرتے ہیں پھر وہ متہم لوگ چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کے اسی کوڑے مار دو اور آئندہ کو کبھی ان کی گواہی مت قبول کرو اور وہی تو فاسق لوگ ہیں مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور انہی باتیں اختیار کیں تو بلا شک اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے اور اس پر اجماع ہے کہ محسن مردوں کو بھی مصنات کا علم ہے اور محسن کی تعریف یہ ہے کہ حر ہو اور مکلف مسلمان اور ایسے جماع سے پاک ہو جس پر حد قائم کی جاتی ہے معلوم کرو کہ یہاں دو باتیں متعارض پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زنا ایک عظیم گناہ ہے جس کا منانا اور اس پر حد قائم کرنا اور اس پر مواخذہ کرنا ضروریات سے ہے۔ اور اسی طرح زنا کی طرف نسبت کرنا بھی ایک بڑا گناہ ہے اور اس کے اندر ایک بڑی عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے جس پر حد کا قائم کرنا ضروری ہے اور چونکہ قذف کو زنا پر شہادت دینے کے ساتھ مشابہت ہے پس اگر کسی قاذف کو قائم کرنے کے لیے گرفتار کیا جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں زنا کا گواہ ہوں اور اس میں قذف کا بطلان لازم آتا ہے اور جو شخص زنا کا گواہ ہے ^② وہ دھماکہ یہ کہہ کر اس سے پیچھا پھڑا سکتا ہے کہ یہ زنا کی تہمت لگاتا ہے اور خود یہ حد کا مستحق ہے پس جب سیاست امت کے وقت ان دونوں حدوں میں فی الجملہ تعارض ہوا تو ایک ظاہری امر سے ان دونوں کی تمیز ضروری ہوئی اور وہ امر مجرین کی کثرت کہ جب مجرین کی کثرت ہوئی تو گواہی اور راست کوئی کا گمان قوی ہوا اور تہمت کا گمان ضعیف ہو گیا اس لیے کہ تہمت میں دو باتوں کا اجتماع ہوتا ہے ایک تو دین کے اندر ضعیف دوسرے مقتدوف ^③ کے ساتھ عداوت کا ہونا اور ان دونوں صفتوں کا مسلمانوں کی ایک جماعت میں جمع ہونا بعید ہے اور شاید یہی عادل پر اتقانہ کیا گیا اس لیے کہ عدالت تمام حقوق میں معتبر ہے پس تعارض کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا اور کثرت کا نصاب

① نیک الجثہ زانی لی حد ② جس نے برخلاف گواہی دی جائے۔

③ جس پر زنا کی تہمت لگائی جائے۔

شہادت سے دو چند کے ساتھ انضباط کیا گیا اور حد قذف اسی درے مقرر کیے اس لیے کہ زنا سے بہر حال اس کی معصیت کم ہے اس لیے کہ ایک گناہ کا مشہور کرنا بمنزلہ اس کے کرنے کے نہیں اور حد زنا میں ایک مقدار ظاہری سے کمی کا انضباط کیا گیا، یعنی بیس سے کیونکہ وہ عدد سو کا پانچواں حصہ ہے اور اس حد کا تہمیشہ کے لیے گور ہے گا، قبول نہ کرنا اس لیے مقرر کیا گیا کہ سابقاً بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ تکلیف کی دو قسمیں جسمانی اور نفسانی اور شرع نے جملہ حدود میں ان کے جمع کرنے کا لحاظ کیا مگر حد زنا کے ساتھ جلا وطن کرنے کا اعتبار کیا گیا اس لیے کہ زنا حکام کی حکومت اور اولیاء کی غیرت کے وقت میں اسی وقت متصور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں باہم میل جول اور اتحاد اور الفت ہو تو اس کے مناسب سزا یہی ہے کہ اس فتنہ کے مقام سے زانی کو نکال دیا جائے اور حد قذف کے ساتھ عدم قبول شہادت کو جمع کیا گیا اس لیے کہ قذف میں بھی ایک جزو دینا ہوتا ہے، پس قاذف کو اسی عار سے سزا دی گئی جو اس کی معصیت کے قبیلہ سے ہے اس لیے کہ قاذف کی شہادت نہ قبول کرنا اس کے لیے ایک سزا ہے اور باقی گنہگاروں سے بسبب عدالت اور رضامندی کے فوت ہونے کے سبب سے نہیں قبول ہوتی، اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں کہ قاذف کہہ سکتا ہے کہ میں گواہ ہوں پس تہمت کا باب اسی طرح مسدود ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے اس نے حجت کی تھی ایسی ہی چیز سے اس کو سزا دینی چاہیے اور حد خمر میں تو بیخ بھی مقرر کی گئی ہے اور آیت الا الذین میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء عدم قبول شہادت کی طرف راجع ہے یا نہیں اور ہمارے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب فسق کی انتہاء ہوئی تو اس کا اثر اور اس کی سزا بھی منتہی ہونی چاہیے اور خلفاء نے حد زنا کے اندر غلاموں کے لیے نصف سزا دینے میں اس کا اعتبار کیا ہے اللہ پاک فرماتا ہے السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءُ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ چرانے والے اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو یہی جزا ہے ان کے کیے کی عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے، معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ وحی کے بیان کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے لتبيننه للناس۔ البتہ بیان کرو گے تم اس کو لوگوں کے لیے اور مال غیر کے لینے کی کئی صورتیں ہیں، چوری، رہزنی، اچکنا، خیانت، کسی کی پڑی ہوئی چیز اٹھا لینا، غصب اور ایک وہ جس کو قلت مبالغات^① اور کم احتیاطی کہتے ہیں، پس ضرور ہوا کہ رسول اللہ ﷺ چوری کی حقیقت کا بیان فرمائیں تاکہ ان امور سے تمیز حاصل ہو، پس تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذاتیات کی طرف نظر کی جائے جو چوری میں نہیں پائی جاتیں اور لوگوں کے عرف میں اس سے امتیاز حاصل ہوتی ہے، پھر چند امور منضبطہ معلومہ کے ساتھ چوری کی حقیقت کا انضباط کیا جائے جس کے سبب سے سب سے اس کو تمیز ہو جائے، پس رہزنی اور غارتگری اور حربہ کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جو بہ نسبت مظلوم کے ظالم کو اپنی قوت پر اعتماد اور ایسے مکان یا زمانہ کے اختیار کرنے کی خبر دیتے ہیں جن میں وہ مظلوم مسلمانوں کی جماعت سے فریاد نہیں کر سکتے اور اچکنا لوگوں کے روبرو اور ان کے دیکھتے سنتے کسی چیز کے لے جانے کی خبر دیتا ہے اور خیانت میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں پہلے شرکت یا بے تکلفی اور باہمی ایک دوسرے کے مال میں بھی تصرف وغیرہ رہا ہے اور پڑی چیز کے اٹھا لینے سے ایسی چیز کا اٹھا لینا معلوم ہوتا ہے جو کسی کی حفاظت میں نہ تھی اور غصب میں

① قلت: کم مبالغات: ذر حد کم احتیاطی

مظلوم پر ظالم کا ایسا غلبہ معلوم ہوتا ہے جس کا مدار بھاگنے یا لڑنے پر نہیں ہوتا بلکہ زبان زوری اور اس بات کے گمان پر اس کا مدار ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ حکام تک نہ پہنچے گا اور حقیقت حال ان پر ظاہر نہ ہوگی اور قلتِ مبالغات اور بے احتیاطی کا اطلاق ان ادنیٰ چیزوں کے استعمال پر ہوتا ہے عرف میں جن کے برتنے اور باہمی معاونت کا ان چیزوں میں دستور جاری ہے جیسے پانی و ایندھن وغیرہ لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے ذاتیات سے امتیاز کا انضباط فرمایا ہے۔

اور فرمایا: لا تقطع يد السارق الا في ربع دينار. کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں اور ایک روایت میں آیا ہے۔ القلع فيما بلغ ثمن المجن. یعنی مال مسروقہ اتنا ہو جو ڈھال کا ثمن ہو سکے تو ہاتھ کا قطع کرنا چاہیے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کے چرانے میں جس کا ثمن تین درہم تھا، چور کا ہاتھ قطع کیا، اور حضرت عثمانؓ نے ایک انزاع میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ قطع کروایا تھا، اور حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مقدمات میں اپنے زمانہ میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں پھر آپ کے بعد ان میں اختلاف ہوا اور ڈھال غیر منضبط ہونے کے سبب سے کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے پس باقی دونوں حدیثوں میں امت میں اختلاف ہوئی۔

بعض ربع دینار کے قائل ہوئے اور بعض میں درہم کے اور بعض نے اس مقدار کا اس طرح پر انضباط کیا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار تک مال پہنچ جائے اور میرے نزدیک یہی زیادہ تر ظاہر ہے اور اس مقدار کو رسول اللہ ﷺ نے ادنیٰ و اعلیٰ چیز میں فرق کر کے مقرر فرمایا ہے اس لیے کہ کوئی جنس خاص اندازہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی کیونکہ مختلف بلاد میں ایک چیز کا نرخ مختلف ہوتا ہے اور نیز اختلاف بلاد کے لحاظ سے نفاست و خست میں مختلف ہوتی ہیں پس جو چیز ایک قوم کے نزدیک مباح و ادنیٰ ہے دوسروں کے نزدیک وہی چیز قابل قدر مال ہوتا ہے لہذا ثمن کے اعتبار سے اندازہ کا لحاظ کرنا ضروری ہوا اور بعض کہتے ہیں دونوں کے اندر اندازہ کا اعتبار کرنا چاہیے اور لکڑی میں چور کا ہاتھ قطع نہ کرنا چاہیے اگرچہ لکڑیوں کی قیمت دس درہم ہو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا قطع في ثمر معلق ولا حرسية الجبل فاذا آواه المراح والجربين فالقطع فيما بلغ ثمن المجن. جو ثمار معلق ہیں ان میں قطع نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتے ہیں پس جب مویشی باز میں آجائیں اور جب اثمار کا ڈھیر لگا دیا جائے تو اگر ان کی قیمت ڈھال کے ثمن کو پہنچ جائے تو ان میں بھی قطع ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس بات کو بتا دیا کہ قطع کرنے میں حفاظت شرط ہے اور جو اس کا یہ سبب ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اس کے لینے کو التماس کہتے ہیں پس اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ليس على خائن ولا متهم ولا مختلس قطع خائن پر قطع نہیں ہے اور لوٹنے والے کے اور نہ اپنے والے پر میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو سمجھا دیا کہ چوری کے اندر پوشیدہ طور پر مال لینا شرط ہے ورنہ لوٹ لے کر لایا اچانا ہوتا ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ پہلے سے ان میں شرکت یا کوئی اور حق لازم نہ ہو ورنہ وہ خیانت یا اپنے حق کا اعتقاد ہوگا اور سچا ہے کہ مروی ہے کہ اگر غلام اپنے مولا کا مال چرائے تو وہ فرماتے ہیں انما هو مالك بعضه في بعض کہ وہ تیرا ہی مال ہے بعض بعض کے اندر اور رسول اللہ ﷺ نے چور کے باب میں فرمایا: لا قطع له ثم احموه کہ اس کا ہاتھ

قطع کرو پھر اس کو تیل میں داغ دے دو میں کہتا ہوں داغ دینے کا حکم اس لیے ہے کہ قطع کرنے کا حکم اثر نہ کرے اور وہ شخص ہلاک نہ ہو اس لیے کہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا اور رسول اللہ ﷺ نے چور کے لیے حکم کیا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا میں کہتا ہوں یہ شہرت دینے کے لیے کیا گیا تاکہ لوگ اس کا چور ہونا معلوم کر لیں اور ظلم اور حد کے قطع کرنے میں فرق ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس چوری میں جو نصاب سے کم ہو اس کو سزا دینے اور دو چند تاوان دینے کا حکم فرمایا ہے میں کہتا ہوں دو چند تاوان دینے کا حکم اس لیے دیا کہ چور کو اس کے اس فعل سے باز رکھنا اور اس کو مالی و بدنی سزا دینا ضرور ہے اس لیے کہ انسان کو بسا اوقات جسمانی تکلیف سے مالی تکلیف زیادہ تر باز رکھتی ہے اور بسا اوقات اس کے عکس ہوتا ہے اس لیے دونوں تکلیفیں جمع کی گئیں پھر اگر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم ہوتا تو چوری کرنا وہ کرنا برابر ہوتا اور کچھ سزا نہ ہوتی اس لیے دو چند تاوان دینے کا حکم کیا گیا تاکہ آئندہ کو کبھی چوری کا قصد نہ کرے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور پکڑا ہوا آیا اور اس نے چرانے کا اقرار کیا مگر اس کے پاس مال مسروقہ برآمد نہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو نے چوری نہیں کی ہے اس نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس سے یہی ارشاد فرمایا تب آپ نے اس کے ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک مرتبہ ایک مجرم گرفتار ہو کر آیا تو آپ نے فرمایا کہو کہ میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں اس نے کہا میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں تو آپ نے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی **اللّٰهُمَّ تَبَّ عَلَيْهِ** میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور وہ اس پر نادم ہے تو مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے حد اس پر سے دور کر دی جائے اور ہم اس کا حال پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ پاک فرماتا ہے **إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ**۔ الآیہ میں کہتا ہوں محاربت کا مدار ایک جماعتِ مظلومہ سے قتال کرنے پر ہوتا ہے اور چوری کی حد سے اس حد کے مقرر کرنے کا سبب زیادہ تر قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ بنی آدم کے مجمع میں خواہ مخواہ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن میں خصلتِ سبعی کا غلبہ ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سخت جرات اور قتال اور اجتماع کا مادہ ہوتا ہے اور قتل کرنے اور غارتگری میں بے باک ہوتے ہیں اور اس کا فساد چوری کے فساد سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ چوروں سے اپنے مالوں کو محفوظ رکھ بھی سکتے ہیں مگر رستوں کے چلنے والے رہزنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور نہ حکام لوگ اور مسلمانوں کی جماعت اس مکان اور اس وقت میں ان کی مدد با آسانی کر سکتی ہے اور نیز قطاع الطریق کو جو ارادہ ان کے فعل پر آمادہ کرتا ہے وہ زیادہ تر سخت و مستحکم ہوتا ہے اس لیے کہ رہزن وہی شخص ہوتا ہے جو بڑا دلیر اور قوی الجسہ شخص ہو اور نیز ان لوگوں کا باہم اجماع و اتفاق رہتا ہے بخلاف چوروں کے لہذا ضروری ہوا کہ رہزن کی سزا چور کی سزا سے زیادہ تر سخت مقرر کی جائے اور اکثر کے نزدیک سزا میں ترتیب کرنی چاہیے اور وہ قول اس حدیث کے موافق ہے **لَا يَقْتُلُ الْمُؤْمِنُ الْإِحْدَى ثَلَاثًا**۔ الحدیث اور بعض کے نزدیک سزا کے اندر اختیار ہے اور یہ قول لفظِ اد کے مناسب ہے اور میرے نزدیک جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الْمَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ** اس میں دو علتوں کے جمع کر دینے کا احتمال پایا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر علت حکم کے مفید ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں دو علتوں کو جمع کیا ہے **لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنِ عَوْرَتِهِمَا يَحْدِثَانِ**۔ دو شخص پاخانہ کے لیے اپنا ستر کھولے ہوئے باتیں کرتے ہوئے باہر نہ

جائیں! پس ستر کا کھولنا اعت کا سبب ہے۔ اور باتیں کرنا بھی ایسی حالت میں اللہ پاک فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَهُونَ؟

”اے ایمان والو! شراب و جو اور بت اور تیرنا پاک چیزیں ہیں شیطان کے کام سے پس اس سے پرہیز کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ! شیطان کا یہی ارادہ ہے کہ تم میں شراب اور جوے کے اندر عداوت اور بغض ڈالے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے پھر کیا تم باز رہنے والے ہو۔“

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ شراب میں دو قسم کی برائی ہے ایک تو لوگوں کے لیے برائی ہے کہ شراب انہیں لوگوں سے لڑتا جھگڑتا اور ان کو ستاتا ہے اور ایک برائی کا انجام اس کی تہذیب نفس کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ شراب انہیں حالت بکمی کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اس کی عقل جس پر نیکی کا مدار ہے زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ تھوڑی شراب بہت سی شراب کا شوق دلاتی ہے لہذا سیاست امت کے لحاظ سے ضرور ہوا کہ حرمت کا مدار اس کے نشہ آور ہونے پر کیا جائے اور فی الحال نشہ کے موجود ہونے کا نہ کیا جائے پھر آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ شراب کیا چیز ہے اور فرمایا یا کل مسکر خمر وکل مسکر حرام ہر چیز نشہ آور شراب ہے اور چیز نشہ آور حرام ہے اور فرمایا کہ شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے چھوڑ دو انگور اور ان دونوں کی اس ملک کی حالت کے اعتبار سے ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ضرر اور تبع کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مزرابل یمن کی شراب ہے جو جوہر سے بنتی ہے اور تبع اس شراب کو کہتے ہیں کہ جو بنید غسل سے تیار کی جاتی ہے) اور آپ نے فرمایا اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ جو چیز بہت سی نشہ آور ہو وہ تھوڑی حرام ہے میں کہتا ہوں یہ سب احادیث مستقیمہ ہیں اور میں اس بات کو نہیں جانتا کہ شراب انگوری اور کسی اور شراب میں کیا فرق ہے کیونکہ شراب کی حرمت ان مفاسد کے سبب سے نازل ہوئی ہے جن کی قرآن پاک میں تصریح کی ہے اور وہ سب مفاسد سب قسم کے شرابوں میں بدستور پائی جاتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من شرب الخمر فی الدنیا فمات وهو ید منها لم یتب لم یشر بہا فی الآخرۃ پس کسی نے دنیا میں شراب پی اور شراب کا مادی ہو کر بغیر توبہ کیے مر گیا تو آخرت میں شراب نہ پئے گا میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جو بولی صفت بکمی میں فرق ہو گیا اور صفت احسان سے اس نے بالکل پشت پھیر لی جنت کے لذائذ سے وہ شخص محروم رہے گا پس شراب کا پینا اور اس کا مادی ہو جانا اور اس سے تائب نہ ہونا قوت بکمی میں مستغرق ہونے کا سبب گردان کر اس پر حکم دیا کہ اگر وہ یا کیا اور جنت کے لذائذ میں سے شراب کو مخصوص کیا گیا تاکہ ظاہر میں دونوں لذتوں کی مخالفت محسوس ہو جائے اور نیز جب نفس کو لذت بکمی نے اندر کسی فعل سے ضمن میں انہماک ہوتا ہے تو وہی فعل اس لذت کا اس شخص کے نزدیک صوت مثالیہ ہو جاتا ہے جس کے یاد کرنے سے اس کو یاد کر لیتا ہے پس وہ شخص اس بات کا متحقق نہیں ہے کہ احسان کی لذت اس کے لیے ظاہر ہو اور نیز فعل کی سزا اس سے مناسب ہوا کرتی ہے پس جس شخص نے ایک چیز پر اقدام کیا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی خواہش اور امید کے وقت اس

لذت کے معدوم کرنے سے اس کو تکلیف دی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ان علی اللہ عهدا لمن شرب المسکر ان یسقیہ من طنیه الخبال عصارة اهل النار اللہ تعالیٰ پر اس بات کا عہد ہے کہ جو شخص نشہ پئے گا اس کو اللہ طنۃ الخبال پلائے گا، دوزخیوں کا نچوڑ ہے، میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ پیپ اور خون اشیاء بننے والوں میں سے بدترین اور حقیر ترین اور سخت ترین اشیاء ہیں باعتبار نفرت طبیعت سلیمہ کے اور شراب بننے والی چیز ہے اور مشابہ پیپ کے ہے صورت خیالیہ میں جیسا کہ منکر نکیر کے باب میں علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی رنگتیں نیلگوں ہوتی ہیں اس لیے عرب اس رنگت سے بیزار ہیں جیسا کہ خواب میں بعض چیزیں انسان کو دکھائی دیتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من شرب الخمر لم یقبل اللہ له صلوٰۃ اربعین صباحا فان تاب تاب اللہ علیہ۔ شراب الخمر کی چالیس دن کی صبح کی نماز اللہ تعالیٰ نہیں قبول کرتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ پاک بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کی نماز قبول نہ ہونے میں یہ راز ہے کہ صفت بہیمیہ کا ظاہر ہو جانا اور ملکیت پر معصیت الہی کے مرتکب ہونے سے اس کا غالب ہو جانا اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنا اور اپنے نفس کا ایک حالت خواری میں جو صفت احسان کے بالکل منافی اور مخالف ہے، مستغرق کر دینا ہے جس کے سبب سے نماز کا نفع اس کے حق میں جاتا رہتا ہے اور جب شراب پینے والا آنحضرت ﷺ کے پاس گرفتار ہو کر آتا تھا تو آپ اس کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور جوتیوں اور کپڑا اور ہاتھ سے اس کو مار پیٹ کی جاتی تھی یہاں تک کہ چالیس ضربہ اس کے لگتے تھے پھر آپ فرماتے تھے کہ اس کو ڈانٹ بتاؤ تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو ایسی ایسی باتیں کہتے تھے کہ تو نے اللہ کا خوف نہیں کیا تو تو اللہ سے نڈر ہو گیا اور تو نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ حیا نہ کی اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ پر ماری، میں کہتا ہوں بہ نسبت اور حدود کے اس حد کے کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اور معاصی میں اسی وقت فوراً خرابی موجود ہوتی ہے مثلاً وہ شخص کسی کا مال چراتا ہے یا رہبری کرتا ہے یا چوری کرتا ہے یا کسی کو زنا کی طرف منسوب کرتا ہے اور شراب پینے میں فساد کا احتمال ہے مگر بالفعل فساد موجود نہیں ہوتا اس واسطے سو سے کم شراب کی حد مقرر کی گئی اور آنحضرت ﷺ چالیس درہ اس واسطے مارتے تھے کہ اس میں قذف کا احتمال ہے اور جو ایک چیز کا مظنہ ہوتا ہے وہ اس شے سے بمنزلہ نصف کے ہوتا ہے پھر جب فساد زیادہ ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی درہ شراب کی حد مقرر کیے یا اس واسطے کہ کتاب الہی میں جس قدر حدود مذکور ہیں اسی کی مقدار ان سب میں ادنیٰ درجہ کی ہے پس جس حد کی قرآن کے اندر تصریح نہیں کی گئی ادنیٰ درجہ کی حد سے وہ حد کم نہ ہونی چاہیے یا اس واسطے کہ شراب پینے والا اگر خود زنا یا قتل نہیں کرتا ہے تو اوروں کو اکثر زنا کی طرف منسوب کرتا ہے اور اکثر کو حکم یقین کا ہوتا ہے اور تو بیخ کرنے کا بھیہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم سے پیشتر لوگ اسی واسطے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر ناتوان آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی چوری کرے تو بلاشبہ میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کی سفارش حدود الہی میں سے کسی حد کی نسبت پائی گئی اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی، میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم تھی کہ خاندانی لوگوں کی عزت کا محفوظ رکھنا اور ان کے ساتھ درگزر کرنا اور ان کو بچانا اور ان کے معاملہ میں سفارش کرنا ہمیشہ سے امتوں میں چلا آتا ہے اور تمام اولین اور آخرین اس بات کے پیرو ہیں لہذا آنحضرت ﷺ نے اس

کی نسبت بہت تاکید کی اور اہتمام کیا اس واسطے کہ شرفاء کی سفارش اور ان سے درگزر کرنا ان حدود کی مخالفت کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے محدود پر لعنت کرنی اور اس میں واقع ہونے سے نہی فرمائی ہے تاکہ اس سبب سے حد کے قائم کرنے سے لوگ باز نہ رہیں اور اس واسطے کہ حد گناہ کا کفارہ ہے اور جب ایک شے کا کفارہ سے متدارک ہو گیا تو وہ شے کا لہدم ہو گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّهُ لَفِي اَنْهَارِ الْجَنَّةِ مَتَغَمَّسٌ بِهَا** قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ جنت کی نہروں میں ڈوبا ہوا ہے اور حدود کے ساتھ دو قسم کی زجر اور بھی ہوتی ہے ایک تو دین کی جنگ عزت کی سزا اور ایک امامت سے روکنا پہلے کی دلیل یہ حدیث ہے **مَنْ بَدَلَ دِيْنَهُ فَاَقْتُلُوْهُ** جو شخص اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر ڈالو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے باہر ہونے کی سزا میں سخت ملامت کا قائم کرنا ضروری ہے ورنہ دین کی جنگ کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور اللہ کو یہ منظور ہے کہ ملت آسمانی بمنزلہ جلی امر کے ہو جائے جو جدا نہیں ہو سکتا اور ارتداد اسی بات سے ثابت ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یا رسولوں کی نفی یا کسی رسول کی تکذیب پر دلالت ہو یا ایسا فعل جس سے دین کے ساتھ صراحتاً استہزاء مقصود ہو اور اسی طرح ضروریات دین کے انکار سے ارتداد ثابت ہوتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے **وَطَعَنُوا فِي الدِّينِ** اور انہوں نے دین کے اندر عیب نکالا اور ایک یہودیہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ برا بھلا کہا کرتی تھی تو ایک شخص نے اس کا گلا دبا دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی آپ نے یہ خبر سن کر اس کے خون کو ہر کر دیا اس لیے کہ دین اسلام میں عیب جوئی اور مسلمانوں کی ظاہری ایذا رسانی سے عہد منقطع ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **اَنَا بَرِيٌّ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُّقْبِمٍ بَيْنَ اَظْهَرِ الْمُشْرِكِينَ لَا يَتْرَايَا نَارَهُمَا** جو مسلمان مشرکین کے اندر بے ہیں میں اس سے بیزار ہوں وہ دونوں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھنے پائیں میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اختلاط کرنا اور ان کے گروہ کو بڑھانا بھی ایک قسم کی مدد ہے پھر آنحضرت ﷺ نے کفار کی بستیوں سے دور رہنے کو اس طرح پر منضبط فرمایا کہ اگر ایک فریق کے شہر یا محلہ میں اگر کسی بلند جگہ پر آگ روشن کی جائے تو دوسرے فریق کو ظاہر نہ ہو اور دوسرے کی دلیل یہ آیت ہے **فَاِنْ بَغْتِ اِحْدَاهُمَا عَلٰى الْاُخْرٰى فَاَقْتُلُوا الَّذِي تَبَغٰى حَتّٰى تَنْفِىَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ** پھر ایک گروہ نے دوسرے پر بغاوت کی پھر جس نے بغاوت کی ہے اس پر مقاتلہ کرو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اِذَا بُوِيعَ اِلَى الْخَلِيْمَتَيْنِ فَاَقْتُلُوا الْاُخْرٰى مِنْهُمَا** اگر دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان دونوں میں سے دوسرے خلیفہ کو مار ڈالو میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ امامت ایسی چیز ہے کہ انسان کی طبیعت کا میان اس کی طرف ہوتا ہے اور مختلف ولایتوں میں لوگوں کے اندر کوئی نہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو امامت کی خاطر قتال پر اس کو جرأت ہوتی ہے اور کچھ لوگ اس کے بھی مددگار ہوتے ہیں پس اس کو اگر ملی حال چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے تو وہ ضرور خلیفہ کو قتل کرے پھر کوئی اور اس سے قتال کرے اور وہ اس کو قتل کرے اعلیٰ بذالقیاس مسلمانوں میں فساد عظیم برپا ہو پس اس مفسدہ کے انسداد کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں میں اس کے متعلق ایک طریقہ مقرر کیا جائے کہ جب ایک خلیفہ مقرر ہو جائے پھر دوسرا شخص اس میں جھگڑا کرنے کے لیے آمادہ ہو تو اس کا قتل روا ہے اور اس کے مقابل میں خلیفہ کی مدد کرنا مسلمانوں کو ضروری ہے پھر اس کے بعد وہ شخص ہے جو اپنی ذات یا کتبہ سے کسی ظلم کے دفع کرنے کے ارادہ سے تاویل شرعی خلیفہ پر خروج کرے یا خلیفہ کے اندر کوئی نقصان ثابت کرے اور دلیل شرعی سے اس پر محبت

کرے اور جمہور مسلمانوں کے نزدیک وہ دلیل مسلم نہ ہو اور نہ وہ اللہ کا ایسا حکم ہو جو برہان قطعی سے ثابت ہو جس کا انکار نہ کر سکیں پس اس شخص کا حال اس شخص سے کم درجہ پر ہے جو ملک میں فساد پھیلانے کی غرض سے خروج کرے اور شرع کو چھوڑ کر تلوار کو حکم قرار دے یہ دونوں شخص ایک مرتبے کے نہ ہونے چاہئیں اس لیے امام کو لازم ہے کہ اس مفسد کی طرف کسی دانا عالم کو نصیحت کے لیے بھیجے تاکہ اس شبہ کو دور کرے یا اس سے ظلم کو دفع کرے جس طرح امیر المومنین حضرت علی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ہروریہ کو روانہ کیا پس اگر وہ شخص مسلمانوں کی جماعت کی طرف رجوع کرے فبہا ورنہ امام کو اس سے قتال کرنا چاہیے۔ مگر ان میں سے جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب کر کے قتل نہ کرنا چاہیے اور نہ اس کے قیدی قتل کرنے چاہئیں اور جو شخص زخمی ہو جائے اس کو بھی پھر قتل نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مقصود دفع شر اور ان کی جماعت کا پراگندہ کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا اور دوسرا شخص محاربین میں سے ہے اور اس کا حکم محارب کا حکم ہے۔

قضا کا بیان

معلوم کرو کہ جن حاجات کا بکثرت وقوع ہوتا ہے اور جن کا فساد سخت ہوتا ہے وہ لوگوں کے باہمی مناقشات میں وہی مناقشات عداوت اور بغض اور باہمی فساد کے باعث ہوتے ہیں اور انہیں سے حق تلف کرنے اور دلیل کے نہ ماننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ ہر طرف میں ایک ایسا شخص مقرر کیا جائے جو شرع کے موافق ان کے مقدمات کو فیصلہ کرے اور اس فیصلہ پر عمل کرنے پر خواہ مخواہ ان کو مجبور کرے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قضاۃ کے بھیجنے کا نہایت اہتمام رہا پھر آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور تمام مسلمانوں میں اس بات کا اہتمام رہا پھر چونکہ لوگوں کے فیصلہ کرنے میں ظلم اور جور کا احتمال ہے لہذا ضروری ہوا کہ لوگوں کو فیصلہ کے اندر نا انصافی کرنے سے خوف دلایا جائے جن کلیات کی طرف احکام کا رجوع ہوتا ہے وہ منضبط کیے جائیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین جو شخص لوگوں کے اندر قاضی مقرر کیا گیا بلاشبہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا میں کہتا ہوں اس سے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بیان کیا کہ قضا نہایت بھاری بوجھ ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاکت کا خطرہ ہے۔ الا ماشاء اللہ

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من ابتغی القضاء وسئل وکل الی نفسه ومن اکره علیہ انزل الیہ ملکاً یسدہ جو شخص قضا کا طالب ہو اور اس کی درخواست کرے تو وہ شخص اپنی ذات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور جو شخص زبردستی قاضی بنایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل کرتا ہے کہ جو اس کی اصلاح کرتا رہتا ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جو شخص حکومت کا طالب ہوتا ہے غالباً مال یا جاہ کی خواہش یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت کا حاصل ہونا وغیرہ اس کا منشا پڑتا ہے پس اس شخص سے خلوص نیت جو نزول برکات کا سبب ہے نہیں پائی جاتی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے القضاۃ ثلثۃ احد فی الجنة واثنتان فی النار الحدیث قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنتی اور دوزخی ہیں جنتی وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے اور اسی کے موافق حکم دے اور جو شخص حق کو پہچان کر حکم دینے میں ظلم کرے وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جو جاہل ہو کر حکم دے وہ بھی دوزخی ہے میں

کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قاضی ہونے کے قابل وہ شخص ہے جو عادل ہو اور ظلم اور کسی کی طرف میلان سے پاک ہو اور اس کی یہ بات لوگوں میں مشہور ہو اور نیز وہ شخص عالم ہو جو احکام فقہ خاص کر مسائل قضا سے واقف ہو اور اس کا سبب ظاہر ہے اور وہ یہی سبب ہے کہ قاضی کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان باتوں کے غیر متصور ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے لا یقضین حکم بین اثنین وهو غضبان کوئی بیچ غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے مابین فیصلہ نہ کرے میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جب ایک شخص کا دل غصہ کی حالت میں مشغول ہے تو وہ شخص دلائل اور قرائن کے معلوم کرنے میں پورے طور پر غور نہ کر سکے گا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد فاحطاً فله اجر واحد جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد کرے پس اس کا اجتہاد ٹھیک جا پڑے تب تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر فیصلہ کرے اور اجتہاد کرنے میں وہ چوک جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اجتہاد کے معنی حتی الوسع دلیل تلاش کرنے میں کوشش کرنے کے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف بقدر وسع کے ہے اور انسان کے وسع میں اس قدر ہے کہ حتی المقدور دلیل تلاش کرے باقی رہا حق کو پہنچ جانا سو یہ ہرگز اس کے بس میں نہیں ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخِرِ فَانْهَ أَخْرَى اِنْ يَتَمَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ۔ جب دو شخص تیرے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو جب تک تو دوسرے کی بات نہ سن لے اس وقت تک پہلے کے موافق فیصلہ مت کر کیونکہ دونوں کی بات سننے سے حکم اچھی طرح ظاہر ہو سکتا ہے میں کہتا ہوں اس واسطے کہ دونوں کی دلیل کو ملاحظہ کرنے سے ترجیح ظاہر ہو سکتی ہے اور معلوم کرو کہ قضا کے دو درجے ہیں اول تو مدعی اور مدعا علیہ کے مقدمہ کی حقیقت حال کا معلوم کرنا اس کے بعد اس مقدمہ میں انصاف سے حکم دینا اور قاضی کو کبھی تو دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہ۔ ف ایک کی مثال اگر دو شخص ہیں اور ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ جانور میری ملک ہے اور میری ہی ملک میں پیدا ہوا ہے یا یہ پتھر میں نے پہاڑ سے اٹھایا ہے تو یہاں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے اور حضرت علی اور زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے مابین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لڑکی کی پرورش کے باب میں جو مقدمہ پیش تھا وہاں وہ مقدمہ ظاہر تھا صرف حکم دینا باقی تھا اور اگر ایک شخص دوسرے پر منصب کا دعویٰ کرے اور مال کی صورت متغیر ہو اور دوسرا انکار کرے تو اولاً حقیقت حال معلوم کرنے کی ضرورت ہو گی کہ وہاں منصب ہے یا نہیں اور اس کے بعد حکم دینے کی ضرورت ہو گی کہ بعینہ اس شے کے واپس کرنے کا حکم دیا جائے یا اس کی قیمت دینے کا اور رسول اللہ ﷺ نے قضا کے دونوں مقام کو قواعد کا یہ سے منضبط فرمایا ہے مقام اول میں تو گواہی اور قسم سے زیادہ مناسب دلیلی چیز نہیں کیونکہ حقیقت الحال بجز اس صورت کے نہیں معلوم ہو سکتی کہ یا تو کوئی شخص جو اس واقعہ میں موجود تھا اس کی خبر دے یا نہ دے۔ وہی مقدمہ والا ایسی تالیف سے اس کو بیان کرنے کے جس کے ساتھ کذب ہونے کا ظن نہ پایا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَوْ يَمْنَعُ النَّاسُ بَدْعُوهُمْ لِأَدْعَى نَاسٍ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلَكِنْ السَّيِّئَةُ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدْعَى عَلَيْهِ۔ اگر لوگوں کو صرف دعویٰ کرنے سے باایا جائے تو بلاشبہ لوگ آپس میں خون و مال کا دعویٰ کرنے لگیں مگر مدعی کے لیے بینہ اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے پس مدعی وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہر کے خلاف دعویٰ کر کے ایک نئی بات

ثابت کرتا ہے اور مدعا علیہ اصل کا پابند اور ظاہر سے دلیل پکڑتا ہے پس ایسی صورت میں بجز ایک بات کے کوئی صورت انصاف کی نہیں ہے کہ مدعی سے بینہ کا اعتبار کیا جائے اور جو ظاہر سے استدلال کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچاتا ہے در صورت مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کے اس شخص سے قسم لی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس قاعدہ کے مقرر ہونے کا سبب اشارۃً اس حدیث میں بیان فرمایا ہے

لَوْ يَعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ... الخ یعنی یہ نظام کا سبب ہے تو ایسی صورت میں حجت کا ہونا ضروری ہے پھر گواہ میں اس صفت کا ہونا معتبر ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ، گواہوں میں سے جس کو تم پسند کرو اور یہ صفت عقل اور بلوغ اور اس معاملہ کے ضبط اور گویائی اور اسلام اور عدالت اور مروت اور عدم تہمت سے ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لَا يَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِي غَمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَ يَرُدُّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لَاهِلِ الْبَيْتِ کہ نہیں درست ہے گواہی خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی نہ زانی اور زانیہ کی اور نہ اس شخص کی جو اپنے بھائی سے بغض رکھتا ہو اور جو شخص کسی کے گھر کا نوکر ہو اس کی گواہی روکی جائے گی اور اللہ جل جلالہ نے قذف کرنے والے کی نسبت فرمایا ہے وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا... الآية اور باقی کبار کو بھی زنا اور قذف کا ہی حکم ہے اس واسطے کہ خبر میں فی نفسہ صدقہ اور کذب کا احتمال ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو کسی قرینہ سے ترجیح ہوتی ہے اور وہ قرینہ یا تو مخبر میں ہوتا ہے یا اس میں جس سے خبر دی جاتی ہے یا کسی اور میں اور ان قرائن میں سے انضباط کے قابل جس پر حکم کا مدار کیا جائے بجز صفات مخبر کے کوئی چیز نہیں ہے البتہ ظاہر حال ملکیت اور ابقاء، مآکان علی مآکان قابل انضباط ہے مگر مدعی کے لیے بینہ اور مدعا علیہ کے لیے قسم مقرر ہونے میں اس کا اعتبار ہو چکا ہے اب رہی گواہوں کی تعداد ان اطوار مختلف کے اعتبار سے مقرر کی گئی جن کو شارع نے مختلف حقوق کے اندر رکھا ہے پس زنا کا ثبوت چار گواہوں سے ہو سکتا ہے یہ آیت اس کی دلیل ہے وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ يَأْتُوا بِزَعْمٍ شُهَدَاءَ، الآية اور ہم سابق میں اس کی مشروعیت کا سبب بیان کر چکے ہیں اور قصاص و حدود میں صرف مردوں کی گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس کی دلیل زہری رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے برابر یہ دستور جاری ہے کہ حدود میں صرف مردوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے اور حقوق باللہ میں ایک مرد اور دو عورت کی گواہی کا بھی اعتبار ہوتا ہے بحکم آیت فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور جناب باری تعالیٰ نے بجائے ایک مرد کے دو عورتوں کے مقرر کرنے کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى، ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلادے یعنی عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں پس عدد بڑھا کر اس کی کوپورا کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شاہد اور ایک قسم سے حکم دے دیا اس واسطے کہ شاہد عدل کے ساتھ اگر قسم بھی پائی جائے تو وہ امر ثابت ہو جاتا ہے اور گواہوں کے امر میں توسع ضروری ہے اور برابر سنت جاری ہے کہ اگر شاہدین میں قاضی کو کسی قسم کا تردد ہو تو بطور خود ان کا ترکیہ کر لے اس واسطے کہ ان کی گواہی کا اعتبار ان کی صفات کی وجہ سے ہے باعث سے ان کے صدق کو کذب پر ترجیح ہے پس ان کے صفات کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور یہ بھی برابر سنت جاری ہے کہ اگر شک ہو تو قسم کو زمانہ اور مکان اور لفظ سے خوب مضبوط کیا جائے اس واسطے کہ قسم صدق خبر کی

دلیل ہے قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے جس کے ساتھ خبر دینے والا کذب پر اقدام نہیں کر سکتا پس مناسب ہوا کہ اگر زیادہ شک ہو تو قرائن کو قوی کیا جائے لفظ کے اعتبار سے مضبوط کرنے کی یہ صورت ہے کہ اسماء و صفات زیادہ بیان کیے جائیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے **أَحْلَفَ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اور زمانہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ بعد العصر حلف کرے **بِأَمِّ آيَةٍ تَخْبِئُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ** اور جگہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں ہو تو رکن اور مقام میں کھڑا کر کے اس سے اظہار لیں اور اگر مدینہ منورہ میں ہو تو حضور نبویؐ کے منبر کے پاس کھڑا کر کے اس سے گواہی لیں اور شہروں میں مسجد کے منبر کے پاس کھڑا کریں کیونکہ ان مقامات کی فضیلت شرع سے ثابت ہے اور خصوصاً ان مقامات میں جھوٹ کہنے کا سخت گناہ ہے پھر اس بات کی حاجت پڑی کہ لوگوں کو اس بات سے نہایت خوف دلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ان حکام کی مخالفت کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدمات کے فیصل کرنے اور حقیقت حال کے معلوم ہونے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ان تربیات میں اصل تین چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جس فعل سے اللہ تعالیٰ نے نہایت شدت سے نفی فرمائی ہے اس پر اقدام کرنا قلت و رع اور اللہ تعالیٰ کے روبرو جرأت کرنے کی دلیل ہے پس ان اشیاء پر جرأت کرنے کا حکم دائر کیا گیا۔ اور جرأت کا اثر مثل وجوب دخول بنا اور تحریم جنت وغیرہ سے اس پر دائر کیا گیا دوسرے یہ کہ اس میں ظلم کی کوشش پائی جاتی ہے اور اس کا حال سرقہ اور رہبری یا چور کو چوری کی طرف رہبری کرنے یا رہن کو رہبری پر آمادہ کرنے کے مثل ہے لہذا اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت جو زمین میں فساد ڈالنے والوں کے متعلق ہوا کرتی ہے اس ماصی کی طرف متوجہ ہوئی اس لیے دوزخ کا مستحق ہوا اور تیسرے یہ کہ اس میں ان احکام کی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کے لیے مشروع کیا ہے مخالفت اور مرضی الہی کے موافق ان کے نہ جاری ہونے میں کوشش کرنا ہے کیونکہ قسم حق ظاہر کرنے کے لیے اور بینہ حقیقت حال بیان کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے پس اگر جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کا دستور جاری ہو جائے تو مسلمیت مقصود کا رازہ بند ہوتا ہے پس از انجملہ گواہی کا چمپانا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ يَكْتُمِبْهَا فَلَانَّهُ اِلَٰهٌ قُلْتُمْ** اور جو شخص اس کو چمپائے تو اس کا دل گنہگار ہے اور از انجملہ جھوٹی گواہی ہے آنحضرت ﷺ نے اس کو کہا میں شمار کیا ہے اور از انجملہ جھوٹی قسم ہے حدیث شریف میں آیا ہے **مَنْ حَلَفَ عَلَى بَيْمِنٍ صَرَّ وَهُوَ فِيهَا زَجَرٌ لِيَقْطَعَ بِهَا حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لِّىَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانِ** جو شخص جس کی قسم پر حلف کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو اور اس کا مقصود اس سے کسی مسلمان کا حق تلف کرنا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت پر ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گا اور از انجملہ جھوٹا دعویٰ ہے حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس دوزخ میں اپنے لیے جگہ احموندنی چاہیے اور از انجملہ باحق بکلم قضی کسی چیز کا لے لینا حدیث شریف میں آیا ہے **اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَاَنْتُمْ تَحْتَصِمُونَ** اللہ حدیث اور از انجملہ مقدمہ بازی کی عادت ڈال لینا ہے یہ بھی باہم فساد ڈالنے سے خالی نہیں ہے حدیث شریف میں آیا ہے **اِنْ اَبْعَثَ الرَّجَالَ اِلَى اللّٰهِ الدَّالِّخِصِمِ** مہتمم ترین لوگوں کا منہ اللہ وہ شخص ہے جو بڑا بھڑا لو ہے اور جو شخص حق اور باطل میں باطل خلاصت نہ کرے تو وہ شخص مفت ساحت کا پابند ہے اور آنحضرت ﷺ نے ترک خلاصت کی رغبت والی ہے اور نیز بااوقات حقیقت میں ایک شخص کا حق نہیں ہوتا اور اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا حق ہے پس یقیناً

عہدہ سے اسی وقت باہر ہو سکتا ہے کہ مختص کو بالکل ترک کر دے خواہ حق سے ہو یا ناحق ہو اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ دو شخصوں نے ایک حیوان میں دعویٰ کیا اور ہر ایک نے اس بات پر بینہ قائم کر دی کہ وہ جانور اسی کے ہاں پیدا ہوا ہے پس آنحضرت ﷺ نے وہ جانور اس شخص کو دلایا جس کے قبضہ میں تھا، میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جب دونوں جتوں میں تعارض ہو تو دونوں ساقط ہو گئیں اور جس کا قبضہ ہے اس کے پاس وہ شے باقی رہی کیونکہ اس کے رد کرنے کا کوئی سبب نہیں پایا گیا، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل کو قرینہ ظاہری یعنی قبضہ سے مدلل گئی لہذا اس کو ترجیح دی گئی، اب رہا قضا کا مقام ثانی، پس آنحضرت ﷺ نے چند اصول فرمائے ہیں جن کی طرف اس مقام کا رجوع ہوتا ہے اور مجملًا اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت حال معلوم ہو گئی تو اب نزاع ایسی شے میں جو اصل میں مباح ہے اور ہر شخص اس کا دعویٰ کرتا ہے، ایسے وقت میں اس کا حکم ترجیح کا ظاہر کرنا ہے خواہ وہ ترجیح کسی ایسی صفت سے ہو جس میں مسلمانوں کو اور نیز اس شے کو نفع ہو یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ بہ نسبت دوسرے کے پیشتر ہو یا قرعہ اندازی سے وہ ترجیح حاصل ہو جائے اس کی مثال ایک توزید و علی و جعفر رضی اللہ عنہما کا قبضہ ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے متعلق کہ آنحضرت ﷺ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطے پرورش کا حکم دیا الخالة ام خالہ ماں ہے دوسرے آنحضرت ﷺ نے اذان کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو اذان اور صبحِ اول کا ثواب معلوم ہو اور اس ثواب کو قرعہ اندازی کے بغیر حاصل نہ کر سکیں تو قرعہ اندازی کیا کریں اور نیز رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تھے ازواجِ مطہرات میں قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے اور ایک ترجیح کی صورت یہ ہے کہ بطور عقد یا غصب کے کسی کا قبضہ چلا آتا ہو اور ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں اس کا حقدار ہوں اور اس میں ہر ایک کو شبہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ لوگوں میں جو دستور و عرف جاری ہے اس کا اتباع کیا جائے اور اقرار اور عقد کے الفاظ کی تفسیر انہیں معنی سے کی جاتی ہے جو جمہور کے نزدیک اس کے معنی ہیں اور ضرر رسانی وغیرہ انہیں کے دستور سے معلوم ہو سکتی ہے اس کی مثال براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قضیہ ہے کہ ان کی اذنی کسی باغ میں جا پڑی اور اس نے باغ کا کچھ نقصان کر دیا اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہوا کہ میں معذور ہوں پس رسول اللہ ﷺ نے ان کی عادت کے موافق اس مقدمہ میں حکم دیا اور عادت و دستور یہ ہے کہ مالی دن میں اپنے مال کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور مویشی کے پالنے والے شب میں مویشی کی حفاظت رکھتے ہیں اور جن قواعد پر بہت سے احکام مبنی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ نفع تاوان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی اصل وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ آمدنی تاوان کے ساتھ ہے اس لیے کہ منافع کا انضباط دشوار ہے اور جاہلیت کے قسامات اور خون اور جو کچھ زمانہ جاہلیت میں ہوا اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا اور جاہلیت کے بعد از سر نو احکام قائم کیے جائیں گے اور قبضہ بلا کسی دوسری دلیل کے نہ توڑا جائے گا اور استصحاب یعنی ابقائے ما کان علی ما کان کی اصل یہی ہے اور یہ کہ ارتقائش کا طریقہ مسدود ہو جائے تو حکم وہ ہوگا جو مال والا چاہے گا یا دونوں واپس لے لیں گے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے البیعان ان اختلفا والسلحة قائمة الحدیث اور ہر عقد میں اصل یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے پورا پورا حق دلایا جائے اور عقد سے جو شخص جس چیز کا التزام کرے وہ اس پر لازم ہے بجز اس عقد کے جس سے شارع نے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے المسلمون علی شروطہم الا شرطاً احل حلالاً او حرم حلالاً۔

یہ قدرے ان احکام کا بیان ہوا جن کو آنحضرت ﷺ نے مقام ثانی کے متعلق شروع فرمایا ہے اور وہ قضایا جن میں حضور نبوی ﷺ نے حکم فرمائے ہیں یہ ہیں منجملہ ازاں ایک قضیہ بنت حمزہ جو شہ کی پرورش کے باب میں ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا بنت انخی رانا اخذتہا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا بنت عمرؓ و خاتہا حق اور زیدؓ نے فرمایا ہے بنت انخی اور کہا کہ خالہ تو بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ایک قضیہ ابن ولیدہ زمرہ کا دعوت کے باب میں ہے جیسا کہ سعدؓ نے کہا ہے کہ میرے بھائی نے اس میں البتہ میرے ساتھ عہد کیا ہے اور عبد ابن زمرہ ابن ولیدہ نے کہا کہ میرا باپ تو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسے زمرہ تیرے لیے ہے

الولد للفراش وللعاهر الحجر اور از انجملہ زبیر اور ایک انصاری کا قضیہ پانی کے گول کے باب میں ہے پس آپ نے ایسا حکم دیا کہ جس میں دونوں کے لیے وسعت تھی کہ اسے زبیر اقول تم اس میں پانی لے لو پھر اپنے ہمسایہ کو چھوڑ دو پھر انصاری غصہ ہو گیا پھر زبیر کے لیے اس کا حق پورا کر دیا فرمایا کہ اتنا پانی لے کہ دیواروں کی جز تک پہنچے اور از انجملہ براء بن عازب جو شہ کی اونٹنی کا قضیہ ہے کہ وہ ایک باغ میں ٹھس گئی اور اس کا نقصان کیا تو آپ نے حکم دیا کہ مالی لوگ دن میں اپنے باغ کی حفاظت کریں اور مواشی پالنے والے رات میں اپنے مواشی کی حفاظت کریں اور آپ نے شفعہ کا جب اس شے کی تقسیم نہ ہوئی ہو حکم دیا اور حدود پڑ جانے کی اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہے اور ان مقدمات کے وجوہ ہم قبل بیان کر چکے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا

بِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ جَعَلَ عَرْضُهُ سَبْعَةَ أذْرَعٍ جب تم راستے میں اختلاف کرو تو اس کی چوڑائی سات ذراع کی جائے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جب لوگ کسی مباح زمین کو آباد کرتے ہیں اور وہ شہر ہو جاتا ہے تو راستے میں جھڑا واقع ہوتا ہے بعض تو چاہتے ہیں کہ راستہ کو تنگ کریں اور اس میں اپنے مکانات بنائیں اور بعض اس بات سے مانع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کے لیے فراخ راستہ ہونا چاہیے لہذا حکم دیا گیا کہ راستہ کا عرض سات ذراع کا ہونا چاہیے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ اونٹنوں کی دو قطاریں ضرور اس راستے سے گزر سکیں بایں طور کہ ایک ایک جانب سے اور دوسری دوسری جانب سے تو ایسی صورت میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے واسطے غولبی ٹکڑے کا راستہ ہو ورنہ وقت لازم آتی ہے اور اس کا اندازہ سات ذراع ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص کسی زمین یا اس کی اجازت کے کھیتی کر لے تو اس کو بجز اس کی حق محنت کے اور کچھ نہ ملے گا پس آنحضرت ﷺ نے اس کو بمنزلہ کسی سے گروانا کہ مالک زمین کے لیے اس نے محنت کر دی۔ واللہ اعلم

جہاد کا بیان

معلوم رہے کہ تمام شرائع میں زیادت کامل اور تمام وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اور انہیں سے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص کے غلام مریض ہو رہے ہیں اور اس نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ ان کو کوئی دوا پلائے پھر اگر وہ شخص ان کو مجبور کر کے ان کے منہ میں دوا ڈالے تو یہ بات نامناسب نہ ہوگی مگر رحمت کا تقاضا ہے کہ اول ان غلاموں سے اس دوا کے فوائد بیان کر دے تاکہ خوشی کے ساتھ اس دوا کو پی لیں اور نیز اس دوا میں کوئی شے نہ ہو مثلاً شہد شامل کر دے تاکہ رغبت طبعی اور نیز رغبت عقلی اس کی معین ہو جائے پھر اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ

ریاستوں کی محبت اور ان کا شوق اور شہوات دنیا اور اخلاق سبھی اور وساوس شیطانی ان پر غالب ہوتے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کے رسوم ان کے قلوب میں مرتکز ہو جاتے ہیں تو ان فوائد پر وہ کان نہیں دھرتے اور جس چیز کا حضور نبوی ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس میں وہ فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی خوبی میں ان کو غور ہوتا ہے تو ان لوگوں کے حق میں رحمت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف اثباتِ حجت کا ان پر اکتفا کیا جائے بلکہ رحمت ان کے حق میں یہی ہے کہ ان پر جبر کیا جائے تاکہ خواہ مخواہ ایمان ان پر ڈالا جائے جس طرح تلخ دوا کے پلانے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مغلوب کرنے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں کی زیادہ تر ایذا رسانی اور ان کو زیادہ تر قوت ہے قتل کیا جائے یا ان کی قوت کو متفرق کیا جائے اور ان کے مال چھین لیے جائیں تاکہ وہ بالکل بے بس ہو جائیں ایسے وقت ان کے اتباع و ذریات خوشی اور اطاعت کے ساتھ ایمان میں داخل ہو سکتے ہیں لہذا رسول اللہ ﷺ نے قیصر کو لکھ بھیجا کہ تجھ پر خادموں کا وبال ہے اور بسا اوقات ان کا مقید و مغلوب کرنا ان کے ایمان کا سبب ہوتا ہے اسی کی طرف آپ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے:

عجب اللہ من قوم یدخلون الجنة فی السلاسل جو لوگ جنت میں زنجیروں سے بندھے ہوئے داخل ہوں گے اللہ کو وہ اچھے معلوم ہوں گے اور نیز انسان کی رحمت بہ نسبت بشر کی رحمت تامہ کاملہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو احسان کی طرف ہدایت کرے اور ان کو ظالموں سے چھڑائے اور ان کے ارتقا قات اور تدریج منزلی اور ان کی سیاست مدنی کی اصلاح فرمائے پس ان کے بدن فاسدہ وہی ہیں جن پر نفوس سبیعہ کا غلبہ ہوتا ہے اور ان کے لیے نہایت درجہ کی قوت ہوئی ہے اور یہ بمنزلہ مرض آکھ کے ہوتی ہے جو بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے کہ بغیر اس کے قطع کیے اس کی صحت ہی ممکن نہیں تو جو شخص اس کے مزاج کی اصلاح اور اس کی طبیعت کے قائم کرنے کی طرف توجہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس کو قطع کرے اور تھوڑی سی قیامت جس سے خیر کثیر حاصل ہو اس کا کرنا ضروری ہے اور تجھ کو غیرت حاصل کرنا چاہیے قریش کے حال سے اور جو عرب میں کہ تمام خدائی میں احسان کے اعتبار سے سب سے بعید ترین سننے اور ضعیفوں پر ظالم ترین تھے اور باہم ان کے شدید مقابلے ہوتے تھے اور بعض بعض کو قیدی بناتے تھے اور اکثر ایسے تھے کہ حجت میں تاثر نہیں کرتے تھے صرف دلیل کو دیکھ لیا کرتے تھے تو حضوری نبوی ﷺ نے ان سے جہاد کیا اور ان کے سرکشوں کو جو نہایت مضبوط اور شریر تھے قتل کیا حتیٰ کہ امرا الہی ظاہر ہو گیا اور آپ کے لوگ فرمانبردار ہو گئے اور بعد ازاں وہ اہل احسان ہو گئے اور ان کے تمام کام میں نئے پس اگر ان لوگوں پر شریعت کے اندر جہاد نہ ہوتا تو یہ رحمت ان کے حق میں کیونکر حاصل ہوتی اور نیز اللہ تعالیٰ جب عرب و عجم سے ناخوش ہو گیا اور ان کی دولت اور ملک زائل کرنے کا حکم دے دیا پس رسول اللہ ﷺ کے قلب پر بالذات اور صحابہ کرام کے قلوب پر آپ کے واسطے سے یہ بات القا فرمائی کہ اس کی راہ میں لڑیں تاکہ امر جو مقصود ہے حاصل ہو پس وہ اس بات میں ملائکہ کی مانند ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پورا کرنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں اتنا فرق ہے کہ ملائکہ بالقرر کسی قاعدہ کلیہ کے کوشش کرتے ہیں اور مسلمان بندے ایک قاعدہ کلیہ کے موافق جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمایا ہے لڑتے ہیں اور ان کا یہ عمل سب اعمال سے بڑھ کر ہے اور قتل ان کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ اس کی نسبت حاکم کی طرف ہوتی ہے جیسے کسی مجرم کے قتل کی نسبت امیر کی طرف کی جاتی ہے نہ جلاد کی طرف چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ** پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور اسی راز کی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ: **مقت عزبوم و**

عجمہم اللہ یت اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا کسری ولا قیصر نہ کسری ہے نہ قیصر ہے یعنی وہ لوگ دین جاہلیت پر تھے اور جہاد کے فضائل کا مرجع چندہ اصول کی طرف ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ جہاد میں تدبیر الہی اور اس کے الہام کے ساتھ اتفاق ہے پس اس سے تمام کرنے میں کوشش کرنا شمول رحمت کا باعث ہے اور اس کے ابطال میں کوشش کرنا شمول زحمت کا باعث ہو اور اس زمانہ میں جہاد کا ترک کرنا خیر کثیر کا ہاتھ سے فوت کرتا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد ایک دشوار عمل ہے کہ اس میں سخت تکلیف کے گوارا کرنے اور جان و مال کے خرچ کرنے اور وطن اور ضروریات سے محروم ہونے کی ضرورت ہوتی ہے پس ایسی عبادت شوق پر وہی شخص پیش رفتی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین پر خلوص کے ساتھ یقین رکھتا ہے اور آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں اس نے اختیار کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اس کو ٹھیک ٹھیک بھروسہ ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ ایسی خواہش کا قلب میں واقع ہونا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو تشبیہ بالملائکہ حاصل ہو اور اس کمال سے اس کو پورا حصہ ہو اور ضرور یہی ہے اس کو بعد ہو اور داعی سے رسوخ دین کی طرف اس کو پورا پورا میلاں ہو ایسا شخص اپنی سلامتی قلب پر خود دلیل ہوگا۔

یہ تمام باتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ جہاد شرائط کے ساتھ پایا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی شجاعت سے مقابلہ کرتا ہے اور کوئی شخص حمیت کے اعتبار سے مقابلہ کرتا ہے پس ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنے والا کون سا ہے تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے جس سے اللہ تعالیٰ کی بات اس کو اونچی رکھنی مقصود ہو پس وہی شخص اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ قیامت کے روز جزا اعمال کی صورت میں متحمل ہو کر چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا یکلم احد فی سبیل اللہ واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ الا جاء یوم القیامة وحررہ یشعب دما اللون لون الدم والریح ریح المسک کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے مگر قیامت کے روز جب وہ آئے گا اس کے زخم سے خون جاری ہوگا رنگ تو اس کا خون کا رنگ اور اس کی بو مشک کی بو ہوگی اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے اور اتورے اعتبار سے بغیر غریب کرنے اور گھوڑوں کے جمع کرنے اور تیر اندازی وغیرہ کے پورا نہیں ہوتا پس ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ان چیزوں کی طرف بھی پونہ یہ اصل مطلوب کے اسباب میں ہیں پہنچ جائے اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد کی وجہ سے مات کی فیمل اور اس عزت دین ہے اور لوگوں کے لیے جہاد ایک لازمی چیز کے لیے مقرر کیا گیا ہے جب تم نے یہ اصول دریافت کر لیے تو اب تم کو ان اعمال کی قیامت ہو فضائل جہاد میں وارد ہیں مکشف ہو جائے گی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان فی الحجة مائة درجة اعد اللہ للمجاهدین اللہ یت

بات سے اندر زور ہے ہیں جن اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کیا ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دارالجزاء میں وہاں ہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے نزاد ایک بلندی مرتبہ کی صورت مثالیہ ہے اس واسطے کی جبروتیت پر اطلاع یابی وغیرہ سے نفس کو سعادت حاصل ہوتی ہے اور نیز اس کا یہ سبب ہے کہ جہاد شہر الہی اور اس کے دین اور تمام ان چیزوں کے جن کے مشہور ہونے میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سے نسبت دین کا سبب ہے اور ای لیے وہ اعمال جن میں ان دونوں صفت کا مظہر ہے ان کی جزائے جنت میں

درجات کا حاصل ہونا ہے چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے حق میں وارد ہوا ہے اقراء وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا اور جہاد کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ یہ درجات کے بلند ہونے کا سبب ہے اس لیے کہ اس کو عمل میں لانے سے دین میں رفعت حاصل ہوتی ہے تو اس کی جزاء بھی مثل عمل کے ہوگی پھر درجہ کے بلند ہونے کی بھی بہت سی وجہیں ہیں اور ہر ایک وجہ جنت میں درجہ کے اعتبار سے متمثل ہوگی اور ہر وجہ مثل مابین السماء والارض ہوگا کہ یہ بعد فو قانی باعتبار بشرف علوم کے اندر غایت بعد ہے تو جیسا کہ ان کے علوم میں یہ متمکن تھا ویسا ہی دارالجزاء میں بھی متمثل ہوگا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے المجاہد فی سبیل اللہ کمثل القانت الصائم کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسے قائم اللیل صائم الدہر میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ قائم اللیل صائم الدہر کو اپنے غیر پر اس لیے فضیلت ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے غرض سے اس فعل دشوار کو عمل میں لایا اور یہ شخص اس فعل کی وجہ سے بمنزلہ ملائکہ کے ہو گیا اور ان کے ساتھ اس نے تشہ حاصل کر لیا اور مجاہدہ جبکہ موافق شرع کے جہاد کرے تو اس کو ہر طرح سے قانت اور صائم کے ساتھ مشابہت ہے اس واسطے کہ اس کے طاعتوں میں کوشش کرنے سے اس کے فضل کو سب لوگ مان لیتے ہیں اور اس کو خاص خاص لوگ جانتے ہیں لہذا قانت و صائم کے ساتھ اس کو مشابہت دی تاکہ اس کا حال منکشف ہو جائے پھر ترغیب دینے میں ان مقدمات جہاد کی طرف حاجت پڑی کہ جہاد عادت و رسم میں بغیر ان کے ممکن نہیں کہ حاصل ہو مثل رباط اور رمی وغیرہ کے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جبکہ کسی چیز کا حکم دے اور اس کے کرنے سے راضی ہوا اور اس بات کو جانتا ہے کہ وہ چیز بغیر ان مقامات کے حاصل نہ ہوگی تو ضروری ہے کہ ان کا بھی حکم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔ رباط کے باب میں آیا ہے کہ یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور نیز ایک مہینہ کے روزے اور اس کے قیام سے بھی بہتر ہے اور جو شخص مرجائے تو جو عمل کرتے ہوئے مرا ہے وہی اس پر جاری کیا جائے گا اور اس پر اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور قتال سے محفوظ رہے گا میں کہتا ہوں اس کا دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس میں ثمرہ ہے کہ قیامت میں باقی رہے گا اور دنیا کی جو نعمت ہے اس کو خواہ مخواہ زوال ہوتا ہے اور ایک مہینے کے روزے اور اس کے قیام سے بہتر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ ایک نہایت شاق عمل ہے جو قوت بیکسی پر نہایت گراں گزرتا ہے اور یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کے ہے اور اس کی راہ میں ہوتا ہے جس طرح صیام و قیام اور اس کا عمل جاری رکھنے میں یہ راز ہے کہ جہاد کا ایک جز و دوسرے جز و پر مبنی ہوتا ہے جس عمارت میں دیوار کا قیام بنیاد پر اور چھت کا دیوار پر ہوتا ہے اس لیے کہ اولاً مہاجرین اور انصار قریش وغیرہ کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب پڑے پھر اللہ تعالیٰ نے قریش کے ہاتھ پر عراق و شام فتح کیا پھر ان کے ہاتھ پر فارس و روم کو پھر فارس و روم کے ہاتھ پر ہند اور ترکستان اور سوڈان کو فتح کیا پس جہاد پر جو نفع مترتب ہوتا ہے وہ وقتاً فوقتاً بڑھتا رہتا ہے اور اس کا اوقاف اور رباطات صدقات جاریہ کا سا ہوتا ہے اور فتنان یعنی منکر و نکیر سے امن میں رہنے کی یہ وجہ ہے کہ منکر نکیر سے وہی شخص ہلاکت کی جگہ میں ہوتا ہے کہ جس کے قلب کو دین محمدی پر اطمینان نہیں ہے اور نہ وہ کبھی دین کی مدد کے لیے اٹھا ہے اور جو شخص جہاد کے لیے شرائط پورا کرنے کا التزام رکھتا ہے وہ شخص دل سے دین کی تصدیق کرتا ہے اور نور الہی کے ساتھ چلنے میں اس کا ارادہ پختہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے من جہز غازیاً فی سبیل اللہ قد غزا جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کو سامان دے دے تو اس کو ثواب جہاد کے مثل ہوگا اور جو مجاہد کے پیچھے اس کے گھر کی خبر گیری کرتا رہا تو اس نے بھی جہاد کیا اور

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بہترین صدقہ اللہ کی راہ میں سایہ کے لیے خیمہ دینا ہے اور علیٰ ہذا القیاس میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے نفع کا ہے جس کا انجام ان کی مدد ہے اور جہاد اور صدقہ میں مسلمانوں کا نفع ہی مقصود ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَكْلِمُ اللَّهُ أَحَدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ. الحدیث میں کہتا ہوں عمل کا نفس کے ساتھ بہیت و صورت اتصال ہوا کرتا ہے اور اس عمل کے اعتبار سے زیادتی کے معنی نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جزا و سزا کا مبنی نعمت و راحت کی صورت قریبہ میں متماثل ہونے پر ہوتا ہے پس قیامت کے دن جب شبید پیش ہو گا اس کا عمل اس پر ظاہر ہو گا اور عمل کی صورت سے اس پر انعام کیا جائے گا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. آیہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردے مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے ہاں رزق حاصل کرتے رہتے ہیں فرمایا ہے ارواحہم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح فی الجنة حیث شاءت ثم تاویئ الی تلك القنادیل ان کی ارواح سبز جانوروں کے جوف میں ہیں جن کے لیے عرش میں قدیلیں لگی ہوئی ہیں جہاں چاہتے ہیں جنت میں چلتے ہیں پھر ان قدیلوں میں واپس آ جاتے ہیں میں کہتا ہوں جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے اس میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ ان کی جان کامل اور وافر ہوتی ہے اور اس کے علوم جن کے اندر دنیاوی زندگی کافی ہیں جان مستغرق راتنی ہے ان علوم میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا بلکہ اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے کاروبار میں مصروف ہو اور اسی اثنا میں وہ سو جائے بخلاف اس میت کے جس نے بہت سے مرض کی تکلیف اٹھائی اور اس کا مزاج صحت کی حالت سے بدل گیا اور بہت سے علوم سے اس کو نسیان ہو گیا دوسرے یہ کہ وہ رحمت الہی جس سے خطیرۃ القدس اور ملأ اعلیٰ کے قلوب لبریز ہو رہے ہیں جو انتظام عالم کی طرف متوجہ راتنی ہے پھر اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور دین الہی قائم کرنے کا شوق اس میں بھرا ہوتا ہے تو ایک نہایت وسیع راستہ اس شخص میں اور خطیرۃ القدس میں مفتوح ہو جاتا ہے اور وہاں سے انس اور راحت اور نعمت کا نزول اس شخص پر ہوتا رہتا ہے اور خطیرۃ القدس کو اس بندہ کی طرف ایک توجہ مثالی ہوتی ہے اور اس نے عمل سے اتفاق اس کی جزا متماثل ہو جاتی ہے پھر ان دونوں خصلتوں کے اجتماع سے عجیب و غریب امور پیدا ہوتے ہیں۔

اذاً جملہ یہ ہے کہ اس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہو کر متماثل ہوتا ہے اس لیے کہ وہ شخص حاطین عرش سے ہو جاتا ہے اور اس کی بہت سی طرف متوجہ راتنی ہے اور اذاً جملہ یہ ہے کہ اس کے لیے سبز جانور کا جسم متماثل ہوتا ہے سبز پرند ہونے کے بعد یہ ہے کہ وہ شخص ملأ اعلیٰ کے اندر رہتا ہے کام جنسی کے ظاہر ہونے میں ایسا رہتا ہے جیسے چار پایوں میں پرند اور سبز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سبزی دکاہ و انہی معلوم ہوتی ہے اور اذاً جملہ یہ ہے کہ اس کی نعمت اور راحت رزق کی صورت میں ظاہر اور متماثل ہوتی ہے جس طرح دنیا میں نعمت میوہ بات و فیہ کی صورت میں متماثل ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوتی کہ جو چیز نفس کو شائستہ کرتی ہے وہ چیز اس چیز سے جو نفس و شائستہ نہیں کرتی تمیز کی جائے اور اس میں اشتباہ ہے اس لیے کہ شرع کے اندر دو باتیں ہیں ایک تو قبائل اور شہروں اور دین کا انتظام اور ایک نفس کی تمیز اس شخص نے آپ سے عرض کیا کہ کوئی شخص غیبت کی خاطر لڑتا ہے اور کوئی شہرت کی خاطر اور

کوئی اظہار شجاعت کے خاطر پس ان میں سے اللہ کی راہ میں کون شخص لڑتا ہے تو حضور نبوی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی بات ہی بلند کرنے کی خاطر لڑے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے میں کہتا ہوں اس کی وہی وجہ ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اعمال اجساد ہیں اور ان کی روح نیت ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے اور جسم کا بغیر روح کے اعتبار نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صرف نیت ہی عمل کا فائدہ دے جاتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ عمل کا اقتراں نہ ہو یہ جب ہوتا ہے کہ اس عمل کا فوت ہونا اس کی کوتاہی سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی عارضہ کے پیش ہونے سے ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **ان بالمدينة اقواما ما سرتهم سيرا ولا قطعتم واديا الا كانوا معكم حسبهم العذر**۔ مدینہ میں ایسے ایسے گروہ ہیں کہ تم کسی جگہ کو نہ چلے ہو گے اور کوئی جنگل تم نے نہ قطع کیا ہو گا جو وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں عذر کے سبب وہ اب رک گئے ہیں اور اگر وہ عمل ایسے شخص کی کوتاہی سے فوت ہوا ہو تو اس کی نیت ہی ناتمام رہی جن پر اجر مترتب ہوتا اور فرمایا ہے **البركة في نواصي الخيل** کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی برقرار ہے اجر اور غنیمت معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر جہاد کرنے اور سامان جنگ تیار رکھنے سے غلبہ ہو سکتا ہے اور جب جہاد چھوڑ دیا اور بیلوں کی دُم کے پیچھے ہو لیے تو لامحالہ ہر طرف سے ان کو ذلت احاطہ کرے گی اور تمام اہل ادیان ان پر غالب آ جائیں گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من احتبس فرسا في سبيل الله ايمانا بالله و تصديقا بوعده فان شعبة و ريبه و روثة و بوله في ميزانها يوم القيامة** جو شخص اللہ پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر اس کی راہ میں ایک گھوڑا باندھے پس البتہ اس کا پیٹ بھرنا اور پانی پلانا اور اس کی لید و پیشاب کی تکلیف گوارہ کرے گا تو اس کا یہ عمل اسی چیز کی صورت میں ظاہر ہو گا جس کی تکلیف گوارا کی ہے پس قیامت کے دن یہ سب چیزیں اپنی اپنی صورت میں ظاہر ہوں گی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **ان الله يدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر في الجنة صانعه يحتسب في صنعة والرامي برميه ومنسله** کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا ایک جس نے ثواب کی نیت سے اس کو بنایا ہے اور ایک چلانے والے کو اور ایک تیر دینے والے کو اور آپ نے فرمایا: **من رمى بسهم في سبيل الله فهو له عدل محرو** کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر پھینکے گا تو یہ مثل غلام کے آزاد کرنے کے ہو گا میں کہتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ کفار کا سرنگوں و مغلوب ہونا بغیر ان چیزوں کے نہیں پورا ہو سکتا لہذا اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کفر و ظلم کے دور کرنے میں ان چیزوں کی طرف بھی منتقل ہوئی اللہ پاک فرماتا ہے: **لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى خَرْجٌ وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ خَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ خَرْجٌ** کہ نابینا پر کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے و مریض پر کچھ مضائقہ ہے اور نیز اللہ پاک فرماتا ہے **لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ خَرْجٌ** کہ ضعیف اور مریضوں پر کچھ ہرج نہیں ہے اور نہ ان لوگوں پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے کسی سے فرمایا **الك والدان قال نعم قال ففيهما فجاهد** کیا تیرے ماں باپ ہیں اس نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا ان میں ہی جہاد کرو میں کہتا ہوں چونکہ سب لوگوں کا جہاد کرنا ان کی تدابیر ضروریہ کی خرابی کا سبب تھا لہذا ضرور ہوا کہ ان سب میں سے بعض لوگ جہاد کو

قائم کریں اور وہ بعض وہ لوگ ہیں جو ان ملتوں سے خالی ہیں اس لیے کہ جن میں یہ علیتیں پائی جاتی ہیں ان پر جہاد کرنے میں دقت ہے اور نہ اسلام کو ان کے جہاد کرنے سے قابل اعتبار نفع ہے بلکہ بسا اوقات ان سے ضرر کا خطرہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے: **الْثَّانِي خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا** اب تم سے اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور جان لیا کہ تم میں ناتوانی ہے میں کہتا ہوں املا، کلمۃ اللہ اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمان لوگ اپنی جانوں کو ثبات اور دلیری اور قتال کی مشقتوں پر صبر کرنے پر قرار دیں اور اگر یہ دستور جاری ہوتا کہ اگر مشقت معلوم کریں تو بھاگ جائیں تو مقصود حاصل نہ ہوتا بلکہ بسا اوقات ذلت کی نوبت پہنچتی اور نیز بھائیں بزدلی اور کمزوری کی دلیل ہے اور یہ بدترین اخلاق میں سے ہے پھر ضرور ہوا کہ اس کی حد بیان کی جائے جس سے واجب اور غیر واجب میں فرق ہو جائے اور دلیری و شجاعت اسی وقت پائی جاتی ہے کہ شکست کے اسباب غلبہ کے اسباب سے زیادہ ہوں لہذا اولادیں مثل سے اس کا اندازہ کیا گیا اس واسطے کہ اگر اس وقت کثرت سے تھے اور مسلمان بہت تھوڑے تھے پس اگر گریز کرنے کی ان کو اجازت دی جاتی تو جہاد کبھی نہ ہوتا پھر مسلمانوں پر تخفیف کی گئی دوچند کی اس لیے کہ ثبات و دلیری اس سے کم میں نہیں ممکن ہے پھر جہاد چونکہ املا، کلمۃ اللہ کی وجہ سے واجب کیا گیا تو وہ چیز بھی واجب ہوئی کہ جس کے بغیر املا، کلمۃ اللہ نہ ہو سکے اور اسی وجہ سے قلعوں کا بنانا اور مقاتلہ کے لیے آمادہ رہنا اور تمام اطراف و قلعوں میں افسروں کا مقرر کرنا امام پر ضروری اور دستور قدیمی مقرر ہوا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء نے اس باب میں بہت سے طریقہ مقرر فرمائے۔

اور رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا فوج پر کسی کو سردار مقرر کرتے تھے تو خاص اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے اور ساتھ کے مسلمانوں کو بھلائی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے اللہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جہاد کرو اور منکرین اللہ تعالیٰ سے مقاتلہ کرو اور جہاد کرو اور خیانت مت کرو واللہ یثیخ خیانت کرنے سے آپ نے اس لیے منع فرمایا کہ خیانت کرنے سے مسلمانوں کے دل شلتے ہوں گے اور باہم ان میں اختلاف واقع ہوگا اور قتال چھوڑ کے لوٹ ڈال دیں گے اور اس سے بسا اوقات شائستگی ہوگی اور مدد کرنے سے آپ نے منع فرمایا کہ امن و امان ان کے عہد و ذمہ سے مرتفع نہ ہو اور اگر امن جاتی رہے تو سب سے بڑی اور اقرب فتح یعنی ذمہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا اور مثلاً سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ اس میں خلق اللہ کی تغیر ہے اور بچوں سے قتل سے منع فرمایا اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا حرج اور ان کا ضرر ہے اس لیے کہ اگر زندہ رہے تو مسلمانوں کے قبضہ میں آ کر ان سے غلام بنیں گے اور جن مسلمانوں نے پاس رہیں گے اسلام میں ان کے تابع رہیں گے اور نیز بچے اپنے دشمن کو نہ خود ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنے گروہ کی مدد کر سکتے ہیں اور حدیث شریف میں جو تین نصیحتوں کی طرف ترتیب وار بلانے کا حکم ہے ان میں سے پہلی نصیحت امام ہے ہجرت و جہاد کے ساتھ اور اس وقت اس شخص کے لیے مجاہدین کے برابر فائدہ اور غنیمت میں حصہ ہے دوسری نصیحت امام ہے باہجرت و جہاد نے سوائے اس صورت کے کہا جہاں بغیر امام ہو اور اس وقت غنیمت اور فائدہ میں اس شخص کا حصہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فائدہ صرف لڑنے کا وہاں واقع ہے جہاں نہایت ضرورت ہو اور عادت اس بات پر حکم کرتی ہے کہ بیت المال میں اس قدر کفالت نہیں ہوتی کہ جو لوگ سوائے مجاہدین کے شہروں میں رہتے ہیں ان کا خرچ انھیں پس اس میں اور ضرر و مضر ہے قول میں کلمۃ اللہ نہیں ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو باشبہ چرانے والوں کو بھی غنیمت میں سے حصہ پہنچے گا

اگرچہ وہ خیر کے کسی ٹیلہ پر رہتا ہو اور جس کی پیشانی پر اس غنیمت کے حاصل کرنے میں پسینہ تک نہ آیا ہو، اتنی یعنی جب بادشاہوں کے خزانے فتح کیے جائیں گے اور کثرت سے خراج آئے اور مقاتلین وغیرہ کے حصہ کے بعد باقی رہ جائے تو پھر اور لوگوں کا حصہ ہے تیسرے یہ ہے کہ وہ لوگ اہل ذمہ ہوں اور سب کے سب دے کر جزیہ عطا کریں پس پہلی خصلت میں دو مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو ملک کا انتظام اور باہمی نظام کا رفع دفع اور دوسرے تہذیب نفس کہ وہ دوزخ سے نجات پائیں اور حکم الہی کی پیروی میں کوشش کریں اور دوسری خصلت میں دوزخ سے نجات کا حاصل ہونا ہے مگر مجاہدین کے درجہ سے وہ لوگ محروم ہیں اور تیسری خصلت میں کفار کی شوکت کا زائل ہونا اور مسلمانوں کی شوکت کا ظاہر ہونا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ انہیں مصالح کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونے اور کفار کے بے بس کرنے کے اسباب میں غور اور اجتہاد اور تامل کرے اور جو اس کا اجتہاد حکم کرے اس پر عمل کرے بشرطیکہ وہ یا اس کی نظیر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خلفاء سے ثابت ہو اس لیے کہ امام مصلحتوں کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور وہ اس کے بغیر تمام نہیں ہوتیں اور اصل اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے اور ہم اب ان احادیث کا حاصل بیان کرتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے قلعوں کو اس قدر فوج سے جو ان کے گرد کے دشمنوں کو کافی ہو سکے درست رکھیں اور کسی ایسے شخص کو ان پر حاکم مقرر کر دے جو مسلمانوں کا خیر خواہ ہو اور دانش مند اور بہادر شخص ہو اور خندق کے کھودنے یا قلعہ کے بنانے کی حاجت ہو تو اس کو بنائے یا کھودے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خندق کے دن ایسا کیا ہے اور جب کسی پلٹن کو روانہ کر دے تو ایک شخص کو ان پر سپہ سالار کر دے جو ان سب میں افضل اور مسلمانوں کے حق میں نفع رساں ہو اور اس کو خود اس کے حق میں اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرے چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جب جہاد کے لیے خروج کا ارادہ کرے تو اپنی فوج کا معائنہ کرے اور پیادہ و سوار کو درست کرے اور پندرہ سال سے کم عمر کا آدمی فوج میں بھرتی نہ کرے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہی دستور تھا اور نہ اس شخص کو فوج میں بھرتی کرے جو مختزل ہو یعنی اوروں کو بھی جہاد سے تھکائے اور نہ اس شخص کو جو مرہف ہو یعنی کفار کی قوت کا ذکر کرتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے: **كُرْهَ اللَّهِ انْبِعَاثُهُمْ فُتَبَّتْهُمْ وَقِيلَ افْعَدُوا مَعَ الْقَعْدِينَ لَوْ خَرَجُوا فِينَكُمْ مَا زَادُوكُمْ اِلَّا خَبَالًا**۔

ناگوار ہوا اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا پس ان کو روک دیا کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ اگر وہ تمہارے ساتھ خروج کرتے تو بجز فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور نہ مشرک کو فوج میں بھرتی کرے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اِنَّا لَا نَسْعِيْنَ بِمَشْرُكٍ** کہ ہم بلاشبہ کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتے البتہ جس صورت میں ضرورت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور نہ جو ان عورت کو جس سے فتنہ کا خوف ہو فوج میں بھرتی کرے کھینچی ہوئی عمر کی عورت کو اجازت دے دی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے اور یہ عورتیں فوج کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم و پٹی کرتی تھیں اور امام کو چاہیے کہ فوج کے دو حصے یمن و یسار کرے اور ہر گروہ کا ایک جھنڈا اور ہر طائفہ کے لیے ایک سردار اور لڑانے والا مقرر کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح کے دن کیا تھا کیونکہ اس میں دشمنوں پر بھی زیادہ خوف ہوتا ہے اور فوج پر بھی قابو رہتا ہے اور نیز اس کو چاہیے کہ ان کے لیے کچھ شناخت مقرر کرے کہ شب خون کرتے وقت باہم اس کو بولا کریں تاکہ کوئی کسی کو آپس میں قتل نہ کر ڈالے آپ ایسا ہی کیا

کرتے تھے اور جمعرات یا پیر کے روز جہاد کے لیے خروج کرے کیونکہ ان دونوں میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور پہلے ہم اس کو بیان کر چکے ہیں اور ان کو اس قدر راستہ چننے کا حکم دے کہ تا تو ان لوگ بھی اس کی طاقت رکھتے ہوں البتہ اگر ضرورت ہو تو اس کے موافق حکم دے اور ان کے لیے ایسا مقام تجویز کرے جو سب مقامات میں عمدہ اور بہتر ہو اور پانی کی وہاں کثرت ہو اور اگر دشمن کا خوف ہو تو اس کو چاہیے کہ پہرہ مقرر کرے اور کسی بلند جگہ پر کچھ لوگوں کو مقرر کر دے جو دشمن کو دور سے دیکھتے رہیں اور حتی الامکان اپنے حال پوشیدہ رکھیں مگر جو لوگ خیر خواہ و عقلمند ہیں ان سے پوشیدہ نہ رکھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لَا يَسْقُطُ الْإِيْدِي فِي الْغَزْوِ جہاد میں ہاتھ نہ قطع کیے جائیں (حد میں) اور اس میں وہی راز ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ اس میں اس شخص کو غیرت شیطان کے الحاق ہونے اور کفار میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اسی لیے کہ اس سے بسا اوقات لوگوں میں نزاع واقع ہو جاتا ہے اور اس سے مصلحت میں خلل پڑ جاتا ہے اور امام کو اہل کتاب و مجوس سے مقاتلہ کرنا چاہیے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا دباؤ قبول کر کے سب کے سب جز یہ قبول کریں اور کسی بچے یا عورت یا بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کریں مگر ضرورت کے وقت مثل شیخون کے اور درخت نہ کاٹیں اور آگ نہ لگائیں اور مواشی کو ہلاک نہ کریں مگر جس وقت کہ مصلحت اس میں مقرر ہے جیسے بنی نضیر کے قریہ بغیرہ میں کیا گیا اور امام کو چاہیے کہ نقض عہد نہ کرے اور سفیر کو قید نہ کرے کیونکہ اس میں باہمی خط و کتابت کا انقطاع کرنا ہے اور چاہیے کہ لڑائی میں دھوکہ دیا کرے کیونکہ لڑائی دھوکہ کا کام ہے اور بے خبری میں ان پر هجوم کرے اور گو پھن ان کی طرف پھینکے اور ان کا محاصرہ کرے اور ان کو تنگ کرے آنحضرت ﷺ سے یہ سب باتیں ثابت ہیں اس لیے کہ ظاہر ہے ان باتوں کے بغیر قتل نہیں ہوتا اور جس شخص کو اپنی ذات پر اعتماد ہو امام کے حکم سے اس کو لڑنا درست ہے جیسے کہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے کیا اور مسلمانوں کو وہاں سے چارہ و امانت جو ہاتھ لگے اس میں تصرف کرنا درست ہے اور اس میں سے نفس نہ لیا جائے گا اس لیے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو لوگوں کو دقت ہو۔ اور جب کفار قید ہو کر آئیں تو چار باتوں میں سے امام کو ہر بات کا اختیار ہے چاہے قتل کرے چاہے فدیہ لے چاہے اسان رکھ کر چھوڑ دے چاہے آزاد کر دے ان میں سے جس بات میں نفع زیادہ دیکھے وہی عمل میں لائے اور امام کو جائز ہے کہ ان میں سے کسی کسی کو امن دے دے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے **وَإِنْ أَخَذَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتِجَارَكَ فَأَجْرُهُ** اور اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے اور یہ اس لیے کہ ان کا اسلام میں داخل ہونا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور ان کے داخل اور ان کی سیرت معلوم کرنے سے ہوتا ہے اور نیز بسا اوقات تبار و غیرہ کی آمد و رفت کی حاجت ہوتی ہے اور امام وہ جائز ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ان سے صلح کر لے خواہ مال لے کر خواہ بغیر مال کے کیونکہ مسلمانوں کو بسا اوقات کفار کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی اور صلح کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات قوت حاصل کرنے کے لیے مال کی ضرورت ہے اور بسا اوقات اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک قوم کے شر سے بچ کر دوسری قوم بے لڑنے کی حاجت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا لَا اَبْقِيْ اَحَدَكُمْ يَحْيٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ لَسِرْلَهٍ رِشَاءٍ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اغْنِنِيْ فَاَقُولُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ بَلَغْتَكَ مِنْ تَمِيْمٍ سَعْيٍ كَوْهَزٍ اَيْسَانٍ پادوں کی قیامت کے دن آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو اور وہ اونٹ چلاتا ہو اور وہ شخص کہتا ہو یا رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم میری غیر لہجے تو میں اس سے کہوں مجھے تیرے لیے کسی بات کا اختیار نہیں ہے میں

تجھ پر تبلیغ کر چکا اور اسی کے مثل حدیث شریف میں آیا ہے علی رقبته فرس له حمحمه وشاة لها لباء و نفس لها سياح ورقاء تخفق. کہ اس کی گردن پر گھوڑا نہناتا ہوا ہوگا اور بکری میاتی ہوئی اور کوئی شخص چلاتا ہوا ہوگا اور کپڑوں کے پارے اڑتے ہوئے ہوں گے میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ جس چیز میں گناہ واقع ہوا ہے اسی کی صورت میں وہ متمثل ہوگا اور اس کا اٹھانا اس کا بار اور اس کے ساتھ تکلیف پانا ہے اور اس کا آواز دینا لوگوں پر اس گناہ کو مشہور کر کے اس کو سزا دینا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه كله فاضربوه. جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس نے خیانت کی تو اس کا سب اسباب جلا دو اور مارو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا میں کہتا ہوں اس میں اس خائن کو زجر کرنا اور لوگوں کو ایسے فعل سے باز رکھنا ہے اور معلوم کرو کہ کفار سے جو مال لیے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے اور قتال کے صدقات اٹھانے سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام غنیمت ہے اور ایک وہ مال جو بغیر قتال کے ان سے حاصل ہوتا ہے مثلاً جزیرہ و خراج و عشور جو ان کے تجار سے لیے جاتے ہیں اور وہ مال جو صلح کرنے میں وہ خرچ کرتے ہیں یا وہ پریشان ہو کر اس کو چھوڑ بھاگتے ہیں غنیمت میں خمس نکالا جاتا ہے اور وہ خمس ان مواضع میں صرف کرنا چاہیے جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ**. اور اس بات کو جان لو کہ تم نے جو کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے پس اللہ تعالیٰ اور رسول اور اقارب اور یتیموں اور مساکین اور مسافر کے لیے ہے پس آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کا حصہ مسلمانوں کے مصالح میں بہ ترتیب خرچ کرنا چاہیے اور ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب پر خواہ محتاج ہوں یا غنی مرد ہوں یا عورت خرچ کرنا چاہیے اور میرے نزدیک مقادیر کے تعین کرنے میں امام کو اختیار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آل رسول کے لیے بیت المال سے زیادہ حصہ دیا کرتے تھے اور ان میں سے جو لوگ قرضدار اور فاح اور حاجتمند ہوا کرتے ہیں ان کی اعانت کیا کرتے تھے اور یتیموں کا حصہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جن کا باپ نہ ہو دینا چاہیے اور فقراء و مساکین کو دینا چاہیے مگر امام کو اس کا اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد و رائے کے موافق اس کی تعیین کرے اور اہم فالاہم کو مقدم کرے اور اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرے اور پانچ حصوں میں سے باقی چار حصے غنمین میں تقسیم کرے اور اول لشکر کے حال میں اس کو اجتہاد کرنا چاہیے پس جس کو زیادہ دینا مسلمانوں کی مصلحت کے مناسب ہو اس کو زیادہ دے اور اس کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مثلاً امام دار الحرب میں داخل ہو اور اس نے کسی قریہ کے لوٹنے کو کچھ فوج روانہ کی تو خمس کے بعد ربع یا ثلث اس کو مقرر کر دے پس وہ فوج جس قدر مال لے کر آئے اس کا خمس تو علیحدہ کر لے اور باقی کا ربع یا ثلث اس کو فوج کو دے کر اس سے جو باقی رہے وہ غنیمت میں شامل کر دے دوسری صورت یہ ہے کہ امام اس شخص کے لیے ایسے کام کے بدلہ جس میں مسلمانوں کا نفع ہو کچھ مقرر کر دے مثلاً امام کہہ دے کہ جو شخص اس قلعہ پر چڑھ جائے تو اس کے لیے اس قدر مال دیا جائے گا یا جو کسی کو قید کر لائے تو اس کو اس قدر مال دیا جائے گا یا جو کسی کو قتل کرے تو اس کا اسباب اس کو دیا جائے گا پس اگر مسلمانوں کے مال میں سے یہ مقرر کیا ہے تب تو اس میں سے دے اور اگر غنیمت میں شرط کیا ہے تو خمس نکالنے کے بعد جو باقی رہا ہے تو اس میں سے دے اور تیسری صورت یہ ہے کہ امام خاص کر بعد غنمین کو کچھ مال دے دے اس لیے کہ دشمنوں کو اس سے خوف

زیادہ ہو اور مسلمانوں کا اس سے نفع زیادہ ہو جس طرح آنحضرت ﷺ نے سلمہ بن اکوع میثق کو جنگ ذی قردس میں سوار و پیدل کا حصہ عطا فرمایا اس لیے کہ ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا تھا اور میرے نزدیک اس کی یہ بات ہے کہ مقتول کے اسباب کا قاتل مستحق ہوتا ہے خواہ قبل از قتل امام کے مقرر کرنے سے خواہ بعد و غل کے طور پر دینے سے اور امام کو چاہیے کہ حصہ سے کم کسی قدر مال ان عورتوں کے لیے جو مریضوں کی دوا دار و کرتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں اور مجاہدین کا کام کرتی ہیں اور غلاموں اور بچوں اور اہل ذمہ کے لیے جن کو امام نے اجازت دے دی ہے جدا کر دیں اگر مجاہدین کو ان سے نفع پہنچا ہو اگر امام کو معلوم ہو کہ مال غنیمت میں کچھ مال کسی مسلمان کا ہے جس کو کفار ظفر یا ب ہو کر لے گئے تھے بغیر کچھ لیے وہ مال اس کو دے دے اور باقی مال کو تمام ان لوگوں پر تقسیم کر دے جو لڑائی میں موجود تھے اس طرح کہ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ اور میرے نزدیک اگر مناسب سمجھے اور شتر سوار اور تیرا انداز کو پچھ زیادہ حصہ دے یا گھوڑے کے سوار کو نیل وغیرہ کے سوار پر ترجیح دے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے مگر اہل رائے سے اس کو ایسے امر میں مشورہ کر لینا چاہیے تاکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کی امامت میں مختلف نہ ہو جائیں اور حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت میں اس باب سے اندر جو کچھ اختلاف ہے اس میں تطبیق کی وجہ یہی ہے اور جس شخص کو امام شکر کی کسی مصیبت سے روانہ کرے اس کو بھی حصہ دے اگرچہ وہ لڑائی میں موجود نہ ہو مثلاً قاصد طبع یا جاسوس جس طرح جنگ بدر میں حضرت عثمان میثق کو غنیمت میں حصہ دیا گیا اور جو مال بطور فے کے حاصل ہوا اس کو ان مواضع میں صرف کرنا چاہیے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

أَفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ أَلَا يَفْقَهُمْ قَوْلَهُ رُؤُفٌ رَحِيمٌ اور جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا فرمایا کہ اس نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اسے اہم فائزہ کی طرف صرف کرتے تھے اور فے صرف کرنے کے اندر مسلمانوں کی مصیبتوں کی طرف غور فرماتے تھے نہ اپنی کسی خاص مصیبت کی طرف اور فے کی تقسیم کرنے کی کیفیت یہی مختلف طریقے ہیں آنحضرت ﷺ تو جس روز فے آتی اسی روز اس کو تقسیم کر دیتے تھے یہی والے نو دہے اور غیہ اہل والے کو ایک حصہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حرا اور غلام دونوں میں تقسیم کرتے تھے اور ان کو کفایت عادت کا لحاظ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سابق اور حادثوں پر دیوان مقرر کیا تھا۔

اور اصل اس میں یہ ہے کہ باہمی ان کے یہ اختلافات جو واقع ہوئے وہ اس بات پر محمول ہیں کہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق ایسا لیا تو موافق اپنی مصیبت وقت کے ہر ایک نے کوشش کی اور جن اراضیات پر مسلمان غالب آ گئے ان میں امام کو اختیار ہے چاہے باہم غامضین سے ان کو تقسیم کر دے چاہے مجاہدین پر ان کو وقف کر دے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر میں کیا کہ نصف اس میں لی تقسیم کر کے نصف وقف کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سوا کو وقف کیا تھا اور امام چاہے تو اراضیات کو ہمارے گذر ذمیوں سے لیے روئے اور رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو سلم دیا کہ ہر بالغ سے دینا یا اس کے برابر یعنی کپڑا اخذ کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متولین پر از تالیس درہم اور متوطنین پر پونہیں درہم اور غریب پر جو مزدوری کرتا ہو بارہ درہم مقرر کیے اور اسی جگہ سے معلوم کرتا چاہیے کہ اس ہ اندازہ امام کی رائے پر ہے جو اس کی مصیبت کا تقاضا ہو مل میں لائے اور اسی لیے سیرتوں اور حادثوں میں اختلاف ہے اور میرے نزدیک فرائض کے مقابلہ میں بھی یہی حکم ہے اور تمام ان امور میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام

خلفاء کی عادات مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسے ہم پر غنیمت اور فے کے مباح کرنے کی یہی وجہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ضعف اور بجز دیکھا تو غنائم کو ہمارے لیے حلال کیا، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو سب امتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور ہمارے لیے غنیمتوں کو حلال گردانا اور قسم اول میں ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے پس یہاں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں اور مصارف کی اصل یہ ہے کہ بلاشبہ اصول مقاصد کے چند امور ہیں، از انجملہ ان آدمیوں کا باقی رکھنا جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں خواہ اپنا ہونے کی وجہ سے خواہ تنگ دست ہونے کی وجہ سے خواہ اس سبب سے کہ ان کو اپنے مال سے بعد ہو گیا ہے اور ازاں جملہ شہر کی سرحدیں قائم کر کے اور لشکر اور ہتھیاروں اور گھوڑوں کا خرچ اٹھا کر کفار سے محفوظ رکھنا اور از انجملہ شہر کا انتظام اور بند و بست کرنا اور پاسبانوں اور قضاہ اور خستہیوں کا مقرر کرنا اور حدود کا قائم کرنا اور از انجملہ دین کی حفاظت کے لیے خطبا اور واعظین اور ائمہ اور مدرسین کا مقرر کرنا اور از انجملہ منافع مشترکہ میں مثلاً نہروں کا نکالنا اور پل بنانا وغیرہ دوسرے یہ کہ شہر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شہر ہیں جن کے باشندے صرف مسلمان ہیں مانند ملک حجاز کے یا مسلمان ان میں اور قوموں کی نسبت زیادہ رہتے ہیں دوسرے وہ شہر ہیں جن کے اکثر باشندے کفار لوگ ہیں اور بزور تلوار یا صلح کر کے مسلمانوں نے ان شہروں پر قبضہ کیا ہے دوسری قسم کے شہروں کے لیے فوج اور ہتھیاروں اور پاسبانوں کی اور قضاہ اور عمال کی ضرورت ہے اور پہلی قسم کے شہروں میں ان چیزوں کی زیادہ حاجت نہیں ہے اور شرع کو یہ منظور ہے کہ بیت المال میں جو مال مجتمع ہے وہ ان شہروں پر مناسب طریقہ سے تقسیم کیا جائے پس زکوٰۃ اور عشر کا مصرف وہ مقرر کیا گیا جس میں اوروں کی نسبت محتاجوں کی زیادہ تر رفع ضرورت ہے اور غنیمت کا مصرف وہ لوگ مقرر کیے گئے جن سے لڑائی کا انتظام اور دین کی حفاظت اور شہر کا انتظام زیادہ تر ہے لہذا غنیمت میں سے یتیم اور مسکین اور فقیہ کا حصہ بہ نسبت صدقات کے حصہ کے کم مقرر کیا گیا اور مجاہدین کا حصہ بہ نسبت صدقات کے غنیمت میں سے زیادہ مقرر کیا گیا اور چونکہ غنیمت گھوڑے اور اونٹ اور لشکر کی مشقت سے حاصل ہوتی ہے پس جب تک لوگوں کو غنیمت سے حصہ نہ دیا جائے وہ راضی نہیں ہو سکتے اور شرائع کلیہ میں جو لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں ان کے اندر اکثر خلقت کے حال کا ملحوظ رکھنا اور رغبت عقلی کے ساتھ رغبت طبعی کا جمع کرنا ضروریات سے ہے اور ان کی رغبت طبعی اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے کہ قتال کے عوض میں ان کو کچھ مال دیا جائے لہذا پانچ حصوں میں چار حصے مال غنیمت میں غانمین کے لیے مقرر کیے گئے اور فی یعنی وہ غنیمت جو بلا مشقت قتال کے صرف رعب کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ وہ بلا مشقت حاصل ہوئی ہے لہذا اس کا خاص قسم کے لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری نہ ہوا اور اہم قال اہم کی تقدیم کی گئی اور خمس کی اصل یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں ربع کا قدیمی دستور تھا جو شخص قوم کا رئیس اور ان کا پشت پناہ ہوتا تھا وہ اس ربع کو لے لیا کرتا تھا یہ بات ان کے دلوں میں قرار پا چکی تھی اور یہ احتمال نہ تھا کہ اس کے نکالنے سے ان کے دل میں ناگواری پیدا ہو اسی کے بیان میں ایک شاعر کہتا ہے:

وان لنا المربع من کل غارۃ تکون نجداً او بارض التہائم

ہر لوٹ میں ہمارا چہارم حصہ ہے خواہ وہ نجد میں ہو خواہ تہائم کے ملک میں پس اللہ تعالیٰ نے خمس کو ان کے قدیمی دستور کے قریب قریب شہر اور دین کی ضروریات کے لیے مقرر فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر ان کے دستور کے موافق آیات نازل فرمائی ہیں اور وہ

ربیع اس شخص کو ملا کرتا تھا جو ان کا سردار اور پشت پناہ ہوتا تھا تا کہ اس میں اس کی عظمت اور عزت ثابت ہو اور ملا وہ بریں وہ شخص سب کے کام میں مصروف ہوتا ہے اور اس کو بہت خرچ کی حاجت رہتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے وہ شخص آنحضرت ﷺ کے لیے مقرر فرمائی اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اتنی کہاں فرصت تھی جو اپنے اہل و عیال کے لیے سب کرتے ابذا ضروری ہوا کہ آپ کا نفقہ مسلمانوں کے مال میں مقرر ہوا اور ملا وہ بریں نصرت اور مدد الہی آنحضرت ﷺ کی برکت اور آپ کے رعب کی وجہ سے جو آپ کو اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا حاصل ہوئی ہے پس آپ کا حال ایسا ہوا کہ گویا آپ ہر جنگ کے اندر موجود رہے اور دوسری یہ شخص ذوی القربی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے ذوی القربی و حمایت اسلامی ہے اس واسطے کہ ان میں حمایت دینی اور حمایت نسبی دونوں موجود ہیں کیونکہ ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے اور نیز اس میں اہلبیت نبی ﷺ کی تعظیم پائی جاتی ہے اور اس مصلحت کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے اور جب کہ وہ اور قرآن تعظیم میں دین کی تعظیم ہے تو ذوی القربی کی تعظیم میں بطریق اولیٰ دین کی تعظیم ہوگی اور ایک محتاجوں کے لیے مقرر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے محتاجوں کا انضباط مساکین اور فقراء اور یتامی کے ساتھ فرمایا اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ شخص میں سے مؤانفتہ القلوب وغیرہم کو بھی ملاحظہ فرماتے تھے۔

اس تقدیر پر آیت کے اندر پانچ مصارف خاص کا ذکر کرنا ان مصارف کے مقیم باشند ہونے کی وجہ سے اور اس بات کی تاکید کرنے کے لیے ہے کہ شخص اور فتنے کو یکے بعد دیگرے اغنیاء لوگ محتاجوں کی پرواہ نہ کر کے نہ لے لیا کریں اور تا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اقارب کی طرف کسی کو بدگمانی کرنے کا موقع نہ مل سکے اور انفال اور انعامات اس واسطے مقرر کیے گئے کہ بسا اوقات انسان بغیر طمع کے جان جو کموں کی جگہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈالتا ہے اور یہ ایسی خصلت اور پیدا کٹی بات ہے جس کی رعایت ضروریات سے ہے اور گھوڑے کے سوار کو پیدل کے حصہ سے سہ چندا اس واسطے مقرر کیا گیا کہ سوار سے مسلمانوں کو زیادہ ترقوت اور نفع پہنچتا ہے اور اس کو زیادہ تر مشقت کرنی پڑتی ہے اگر تم لشکروں کا حال دیکھو تو اس بات کا تم کو یقین ہو سکتا ہے کہ اگر سوار کو پیدل کے حصے سے سہ چندا نہ دیا جائے اور چٹم کی بجائے تو وہ راضی نہیں ہو سکتا اور اس کی محنت کے اعتبار سے وہ نا کافی ہوتا ہے تمام عرب و عجم باوجود اختلاف احوال و امادات کے اس بات پر متفق ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لئن عشت ان شاء اللہ لا اخرجن الیہود والنصارى من جزيرة العرب و اوصی باخراج المشرکین منها اگر ان شاء اللہ تعالیٰ میں زندہ رہا تو بلاشبہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور مشرکوں کو وہاں سے نکال دینے کی وصیت کرتا ہوں میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم تھی کہ زمانہ کا حال ایک سا نہیں رہتا پس ایک وقت ایسا ہوگا کہ اسلام میں ضعف آجائے گا اور اس کی نہایت منتشر ہو جائے گی پس اگر ایسے وقت میں دشمنان دین کا جزیرہ عرب میں ہو اسلام کا اصل اصول ہے قیام رہا تو ضرور حرمان الہی کا ہم اور آپ نے ارا علم سے حوالی اور عمل بیت اللہ سے نکالنے کا علم دیا اور نیز کفار کے ساتھ اختلاط کرنے میں دین کے بکڑنے اور قلوب کے ہڈنے کا اندیشہ ہے اور چونکہ یہ بات محال تھی کہ تمام ملکوں سے بخوف و محبت ان کو نکال دیا جاتا ہذا صرف حرمین شریفین کو ان سے پاک کرنے کا حکم فرمایا اور نیز آخر زمانہ میں ہودین کا حال ہونے والا تھا آپ پر وہ ظاہر کر دیا جاتا ہے

آپؐ نے فرمایا ہے ان الدین لیازر الی المدینۃ الخ اور پوری حفاظت کی یہی صورت ہے کہ وہاں مسلمانوں کے سوا کوئی قوم نہ رہے۔ واللہ اعلم

معیشت کا بیان^۱

معلوم کرو کہ تمام اقالیم صالحہ کے باشندوں کا کھانے و پینے اور پہننے اور قیام اور نشست اور تمام بیانات اور احوال میں آداب کے ملحوظ رکھنے پر اتفاق ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ بشرط سلامت مزاج اور ظہور مقتضائے نوعی کے باہمی اجتماع اور دیکھا دیکھی کے لحاظ سے گویا ہر ایک جہات میں داخل ہے اور ان کے آداب کی رعایت میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں، بعض فرقے حکمت طبع کے قواعد کے موافق ان کے آداب کی رعایت کرتے ہیں اور تمام احوال و افعال میں ان آداب کا بیان کرتے ہیں کہ طب اور تجربہ کے اعتبار سے ان میں نفع ہی کی امید ہوتی ہے اور ضرر کا خوف نہیں ہوتا۔ اور بعض فرقے قوانین احسان کے موافق یعنی جس طرح ان کا دین ان کو حکم کرتا ہے ان آداب کو عمل میں لاتے ہیں اور بعض فرقوں کو اپنے بادشاہوں اور حکماء اور درویشوں کے سے آداب عمل میں لانے مقصود ہوتے ہیں اور بعض لوگ اور طریقوں کے موافق ان کا برتاؤ کرتے ہیں چونکہ ان میں سے بعض آداب میں منافع مترتب ہوتے ہیں لہذا ان پر آگاہ کرنا اور ان منافع کے لحاظ سے ان کا حکم دینا ضروری ہوا اور بعض آداب میں مفاسد پیدا ہوتے ہیں لہذا ضروری ہوا کہ ان سے انہی کی جائے اور لوگوں کو ان آداب پر آگاہ کیا جائے اور بعض آداب میں دونوں باتوں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی لہذا ضروری ہوا کہ ان کو مباح چھوڑا جائے اور ان کی اجازت دی جائے پس آداب کی تنقیح و تفتیش بھی منجملہ ان مصالح کے ٹھہری جن کے پورا کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا ہے اور اصل اس کے اندر چند باتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان اشغال میں مصروف ہونے سے ذکر الہی سے نسیان ہوتا ہے اور قلب کی صفائی میں کدورت پیدا ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ اس سم کا تریاق سے علاج کیا جائے اور وہ تریاق یہ ہے کہ ان اشغال میں مشغول ہونے سے قبل اور بعد اور حالت اشتغال میں کچھ اذکار مقرر کیے جائیں تاکہ قلب کو ان اشغال کے اندر پورا اضمحاک نہ ہو جائے اور ان اذکار میں منعم حقیقی کا ذکر اور جانب قدس کی طرف میلان فکر نہ پایا جائے اور ایک یہ ہے کہ بعض افعال و بیانات کو مزاج شیطانی سے مناسبت ہوتی ہے اس طور پر کہ اگر کسی کے خواب یا بیداری میں شیطان متمثل ہو کر نظر آئیں لامحالہ ان افعال میں کسی نہ کسی فعل کے ساتھ وہ متلبس ہوتے ہیں پس انسان کو ایسے افعال کے ساتھ متلبس ہونا شیطانی کے ساتھ نفرت اور شیطانی کے اوصاف قبیحہ کے اس شخص کے دل میں منقش ہونے کا سبب ہیں پس ضرور ہوا کہ ان افعال سے خواہ کراہتہ خواہ تحریمہ مقتضائے مصلحت کے موافق انہی کی جائے اور وہ افعال یہ ہیں مثلاً ایک جو تاپہن کر چلنا اور باتیں ہاتھ سے وغیرہ ذالک اور بعض افعال و صفات انسان کو شیطانی سے دور اور ملائکہ سے قریب ہونے کا سبب ہوتے ہیں مثلاً گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس قسم کے افعال پر رغبت دلانا ضروری ہوا اور ایک ان بیانات سے

۱ زندگی وہ چیز جس سے زندگی برکی جائے۔

اجتناب کرنا جن سے بحکم تجربہ لوگوں کی ایذا رسانی ہوتی ہے، مثلاً مکان کی چھت پر بغیر پردہ کے سونا اور سوتے وقت چراغ کا گل نہ کرنا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چوباکھر کو جلا دیتا ہے اور ازاجملہ ٹیمپوں کے ساتھ ان عادات میں مخالفت کرنا جن کے وہ لوگ مادی ہیں، مثلاً ہر چیز میں نہایت درجہ کا تکلف کرنا اور نہایت بے فکری سے دنیا کے اندر منہمک ہونا کیونکہ یہ امور یا دالہی سے بھلاتے ہیں اور کثرت سے دنیا کے طلب کرنے اور قلوب کے اندر دنیا کے لُذائذ متماثل ہونے کا سبب ہے پس ضروری ہوا کہ ان سب میں سے ان امور کو خاص کر حرام کیا جائے جو سب تکلفات میں بڑھ کر ہے مثلاً حریر اور قیمتی اور میاثر اور ار جوان اور وہ کپڑے جن میں حیوانات کی صورتیں بنی ہوئی ہوں اور سونے چاندی کے برتن اور معصفر یعنی کسم کے رنگ ہوئے کپڑے اور خقوق وغیرہ اور باقی اور عادات و عادات پر مکر وہ کیا ہے اور عیش کی اکثر چیزوں کا ترک کرنا مستحب ہے اور ازاجملہ ان عادات سے اجتناب چاہیے جو منافق و قریبے ہیں اور نیز ان عادات سے جو انسان کو دیہاتیوں میں لاحق کر دیتی ہے ان لوگوں میں سے جو احکامِ نوے کے لیے ہیں تاکہ افراط و تفریط میں میانہ روی حاصل ہو۔

کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان

معلوم کرو جبکہ انسان کی عادات انہیں اخلاقِ اربعہ کے اندر ہے جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کی شدت و ان کے اضداد کے اندر ہے، ہذا حفظِ صحتِ انسانیہ اور دفع ہونے امراضِ نفسانیہ کے لیے واجب ہوا کہ ان اسباب سے جو مزاجِ انسانی کی دو جانبوں میں سے کسی ایک کی طرف بدل دیتے ہیں بیان کیے ہیں ازاجملہ وہ افعال ہیں جن کے ساتھ نفس متصف ہو جاتا ہے اور اس کے نفس ذات میں داخل ہو جاتے ہیں ان افعال کا ہم کافی بیان کر چکے ہیں اور ایک وہ امور ہیں جن سے نفس میں صفاتِ دنیہ جو شیاطین کے ساتھ مشابہت اور ملانگہ سے بعد پیدا ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور اخلاقِ صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہیں خواہ اس شخص کو اس بات کی حس ہو یا نہ ہو، پس جو نفوس طاق بملاء اعلیٰ اور الواث بہیمیہ سے جدا ہیں خطیرۃ القدس سے ان امور کی بد مزگی کا ادراک اس طرح سے ہوتا ہے جس طرح طبیعت کو کٹنی اور بد مزگی ناگوار ہونے کا ادراک ہوتا ہے ایسے امور کی نسبت اللہ تعالیٰ کے اظاف اور اس کی رحمت کا تقاضی ہوتا ہے کہ ان امور کے اصول اور چیزوں کے ساتھ جن سے وہ امور مضبوط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی پر کشیدہ نہیں ہوا، وہ کاف یا جائے اور چونکہ تغیرِ بدن اور اخلاق کے تغیر کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہذا ضروری ہوا کہ وہ اصول غذا کے لحاظ سے ہوں، پس ان سب سے زیادہ تر قوی الاثر ایسے جانور کا لھاتا ہے جس کی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کا غضب کسی انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے سبب سے انسان کے اندر ایک ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو صحتِ انسانی سے اس قدر بعید ہوتا ہے کہ وہ شخص انسان کی صورتِ نوعیہ سے بالکل خارج ہو جاتا ہے بدنِ انسانی کے مذاہب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے وقت میں اس کا مزاج انسانی صورت سے نکل کر کسی ضبیث جانور کی صورت پاڑ جاتا ہے جس سے طبیعتِ سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے ایسے وقت میں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مسخ کر کے بندر یا مثلاً یر، نادیا۔ پس طہیرۃ القدس میں اس کے متعلق یہ حکم مقرر ہو جاتا ہے کہ اس کے جانور اور انسان کے مضموب حایہ اور رحمت

الہی سے بعید ہوتے ہیں ایک مناسبت خفیہ سے اس میں اور اس طبیعت سلیمہ میں جو اپنی فطرت پر باقی ہے نہایت درجہ کا بعد ہے پس لامحالہ ایسے جانور کا کھانا اور اس کو اپنے بدن کا جزو گردانا نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے اور ان افعال کے عمل میں لاپنے سے جو غضب کو ہیجان میں لاتے ہیں زیادہ تر برا ٹھہرے گا۔

لہذا ہمیشہ سے خطیرۃ القدس کے ترجمان یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے تمام انبیاء علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے اور لوگوں کو اس سے بعید رہنے کا حکم کرتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کو نازل ہو کر قتل ہی کر ڈالیں گے اور غالباً خنزیر کو کوئی فرقہ کھایا کرتا تھا لہذا شرائع میں نہایت شدت کے ساتھ نبی کی گئی اور اس کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا اور بند رو چوہا ایسے جانور ہیں کہ ان کو ہرگز کوئی قوم نہیں کھاتی اس لیے ان سے نبی کرنے میں تاکید شدید کی ضرورت نہ ہوئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کی نسبت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر جب غصہ ہو گیا تو ان کو چہار پایوں کی صورت میں جو زمین پر چلتے ہیں مسخ کر دیا، نہیں معلوم کہ شاید گوہ بھی انہیں میں سے ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ کر دیا ان میں سے بندر اور خنزیر اور پرستش کرنے والے شیطان کی اور اسی کی مثل یہ ہے کہ جس زمین میں حسف یا عذاب نازل ہوا ہے اس زمین میں ٹھہرنا مکروہ ہے اور مغضوب علیہم کے بیات بنانا مکروہ ہے کیونکہ ان اشیاء کے ساتھ اختلاط کرنا نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے سے کم نہیں ہے اور اشیاء کے ساتھ ملتہس ہونے کا اثر ان بیات کے ساتھ ملتہس ہونے کے اثر سے کم نہیں ہے جو مزاج شیطانی کا مقتضا ہے اور ان کے بعد اس جانور کا کھانا ہے جس کی سرشت میں ایسے افعال داخل ہیں جو ان اخلاق کے متضاد ہیں جو انسان سے مطلوب ہیں حتیٰ کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ان کی طرف طبیعت بڑھتی ہے اور وہ ضرب المثل ہو گیا ہے اور طبائع سلیمہ اس کو خبیث جانتی ہیں اور اس کے کھانے سے اعراض کرتی ہیں مگر بار خدا یا وہ گروہ جو قابل اعتبار کے نہیں ہیں اور وہ جانور جس میں اس معنی کا کمال ہو گیا اور اس کا ظہور بین ہو گیا اور تمام عرب و عجم نے اس کو مان لیا وہ چند ہیں از انجملہ ایک وہ حیوان سبعی ہیں جن کی خلقت میں خدش یعنی چھیلنا پنچوں وغیرہ سے اور زخم اور دبدبہ اور قساوت قلبی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیے کے باب میں فرمایا ہے اویا کله احد کیا اس کو کوئی کھاتا ہے اور از انجملہ وہ حیوانات ہیں جن کی خلقت میں آدمیوں کو تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لے جانا اور ان پر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور اس میں الہام شیطانی کا قبول کرنا ہے جیسے کوا اور چیل اور چھپکلی اور مکھی اور سانپ اور بچھو وغیرہ اور از انجملہ وہ حیوانات ہیں جن کی خلقت اور رڑھوں میں چھپا رہنا ہے مثل چوہے اور حشرات الارض کے اور از انجملہ وہ حیوانات ہیں جو نجاستوں اور پاکوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے پیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن اس میں بھرے رہتے ہیں۔

اور از انجملہ گدھا ہے اور وہ بلاشبہ ذلت اور حماقت میں ضرب المثل ہے اور اکثر اہل عرب جن کی طبائع سلیمہ تھیں اس کو حرام سمجھتے تھے اور شیطاں کے ساتھ اس کو مشابہت دیتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا سَمِعْتُمْ نَبِقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَانَّهُ رَاٰی شَيْطَانًا جَبَكُمُ الْغَدَّهَ كَارِيَنَّا سَنُوْا اللّٰهَ تَعَالٰی كِيْ مَدَدَ الشَّيْطَانِ سَیْئَاہَا لَکُمْ اِسْ لَیْے کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے اور تمام اطباء نے اتفاق کر لیا ہے کہ یہ سب جانور بلاشبہ مزاج نوع انسان کے مخالف ہیں لہذا طب

کے اعتبار سے بھی ان کا کھانا نہ چاہیے اور معلوم کرو کہ اس جگہ چند امور پوشیدہ ہیں ان کے حدود کے ضبط کرنے اور شکل کی تمیز کرنے کی حاجت پڑی اور انجملہ یہ ہے کہ شرکین یا شبائے اپنے معبودوں اور نجا کروں کے لیے ان کو ذبح کر کے ان کی طرف اس کا قرب کیا کرتے تھے اور اس میں ایک نوع کا شرک تھا ہذا حکمت الہیہ کا مقصد یہی ہوا کہ اس اشراک سے نبی کی جانے پھر اس تحریم کی اس طرح پر تاکید کی جائے کہ طوافیت کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے کھانے سے لوگوں کو ممانعت کر دی جائے تاکہ اس فعل سے باز رہیں اور نیز ذبح کرنے کی قیادت اس مذبح میں بھی سرایت کر جاتی ہے اس کی وجہ ہم صدقہ میں بیان کر چکے ہیں پھر ذبیحہ للطلبہ افیت چونکہ ایک امر مبہم تھا اس لیے شارح نے ماہل وغیرہ لفظ بہ اور ماذبح علی النصب اور اس جانور کے ساتھ جس کو مسلمان اور اہل کتاب کے سوا کسی ملت کا کوئی شخص جس کے دین میں اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا ذبح کرنے کی حرمت نہیں ہے ذبح کرے انضباط فرمایا اس لیے اہل مذبح ہوا کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کا ذکر کرنا واجب ہو کیونکہ طلال و حرام میں بظاہر تمیز کی یہی صورت ہے اور نیز جب حکمت الہیہ نے انسان کے لیے ان حیوانات کو جو حیات میں اسی کے مثل ہیں مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی ہذا واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالتے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہوں اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ اللہ کا نام ان پر ذکر کریں زبان سے اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان پر عطا فرمائی ہے بسمیہ چار پایوں سے اور از انجملہ یہ ہے کہ تمام ملل حق و باطلہ میں مردار جانور حرام ہیں مطلقاً اس بات پر اس واسطے اتفاق ہے کہ ظیروۃ القدس سے ان ملت والوں کو اس بات پر تلقی ہوئی ہے کہ وہ چیزیں نجس ہیں اور مذہب باطلہ کا اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں اثر کی ہوتا ہے مردار جانور سے جان میں مرتے وقت اخلاط سے یہ پھیل جاتے ہیں جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار و فیہ مردار سے جدا کیا جائے پس اس کا انضباط کیا گیا کہ غیر مردار وہ ہے جس کی جان کھانے کی غرض سے نہ نکالی جائے اس باعث سے اس جانور کا کھانا حرام ہو گیا جو سینک لگ کر یا کہیں سے گر کر مر جائے یا کوئی درندہ اس کو کھالے کیونکہ یہ سب خباثت اور مہلکی چیزیں ہیں اور از انجملہ یہ ہے کہ عرب اور یہود ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلامروڑ کر یا پیٹ پھڑ کر کھا جایا کرتے تھے اور ذبح اور نحر انبیاء علیہم السلام کا ہمیشہ سے طریقہ چلا آتا تھا اور اس کے اندر بہت سی مصلحتیں تھیں ایک تو یہ کہ اس میں ذبیحہ کو زیادہ تر تھک نہیں ہوتی یہ وہ جان نکالنے کا سب سے آسان طریقہ بھی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا فلیروح ذبیحہ پس چاہیے کہ اپنے ذبیحہ و آرام سے اور شریطۃ الشیطان یعنی نیم نعل کر کے چھوڑ دینے سے جو آپ نے نبی فرمائی اس میں یہی راز ہے اور ایک یہ ہے کہ ان جانور کے جانے سے جن کے لگ جانے سے کپڑے کو دھو ڈالتے ہیں اور ان سے بچتے رہتے ہیں اور ذبح کرنے میں ذبیحہ اس نجاست سے پاک کرنا ہوتا ہے بخلاف گلامروڑ نے اور پیٹ چاک کرنے کے کہ اس میں وہ جانور ^{ستلطل} بالنجاست ہو جاتا ہے اور ایک یہ بات ہے کہ ذبح برائت ابراہیمی کے شعار میں سے ہے جس کی وجہ سے اس دین کا آدمی اور دین والوں سے تمیز ہو جاتا ہے ذبح برائت اور سال فطرت کے مانند ظہر اور آنحضرت ﷺ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کے قائم کرنے سے اپنے کو شرف فرمایا ہے اس واسطے آپ کے اوپر اس کا محفوظ رکھنا ضرور ہوا پھر گلامروڑ نے اور پیٹ چاک کرنے سے تمیز نہ ہوتی ہوئی اور ان کی یہی صورت ہے کہ کسی تیز چیز سے کاٹا اور وہ بھی صلیق اور کران کی جڑ میں یہ وہ چیزیں ہیں جن سے صحت نفسانی

کے محفوظ رکھنے اور مصلحت دینی کے قائم کرنے کے لیے منع کیا اور وہ چیزیں جن سے صحت بدنی کو نقصان پہنچتا ہے مثل سموم اور مضطرات ان سے ممانعت کرنے کا حال ظاہر ہے اور یہ اصول ممتد ہو چکے تو اب ہم مفصل طور پر بیان کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو مالکولات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کے جانور کو کسی صفت کی وجہ سے جو اس قسم میں پائی جاتی ہے حرام فرمایا ہے اور دوسری وہ قسم ہے جس کو ذبح کی شرط نہ پائے جانے سے حرام کیا ہے اب حیوانات کی کئی قسمیں ہیں ایک تو گھریلو جانوروں میں سے اونٹ و گائے بیل بھیڑ بکری مباح کیے گئے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:

أَجَلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ جانور پاک اور معتدل المزاج اور مزاج انسانی کے موافق ہوتے ہیں اور خیر کے دن گھوڑے کے کھانے کی اجازت دی گئی اور گدھے کے کھانے سے نبی کی گئی اس لیے کہ تمام عرب و عجم گھوڑے کو پسند کرتے ہیں اور تمام حیوانات میں گھوڑے کو فضیلت دیتے ہیں اور انسان کے ساتھ اس کو مشابہت ہے اور گدھا اپنی حماقت اور لذت میں ضرب المثل ہے اور اس کی خاصیت ہے کہ شیطان کو دیکھ کر ریٹکتا ہے اور عرب کے پاکیزہ اور ذکی الفطرت لوگ اس کو حرام جانتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے اور مرغابی اور بط بھی مرغی کے مثل ہے اس لیے کہ یہ بھی پاک چیزیں ہیں اور مرغ کی خاصیت ہے کہ فرشتہ کو دیکھ کر بانگ کہتا ہے اور کتا اور بلی حرام کیے گئے ہیں اس لیے کہ یہ دونوں درندوں میں داخل ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں اور کتا شیطان ہوتا ہے اور دوسری قسم وحشی یعنی جنگلی جانور ہیں ان جانوروں میں سے جو جانور نام و صفت میں بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں مثلاً ہرن اور نیل گائے اور شتر مرغ اور ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو کسی نے بطور ہدیہ کے گور خر کا گوشت بھیجا تو آپ نے اس کو تناول فرمایا اور کسی شخص نے خرگوش کا گوشت آپ کو بھیجا تب بھی آپ نے اس کو قبول فرمایا اور ایک مرتبہ آپ کے دسترخوان پر لوگوں نے گوہ کا گوشت کھایا اس لیے کہ عرب لوگ ان چیزوں کو طیب جانتے تھے۔ اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے گوہ نہ کھانے کی نسبت یہ عذر کیا کہ میری قوم کے ملک میں یہ نہیں تھی اس لیے مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی اور ایک مرتبہ احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی اور ایک مرتبہ اس سے نہی فرمائی اور میرے نزدیک ان میں کچھ تاقض نہیں ہے کیونکہ اس میں دونوں وجہ پائی جاتی ہیں کہ غذا کے لیے ہر ایک کافی ہے مگر مشتبہ چیز کا ترک کرنا تبرع میں داخل ہے پر وہ چیز حرام نہیں ہوتی اور نہی سے آپ کی مراد کراہت تنزیہیہ ہے اور آپ نے تمام درندوں کے کھانے سے نہی فرمائی ہے اس لیے کہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج اور ان کی عادات بد اور ان کے دل میں رحمت نہیں ہوتی اور پرندوں میں کبوتر اور چڑیا کو مباح کیا اس لیے کہ یہ پاک جانور ہیں اور ہر شکاری پرند کے کھانے سے نہی فرمائی اور بعض جانوروں کو آپ نے قاسق سے تعبیر فرمائی "بند انہا کھانا بھی ناجائز ہے اور جو جانور مردار اور نجاست کھاتا ہے یا عرب کے لوگ اس کو خبیث جانتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اور حرام کیں ان پر خبیث چیزیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نڈی کو کھایا کرتے تھے کیونکہ عرب اس کو پاک جانتے تھے اور ایک قسم دریائی جانور ہیں ان میں سے جن کو عرب پاک جانتے ہیں ان کا کھانا مباح کیا گیا مثلاً مچھلی اور عنبر اور جس کو وہ ناپاک سمجھتے ہیں اور حرام جانور سے اس کا نام لیتے ہیں مثلاً خنزیر تو اس میں اولہ متعارض ہیں مگر اجتناب اولیٰ ہے۔

اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے گھی کی نسبت جس میں چوبہا مر یہ تھا سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس چوبہا میں جو آگ پاس کے گھی کو نکال ڈالو اور باقی کو کھا دو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر گھی میں چوبہا گر پڑے اور وہ گھی جما ہوا ہے تو اس چوبہا میں جو آگ پاس کے گھی کو نکال ڈالیں اور اگر کچھا ہوا ہو تو اس کے گرد نہ چٹکوں میں بہت ہوں مردار اور وہ چیز جس میں مردار کا اثر ہو جائے تمام متوں اور امتوں میں نجیث ہو جاتی ہے پس اگر وہ نجیث دوسری پاک چیز سے متمیز ہو تو اس پاک کا کو کھا لیا جائے گا اور تا پاک و نجیث کیا جائے گا اور اگر تمیز نہ ہو تو وہ سب حرام ہو جاتی ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نجاست اور ہر وہ چیز جس میں نجاست پڑی ہو حرام ہو جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس جانور کے کھانے اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست حاکماتہ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے جبکہ اس کے اعضاء نے نجاست کو جذب کر لیا اور اس کے اجزاء میں پھیل گئی تو ان کا حکم مثل نجاست یا اس جانور کے ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا احلست لنامیتان و دمان اما المیتان الحوت و الجراد و الدمان الکبد و الطحال ہمارے لیے دو میت اور دو خون حلال کیے گئے ہیں 'میت' دو نجیث اور نجیثی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں 'میت' کہتا ہوں کبد اور طحال دو عضو ہیں اعضاء و بدن بھیمہ سے مگر یہ دونوں خون کے مشابہ نہیں تو آپ نے ان کے اندر جو شے تھی اس کو دور کر دیا اور نجیثی و نجیثی میں دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون ہی نہیں لہذا ان کے اندر نجیث مشابہ نہیں کیا یہ اور آنحضرت ﷺ نے رگت کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور آپ نے اس کا نام فسق رکھا اور فرمایا لا طست ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا تھا اور آپ نے فرمایا من قتل و ذغافی اول ضربة کتب له کذا و کذا و فی الثانیۃ دون ذلك و فی الثالثۃ دون ذلك جو شخص رگت کو پہلے ہی حربہ میں مار دے تو اس کے لیے ایسا اور ایسا عطا جائے گا یعنی سونیاں لاشی جائیں گے اور دوسری مرتبہ میں اس سے کم اور تیسری مرتبہ میں اس سے کم 'میت' کہتا ہوں بعض حیوان کی خلقت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ ان سے افعال اور نباتات شیعانیہ صادر ہوتی ہیں اور وہ حیوانات میں قریب تر شیطان کے ہوتے ہیں اور وہ سب سے اعتبار سے وہ اس کے تابع ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے معلوم کر لیا تھا کہ رگت بھی انہیں حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو پھونکتا تھا اس کے کرنے کے لیے یہ اس کا مقصد ہے یعنی تھا شیطان سے وہ اس کے سبب سے اگرچہ اس کے پھونکنے کا آگ کے اندر کچھ اثر نہ تھا اور اس کے قتل کرنے میں آپ نے وہ وجہ سے رغبت والی ایک قویہ کہ اس میں نوع انسانی کی ایذا کا دفع ہے تو اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے شہروں سے دشمنوں کی قوتیں گرتی ہیں اور سوائے اس کے اس میں یہ فصالت پائی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں لشکر انسانی کا قورنا ہے اور اس نے وہ سب سے رغبت اور سوائے اس کے اس میں یہ فصالت پائی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا مار ڈالنا اول ضربہ میں دوسری مرتبہ مارنے کے اس لیے افضل ہے کہ اس میں مذاقت اور سہولت الی الخیر پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اللہ پاک نے فرمایا ہے: **وَحُرِّمْتُ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخنزیرِ وَمَا احْلٰ لَیْلِی اللّٰہِ بِهِ وَالفَحْشٰی وَالمُفْوَؤْدَہُ وَالمُتْرَدِیۃُ وَالنَّطِیۃُ وَمَا اَکَلَ السِّنۡعُ اِلَّا مَا ذَکَبْتُمْ وَمَا ذَبَحَ عَلٰی النَّصَبِ وَاِنْ نَسِیْتُمْ اِلَّا بِالْاَرَامِ ذَلٰلَکُمْ فَسٰی** میں کہتا ہوں کہ میتہ یعنی مردار اور خون کے حرام ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں

نخس ہیں اور خنزیر کی یہ وجہ ہے کہ یہ ایسا جانور ہے کہ اس کی صورت میں ایک قوم مسخ ہو چکی ہے ﴿وَمَا أُحِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ اور جو اصنام کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں اس میں قطعی شرک ہے اور اس لیے کہ یہ فعل کی بجائے مفعول بہ میں سرایت کرتی ہے اور مختفہ وہ جانور ہے کہ جس کا گلامر وڑا جائے اور وہ مر جائے اور موقوفہ وہ جانور ہے جو بغیر چھری کے مارا جائے، مثل لکڑی اور پتھر سے اور مترد یہ وہ جانور ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گر پڑے اور نطیحہ وہ جانور ہے جو سینگ لگ کر مر جائے ﴿وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ﴾ یعنی درندے کے کھانے سے جو بچ رہے یہ سب حرام ہیں اس واسطے کہ ذبیحہ طیبہ کا انضباط شارع نے اس صفت کے ساتھ فرمایا ہے کہ جس کے خلق یا گردن پر کسی تیز چیز کا جان نکالنے کے قصد سے استعمال کیا جائے پس اس سے لازم ہوا کہ ان سب صورتوں میں جو اس کے سوا ہیں وہ جانور حرام ہو اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں اس جانور کا بہتا ہوا خون اس کے تمام بدن میں پھیل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا تمام گوشت ناپاک ہو جاتا ہے ﴿إِلَّا مَا زَكَّيْتُمْ﴾ یعنی مگر وہ جانور کہ جس کو اس طرح چوٹ لگے یا زخم پہنچ جائے اور ہنوز وہ زندہ ہو اور پھر تم اس کو ذبح کر لو اور جان کا ٹکنا ذبح کرنے کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے ﴿وَأَنْ تَسْتَفْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ یعنی تمہاری قسمت میں جو برائی یا بھلائی ہے جوئے کے تیروں سے تم اس کا معلوم کرنا چاہو، جاہلیت میں ایسا کیا کرتے تھے کہ کسی بات کے معلوم کرنے کو وہ تیر پھینکا کرتے تھے ایک تیر میں **افعل** یعنی کر اور ایک میں **لا تفعل** یعنی مت کر اور ایک میں غفل یعنی خالی لکھا ہوتا تھا اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ پر افترا اور اپنے جہل پر اعتماد پایا جاتا تھا، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس سے نہی فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے اس بات سے نہی فرمائی ہے کہ نشانہ بازی کے لیے کسی جانور کو زندہ باندھ دیا جائے اور پھر نشانے لگا کر اس کو مار ڈالیں اور اس کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت جانوروں کو باندھ کر اس سے نشانہ بازی کیا کرتے تھے۔ اور اس میں بلا ضرورت اس جانور کو ستانا تھا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی یا کسی نعمت کا شکر یہ ہوتا تھا اس واسطے اس سے نہی کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر لکھا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھے طور پر قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طور پر ذبح کرو اور تم میں سے کوئی ہو اس کو چاہیے کہ اپنی چھری کو تیز کر لیا کر و اور اپنے ذبیحہ کو آرام لینے دیا کر و میں کہتا ہوں قریب تر طریقہ جان کے نکالنے کے اختیار کرنے میں داعیہ رحمت کا اتباع ہے اور یہ وہ خلعت ہے جس سے پروردگار عالم راضی ہوتا ہے اور اس پر اکثر مصالح منزلیہ اور مدنیہ موقوف ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کسی جانور کا عضو کاٹا جائے اور حالانکہ وہ زندہ ہو تو اس کو مردہ کا حکم ہے میں کہتا ہوں وہ لوگ اونٹوں کے کوبان اور اونٹنیوں کی چکدیاں کاٹ لیا کرتے تھے اور اس میں عذاب دینا تھا اور جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا مشروع کیا تھا اس کے خلاف تھا تو آپ نے اس سے نہی فرمائی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص چیز یا اس سے بڑے جانور کو ناحق مار ڈالے تو اللہ عز و جل اس کے قتل سے استفسار فرمائے گا، آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اور اس کا حق کیا ہے آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو ذبح کر لے اور اس کو کھائے اور یہ نہ کرے کہ اس کے سر کو قطع کر دے پھر اس کو پھینک دے میں کہتا ہوں کہ اس جگہ دو چیزیں مشتبہ ہیں پس باہم ان کی تمیز ضروری ہے ایک تو یہ ہے کہ ذبح کرنا حاجت کی وجہ سے ہو اور مصلحت نوع انسانی کے داعیہ کا اتباع ہو اور دوسرا یہ ہے کہ ملک میں نوع حیوانی کے فاسد کرنے میں سعی ہو اور قساوت قلبی یعنی بے رحمی کے داعیہ کا اتباع ہو

اور معلوم کرو کہ شکار بازمی عرب کی عادت اور ان کی عورت فاشیہ تھی کہ شکار بازمی منجملہ ان کے ان پیشوں کے جن پر ان کی معاش موقوف ہے ایک پیشہ تھا پس آنحضرت ﷺ نے اس کو مباح کر دیا اور اس کی کثرت میں جو برائی تھی اس کو اپنے اس قول کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ **مَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ لَهِيَ** جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لبو کا م کیا اور شکار کے احکام اس بات پر مبنی ہیں کہ تمام شرط میں شکار کرنا ذبح کرنے پر محمول ہے بجز اس شرط کے کہ جس کا نجات دشا رہے اور اس کے لگانے میں اکثر کوشش شکار کرنے میں بیکار جاتی ہے ہذا شکاری جانور کے تھوڑے یا تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لینا شرط کیا گیا اور شکار کرنے والے کی اہلیت شرط کی گئی اور ذبح کرنا اور حلق یا گردن شط نہ کیا گیا اور ایک اس بات پر مبنی ہے کہ شکار کرنے کی ذاتیات اس میں پائی جائیں مثلاً سکھائے ہوئے جانور ہا قصداً شکار پر تھوڑا اور اگر یہ بات نہ ہوئی تو اتفاق سے اس شکار کو دبا لینا ہوگا اور شکار کرنا نہ ہوگا اور ایک یہ کہ اس شکاری جانور نے اس شکار کو حلال کیا ہو اور پچھتاہٹا لیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ زندہ مل گیا ہو اور اس نے اس کو ذبح کر لیا ہو تب تو وہ حلال ہے ورنہ حرام ہے تاکہ معلم کے معنی پائے جائیں اور **مَا أَكَلَ السَّبْعُ** سے تمیز ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے جب شکار اور زبان کے احکام دریافت کیے گئے تو آپ نے انہیں اصول کے موافق جواب ارشاد فرمائے کسی نے عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کے ملک کے باشندے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیا کریں اور ہم شکار کے ملک میں رہتے ہیں اپنی کمان اور اپنے کتے معلم وغیرہ معلم سے شکار کرتے ہیں تو ہم کو کیا بات مناسب ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کے برتنوں کا جو تو نے حال بیان کیا پس اگر تم واد برتن میں ہوں تب تو ان برتنوں میں کھاؤ اور اگر میسر نہ ہوں تو انہیں کو دھو کر کھالیا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنی کمان سے جو تو شکار کر لے اسے کھالیا کر اور اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے سے جو تو شکار کر لے اس کو کھالیا کر اور جو بغیر سدھائے کتے سے شکار کر لے اور اس شکار کو زندہ پائے اس کو ذبح کر کے کھالے رسول اللہ ﷺ نے یہ خوف فرمایا ہے کہ اگر تم واد برتن ہم پہنچیں تو ان میں مت کھالیا کرو۔ میں کہتا ہوں اس میں پسندیدہ بات کا قصد کرنا اور وساوس الٹا کا مطمئن کرنا ہے اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم سدھے ہوئے کتوں کو چھوڑا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے لیا کر پس اگر وہ کتہ شکار کو تیرے لیے پھڑکھے اور تو پہنچ کر اس شکار کو زندہ پائے تب تو اس کو ذبح کر لے اور اگر تو اس کو جا بجا پائے اور کتے نے اس کو نہ کھالیا ہو تو اس کو کھالے اور اگر کتے نے اس کو کھالیا ہو تو مت کھا یہ حدیث و اس بات کی خبر نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اس کو مارا ہے اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں شکار کی طرف تیر پھینکتا ہوں اور چھل وہ تیر اس شکار میں آگیا ہوا ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تجھ کو یقین ہو کہ تیرے تیر سے وہ مرے اور کسی زندہ ہوا اثر تجھے اس میں نہ معلوم ہو تو اس کو کھالے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب تو اپنے تیر کو پھینکے تو اللہ کا نام لے لیا کر پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تیر کو نہ ملے اور پھر اس کے بعد ملے اور صرف تو اپنے ہی تیر کا اثر دیکھے تو اگر تو چاہے تو اس کو کھالے اور اگر شکار وہ پانی میں ہوا ہو یا جگہ ایسے تو اس کو مت کھا اور کسی نے عرض کیا کہ ہم معراض (وہ تیر ہے جس میں بھل اور پر ہوں) کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ جانور زخمی ہو جائے اس کو کھالے اور وہ جانور تیر کی چوڑائی سے پوٹ لگے مر جائے تو وہ جانور ذوق ہے اس وقت حلال ہے اور کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہاں ہندو میں نوحہ سلم ہیں اور ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور

ہم کو نہیں معلوم کہ آیا وہ اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے کر کھالیا کرو۔

میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے اور کسی نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہم کل دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا ہم بانس سے ذبح کریں فرمایا جو چیز خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھالے بجز دانت و ناخون کے اور ان کا حال میں ابھی تجھ سے بیان کرتا ہوں دانت تو ایک ہڈی ہے اور ناخون جشہ کی چھری ہے اور ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ گیا اور ایک شخص نے تیر مار کر اس کو روک لیا تو آپؐ نے فرمایا اس اونٹ کو وحشی جانوروں کی طرح آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے۔ پس اگر ان کی کوئی بات تم کو مجبور کرے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کرو میں کہتا ہوں چونکہ وہ وحشی ہو گیا تو اس کا حکم مثل حکم شکار کے ہو گیا اور ایک اس بکری کے باب میں آپؐ سے سوال کیا گیا کہ جس کو ایک چھو کرے نے دیکھا کہ اس پر آثار موت کے طاری ہو رہے ہیں تو اس نے ایک پتھر کو توڑ کر اس کو ذبح کیا، آپؐ نے اس کے کھانے کا حکم فرمایا، کہا گیا ہے کہ کھانوں میں سے بعض کھانے ایسے ہوتے ہیں کہ جس سے آپ حرج سمجھتے ہیں فرمایا کہ اپنے دل میں کسی بات کا اختلاف نہ کر اس میں نصرانیت کی مشابہت ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اونٹ کو نحر اور گاؤ بکری کو ذبح کرتے ہیں ہم اور ان کے پیٹوں میں ہم بچہ پاتے ہیں اس کو پھینک دیں یا کھالیں آپؐ نے فرمایا اگر تمہارا دل چاہے تو اس کو کھالو اس کا ذبح وہی ہے جو اس کی ماں کا ذبح ہے۔

کھانے کے آداب

معلوم کرو کہ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے اندر آداب سکھائے ہیں جن کو امت کے لوگ عمل میں لایا کریں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده** کھانے کی برکت کھانے سے پہلے کھل کرنے اور اس کے بعد کھل کرنے میں ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **كَلُوا طَعَامَكُمْ يَبَارِكْ لَكُمْ** اپنے غلہ کو ماپ لیا کرو تمہارے لیے برکت دی جائے گی اور فرمایا ہے **اِذَا اَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَأْكُلُ مِنْ أَعْلَى لَصْفَحَةٍ وَلَكِنْ لِيَأْكُلْ مِنْ أَسْفَلِهَا** فان البركة تنزل من أعلاها تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو رکابی کے اوپر سے نہ کھائے بلکہ اس کے نیچے سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر سے نازل ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ برکت کے یہ معنی ہیں کہ نفس سیر ہو جائے اور آنکھوں کو سرور ہو اور دل کو تسلی ہو اور زیادہ حریف نہ ہو جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اس کا مفصل بیان یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ دو شخص ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس سو درہم ہیں مگر ان میں سے ایک کو تو اپنے تنگ دست ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور لوگوں کے مال میں اس کو طمع رہتی ہے اور اپنے مال کے خرچ کرنے میں موقع محل نہیں دیکھتا کہ اس کو دین یا دنیا کا کچھ نفع ہو اور دوسرا ایک محتاط آدمی ہے اور جاہل لوگ جانتے ہیں یہ دولت مند آدمی ہے اور میانہ روی سے زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن رہتا ہے پس دوسرے شخص کے مال میں برکت دی گئی اور پہلے کے مال میں برکت نہ دی گئی اور برکت کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو اپنی ضرورت میں صرف کرے تو وہ شے اس کے لیے بہ نسبت اپنے مثل کے زیادہ تر کافی ہوگی اس کی تفصیل ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو شخص ہیں اور ہر ایک ان میں سے ایک رطل کھانا کھاتا ہے مگر ایک کی طبیعت غذا کو جزو بدن کر لیتی ہے اور دوسرے کے حصہ

میں چہ آفت ہوتی ہے اور اس کا کھانا اس کے لیے مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے اور بسا اوقات دو شخصوں کے پاس مال ہوتا ہے مگر ایک شخص اس مال کو ایسے اسباب کے خریدنے میں صرف کرتا ہے جس میں اس کا زیادہ تر نفع ہے اور تدبیر زندگانی میں موقع محل کا لحاظ رکھتا ہے اور دوسرا شخص اپنے مال کو فضول صرف کرتا ہے اور اس کی ضرورت میں وہ مال کچھ کام نہیں آتا اور ہیات نفسانیہ اور عتقاد نفسانیہ کو برکت کے ظاہر ہونے میں ایک قسم کا اثر ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے فَمَنْ أَخَذَهَا بِأَشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يَبَارِكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ پس جس شخص نے اس کو حرص نفسانی کے ساتھ لیا اس میں اس کو برکت نہ دی جائے گی اور وہ ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر ہوا میں کسی کتلی کو نیک لگا کر رکھ دیا جائے تو اس پر سے چنے والے کا پیر پھڑ جاتا ہے اور اگر اسی کتلی کو زمین پر رکھ دیا جائے تو اس پر سے چنے والے کا پیر نہیں پھڑتا پس جب ایک شخص کسی چیز کی طرف قصد کرتا ہے اور اس کو یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ چیز اس کے لیے کافی ہو جائے اور اس بات پر اپنے نفس کو مطمئن کر دیتا ہے تو یہ اس کی خوشی اور اطمینان خاطر اور قناعت کا سبب ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ امر طبیعت کے اندر سرایت کرتا ہے اور وہ طبیعت ضروریات میں اس کو صرف کرتی ہے پس جب ایک شخص نے کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے اور جو تا پیروں سے اتار کر علیحدہ کر دیا اور با اطمینان خاطر بیٹھ گیا تو ان باتوں کا اس نے خوب لحاظ کیا اور اللہ کا زبان سے نام لیا تو اس پر برکت کا فیضان ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی شخص غلہ ماپ کر اس کی مقدار اس کو معلوم ہوتی ہے اور میں نہ روی کے ساتھ اس کو اپنی ذات پر صرف کرتا ہے تو کم از کم اس کو اس قدر غلہ کافی ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لیے کافی نہیں ہو سکتا اور جب غلہ کو بے احتیاطی کے ساتھ ذال دیتا ہے اس سے دل میں اس کی بے قدری ہو جاتی ہے اور اس کے سبب سے وہ ایک بے قدر چیز ہو جاتا ہے اور کم از کم غلہ جو اس کے لیے کافی ہو سکتا ہے وہ اس غلہ سے جو دوسروں کے لیے کافی ہو سکتا ہے زیادہ ہونا چاہیے اور میرے گمان میں یہ بات ضروری ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان بسا اوقات ایک روٹی حاجے سے زیادہ کھا جاتا ہے یا چلتے پھرتے یا باتیں کرتے اس کو کھا لیتا ہے اور اس کے کھانے پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے بدن میں جزو بدن ہوتا معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے اس کی نیت سیر ہوتی ہے اگرچہ معدہ بھر جائے اور بسا اوقات ایک رطل کے قدر اندازہ سے لیا جاتا ہے پس حقیقت میں جو ایک رطل سے زیادہ ہے ان کے وجود و عدم یکساں ہوا اور وہ کسی کام میں نہ آیا مگر کچھ مدت کے بعد جب اس غلہ کو دیکھا تو اس کو معلوم ہوا الحاصل برکت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے اندر اسباب طبعی ہیں جن کے ضمن میں کوئی فرشتہ بزرگ یا شیطان مرید و مذکر تاربتا ہے اور ان اسباب کی صورت میں روح ملکی یا شیطان پھونک دی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اور کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں میل دور ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے کی بو اور وسوسہ زائل ہو جاتی ہے اور اس بات کا اندیشہ جاتا رہتا ہے کہ ہاتھوں سے اس کے کپڑے خراب ہوں یا کوئی درندہ اس سے ہاتھ لپٹا لے یا سانپ پھو فیہ و کات لے پٹا پٹا نہ دے عیث شریف میں آیا ہے مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ غَمْرٌ لَمْ يَفْلَحْ فاحسانہ شیعی فلا بلوم الا نفسه جس کا ہاتھ مٹانے میں سنا ہوا ہو اور اس کو بغیر دھوئے ہوئے سو جائے اور پھر اس کو کچھ تھک پٹنے تو اس کو پانیہ کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے اور حدیث شریف میں آیا ہے اِذَا كَلَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَاكُلْ بِيَمِينِهِ

و اذا شرب فليشرب بيمينه تم میں سے جب کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو داہنے ہاتھ سے پیے اور حدیث شریف میں آیا ہے لا یا کل احدکم بشماله فلا يشرب بشماله فان الشيطان یا کل بشماله ويشرب بشماله تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور بائیں ہاتھ سے نہ پیے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے ان الشيطان تستحيل الطعام ان يذكر اسم الله عليه کھانے پر اللہ کا نام لینے سے شیطان اس کو حلال کر لیتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی کھانے پر اللہ کا نام لینا بھول جائے اور کھالے تو اس کو یہ کہنا چاہیے بسم اللہ اولہ وآخره اور آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص کے لیے فرمایا ہے کہ شیطان برابر اس کے ساتھ کھاتا رہتا ہے اور جب یہ اللہ کا نام لیتا ہے تو جو کچھ اس کے پیٹ میں ہوتا ہے قے کر دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے تمام حالات میں شیطان ساتھ رہتا ہے حتیٰ کھانے کے وقت بھی اس کے پاس آ کر موجود ہوتا ہے پس جب تم میں سے کسی کے پاس لقمہ گر پڑے تو شیطان کے لیے اس کو نہ چھوڑے اور اس لقمہ کو خاک سے صاف کر کے کھالے میں کہتا ہوں منجملہ ان علوم کے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائے ہیں ملائکہ اور شیاطین اور ان کے زمین کے اوپر منتشر رہنے کا علم بھی ان میں سے ہے ان کا کام ہے کہ ملائکہ اعلیٰ سے عمدہ باتوں کا فیضان الہام کے طور پر حاصل کر لیتے ہیں اور پھر بنی آدم سے ان الہامات کو بیان کر دیتے ہیں اور شیاطین کے مزاج میں آراء فاسدہ پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا میاں انتظامات فاضلہ کے بگاڑنے اور حکم وقار اور طبیعت سلیمہ کے مقتضی کی مخالفت کرنے پر ہوتا ہے وہ ان الہامات کو حاصل کر کے بنی آدم کی طرف جو ان کے پیرو ہیں بیان کر دیتے ہیں منجملہ شیاطین کے حالات کے یہ بھی ہے کہ خواب یا بیداری میں جب وہ کسی کو متحمل ہوتے ہیں تو ایسی ہیئت میں ان کا ظہور ہوتا ہے جس سے طبیعت سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانے لگنے وغیرہ کی صورت میں اور منجملہ ان احوال کے یہ ہے کہ کبھی شیاطین کے نفس میں ان صفات دنیہ کا انعکاس ہوتا ہے جو بنی آدم کے اندر قوت بہیمیہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً بھوک اور شہوت جماع وغیرہ جب یہ صفات ان کے اندر پیدا ہوتے ہیں پھر ان صفات کے پیدا ہونے کے بعد ان کو ان حوائج کے ساتھ اختلاط اور تلبس اور انسان کو ان حوائج کے وقت جو کام کرنا پڑتا ہے اسی کام کے نقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اپنے خیال میں ان افعال کے ساتھ وہ شیاطین اپنی قضائے حاجت کرتے ہیں اس اعتبار سے جو اولاد ایسے جماع سے پیدا ہوتی ہے جس میں شیاطین کی شرکت ہوتی ہے اور اس میں وہ شیاطین اپنی بھی قضائے شہوت کرتے ہیں قلیل البرکت ہوتی ہے اور شیطنیت کی طرف اس کو میاں ہوتا ہے اور اسی طرح جس کھانے میں شیاطین کا اشتراک اور ان کی ضرورت کا پورا ہونا ہوتا ہے اس کھانے میں بھی برکت کم ہوتی ہے اس کھانے سے لوگوں کو نفع نہیں حاصل ہوتا بلکہ بسا اوقات وہ مضر ہو جاتا ہے اور اللہ کا نام لینا اور پناہ مانگنا بطبع ان کی مخالفت کرتا ہے یہی سبب ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اور اس کی پناہ مانگے شیاطین اس سے ہٹ جاتے ہیں۔

اور ہم کو ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ہمارا ایک دوست ملاقات کے لیے آیا اور کچھ کھانا اس کے سامنے پیش کیا اس کے کھانے کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں سے گر پڑا اور زمین میں لڑھک گیا وہ شخص اٹھ کر اس کے اٹھانے کو چلا جتنا وہ چلتا تھا وتنا ہی وہ اس سے دور ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ حاضرین کو کسی قدر تعجب ہوا اور اس کو بھی اس کے پکڑنے میں کسی قدر محنت کرنی پڑی مگر وہ اس کو اٹھا کر

کھا گیا پھر چند روز کے بعد ایک شخص پر شیطان یعنی جن آ گیا اور وہ جن اس شخص کی زبان سے کلام کرنے لگا اثناء کلام میں اس نے یہ بھی بیان کیا کہ فلاں شخص پر میرا نذر ہوا وہ کھانا کھا رہا تھا تو مجھ کو وہ کھانا اچھا معلوم ہوا اور اس نے مجھ کو کچھ نہیں کھلایا تو اس کے ہاتھ میں سے میں نے اس کو اچک لیا تو اس نے مجھ سے اس قدر جھگڑا کیا کہ اخیر کو وہ مجھ سے چھین لے گیا اور ایک مرتبہ ہمارے گھر کے آدمی گجریں کھا رہے تھے ناگاہ کوئی کاجر اس میں سے گر کر لڑھک گئی جھٹ پٹ ایک شخص اس کو اٹھا کر کھا گیا پھر اس کے سینہ و پیٹ میں درد شروع ہوا اور اس پر جن آ کر بولنے لگا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے دو گری ہوئی کاجر لی تھی اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہمارے کان میں پڑی ہیں جن سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یہ احادیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں ان احادیث کے قبیلہ سے نہیں جن میں معنی مجازی مراد ہیں۔ واللہ اعلم

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کلہ ثم لیطرحہ فان فی احد جناحہ شفاء وفی الآخر داء وفی رواۃ انہ یتقی بجناحہ الذی فیہ الداء جبکہ تمہارے کسی برتن میں بھی گر پڑے تو سب کبھی کوڑا کر پھر اس کو پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے پر میں بیماری ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ کبھی اس پر سے نکلتی ہے جس میں بیماری ہے معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کے اندر اس کی طبیعت کو تدبیر بدن کے لیے پیدا کیا ہے وہ طبیعت بسا اوقات مواد موزیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعضاء بدن سے اطراف بدن کی طرف دور کر دیتے ہیں یہی سبب ہے کہ اطباء جانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور کبھی بسا اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے اور اس کی طبیعت اس مادہ فاسد کو اس کے عضو نیس کے یعنی پر کی طرف پھینکتی ہے پھر وہ عضو جس میں مادہ سمیہ ہوتا ہے تاو کی طرف دفع ہوتا ہے اور یہی عضو وقت ہیوم تنگیوں سے مقدم ترین اعضا کا ہوتا ہے اور اللہ کی یہ حکمت ہے کہ جس چیز میں سم رکھا ہے تو اس میں مادہ تریاقیہ بھی رکھا ہے تاکہ اس کے سبب سے وجود انسان کا ہلاکت سے محفوظ رہے اور اگر ہم اس بحث طبعی کو بیان کریں تو کلام دراز ہو جائے گا اور حاصل کلام کا یہ ہے کہ کبھی کے کانے کا زہر بعض کھانوں اور بعض غذاؤں کے کھاتے وقت محسوس اور معلوم ہوتا ہے اور جس عضو کی طرف یہ مادہ لزام دفع ہوتا ہے اس کا حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے اور طبیعت جن کے اندر وہ چیز جو ان مواد موزیہ کی مقاومت و مقابلہ کرے پوشیدہ ہوتی ہے معلوم ہوتی ہے پس کون سی چیز ہے جو اس بحث سے متعلق ہے اور آنحضرت ﷺ نے خوان پر تناول نہیں فرمایا اور نہ پیالے کے اندر اور نہ کبھی باریک و چکی چپاتی آپ کے لیے پہنائی تھی اور نہ کبھی سالم بھری بخشی ہوئی کو دیکھا اور نہ کبھی تلیہ اگا کر آپ نے کھایا اور نہ کبھی چھنی دیکھی بلا بھوسی اور بغیر چھنے ہوئے ہوش فاماتے تھے معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے تھے اور ان کی عادات و رمیانی عادات تھیں اور جمیوں کے سے آقاغات نہیں کرتے تھے اور ان کا انتہا یہ تھا کہ وہ بات ہے اور ان کی اس کا یہ ہے کہ ان میں نہ اتفق کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے نہ اعراض کریں اور نیز صاحبان مات سے لیے یہ بات پند یہ نہیں کہ اپنے اہل سے اور زیادہ میں یہی لڑیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان المؤمنین یا کل فی معا واحد و الکافر یا کل فی سعة امعاء بالانک مؤمن ایک آنٹ میں صاف ہے اور کافر ہر سات آنٹوں میں میں رہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر کافر کا قصد تو پیٹ کا بھر لینا ہے اور مؤمن کا قصد اپنی آخرت ہے تو مؤمن

کو یہی سزاوار ہے کہ کھانے میں کمی کرے اور اس کا کھانے میں کمی کرنا منجملہ خصال ایمان کے ایک خصلت ہے اور کھانے میں شدید الحرص ہونا منجملہ خصال کفر کے ایک خصلت ہے اور آنحضرت ﷺ نے نبی فرمائی ہے کہ ایک شخص دو چھواریوں کو کھانے میں جمع نہ کرے۔ میں کہتا ہوں نبی دو چھواریوں کو جمع کرنے کی کئی معنی کی متحمل ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ دو چھواریوں کو جمع کرنے میں مضغ یعنی چابنا اچھی طرح نہ ہوگا اور یہ صورت سب سے کم ہے کہ خوب ضبط نہ ہونے کی وجہ سے دو گٹھلیاں اس کو تکلیف دیں گی بخلاف اس کے جب ایک ہی گٹھلی ہو اور ایک یہ ہے کہ یہ ہیئت منجملہ ہیئت شدت و حرص کے ہے اور ایک یہ ہے کہ اس میں اپنے آپ کو دوستوں پر اختیار کر لینا ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے مصاحب اس بات کو برا سمجھیں مگر ہاں جبکہ وہ اپنے مصاحبوں سے اس بات میں اجازت لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا یجوع اهل بیت عندہم التمر جن کے ہاں چھواریں ہیں ان کے گھر کے لوگ بھوکے نہ مریں گے اور نیز فرمایا ہے بیت لا تمر حیاء اہلہ جس گھر میں چھواریں نہیں اس کے گھر والے بھوکے مریں گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے نعم الا دام الخل کہ بہتر سالنوں کا سرکہ ہے میں کہتا ہوں کہ تدبیر منزل اس میں ہے کہ اپنے گھر میں کچھ چیز جمع کر لے جو بازار میں ارزاں ہو جیسے مدینہ میں چھو ہارے اور ہمارے ملک کے دیہات میں گاجروں کی جڑیں وغیرہ پس اگر کھانا جس کی طرف طبیعت رغبت کرتی ہے پائے فبہا ورنہ جو چیز اس کے پاس ہو وہی اس کی روزی اور ستر ہو جائے گا پھر اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو بھوک کے وقت تکلیف اٹھائیں گے اور یہی حال سالنوں کا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من اکل ثوما و بصلًا فلیعتزلنا جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے جدا رہے اور ایک ہانڈی آپ کے سامنے پیش کی گئی جس میں وہ ترکاریاں تھیں جن میں بو آتی ہے تو آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں اس کو نجات دیتا ہوں جس کو تو نہیں دیتا میں کہتا ہوں ملائکہ لطافت اور پاکیزگی کو محبوب جانتے ہیں اور ہر ایک اس چیز کو جو عادت پاکیزہ کو برا سمجھتے کرے اور اس کے خلاف سے نفرت کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے درمیان شریعت محسنین کے جن میں انوار ملکیت کے چمکتے رہتے ہیں اور مابین ان کے غیر کے فرق کر دیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے جو ایک لقمہ کھائے اور اس پر اللہ کا شکر کرے اور ایک گھونٹ پانی پیئے اور اس پر اللہ کا شکر کرے راضی ہوتا ہے اس کا راز سابقاً گذر چکا ہے اور حمد کے باب میں چند طریقہ مروی ہیں جو نسا بجالا یا اس نے سنت کو ادا کر دیا از انجملہ یہ ہے الحمد لله حمداً كثيراً طیباً مبارکاً فید غیر کفی ولا مودع ولا مستغناً عنه ربنا اور از انجملہ یہ ہے الحمد لله الذی اطعم وسقى وسوغه وجعله مخرجاً اور ہر ماہ مہمانی کرنا منجملہ اسباب جو انمردی کے ایک باب ہے اور عادت مدنیہ و ملیہ کے جمع کرنے کے لیے ایک سبب ہے اس کی وجہ سے مابین آدمیوں کے دوستی ہوتی ہے اور مسافر لوگ کچھ ضرر نہیں پاتے تو اس کا باب زکوٰۃ میں شمار کرنا ضروری ہوا اور ضروری ہے کہ اس میں رغبت اور حرص دلائی جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور دن آخرت پر ایمان لائے تو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے۔ اب یہ حالت لاحق ہوئی کہ مہمان نوازی کی مدت معین کی جائے تاکہ مہمان کے سبب سے میزبان کو دقت نہ واقع ہو یا مہمان تھوڑے کو بہت نہ شمار کرے لہذا ایک رات دن اس کی خاطر داری کی مدت مقرر کی گئی اور وہ بمنزلہ صلہ کے ہے اور منجہ مدت تین روز مقرر کیے گئے۔

مسکرات کا بیان

معلوم کرو کہ نشہ آور چیز کے کھانے سے عقل کا زائل کرنا لامحالہ عند القتل ایک قبیح فعل ہے اس لیے کہ اس میں نفس کو ورطہ بہیمیت میں ڈال دینا اور ملکیت سے نہایت درجہ بعید ہو جانا ہے اور نیز اس میں خلق الہی کی تغییر ہے اس لیے کہ اس شخص نے اپنی عقل کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو مخصوص و ممنون کیا ہے بگاڑ دیا اور نیز اس میں مصلحت منزیہ اور مدنیہ کا بگاڑنا اور مال کا ضائع کرنا اور بیات قبیحہ ہاپنے اور طاری کرنا اور مستحکمہ اطفال بننا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو صراحتاً اور اشارتاً اس آیت کریمہ میں جمع فرمایا ہے **إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُفَوِّعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ**۔ الایہ یہی سبب ہے کہ تمام مل و نخل کا یقیناً اس کی قباحت پر اتفاق ہے اور بعض فقہ البصیرت لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حکمت عملیہ کے اعتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے کیونکہ طبیعت کی تقویت ہوتی ہے ان کا یہ گمان حکمت طبیہ کی حکمت عملیہ کے ساتھ اشتباہ کے قبیلہ سے ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ دونوں متغایر ہیں اور اکثر اوقات ان دونوں میں کشمکش اور تنازع پیدا ہو جاتا ہے مثلاً قتل ایسی چیز ہے کہ طب کے اعتبار سے منع ہے کیونکہ اس میں بدن انسانی کا قطع کرنا ہے طب کے اعتبار سے جس کی حفاظت و ادب اور ضروری ہے اور اصلاح ملک یا عار شدید کے دور کرنے کی غرض سے حکمت عملیہ بسا اوقات اس کو ضروری جانتی ہے اسی طرح جماع ایک ایسی چیز ہے کہ غلبہ شہوت اور اس کے چھوڑنے سے ضرر کے اندیشہ کی صورت میں حکمت طبیہ اس کو ادب کرتی ہے۔ اور بسا اوقات عار کے اتق ہونے یا سنت راشدہ کی مخالفت پائے جانے سے حکمت عملیہ اس کو حرام سمجھتی ہے اور ہر فرقہ اور ہر قرن کے دانشمند لوگوں کے نزدیک مصلحت کو طب پر ترجیح ہے اور یہ عقائد لوگ اس شخص کو جو مصلحت سے نفع نہ حاصل کرے اور صحت و سمانی حاصل کرنے کے لیے اس کی پابندی چھوڑ دے بالاتفاق فسق و فاجر اور بدکردار جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم فرمائی ہے **فِيهِمَا أَنْتُمْ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَالْفُفْهُمَا أَكْثَرُ مَنْ نَفْعِهِمَا** ان دونوں میں تم بزرگ و نفع ہیں اور ان کا تنہا ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے البتہ نشہ آور چیز کے استعمال کرنے میں اس صورت سے اندر مد سلوک نہ چننے اور اس پر مفاسد مترتب نہ ہوں عقائد کا اختلاف ہے اور شریعت مستقیمہ محمدیہ جو سیاست امت و فساد کے اسباب بند کرنے اور احتمال خریف کے قطع کرنے میں درجہ عدل کا رکھتی ہے اس نے اس بات کا لحاظ فرمایا کہ قہری شراب بہت سی لی طرف پہنچاتی ہے اور جب تک نفس و شراب سے نبی نہ کی جائے مفاسد سے نبی کرنا کچھ مؤثر نہیں ہے اس لیے مجوس و فیر و کاپور اسال شاید ہے اور نیز اگر بعض شراب کی اجازت کا دروازہ مفتوح کر دیا جائے تو یہ ست ملیہ کا انتہام ہو نہیں سکتا لہذا طلاق شراب نے ساتھ حرمت متعلق کی کئی نواہد قبل ہو یا شیر مذیث شریف میں آیات **لَعْنُ اللَّهِ الْخَمْرَ وَشَارِبِهَا وَسَافِهَا وَنَابِعِهَا وَمَتَاعِهَا وَعَاصِرِهَا وَمَمْتَصِرِهَا وَحَامِلِهَا وَمَحْمُولِهَا** البہ شراب پر اور اس کے پینے

والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے اور نچروانے والے اور منگوانے اور لانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے میں کہتا ہوں جب ایک چیز کے حرام کرنے اور اس کے نیست و نابود کرنے میں مصلحت قرار پائی اور اس کی بابت حکم الہی نازل ہو گیا تو ضرور ہوا کہ تمام ان چیزوں سے نبی کی جائے جن سے اس کی قدر اور لوگوں میں دستور اور رغبت پائی جائے کیونکہ اس میں اس مصلحت کی مخالفت اور شرع کے ساتھ عداوت ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے بہت سی احادیث ب شمار طریقوں اور مختلف عبارتوں سے منقول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا: **الخمير من هاتين الشجرتين النخلة و العنبة** شراب ان دو درختوں سے بنتی ہے چھوارے کا درخت اور انگور کا درخت۔

اور ایک شخص نے اپنے تئیں اور مرزوغیرہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا جو نشہ لائے وہ حرام ہے اور آپ نے فرمایا ہر نشہ آور شراب حرام ہے اور نشہ آور حرام ہے اور جو چیز بہت ساری نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے اور جن لوگوں نے نزول آیت کا مشاہدہ کیا ان کا قول ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اس وقت میں شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی انگور چھوارہ گیسوں جو شہد اور خمر یعنی شراب اس چیز کا نام ہے جو عقل کو مخمور کر دے اور انہیں کا قول ہے کہ جب شراب حرام کی گئی تو شراب انگوری بہت کم میسر ہوتی تھی اور اکثر شراب گدر چھو ہاروں یا خشک چھو ہاروں کی ہوا کرتی تھی۔ اور جب آیت کا نزول ہوا ہے تو لوگوں نے شراب کے مٹکے جو گدر چھو ہاروں کے بنے ہوئے تھے پھوڑ ڈالے اور قوانین شرع کا یہی مقتضی ہے کہ مطلق شراب حرام ہو اس لیے کہ شراب انگوری کے خاص ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں حرام ہونے کی وجہ صرف عقل کا زائل کرنا اور قلیل کا کثیر کی طرف داعی ہونا لہذا مطلق شراب کی حرمت کا قائل ہونا ضروری ہوا اور اس زمانہ میں کسی شخص کو جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جائے یا حد اسکار (نشہ لانا) سے کم استعمال کی جائے اس کی حلت کا قائل ہو۔ البتہ چند صحابہؓ اور تابعین کو شروع شروع میں یہ حدیث نہ پہنچی تھی اس لیے وہ معذور تھے۔ اور جب یہ حدیث تمام میں پہنچ گئی اور نصف النہار کے مانند یہ بات ظاہر اور عیاں ہو گئی اور یہ حدیث صحت کے درجہ کو پہنچ گئی لیشر بن ناس من امتی بخمر یسمونها بغیرا سمھا۔ بلاشبہ میری امت کے لوگ شراب پیا کریں گے اور شراب کے سوا اور کچھ اس کا نام رکھیں گے تو اب کوئی عذر باقی نہیں ہے۔

اعاذنا الله منها والمسلمين من ذلك.

اور آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے شراب سے سرکہ بنانے کی نسبت سوال کیا تو آپ نے اس کو منع فرمایا اس سائل نے کہا میں دوا کے لیے اس کو بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے حریص تھے اور اس کے پینے کے لیے حیلے کیا کرتے تھے اس لیے مصلحت تادمہ اس میں بھری کہ بہر حال اس سے نبی کی جائے تاکہ کسی کو کوئی حیلہ اور عذر باقی نہ رہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے غبیزہ تمر اور لبر یعنی گدر چھوارے اور غبیزہ کشمش اور چھوارے اور غبیزہ زہو اور رطب سے منع فرمایا اور زہو ان گدر چھواروں کو کہتے ہیں جن میں سرخی نمودار ہو جائے اور رطب تازہ پکے ہوئے چھواروں کو کہتے ہیں میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ملانے کے سبب سے مزہ بدلنے سے پہلے ہی ان چیزوں میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے جس کے سبب سے پینے والے کو گمان ہوتا ہے کہ وہ مسکر نہیں ہے حالانکہ وہ مسکر ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ جب کسی چیز کو پیا کرتے تھے تو تین سانسوں سے پیا کرتے اور فرماتے

تھے کہ اس سے سیرابی خوب ہوتی ہے اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور طبیعت کو خوب گوارا ہوتا ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ معدہ میں جب تھوڑا تھوڑا پانی پہنچتا ہے تو طبیعت جہاں اس کو ضروری سمجھتی ہے اچھی طرح صرف کرتی ہے اور جب دفعتاً بہت سا پانی اس پر غلبہ کرتا ہے تو اس کے اندر صرف کرنے میں متحیر ہو جاتی ہے، بارد المزاج آدمی کے معدہ میں جب بہت سا پانی دفعتاً پہنچتا ہے تو مقدار کثیفی مزاحمت واقع ہونے سے اس کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ بتدریج اس قدر پانی پہنچے اور حار المزاج آدمی کے معدہ میں جب دفعتاً پانی پہنچتا ہے تو ان دونوں میں مدافعت ہوتی ہے اور برودت پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی تاکہ معدہ طور پر اس کی سیرابی ہو اور جب بتدریج پانی پیتا ہے تو اولاً مزاحمت ہوتی ہے اور بعد کو پھر برودت کو غلبہ ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ پانی سے برتن سے منہ لے کر پانی پینے سے اور مشک وغیرہ کے دبانے اور اونٹ کے پانی پینے سے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جب مشک و منہ لگا کر پانی پیا تھا تو ایک سانپ اس سے پانی پینے تو پانی اس میں سے اچھل کر دفعتاً اس کی حلق میں پہنچے گا اور اس سے درد بھر پیدا ہو جاتا ہے اور معدہ و نہر پہنچتا ہے اور نیز پانی کے دفعتاً منہ میں آنے سے تنکا وغیرہ متمیز نہیں ہوتا اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشک و منہ لگا کر پانی پیا تھا تو ایک سانپ اس کے حلق میں پانی کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا میں کہتا ہوں کہ یہ نبی تادیب اور ارشاد کے لیے ہے۔ چونکہ بہترین صورت بیٹھ کر پینا ہے اور سیرابی اور نفس کو سیری اس سے عمدہ طرح حاصل ہوتی ہے اور طبیعت کی اس پانی کو مکمل پر صرف کرنے کی بہترین صورت یہی ہے اور آنحضرت ﷺ کا فعل بیان جواز کے لیے اور آپ نے فرمایا **الایمن فلا یمن**۔

والایمنی طرف کا پس والایمنی طرف کا ہے میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد قطع منازعت ہے اس لیے کہ اگر افضل کا مقدم کرنا مقرر کیا جاتا تو الٹا ایسا ہوتا کہ ایک شخص کی فضیلت و سب لوگ نہ مانتے اور بسا اوقات ایک کے مقدم کرنے سے دوسرے کو ملال پہنچتا اور آنحضرت ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ پھونکنے یا سانس لینے سے منہ یا ناک سے کسی ناگوار چیز کے گرنے کا خیال ہوتا ہے جس کے سبب سے ایک ہیئت قبیحہ پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **سمعو اذا انتم شربتم واحمدوا اذا انتم رفعتم** سب کوئی چیز پیو تو بسم اللہ پڑھا کرو اور جبکہ تم کھانا اٹھایا کرو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کرو اس کا راز ہم بیان کر چکے ہیں۔

لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان

معلوم لرو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجسم کی عادات اور لذائذ دنیاوی کے اندر منہمک ہونے میں ان کے تکلفات پر نظر ڈالی تو ان میں سے جو سب کی جزا اور سب کی اصل ہیں ان کو حرام کیا اور جو ان سے کم درجہ کے تکلفات ہیں ان کو مکروہ کیا اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ چیزیں دار آخرت جملانے والی اور طلب دنیا کی کثرت سے مستلزم ہیں، جملہ ان اصول کے لباس فاخرہ ہے کیونکہ سب سے زیادہ ان کو ای کا اہتمام ہوتا ہے اور اسی نے ان کو بڑا اثر ہوتا ہے اور اس نے کئی طرح پر بحث کی گئی ہے ازاجملہ کہ یہ اور ازاد کا بہت زیادہ اثر ہے یہ غلہ اس سے کہ اور زیباں جو لباس سے مقصود ہوتی ہے ان کو مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف فخر اور اپنی تو نگری وغیرہ دکھانا

مقصود ہوتا ہے اور زیبائش صرف اسی قدر میں ہے جو بدن کے برابر ہو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا ینظر الیہ یوم القیامۃ الی من جازازہ بطرا جو شخص اترانے کی غرض سے اپنی ازار کو کھینچتا چلے تو قیامت کے دن اللہ پاک اس کی طرف نظر نہ کرے گا اور نیز فرمایا ہے ازار المؤمن الی انصاف ساقیہ لاجناح علیہ فیما بینہ و بین الکعبین وما اسفل من ذالک ففی النار مومن کی ازار اس کی پنڈلیوں کے نصف نصف تک ہوتی ہے نصف اور ٹخنوں کے مابین جو کچھ ہو اس پر مضائقہ نہیں اور جو اس سے نیچی ہے تو وہ آگ میں ہے اور ازار انجملہ نہایت نادر اور نازک قسم کے کپڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبس یوم القیامۃ جس نے دنیا میں حریر پہن لیا تو وہ قیامت کے دن اس کو نہ پہنے گا اس کی وجہ وہی ہے جو ہم شراب میں بیان کر چکے۔ حریر اور دیا کے پہنے اور قسی اور میاثر اور ار جوان کے پہنے سے منع فرمایا ہے اور بقدر دو انگشت یا تین کے اجازت دی ہے کیونکہ اس قدر استعمال کرنا پہنے میں داخل نہیں ہے قسی وہ کپڑا ہے جو کتان و حریر سے بنا جاتا ہے میاثر مشیرہ کی جمع ہے مشیر ایک چھوٹا تکیہ ہوتا ہے جس کو سوار اپنے نیچے رکھ لیتا ہے شاید اس سے یہاں وہ تکیہ مراد ہے جو حریر سے بنا ہوا ہو یا نہی تکلف سے ہے ار جوان ایک سرخ رنگ ہے اور یہاں سرخ کپڑا مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ کو حریر کے پہنے کی اجازت فرمائی اس لیے کہ ان کے بدن میں خارش ہوئی تھی اور اس کے پہنے سے ترفع مقصود نہ تھا بلکہ خارش کا جاتا رہنا مقصود تھا اور ازار انجملہ وہ کپڑا ہے جو کسی ایسے رنگ سے رنگا ہو جس سے سرور و فخر پیدا ہوتا ہے اور اس میں دکھاوا پایا جاتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے قسم کے رنگے ہوئے اور زعفرانی کپڑے سے نبی فرمائی اور فرمایا کہ یہ درختوں کے لباس میں سے ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا الاطیب الرجال دبیح الالون له و طیب النساء لون لاریح له خبردار ہو جاؤ کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ رنگ ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں البذاذۃ من الایمان زینت کا ترک کرنا ایمان سے ہے اور من لبس ثوب شہرة فی الدنیا البسه اللہ ثوب مذلة یوم القیامۃ جس نے شہرت کے لیے دنیا میں کپڑا پہنا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا اور ان ارشادات میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسندیدہ ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندہ پر نظر آئے اور آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے سر کو منتشر دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے بالوں کو درست کر لے اور ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے کو دھو لے اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو مال دے تو مناسب ہے کہ اس کا انعام و اکرام تیرے اوپر نظر آئے ان احادیث میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو امر ہیں اور وہ فی الحقیقت مختلف ہیں مگر بظاہر ان میں اشتباہ ہوتا ہے ان میں سے ایک تو صفت مذمومہ ہے۔ اور ایک شارع کو مطلوب و مقصود ہے مطلوب تو بخل کا ترک کرنا ہے اور لوگوں کے درجات مختلف ہونے سے اس میں بھی اختلاف ہوتا ہے مثلاً جو چیز ملوک کے اعتبار سے بخل میں داخل ہوتی ہے فقراء کے اعتبار سے وہ اسراف میں داخل ہوتی ہے اور نیز شارع کو جنگلی اور ملحق بالہائم (بہائم جانور) کی عادات کا ترک کرنا اور پاکیزگی اور پسندیدہ اخلاق کا اختیار کرنا مطلوب ہے اور مذموم تکلفات اور دکھاوے کے لیے کپڑا پہننا اور کپڑوں سے باہم فخر کرنا اور فقراء کی دل شکنی کرنا

و غیرہ امور ہیں اور الفاظ حدیث میں ان معانی کی طرف اشارے واقع ہوئے ہیں جیسا کہ متاثر پر واضح ہے اور جزا کا مدار دواعیہ تکبر اور فخر کے اتباع سے نفس کے باز رکھنے پر ہے اور آنحضرت ﷺ جب کوئی جدید لباس پہنتے تھے اس کا نام عمامہ یا کرتہ یا چادر لے کر فرماتے تھے اللّٰھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسئلک خیرہ وخیر ما سمع لہ واعوذ بک من شرہ وشر ما سمع لہ اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے اور مجملہ ان اصول کے اعلیٰ درجہ کا زیور ہے اور یہاں دو اصل ہیں ایک تو یہ ہے کہ سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر نبی لوگ فخر کرتے ہیں اور اگر سونے کے زیور پہننے کا دستور جاری ہو تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے اس لیے آنحضرت ﷺ نے سونے کی بابت تشدد فرمایا۔

اور فرمایا وَلَکِن عَلَیْکُم بِالْفَضَّةِ فَالْعَبْوَا بِهَا بَلْ تَمَّ چاندی کو اختیار کرو پس اس سے کھلیا کرو دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں و آرائشی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے خاوندوں کو رغبت ہو یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں سے عورتوں کی آرائشی کا زیادہ تر دستور ہے اس لیے ضروری ہوا کہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کو زیادہ تر زیورات کی اجازت دی جائے لہذا منہج نبی کریم ﷺ نے فرمایا اصل الذهب والحرب لانا من امتی وحریم علی ذکورھا سونا اور حریر میری امت کی عورتوں کو حلال اور مردوں کو حرام کیا گیا ایک شخص کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا تم میں سے کوئی شخص آگ کے انکار کا ارادہ کر کے اس کو اپنے ہاتھ میں کر لیتا ہے چاندی کی انگوٹھی کو مردوں کے لیے بھی آپ نے اجازت عطا فرمائی ہے خاص لڑ صاحب حکومت کے لیے اور فرمایا کہ برابر ایک مثقال کے اس کو مت پورا کر۔ اور آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو سونے غیر مقطوع سے منع فرمایا اور غیر مقطوع وہ ہے جو ایک ہی ٹکڑے سے بنی ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور جو کوئی اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے تو وہ اس کو سونے کا حلقہ پہنانے سے منع فرماتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس حکم کی وجہ بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ تم میں سے کوئی عورت عمامے سے اپنے زیور نہیں پہنتی مگر ان کی زیور سے وہ عذاب دی جائے گی حضرت ام سلمہؓ کے پاس سونے کی ایک بیکل تھی اور ظاہر یہ ہے کہ وہ مقطوع سے قبیلہ سے تھی اور آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ عورتوں کے لیے سونا حلال ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ فی الجملہ حلال ہے یہ جو چھوڑا ہم نے بیان یا ان احادیث کا مفہوم ہے اور مجھ کو ان احادیث کا کوئی معارض نہیں ملا اور فقہاء کا جو اس میں مذہب وہ معلوم و مشہور ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

از الجملہ بالوں کی زیورات ہے اس سے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے مجوس تو اپنی داڑھیوں کو ترشواتے اور مونچھوں کو با مسات تھے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اس کے خلاف تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا حالوا المشرکین او فروا اللہی واحموا النوارب شریین کی مخالفت کرو اور عیدوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو نوب ترشواتے اور کچھ لوگ پرانندہ حال رہنے اور زینت اور یکھ رہنے و پندہ رہتے تھے اور آرائش و زینت سے ان کو نفرت تھی اور کچھ لوگ آرائش میں نہایت تکلف کرتے تھے اور اس و ایک فخر کی بات سمجھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے پس ان سب کے طریقوں کا نیست و نابود کرنا مجملہ مقاصد

شرعیہ کے ٹھہرا، کیونکہ شرائع کا بنی افراط اور تفریط کے مابین حالت پر اور ان دونوں مصلحتوں کے جمع کرنے پر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الفطرۃ خمس الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار وقت الابط فطرۃ۔ پانچ چیزیں فطرت ہیں ختنہ کرنا اور موئے زیر ناف لینا اور مونچھ کا ترشوانا اور ناخنوں کا ترشوانا اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا پھر اس کے معین کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ اس طریقے کے مخالف انکار متوجہ ہو سکے اور ایسا نہ ہو کہ متورع لوگ ہر روز بال موٹا کریں اور اکھیرا کریں اور متہادون لوگ سال بھر تک خبر نہ ہوا کریں لہذا موچھوں کے اور ناخنوں کے ترشوانے اور بغل کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال موٹانے کی یہ مدت مقرر کی گئی کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کرے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ان اليهود والنصارى لا یصبغون فخالقوہم۔ یہود و نصاریٰ نہیں رنگتے ہیں پس تم ان کو مخافت کرو۔ یعنی تم حنا سے رنگا کرو اور اہل کتاب سدل کیا کرتے تھے اور مشرک لوگ فرق کیا کرتے تھے پس آنحضرت ﷺ نے اول سدل کیا اور بعد کو فرق کیا سدل کے معنی پیشانی کے بالوں کا منہ پر چھٹا رکھنا اور یہ ایک ہیگتی کی صورت ہے اور فرق بالوں کے دو حصے کر کے ہر حصہ کو کنپٹی کی طرف پہنچا دینے کو کہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے پٹھے رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہیئت شیطانی اور ایک قسم کا مثلہ ہے جس کو تمام نفوس بجز ان کے جو اس کے عادی ہو کر ماؤف ہو گئے ہیں مکروہ جانتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من کان لہ شعر فلیکرمہ جس کسی کے بال ہوں تو ان کی عزت کرنی چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے کنگھی کرنے سے بجز تیسرے روز کے منع فرمایا ہے اس سے آپ کی مراد افراط و تفریط میں توسط ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے لعن اللہ الواشحات والمتوشحات والمتنحصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق اللہ۔ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال اکھڑوانے والیوں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو رتوانے والیوں پر جو خلق الہی کو بدلتی ہیں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے زنانے مردوں اور مردانی عورتوں پر لعنت کی ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور ہر صنف کو اس کے بدن میں ظہور احکام کا مقتضی بنایا ہے مثلاً مردوں کے اندر داڑھی وغیرہ کا شوق اور عورتوں کے اندر خوشی اور سرور کی باتیں سننے کی رغبت پیدا کی ہے پس اپنی استعداد کے اعتبار سے جو اس کے مادہ میں پائی جاتی ہے کچھ احکام کا مقتضی ہونا بعینہ ان احکام کی اضداد سے نفرت کرنا ہوتا ہے لہذا ہر نوع اور ہر صنف کا اس کے مقتضائے فطرت کے موافق باقی رہنا پسندیدہ ہوا اور تغیر خلق اللہ لعنت کا سبب ٹھہرا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خچر پیدا ہونے کے لیے گھوڑی کو گدھے سے گابھن کرانے سے نہی فرمائی ہے مگر بعض قسم کی آرائش تو ایسی جس میں طبیعت کے فعل کی تقویت اور اس کی تائید اور اس کی پیروی ہوتی ہے مثلاً سرمہ لگانا اور کنگھی کرنا اور یہ آرائش پسندیدہ چیز ہے اور بعض قسم کی آرائش فعل طبیعت کے مخالف ہوتی ہے جیسے انسان کو حیوانات کی ہیئت بنانا اور بعض قسم کی وہ زینت ہے جس میں تکلف کر کے نئی نئی چیزوں کا ایجاد پایا جائے طبیعت جن کی مقتضی نہیں ہے اس قسم کی آرائش بھی ناپسندیدہ ہے اگر انسان کو اس کی فطرت کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو انسان ضرور اس کو مثلہ خیال کرے اور ازاں جملہ کپڑوں اور دیواڑوں اور فروش میں تصاویر کا بنانا ہے آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرمائی ہے اور اس نہی کا مدار دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ اس میں ترف اور آرائش کی صورت ہے اس واسطے کہ وہ لوگ تصاویر سے فخر کیا کرتے تھے اور مال کثیر اس میں صرف کیا کرتے تھے۔

پس اس کا حال بھی تحریر کے مانند ہوا اور یہ امر درخت وغیرہ کی تصویر میں بھی موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تصاویر میں مشغول رہنا اور ان کا بنانا اور ان کی صرف رغبت کرنے کا دستور جاری ہونا یا سہا امر ہے کہ اس سے بت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور اس میں بتوں کی عظمت اور بت پرستوں کے لیے ان کی یاد دہانی اور اکثر امتوں میں بت پرستی کے جاری ہونے کا منہ بھی واقع ہوا ہے اور یہ بات صرف حیوانات کی تصویر میں پائی جاتی ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے مورتوں کے سر کاٹنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ درخت کی صورت پر ہو جائیں اور مورتوں کی تصویر میں اس قدر قباحت نہیں لازم آتی اور فرمایا ہے ان بیت الذی فیہ الصورة لا تدخلہ الملائکۃ جس میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے اور فرمایا ہے کل مصور فی النار یجعل لہ بكل صورة صورہا نفسا فی عذبه فی جہنم ہر مصور آگ میں ہے جو جو تصویر اس نے بنائی ہے ہر ایک کے بدلہ میں اس کے لیے ایک نفس مقرر کیا جائے گا وہ نفس اس کو جہنم کے اندر عذاب دے گا اور فرمایا ہے من صور صورة عذب وکلف ان ینفخ فیہ ولیس ینفخ جس نے کوئی مورت بنائی ہے اس کو عذاب دیئے جائیں گے اور کہتے جائیں گے کہ اس میں جان نال اور وہ جان نال نے کہا میں کہتا ہوں چونکہ تصاویر کے اندر بتوں کے معنی پائے جاتے ہیں اور علماء اہل میں بتوں اور بت پرستوں پر اہانت اور غضب کا اقتضا پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ ملائکہ کو ان سے نفرت ہو اور جب تمام لوگ قیامت کے روز اپنے اپنے افعال سے متبعہ اٹھیں گے جائیں گے تو اس روز مصور کا عمل ان نفوس کی صورت میں متحمل ہو جائے گا تصویر بناتے وقت جن کا ان نے تصویر بنائی تھی اور ان نے نقل بنائی چاہی تھی اس واسطے کہ انہیں نفوس کی صورت میں ظاہر ہوا نہایت مناسب ہے اور اس مصور نے ان حیوانات کی نقل بنانے پر جو اقدام کیا ہے اور اس بات میں کوشش کی ہے کہ نقل بنانے میں کمال کے مرتبے کو پہنچا دے قیامت کے روز ان کا ظہور اس طرح پر ہو گا کہ اس سے کہا جائے گا اس تصویر میں جان نال اور وہ نال سکے گا اور از انجملہ غم خط کرنے والی چیزوں میں مشغول رہنا ہے یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے نفس کو دنیا و آخرت سے بے غمی ہو جاتی ہے اور اوقات ضائع ہوتی ہے مثلاً مفرق اور شطرنج اور بہتر بازی اور بانوروں کا لڑانا و ملی ہذا القیاس کیونکہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کو ممانے اور پینے اور نہ اور ریاضت کی نہ ہنسی رنق بلکہ بسا اوقات پیشاب پاخانہ رو کے بیخار ہوتا ہے اور وہاں سے نہیں تھکا پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہے گا تو تمام شہر والے شہر پر بھاری ہو جائیں اور اپنی جان کی درستی کی ان کو خبر نہ رہے معلوم کرو کہ راک اور فایہ وغیرہ کے اندر تمام عرب و عجم کی عادات اور خصلت میں داخل ہے اس واسطے کہ یہ سرور اور خوشی کے حال کا تقاضا ہے اور ان چیزوں میں سے نہیں ہے جس سے دنیا و دین خراب ہو جائے اور ان چیزوں کا بہ امتیاز یہ ہے کہ جو چیزیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تمام ملک تباہ اور تمام آبادیوں میں فرح اور سرور سے جو ایک مطلوب چیز ہیں زائد ہوں وہ چیزیں ممنوع اور ناپاکیت کی خراب کرنے والی ہیں مثلاً مزامیر اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من لعب بالنرد فکانما صیغ بدہ فی لحم حریہ برودمہ اس نے شطرنج کھیا کو یا اس نے اپنا ہاتھ فزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگا اور حدیث شریف میں آیا ہے لسکونی من امتی اقوام یستحلون الحرو والحرب والحمر والمعارف میری امت میں بادشاہ ہوں وہ ایسے ہوں گے جو فانی اور حربیہ اور شراب میل کی چیزوں کو حلال سمجھیں گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اعلنوا

النكاح واضربو عليه بالدف. نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجا دو پس ملا ہی دو قسم کی ہیں ایک حرام یہ وہ کھیل کی چیزیں ہیں جو طرب اور سرور پیدا کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں مثلاً مزامیر اور ایک مباح وہ ولیمہ وغیرہ میں اظہار سرور کی غرض سے دف بجانا اور گانا ہے اور حدی اصل میں تو وہ ہوتی ہے جو اونٹوں کے اندر جولانی کرنے کی غرض سے پڑھی جاتی ہے مگر یہاں مطلق خوش الحانی اور کھٹاؤ بڑھاؤ کے ساتھ کسی چیز کا پڑھنا مراد ہے وہ بھی مباح ہے اس واسطے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے دنیا و آخرت سے بے فکری ہو جائے بلکہ وہ ملال دور کرنے والی چیز ہے اور آلات جنگ سے بازی کرنا مثلاً تیر بازی کرنا یا گھوڑے کا پلٹانا یا نیزہ بازی کرنا فی الحقیقت یہ چیزیں کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے روبرو آپ کے ہی مسجد شریف میں ایک مرتبہ حبشیوں نے پٹا کھینچا ہے اور ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کسی شخص کو کبوتر کے پیچھے پیچھے جاتا دیکھا تو آپ نے فرمایا ایک شیطان ہے جو اپنے شیطان کے پیچھے جا رہا ہے اور آنحضرت ﷺ نے جانوروں کے لڑانے سے نہی فرمائی ہے اور از انجملہ حاجت سے زیادہ صرف دکھانے اور فخر کرنے کے لیے سوار یوں اور فرش فروش کا اکٹھا کرنا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے فراش للرجل و فراش لامراته وثالث للضيف والرابع للشيطان. ایک بستر تو مرد کے لیے ہوتا ہے اور ایک اس کی بیوی کے لیے اور تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یكون ابل للشياطين و بیوت للشياطين. یعنی اونٹ شیاطین کے لیے اور بعض گھر شیاطین کے لیے ہوتے ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں شیاطین کے لیے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں تم میں سے کوئی شخص عمدہ عمدہ اونٹنیوں کو فر بہ کر کے اپنے ساتھ لے کر نکلتا ہے اور ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا اور راستہ میں بھائی مسلمان ملتا ہے جس کے پاس سواری وغیرہ نہیں ہوتی تو وہ اس کو بھی نہیں سوار کرتا اور اہل جاہلیت کو کتے پالنے کا بھی بڑا شوق تھا اور کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے ملنا مکہ مقررین کو تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ اس کو شیاطین کے ساتھ مشابہت ہے جیسا کہ چھپکلی کے اندر ہم نے بیان کیا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس کے گھر میں رکھنے سے منع فرمایا. من اتخذ کلیماشیة او صید فارع انتقص من اجرہ کل یوم قیراط وفی رواۃ قیراطان. جو شخص کتار کھے بجز اس کتے کے جو مواشی یا شکار یا کھیتی کے لیے ہو ہر روز اس کے اجر میں سے ایک قیراط گھٹتا رہتا ہے اور ایک روایت میں دو قیراط آیا ہے اور بندر اور خنزیر کے پالنے کا بھی حکم کتے کے پالنے کے مانند ہے میں کہتا ہوں اجر کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قوت بھگی کو مدد پہنچتی ہے اور ملکیت مغلوب ہوتی رہتی ہے اور قیراط کی مقدار کو تمثیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور اس سے جزاء قلیل مراد ہے لہذا آنحضرت ﷺ کے ایک قیراط اور دو قیراط کے ساتھ بیان کرنے میں کچھ منافات نہ ہوئی اور از انجملہ سونے چاندی کے ظروف کا استعمال کرنا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: الذی یشرب فی اناء الفضة انما یجر جر فی بطنه نار جہنم. جو شخص چاندی کے برتن سے پیتا ہے بلاشبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: لا تشربوا فی انیة الذهب والفضة ولا تاكلوا فی صحافها فانہا لہم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ اس کی رکابیوں میں کھاؤ کیونکہ ان کے لیے تو وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے وہ آخرت میں ہیں اور سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں اس سے اس کی وجہ صاف صاف معلوم ہو سکتی ہے اور آنحضرت

فرمایا ہے: خَمَرُوا الْاَلَانِيَةَ وَاقْوُوا الْاَسْقِيَةَ وَاجْبِسُوا لَابْوَابِ وَاکْتَفُوا صِيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَاءِ فَانَ لِلْحَنِ انْتِشَارًا وَخُطْفَةً وَاحْطِثُوا الْمَصَابِيحَ عِنْدَ الرِّقَادِ فَانَ الْفَوَيْسِقَةُ رُبَّمَا اجْتَرَتْ الْفَتِيلَةَ فَاحْرَقَتْ اَهْلَ الْبَيْتِ شَامَ كَے ہوتے ہی برتنوں کو ڈھاٹک دیا کرو اور مشکیزوں کے دھماکے باندھ دیا کرو اور دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو اکٹھا کر لیا کرو کیونکہ جن پھیلے رستے ہیں اور اچھتے پھرتے ہیں اور سونے وقت چراغوں کو گل کر دیا کرو اس واسطے کہ فَوَيْسِقَةُ یعنی چوہا اکثر فتنے کو کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو پھونک دیتا ہے اور ایک روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے فَانَ الشَّيْطَانُ لَا يَحِلُّ شَاءً وَلَا يَفْتَحُ بَابًا وَلَا يَكْشِفُ اَنَا. کیونکہ شیطان مشک کو نہیں کھولتا اور نہ دروازہ کو کھولتا ہے اور نہ برتن کو مٹاتا ہے اور ایک روایت میں آیات فَاَمَّا فِي السَّنَةِ يَنْزِلُ فِيهَا وَبَاءٌ لَا يَمُرُّ بَانَا. لَيْسَ عَلَيْهِ غَطَاءٌ اَوْ سَقَاءٌ لَيْسَ عَلَيْهِ وَكَاءُ الْاَنْزَالِ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ وَبَاءٌ. کیونکہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وباء نازل ہوتی ہے پھر اس وباء کا جس کی برتن بغیر ڈھکے پر یا بغیر بندھی ہوئی مشک پر گزر ہوتا ہے ضرور اس میں اس وباء میں سے کچھ نازل ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ شام کے وقت جنات کے پھیل جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے ظلمانی ہیں پس جہان میں تاریکی پھیلنے سے ان کو بہت اور سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ جہان میں منتشر ہو جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ شیطان بند چیز کو نہیں کھولتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ہم نے دیکھا ہے کہ شیاطین کا اثر افعال طبعیہ کے ضمن میں ہوا کرتا ہے مثلاً کسی گھر میں ہوا کا گزر ہوتا ہے تو جنات اثر اس کے ساتھ گھر میں نفس جاتے ہیں یا کسی پتھر کو اوپر سے دھکیلا جائے اور اس کے لڑھکانے میں کوشش کی جائے تو مقتضائے عادت سے زیادہ وہ جنات کے اثر سے لڑھک جاتا ہے وہی بذالقیاس اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے کہ سال بھر میں ایک شب ایسی ہوتی ہے جس میں بلاء کا نزول ہوتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ مدت دراز کے بعد ایک ایسا وقت پیدا ہو جاتا ہے جس میں ہوا بگڑ جاتی ہے اور میں نے ایک مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہے اس کی یہ صورت ہوئی کہ مجھے ایک خراب ہوا چھتی ہوئی معصوم ہوئی جس سے اسی وقت میرے سر میں درد پیدا ہو گیا اور از انجملہ بلند بلند مکان بنانا اور ان کی زیب و زینت کرنا ہے اس بات میں بھی لوگ نہایت تکلف کرتے تھے اور مال و ثمن اس میں صرف کر ڈالتے تھے پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان لکل بناء و بلاء علی صاحبها الا مالا الا مالا یعنی الا مالا بدمنه ہر عمارت اپنے بنانے والے پر وبال ہے مگر مالا مالا یعنی جس کے بغیر چارہ نہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لیس لی اولیس لنبی ان یدخل بیتا مزوقا میرے لیے جائز نہیں یا کسی نبی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی آرام گاہ میں داخل ہو۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان الله لم يامرنا ان نكسو الحجاره والطین اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کا حکم نہیں دیا ہے کہ پتھروں اور مٹی کو پہنا میں اور آنحضرت ﷺ سے بیشتر لوگوں کا دستور تھا کہ اپنے ہر اعضاء اور مصائب میں طلب اور منت سے کام لیا کرتے تھے اور کسی آئندہ چیز کے معلوم کرنے میں فال اور ٹھکان اور خطوط سے کام لیا کرتے تھے اس کا نام رمل ہے اور نیز جنات اور جہم اور قبیح خواب سے کام لیا کرتے تھے اور ان کے اندر بعض نامزدار امور تھے لہذا ان سے تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا اور ہستی و مہانت بہاؤ میں طلب کی حقیقت اور یہ حیوانی یا نباتی یا معدنی کے طلہع کے موافق عمل کرنا اور غلطی کے اندر

تصرف کر کے ان میں کمی بیشی کرنا اور قواعد شرعیہ سے ان کا ثبوت ہوتا ہے اس واسطے کہ ان میں شرک کی آمیزش نہیں اور نہ ان میں دین و دنیا کا کچھ نقصان ہے بلکہ اس میں بہت منفعت اور لوگوں کی جماعت کا مجتمع کرنا ہے مگر شراب سے علاج کرنا ممنوع کیا گیا اس واسطے کہ شراب کی جس کو چاٹ لگ جاتی ہے پھر اس کا جانا دشوار ہوتا ہے اسی طرح خبیث ادویہ یعنی سمیات سے حتی الامکان علاج کرنا منع ہے کیونکہ بسا اوقات ان سے جان جاتی رہتی ہے اور حتی الامکان داغ دینا بھی منع ہے کیونکہ آگ سے جلانا ایسی چیز ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہے اور آنحضرت ﷺ سے جو معاملات مروی ہیں ان کی اصل وہی تجربات ہیں جو عرب کے نزدیک تھے اور منتر کی حقیقت ان کلمات کا استعمال کرنا ہے عالم مثال میں جن کے لیے تحقق اور اثر نکلتا ہے اگر وہ کلمات شرک سے خالی ہوں تو قواعد شرعیہ ان کو رد نہیں کرتی خصوصاً جبکہ وہ کلمات قرآن و حدیث سے ہوں جن میں تضرع الی اللہ تعالیٰ کے معنی پائے جاتے ہیں اور نظر حق ہے اور نظر حقیقت میں اس اثر اور صدمہ کا نام ہے جو دیکھنے والے کی تاثیر نفس سے اس کو صدمہ پہنچتا ہے جس کو نظر لگائی جائے کسی چیز کے اندر پیدا ہوتا ہے اور یہی خیالات کے نظر کا حال ہے اور جن احادیث میں منتر اور تعویذ اور حب کے عمل وغیرہ سے نہی وارد ہوئی ہے وہ انہی صورتوں کے ساتھ متعلق ہے جن میں شرک یا سبب کے اندر اس قدر انہماک کے معنی پائے جاتے ہوں جس کی وجہ سے باری تعالیٰ سے غفلت ہو جائے اور شگون نیک کی حقیقت یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں جب کسی امر کا حکم دے دیا جاتا ہے تو بسا اوقات وہ واقعات جو اپنی جبلت کے اعتبار سے ہر چیز کا عکس سرعت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اس امر کا رنگ پکڑ لیتے ہیں وہ واقعات ایک تو دلوں کے خواطرو خیالات ہیں اور ایک الفاظ ہیں جو مقصود الیہ بالذات ہوتے ہیں۔ اور ایک وقائع جو یہ یعنی وہ واقعات جو زمین و آسمان کے مابین فضا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں کیونکہ طبیعت کے اعتبار سے ان واقعات کے اسباب بہت ضعیف ہوا کرتے ہیں اور ان کا ایک صورت کے ساتھ خاص ہونا اور دوسری کے ساتھ نہ ہونا اسباب فلکیہ یا ملاء اعلیٰ میں کسی امر کے ثابت ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے اور عرب کے لوگ ان باتوں سے واقعات آئندہ پر استدلال کیا کرتے تھے چونکہ اس بات میں صرف تخمین کو دخل ہوتا ہے اور وہم کا اس میں آئینہ کرنا بلکہ بسا اوقات کفر اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توجہ ہٹ جائے لہذا آنحضرت ﷺ نے بدشگونی سے بالکل منع فرما دیا کہ خیرھا الفال بہتر ان میں فال ہے یعنی کوئی کلمہ جو نیک آدمی کی زبان سے نکلے کیونکہ وہ ان قباحتات سے پاک ہے اور آنحضرت ﷺ نے عدویٰ یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانے سے انکار فرمایا ہے نہ بایں معنی کہ وہ بالکل بے اصل چیز ہے بلکہ عرب کے لوگ اس کو ایک سبب مستقل خیال کرتے تھے اور توکل کو بالکل بھول جاتے تھے اور حق بات یہ ہے کہ ان اسباب کی سمیت وقت ثابت رہتی ہے جب تک ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت نہ ہو اس واسطے کہ حکم الہی کے منعقد ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے اور نظام بھی بدستور قائم رہتا ہے زبان شرع سے اس نکتہ کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ یہ اسباب عقلیہ نہیں ہیں بلکہ اسباب عادیہ ہیں اور ہامہ (جانور جو قبر میں پیدا ہوتا ہے زمانہ جاہلیت کے اوہام کے موافق ہے) اور غول سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے اس واسطے ان امور کے اندر مشغول ہونے سے ان کو منع کیا گیا نہ اس واسطے کہ یہ بے حقیقت چیزیں ہیں یہ نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ احادیث مظاہرہ سے جنات اور جہان میں ان کے منتشر رہنے اور عدوی کا ثبوت ہوتا ہے۔

اور نیز احادیث سے عورت اور گھوڑے اور مکان کے اندر نحوست کی اصل کا ثبوت ہوتا ہے پس لامحالہ ان کی نفی بایں معنی ہوگی

کہ ان کے اندر کا خون رہنا منع ہے اور اس میں مخالفت نہیں ہو سکتی پس اگر کوئی شخص کسی پر دعویٰ کرے کہ اس نے اپنا بیمار اونٹ میرے اونٹ کے پاس کر کے اس کو بیمار کر دیا یا مار ڈالا اعلیٰ ہذا القیاس اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور یہ چیزیں بالکل بے اصل ہو بھی نہیں سکتیں تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کہانت یعنی جنات کی خبر بیان کرنے سے نہایت سختی سے انہی فرمائی ہے اور جو شخص کا ہن کے پاس جائے اس سے آپ نے بری الذمہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو آپ نے بیان فرمایا کہ ہوا کے جو میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس امر کا باہم ذکر کرتے ہیں آسمان میں جس کا حکم دے دیا جاتا ہے تو شیاطین خفیہ طور پر وہاں سننے کے لیے جا پہنچتے ہیں اور اس کو سن آتے ہیں اور کاہنوں کو آکر کہہ دیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ ایک میں سو تیسوٹ ملا لیتے ہیں یعنی ملا اعلیٰ میں جب کوئی امر ثابت ہو جاتا ہے تو ملائکہ سافلہ پر جو الہام کی قابلیت رکھتے ہیں اس کا القا ہوتا ہے پھر بعض بعض جنات جو ہوشیار اور زکی ہوتے ہیں ملائکہ سے اس کو معلوم کر لیتے ہیں پس اس بات کا یقین کر لو کہ ان امور کے ساتھ جو نبی متعلق ہے اس کا مدار اس بات پر نہیں ہے کہ نفس الامر میں وہ چیزیں نہیں پائی جاتیں بلکہ اس واسطے ان سے نبی کی گئی ہے کہ ان سب میں خطا اور شرک اور فساد کا اندیشہ ہے۔

چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْ اَفْعُ لِلنَّاسِ وَالْاَنْفُسِ اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا کہہ دے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لیے منفعتمند ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے باقی رہے ستارے تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی بھی کچھ اصل ہو کیونکہ شرع نے صرف ان کے اندر مشغول رہنے سے انہی فرمائی ہے ان کی حقیقت کی نفی بالکل نہیں کی ہے اور اسی طرح سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور مشتعلین کی مذمت اور ان تاثیرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر ان سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا ملاوہ بریں ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہات اولیٰ کے درجے کو پہنچ چکی ہیں مثلاً شمس و قمر کے حالات مختلف ہونے سے فصول کا مختلف ہونا اعلیٰ ہذا القیاس اور بعض باتیں فکریا تجربہ یا رصد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے مثلاً سونہ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غالباً ان کی تاثیر و طریقہ سے ہوتی ہے ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جس طرح ہر نوع کے لیے طبائع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختلف ہوا کرتی ہیں یعنی حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست اور امراض کے دفع کرنے میں انہی طبائع سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح افلاک اور کواکب کے لیے بھی طبائع خاص اور جدا جدا خواص ہیں مثلاً آفتاب کے لیے حرارت اور چاند کے لیے رطوبت اور جب ان کواکب کا اپنے محل میں گزر ہوتا ہے زمین پر ان کی قوت کا ظہور ہوتا ہے دیکھو کہ عورتوں کے لیے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں ان کا ملاء عورتوں کی طبیعت ہی ہوا کرتی ہے اگرچہ اس کا ادراک ظاہر طور پر نہ ہو سکے اور مرد کے ساتھ جو اوصاف مختلف ہیں مثلاً جرأت و آواز کا بھاری ہونا اس کا ملاء بھی اس کی کیفیت مزاجی ہوا کرتی ہے۔ پس تم اس بات سے انکار مت کرو کہ اس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ کے قوی زمین میں ملول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم قریب قریب ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح بنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت انسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کے ساتھ ان عناصر مثلاً کا حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے ساتھ بنین کا

حال ہوا کرتا ہے، پس یہی قوت جہان کو اولاً صورت حیوانیہ اور بعد ازاں صورت انسانیہ کے قبول کرنے کے قابل بناتی ہے اور اتصالات فلکی کے اعتبار سے ان قوی کا حلول کئی طرح ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں، جب کچھ لوگوں نے اس کے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان کو ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہو گیا۔ اور اس کے ذریعہ سے آئندہ واقعات ان کو معلوم ہونے لگے، مگر جب مقتضائے الہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے متصور ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا نظام بھی قائم رہتا ہے اور شرع میں اس نکتہ کو اس طرح پر تعبیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم عقلی نہیں ہے بلکہ عادت الہی اس طرح جاری ہے اور یہ خواص بمنزلہ امارات اور علامت کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں تو غل ہو گیا اور ہمہ تن اس میں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اس میں کفر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا، کیونکہ جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے یہ مینہ برسا ہے، بلکہ وہ تو خواہ مخواہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے برسا ہے لہذا یہ امر اس کو اس ایمان سے جو نجات کا دار مدار ہے ضرور مانع ہو گا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے ناواقفیت ہو تو اس کی یہ ناواقفیت کچھ مضر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود تمام عالم کا مقتضائے حکمت کے موافق انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو، پس ضرور ہوا کہ شرع میں ایسا علم نیست و نابود کر دیا جائے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کر دی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ جس نے نجوم سیکھا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے اسی قدر اس کا وبال زیادہ ہو گا، اس کا حال توریت و انجیل کا سا حال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے ساتھ نہایت تشدد کیا ہے جو ان کے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدمی ان کو دیکھ کر قرآن عظیم کی فرمانبرداری ترک کر دے اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرمادی، یہ جو کچھ بیان کیا ہماری رائے ہے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے، پس اگر سنت سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہو تو جو کچھ سنت سے ثابت ہو وہی بات ٹھیک ہے۔

خواب کا بیان

خواب کی پانچ قسم ہیں، ایک خواب بشارت الہی ہوتی ہے اور ایک ان حمائد اور رذائل کے متمثل ہونے سے عبارت ہے جو ملکی طریقہ پر نفس کے اندر مندرج ہوتے ہیں اور ایک صرف تخویف شیطانی ہوتی ہے اور ایک صرف تخیلات نفسانی ہوتے ہیں حالت بیداری میں جن کا نفس عادی ہوتا ہے قوت تخیلہ میں وہ خیالات محفوظ رہتے ہیں اور وہ خیالات مجتمعہ حس مشترک میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایک خیالات طبعیہ جو غلبہ اخلاط اور نفس کو ان اخلاط سے ایذا پہنچنے پر تنبیہ حاصل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں، پہلی قسم کی خواب یعنی بشارت الہی کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو حجابات بدنی سے بذریعہ اسباب خفیہ کے جو بلا تا مل معلوم نہیں ہو سکتے جب فرصت حاصل ہوتی ہے تو ان میں اس بات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جس قسم کے علوم اس کے پاس مخزون اور مجتمع ہوتے ہیں اور یہ خواب تعلیم الہی ہوا کرتی ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کو خواب میں معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو ایک بہت عمدہ صورت میں آپ نے دیکھا

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفارات اور درجات کی تعلیم فرمائی اور ایک مرتبہ اور آپ کو خواب میں معراج ہوئی اور دنیاوی زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد مردوں کا جو جو حال ہوتا ہے وہ آپ پر ظاہر ہوا چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے یا آنحضرت ﷺ کو دنیا کے واقعات آئندہ کا جو کچھ علم ہوا وہ بھی اسی قبیلہ سے تھا اور خواب ملکی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قسم کے ملکات ہیں حسنة اور قبیحہ مگر ان ملکات کے حسن و قبح سے وہی شخص واقف ہوتا ہے جس کو صورت ملکی کی طرف تہجد حاصل ہونے کے بعد اس کو اپنے حسنات اور سینات صورت مثالیہ میں ظاہر ہو جاتے ہیں ایسا شخص کبھی اللہ کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے اور کبھی آنحضرت ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کا اتباع اور فرمانبرداری ہوتی ہے اور وہ فرمانبرداری اس کے دل میں مرکوز ہوتی ہے اور کبھی وہ شخص خواب میں انوار کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی اصل وہ عبادات منکسبہ ہوتی ہیں جو اس کے سینہ اور اعضاء میں مرکوز ہو رہی ہیں یہی عبادات انوار اور پاکیزہ پاکیزہ چیزوں کی صورت میں مثلاً شہد اور گھم کے ظاہر ہوتی ہیں پس جو شخص خواب کے اندر اللہ تعالیٰ یا آنحضرت ﷺ یا ملائکہ علیہم السلام کو بری صورت یا غضب کی حالت میں دیکھے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ اس کا عقیدہ ناقص اور ضعیف ہے اور اس کا نفس کامل نہیں ہوا اسی طرح طہارت کی وجہ سے جو انوار حاصل ہوتے ہیں کبھی وہ شمس و قمر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو خواب تنخویف شیطانی ہوتی ہے اس کی اصل حیوانات ملعونہ سے اس شخص کا ذرا نا ہوتا ہے مثلاً بندر اور ہاتھی اور کتے یا کالے کالے آدمیوں کا خواب میں دیکھنا انسان کو چاہیے کہ جب خواب میں ایسی چیزیں دیکھے تو اللہ کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ پڑھے اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور جس کروٹ وہ لیٹا ہے وہ کروٹ بدل دے اور جو خواب بشارت الہی کے قبیلہ سے ہوتی ہے اس کے لیے تعبیر ہوا کرتی ہے اور تعبیر کا بہتر طریقہ خیالات کا معلوم کرنا ہے کہ کس چیز میں کس چیز کا مظنہ ہوتا ہے اور اس سے کیا مقصود ہوا کرتا ہے پس کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی سے اسم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جس طرح ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں اپنے آپ کو عقبہ بن رافع کے گھر میں دیکھا اور اسی خواب میں آپ کے پاس کوئی ابن طاب کے تازہ تازہ چھوڑے لایا۔ (ابن طاب ایک قسم کے خاص تہوار سے ہوتے ہیں) پس آنحضرت نے فرمایا میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی ہے کہ ہم دنیا میں رفعت یعنی سرفرازی اور آخرت میں مافیت لے سکتے ہیں گے اور ہمارا دین طیب یعنی پاکیزہ ہو گیا اور کبھی دو چیزوں میں التزام ہوتا ہے اور مزدوم سے لازم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص خواب میں تلوار کو دیکھے تو اس کی تعبیر قتال ہوگی اور کبھی ایک وصف سے ایک ذات کی طرف جو اس وصف کے مناسب ہوتی ہے ذہن منتقل ہوتا ہے جس طرح آنحضرت ﷺ نے دو غنصوں کو جن پر مال کی محبت غالب تھی خواب میں سونے کے دو ٹکڑن کی صورت میں دیکھا الحاصل ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن منتقل ہونے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور یہ خواب نبوت لے شہدوں میں سے ایک شہد ہے اس واسطے کہ وہ ایک قسم کا فیضان نبوی اور اللہ تعالیٰ کی طلق کے ساتھ ایک خاص لقب کا اثر ہے اور نبوت لی اصل یہی ہے اور خواب کے اقسام باقیہ کی کچھ تعبیر نہیں ہوا کرتی۔

آدابِ صحبت کا بیان

معلوم کرو کہ منجملہ ان امور کے جن کو فطرت سلیمہ اور اشخاص انسانی میں باہم حاجات کا واقع ہونا اور ارتقا قات واجب کرتے ہیں، ایک آداب ہیں جن کا بنی آدم کے افراد باہم برتاؤ کریں، اکثر یہ آداب تو ایسے ہیں کہ تمام عرب و عجم کے مختلف گروہ ان کے اصول پر متفق ہیں اگرچہ صرف عورتوں اور اشباح میں ان کے اندر اختلاف ہے لہذا ان آداب سے بحث کرنا اور ان آداب میں سے آداب صالحہ اور آداب فاسدہ کو متمیز کرنا ان مصلحتوں میں داخل ہوا جن کو پورا کرنے کو آنحضرت ﷺ خلق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، ازاںجملہ ایک تحیہ ہے کہ بعض بعض کے لیے اس کو عمل میں لایا کریں، کیونکہ لوگوں کو باہم خوشی اور بشاشت کے اظہار اور اس بات کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ بعض بعض کے ساتھ ملاطفت اور موانست کریں اور چھوٹے بڑوں کو اپنا بزرگ سمجھیں اور بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں اور آپس میں بھائی بھائی اور دوست ہو کر رہیں اس واسطے کہ اگر یہ بات نہیں تو صحبت اور دوستی کا فائدہ اور نتیجہ حاصل نہ ہوا اور اگر خوشی کے اظہار کے لیے کوئی لفظ مقرر نہ کیا جائے تو وہ ایک اندرونی چیز رہے جو بدون قرائن سے استنباط کیے معلوم نہ ہو سکے لہذا ہمیشہ سے ہر گروہ کے سلف کا طریقہ اپنی اپنی رائے کے موافق باہم تحیہ کے برتاؤ کا چلا آتا ہے پھر ہوتے ہوتے ان کی ملت کا شعار اور اپنی ملت کے آدمیوں کو پہنچانے کا طریقہ ہو گیا تھا، مشرک تو عند الملاقات ایک دوسرے سے یہ کہا کرتے تھے 'انعم اللہ بک عینا اور انعم اللہ بک صباحا' اور مجوس کہا کرتے تھے ہزار سال نبی اور قانون شرعی کا مقتضی تھا کہ اس میں اس طریقہ کو اختیار کیا جائے جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور انہوں نے ملائکہ سے اس طریقہ کو سیکھا ہے اور وہ طریقہ دعا اور ذکر الہی کے قبیلہ سے ہے، دنیاوی زندگی میں دل لگانے کے قبیلہ سے نہیں ہے، مثلاً درازی عمر اور دولت کی تمنا کرنا اور نہ اس میں کثرت سے تعظیم ہے جو آدمی کو شرک کے قریب کر دے جس طرح سجدہ کرنے اور زمین بوسی میں اور وہ سلام ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا 'لما خلق اللہ ادم قال اذهب فسلم علی اولئک النفر وہم نفر من الملائکۃ' الحدیث اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا فرمایا جا تو پس سلام کر اوپر اس گروہ کے اور وہ ملائکہ کا گروہ بیٹھا ہوا تھا پس تو سن کہ کس چیز سے تیرا تحیہ کرتے ہیں پس آدم علیہ السلام نے جا کر کہا السلام علیکم پس فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ فرمایا آپ نے پس زیادہ کیا فرشتوں نے ورحمۃ اللہ اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ ان پر سلام کرو۔ واللہ اعلم

اس کے یہ معنی ہیں کہ تحیہ کر تو ان کے ساتھ اپنی رائے کے موافق پس اس میں ان کی رائے صواب ہوئی اور انہوں نے کہا السلام علیکم اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ یہ تحیہ تیرا ہے یعنی جو یا اس واسطے کہ انہوں نے معلوم کیا کہ خیرۃ القدس سے اس کا القا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت کے بیان میں فرمایا ہے سلام علیکم طبتہم فادخلوہا خلدین سلام تمہارے اوپر خوش ہو تم اور ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ لا تدخلون الجنة الحدیث نہ داخل ہو گے تم جن

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ادا انتہی احدکم الی مجلس الح تم میں سے جب کوئی شخص کسی جلسہ کی طرف پہنچے تو اگر اس نے ال میں بیٹھنے کا قصد ہے تو بیٹھ جائے اور جب کھڑا ہو تو اس کو چاہیے کہ سلام کرے پس پہلا سلام کرنا دوسری سلام کرنا نہ جائز ہے۔ اگر وہ سنا اور ادالی نہیں ہے میں کہتا ہوں رخصت کے وقت سلام کرنے میں چند فوائد ہیں مجملہ ان کے

اللہ پاک فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ... الخ**۔ اے ایمان والو! گھروں میں بجز اپنے گھروں کے داخل مت ہو یہاں تک کہ اجازت لو اور سلام کرو ان گھر والوں پر اور اللہ پاک فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ أَمْرُكُمْ إِلَّا مَعَكُمْ**۔ الخ۔ اے ایمان والو! چاہیے کہ وہ لوگ جو تمہارے ہاتھوں کے مملوک ہوئے ہیں تم سے اجازت لیں اور وہ لوگ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے **إِلَىٰ قَوْلِهِ كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ**۔ پس اللہ تعالیٰ کا **تَسْتَأْذِنُوا** تستاذنوا کے معنی میں ہے میں کہتا ہوں استیذان اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ بات تم کو نا پسندیدہ سے کہ لو

اللہ پاک فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ... الخ**۔ اے ایمان والو! گھروں میں بجز اپنے گھروں کے داخل مت ہو یہاں تک کہ اجازت لو اور سلام کرو ان گھر والوں پر اور اللہ پاک فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ أَمْرُكُمْ إِلَّا مَعَكُمْ**۔ الخ۔ اے ایمان والو! چاہیے کہ وہ لوگ جو تمہارے ہاتھوں کے مملوک ہوئے ہیں تم سے اجازت لیں اور وہ لوگ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے **إِلَىٰ قَوْلِهِ كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ**۔ پس اللہ تعالیٰ کا **تَسْتَأْذِنُوا** تستاذنوا کے معنی میں ہے میں کہتا ہوں استیذان اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ بات تم کو نا پسندیدہ سے کہ لو

آدمیوں کی شرمگاہوں پر مجتمع ہوں اور وہ چیز جو ان کو گوارہ نہ ہو دیکھیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ استیذان بیٹائی کے لیے مقرر کیا گیا ہے پس مناسب ہے کہ لوگوں کے مختلف ہونے سے وہ بھی مختلف ہو پس بعض ان میں سے اجنبی ہیں کہ اس سے اور ان سے میل جول نہیں ہے اور اس کے لیے مناسب ہے کہ جب تک آواز دے کر اجازت نہ مانگے اور آواز سے اس کو اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے کلدہ بن ضبل اور بنی عامر کے ایک شخص کو تعلیم فرمایا کہ یہ کہے السلام علیکم ادخل اور فرمایا کہ استیذان تین مرتبہ ہے پس اگر تجھ کو اذن دیا جائے فبھا اور نہ لوٹ آ اور بعض ان میں حرمیں اگرچہ محارم نہیں ہیں مگر آپس میں میل جول اور دوستی ہے پس ان کا اجازت لینا ان کے استیذان سے کم تر ہے اسی واسطے آپ نے عبداللہ بن مسعود سے فرمایا تیرا اذن میرے اوپر یہ ہے کہ تو پردہ کو اٹھا دے اور یہ کہ سنے تو میرے کلام کی آواز یہاں تک کہ میں تجھ کو منع کروں اور بعض ان میں سے لڑکے اور غلام ہیں کہ ان سے پردہ فرض نہیں ہے لہذا ان کے لیے استیذان کی ضرورت نہیں ہے مگر ان اوقات میں کہ عادتاً کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات کو اس واسطے خاص کیا ہے کہ وہ اوقات لڑکوں اور غلاموں کے آنے کے ہیں بخلاف آدمی رات کے مثلاً اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے رسول الرجل الى الرجل اذنه آدمی کی طرف آدمی کا قصد اس کا اذن ہے اس واسطے کہ اس نے معلوم کر لیا اس چیز کو جس کی طرف وہ بھیجا گیا اور آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی قوم کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو دروازے کے سامنے سے نہ آتے تھے پس فرماتے تھے السلام علیکم اور یہ اس واسطے تھا کہ ان لوگوں کے گھروں کے سامنے پردے نہ تھے اور منجملہ آداب کے بیٹھنے اور سونے اور سفر کرنے کے آداب ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه الخ کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے بلکہ کہے کشادہ ہو کر اور کھل کر بیٹھو میں کہتا ہوں یہ اس واسطے ہے کہ کسی کو اٹھا کر بیٹھنا غرور اور خود پسندی کی بات ہے اور دوسرے کے دل میں اس سے رنج اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے من قام من مجلسه الخ جو شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہو اور پھر وہیں آیا تو اس کا وہ سزاوارز یادہ ہے میں کہتا ہوں جو شخص پہلے بیٹھا گیا اور وہ جگہ اس کے لیے مباح تھی خواہ مسجد ہو یا خانقاہ یا گھر پس اس کا حق اس سے متعلق ہو گیا پس جب تک اس کو اس جگہ کی حاجت ہو اس وقت تک اس کو برگشتہ نہ کیا جائے اور اس کا حال بنجر زمین کا سا ہے کہ جو کوئی بنجر زمین کو توڑ کر کھیتی کر لے وہی اس کا حق ہے اور پہلے اس کا حال گزر چکا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا یحل الرجل ان یفرق بین الثنین الا باذنہما کسی شخص کو روانہ نہیں کہ دو شخصوں کے بیچ میں ان کو طلعہ دہ کر کے بیٹھے مگر ان کی اجازت سے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دو شخص اکثر اوقات باہم خوشنودی اور مسرت کی باتیں کرنے کے لیے پاس پاس بیٹھ جاتے ہیں پس ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ جانا ان کے دل کو کندہ کرنا اور کبھی وہ باہم محبت کرنے کی باتیں کرتے ہیں پس ان کے درمیان میں بیٹھنا ان کو قطع کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا یستلقین احدکم الخ تم میں سے پت لیٹ کر ایک دوسرے کو دوسرے پر نہ رہے اور آنحضرت ﷺ کو لوگوں نے پت لیٹے ہوئے اور ایک قدم کو دوسرے پر رکھے ہوئے دیکھا ہے میں کہتا ہوں لوگ انکی باندھا کرتے تھے اور انکی باندھنے والی باندھ ایک دوسرے پر رکھتا ہے تو وہ شرمگاہ کے کھلنے سے مامون نہیں ہوتا پس اگر پا جامہ نہ ہوئے ہو یا شرمگاہ رکھنے سے مامون ہو تو اس طرح لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے جو ان پڑا

تھا، فرمایا یہ ایسا لیٹنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہے، میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ لیٹنا ایک منکر اور قبیح ہیئت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مَنْ بَاتَ عَلَى ظَهْرِ بَيْتِ الْخ** جو شخص گھر کی چھت پر رات کو سوئے اور اس چھت پر کوئی آڑ نہ ہو تو اس سے ذمہ بری ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ اس نے اپنی جان کے ہلاک کرنے کا سامان کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ** اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور آنحضرت نے فرمایا ہے **مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخ** محمد ﷺ کی زبان پر جو شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھے ملعون ہے بعض کے نزدیک اس سے ماجن مراد ہے جو اپنے آپ کو مسخراپن میں ڈالتا ہے تاکہ اس سے مسخراپن کریں اور یہ شیطانی کام ہے اور ممکن ہے کہ یہ معنی ہوں کہ ایک گروہ کی طرف پشت اور ایک کی طرف منہ کرے اور اس سے لوگوں کے دل کو ناگوار گزرے اور ایک مرتبہ مرد و عورت ملے بیٹھے تھے تو آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے فرمایا **اسْتَخْرُونِ الْخ** پیچھے کو بیٹھو تم کو رو نہیں ہے کہ راستہ کے درمیان میں بیٹھو بلکہ تم کو لازم ہے کہ راستے سے ادھر ادھر بیٹھو پس عورتیں دیواروں کو چھٹنے لگیں اور آنحضرت ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی مرد عورتوں کے بیچ میں ہو کر گزرے میں کہتا ہوں اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ مرد عورت سے مل جائے اور وہ عورت غیر محرم ہے یا اس کی طرف دیکھے اور فرمایا ہے: **إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ الْخ** تم میں سے جب کوئی چھینکے تو اس کو الحمد للہ کہنا چاہیے اور اس کے بھائی کو یا اس کے صاحب کو یہ حکم اللہ کہنا چاہیے اور پھر اس کو یہدیکم اللہ و یصلح بالکم کہنا چاہیے اور ایک روایت میں ہے اور وہ اگر الحمد للہ نہ کہے تو اس کو جواب مت دو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **شَمَتَ أَخَاكَ ثَلَاثًا الْخ** اپنے بھائی کی چھینک کا تین مرتبہ جواب دو اور جو زیادہ ہو تو وہ زکام ہے میں کہتا ہوں چھینکتے وقت حمد اس واسطے مقرر کی گئی ہے کہ ایک تو وہ دلیل شفا ہے اور اس سے دماغ کے انجرہ غلیظہ نکل جاتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور حمد کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص تابع سنن انبیاء علیہم السلام ہے اور ملل انبیاء پر وہ جما ہوا ہے اور اسی واسطے جواب دینا لازم ہوا اور وہ حقوق اسلام سے ہوا اور جواب دینے والے کے لیے جواب دینا اس واسطے مقرر کیا گیا کہ اس میں مبادلة الاحسان بالاحسان ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **إِنَّمَا التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ الْخ** جمہای لینا تو شیطان ہی کی طرف سے ہے پس تم میں سے جب کوئی جمہای لے تو جہاں تک اس سے ہو سکے اس کو روکے اور تم میں سے جب کوئی جمہای لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے میں کہتا ہوں جمہای سستی طبع اور غلبہ ملال سے پیدا ہوتی ہے اور شیطان کو اس میں موقع ملتا ہے اور منہ کھولنے اور آہ آہ کی آواز سے شیطان ہنستا ہے اس واسطے کہ وہ ایک قبیح ہیئت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **إِذَا تَثَاؤَبَ أَحَدُكُمْ الْخ** تم میں سے جب کوئی جمہای لے تو اس کو چاہیے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اس واسطے کہ شیطان بڑھ جاتا ہے میں کہتا ہوں شیطان مکھیوں اور چھروں کو اڑا کر اس کے منہ میں گھسا دیتا ہے اور اکثر اوقات منہ کے عضلات سکر جاتے ہیں اور ہم نے ایسا دیکھا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ الْخ** اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ وحدت میں کیا بات ہے جو میں جانتا ہوں تو سوار رات کو تنہا نہ چلے میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مہلکات میں پڑ جانا اور ان کی دلیری کرنا بلا ضرورت ایک ناپسندیدہ امر ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے جو حضرت زبیر کو مقدمۃ الخیش کر کے تنہا بھیجا تھا تو اس کی ضرورت تھی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا

تصحب الملائكة الخ نہیں ساتھ ہوتے فرشتے ان رفیقوں کے جن میں کتا اور گھنٹہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الجرس مزامیر الشیطان گھنٹہ شیطان کے مزامیر ہیں میں کہتا ہوں جو آواز تیز اور سخت ہو شیطان اور اس کی ذریات کے موافق ہے اور ملائکہ اس سے نفرت ہے اور ان دونوں کے جلی مزاج کا مقصد ہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سافرتم فی الخصب الخ جب تم ارزانی میں سفر کیا کرو تو اونٹ کو اس کا حق ادا کیا کرو جو زمین میں ہے اور جب تم قحط میں سفر کرو تو اس کو جلد چلاؤ اور جب انہی رات میں آؤ تو راستہ سے بچو کیونکہ وہ رات کے وقت دواب کا رہ گزر رہے اور حشرات کا ماؤا ہیں میں کہتا ہوں یہ سب ظاہر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے السفر قطعة من العذاب سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تم میں سے ایک کو فیندہ کھانے پینے سے باز رکھتا ہے پس جبکہ پورا کر چکا اپنی حاجت کو جو اس کے سامنے ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اہل کو جلدی سے چلا آئے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ آدمی حقیر چیزوں کے پیچھے پڑا رہے اور ان کی وجہ سے اس کو زیادہ روز شک نہ رہنا پڑے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا طال احدکم الغيبة الخ جب تم میں سے کوئی غیبت کو دراز کرے تو اس کو چاہیے کہ رات کو اپنے گھر نہ آئے میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان کو بسبب پرانگندہ ہونے بالوں وغیرہ کے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ ان دونوں کے تکرر حال کا باعث ہوتی ہے۔

از اجملة کلام کرنے کے آداب ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اختی الاسماء، يوم القيامة عند الله رجل الخ یعنی بدترین ناموں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاطلاق ہو اور فرمایا آپ نے کہ نہیں بادشاہ مگر اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ نے ابوالحکم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے ان الله هو الحكم کہ حکم اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف علم ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس کنیت سے اس واسطے منع فرمایا کہ اس میں تعظیم بکثرت پائی جاتی ہے اور وہ شک سے قریب آتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لاتسمین غلامک یسار الخ اپنے لڑکے کا نام یسار ہرگز مت رکھو اور نہ رباع اور نہ ثنی اور نہ افع پس تو کہتا کہ یسار اس جگہ ہے پس نہیں ہوتا پس کہا جاتا ہے نہیں اور جاڑ نے فرمایا ہے آنحضرت ﷺ کا قصہ اس بات سے منع کرنا تھا کہ نام رکھا جائے ساتھ علی اور برکت اور نافع وغیرہ کے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ اس منع کرنے سے غاموش ہو رہے پھر آپ کی وفات ہوئی اور اس سے منع نہیں کیا میں کہتا ہوں ان کاموں کا مکروہ ہونا اس واسطے ہے کہ وہ ایک ہیئت وغیرہ کی طرف پہنچاتے ہیں کہ وہ ذلت اقوال میں ایسی ہے جیسے اجدع وغیرہ افعال میں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الاجدع شیطان غلام شیطان ہے اور امادیث میں تطبیق بایں طور ہے کہ آپ نے نبی میں تاکید نہیں کی مگر ارشاد کے طور پر بمنزل مشورہ سے اس سے منع فرمایا یا نبی سے علامات آپ کو ظاہر ہوئے پس راوی نے کہا یہ از روئے اجتہاد کے منع کیا جس نے اس کو محفوظ کیا بہت ہے اس شخص پر جس نے محفوظ نہیں کیا اور میرے نزدیک یہ وجہ صحابہ کے فعل کے موافق ہے اس واسطے کہ وہ ہمیشہ اس قسم کے نام رکھنا کرتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمی میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت رکھو اور فرمایا آپ نے نہیں کرنا کیا میں قسم کھتا ہوں کہ تم میں تقسیم کرنا ہوں میں کہتا ہوں اگر کسی کا نام نبی کے نام پر ہو تو اس مکان کا موقع تھا احکام میں اثنا و اربعہ اور ان احکام کی نسبت اور رفع کرنے میں تلکس واقع ہوتی اور جب کہا جاتا کہ ابوالقاسم نے یہ مکان

ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم ہے اور بسا اوقات مراد کوئی اور ہوتا اور بسا اوقات آدمی کو نام لے کر کوئی گالی دیتا ہے اور لڑائی جھگڑوں میں اس کے لقب سے ذم کی جاتی ہے پس اگر نبی کے نام پر نام ہو تو اس میں ایک ہیئت منکرہ پائی جاتی ہے پھر یہ بات کنیت کے اعتبار سے اکثر پائی جاتی ہے بہ نسبت علم کے بدو وجہ ایک تو یہ وجہ ہے کہ لوگوں کو شرعاً اس بات سے ممانعت تھی اور عادت کے اعتبار سے اس بات سے باز رہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو نام لے کر ندا کریں اور مسلمان یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر ندا کرتے تھے اور ذمی لوگ کہتے تھے یا ابا القاسم دوسرے یہ کہ عرب نام لے کر بزرگی یا حقارت کا قصد نہ کیا کرتے تھے بلکہ کنیت سے بزرگی یا حقارت کا قصد کیا کرتے تھے جیسے ابوالحکم اور ابوالجہل کہ اول میں تشریف اور دوسری میں تحقیر مقصود ہے و علیٰ ہذا التیاس اور آپ کی کنیت ابوالقاسم اس واسطے ہوئی کہ آپ قاسم تھے پس دوسرے کی یہ کنیت رکھنا ایسا ہوا جیسے آپ سے برابری کرنا اور حضرت علیؓ ہیئت کو اس بات کی رخصت کہ آپ کے بعد آپ نے لڑکے کا نام آپ کے نام پر رکھیں اور آپ کی کنیت پر اس کی کنیت کریں اس واسطے دی کہ التباس رفع ہو گیا کیونکہ آپ کا زمانہ گزر گیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا یقولن احدکم عبدی وامتی الخ چاہیے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے عبد میرا اور امۃ میری بلکہ تم سب اللہ ہی کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میرا غلام اور لونڈی میری اور جوان میرا اور جوان میری اور غلام کو چاہیے کہ یہ نہ کہے رب میرا بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میرا آقا میں کہتا ہوں کلام میں درازی کرنی اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا سبب کبر اور خود پسندی ہے اور اس میں لوگوں کی دل شکنی ہے اور نیز چونکہ کتب آسمانی میں اس نسبت کو جو خالق اور مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے عبدیت اور ربوبیت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے لہذا لوگوں کو باہم اس کا استعمال کرنا بے ادبی ہے اور آنحضرت ﷺ نے انگوڑی کی نسبت فرمایا ہے کہ کرم مت کہا کرو بلکہ عنب اور حبلہ کہا کرو اور یہ مت کہو اخیۃ الدھر یعنی اے زمانہ کی بے نصیبی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دہر ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ دہر کو برا کہہ کر ابن آدم مجھ کو ایذا دیتا ہے دہر تو میں ہی ہوں میرے ہاتھ میں ہے امر میں ہی رات و دن کو لوٹنا پوٹنا رہتا ہوں میں کہتا ہوں جب اللہ پاک نے شراب سے نہی فرمادی اور وہ ایک اتری ہوئی چیز ہو گئی تو مناسب ہوا کہ جس بات میں اس کی عظمت پائی جائے اور جس بات سے اس کی عمدگی کا خیال ہو سکے اس سے بھی ممانعت فرمائی جائے اور انگوڑی شراب کی اصل اور مادہ ہے اور عرب کا دستور تھا کہ اکثر اوقات شراب کو بنت کرم کہہ کر تعبیر کیا کرتے تھے اور اسی نام سے اس کو مشہور کرتے تھے اور اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ وہ واقعات کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور یہ ایک قسم کا شرک تھا اور نیز اکثر دہر سے مقلب دہران کو مراد ہوا کرتا تھا بہر حال دہر کے برا کہنے کا مال اللہ تعالیٰ سے ناخوشی کی طرف تھا اگرچہ اس کے عنوان میں وہ خطا کرتے تھے غلط تھا اور حدیث شریف میں آیا ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میرا نفس بگڑ گیا میں کہتا ہوں کہ اکثر خباثت کا استعمال کتب آسمانی میں خباثت باطنی اور بد طینی پر آیا ہے لہذا یہ کلمہ بمنزلہ بیانات شیطانہ کے ٹھہرا اور اگر کوئی شخص کسی بات کو اس طرح پر بیان کرے کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ بات اس طرح ہے تو اس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ببئس مطیۃ الرجل براذریۃ آدمی ہے یعنی صرف لوگوں کے گمان کرنے سے کسی بات کا بیان کر دینا برا ہے میں کہتا ہوں اس سے حضور ﷺ کی یہ مراد ہے کہ آپ کو یہ بات ناگوار ہے کہ کوئی شخص بلا ثبوت کسی بات کو ذکر کرے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لا تقولوا

ماشاء اللہ و شاء فلان الخ۔ یہ بات مت کہو کہ اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا اور یہ کہو کہ جو اللہ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا میں کہتا ہوں برابر برابر ذکر کرنے سے رتبہ کے اندر برابری کا وہم ہوتا ہے لہذا اس قسم کے لفظ کا زبان سے نکالنا سوء ادبی ٹھہرا اور معصوم کرو کہ بے فائدہ باتوں میں غور کرنا اور کلمہ درازی اور فصاحت و بلاغت میں انہماک اور اشعار اور مزاج کی کثرت اور قصہ کہانیوں میں وقت کا گزارنا یہ سب امور منجملہ ان امور کے ہیں جو انسان کو دنیا و دین سے بے خبر کرتے ہیں اور جن کا مدار باہمی تفاخر اور نمود پر ہوتا ہے لہذا ان کا حال عادت اہل عجم کا سا ہے اس واسطے حضور ﷺ نے ان کو ناپسند فرمایا اور ان کے نقصانات بیان فرمائے مگر جس قدر میں گراہت کے معنی نہیں پائے جاتے اس قدر کی اجازت عطا فرمائی اگرچہ بادی الرائے میں ان کے اندر اشتباہ پایا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **هَلِكِ الْمُتَنَزِّعُونَ** فضول باتوں میں غور کرنے والے برباد ہو گئے تین مرتبہ اس کلمہ کو ارشاد فرمایا اور فرمایا ہے **الْحَيَاءُ وَالْعِي شَعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْبِذَاءُ وَالْبَيَانُ شَعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ** حیا اور زک زک کر باتیں کرنا ایمان کے دو شعبے ہیں اور بے حیائی اور بیان بیدھڑک تقریر کرنا چاہے زبان سے کچھ نکل جائے نفاق کے دو شعبے ہیں میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد بے حیائی اور تعمق اور تطاول کلام کا ترک کرنا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **أَنْ أَحْبَبَكُمْ إِلَى وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ اخْلَاقًا** الحدیث تم میں سے مجھ کو زیادہ تر پسندیدہ اور بروز قیامت تم میں سے مجھ سے زیادہ تر قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہیں اور تم میں سے مجھ کو زیادہ تر مبغوض اور مجھ سے زیادہ تر دور تم میں سے وہ لوگ ہیں جو بد اخلاق اور بڑے باتوں اور کلمہ دراز اور متکبر ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جانا یا حکم دیا کہ گفتگو میں اعتدال اور اختصار بقدر کفایت کرنا بہتر ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا شلم ریم سے پر ہو جس کو تم دیکھتے ہو اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو حضرت حسانؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تو مشرکین کے مقابلہ میں اللہ اور رسول کی جانب سے محاصرت کرے گا (کفار کا مقابلہ) تو روح القدس ہمیشہ تیری مدد کرے گا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کیا کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارے اشعار مشرکین کی جھو میں تیرے مارنے کا علم رکھتے ہیں احسان کے باب میں جہاں ہم نے آفات ربانی کے اصول و قواعد بیان کیے ہیں وہاں وہ حدیثیں ظاہر کر دی ہیں جن سے حفظ لسان ثابت ہوتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کو اللہ اور آفات پر ایمان ہے اس کو چاہیے کہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کو برا کہنا فسق ہے اور ان سے لڑنا فسق ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو۔ نیت کیا چیز ہے نیت اس بات کا بیان کرنا ہے جو تیرے بھائی کو ناگوار ہو اس پر آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں کیا یہ بھی نیت ہے فرمایا وہ بات کہتا جو اس میں ہے یہی تو نیت ہے اور اگر تو نے وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان کیا۔

علامہ کا قول ہے کہ حرام نیت سے چھ امور مستثنیٰ ہیں اول اپنا ظلم ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر جو ظلم ہے دوسرے کی ایسی حالت میں کہ برائی ظاہر کرنے سے کسی امر مگر کا بدل دینا منظور ہو اور عاصی کو بہت سی طرف لوٹانے کا قصد لیا جائے جیسے زید بن ارقم نے عہد اللہ بن ابی کا قول آنحضرت ﷺ سے نقل کر دیا تھا اور عہد اللہ بن

مسعودؓ نے حنین کی غلیٹوں کے متعلق انصار کا قول بیان کر دیا تھا، تیسری فتویٰ لینے میں جیسے ہند نے کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے، چوتھی مسلمانوں کو کسی شرے محفوظ کرنا جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس خاندان کا بھائی برا ہے یا جیسے حدیث میں زخیموں کا زخمی کرنا آیا ہے اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ تنگدست ہیں اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا کو نہیں اتارتا، پانچویں فاسق کے شر سے متنفر کرنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں فلاں فلاں شخصوں کو نہیں جانتا ہوں کہ ہمارے حال سے کچھ بھی واقف ہیں، چھٹی کسی کی حالت بیان کرنا جیسے فلاں شخص اعمیٰ ہے یا لنگڑا ہے۔

اور علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ کوئی مقصود شے بغیر کذب کے حاصل ہی نہ ہو سکتی ہو تو وہاں کذب جائز ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص کذاب نہیں جو لوگوں میں اصلاح کرنے کے لیے کسی نیک کو ظاہر کرے یا کوئی نیک بات کہہ دے۔

اسی بحث کے متعلق نذروں اور قسموں کے احکام ہیں

اس میں مختصر امر یہ ہے کہ نذریں مقرر کرنا اور قسمیں کھانا لوگوں کی عادات میں سے ہے، عرب ہوں یا عجم کسی فرقہ اور امت کو تم نہ پاؤ گے کہ اپنے موقعوں پر ان کا استعمال نہ کرتے ہوں اس واسطے ان کے مباحث کی ضرورت ہوئی یہ نذریں اور قسمیں نیکی کے اصول سے نہیں ہیں، لیکن جب کسی نے اپنے اوپر ایک شے لازم قرار دے لی اور اللہ کا نام اس کے لیے ذکر کیا تو یہ ضروری ہوا کہ اللہ کی عظمت میں اور اس شے میں جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے کوتاہی نہ کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذریں مت مقرر کیا کرو اس لیے کہ نذر سے کوئی امر مقدر نہیں دور ہو سکتا ہے، ان کے سبب سے بخیل کی جانب سے کوئی شے نکل جایا کرتی ہے، یعنی انسان جب کسی حالت میں گھر جاتا ہے تو اس وقت اس کو کسی قدر خرچ کرنا آسان معلوم ہوا کرتا ہے، جب اللہ اس کو تہلکہ سے نجات دے دیتا ہے تو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی تکلیف نے اس کو کبھی چھوا بھی نہ تھا، اس لیے ضرور ہے کہ جس شے کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو دل سے باہر کر دے اس سے قصد اور عزیمت میں پختگی اور استحکام ہوتا ہے۔

قسم کی چار قسمیں ہیں، اول یمین منعقدہ، یہ اس قسم کا نام ہے جو کسی آئندہ شے کے لیے کھائی جائے وہ شے ممکن بھی ہو اور دل میں اس کے متعلق فیصلہ کر لیا ہو، اس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تم سے ان قسموں کا مواخذہ کرے گا جو تم نے منعقد کی ہوں گی، دوسرے لغو الیمین جیسے کہ لوگ بلا قصد کہہ دیا کرتے ہیں واللہ باللہ بلی، واللہ یا ایسی شے پر قسم کھا بیٹھیں جس کے ہونے کا گمان ہو اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ لغو قسموں میں مواخذہ نہیں کرتا، تیسری یمین غموس کہ قصد اچھوٹی قسم اس لیے کھائی جائے کہ اس سے ناحق کسی مسلمان کا مال ہضم کر لیا جائے، یہ قسم کبار میں سے ہے، چوتھی وہ قسم جو کسی محال، نقلی سے کھائی جائے جیسے یہ کہنا کہ گزشتہ کل کا روزہ رکھوں گا، یا دوضدوں کا جمع کرنا یا کسی محال عادی پر قسم کھائی جائے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا یا اشیاء کی حقیقت بالکل بدل دینا اور ان دونوں قسموں میں جن میں نفی وارد نہیں ہے یہ اختلاف ہے کہ ان میں قسم کا کھانا آتا ہے یا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

میں کہتا ہوں کہ کسی کے نام کی قسم جب ہی کھائی جاتی کہ اس میں عظمت اور بزرگی کا اعتقاد ہو اس کے نام میں برکت خیال کی

جائے اس میں کوتاہی اور جس امر کے لیے وہ نام ذکر کیا ہے اس کو فروغ و غذا دے کر گناہ تصور کیا جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **ثَمَنُ قَسَمٍ حَسَنٌ** اور قسم میں بالات والعزى کہے تو اس کو چاہیے کہ اس کے بعد لا الہ الا اللہ کہے اور جو اپنے رفیق سے کہے آؤ تمہارے بازی کریں تو اس کو چاہیے کہ صدقہ کرے میں کہتا ہوں کہ زبان دل کی ترجمان ہوا کرتی ہے اور اس کی مقدمہ ہوتی ہے دلی تہذیب و سب تک حاصل نہیں ہو سکتی کہ زبان کی محافظت کا لحاظ کیا جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص قسم کھائے اس کے بعد دوسرے سے اس کو بہتہ معلوم ہو تو قسم کا کفارہ دے کر اسی بہتر شے کو عمل میں لانا چاہیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم قسم کھا کر اپنے اہل میں اس کے امضا کا اصرار کیا کرتے ہو اس میں اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ ہے کہ اس کا کفارہ جو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے ادا کیا جائے میں کہتا ہوں اکثر لوگ کسی بات پر قسم کھا بیٹھتے ہیں پھر اپنے نفس پر اور لوگوں پر سختی اور تنگی سے اس کو پورا کرتے ہیں اور یہ امر مصلحت کے خلاف ہے اور کفارہ صرف اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ مکلف کی نفسانی حالت کو روک دے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تیری قسم اسی حالت پر رہے گی کہ تیرا مقابل یعنی مدعی اس کی تصدیق کرے میں کہتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال یا شہم کرنے کے لیے حیلہ کیا جاتا ہے اور قسم میں تاویل کی جاتی ہے مثلاً یوں قسم کھاتا ہے کہ واللہ میرے ہاتھ میں تیرے مال کا کوئی حصہ نہیں ہے اس سے قصد یہ ہوتا ہے کہ خاص میرے ہاتھ میں نہیں ہے اگرچہ میرے قبض و تصرف میں ہو ظلم اس پر آدہ کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص قسم کھائے اور ان شاء اللہ کہہ دے وہ حانث نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اس وقت میں دل کا قسمی فیصلہ اور قصد صحیح نہیں ہوا کرتا اور کفارہ کے لیے اسی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ** اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کا کفارہ یہ ہے کہ ان کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سے جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس یا ایک بردہ آزاد کرنا اور جس کو اس کی قدرت نہ ہو وہ تین روزے رکھ لے تمہاری قسموں کا یہ کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ کفارہ واجب ہونے کا راز پہلے گزر چکا ہے۔ **فراجع**

نذر کی چند قسمیں ہیں

- ① نذر بہیم اس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر نذر معین نہ ہو تو اس کا کفارہ اور قسم کا کفارہ ایک ہی ہے۔
- ② نذر جانور اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا نذر کو پورا کر لیکن پورا کرنا واجب نہیں ہے ابو اسرائیل کا قصہ اس کے متعلق آگے آنے والا ہے۔
- ③ نذر خاص ہے اور خاص صورت میں کسی ملاقات کے لیے نذر کی جائے اس کے متعلق ابو اسرائیل کا قصہ ہے انہوں نے نذر کی تھی کہ میں لہزار ہوں گانہ بنیموں گانہ سایہ کی آزلوں گانہ بولوں گا اور روزہ رکھوں گا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس و ہنم رکھو کہ ہاتھیں لڑے اور سایہ میں رہے اور اپنا روزہ پورا کر لے اور ایک شخص نے نذر کی تھی کہ مقام ہواتہ میں جہاں نہونی بت قمانہ اہل جاہلیت کا میلہ و فیہ ذابک اوت ذابک لڑوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر لے۔
- ④ نذر مصیبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی مصیبت کی نذر کرے گا اس کا کفارہ وہی ہے جو یحیٰ بن کا ہے۔
- ⑤ نذر جانور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص ایسی چیز کی نذر کرے جس کو انسان لے لے اس کا کفارہ بھی یحیٰ بن کا ہے نذر کے

باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کفارہ اس لیے مشروع ہوا ہے کہ گناہ کا لوٹ اس سے جاتا رہے اس کے سینہ میں جو چیز اڑ رہی ہے وہ دور ہو جائے اس لیے جو شخص کسی طاعت کی نذر کرے وہ پورا کرے اور جو غیر طاعت کی نذر کرے اور دل میں تنگی دیکھے تو کفارہ واجب ہے۔ واللہ اعلم

مختلف ابواب

جن امور کے بیان کرنے کا ہم نے اس کتاب میں قصد کیا تھا اس سے ہم فارغ ہو گئے۔ واللہ رب العالمین۔ جو اس میں ذکر کیا گیا ہے اس سے ان تمام اسرار شریعت کا استیعاب نہیں ہوا ہے جو ہمارے سینوں میں مخفی ہیں اس لیے کہ دل میں ہر وقت یہ فیاضی نہیں ہوتی کہ اسرار کا انکشاف کر دیا کرے زبان ہمیشہ دلی رازوں کا اظہار نہیں کرتی ہے اور عوام اس قابل ہی نہیں ہوتے کہ ہر ایک نکتہ کا ان کو مخاطب کریں اور ہر شے اس قابل نہیں ہوتی کہ بغیر تمہید اور مقامات کے اس کو معرض بیان میں لائیں اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جو راز ہمارے دلوں میں ہیں وہ ان علوم کے برابر ہو سکیں جو رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل کیے گئے ہیں اس درجہ والے کو جس پر وحی اور قرآن نازل ہوتا تھا اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے پینات ذالک ان دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل میں مکمل طور پر جمع کیا تھا وہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا مجموعہ ہوں جو احکام الہی میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اس نسبت کو خضر علیہ السلام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ میرے اور تیرے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) علم کو اللہ کے علم سے ایسی نسبت ہے جیسے اس سمندر کے ساتھ اس نمی کو جو چڑیا کی چونچ میں ہے۔

ان مرتبوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کا کتنا پایہ بلند ہے جن کا احکام شریعت میں لحاظ کیا گیا ہے یقیناً ان کی کوئی نہایت نہیں ہے جتنا ان کا ذکر کیا جائے ان مصلحتوں کا حق پورا ادا نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ان کی پوری واقفیت کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

لکن ما لا یدرک کله لا یتروک کله۔

اب ہم کسی قدر اجمالی طور پر ایک حصہ سیرت اور فتنوں اور مناقب کا بیان کرتے ہیں استیعاب سے بیان کرنا ہم کو مقصود نہیں ہے۔ واللہ الموفق والمعين واليه المرجع والمآب۔



رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بیان

ہمارے نبی ﷺ کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی آپ تمام عرب میں بزرگ خاندان اور نسب سے پیدا ہوئے شجاعت اور پردلی میں بہت سے زیادہ توانا سب سے زیادہ فیاض سب سے زیادہ خوش بیان سب سے زیادہ آپ کا دل صاف اور پاک تھا ایسے ہی تمام انبیاء اپنے خاندان میں عالی نسب ہوا کرتے ہیں اس لیے کہ آدمی ایسے ہوتے ہیں جیسے کانیں سونے اور چاندی کی اور اخلاق کی خوبی آدمی کو اپنے آباء اجداد سے ورثہ میں ملا کرتی ہے اور نبوت کا استحقاق انہیں لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے جن کے اخلاق کامل ہوں انبیاء کی بعثت سے اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سچائی اور حق ظاہر ہو جائے اور کوئی فرقہ جبر و درست ہو جائے اللہ ان کو لوگوں کا پیشوا بناتا ہے اور ان مناصب کے لیے زیادہ موزون وہی ہوا کرتے ہیں جو مفتخر خاندان سے ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ آپ کے خلق اور خلق میں امتدال تھا میانہ قد تھے نہ زیادہ دراز قد نہ کوتاہ موئے مبارک نہ بالکل گھونگر وال تھے نہ چھوٹے ہوئے بلکہ بین بین چہرہ مبارک میں گوالی تھی سر بڑا ریش مبارک دراز شانے اور قدم پر گوشت چہرہ کا رنگ سرخی مائل تھا اعضا میں فرہی تھی سب سے زیادہ طبیعت میں نرم دلی تھی لب و لہجہ میں سب سے زیادہ پر صداقت جو شخص فوراً آپ کو دیکھتا آپ کی عزت کرتا اور جان کر جو آپ سے ملتا جلتا تو آپ پر فدا ہو جاتا بزرگ نفسی کے ساتھ نہایت خاکسار اپنے اہل بیت پر نہایت نرم دل تھے حضرت انسؓ نے دس سال تک آپ کی خدمت کی لیکن کبھی ان کو آف تک نہ کہا اور کبھی نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا اہل مدینہ کی کوئی کینزک خدمت میں حاضر ہوتی اور جہاں چاہتی لے جاتی اپنے اہل کی خدمت خود کر دیا کرتے تھے نقش امر یا لعنت کرنا یا بدگوئی کرنا آپ کی عادت نہ تھی اپنی کفٹن کو خودی لیا کرتے تھے کپڑا خودی لیتے بکری کو خود دودھ لیا کرتے حالانکہ بڑے اولوالعزم تھے کوئی شے آپ کو مغلوب نہ کر سکتی تھی اور کوئی مسامت آپ سے فوت نہ ہوتی تھی سب سے زیادہ فراخ دل تھے تکلیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم لوگوں پر نہایت ہی مہربان کسی کو آپ کی ذات سے برائی نہیں پہنچتی تھی نہ ہاتھ سے نہ زبان سے مگر جب اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے تو یہ منزلی کی ارستی کا اہتمام کرنے والے اپنے اصحاب کا بڑا لحاظ کرتے سیاست مدن کے بڑے حکمران کہ ان سے زیادہ تصور نہیں ہو سکتا ہے ہر شے کے اندازہ سے واقف عالم ملکوت کی جانب ہمیشہ متوجہ ذکر الہی کے فریفتہ آپ کی آنکھ اور تمام حالات سے ذکر الہی نے آثار نمایاں رہتے تھے ہمیشہ غیب سے آپ کی امانت اور تائید ہوتی دعا آپ کی قبول ہوتی فیضانِ القدس سے ملو گا انسان ہوتا رہتا تھا معجزات ظاہر ہوتے رہتے مثلاً دعاؤں کی قبولیت آئندہ واقعات کی پیشین گوئی جس شے میں برکت لی اور خواہش کرتے اس میں برکت ہوتی ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں یہ اوصاف ہوا کرتے ہیں ان کی اہل بیت ان کی جانب ان کو بھلا دیا لرتی ہے اپنی دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کے جلالت

رتبہ کی بشارت دی تھی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے آپ کے وجود باوجود کی پیشین گوئی کی تھی اور باقی انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم نے آپ کی اطلاع دی تھی، آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے اندر سے روشنی نکلی اور تمام زمین اس سے نورانی ہو گئی اس کی تعبیر دی گئی کہ ایک پر برکت لڑکا پیدا ہوگا جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا، جنوں نے آپ کی پیدائش کی خبریں دیں، کانہوں اور نجومیوں نے آپ کی پیدائش اور ترقیات کی خبر دی اور واقعات جو نے آپ کی اعزاز و سر بلندی کی جانب رہنمائی کی، جیسے ایوان کسروی کے کنگرے ریزہ ریزہ ہو گئے نبوت کی دلیلیں آپ کے اندر جمع ہو گئیں، جیسے کہ ہر قل قیصر روم نے ان کی خبر دی، آپ کی پیدائش اور شیر خوارگی کے زمانے میں لوگوں نے برکت کے آثار مشاہدہ کیے۔ فرشتوں نے ظاہر ہو کر آپ کے قلب میں چیرہ دیا اور ایمان و حکمت سے اس کو بھر دیا، عالم مثال اور عالم شہود کے مین بین یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا اس لیے چیرہ دینے سے ہلاکی کا خطرہ پیش نہیں آیا اور رشتہ کا اثر باقی رہا۔ جو واقعات عالم مثال اور عالم شہادت کی آمیزش سے پیش آیا کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے جب ابو طالب سفر شام میں آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے تو راہب نے آپ کے اندر نبوت کی علامتیں دیکھ کر نبوت کا اقرار کیا، جب شباب شروع ہوا تو فرشتوں سے تناسب اور تعلق ظاہر ہونے لگا کبھی غیبی آواز کے ذریعہ سے کبھی فرشتے بدنی صورت میں ظاہر ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے ظاہری حوائج کی بندش اس طرح فرمادی کہ حضرت خدیجہ بٹسینہ کو آپ کے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہو گیا، یہ قریش کی عورات میں سے با ثروت تھیں، جب اللہ کسی کو دوست رکھتا ہے تو اپنے بندوں ہی میں سے کسی کو اس کا کار ساز بنا دیتا ہے جب دوسروں کے ساتھ تعمیر میں شریک تھے اور عادات عرب کے موافق اپنے ازار کو دوش مبارک پر ڈال لیا تھا اس سے آپ بے ستر ہو گئے اور بے ستر ہوتے ہی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور غشی کی حالت میں ہی منع فرمایا کہ کہیں شرمگاہ ظاہر نہ ہو جائے، یہ نبوت کی ایک طاقت تھی، نفس کے مواخذہ کرنے کی یہ بھی ایک قسم ہے۔

اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے، مقام حرام میں چند راتوں تک خلوت گزیر رہتے، پھر دولت خانہ کو تشریف لا کر ویسے ہی چند روز کی غذا ہمراہ لیتے اور وہیں قیام فرماتے غلبہ روحانیت نے دنیا سے آپ کی توجہ کو ہٹا دیا تھا اور ہمہ تن آپ کا رخ اس فطرت کی جانب پھیر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اول آغاز روئے صالحہ سے ہوا، آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر اس کا ایسا ظہور ہوتا جیسے صبح کا سپیدہ، یہ بھی نبوت کی طاقت کا ظہور تھا اس کے بعد مقام حرام میں صداقت یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وحی کا نزول شروع ہوا اور غلبہ ملکیت کے وقت طبیعت کا قانون ہے کہ اس میں حیرت اور پریشانی پیدا ہوتی ہے اس لیے اس وقت آپ میں بھی گھبراہٹ پیدا ہو گئی، اس واسطے حضرت خدیجہ بٹسینہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور یہ حالت بیان کی انہوں نے کہا: **هو الناموس الذی نزل علی موسیٰ**۔ یہ وہی ناموس ہے (فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا، اس کے بعد چند روز تک وحی منقطع ہو گئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان میں دو مختلف طاقتیں جمع ہوتی ہیں ایک بشری دوسری ملکی، جب تاریکیوں سے نور کی جانب خروج ہوتا ہے تو مختلف مزاحمتیں اور الجھاؤ پیش آتے ہیں یہاں تک کہ جو اللہ کی مرضی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے، آپ فرشتہ کو کبھی آسمان وزمین میں بیٹھا ہوا دیکھتے تھے، کبھی حرم میں کھڑے ہوئے کہ اس کے ازار باندھنے کی جگہ کعبہ تک ممتد ہوتی تھی، ونحو

ذالک اس کاراز یہ ہے کہ جن نفوس میں نبوت کی استعداد ہوتی ہے تو ملکیت اس کی روح کے سامنے مستحضر ہو جاتی ہے بدنی مشاغل سے آزادی ہوتی ہے اس کے سامنے ملکی بجلی درخشاں ہونے لگتی ہے جیسا وقت کا اقتضا ہوتا ہے ویسے ہی یہ حالت پیدا ہوتی ہے جیسے عوام لوگوں کو آزادی کی حالت میں خواب کے ذریعہ بعض امور کا انکشاف ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا آپ پر نزول وحی کس طرح ہوتا ہے آپ نے فرمایا کبھی گھنٹہ کی چھنکار کی طرح اس کی مجھ پر گرانی ہوتی ہے اس آواز کے جدا ہوتے ہی میں اس بات کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی مجھ کو فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے وہ کہتا جاتا ہے میں یاد کرتا جاتا ہوں میں کہتا ہوں اس آواز کی حقیقت یہ تھی کہ جب کوئی پر زور تاثیر حواس سے ٹکراتی ہے تو ان میں ایک تشویش اور شورش پیدا ہو جایا کرتی ہے مینائی میں تشویش اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مختلف رنگ کی چیزیں سرخ زرد سبز وغیرہ نظر آتی ہیں اور شنوائی میں اس طرح اس کا ظہور ہوتا ہے کہ بے معنی آوازیں جیسے بھنبھناہٹ جھنکار وغیرہ محسوس ہوتی ہے جب یہ اثر ختم ہو جایا کرتے ہیں تو علم حاصل ہو جایا کرتا ہے اور فرشتہ کا صورت میں نظر آتا ایسے موقع پر ہوا کرتا ہے جہاں عالم مثال اور عالم شہود دونوں کے احکام اور اثر یکجا جمع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کو بعض لوگ دیکھتے تھے بعض نہیں دیکھتے تھے۔

ان حالات کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ دعوت اسلام کریں اور مخفی طور پر آپ نے اسلام کی تعلیم شروع کی اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جی نے اسلام قبول کیا۔

پھر ارشاد ہوا: **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** جو حکم تم کو دیا جاتا ہے اس کی آشکارا تعمیل کرو اور فرمایا گیا: **وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** اپنے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ اب آپ نے اعلانیہ دعوت اور شرک کی رسموں کو باطل کرنا شروع کر دیا اس وجہ سے تمام لوگ بڑے نہایت سختی سے پیش آنے لگے زبان اور ہاتھ سے برابر تکفیس دینے لگے نہ بودہ جانوروں کی جھلی آپ پر ڈالتے تھے آپ کا گائیکونٹ دیتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نہایت استقلال کے ساتھ ان شدتوں کو جھیلے تھے اور برابر مسلمانوں کو فتح کا مژدہ سناتے تھے اور کافروں کو ٹھست اور بربادی کا خوف دلاتے رہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَؤُمَّ مَا هُنَالِكَ مَفْزُومٌ مِنَ الْأَخْزَابِ** یہاں کے لوگ جماعتوں سے بھاگ جائیں گے اب انہوں نے اور بھی زیادہ تنگ کرنا شروع کیا اور قسمیں کھا کھا کر باہم معاہدہ کرایا مسلمانوں کو اور ہاشمی اور مطلبیوں کو جو مسلمانوں کے ہم درد ہیں خوب تو بیخ کریں اس وقت مسلمانوں کو رہبری ہوئی کہ حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں اس سے وسعت کبوتری سے پہلے کسی قدر وسعت اور کشادگی ہو گئی جب حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب آپ کے چچا کا انتقال ہو گیا اور ہاشمیوں کی جماعت اور قوت منتشر ہوئی تو اس کی وجہ سے آپ کو بے اطمینانی پیش آئی اور یہ امر اجمالی طور پر آپ کے قلب میں القا کیا گیا تھا کہ ہجرت سے کامیابی حاصل ہوگی اس لیے اپنے خیال و فکر سے ہجرت کا آپ نے قصد فرمایا اولاً طائف ہجرت نامہ کی جانب توجہ اور میان ہوا اور مختلف طریقے سوچے لیکن ہجرت کر کے طائف تشریف لے گئے وہاں آپ کو نہایت سخت تکلیف ہوئی اس کے بعد بنی کنانہ کی طرف تشریف فرما ہوئے یہاں بھی کوئی خوشنک امر پیش نہ آیا اس لیے زموہ کے زمانہ میں مکہ کو مراجعت کی اور آیت نازل ہوئی **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُولٍ إِلَّا إِذَا لَمْنَى الْفِي السَّيْعَانِ فِي أَمْنَيْنِهِ** جب ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو اس کی یہ حالت ہوئی کہ جب اس نے کسی امر کی تمنا کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں کوئی شے ملا دی ہے آپ کی تمنا

یہ تھی کہ جن امور کو اپنے دل میں غور کرتے تھے ان سے اللہ کے وعدوں کے پورا ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ اور شیطان کا اس میں ملا دینا یہ ہوا کہ ارادۃ الہی کے خلاف امور پیش آئے اور اصلی حالت پر ایک نقاب حائل ہو گیا۔

اسی اثنا میں مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور جو جو اللہ کی مرضی تھی وہاں تک سیر واقع ہوئی یہ تمام امور بدن کے ذریعہ سے ہوئے بیداری کی حالت میں لیکن ایسے موقع میں جو عالم مثال و شہود میں برزخ کی طرح واقع ہے سب کے احکام اس میں جمع تھے بدن پر تمام روح کے احکام طاری ہوئے روح اور روحانی امور بدنوں کی صورت میں پیش آئے اس واسطے ان واقعات میں ہر ایک واقع کی ایک تعبیر ہے حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی واقعات پیش رہے تھے اولیائے امت کو ایسے امور پیش آتے ہیں تاکہ ان کے برتر مقامات کی حالت ایسی ہو جیسے خواب میں دوسروں کے حالات ہوا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

شق صدر اور ایمان سے اس کے بھر دینے کے معنی یہ ہیں کہ ملکی طاقت کے انوار آنحضرت ﷺ پر غالب ہو گئے اور طبیعت کی آگ فرو ہو گئی اور طبیعت اس قابل ہو گئی کہ جن علوم کا خطیرۃ القدس سے افاضہ کیا جائے ان کو مطیعانہ اخذ کر سکے اور براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے جسم پر جس میں کمال حیوانی ہوتا ہے نفس ناطقہ کا استیلاء اور غلبہ ہو گیا براق پر مضبوط ہو کر سوار ہوئے یعنی ہمیت پر نفس ناطقہ کے احکام مسلط ہو گئے اور مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرنا اس طرح ہوا کہ وہ مسجد شعائر اللہ کے ظاہر ہونے کا موقع ہے ملائعہ اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق رہتی ہیں انبیاء علیہم السلام کی توجہ کا وہ اما جگہ ہے یا وہ ملکوت کے لیے ایک روشن دان ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سے مفاخرت کرنا اس کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس کے ارتباط اور تعلق سے سب کا اجماع ہو اور ان سب میں کمالات نبوت کے اوصاف میں آپ کی خصوصیت اور فضیلت ظاہر ہوئی۔

اور آسمان پر ترتیب ایک شے کے دوسرے پر صعود کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خاص قرار گاہ جلالت اور الوہیت تک منزل بہ منزل آپ نے ترقی کی ملائکہ سے تعارف ہوا جو وہاں مقرر ہیں ان بزرگ روحانیوں سے لقا ہوا جو آدمیوں میں سے فرشتوں میں منسلک ہو گئے ہیں ان تدابیر کا اب علم حاصل ہوا جن کی وہاں وحی کی گئی اس خصوصیت کو دریافت کیا جو ان منازل میں حاصل ہوتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقاء کرنا بدن سے نہ تھا بلکہ وہ اس حالت کی مثال تھی جو دعوت عامہ کے جاتے رہنے سے ان کو پیش آئی اور جس کمال کے وہ خواستگار تھے اس کے پورا ہونے میں ایک حصہ کی کمی رہ گئی۔

سدرۃ المنتہیٰ سے وجود کا درخت مراد ہے جس کے حصوں میں ترتیب ہوتی ہے اور اس کی تمام طاقتیں ایک ہی تدبیر میں جمع ہوتی ہیں جیسے قوت غاذیہ نامیہ وغیرہما کی سب قوتیں صورت شجرہ میں جمع ہوا کرتی ہیں اور اس حالت کو جس میں مجموعی اور اجمالی تدبیر کی طرف اشارہ ہو اور اس کے تمام افراد میں عموم اور کلیت ہو زیادہ تر مشابہت درخت سے ہے نہ حیوان سے حیوان میں تفصیلی طاقتیں ہوتی ہیں اور ارادہ حیوانی طبیعت کے قوانین کو مصرح اور ظاہر حالت میں کر دیا کرتا ہے اس درخت کی جڑ میں نہروں سے مراد وہ عالم ملکوت کی رحمت ہے جس کا وہاں سے فیضان مسلسل رہتا ہے عالم شہادت کی جانب وہ جاری اور ساری رہتی ہے اس کا اثر ہے زندہ رکھنا اور زندگی کو بالیدہ کرنا ہے اسی لیے وہاں بعض نافع امور کی تعیین کی گئی جیسے نیل و فرات اور جو انوار اس درخت کو تنشیہ کیے

ہوئے ہیں وہ الہی انتظامات اور رحمانی تدبیر ہیں جن کی عالم شہادت میں ہر شے کی استعداد کے موافق چمک دمک رہتی ہے اور بیت المعمور تجلی الہی کا نام ہے اسی کی جانب آدمیوں کے سجدہ اور سجدے کی عاجزانہ حالتیں رہتی ہیں اس کی تشبیہ بیت کے ساتھ کعبہ اور بیت المقدس کی مثال پر دی گئی ہے۔

ان امور کے بعد معراج میں آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک طرف دودھ کا اور ایک طرف شراب کا پیالہ پیش کیا گیا آپ نے دودھ والا پسند فرمایا تب حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آپ فطرت کی جانب راہنمائی کیے گئے اگر شراب کا پسند کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اس لیے کہ دودھ میں اشارہ تھا کہ آپ کی امت فطرت کو پسند کرے گی اور شراب میں اشارہ تھا کہ دنیوی لذتوں کو پسند کرے گی اور معراج ہی میں پنجگانہ نمازیں فرض کی گئیں اور ثواب کے لحاظ سے وہ پچاس ہیں آہستہ آہستہ خداوند کریم نے اس پچاس کی تعداد کو ظاہر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ نعمت بھی کامل ہوگئی اور تنگی بھی رفع ہوگئی اور اس معنی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب اس واسطے منسوب کیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں وہ امت کی اصلاح اور سیاست سے زیادہ واقف تھے۔ معراج کے بعد رسول اللہ ﷺ قبائل عرب سے تقویت اور امداد طلب کرتے رہے لیکن انصار کو اللہ نے اسلام کی توفیق دی اور انہوں نے دوبار بیعت کی ایک تہی اولیٰ میں دوسری عقبہ ثانیہ میں اور اس کے بعد اسلام مدینہ شریف کے ہر ایک گھر میں داخل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ دین کی ترقی جب ہی ہوگی کہ مدینہ کی طرف ہجرت کی جائے اس لیے ہجرت کا پورا قصد فرمایا اب قریش میں فساد کی آگ اور زیادہ جوشن ہوئی اور مختلف منصوبے کرنے لگے کہ آپ کو قتل کر دیں یا ٹھہرائے رکھیں یا کہیں کو نکال دیں لیکن آپ اللہ کے محبوب برکت والے تھے اللہ نے آپ کے غالب ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا اس لیے چند معجزات کا ظہور ہوا جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما میں داخل ہوئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اور آنحضرت نے برکت کی دعا کی اور فوراً ان کو آرام ہو گیا کفار جب غار کے منہ پر آکھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان نے خیالات و آنحضرت ﷺ کی جانب سے ہٹا لیا جب سراقہ بن مالک نے دونوں حضرات کا تعاقب کیا تو آپ نے اس پر بددعا کی جس کے اثر سے اس کا ٹھہرا اٹھ تک نکلا رخ زمین میں جنس کیا زمین اللہ کی قدرت سے پھٹ گئی سراقہ نے اس پر یہ کفالت کی کہ میں آپ دونوں سے دشمن کورہنما ہوں گا اس کے بعد وہ رہا ہو گیا۔

جب ام مومنین خیمہ پر آپ کا زور ہوا تو اس بکری نے دودھ دیا جس کا دودھ بالکل خشک تھا اور دودھ کے قابل نہ تھی جب مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو عبداللہ بن سلام نے آکر تین مسئلے دریافت کیے جس کا جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا سب سے اول یہ کہ قیامت کی پہلی امامت ایسا ہوگی دوسری جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا تیسری کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اول امامت قیامت کی آگ ہے جو شرق سے غرب تک لوگوں پر پھیل جائے گی اور پہلا کھانا اہل جنت کا پھل ہے بعد کا ٹھہرا ہوگا اور جب مرد کا لہفہ نرم میں پہلے پختا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر ماں کا لہفہ پہلے پختا ہے تو ماں کے مشابہ ہوتا ہے اس پر عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کر لیا اور تمام حکمائے یہود میں خاموشی پیدا ہوگئی اس کے بعد آپ نے یہودیوں سے صلح کر لی اور ان کے شر سے نجات مل گئی مسجد نبی قیصر شروع لی اور لوگوں کو نماز اور اوقات نماز کی تعلیم دینے لگے اور اس

میں مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع کس چیز سے دی جائے؟ عبداللہ بن زیدؓ نے اپنی خواب میں اذان کے کلمات سیکھے (فرشتہ سے) فیضانِ نبیؐ کا انتظار آنحضرت ﷺ کو تھا، عبداللہ سفیر اور واسطہ ہو گئے، لوگوں کو جماعت جمعہ، روزہ پر آمادہ کیا، زکوٰۃ کا حکم دیا اور زکوٰۃ کے حدود کی تعلیم دی، لوگوں کو علانیہ دعوتِ اسلام دینی شروع کی اور ان کو راغب کیا کہ اپنے اپنے وطنوں سے ہجرت کریں اس لیے کہ ان کے وطن دار الکفر تھے وہاں حدود اسلام کا قائم کرنا ممکن نہ تھا، اور تمام مسلمانوں کی جمعیت کو موآخاۃ سے نہایت مستحکم کر دیا، اس موآخات نے مسلمانوں میں صلہ اور مصارف میں ایک دوسرے کی امداد اور باہم ایک دوسرے کا وارث ہونا لازم کر دیا تاکہ اس سے ان میں وحدت پیدا ہو جائے اور اس قابل ہو جائیں کہ مجموعی طاقت سے جہاد کر سکیں اور اپنے دشمنوں کے حملوں کو روک سکیں، پہلے اہل عرب میں دستور تھا کہ ایک خاندان دوسرے خاندان سے مدد لیا کرتے تھے، جب اللہ نے دیکھا کہ مسلمانوں میں وحدت اور قوت جمع ہو گئی ہے تو اپنے نبیؐ کو جہاد کی وحی بھیجی کہ کفار کی خوب ہوشیاری سے دید بانی کریں۔

جب جنگ بدر واقع ہوئی تو مسلمانوں کے پاس پانی نہ تھا اللہ نے وہاں خوب مینہ برسایا، لوگوں سے آنحضرت ﷺ نے مشورہ کیا کہ قافلہ کا قصد کرتے ہو یا لشکر سے مقابلہ کا تو آنحضرت ﷺ کی رائے سے صحابہؓ کی رایوں میں مدد دی گئی اور سب نے مقابلہ کا اہتمام کیا، پہلے ایسے مقابلے کا گمان بھی نہ تھا، جب آپؐ نے دشمن کی کثرت کو ملاحظہ کیا تو اللہ کے حضور میں نہایت عاجزی کی اور آپؐ کو فتح کا مژدہ دیا گیا اور وحی سے ان مواقع کی اطلاع دی گئی جہاں مخالف مقتول ہو کر گریں گے، آپؐ نے فرما دیا فلاں جگہ میں فلاں شخص مرا پڑا ہوگا اور فلاں جگہ میں وہ شخص، آپؐ اپنا ید مبارک رکھ کر فرماتے جاتے تھے کہ یہاں وہ ہوگا اور یہاں وہ ہوگا، پس کوئی ایسا نہ تھا کہ سرموئے اس جگہ سے ہٹا ہو جو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے تعین کر دی تھی، فرشتے اس روز لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نظر آتے تھے تاکہ موحدین کے دل پختہ ہو جائیں اور مشرکوں کے دل تھرا جائیں، اس لڑائی میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح ہوئی، اس جنگ نے ان کو غنی بنا دیا اور شرک کی طاقت کو پسا کر دیا، قریش کے منتخب لوگ اور جگر گوشے ہلاک ہو گئے اسی واسطے اس جنگ کا نام فرقان ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ شرک کی بیخ کنی ہو جائے اور صحابہؓ نے اپنی رائے سے فدیہ لینے کی طرف میاں کیا اس سے موردِ عتاب ہو گئے لیکن اخیر میں ان کو معافی دی گئی، اس کے بعد یہود کے جلائے وطن کرنے کی تقریب پیش آئی، یہودی جب تک مدینہ کے جوار میں رہتے دین الہی کے خالص اور مطمئن ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، انہوں نے عبد شمس کی اس لیے آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا اور کعب بن اشرف کو قتل کروا دیا اور ان کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ انہوں نے ان لوگوں کی جانب رخ نہ کیا جنہوں نے مدد دینے کے وعدے کیے تھے اور خوب ان کے دلوں کو بڑھایا تھا، ان کے مالوں کو اللہ نے اپنے نبیؐ کی طرف پھیر دیا اور اذل دولت میں فراخی مسلمانوں کو اسی سے حاصل ہوئی، اور ابورافع حجاز کا تاجر مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا اس کی طرف آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کو روانہ فرمایا، انہوں نے آسانی سے اسے قتل کر دیا، جب عبداللہ اس کے گھر سے باہر آ رہے تھے تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلا دو، آپؐ نے اس پر ہاتھ پھیر دیا وہ ایسا صحیح سالم ہو گیا گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ ہوئی تھی۔

جب اسبابِ سماوی کا اقتضا ہوا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہو تو اس موقع پر چند طریقوں میں رحمتِ الہی کا ظہور ہوا

کہ اس واقعہ سے بڑی مذہبی بصیرت اور بیداری پیدا ہوئی اس لیے کہ شکست کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی مخالفت ہوئی آپ نے فرما دیا تھا کہ درہ پر جے رہیں اور لوگوں کا وہاں سے ہٹا دیا کہ حملہ آوروں کا کام پورا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنے نبی کو شکست پر آگاہ کر دیا تھا آپ کو خواب میں شکستہ تلوار اور ذبح کی ہوئی گائے دکھادی گئی تھی شکست اور صحابہؓ کا شہید ہونا اسی کی تعبیر تھی۔ یہ جنگ نہر طالوت کی نظیر ہو گئی جس میں با اخلاص لوگ غیروں سے متمیز ہو گئے اس میں رہبری ہو گئی کہ حد مناسب سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے اور جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء شہید ہوئے تو بروں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دشمن اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔

جب قرآن صحابہؓ بیر معونہ میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نماز میں قاتلوں پر بددعا کرنے لگے اور اس میں ایک قسم کی غلت تھی جو بشریت کے اقتضا سے ہوا کرتی ہے اللہ نے اس پر تنبیہ فرمادی کہ رسالت کے تمام امور فی اللہ اور محض خالصۃً للہ ہونے چاہئیں ان میں کوئی لوٹ بشری نہ ہو۔

جب عرب کے بڑے قبائل نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا اور خندق کھودی گئی تو بھی مختلف عنوانوں سے رحمت الہیہ کا ظہور ہوا اللہ نے کفار کے مکروں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کو کسی قسم کی مضرت نہ پہنچی اور حضرت جابرؓ کے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ ایک صاع جو اور ایک بڑغالہ سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے خوب سیر ہو گئے کسریٰ اور قیصر کے ایوانات پتھر کی ضرب سے جو شرارہ اڑا تھا اس میں نظر آئے اور ان کے فتح ہونے کی آپ نے بشارت دی اور شب تاریک میں ایسی سخت ہوا کو جنبش ہوئی کہ کفار کے دل مرعوب ہو گئے اور وہ بھاگ نکلے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور حضرت سعدؓ کے فیصلہ کے موافق وہ اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے تو حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ ان میں سے جوڑنے کی طاقت رکھتے ہیں قتل کر دیئے جائیں اور ان کے بال بچے قید کر لیے جائیں اس میں ان کی رائے حق بجانب تھی آنحضرت ﷺ کو حضرت زینبؓ کی جانب طبعی میاں تھا اور اس میں ایک مذہبی مصلحت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک کی بیوی بیویوں کے لیے درست ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام یوں کیا کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی۔ اور اللہ نے ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کروا دیا ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کہہ دیا: **ہو کر کہا یا رسول اللہ هلک المال وجاع العیال فاستبق اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہو گئے اور گنہگار ہوتا ہے آپ بارش کی دعا فرمائیے** اس وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا ہاتھ اٹھا کر آپ دعا مانگنے لگے ابھی آپ نے ہاتھوں کو نیچے نہ کیا تھا کہ بادلوں کے دل پر دل پہاڑوں کی طرح گھر گئے اور سات روز تک بارش کی جھری لگ گئی اتنا پانی پڑا کہ لوگوں کو نئے تھانے کا اندیشہ ہونے لگا تب آپ نے فرمایا **حوالینا ولا علینا** ہماری اطراف میں پڑے نہ ہم پر کوئی ست نہ تھی کہ اس طرف بال بٹنے کا اشارہ فرماتے ہوں اور بادل نہ بٹ جاتا ہے۔

اس شے میں آپ نے برکت کی خواستگاری فرمائی ہے بارہا اس میں برکت ہوئی جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا انبار فرما اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کی روٹیاں۔ **ونحوذ الکت**۔

بنی مطلق کی لڑائی میں ملائکہ ظاہر نمودار ہوئے اور دشمن پر خوف طاری ہو گیا اسی جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر

تہمت لگائی گئی اور اللہ کی رحمت سے آپ کی برأت ثابت ہوئی اور جس نے ایسی شاعت کو آپ کی جانب سے شائع کیا تھا اس پر حد قذف قائم کی گئی، ایک بار سورج گرہن ہوا تو آپ نے اس کے لیے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز کیا کہ ایسا انقلاب اللہ کے نشانات میں سے ایک نشان تھا، ایسے وقت میں برگزیدہ لوگوں کے دل میں خوف طاری ہوا کرتا ہے، اسی نماز میں آپ نے اپنے اور دیوار قبلہ کے مابین جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا یہ مشاہدہ اسی طرح تھا کہ عالم مثال کے احکام کسی موقع خاص پر ظاہر ہوا کرتے ہیں اور خواب میں جناب الہی نے آپ کو مطلع کیا کہ فتح کے ساتھ مکہ میں حلق اور قصر کے بعد داخل ہوں گے بلا خوف و ہراس اس لیے لوگوں نے عمرہ کا قصد کیا اور ابھی تک عمرہ کا وقت نہیں آیا تھا اور یہی تقریب صلح کی ہو گئی جو بڑے بڑے فتوحات کا مقدمہ تھی، لوگوں کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔

اس موقع پر نبوت کے چند نشانات ظاہر ہو گئے، لوگ پیا سے تھے اور پانی صرف ایک برتن میں موجود تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ مبارک اس ظرف میں رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں میں سے پانی کی دھار نکلتی لگی، حدیبیہ کا تمام پانی صحابہؓ نے کھینچ لیا تھا، اس میں ایک قطرہ باقی نہ رہا، آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی تب تمام لوگ سیراب ہوئے۔

اور مخلصین کے اخلاص کی چانچ کے لیے بیعت الرضوان واقع ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خیبر کو فتح کیا اس سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا جس سے جہاد کی طاقت بڑھا سکیں اس سے خلافت کے منظم ہونے کی بنیاد پڑ گئی اور آنحضرت ﷺ زمین پر خلیفۃ اللہ ہو گئے اور یہاں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے آپ کے کھانے میں یہودیوں نے زہر ملا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا، اور اسی جنگ میں سلمہ بن اکوع کے چوٹ لگ گئی تھی آپ نے کئی بار اس ضرب پر دم کر دیا کہ پھر کبھی انہوں نے درد کی شکایت نہ کی، آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ فرمایا کوئی شے ستر کی نہ تھی، اس وقت آپ نے دو درختوں کو بلایا وہ اس اونٹ کی طرح جس کے ناک میں ٹیکل ہو مطیعانہ کھینچے چلے آئے، جب آپ فارغ ہو گئے تو ان کو اپنی جگہ واپس کر دیا، جب محاربہ نے ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ پر غالب ہو جائے تو اللہ نے اس کے دل پر زعب بٹھا دیا، آپ نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔

اور جس امر کا ملاء اعلیٰ میں فیصلہ ہو گیا تھا آنحضرت ﷺ کے دل میں اس کا القاء ہوا کہ تمام بڑے بڑے سرکش نلعون ہوں ان کی صورت زائل ہو جائے، ان کی رسمیں نابود ہو جائیں اس لیے اس میں سعی فرما کر اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کیا، قیصر اور کسریٰ اور تمام معاند سرکشوں کو نامے تحریر فرمائے، کسریٰ نے نامے سے سوء ادبی کی اس لیے آپ نے اس پر بددعا کی اور اس کو اللہ نے ریزہ ریزہ کر دیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت زید اور حضرت جعفر اور حضرت انس بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو موت (مقام ملک شام) کو روانہ فرمایا اور ان پر وہاں جو حالت گزری وہ آنحضرت ﷺ پر ظاہر ہو گئی، آپ نے اس سے پیشتر کہ کوئی خبر وہاں سے پہنچی ہو ان کی وفات کی خبر دی، آنحضرت ﷺ جب تمام قبائل عرب کے جہاد سے فارغ ہو گئے اور قریش نے عہد شکنی کی اور کورانہ روش اختیار کی تو آپ نے فتح مکہ کا اہتمام فرمایا اور حاطب بن بلتعہ صحابی نے اہل مکہ کو آپ کے ارادہ پر مطلع کرنا چاہا تو اللہ نے اپنے رسول کو اس پر آگاہ کر دیا اور آپ نے مکہ کو فتح کیا۔ **ولو كره الكفرون** (اور پڑے برامائیں نہ ماننے والے) اہل مکہ میں اس طریقہ سے اسلام پھیل گیا کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

جنگ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کی مذبحیں ہوئی اور کفار نے جولانی کی تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خاندان نے نہایت ہی استقلال ظاہر فرمایا آپ نے ان کی جانب کر دھجکتی اس میں یہ اعجاز تھا کہ کوئی شخص نہیں بچا جس کی آنکھ میں وہ گرد نہ پگھلی ہو اسی وجہ سے وہ لوٹ گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل میں جمعیت اور اطمینان پیدا کیا اور سب نے سمت کر نہایت سخت کوشش کی اور فتح کر لیا آپ نے ایک شخص کی نسبت جو مدعی اسلام تھا اور اس نے بہت ہی سخت مقابلہ کیا تھا فرمایا کہ وہ دوزخی ہے قریب تھا کہ بعض لوگوں کو آپ کے ارشاد میں شک پیدا ہو لیکن بعد میں ظاہر ہو گیا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔

اور آپ پر جادو کیا گیا آپ نے اللہ سے دعا مانگی کہ اصلی حالت ظاہر ہو جائے تو خواب میں دو شخصوں نے آپ کو جادو اور جادو کرنے والے کی کیفیت ظاہر کر دی اور ذوالخویصرہ نے آ کر کہا یا رسول اللہ انصاف سے تقسیم فرمائیے اس پر آنحضرت ﷺ کو اس شخص کا اور اس کی قوم کا انجام منکشف ہو گیا کہ یہ لوگوں میں سے ایک بہترین فرقہ سے جنگ کریں گے ان کی شناخت آدمی سے کی جائے گی جس کا رنگ سیاہ ہوگا اور اس کا ایک بازو ایسا ہوگا جیسے عورت کا پستان حضرت علیؑ نے ان سے مقابلہ کیا اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا ویسے ہی اس کی صفت آپ نے پائی حضرت ابو ہریرہؓ کے لیے آپ نے دعا فرمائی اور وہ اسی روز ایمان لے آئے ایک روز آپ نے فرمایا کہ جب تک میں اپنی اس تقریر کو ختم کروں جو اس شخص اپنا کپڑا پھیلا کر اپنے سینہ سے لگا لے گا کبھی اپنی بات نہ بھولے گا حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنا کپڑا بچھا کر سینہ سے لگا لیا پھر کبھی ان کو اپنے قول میں نسیب نہ ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے ایک روز اپنا ید مبارک جریرا کے سینہ پر مار کر فرمایا بار خدایا اس کو جمانے رکھ اس کے بعد پھر کبھی وہ گھوڑے سے نہیں اترے اور پہلے وہ گھوڑے پر خوب نہیں جم سکتے تھے ایک شخص مرتد ہو گیا تھا تو اس کو زمین نے قبول نہیں کیا آنحضرت ﷺ ایک شاخ پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب ممبر بن گیا اور اس پر قیام فرمایا تو اس شاخ میں گریہ و گداز پیدا ہو گیا یہاں تک کہ آپ نے اس کو پکڑ کر چمٹا لیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ایک ست گھوڑے پر سوار ہو کر فرمانے لگے ہم نے تمہارے گھوڑے کو رفتار میں بحر کی طرح پایا۔ اس کے بعد سے کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرتا تھا۔

ان امور کے بعد اللہ نے اپنے دین کو خوب مستحکم کر دیا اور ایڈیوں کی پیادے آمد و رفت شروع ہوئی اور متواتر فتوحات ہونے لگیں تمام قبائل عرب پر کام و مال کا تقرر فرمایا شہروں میں قاضی مقرر کر دیئے گئے اور خلافت مکمل حالت میں ہو گئی اس اطمینان کے بعد آپ نے قبا مبارک میں القا کیا کہ مقام تبوک کی طرف نہضت فرمائی جائے تاکہ رومیوں پر آپ کی شوکت و جلالت ظاہر ہو اور ان اطراف کی طاقتیں طبعاً وہ جائیں یہ جنگ نہایت کڑی اور تنگی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی اس کی وجہ سے اللہ نے خالص اور منافق میں تمیز لے دی آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کے باغیچے پر گزرے جو وادی القریٰ میں تھا اس باغیچے کا اندازہ آپ نے بھی فرمایا اور اگیر سنا پٹے بھی فرمایا لہٰذا جیتے آپ نے ارشاد کیا تھا اسی کے موافق برآمد ہوا جب دیار بصر کے قریب پہنچے تو لوگوں کو اس نے پانیوں سے ممانعت فرمادی تاکہ موقع امانت سے لوگ قنڈر ہیں ایک دفعہ شب کو آپ نے ممانعت فرمادی کہ کوئی شخص باہر نہ جائے اتنا قلیل شخص باہر چلا گیا تو اس کو ہوانے سے لے کر پہاڑوں میں پھینک دیا ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا امانت کم ہو گیا تو ایک

منافق کہنے لگا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو اپنے اونٹ کا حال معلوم کر لیتے کہ کہاں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منافق کے قول اور مقام اونٹ سے آگاہ کر دیا اور بعض مخلصین نے زلہ اور غلطی کی وجہ سے رفاقت نبوی سے تَخَلُّف کیا تھا لیکن بعد میں زمین ان پر تنگ ہو گئی وہ نہایت ہی نادم ہوئے اس لیے ان کا قصور معاف کر دیا گیا اور شاہ ایلہ کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے قید کر لیا جس کا پہلے سے لُمان بھی نہ تھا جب اسلام میں پوری طاقت آ گئی اور اللہ کے دین میں گروہ کے گروہ داخل ہوئے مگر تو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے آپ کو حکم فرمایا کہ مشرکین سے جو معاہدے ہیں ان کو خیر باد کہہ دینا چاہیے اور سورت برأت کا نزول ہوا نجران کے عیسائیوں سے آپ نے مباہلہ کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے عاجز ہو کر جزیہ قبول کر لیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ حج کو تشریف لے گئے آپ کی معیت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ تھے مناسک حج ان کو بتائے اور زمانہ شرک کی تحریفات کو دور کر دیا جب تمام احکام اسلام کی تکمیل ہو چکی اور وفات کا زمانہ قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آدمی شکل میں بھیجا سب لوگ ان کو دیکھتے تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا کہ ایمان و اسلام و احسان کی کیا حقیقت ہے اور قیامت کا حال دریافت کیا آپ بیان فرماتے رہے اور حضرت جبریل علیہ السلام اس کی تصدیق کرتے گئے یہ گویا دین کا تہہ اور تکرملہ تھا۔

جب آپ مریض ہوئے تو برابر رفیق اعلیٰ کو یاد کرتے رہے اور ملاء اعلیٰ کی جانب اظہار شوق اور کشش فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دی اور آپ کی حفاظت دین کا متکفل ہو گیا ایسے لوگوں کو اس نے قائم کیا جو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے تھے انہوں نے مدعیان نبوت اور روم و عجم سے جنگ آزمائیاں کیں کہ اس کے حکم کی تکمیل ہو گئی اور اس کا وعدہ پورا ہو گیا۔

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ اصحابہ وبارک وسلم۔

الفتن، فتنوں کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ فتنوں کے مختلف اقسام ہیں: ① ذاتی فتنہ اس طرح پر کہ آدمی کے دل میں قساوت اور سختی آ جائے اس کو طاعت میں کچھ حلاوت اور مناجات میں کوئی لذت محسوس نہ ہو انسانی زندگی کے تین معنی ہیں اول دل وہ تمام حالات انسانی غصہ دلیری حیا، نیم ور جا، انقباض و انبساط وغیرہ کا مبداء ہے دوسرے عقل جو ان تمام موم کا مبداء ہے جن پر حواس کی انتہا ہوتی ہے مثلاً وہ بدیہی احکام جو تجربہ و حدس (تیزی فہم) وغیرہ سے معلوم ہوں یا علوم نظری جو دلیل خطابیات وغیرہ سے مستفاد ہوں تیزی طبیعت جو کہ تمام نفسانی رغبتوں کا مبداء ہے خواہ وہ رغبتیں قیام بدن کے لیے خود ضروری ہوں یا ان کو جنس کی ضرورت ہو مثلاً وہ خواہشیں جو کھانے پینے خواب ہم بستری کی وجہ سے پیدا ہوا کرتی ہیں جب عقل پر بھی خصلتیں غالب ہو جاتی ہیں تو اس کے تمام ارادے انقباض اور انبساط کے متعلق ایسے ہی ہوں گے جیسے بہائم کے جو طبیعت اور اوہام کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں ایسے دل کو بھی کہتے ہیں اور جب دل شیطانییت سے بیداری اور خواب میں شیطانی وسوسوں کو قبول کرنے لگے تو ایسے انسان کو شیطان الانس کہتے ہیں اور

جب دل پر فرشتوں کے سے صفات غالب ہوں تو اس کو قلبِ انسانی کہتے ہیں اس وقت اس کے تمام جذبات خوف و رغبت وغیرہ اعتقادات حقہ کی جانب مائل ہوا کرتے ہیں جن کو اس نے حاصل کیا تھا جب قلب کی حالت نہایت صاف اور اس کی نورانیت اور لعن کامل ہو جاتی ہے تو قلب روح ہو جاتا ہے تب اس میں بغیر اعتباس کے ہمیشہ انبساط و رجاء ہے اور بغیر اضطراب اور بے چینی کے اطمینان اور سکون ہوتا ہے تمام ملکی خاصیتیں اس کی عادت اور طبیعت ہو جاتے ہیں اور وہ ایسی نہیں ہوتیں جیسے مکعب چیزیں ہوتی ہیں اور جب بھیمی مادات عقل پر غالب ہوتے ہیں تو وہ سبک ہو جاتا ہے نفسانی جنبشوں میں مبتلا رہتا ہے طبیعت کے دوائی کی طرف اس کی کشش رہتی ہے اور خواہش نفس کی جنبش پیدا ہوتی ہے تو مجامعت کے خیال میں رہتا ہے بھوک معلوم ہونے لگے تو کھانے کے خیال میں پزار رہتا ہے وحشیانہ اور شیطانی وسوسوں سے جب وہ مغلوب ہوتا ہے تو اعلیٰ قسم کے جو انتظامات ہیں ان کے ابطال اور تیسخ میں بسر کرتا ہے یہ اعتقادات میں شبہات پیدا کرتا ہے اور ان بد نما افعال کی جانب اس کو کشش رہتی ہے جس سے نفوس سلیمہ متنفر رہتے ہیں اور ملکی مسائل کافی اہملہ یہی قوی اثر ہوتا ہے تو عقل کے لوازم سے ہوتا ہے کہ جن علوم کی تصدیق ضروری ہے اس کی تصدیق کی جاتی ہے جن کا تعلق تدابیر نافعہ اور ان تدابیر سے ہوتا ہے جو درجہ احسان سے متعلق ہیں ان کا ثبوت بدیہی ہو یا نظری طور پر۔

اور جب اس کی نورانیت اور انجاء میں اور ترقی ہوتی ہے تو نفس کی حالت کو سر کہتے ہیں اس وقت میں وہ مختلف طریقوں سے خواب فراست شرف آواز نبی وغیرہ کے ذریعہ سے ان علوم کا ادراک کرتا ہے جن کا فیضان عالم غیب سے ہوتا ہے اور جب اس کا میان ان موجودات کی طرف ہوتا ہے جو زمانہ اور مکان سے برتر ہیں تو نفس کو خفی کہتے ہیں۔

اور نفس کی کشش جب طبعی عادت میں محصور ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا نفس امارہ نام ہوتا ہے اور قوائے بیکہ اور ملکی میں جب اس کی مذہب حالت ہو اور میانوں کا فیصلہ کبھی اس جانب ہو کبھی اس جانب تو اس کو نفس لوازمہ کہتے ہیں۔

اور جب نفس شریعت کا پورا پابند ہو اس کی حکومت سے بغاوت نہ کرے اس کی ہر ایک جنبش شریعت کے موافق ہی ہو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں **ہذا ما عندی من معرفة لطائف الانسان واللہ اعلم**۔

ایک انسانی فتنہ وہ ہے جس کا تعلق اس کے اہل سے ہوتا ہے یعنی تدابیر منزلی کا اثر ہو جانا آنحضرت ﷺ کے قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک شیطان اس کے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں پہچاننا اب تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ کر دی اس شیطان کو ابلیس اپنے نزدیک بلا کر کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے۔

اور ایک فتنہ وہ ہے جو دنیائے موانع کی طرف موجزن اور متلاطم ہوتا ہے وہ تمدن کی تدابیر کا برباد ہونا ہے اور لوگوں کا خلاف حق مخالفت میں طمع لڑنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان دایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں لیکن وہ ان میں فساد لواتا رہے گا۔

ایک فتنہ مذہبی ہے کہ صحابہؓ سے رسول اللہ ﷺ میں سے حواری فتاہو جائیں اور تا اہل لوگ مذہب کے معتقد مایہ بنیں علماء اور درویش مذہبی اور میں زیادہ تعمق کریں اور ساطین و جاہل دین میں تہاد و کسل ظاہر کریں کوئی نیکی کا راہ نہا اور بدی سے

روکنے والا نہ رہے اور زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے ہمرنگ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے 'ہر نبی کے لیے حواری ہوتے رہے۔ الیٰ آخر الحدیث

اور ایک فتنہ وہ ہے جو آفاق میں پھیل جاتا ہے کہ لوگ انسانیت کے اصلی نظام اور مقتضائے انسانی سے بالکل بدل جائیں، سب میں ازکی اور اعلیٰ درجہ کے زائد تو طبیعت کے جذبات کو بالکل ترک کر دیں، ان کی اصلاح اور منتظم کرنے کی پرواہ نہ کریں، اپنے آپ کو مجردات کے مشابہ کسی نہ کسی طرح سے کر لیں اور عوام خالص بہمیت میں جذب ہو جائیں، کچھ لوگ دونوں کی درمیانی حالت میں ہوں۔ لَا اِلٰی هُوَلَا وَلَا اِلٰی هُوَلَا۔

اور ایک فتنہ واقعات جو سے متعلق ہے جن میں عام تباہی اور بربادی کی تہدید اور تخویف ہوا کرتی ہے۔ مثلاً ہولناک قانون کا ظاہر ہونا، وبا کا پھیلنا، زمین کا دھنس جانا، دور تک اطرافِ عالم میں آتشزدگی کا ہونا۔ مثل ذالک

آنحضرت ﷺ نے اکثر فتنوں کی تفصیل اور تشریح بیان فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ تم اگلے لوگوں کے تمام طریقوں میں ایسی ہی پیروی کرو گے جیسے بالشت بالشت کے ساتھ اور گز گز کے برابری کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے اگر کوئی موسما کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی اس کی پیروی کرو گے اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیک لوگ درجہ بدرجہ فنا ہوتے جائیں گے اور بے قدر سبک طبع ایسے باقی رہتے جائیں گے جیسے جو کی بھوسی اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ پرواہ نہ ہوگی، میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ جب نبوت کا زمانہ منقرض اور ختم ہو جائے گا اور آپ کے صحابہؓ میں حواریوں کے درجہ کے لوگ باقی نہ رہیں گے اور نا اہل لوگ معتمد علیہ بنائے جائیں گے تو ضرور ہے کہ نفسانی اور شیطانی تحریکات اور وداعی کے موافق رسمیں پھیل جائیں گی، اور وہ الا ماشاء اللہ سب میں سرایت کر جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی ہدایت نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے اس کے بعد خلافت اور رحمت کا زمانہ آئے گا، پھر اس کے بعد گزندہ حکومت ہوگی، اس حکومت کے بعد ظلم سرکشی اور زمین پر فساد ہوگا، ریشم، شرمگا ہوں اور شراب کو لوگ جائز اور درست سمجھیں گے اسی حالت پر ان کو رزق دیا جائے گا، ان کی مدد کی جائے گی جب تک کہ وہ اللہ سے ملیں۔

میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کی ذات سے نبوت کا اختتام ہو گیا اور وہ خلافت جس میں باہم مسلمانوں میں تلوار نہ تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم ہوئی اور اصل خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہو گئی اور ملک عضو یعنی گزندہ کا وہ زمانہ ہے جس میں بنی امیہ سے صحابہؓ کی لڑائیاں رہیں اور بنی امیہ سختیاں کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو گئی اور جبر و سرکشی کا زمانہ عباسیوں کا ہے اس لیے کہ انہوں نے کسریٰ اور قیصر کی رسم و آئین کے موافق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنے دلوں پر پیش ہوں گے وہ دلوں کو گھیر لیں گے جیسے چٹائی کی بناوٹ میں ایک جزو دوسری جزو میں گچھا ہوا ہوتا ہے جن دنوں میں وہ فتنہ سرایت کر جائیں گے ان میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جائے گا، اور جو قلوب ان سے بیگانہ رہیں گے ان میں سپید نقطہ پیدا ہوگا، اس طرح دو قسم کے دل ہو جائیں گے ایک سپید چٹان کی طرح صاف و بے داغ اس کو کوئی فتنہ

مضرت نہ پہنچا سکے گا جب تک زمین آسمان قائم ہیں دوسرے سیاہ گرد آلود جیسے میز حاکوزہ نہ نیلی کی شناخت کرتا ہے نہ بدی کی بجز اپنی خواہش کے جو دل میں سرایت کر گئی ہے۔

میں کہتا ہوں جب فتنے برپا ہوتے ہیں تو نفسانی اور شیطانی ولولوں کی دل میں جنبش ہوتی ہے بد اعمال نیاں دلوں کو گھیر سکتی ہیں کوئی ہادی نہیں ہوتا جو حق پر آمادہ کرے اس واسطے ان ہی دلوں کو ان فتنوں سے علیحدگی اور بیگانگی ہوا کرتی ہے جو ان کی مخالفت اور بدنامیت سے نا آشنائے محض ہوتے ہیں باقی اور سمجھوں پر ان کا عام اثر ہوا کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ امانت اصل طبیعت میں پیدا ہوا کرتی ہے پھر اس کا علم قرآن و حدیث کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے اور امانت کے جاتے رہنے کو آنحضرت ﷺ نے یوں بیان فرمایا کہ آہستہ آہستہ امانت کا اثر دل سے زائل ہوتا ہے اول اول اس کا زائل ہو کر کسی قدر تیزگی رہ جاتی ہے پھر اثر ظلمت کا دیر پا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کو غالب ہو تو ایک قوم کو اس نے پسند کیا اور اطاعت و جان نثاری کا ان کو مرتاض و مشتاق بنایا، عجم الہی کے موافق ان کی ہمت اور عزم کو جمع کیا پھر اسی اہمائی فرمان پذیری کے احکام کی قرآن و حدیث میں پوری تفصیل برائی گئی اس کے بعد رفتہ رفتہ غفلت و بے پرواہی بڑھتی جاتی ہے اس وقت نہایت ہوشمندی اور فراست میں دیکھا جاتا ہے کہ اس کے دل میں دین الہی اور لوگوں کے باہمی تعلقات اور معاملات میں ادنیٰ حصہ مدین اور امانت کا نہیں ہوا کرتا ہے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جیسے اسلام سے پیشتر تاریکی پھیل گئی تھی کیا بعد کو بھی ہو جائے گی آپؐ نے فرمایا ہاں ایسی ہی ہو جائے گی میں نے کہا اس سے نجات کیسے حاصل ہوگی آپؐ نے فرمایا تم کو ان نجات دے سکے گی میں نے کہا بعد تم کو اس کے بھی کیا پتہ تاریکی باقی رہے گی " آپؐ نے فرمایا ہاں ناخوشی اور ناگواری سے حکومت قائم ہوگی اور مکر و فساد سے صلح ہوگی میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا کہ اسی کی طرف لوگ بائیں گے اگر اس وقت میں کوئی خلیفہ موجود ہو جو امور باطل پر تیرے ہیٹ پر رہے لگائے اور تجھ سے مال وصول کرے تو اس کی اطاعت کرنا اور نہ افسوس و غم کی حالت میں مرجاتا۔

میں کہتا ہوں وہ زمانہ جس میں نجات تم کو اسے حاصل ہوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد خلافت تھا جس میں اہل عرب مرتد ہو گئے تھے اور ناخوشی کی حکومت وہ باہمی نزاع تھی جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں پیش آئے اور مکر و فساد کی وسیع قلمی جو حضرت معاویہؓ اور حضرت امام حسنؓ کے زمانہ میں واقع ہوئی اور گمراہی کی طرف بانٹا ان میں سے ملک شام میں بڑی تھوڑی عمارت میں مختار و فیہ ذالک یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کی حکومت مستقل ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فتنہ انہاس کا ذکر فرمایا آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اس میں کیا ہوگا آپؐ نے فرمایا بھگن اور جنگ کرنا پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بعد فتنہ راءہ کا اس کا ظہور ایسے شخص کے قدموں سے پئے ہوگا جو کہے گا کہ مجھ میں سے ہے حالانکہ مجھ میں سے نہ ہوگا یتیمنا مجھ میں سے قریب قریبی لوگ اس کے بعد تمام لوگ ایک شخص سے صلح کر لیں گے لیکن اس کی حالت کچھ غلط نہ ہوگی اور اس کے بعد فتنہ راءہ کا دلی شخص اس امت کا اس کے ملنے سے محفوظ نہ رہے گا جب لوگ کہیں گے کہ اب اس کی ایسا ہو گئی اس میں اور امتداد ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ فتنہ اخلاص واللہ اعلم وہ ہوا جس میں اہل شام نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے جنگ کی تھی وہ جب مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آ گئے تھے اور فتنہ سراء سے مراد یا تو مختار کا غالب آ کر اس دعویٰ سے کہ میں اہل بیت کا قصاص لیتا ہوں قتل و غارت کرنا ہے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ وہ کہے گا کہ مجھ میں ہوگا اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ اہل بیت کے ایک گروہ اور انصار میں سے ہوگا اس کے بعد مروان اور اولاد مروان پر صلح ہو گئی تھی یا اس فتنہ سے ابو مسلم خراسانی کا غلبہ کیوں کے مقابلہ کے لیے خروج کرنا مراد ہے اس کا بھی یہی قول تھا کہ میں اہل بیت کی خلافت کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد سفاح پر صلح ہو گئی اور فتنہ دہیما سے چنگیزیوں کا مسلمانوں پر غالب آ جانا مراد ہے انہوں نے ممالک اسلام میں خوب غارت گری کی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے علامات بیان فرمائے ہیں ان علامات کی انتہا بھی انہیں مختلف فتنوں پر ہوتی ہے جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے علامات سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا جہل کی کثرت ہوگی زنا اور شراب کی زیادتی ہو جائے گی مردم ہو جائیں گے عورتیں زیادہ ہو جائیں گی پچاس پچاس عورتوں پر ایک شخص کی حکومت ہوگی۔ زبان شریعت میں حشر کے دو معنی ہوتے ہیں ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا قیامت سے پیشتر یہ واقع اس وقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائے گی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ کی وجہ سے وہاں جمع ہوں گے دوسرے حشر کے معنی ہیں بعد موت کے زندہ ہونا اس سے پیشتر ہم معاد کے اسرار بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم جن بڑے بڑے فتنوں کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے وہ چار ہیں:

اول فتنہ ناگوار حکومت کا یہ فتنہ اس حالت پر صادق آتا ہے جس میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام میں شورشیں پیدا ہوئیں یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت قائم ہو گئی: بدنة علی وقن اسی خلافت کی طرف اشارہ ہے حضرت معاویہؓ کے ہی متعلق ہے یعرف امرہ وینکر کہ ان کے حکم کی تعمیل بھی کی جائے گی اور اس سے انکار بھی کیا جائے گا اس لیے کہ ان کی میرت سلاطین کی طرز پر تھی نہ خلفاء کے روش پر۔

دوسرا فتنہ اخلاص ہے جس میں لوگ جہنم کے دروازوں کی طرف بلائیں گے یہ اس زمانہ پر صادق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا اور خلافت کی تمنا میں انہوں نے جنگ آزمائیاں کیں یہاں تک کہ عبدالملک کی حکومت جم گئی۔ تیسرا فتنہ سراء ہے جبر و سرکشی کا زمانہ ہے جس میں عباسیوں نے بنی امیہ پر خروج کیا یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کی بنیاد قائم ہو گئی عباسیوں نے سلاطین عجم کی سی ٹھاٹ قائم کی اور زبردستی حاکم بن بیٹھے۔

چوتھے جو عام طور پر سب کو طمانچہ لگائے گا جب کہیں گے اب ختم ہو گیا ہے وہ اور متمد ہو جائے گا۔ اور لوگ دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے وہ چنگیزی ترکوں کا بلا خیز حملہ تھا جنہوں نے عباسی خلافت کو پاش پاش کر دیا۔ اور جو حدیثیں فتنوں کے بارے میں وارد ہیں ان میں سے دس پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اسلام کی آ سیاتینتیس یا چھتیس سال تک گردش کرتی رہے گی پس اگر لوگ ہلاک ہو جائیں تو

ان کی ہلاکی ایسی ہی ہوگی جیسی اگلوں کی ہوئی اور اگر ان کا دین ثابت اور مستقیم رہا تو ستر برس باقی رہے گا راوی نے کہا یہ مدت ستر سال کی آئندہ سے ہے یا گزشتہ سالوں کو ملا کر اس قول کے کہ اسلام کی آسٹیا گردش کرتی رہے گی معنی یہ ہیں کہ اسلام کی پوری قوت ان سالوں میں ہوگی حدود قائم ہوں گے جہاد تمام امت میں ہوگا اور یہ حالت جہاد کی ابتداء اور اوائل ہجرت سے جب تک باقی رہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور مدت میں تعداد کے لحاظ سے جو شبہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق اجمالی وحی کی گئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ اگر سب ہلاک ہو جائیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قدر دشواریاں اور دقتیں پیش آئیں گی کہ دیکھنے والے کو شک ہوگا کہ مبادا تمام امت تباہ ہو جائے اور تمام ان کے امور نابود نہ ہو جائیں اور ستر برس سے ابتداء بعثت سے حضرت معاویہ کے انتقال تک کا زمانہ مراد ہے اس کے بعد فتنة وعامة الفسالة کا قائم ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے وہ لوگ لڑیں گے جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی ان سے ترک مراد ہیں وہ تم کو تین مرتبہ ہٹائیں گے یہاں تک کہ جزیرہ عرب سے تم ہل جاؤ گے پہلی دفعہ جو بھاگے گا وہ بچ جائے گا دوسری مرتبہ کچھ بچیں گے کچھ ہلاک ہوں گے تیسری مرتبہ وہ بالکل استیصال کر دیں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب ان سے لڑیں گے اور غالب آ جائیں گے اس کی وجہ سے باہم ان میں عداوتیں اور رنجشیں پیدا ہوں گی جن کا انجام یہ ہوگا کہ وہ اپنے شہروں سے عرب کو دور کر دیں گے اور اس پر ہی قناعت نہ کریں گے بلکہ خود بلاد عرب کے اندر آ جائیں گے۔ حتیٰ تلقوہم بجزیرۃ العرب۔ سے یہی مراد ہے ان کے اول بار کی جنبش میں بھاگنے والے کو نجات مل جائے گی یعنی جو مقابلہ نہ کرے گا وہ بچ جائے گا اور یہ پیشین گوئی چنگیزیوں کے جنگ پر صادق ہوئی جو عباسی بغداد میں تھے ہلاک ہو گئے اور جو مصر کو بھاگ گئے تھے محفوظ رہے دوسری مرتبہ فرمایا گیا کہ بعض بچیں گے بعض ہلاک ہوں گے یہ امر تیور کے حملے پر صادق ہے جس نے ملک شام کو پائمال کر دیا اور عباسیوں کو تباہ و بالا کر دیا اور تیسری بار سب کا استیصال کر دیں گے یہ عثمانیہ حکومت پر صادق ہے یہ تمام دائرہ حکومت پر غالب آ گئے۔ واللہ اعلم



المناقب

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب چند امور پر متبنی ہیں، اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی وہ نفسانی ہیئت اور حالت معلوم ہوئی جس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل ہو جانے کے قابل ہو جایا کرتا ہے، جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ کو معلوم ہوا کہ ان میں نمائش نہیں ہے اور انہوں نے ان اوصاف کو مکمل کر لیا ہے جن کی صورت مثالی جنت کے دروازے ہوتے ہیں، تب آپ نے فرمایا مجھ کو امید ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے، یعنی ان لوگوں میں سے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلائے جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کو کبھی راستہ میں چلتا ہوا شیطان نہیں ملا مگر وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے سوہو لیتا ہے، اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت سے اگر کوئی محدث یا ملہم بالغیب ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خواب کے ذریعہ سے کسی کا راسخ فی الدین ہونا آپ کو معلوم ہو جائے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت ان کا استقبال کرتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ان کا ایک محل ہے اور بڑی لمبی چوڑی قمیص پہنے ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے دودھ سے بقیہ عطیہ فرمایا ہے جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ علم اور دین سے ان کو کافی حصہ ملے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان سے اپنی محبت ظاہر فرمائیں ان کی توقیر کریں ان کے ساتھ مواسات اور ہمدردی کریں، اسلام کے پہلے خدمات اور ابتدائی اوصاف ان میں پائے جاتے ہوں، ان سب امور سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور اسی لیے متحقق ہوئے کہ ان کے دل نور ایمانی سے منور تھے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ بعض زمانوں کی بعض پر فضیلت اور فوقیت مشکل الوجہ نہیں ہو سکتی ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کی صفت بارش کی سی ہے، میں نہیں جانتا کہ پہلا مینہ اچھا ہے یا اخیر مثل امی کمثل المطر لا ادري اوله خير ام اخره۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میرے صحابہ ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے انتم اصحابی واخوانی الذین یاتون بعدی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مختلف اعتبارات اور مختلف وجہیں ہر زمانہ میں موجود ہوا کرتی ہیں۔

اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عمدہ اور بزرگ زمانے کے ہر شخص کو دوسرے مفضول زمانہ پر فوقیت اور فضیلت ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے جو قرون بالاتفاق عمدہ اور بزرگ تھے ان میں بعض لوگ فاسق اور منافق بھی تھے، انہیں زمانوں میں حجاج، یزید بن معاویہ مختار ہیں، اور قریش کے نوجوان جو لوگوں کو ہلاک کرنے والے تھے اور ان کے علاوہ اور جن کی بد اعمالیوں کو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے، لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ قرن اول کے جمہور لوگ قرن دوم کے جمہور لوگوں سے افضل اور بہتر تھے اور مذہب کا ثبوت اور وجود

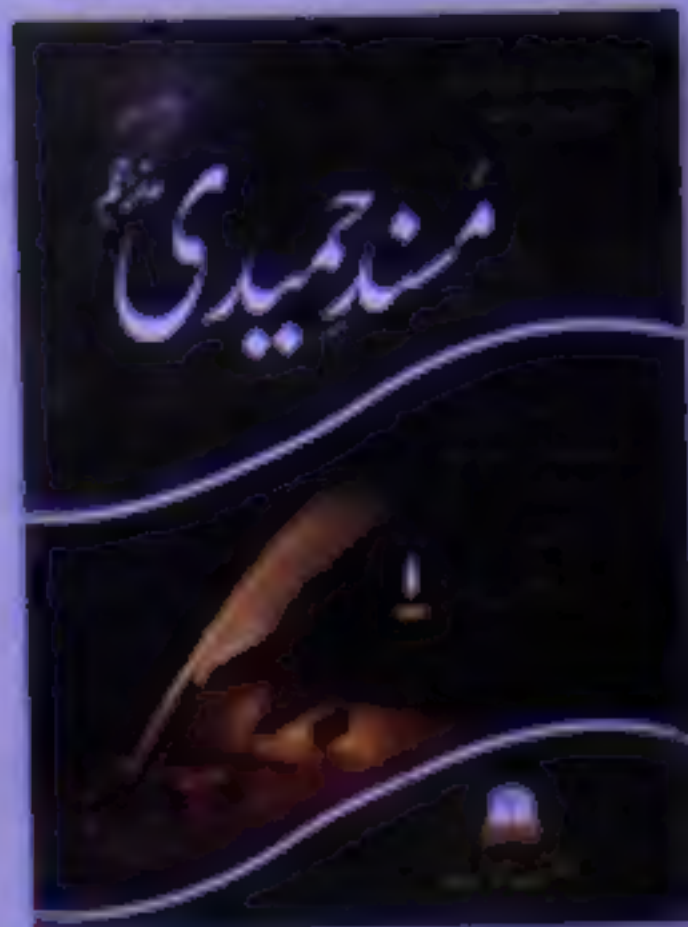
نقل سے ہوا کرتا ہے کہ ایک دوسرے کا وارث ہوتا چلا جاتا ہے اور توارث جب ہی ممکن ہے کہ ان لوگوں کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ جنہوں نے وحی کے موقعوں کا معائنہ کیا تھا ان کی تفسیر اور تاویل ان کو معلوم تھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو آنکھ سے دیکھا تھا اس میں تعمق اور سستی کو مخلوط نہیں کیا تھا دوسرے مذہب کی آمیزش سے اس کو پاک صاف رکھا تھا۔

اور تمام ان لوگوں کا جو امت محمدیہ میں شمار اور اعتبار کے قابل ہیں اس پر اتفاق ہے کہ تمام امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لیے کہ نبوت میں دو حصے ہوا کرتے ہیں علوم کو اللہ کی جانب سے حاصل کرنا اور لوگوں میں ان کی اشاعت کرنا پہلے حصہ میں بنی کا کوئی ہمسرا اور شریک نہیں ہوا کرتا اور ان علوم کا شائع کرنا انتظام اور تالیف قلوب سے حاصل ہوا کرتا ہے اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اور آپ کے بعد کوئی شخص اس امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام میں ایسا نہیں ہے کہ اس حصہ میں شیخین رضی اللہ عنہما سے اس کو سبقت اور فوقیت حاصل ہو۔ واللہ اعلم

ولیکن هذا اخر ما اردنا ايراده في كتاب حجة الله البالغة والحمد لله تعالى اولا واخرا و
ظاهرا وباطنا وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين.



ہماری چند دیگر خوبصورت اور معیاری مطبوعات



مکتبہ رحمانیہ

اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

Tel: +92-42-37224228 , 37355743

E-mail: maktabarehmania@gmail.com